سیرِ کہسار

جلد اوّل

مصنّف

پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنوی

مرتب

امیر حسن نورانی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل

حکومت ہند

ویسٹ بلاک-I، آر-کے-پورم، نئی دہلی-110066

سیرِ کہسار

جلد اوّل

سیرِ کہسار

جلد اوّل

مصنّف

پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنوی

مرتب

امیر حسن نورانی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل
حکومت ہند
ویسٹ بلاک-I، آر-کے-پورم، نئی دہلی-110066

Sair-e-Kohsaar Vol.I.

By Pandit Rattan Nath Sarshaar Luckhnavi

سنہ اشاعت :اکتوبر، دسمبر 1998 شک 1920

پہلا اڈیشن :1100

قیمت :=/167

سلسلہ مطبوعات :825

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،
ویسٹ بلاک 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066

طابع : جے۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرس، جامع مسجد دہلی۔6

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں. سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہنِ انسانی کی نشوونما طبعی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتّب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظرِ ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائریکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

فہرست

سیرِ کہسار

پہاڑ کیا شے ہے؟

مکالمہ :-

ا۔ عسکری[1] ۔ ع۔ نواب محمد عسکری صاحب بہادر صَولت جنگ لکھنؤ کے رئیس زادے امیر کبیر کے لڑکے، ناز و نعم کے پروردہ، مگر نخاس اور نواب گنج اور حسین آباد مبارک کے باہر قدم نہیں رکھا۔

۲۔ نور۔ ن۔ تربیت یافتہ اور تجربہ کار آدمی جہانیان جہانگرد۔

ع۔ (نواب محمد عسکری) کیوں صاحب یہ گرمیوں میں صاحب لوگ رخصت کیوں زیادہ لیتے ہیں، اس کا کوئی سبب ضرور ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے وقت کے لقمان ہیں۔ ان کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہوتا اور گرمی کی فصل میں کم سے کم فی صدی استی ضرور مہینے دو مہینے کی رخصت لیں گے۔ آج بڑے صاحب رخصت پر ہیں اور کل چھوٹے صاحب گئے۔ اور پرسوں جرنیل (جنرل) صاحب کا اسباب لد رہا ہے۔ گرمیوں بھر یہی تار بندھا رہتا ہے۔ اور سردی میں اِکّا دُکّا ہی کوئی رخصت لیتا ہو تو لیتا ہو، ورنہ جسے دیکھئے دَورے پر۔ یہ کیا بات ہے؟

ن۔ حضور سبب اِس کا یہ ہے کہ گرمیوں میں اکثر صاحب لوگ پہاڑ پر جایا کرتے ہیں اِن کا ملک تو سرد ہوتا ہے نا۔ یہاں کی گرمی ان کو بہت کھلتی ہے۔ بس اسی سبب کچھ دن کے لئے پہاڑوں پر چلے جاتے ہیں۔

ع۔ یہ پہاڑ ہے کیا شے؟ پہاڑ کا نام تو برسوں سے سُنتے آتے ہیں مگر کبھی جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ جتنی مشکل اصطلاحیں ہیں وہ سب پہاڑوں ہی کے متعلق ہیں۔ مثلاً لوگ کہتے ہیں فلاں کام کرنا کیا پہاڑ اٹھانا ہے۔ تو حضرت اِس سے تو پایا جاتا

---

[1] نواب محمد عسکری، سیرِ کہسار کا خاص کردار ہے جو آخر تک چلتا ہے۔

ہے کہ پہاڑ کوئی وزنی شے ہے۔

ن ۔ وزنی تو ضرور ہو گا۔ مگر آخر وزن کی بھی کوئی انتہا ہے۔ بہت وزنی ہو گا کوئی چھ من کا ہو گا۔

ع ۔ نہیں چھ من تو کیا ہو گا۔ اور اگر واقعی چھ ہی من ہوتا ہے تو لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃ کوئی ایسی وزنی شے نہیں ہے۔ لوگ تو ہاتھی اِتنے بڑے جانور کو دُم پکڑ کے روک لیتے ہیں، تو ہٹنے نہیں دیتے ہاتھی کیا اب چھ من سے بھی کم ہو گا۔

ن ۔ کیوں جناب یہ پہاڑ آخر کوئی پتھر ہے یا سیسا ہے یا اینٹ کا بنا ہوا ہے یا روئی کا گٹھر ہے۔ یہ ہے کیا؟

ع ۔ (کانوں پر ہاتھ رکھ کر) بھئی کوئی بڑی وزنی شے ہے۔ جیسے نال جس کو شہزور لوگ اٹھاتے ہیں۔ گو ہم نے پہاڑ کبھی آج تک نہیں دیکھے مگر اونچے اونچے ٹیلے البتہ دیکھے ہیں۔ پہاڑ ان ٹیلوں سے کوئی چوگنے ہوتے ہوں گے انتہا دس گنے سہی۔

ن ۔ جی ہاں بس انتہا ہے، اور کیا کوئی میل بھر کے ہوتے ہوں گے۔ لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃ!۔

ع ۔ اب یہ دریافت کرنا لازم آیا کہ یہ کس شے سے بنے ہوتے ہیں۔ سُنا ہے پہاڑوں پر درخت بھی ہوتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مٹی کا میل ضرور ہے اور میل کیا معنی مٹی ہی کے ہوتے ہوں گے جب تو درخت اُگتے ہیں۔ کسی سے دریافت کرنا لازم ہے۔

ن ۔ پیڑ تو پتھر پر اُگ نہیں سکتے۔ لہذا مٹی ہی سمجھیے۔ مگر کسی پُرانے وقت کی مٹی ہو گی۔ یہ پُودی پس پھسی مٹی نہ ہو گی کہ پانی پڑا اور پھسل گئی وہ مٹی بھی مثل پتھر کے ہو گی۔

ع ۔ مگر صاحب لوگ پہاڑوں پر جاتے کیونکر ہیں۔ ہم نے تو سُنا ہے کہ وہاں کوئی جا ہی نہیں سکتا، اور اگر کوئی گیا بھی تو سخت مصیبت سے انسان کا گذر ہوتا ہے، اور کئی فٹ کی چڑھائی چڑھنی ہوتی ہے بھلا عقل کبھی گوارا کر سکتی ہے کہ اتنی بڑی چڑھائی کوئی چڑھ سکے۔ لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃ بہت ہوئی بھائی صاحب۔ یہاں تو بھائی صاحب اگر سیدھے زینے ہوں تو چالیس زینوں کے بعد دم ٹوٹ جاتے۔ اور جو کسی مکان کے زینے چوڑے چوڑے

ہوں اور سیدھے چلے گئے ہوں تو معاذاللہ دس بھی دو بھر ہو جائیں۔ نہ کہ کوسوں کی چڑھائی چڑھنی اور کون چڑھائی پہاڑوں کی! معاذاللہ کا مقام ہے۔

ن۔ (مسکرا کر) آپ بھی انھیں رئیسوں میں معلوم ہوتے ہیں جو خشکے کے کھیت ڈھونڈتے ہیں۔ پہاڑوں سے بالکل واقف ہی نہیں، پہاڑ کو تو آپ بالکل کھلونا ہی سمجھے ہوتے ہیں۔ آپ کئی فٹ کی چڑھائی کو رُو رہے ہیں اور یہ معلوم ہی نہیں کہ پہاڑوں کی چوٹیاں سات سات ہزار فٹ بلند ہیں ہوش تو اُڑ گئے ہوں گے جناب؟

ع تم نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے۔

ع۔ سات ہزار فٹ کی بلندی!!! عیاذاً باللہ! ہوش اڑ گئے واللہ۔ سات ہزار فٹ کی بلندی کچھ ٹھکانا ہے۔ بھئی ہمیں تو یقین نہیں آتا۔ آپ ہمیں ناواقف سمجھ کر بناتے ہیں۔ سات ہزار فٹ کچھ آپ نے دل لگی مقرر کی ہے۔ پہاڑ نہ ہوا کوئی آسمان ہوا آسمان بھی تو آخر ——————

ن۔ ہاں ہاں کیا! آسمان بھی تو آخر کیا؟ آپ کچھ فرمانے کو تھے مگر دبے دانتوں کہہ کے رہ گئے۔ سات ہزار فٹ کی بلندی تو کوئی بلندی میں بلندی نہیں ہے۔ بھائی جان انتیس انتیس ہزار فٹ کی بلندی ہوتی ہے۔ پانچ میل کے قریب ہوئی۔ ڈھائی کوس۔ آپ ہیں کس خیال میں بندہ نواز آپ نے شہر کی چڑھائی کی اچھی کہی واللہ۔ ایک دفعہ چل کے دیکھیے تو کہ پہاڑ کیا شے ہے

ع۔ خُدا کی پناہ! تو انسان کوئی سات آٹھ گھنٹے میں پہاڑ کی ڈھائی کوس چڑھائی چڑھ سکتا ہوگا۔ ہم ایسے ناواقف آدمی تو ہانپ ہی جائیں۔

ن۔ (ہنس کر) سات آٹھ گھنٹے! ماشاءاللہ! اجی جناب پہاڑوں کی دشوار گذاری سے آپ ابھی واقف ہی نہیں، اس چکر کے ساتھ جانا ہوتا ہے کہ اَلاَماں۔ کچھ نہ پوچھیے۔ یہ تھوڑا ہی ممکن ہے کہ پہاڑ کی چوٹی پر آپ سیدھے ہی پہنچ جائیے۔ یہ بھی کوئی میدان ہے کہ انسان سیدھا چلا جاتے چکر کھا کے جانا پڑتا ہے۔ چیل کو کبھی منڈلاتے ہوئے دیکھا ہے۔

ع۔ آپ نے بھی غضب کیا واللہ۔ اب کیا چیل اور کوّے کو بھی اُڑتے نہیں دیکھا ہے۔ معقول!۔

ن ۔ اچھا بھلا چیل کیونکر اڑتی ہے۔ چیل کو کبھی سیدھا اُڑتے ہوئے نہ دیکھا ہوگا۔ جب اڑے گی چکر کھا کے اور مُنڈلاتی ہوئی۔ اگر سیدھی اڑے تو دم ٹوٹ جائے حقیقتِ حال یُوں ہے کہ پہاڑ کے دیکھے بغیر دنیا کے نشیب فراز سے انسان واقف نہیں ہو سکتا۔ نشیب و فراز تو انسان جبھی دیکھ سکتا ہے جب پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے، اور پھر نیچے اُترے۔

ع ۔ واللہ کیا بات کہی ہے تو حضرت کسی ترکیب سے پہاڑوں کی سیر کرنی چاہیئے۔

سفر کوہی کا شوق :۔

میاں نوُر کی روشنیِ طبع اور لسّانی ولفّاظی، وجادو بیانی، ومعجز طرازی نے وہ رنگ اثر جمایا کہ محمد عسکری کو سفر کوہی کا شوق چرّایا۔ گو انھوں نے عنایت ایزدی سے طبع نورانی پائی تھی۔ جناب باری نے عقل دُوربین عطا فرمائی تھی مگر حوالی موالی، رفیق، مصاحب، سب خانہ بر، انداز تہذیب۔ فروغ بازار تخریب ملے تھے۔ طرزِ معاشرت قابلِ افسوس تھا ان کے ہاں ۱۱ بجے تڑکا ہوتا تھا۔ ۱۱ بجے تک خوابِ غفلت میں پڑے رہتے تھے۔ ۱۱ بجے کروٹیں اِدھر اُدھر بدلیں، آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھے اور پھر لیٹ گئے۔ خدمت گار حاضر ہوا اور پاؤں دبانے شروع کیے، تو پھر آنکھ لگ گئی، ۱۲ بجے کے بعد آنکھ کُھلی۔ پلنگ ہی پر بیٹھے بیٹھے منہ دھویا۔ آبدار خانے والا پیچوان بھر کر لایا۔ محمد علی کی دوکان کا دو سیرا مشک بُو تمباکو، خاص دان میں گلوریاں آئیں، سرکار نے لیٹے ہی لیٹے کھائیں۔

اتنے میں مصاحب آئے۔ فقرہ بازی شروع ہوئی۔ ایک گھنٹہ تک گپیں اڑائیں ایک گھنٹے کے بعد چانڈو کا شغل ہوا، خود بدولت اور کُل حاضرین و مصاحبین بخت داڑگوں کی طرح اوندھے پڑے ہوئے چانڈو اڑانے لگے، جب کئی چھینٹے پی چکے اور خوب غین ہو گئے تو تھوڑی دیر میں خدمت گار نے عرض کیا خداوند خاصہ چُنا گیا۔

کھانے کے وقت چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔

عسکری ۔ قصد ہے کہ اب کے پہاڑ کا سفر کریں۔

اختر۔ حضور پہاڑ کا سفر کریں گے؟
ممن[1]۔ خیر باشد۔ یہ سفر کیسا خداوند؟۔
ع۔ ہمیں شرم آتی ہے کہ آج تک پہاڑ نہیں دیکھا۔
ممن۔ اس میں شرم کی کیا بات ہے پیر و مُرشد۔ پہاڑ دیکھنے سے کیا قارون کا خزانہ مل جائے گا۔
اختر۔ ایک پہاڑ پر کیا فرض ہے حضور۔ ابھی ہم لوگوں نے دیکھا ہی کیا ہے خاک؟ جب ملکوں ملکوں کی سیر کرے تب البتہ انسان پختہ مغز ہو مگر دو دن کی زندگی میں کیا کیا کرے۔ ؎

رُباعی:-
دریا دیکھوں کہ کوہ و صحرا دیکھوں — یا معدن و مُردشت کا تماشا دیکھوں
ہر سُو تری قُدرت کے ہیں لاکھوں جلوے — حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

ممن۔ خداوند ہرگز ہرگز پہاڑ پر جانے کا قصد نہ فرمائیے گا۔ اسے توبہ توبہ! جناب والد کو ایک بار جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ وصیّت کر گیے ہیں کہ بیٹا اگر کوئی کروڑ دو کروڑ روپے بھی دے تو پہاڑ کی طرف رُخ نہ کرنا۔
عسکری۔ یہ کیوں۔ یہ کیوں۔ آخر اِس کا سبب؟۔
ممن۔ خداوند غلام دست بستہ عرض کرتا ہے از برائے خدا حضور یہ خیال دل سے نکال ڈالیں۔
ع۔ اے تو صاحب کوئی سبب بھی تو بتائیے گا۔
اختر۔ بھئی عجب فشن کے آدمی ہو، واللہ۔ ارے میاں پہاڑوں نے کیا قصور کیا ہے۔ آخر کچھ تو معلوم ہووے۔
ممن۔ حضور بس یہ ملاحظہ فرمائیں کہ جناب والد نے پہاڑ کے سفر میں یہ تکلیف اٹھائی کہ وصیت کر گئے۔
ع۔ بے اس کے نشیب و فراز سے انسان واقف نہیں ہوتا۔
ممن۔ پیر و مُرشد یہ تو حضرت نور کی لفّاظی ہے۔ باقی عرض کر دینے سے مطلب

---

[1] ممن۔ نواب عسکری کا مصاحب۔ اس کا کردار اہم ہے جو آخر تک چلتا ہے

تھا۔ماننا نہ ماننا آپ کے ہاتھ ہے۔ ؎

سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار　　اب مان نہ مان تو ہے مختار

اول تو حضور یہ ملاحظہ فرمائیں کہ کوسوں کی چڑھائی چڑھنا بھلا حضور سے چڑھی جائے گی۔استغفراللہ۔ درگاہ تک جاتے ہوئے ہانپ جاتے ہیں حضور نہ کہ کوسوں کی چڑھائی۔ پھر راستہ اس قدر مخدوش کہ الامان۔ ذراسی پگ ڈنڈی اور دونوں جانب کوسوں کا نشیب نیچے دیکھا اور تھرتھرا کے آدمی گر پڑا۔ دائیں طرف دیکھو تو خوف۔ بائیں طرف نظر ڈالو تو خوف۔ اور جو پتھروں میں آگ لگی تو چلیے بس ختم شد۔ جل بھن کے کباب ہو گیے۔

واجد۔ واہی ہو خاصے۔ اور یہ جو لکھو کھا آدمی پہاڑوں پر رہتے ہیں یہ کیونکر رہتے ہیں۔

ممن۔ اُن کی اور بات ہے بھائی جان۔

واجد۔ اور بات کیسی۔ کیا وہ انسان نہیں ہیں۔

ممن۔ بھلا حضور پہاڑ کے سفر کے قابل ہیں۔

واجد۔ کیوں نہیں ہیں۔ ٹٹوؤں پر جائیں گے۔

ممن۔ ٹٹو پر چھ کوس کی چڑھائی پر جائیں گے؟ ہوش کی دوا کرو۔ اور جو ٹٹو ٹھوکر لے؟۔

ع۔ ٹٹو پر؟ واہ واہ ہم سے نہ جایا جائے گا۔ بندہ ایسے سفر سے درگذرا۔ اور جو ٹٹو بھڑکے تو کہیں کے نہ رہے۔

ممن۔ گرے تو ہڈیاں تک نہ ملیں۔

ع۔ اے توبہ چکنا چور ہو جائے۔

ممن۔ خداوندا ک ذراسی بلندی پر سے انسان دیکھتا ہے تو کانپنے لگتا ہے نہ کہ پہاڑ کی چڑھائی۔ خدا کی قسم ذرا نیچے کی جانب نظر کی اور کانپ اٹھا۔

ع۔ چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔

اختر۔ ہے تو پہاڑ کا سفر نہایت دشوار گذار۔

ممن۔ اے حضرت توبہ ہی بھلی۔

ع ۔ ہم سے چڑھائی پر نہ چڑھا جانے گا اور ایسی چڑھائی! مگر کیا اِدھر اُدھر اینٹ یا پتھر کی منڈیر نہیں بنی ہوتی ہے۔

ممن ۔ (قہقہہ لگاکر) خداوند منزلوں اور برسوں کے راستے میں منڈیر کیسی ۔

اختر۔ انسان کا کام تو نہیں ہے ۔

ممن ۔اس میں کیا شک ہے ۔ دوسو منزل تو ایک ادنیٰ پہاڑی کا ایک حصّہ ہوتا ہے ۔

اختر۔ حضور سُنتے ہیں پہاڑ کی عورتیں بڑی حسین ہوتی ہیں ؟

ع ۔ واللہ! تو بھئی ضرور چلیں گے۔ لاکھ کام چھوڑ کے چلیں ۔ اور پھر چلیں ۔

اختر۔ دو پہاڑنیں ہم نے مُراد آباد میں دیکھی تھیں ۔ مُنّا اور رپنّا۔ خدا گواہ ہے خدا گواہ ہے ۔ ایسی صورتیں آج تک نظر سے نہیں گذریں ۔

ع ۔ بھئی چاہے ادھر کی دُنیا اُدھر ہو جائے ہم ضرور چلیں گے ۔

ممن ۔ اُن پہاڑنوں کا مذہب کیا ہے ۔ ہندو ہیں یا مسلمان ۔

ع ۔ اجی اس سے کیا بحث ہے ؟۔

اختر ۔ وہ ہندو ہوں یا مُسلمان مطلب تو حُسنِ گل و سوز سے ہے ۔

ع ۔ میرا بس چلے تو ان جاہل ہندو مسلمان دونوں کو شہر بدر کرادوں ۔ عیسےٰ بدینِ خود، موسیٰ بدینِ خود، اللہ اکبر کیسی عداوت ہے یہ آخر اس قدر اختلافِ مذہب کیوں ہے ؟ ۔

اختر۔ حضور تعصّب ۔ ؎

تقریر اختلاف میں کیوں کر بڑھے نہیں　　　ہندو پڑھے نہیں کہ مسلماں پڑھے نہیں

کھانے سے فراغت پائی تو گرما گرم دودھیا چائے آئی اور نواب صاحب نے مع مصاحبین نوش فرمائی ۔ حقّے پیچوان آئے ۔ مُشک بُو تمباکو نے ساری محفل کو بُسا دیا ۔ محمد عسکری صاحب پلنگ پر دراز ہوئے خس خانے کو بہشتی نے تر کر دیا ۔ قلی نے پنکھا کھینچنا شروع کیا مصاحب بھی لیٹے ۔ اب خوش گپیاں ہونے لگیں ۔ ایک مصاحب نے کہا کیوں حضور مجھے حیرت ہے کہ یہ آسمان بے ستون کے کیوں کر کھڑا ہے، دوسرا بولا خداوند پلاؤ کھانے کے بعد بھی واللہ کیا دور کی سوجھتی ہے ۔ دریافت فرماتے ہیں کہ یہ

آسمان بے ستون کے کیوں کر قائم ہے۔ تیسرے مصاحب نے کہا حضور بہت دُور کی سوجھی۔ چوتھا بولا خداوندا ب تو یہ زمین اور آسمان کے قلابے ملانے لگے۔ اس پر بڑا قہقہہ پڑا۔ محمد عسکری خوب کھلکھلا کر ہنسے فرمایا کہ زمین اور آسمان کے قلّابے کیا خوب کہا ہے۔ مصاحب نے اٹھ کر تین بار سلام عرض کیا، اور کہا حضور یہ سب حضور ہی کے فیضانِ صحبت کا اثر ہے، ورنہ من آنم کہ من دانم ؎

گلے خوشبوی در حمام روزی — رسید از دست محبوبی بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوی دلآویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بُودم — ولیکن مدتی با گل نشستم
جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم[1]

ع۔ جمالِ ہم نشیں یا کمالِ ہم نشیں؟

ممن۔ کیا خوب بات فرمائی ہے۔

ع۔ بھئی اس صحبت میں اختر شاعر ہیں۔ اُن سے پوچھیے کہ جمال کا لفظ یہاں پر صحیح ہے یا کمال۔

اختر۔ پیر و مرشد دونوں صحیح ہیں۔ اللہ جمیل و نجیب الجمال۔ جمال کے معنی ظاہری حُسن و خوبصورتی کے نہیں ہیں میرے ناقص علم و یقین میں کمال کے لفظ سے جمال یہاں پر زیادہ موزوں ہے ؎

یہ آدمی ہے کہ برسوں جمال رہتا ہے
وگرنہ ماہ کو اک شب کمال رہتا ہے

بیگم صاحب کا روٹھنا:۔

اب سُنیے کہ لاڈ دھری کو ان چہ می گوئیوں کی پوری پوری خبر پہنچ گئی اور اس نے محل سرا میں جا کر بیگم صاحب سے کچّا چٹھا کہہ سنایا، سنتے ہی بد دماغ ہو گئیں، اور کہا

---

[1] ماخوذ از گلستانِ سعدی شیرازی، یہ سعدی کا بہت مشہور قطعہ ہے۔ اس کا ترجمہ فرہنگ میں دیکھیے۔ نورانی

دان کو کیا کیا بے تکری کی باتیں سوجھتی ہیں، اور اللہ کی عنایت سے جو سوجھتی ہے انوکھی ہی سوجھتی ہے۔ اس بے تکےپن کے صدقے کوئی پوچھے پہاڑ نگوڑے میں کیا دھرا ہے،
لاڈو نے کہا حضور ہمارے محلے میں ایک خانساماں رہتا ہے۔ وہ پہاڑ کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتا ہے اور کہتا ہے چاہے کوئی دس کی عوض پچاس روپیہ مہینہ بھی دے تو میں حاشا پہاڑ پر نہ جانے کا۔ حضور وہاں تو ذری سی پگ ڈنڈی ہے بے ایمان کی قبر کی طرح تنگ۔ ہے ہے جو ایک ذری پانوں پھسلے تو انسان کہیں کا نہ رہے۔

بیگم صاحب نے کہا۔ لاڈو حسین علی سے کہہ دو کہ ذری بُلا لے۔ کہے ہم کو ایک ضروری کام ہے۔ لاڈو نے حسین علی کو دروازے کے پاس بلا کر کہا۔ سرکار سے کہہ دو کہ بیگم صاحب حضور کو بلاتی ہیں اور فرماتی ہیں کہ بڑا کام ضروری ہے۔ ذری کھڑے کھڑے ہو جائیں۔ حسین علی نے کہا اس وقت موقع نہیں ہے کہنے کو کہو جا کے عرض کر دوں۔ مگر خفا ہو جائیں گے۔ لاڈو نے کہا تم کو اس سے کیا بحث ہے۔ الٰہی رہے زوال۔ جو حکم سرکار نے دیا وہ بجا لاؤ حسین علی نے جا کر دیکھا تو سب کے سب خراٹے لے رہے تھے پنکھا قلی نے کہا دبے پانوں جاؤ۔ ابھی ابھی سرکار کی آنکھ لگی ہے اتنے میں ایک مصاحب نے آہستہ سے کہا۔ ع

سرہانے میر کے آہستہ بولو ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

حسین علی نے جا کے لاڈو سے کہہ دیا کہ سرکار آرام میں ہیں۔ لاڈو نے بیگم صاحب سے عرض کی کہ حضور سرکار آرام میں ہیں ابھی ابھی آنکھ لگی ہے کوئی دو گھنٹے میں بیدار ہوں گے۔

بیگم۔ (ب) ابھی ہم کچھ نہ کہیں تو بہتر ہے۔ دیکھیں ہم سے اُن کے کیا ذکر کرتے ہیں۔

لاڈو۔ حضور کی بلا اجازت تو حشر تک نہ جائیں گے۔

ب۔ ہم سے جس وقت ذرا بھی ذکر کریں گے ہم کہیں گے اگر تم نے پہاڑ کے سفر کی تیاری کی تو ہم زہر کھا لیں گے۔

ل۔ اے ہے کانپ اُٹھیں حضور۔

ب۔ ابھی ایسا نہیں ہے کہ ہمارے حکم کو خواہی نخواہی ٹال دیں۔

ل ۔ جی نہیں بیگم صاحب بہت مانتے ہیں۔
ب ۔ نہ کیوں کر مانیں ۔ نہ ماننا کیا معنی ۔
ل ۔ اے حضور ایک تو جوانی اللہ رکھے کس جوبن پر ہے ۔
ب ۔ تم بڑی بے ادب ہو گئی ہو لاڈو ۔
ل ۔ (ہنس کر) دوسرے روپیہ ۔ تیسرے وثیقہ ۔ چوتھے حُسن ۔
ب ۔ میں رہ رہ کے سوچتی ہوں کہ یہ ان کو سوجھی کیا ۔
ل ۔ حضور بات ساری یہ ہے کہ کسی نے بہکا دیا ۔
ب ۔ اس میں بھی دس بارہ ہزار بلٹیں گے ۔
ل ۔ اِس میں کیا شک ہے حضور ۔ مگر ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ جب حضور کی خفگی کا حال دیکھیں گے تو پھر جانے کا نام نہ لیں گے ۔

راوی ۔ لاڈو نے اچھی کھری کھری سُنائی کہ محمد عسکری کو اگر پاس اور خیال ہے تو صرف اس قدر کہ بیگم صاحب وثیقہ دار ہیں، جوان ہیں، روپے والی ہیں عشق صرف روپیہ کا اور محبت فقط وثیقہ کی ہے ۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح ۔ پھر بھلا بے اجازت پہاڑ کے سفر کا کیوں کر قصد کریں گے ۔ خوف دامن گیر ہوگا کہ مبادا وثیقہ ہاتھ سے جاتا رہے کہیں چل دیں، یا خفا ہو جائیں ۔

اتنے میں محمد عسکری صاحب آنکھیں ملتے ہوئے محل سرائے میں تشریف لائے ۔ بیگم صاحب نے ان کو دیکھتے ہی مُنہ پھیر لیا اور جیسے یہ قریب آنے کو تھے انھوں نے ایک عجیب دل رُبا شوخی کے ساتھ طرارہ بھرا تو کوٹھے پر ہو رہیں ۔ لاڈو مہری ساتھ ساتھ گئی اور جھپ سے دروازہ بند کر لیا ۔ محمد عسکری کے فرشتے خان کو بھی خبر نہیں کہ اس بد دماغی اور خفگی اور عتاب کا سبب کیا ہے ۔ یہ سخت متحیر ہوتے اور خواصوں سے پوچھنے لگے کہ آج یہ ماجرا کیا ہے کہ بیگم ہم کو دیکھتے ہی خفا ہو گئیں اور اس قدر خفا ہو گئیں کہ کوٹھے پر چل دیں ۔ زینے کے دروازے کے پاس جا کر غل مچانا شروع کیا کہ دروازہ کھول دو دروازہ کھول دو مگر صدا تے برنخاست ۔ اب اِن کو اور بھی زیادہ حیرت ہوگی انھوں نے لاڈو کو پکارا اور کہا دروازہ کھول دے ۔ لاڈو بھلا بیگم صاحب کے بغیر کیوں کر دروازہ کھول سکتی تھی ۔ خاموش ہو گئی ۔

عسکری۔ لاڈو اگر نہ کھولو گی تو تماشا بھی دیکھ لو گی کہہ دیا ہے۔

لاڈو۔ اے حضور تو اس میں لونڈی کا کون سا قصور ہے۔

عسکری۔ میاں بیوی کی لڑائی جیسے ساون بھادوں کی جھڑی ہم اور وہ پھر ایک ہو جائیں گے تمھاری بیچ میں کم بختی آجائے گی۔

لاڈو۔ یہ بڑے اندھیر کی بات ہے۔ اب سرکار تو منع کر رہی ہیں بھلا حکم کے بغیر میں کیسے دروازہ کھول دوں حضور ہی انصاف کریں۔

عسکری۔ آخر یہ خفگی کا سبب بھی تو کچھ معلوم ہو۔

لاڈو۔ یہ حضور جانیں یا بیگم صاحب جانیں۔

عسکری۔ اچھا تم ہماری طرف سے وکالت کرو پوچھو اس سے کیا گناہ ہوا۔ جو صورت تک دیکھنا ناگوارا ہوا۔

لاڈو نے کہا ہاں یہ بات مانی۔ کیوں سرکار (بیگم صاحب کی جانب مخاطب ہو کر) ہمارے حضور دریافت کرتے ہیں کہ آپ کاہے سے خفا ہو گئیں۔ عسکری نے باآواز بلند کہا۔ ؎

ہر دم آزردگی غیر سبب را چہ علاج
ما گذشتیم زلطفِ تو غضب را چہ علاج

میں تو فقط اتنا دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ہے کیا ماجرا! بی مغلانی ہنسنے لگیں۔

سفر کہسار کے عزم سے انکار:۔

محمد عسکری نے جو یہ رنگ دیکھا تو دنگ ہو گئے، اور مغلانی سے اس کی وجہ دریافت کی۔ اس نے صاف صاف عرض کر دیا کہ حضور کسی نے بیگم صاحب سے ان کے جڑ دی کہ سرکار دور دراز حال پہاڑ کے سفر کی تیاری کر رہے ہیں اور عنقریب جانے والے ہیں بس اتنا سننا تھا کہ جیسے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے وہ مہنا متھ مچائی کہ توبہ ہی بھلی کئی دفعہ مہری کو بھیجا کہ جا کے بلا لاؤ۔ حضور آرام میں تھے خدمت گار نے کہا ابھی ابھی آنکھ لگی ہے۔ کچی نیند جگانے کی کسی نے صلاح نہیں دی یا رے خدا خدا کر کے حضور تشریف لائے۔

مغلانی کی زبانی یہ حال سن کر محمد عسکری مسکراتے اور کہا کہ بھئی کیا کیا باندھنو لوگ باندھتے ہیں۔ اور ان کی بھی کیا عقل ہے واللہ۔ لاحول ولا قوۃ، بات کا بتنگڑ اسی کو کہتے ہیں۔ بھلا پہاڑ کے سفر میں کیا رکھا ہوا ہے۔ اگر سفر کو جی چاہتا بھی تو کسی فرحناک مقام پر جاتے، جہاں روح کو تازگی اور بالیدگی ہوتی، نہ کہ پہاڑ او جنگل اور کوہ وصحرا

اس کے بعد نواب صاحب نے مہری کو آواز دی اور کہا (لاڈو) بیگم کو سمجھا دو کہ کسی نے گپ اڑا دی ہے۔ بیگم صاحب تنک کر بولیں (بس بہت بڑھ بڑھ کے باتیں نہ بناؤ گپ اڑائی ہے یا میں اپنے کانوں سے سن چکی ہوں)

ع۔ یہ بڑے عیب کی بات ہے۔ مرد آپس میں خدا جانے کیا کیا باتیں کرتے ہیں۔ عورتوں کا چھپ چھپ کے سننا کیا معنی مگر تم سے کون کہے۔

ب۔ تم ایسے مرد اسی قابل ہیں، جو اتّی وہ نہ کروں تو تم میرے سر پر چکّی دلو تمھارا اعتبار کس کو ہے بیٹھے بیٹھے یہ اُپچ کی لی کہ پہاڑ پر جائیں گے۔ کوئی پوچھے موئے پہاڑ میں کیا ہے۔ گھر بار کو تج کے جنگل میں جانا کس نے بتایا ہے۔ یہ سوجھی کیا انوکھی؟

ع۔ تو جاتا کون ہے۔ اس بات کا تو کوئی تذکرہ بھی نہ تھا تم خواہ مخواہ لڑنے لگیں۔

ب۔ اے لو اور سنو! غضب خدا اتّا جھوٹ۔ میں اپنے کانوں سُنے چلی آتی ہوں۔ ایک بے چارہ کہہ رہا تھا کہ ابّا مرتے دم وصیت کر گئے ہیں کہ بیٹا خبردار پہاڑوں کی طرف رُخ نہ کرنا اور تم کہتے ہو اس بات کا کہیں ذکر بھی نہ تھا۔ ہمارے بھی گویندے چھوٹے رہتے ہیں۔ ہم کو رتّی رتّی خبر پہنچتی ہے یہ نہ جاننا۔

ع۔ ان سب آدمیوں کو نہ ایک دم سے برطرف کیا ہو تو سہی ادھر کی اُدھر لگاتے ہیں۔ یہ تم سے آ کے کس نے زٹل اڑائی ذرا اس کا نام تو بتاؤ۔ ابھی ابھی اسی دم نہ برطرف کیا ہو تو سہی۔

ب۔ واہ واکیا ہنسی ٹھٹّھا ہے موقوف کر دیں گے۔ تم تو بس انھیں لوگوں سے خوش ہو جو بیسوائیں بلائیں۔ حضور جگ دیش پور[1] کی ایک دیہاتن حیدر گنج[2] میں آنکے

---

[1] ضلع سلطان پور، اتر پردیش کا ایک مشہور قصبہ ہے۔

[2] لکھنؤ کا ایک محلہ۔

ٹکی ہے، ابھی کوئی چودھواں سال ہے، اور چہرے پر بڑی نمکینی ہے بس تم گھل گئے کہ واہ کیا اچھا آدمی ہے۔ جس کو کہتے ابھی بُلا لائیں۔ میں سب سُنا کرتی ہوں۔ ہم کو رتی رتی خبر ملتی رہتی ہے۔ تم نے اڑائی تو ہم نے بھی بھُون بھُون کھائی جب سے میں نے سُنا ہے کلیجا کانپ اٹھا ہے کہ گھر بار سب چھوڑ کے پہاڑ چلے۔ واہ کیا سوجھی ہے۔

ع۔ اچھا اب دروازہ تو کھولو۔ قسم کھا کے کہتا ہوں کہ یہ سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ جانا اور آنا کیسا، ہم لوگ سفر کی زحمتوں کے عادی ہیں بھلا؟ اور پھر پہاڑ کا سفر! الٰہی توبہ! انسان کا وہاں گُذر کہاں اور وہ گذر ہو بھی تو ہم بھلا اپنے وطن کو چھوڑ کے کب جانے والے ہیں۔ ؎

کیا حقیقت چرخ کی ہم سے چھوڑائے لکھنؤ
لکھنؤ ہم پر فدا ہے ہم فدائے لکھنؤ

پہاڑ کوئی اور ہی جایا کرتے ہوں گے۔

ب۔ بندی اُن باتوں میں نہ آنے کی۔ شرعی قسم کھاؤ تو مانوں یوں بندی ایک نہ مانے گی۔ ہاں ہمارے سر کی قسم کھاؤ تو شاید یقین آجاتے۔

محمد عسکری نے مُسکرا کر کہا۔ یا خدا۔ یہ بدگمانی! شرعی قسم کھاؤں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ تمھارے سر کی قسم کھاؤں اور پھر بھی شاید یقین آتے یا نہ آئے تو ایسی قسم کھانے سے کیا فائدہ۔

الغرض تھوڑی دیر میں لاڈو نے دروازہ کھول دیا۔ اور محمد عسکری اوپر داخل ہوئے، بیگم صاحب کے پاس زانو بزانو بیٹھ کر کہا تم بڑی عقلمند ہو بس تمھاری عقل آزمائی۔ ذراسی بات میں کوئی اس قدر رُوٹھ جاتا ہے۔ بیگم صاحب نے شوخی کے ساتھ چٹکی لے کے کہا یہ تمھارے نزدیک ذراسی بات ہے جس بات میں دشمنوں کی جان کا خطرہ ہو اس کو ذراسی بات سمجھتے ہو۔

محمد عسکری نے کہا سفر سے تو خطرہ نہیں ہے مگر ہاں ؎

دل کو ہے چشم نگارِ عربدہ جو سے خطر
ہے تعجب شیر کو رہتا ہے آہو سے خطر

بیگم صاحب بولیں ہم کو یہ لگی لپٹی اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ صفائی عجب شے ہے اگر ہم سے تم نے یہ لگی لپٹی باتیں کیں تو ہم اٹھ کے چلے جائیں گے۔ محمد عسکری نے شانہ

پکڑ کر کہا۔ ؎

اٹھ کے پہلو سے مرے بس جا نہ تو آرام جاں
دل کو ہے میرے نہایت دردِ پہلو سے خطر

بیگم صاحب کو تشفّی دے کر محمد عسکری باہر تشریف لے گئے تو ایک دوست سے ملاقات ہوئی۔ کہا بھئی واللہ خوب ملے، ہم چاہتے تھے کہ تمھارے ہی سے کوئی جہانیانِ جہاں گشت دوست ملیں۔ ہمیں یہ بتائیے مرزا صاحب کہ آپ نے کبھی پہاڑ کا بھی سفر کیا ہے۔ مرزا صاحب نے ہنس کر جواب دیا کہ چہ خوش۔ یہ اچھّا سوال کیا آپ نے کبھی کی ایک ہی کہی۔ واللہ ہر سال گرمی کے ماہ پہاڑ پر بسر کرتا ہوں آپ کبھی کی لئے پھرتے ہیں۔ بڑے خوش نصیب وہ لوگ ہیں جو گرمی کے دن پہاڑوں پر بسر کرتے ہیں۔ ہمارے دوستوں میں ایک صاحب ہیں آغا حسن دائم المرض۔ باروں ماس علیل ڈاکٹر کی صلاح سے چھ مہینے نینی تال میں رہے۔ برسوں کا عارضہ اس قیام نے کھودیا وہاں کی آب وہوا دُور دُور مشہور ہے۔ ایسا سرد اور خنک اور ہاضم، اور سبک پانی ہے کہ میں کیا عرض کروں مگر ہمارے ملک کے امرا جانتے ہی نہیں کہ صحتِ جسمانی کے برقرار رکھنے کا کیا طریقہ ہے بٹیر بازی، اور مُرغ بازی، اور چینگ بازی اور چانڈو بازی کے ہاتھوں تباہ ہیں۔ آپ اتنے امیر ہو کر قدم بھر پر نینی تال ہے اس سے بھی ناواقف ہیں بس حد ہوگئی۔ خدا گواہ ہے عجب فرح بخش و دلچسپ مقام ہے۔

پہاڑوں کی فرح بخش آب وہوا۔

اب محمد عسکری کو دل وجان سے اس بات کی چیٹک تھی کہ پہاڑ کا حال دریافت کریں۔ اور مرزا صاحب نے بڑی خوش بیانی، اور شیوا زبانی، سے پہاڑوں کی تعریف کرنا شروع کی اور کہا کہ جن لوگوں کو خدا نے عقل دوربین عطا فرمائی ہے وہ گرمی کے

چار پانچ مہینے کوہستانی مقاموں ہی میں صرف کرتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کے لئے ہے جو سرمایہ وافر اور جائداد کافی رکھتے ہیں یا جن کو سرکار ابد قرار کی جانب سے یہ آزادی حاصل ہے۔ کل حکّام بالا دست ۱۵ ماہ اپریل کے قریب قریب نینی تال چلے جاتے ہیں اور جولائی یا اگست میں پہاڑ سے اترتے ہیں۔ پہاڑوں کے اس قیام سے ان کے دماغ کو قوت، آنکھوں کو نور، روح کو سرور، دل کو تازگی اور اعضائے رئیسہ کو فائدہ تام حاصل ہوتا ہے وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اور وہ آبِ سرد کہ سبحان اللہ چاہے جس قدر کھانا کھاؤ فوراً ہضم۔ پانی چورن کی خاصیت رکھتا ہے دن بھر میں چار دفعہ کھا لیجئے ہضم۔ یہ آب و ہوا کی خاصیت ہے اور جس طرف رُخ کیجئے وہ سماں نظر آتا ہے کہ واہ واہ۔ پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیاں اور دُور تک سلسلۂ کوہِ رفیع اور ان پر اشجارِ پُر بہار اور پھولوں کی لپٹ اور بھینی بھینی بُو باس اور سامنے آبشاروں کی روانی اور تالاب مصفّا کی جھلک وہ لُطف دکھاتی ہے کہ قابلِ دید ہے۔ بڑے خوش نصیب وہ لوگ ہیں۔ جو اس فرحناک کوہستان میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ ؎

ایں سبزہ وایں چشمہ وایں لالہ وایں گل
آں شرح ندارد کہ بگفتار در آید

اور یہاں آج کل یہ حال ہے کہ مارے لُوں کے تھپیڑوں کے انسان جُھلسے جاتے ہیں۔ ؎

گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

وہاں بھلا خس کی ٹٹی اور پنکھا قلی سے کیا سروکار ہے۔ یوں ہی انسان ٹھٹھرا جاتا ہے۔ یہاں یہ حال ہے کہ اس وقت چھ بج گئے ہیں اور اب تک لُو چل رہی ہے اور وہاں اس وقت جمنوں میں آگ روشن ہوگی یہاں تو ؎

مردم ہیں سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہیں نظر

اس کے مقابل میں یہ دوزخ ہے۔ وہاں اس درجہ سردی ہوتی ہے کہ جب تک بانات یا روئی کے گرم کپڑے پہن کے نہ نکلیے تب تک ہوا کھانے جانا محال ہے۔

ممن:۔ آخر اس کا سبب کیا ہے کہ رات بھر کا راستہ اور وہاں اس قدر سردی

کہ الامان اس کا کوئی سبب ضرور ہو گا حضور ؟

ع ۔ میاں اس کا سبب کیا دریافت کرتے ہو۔ خدا کی قدرت بس یہی اس کا سبب ہے مگر ہاں اس میں کوئی رمز ضرور ہے بے سبب تو مسبب الاسباب کا کوئی کام نہیں ظاہر اسبب تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کرۂ زمہریر وہاں سے قریب ہو گا جبھی اسقدر سرد مقام ہے۔

مرزا ۔ (اپنے دل میں ہنس کر) کرۂ زمہریر کی قربت میں شک ہے مگر حضور کو یہ بات کہاں سے معلوم ہو گئی ۔ کیا ذہن خداداد پایا ہے ۔ تبارک اللہ ۔

ع ۔ بھائی صاحب بندۂ درگاہ تو آپ لوگوں کے روبرو سے ہٹے بھی نہیں ۔ مگر بیٹھے بیٹھے ذہن میں ایک بات آ گئی عرض کر دی ورنہ ہم پہاڑوں کا حال کیا جانیں ۔

ساجد ۔ ذہن میں اتنی نازک بات کا یکایک آجانا کوئی ہنسی ٹھٹھا ہے بھلا ۔ یہ بھی حضور ہی کا حصّہ ہے ۔ ہر ایک شخص کے ذہن میں برسوں غور کرنے پر یہ بات نہ آئے ۔

ع ۔ اسی سردی کے سبب سے وہاں حسن کو بھی ترقی ہے سرد ملک کے سب حسین ہوتے ہیں ۔

مرزا ۔ ایک مرتبہ ہم نے وہاں وہ کافر ستم کش دیکھی کہ ہوش اڑ گئے ایک نوجوان رئیس زادہ میرے ہمراہ تھا بس دیکھتے ہی پھڑک گیا ۔ ؎

ہوئی دل میں اک بت کی جا کیا سبب
یہ کعبہ کلیسا بنا کیا سبب

مگر یہ معلوم ہوا کہ وہ بت ترسا ناخدا ترس ہے ۔ خدا جانے کس جوان گل رخسار کے تیر عشق نے گھائل کیا تھا ۔ دو مہینے تک رئیس موصوف تڑپا کئے ، جینے کے لالے پڑے ہوئے ۔ گدڑی اوڑھے ہوں تو بھی حُسن کا وہ عالم کہ نہیں چھُپتا ایک نازنین پاتر کوئیں نے دیکھا کہ جھروکے سے جھانک رہی تھی ۔ پہاڑ کی ایک چڑھائی سے اُترتے ہوئے ایک کاٹھ کے مکان میں اس صنم بستہ ذہن کو دیکھا مگر حیرت ہوئی کہ یا الٰہی یہاں تو پردہ نہیں ہے یہ کیا سبب ہے کہ یہ معشوق مہر تمثال دروازے کی اوٹ سے جھانکتی ہے ، بے ساختہ یہ شعر زبان پر آیا ؎

بالا ہے ترا حسن حسینان چگل سے
سب بزم ہے مشتاق نکل پردۂ دل سے

پھر سُنا کہ کسی کی پابند ہے۔ الغرض ساری خدائی کی نعمتیں ایک طرف ہیں اور پہاڑ کا قیام ایک طرف۔ واللہ مجھ سے پوری پوری تعریف نہیں کی جاتی کہ پہاڑ کیا چیز ہے۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ نمونہ بہشت ہے جب تک وہاں جا کر نہ دیکھا جائے اس کی کیفیت سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اور چار پانچ مہینے کا قیام کوہستان برسوں کے امراض کہنہ کو کھو دیتا ہے۔ کیونکہ وہ تازہ تازہ ہوا اور خوش گوار موسم اور ہاضم پانی اور سبزۂ کوہی اور آب و ہوا اکسیر کی خاصیت رکھتا ہے۔

محمد عسکری کے دل میں اس جادو بھری تقریر نے بڑا رنگ اثر جمایا۔ دو گھڑی دن رہے ہوا کھانے نکلے تو ایک دوست سے علیک سلیک ہوئی۔ پوچھا کہیے ٹھاکر صاحب آج بعد مدت ملاقات ہوئی۔ کہاں تھے آپ؟ انھوں نے جواب دیا یہاں طبیعت بے لطف رہتی تھی میں پہاڑ چلا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے حکم سے تین مہینے نینی تال پر رہا۔ اب آپ کی دعا سے صحیح و تندرست ہوں۔ عجب دل رُبا اور نزہت فزا مقام ہے۔ خدا نے وہاں کی آب و ہوا کو عجیب تاثیر بخشی ہے۔ اس گفتگو سے محمد عسکری کے دل میں اور بھی شوق چرّایا کہ ضرور پہاڑ پر چلنا چاہیئے؛ اور آگے بڑھے تو مسٹر رابرٹ مُصوّر ملے۔ پوچھا اس وقت کہاں کی تیاریاں ہیں؟ کہا ہماری بہن کچھ دن سے علیل ہیں۔ سول سرجن نے حکم دیا ہے کہ ان کو فوراً پہاڑ پر لے جاؤ۔ محمد عسکری نے متحیّر ہو کر دریافت کیا کہ کیا پہاڑ کی آب و ہوا اس درجہ مفید ہے آخر یہ وہاں کونسی بات ہے جس سے یہ اثر پہنچتا ہے آخر یہ آب و ہوا میں کونسی بات ہے جس سے یہ اثر ہو جاتا ہے ہم سُنا کرتے تھے کہ پہاڑ کی آب و ہوا خوشگوار ہوتی ہے، مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ مرض الموت کی بھی دوا ہے۔ صاحب نے کہا او صاحب پہاڑ سے زیادہ آب و ہوا کے واسطے اور کوئی جگہ نہیں، بوڑھا آدمی اگر فی الجملہ چند روز قیام کرے، جوان ہو جاتے۔ ہم فی الجملہ ہر سال میں چھ مہینے پہاڑ پر رہتا ہے۔ اور اگر دو من کا وزن ہوتا ہے تو وہاں رہنے سے ڈیڑھ من کا وزن رہ جاتا ہے۔

ایک مصاحب نے آہستہ سے پوچھا حضور یہ کیا بات۔ آب و ہوا اچھی ہے تو

چاہیئے تھا کہ دو من کے عوض ڈھائی من وزن ہو جاتا نہ کہ ایک آدھ من اور گھر سے جائے اور دو من کا ڈیڑھ ہی من رہ جاتے۔ یہ عجیب الٹو انسی بات ہے۔ صاحب نے جواب دیا دل تم لوگ اس بات کو نہیں سمجھے گا۔ یہ بہت نازک بات ہے اس کا سمجھ میں آنا محال ہے تمھارا خراب مٹاپا جاتا رہا اور بدن کس گیا اور یہ صحت کا بات ہے۔

محمد عسکری نے صاحب کی گفتگو مصاحب کو سمجھا دی سمجھے تو خاک بھی نہیں مگر شیخی میں آکر ہاں میں ہاں ملانے کو تیار ہو گئے۔ جی ہاں پیر و مرشد یہ بہت صحیح حضور نے فرمایا ایسی ہی بات ہے اس میں کیا شک ہے بیشک صحت کے لئے یہی امر ضروری اور مفید ہے کہ پہاڑ کی آب وہوا سے انسان کا بھدّا پن جاتا رہتا ہے۔

صاحب تو رخصت ہوئے اور محمد عسکری پہاڑ کے سفر کی تعریف کرنے لگے۔ تو ایک رفیق نے جو سفر کوہی کے خلاف تھے یوں کہنا شروع کیا کہ حضور یہ بات تو کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ دو من کا ہو تو ڈیڑھ من کا رہ جائے۔ اگر ایسا ہے تو مدفون جس کی ہڈیاں تک گل جاتی ہیں کوئی چھٹانک ہی بھر رہ جائے اچھّا ہونا معلوم۔ مرزا صاحب نے ان کے بیان کی تردید کی اور کہا حضرت آپ واجبی ہی واجبی پڑھے لکھے ہیں، آپ کو اس بحث سے کیا سروکار آپ جا کے بٹیر لڑاتیے علمی بحث سے آپ کو سروکار ہی کیا ہے۔

لطفِ بہارِ کہسار آبشاروں کی روانی اور مرزا صاحب کی جادو بیانی:۔

نواب محمد عسکری صاحب نے دل میں ٹھان لی کہ چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے نینی تال ضرور جائیں گے۔ اول تو پہاڑ کی عورتوں کے حُسن وجمال کی تعریف سنی تھی اور عاشق مزاج آدمی تھے۔ دوسرے آب وہوا کی نسبت مختلف معتبر آدمیوں نے گواہی دی تھی کہ اکسیر کی خاصیت رکھتی ہے اور نمونہ بہشت ہے۔ پھر یہ بھی سُنا تھا کہ چاہے کیسی ہی بیماری کیوں نہ ہو ادھر آدمی گیا اور ادھر چنگا ہو گیا۔ یوں تو مرزا صاحب نے پہاڑ کی تعریف کے کئی مرتبہ پل باندھ دیئے تھے۔ مگر ایک دن کا سماں اس خوش بیانی اور سحر طرازی سے ادا کیا کہ محمد عسکری اور ان کے مصاحبین و رفقا پھڑک گئے اور

سب کے دلوں میں شوقِ سفرِ کوہی نے گدگدایا۔ مرزا صاحب نے بیان کیا کہ ایک روز ہم اور چند احباب لطیفہ گو یاران موافق اور دوستانِ صادق چینا پہاڑ دیکھنے کی غرض سے چلے یہ پہاڑ سطحِ آب سے ۹ ہزار فٹ بلند ہے۔

ع ۔ اس کے کیا معنی۔ سطحِ آب کے کیا معنی۔

مرزا۔ حضور دو طرح پر پہاڑوں کی بلندی کا اندازہ کیا جاتا ہے ایک اس طرح پر کہ میدان یعنی زمین سے کس قدر اونچے ہیں اور ایک اس طرح پر کہ سطحِ آب سے کس قدر بلند ہے۔

ساجد۔ ۹ ہزار فٹ تو کچھ ٹھکانا ہے بڑی بلندی ہوتی۔

مرزا۔ اور پہاڑ کیا آپ کے نزدیک کوئی کھلونا ہوتے ہیں۔

ممن۔ خداوند میں سوچتا ہوں کہ اگر وہاں سے گرے تو کہاں جائے۔

مرزا۔ سیدھا جہنّم کو۔ اب اور کیا کہوں۔

ع ۔ یہ آپ کو خیال کیوں پیدا ہوا ہے کہ وہاں سے خواہ مخواہ گر ہی پڑے گا۔

انسان۔ اس جُبن کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے حضرت۔

اختر۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہزاروں پہاڑ دنیا میں ہیں اور لکھوکھا آدمی اس میں بستے ہیں اگر یوں ہی گر پڑا کرتے تو کوئی کاہے کو زندہ رہتا۔

ع ۔ پہاڑ سُونے ہو گئے ہوتے حضرت۔

ممن۔ خداوند وہ لوگ تو عادی ہیں اس کے، وہ کون لوگ ہیں جو برفستان میں مزے سے رہتے ہیں۔ وہ کون لوگ ہیں جو حبش میں رہتے ہیں، ملاحظہ فرمایئے کہ اگر ہم لوگ برفستان میں رہیں تو ٹھٹھر کے رہ جائیں اسی طرح اگر کہیں حبشیوں کے ملک میں جائیں تو جھلس ہی جائیں بس اسی پر قیاس فرما لیجئے۔ مرزا صاحب نے سلسلۂ سخن شروع کیا کہ حضور ہم لوگ ہنستے بولتے ڈانڈے اور ٹٹوؤں کی سواری پر چینا پہاڑ دیکھنے جاتے تھے۔ اثنائے راہ میں جابجا آبشاروں کی روانی، اور ان کا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی، عجب لُطف دکھاتا تھا قلی اکثر جگہ چڑھائی پر چڑھتے چڑھتے تھک جاتے تھے۔ مگر جناب یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم آسمان پر ہیں اور نیچے کے آدمی جُھنگے کے برابر معلوم ہوتے تھے۔ جھیل میں جو کشتیاں چلتی تھیں ان کے سوار نظر ہی نہیں آتے تھے

چوطرفہ پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیاں ہی معلوم ہوتی تھیں اور بس کوئی ایک گھنٹہ کے سفر کے بعد دھواں سا معلوم ہوا۔ پہاڑیوں نے بیان کیا کہ مینہ برس رہا ہے۔ ہم سب کو حیرت تھی کہ یا الٰہی یہ مینہ کیسا، پوچھا مینہ کہاں برستا ہے بھئی۔ انھوں نے کہا کہ حضور وہ نیچے برس رہا ہے۔ تب تو ہم کو اور بھی حیرت ہوئی کہ یہ بکتے کیا ہیں مینہ آسمان سے برستا ہے یا ادھر سے۔ معلوم ہوا کہ پہاڑ اس قدر اونچے ہیں کہ بادل ان سے نیچے ہیں اور ہم نے بخوبی دیکھا کہ ہم آسمان سے بلند تھے۔

ممن۔ خدا وند بس اس کا تو کسی پاگل ہی کو یقین آئے گا۔ کیا بے پر کی اڑاتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ آسمان کے اوپر پہنچ گئے۔ آسمان میں تھگلی لگانا سنتے تھے سو ہمارے مرزا صاحب نے سچ مچ آسمان پر تھگلی لگا دی۔

مرزا۔ دشمن عقل ہو تم کیا جانو یہ باتیں۔

ممن۔ اب آپ پانی پی پی کے کوسئے جناب۔

مرزا۔ کچھ بدتے ہو۔ اور جو دکھا دیں۔

ممن۔ اب مجھے کتے نے تو کاٹا نہیں ہے کہ اتنی سی بات کے واسطے پہاڑ کے جہنم کا سفر اختیار کر دوں۔

اختر۔ بادل اور آسمان کو یہ لوگ ایک سمجھتے ہیں۔

ممن۔ بادل اور آسمان ایک نہیں ہے۔ بادل تو چلتے تھمتے ہیں اور آسمان لاجنب ہے۔

اختر۔ آسمان پہاڑوں سے نیچے نہیں ہیں۔

مرزا۔ مگر بادل تو نیچے ہیں۔ یہ تو کئی بار اتفاق ہوا ہے کہ ہم پہاڑ کی اونچی چوٹی پر ہیں اور بادل ہمارے نیچے نظر آتے ہیں۔ یہ تو ایک اصولی بات ہے مگر یہاں پہلے ہم کو بھی یقین نہیں آتا تھا۔ اب تو بچشم خود دیکھ چکے۔ اب کیوں نہ یقین آئے۔

ممن۔ بھئی واللہ ہنسی آتی ہے آپ بادلوں سے اونچے چڑھ گئے۔ سچ ہے۔

ع۔ جہاں دیدہ بسیار گوید دروغ۔

راوی۔ محمد عسکری کے دل میں بھی شک تھا کہ بادل نیچے ہوں اور انسان اونچے پر یہ بات ان کے ذہن میں نہیں آتی تھی۔ مگر جب اختر اور مرزا صاحب نے باصرار

کہا تو یقین آگیا اور فرمایا کہ میاں ممن جس شے میں انسان کو دخل اور واقفیت نہیں ہے اس میں بحث کرنا دخل در معقولات ہے اور آخر مرزا صاحب جھوٹ کیوں بولتے اور منشی اختر صاحب ان کی تائید کیوں کرتے مگر میاں ممن کی طبیعت میں خود پسندی بہت ہے۔

ممن۔ خداوند اب حضور سے تو فدوی زبان نہیں ملا سکتا۔

ع۔ میں تو خود پسند نہیں ہوں بھائی جان۔

ممن۔ استغفر اللہ یہ کون مردود کہہ سکتا ہے۔

اختر۔ خدا گواہ ہے کہ حضور کے مزاج کا ایک رئیس بھی تو نظر نہیں آتا۔ مٹیا برج میں مرزا جہاں قدر بہادر اور یہاں حضور۔

ساجد۔ ہزار غنیمت ہیں ہمارے حضور۔

ممن۔ حق تعالیٰ خضر و الیاس کی عمر دے۔ آمین۔

رُفقا۔ آمین۔ آمین۔ ثم آمین۔؟

ع ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ع۔ یہ سب تم لوگوں کی دعا کا اثر ہے۔

ممن۔ حضور صاحب لوگوں سے ملتے رہتے ہیں بھلا کسی سے دریافت تو فرمایئے کہ بادل پہاڑ سے نیچے ہوتے ہیں بس اسی بات پر ہار جیت ہے۔

مرزا۔ کیا کیا بدتے ہو آؤ بولو۔؟

ممن۔ کون۔ بھئی زیادہ نہیں دو دو من خربوزے بدتے ہیں مگر عمدہ سے عمدہ ہوں۔

محمد عسکری نے بات کاٹ کر کہا اچھا اس کا فیصلہ جلد ہو جائے گا۔ اب مرزا صاحب سے چینا پہاڑ کے سفر کا حال سُنیئے۔ مرزا صاحب نے حقے کا کش لے کر حضور اس مقام سے الموڑہ کے پہاڑ اور بندرابن کے کوہِ برف بار اس طرح صاف نظر آتے ہیں جیسے یہاں سے وہ سامنے والا شوالہ، اور اگر چلئے تو دو مہینے میں بھی نہ پہنچے۔ دُور سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل قریب ہیں اور قریب پہنچنے پر عقل دنگ اور ہوش پرّاں ہو جاتے ہیں کہ اللہ رے بُعد۔ برف کے پہاڑ حضور قابلِ دید ہیں۔ مگر سردی

اس شدت کی ہے کہ کیا عرض کروں ۔ در و دیوار سب برف ہی برف اور ٹھٹھرن اس قیامت کی کہ الامان ۔ ہم لوگ اس قدر سردی کے عادی نہیں ہیں لہذا بہت ہی ناگوار گذرتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ بھاگ جائیں ۔ اس پہاڑ کی چوٹی سے بریلی کے اونچے مکانوں کے مینار بخوبی نظر آتے ہیں اور عجب دلچسپ سماں ہے ہم لوگوں نے اسی پہاڑ کے ایک ہموار مقام پر بستر بچھا دیا اور حقے پینے شروع کئے اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت پانی کا گھڑا سر پر رکھے ہوئے آرہی ہے بس یقین مانئے خداوند جتنے تھے سب کو سکتہ ہو گیا کہ اللہ رے حسن وصفا ۔ ؎

کر دیئے اس رخ نے حیراں سینکڑوں
اور کاکل نے پریشاں سینکڑوں
ڈوبے دل اے یوسفِ ثانی ترا
دیکھ کر چاہ زنخداں سینکڑوں
بعد مدت تجھ کو پایا اے حسین
چھان ڈالے جب گلستاں سینکڑوں
ہم ہی اک عاشق نہیں کچھ اے صنم
ہیں ترے دنیا میں خواہاں سینکڑوں

مجھے دل لگی سوجھی تو اس کے قریب جا کر میں نے کہا نیک بخت ذرا سا پانی تو پلا دے ۔ نیک بخت کا لفظ وہ نہ سمجھی مگر پانی کا لفظ سمجھ گئی اپنی پہاڑی بولی میں کہا (ٹیلیا ٹرکن بانڑیں ذڑ ہمایت چھن اشپتر بھا نایں بعد تو یدوں) یعنی مسلمان کو پانی دینا ہماری ریت نہیں اپنے برتن میں لو تو دے دوں ۔ اس میٹھی بولی سے اس شیریں ادا نے یہ الفاظ ادا کیئے کہ بے اختیار جی چاہتا تھا کہ زبان چوم لیں اب سب کے سب ریشہ خطمی ہو گئے ۔ ایک دوست اس کے نظارے کے لئے دوڑ کے آئے تو پگڑی گر گئی ۔ اس پر ایک شاعر نے کہا ؎

اوسان شیخ بھولا اس بت کو دیکھ کر
سبحہ کہیں عمامہ کہیں اور عصا کہیں

ہم نے برجستہ جواب عرض کیا ؎

شرمندہ زلف و عارض و دنداں سے ترے یار
سُنبل کہیں ہے لالہ کہیں موتیا کہیں

آباد تیری زُلف کی بُو کے سبب صنم
چین ہے کہیں ختن ہے کہیں اور خطا کہیں

ہمارے ہمراہ ایک عاشق تن، صنم پرست، رند مشرب، لامذہب آزاد نفس بیباک روش دوست بھی تھے۔ عاشق تخلّص کرتے تھے وہ انتہا سے زیادہ رقیق القلب اور حسن پرست تھے بے اختیار آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے اور کہا ؎

عاشق کی چشم ترکی بدولت رواں بخلق
جمنا کہیں ہے گنگ کہیں نربدا کہیں

وہ ماہر و قوس ابرو تاڑ گئی یہ سب مفتوں وشیدا مجنوں وفد ہیں پھر اس وقت اس کی ادا کا فرد یکھنے کے قابل تھی اور اس ادا میں اپنے شہر کے معشوقوں کی طرح بنوٹ کا نام نہ تھا۔ بالکل نیچر بڑے بھولے پن سے پوچھا (تو آدم کلک رد تو چھ) یہ آدمی کیوں روتا ہے۔ ہم بھلا کیا سمجھتے۔ قلیوں نے سمجھایا۔ ہائے اس وقت ہمارے دوست حضرتِ عاشق کے خرمنِ پر اور بھی بجلی گری۔ معشوقۂ گل رُخسار پوچھے کہ عاشق زار کیوں مصروف گریہ و آہ آتشبار ہے۔

عاشق۔ خدا جانے کیوں رویا۔ اور کیا دیکھا۔
ہم۔ تمھاری صورتِ زیبا پر عاشق ہو گئے۔
محبوبہ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔
ع۔ اس میٹھی بولی کے صدقے مار ڈالا ظالم۔ ؎

بصورت تو بتے کمتر آفرید خدا
ترا کشیدہ و دست از قلم کشید خدا

پہاڑ کا حال اور آیا کی چال :-

نواب نادر جہاں بیگم کو شک کی جگہ یقین تھا کہ پہاڑ کا قیام مضر صحت ہے۔ اور

ہر طرح کوشش کرتی تھیں کہ نواب اس خیال سے درگذریں اور پہاڑ کے سفر کا قصد نہ کریں۔ ایک روز ان کی خالہ کی لڑکی نواب کلثوم النساء بیگم ان سے ملنے آئیں تو یوں گفتگو ہوئی۔

ب۔ (بیگم) بہن ہمارے یہاں مردوں کو جو سوجھتی ہے اللہ کی عنایت سے انوکھی سوجھتی ہے۔

ک۔ (کلثوم) کیوں کیوں خیر باشد۔

ب۔ اب میں کیا کہوں۔ کچھ ہنسی آتی ہے اور کچھ رنج ہوتا ہے

ک۔ عسکری دولھا میں اور تم میں یوں تو اللہ کے فضل سے عشق کا درجہ ہے مگر ظاہر میں ذری کم بنتی ہے۔

ب۔ اُن کی حرکتیں ہی ایسی ہے۔

ک۔ کیا آخر ہوا کیا۔ پھر کوئی اُپچ کی لی۔

ب۔ کہوں گی تو تم کو بھی تعجب ہوگا۔

ک۔ کیا کوئی موئی کسبی گھر ڈالنے والے ہیں۔

ب۔ نہیں اتنی ہی تو خیریت ہے۔ جب سے وہ نکالی گئی تب سے پھر اس کا نام نہیں لیا۔ اور وہ تو ایسا ان کو اپنے بس میں لے آئی تھی کہ تو بہی بھلی کچھری چھاتی پر نگوڑی کو دوں دلواتی تھی۔ یہ اور ان مونڈی کا ٹے، اور پر والوں کا شر کے ساتھ حشر ہو۔ یہ تو اس اُدھیڑ بُن میں تھے کہ مجھے طلاق دلوا دیں۔ اللہ ان نگوڑوں کو غارت کرے۔ اور اس موئی بیسوا کی اس زمانے میں ایسی چڑھتی کمان تھی اور اتنی بلند کہ جو کہتی تھی وہی یہ کرتے تھے۔ ایک دن میں نے مہنا متھ مچایا اور قسم کھائی کہ افیم کھا کے سو رہوں گی۔

لاڈو۔ اے حضور وہ بات ہی ایسی تھی (کلثوم النسا کی طرف مخاطب ہو کر) حضور ہماری بیگم صاحب نے اپنے کانوں سے سُنا کہ وہ نواب صاحب سے کہہ رہی تھی کہ۔ اور حضور میرے دل میں آئی کہ جا کے مُنہ جھلسا دوں مال زادی کا۔

ک۔ (متحیر ہو کر) کیا کہہ رہی تھی عسکری دُولھا سے ؟

لاڈو۔ حضور کہنے لگی کہ (بس بس یہ ٹھنڈی گرمیاں ہمیں نہ دکھایا کرو گھر کی جڑ وا

سے پہ نخرے بگھارو جاکے۔ ہم بادشاہ وزیروں کی نہیں سہنے والے ہیں۔

ک۔ اور یہ غرّ غشّ سُنا کیسے ہوں گے۔

لاڈو۔ کون ؟۔ سرکار ؟۔ اے ہے۔ اب لونڈی کو زبان سے نکالنا نازیبا ہے اللہ کی قسم جیسے بھیگی بلّی۔

ک۔ خدا جانے موتیاں مردوں پر کیا جادو کر دیتی ہیں کہ بالکل اُن کے بس میں ہو جاتے ہیں۔ کیا شکل و صورت کی بہت اچھی ہے۔

لاڈو۔ اے ہے میں اب کیا عرض کروں آپ سے۔

ک۔ کیا ہماری بہن سے اچھی صورت تھی اُس کی۔ ؟

لاڈو۔ اِن کی ایڑی چوٹی پر قربان کر دوں۔ گل منی کو۔ ہے کس کام کی۔

بیگم۔ اک ذری جوان تو ضرور ہے۔

لاڈو۔ آگ لگے ایسی جوانی کو۔ جوان تو یوں گدھی بھی کبھی ہوتی ہے۔ جب چہرے پر نُور ہی نہیں تو جوانی کیا مال ہے۔ خالی خولی جوانی ہوتی تو کیا شکل و صورت بھی تو کوئی شے ہے آخر۔

ب۔ ان کی بدولت اُس کے کنبے بھر نے خوب چین کیے۔

لاڈو۔ خُود ڈکری پر چڑھ کے نکلتی تھی۔ بھائی موا بے عزت بہن کی بدولت دوشالے پھڑکاتا پھرتا تھا اس کی بوڑھی ڈھڈھو ماں کی پانچوں گھی میں تھیں اور سر کڑھائی میں۔

ب۔ اگر میں اس روز سختی نہ کروں تو وہ بلا ٹالے نہ ٹلے۔

ک۔ گربہ کشتن روز اوّل نہ کہ بعد شش ماہ۔

لاڈو۔ اِس کے کیا معنی حضور۔ ہم۔

ک۔ دو دوست تھے دونوں کی ایک ہی دن شادی ہوئی ایک دن جب دونوں دوست ملے تو ایک نے کہا بھائی جب سے شادی کی ہے جان عذاب میں ہے۔ بیوی ایسی نک چڑھی ، تیکھی مزاج کی ملی ہے کہ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی۔ اور مجھے تو گھر کی مرغی دال کے برابر سمجھتی ہے جیسے بھُونے لونگ۔ اُٹھتے جوتی بیٹھتے لات۔ دوسرے نے کہا بھئی تم بھی اچھے مردوے ہو۔ وہ مرد کیا جس کی بیوی قابو میں نہ ہو ہماری بیوی تو آنکھیں ملا کے باتیں تک نہیں کرتی ہے ہم سے۔ تو وجہ کیا جس روز شادی ہوئی

اسی روز ہم نے پیش بندی کی۔ چوہا بل سے نکلا، اور چاقو لے کے دوڑے۔ بلی بولی اور ہم نے تلنچہ داغا، دائیں سے۔ آدمی کی آواز کان میں آئی اور ہم لٹھ لے کے گرد ہوئے۔ بیوی بھی سمجھیں کہ یہ تو کوئی بڑا جن ہے۔ بات کرتے تلوار سوت کے پہنچتا ہے۔ کانپ اٹھی اور اب ہمارا رنگ خوب جما ہوا ہے۔ دوسرے دوست نے کہا اچھا ہم بھی آج سے ایسا ہی کریں گے۔ شب کو گھر میں گیا تو فقیر نے دروازے پر آواز دی (سب بیڑے کو سلامتی۔ روٹی دلواتے چھنے شاہ کو) سنتے ہی لٹھ لے کے دوڑے۔ بیوی حیران کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ تھوڑی دیر میں ماما کو کس کے ایک تھپڑ لگایا تو وہ ٹرانے لگی۔ بس بس میاں بس۔ عورتوں پر ہاتھ اٹھاتے ہو۔ کوئی برابر کا مرد ہوتا تو اس وقت بتا دیتا۔ بیوی نے جو یہ کیفیت دیکھی تو میاں کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور چمٹ گئی۔

میاں۔ چھوڑ دو ہمیں۔ ہم ایک آدھ کا خون کریں گے۔

بیوی۔ (ڈانٹ کر) چلو دیوانہ پن کی باتیں نہ کرو۔

م۔ کہتا ہوں چھوڑ دو مجھے بس۔

ب۔ چلو بہت بکو نہیں۔ سڑی ہو گئے ہو کیا۔

م۔ وہ چوہا نکلا۔ چھوڑو ہم کھا جائیں گے۔

ب۔ کیا سبزی پی آتے ہو کیا۔ ارے لوگو دوڑو یہ سڑی سودائی مارے ڈالتا ہے۔ پاگل ہو گیا ہے۔ اس کو پاگل خانے لے جاؤ۔

م۔ چھوڑ دو۔ یہ دیکھو گنڈیری والا بولا۔ میں جا کے اس کو ذبح کروں گا۔

راوی۔ گنڈیری والا محلے ہی کا تھا۔ آواز پہچان کر بیوی نے ماما سے کہا ذری اس کو آواز دینا۔ کھو بلاتی ہیں اندر چلا آئے اس وقت کہاں کا پردہ۔ ماما تو جلی ہوئی تھی باہر سے گنڈیری والے کو لے آئی اور اس کے ساتھ ہی اپنے شوہر کو بھی بلا لائی۔ دونوں نے ان کے ہاتھ پکڑے بیوی نے رسی سے باندھ کے کھنبے میں کس دیا۔ تب تو ہوش اڑ گئے ہاتھ جوڑے کہ از برائے خدا اب چھوڑ دو، دوسرے دن دوست سے جا کے کہا یار ہم تو تمھاری نصیحت پر عمل کر کے اور ذلیل ہو گئے۔ دوست نے کہا اب کیا ہوتا ہے۔ گربہ کشتن روز اول نہ کہ بعد نُہ ماہ۔ یعنی بیوی پر رعب جمانے کے لئے پہلے ہی دن بلی کو چوہے پر حملہ کرنا تھا۔ اب نو مہینے کے بعد بھلا کیا ہوتا ہے۔ اب تو بیوی کہے گی میاں کی فصد

کھولنی چاہئے۔

لاڈو۔ حضور کو بھی کیا مثلیں یاد ہیں۔

ک۔ ہاں اتنی باتیں ہوگئیں مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ اب کیا اُپج کی لی۔

ب۔ ایک روز بیٹھے بٹھائے کسی نے شگوفہ چھوڑا کہ حضور چل کے پہاڑ کی سیر کیجئے۔ ان کو اتنی عقل تو ہے نہیں۔ راضی ہو گئے۔

ک۔ اور موئے پہاڑ پہ رکھا کیا ہے آخر۔

ب۔ یہ تو وہ سوچے جس کو عقل ہو۔

لاڈو۔ حضور یہ سب ان مصاحبوں کی نمک حرامی ہے یہی رئیس کو بدنام کر دیتے ہیں۔

ک۔ جب بے فکری کی روٹیاں ملتی ہیں تو ایسی ہی سوجھتی ہے۔ اور ان کا حرج کیا ہے ان کو دو گھڑی کی دل لگی ہاتھ آتی ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان مفت خوروں کا کیا جائے گا۔ ان کی تو ما نچنیاں کہیں نہیں گئی ہیں۔ اِن کو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے۔ ان کمبختوں نے صدہا گھر تباہ کر دیئے ہیں ایک دو کی کون کہے۔ اور خرابی یہ ہے کہ یہ رئیس آنکھوں سے دیکھتے جاتے ہیں مگر ذرا عبرت نہیں۔

لاڈو۔ بیگم صاحب ان کی باتوں میں جادو ہوتا ہے۔

ک۔ ہاں! ہے تو کچھ ایسا ہی۔

ب۔ مجھ سے لاڈو نے آن کے کہا کہ بیگم صاحب وہاں تو پہاڑ پر جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بس پاؤں تلے سے مٹی نکل گئی۔ سناٹا چھا گیا۔

لاڈو۔ بیگم صاحب میں ہاتھ جوڑ کے عرض کرتی ہوں کہ خدا کے لئے لونڈی کا نام نہ لیجئے گا۔ مجھے یہاں رہنے دیجئے گا! نہیں۔

ب۔ جب تک جان میں جان ہے۔ تم چھوٹ نہیں سکتیں (کلثوم النسا کی طرف مخاطب ہو کر) بس اتنا سننا تھا کہ میں آگ بھبوکا ہوگئی۔ اور جیسے سنا کہ اندر آتے ہیں۔ کوٹھے پر چلی گئی اور دروازہ بند کروالیا۔ تاڑ گئے کہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔ اب ہزاروں قسمیں دیتے ہیں لاڈو کی خوشامدیں کرتے ہیں کہ دروازہ کھول دو آخر یہ خفگی کاہے کی ہے۔ کچھ ہم بھی تو سُنیں۔ بڑی دیر تک خوشامد کیا کئے مگر میں نے ایک نہ

ٹسنی ۔ آخر کار قسمیں کھانے لگے کہ پہاڑ جانے کا قصد نہ کروں گا۔ جب قسمیں کھلوا لیں تو
مَیں نے دروازہ کھلوا لیا۔

لاڈو ۔ اب ایک دن پھر یہی بات چیت ہوئی تھی۔

ک ۔ مگر اتنا مادّہ ہی نہیں کہ پہاڑوں کا سفر کریں۔

ب ۔ مادّہ نہیں سہی لوگ تو مادّہ پیدا کروا دیں گے۔

ک ۔ ہمارے محلے میں ایک آیا رہتی ہے وہ ہر سال اپنے صاحب کے ہمراہ
پہاڑ پر جایا کرتی ہے ۔ اس سے حال دریافت کروں گی۔

ب ۔ ابھی نہ بلواؤ ۔ مگر جو پاس رہتی ہو۔

کلثوم النسا بیگم نے اپنی مہری بھیج کر آیا کو کہلوایا آیا نے آن کر جھک کے سلام کیا
اور کہا حضور نے کیوں یاد فرمایا ہے۔

کلثوم النسا بیگم نے کہا اب کی تم پہاڑ پر صاحب کے ساتھ نہیں گئیں ۔ آیا نے کہا
اے حضور ہمارے صاحب تو مارچ میں جاتے ہیں پہاڑ پر اور ستمبر میں نیچے اترتے ہیں
پوچھا ہر سال پہاڑ پر جا کے کیا بناتے ہیں ۔ کہا حضور وہاں کی سی آب و ہوا کہاں پائیے
بیمار جاتا ہے تو دو مہینے میں چنگا ہو کے آتا ہے ۔ کیسا ہی بیمار کیوں نہ ہو چٹکیوں میں
اچھا ہو جاتے گا۔ حضور وہاں تو گرمی کا نام بھی نہیں ہے یہ جیسی لُوں یہاں چلا کرتی ہے
توبہ توبہ وہاں کہاں جن دنوں میں یہاں لُوں چلتی ہے اور امیروں کے ہاں خس کی
ٹٹی، اور پنکھے لگے ہوتے ہیں، اور دن کو چلنا دوبھر ہو جاتا ہے ان دنوں پہاڑ پر اس
طرح کی سردی ہوتی ہے کہ دن کو بے سردی کے کپڑے پہنے ہوے انسان باہر نہیں نکل سکتا۔
اور پانی کا حال کیا عرض کروں بڑا ہاضم ہے ۔ پیا اور کھانا ہضم اور اس قدر ٹھنڈا ہے
کہ برف کی کیا حقیقت ہے دانتوں میں لگتا ہے حضور جو شخص ایک دفعہ پہاڑ کی ہوا کھا
آیا پھر وہ پہاڑ کے نام پر لوٹ ہو جاتے گا حضور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے میں کیا
عرض کروں۔

کلثوم النسا بیگم ہنس کر کہنے لگیں یہ اچھی ملیں ۔ جو کہیں عسکری دُولھا سن لیں تو غضب
ہی ہو جائے پھر تو اور بھی لوٹ ہو جائیں گے۔

آیا بولی وہ مقام ہی ایسا ہے ۔ خاص رئیسوں شہزادوں کے لئے ایسے ویسوں

کے لیئے تھوڑا ہی ہے جو لوگ پہاڑ پر سال میں دو چار مہینے بھی رہتے ہیں وہ بڑے نصیب والے لوگ ہیں اُن سے بڑھ کر نصیبا اور کس کا ہے۔

یہ تقریر سن کر بیگم صاحب کو بڑی حیرت ہوئی۔ یہ اب تک سمجھی تھیں کہ پہاڑ پر جانا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ اور وہاں جنگلوں میں درند جانور لگتے ہیں اور آدمیوں کو کھا جاتے ہیں۔

ب۔ بھلا وہاں جانوروں سے کیونکر لوگ بچتے ہیں۔

آیا۔ (ہنس کر) حضور وہاں بھی ایسی ہی آبادی ہے جیسی یہاں ہے۔ جانور کیسے۔

ب۔ اور ڈاکو جو وہاں پہاڑوں میں رہتے ہیں۔

آیا۔ حضور ڈاکو کیسے۔ وہاں تو ہم نے ان پانچ چھ برسوں میں کبھی سوئی بھی چوری جاتے نہیں دیکھی۔ سونا اُچھالتے چلے جایئے آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھ سکتا کوئی۔

ب۔ بھلا جب چڑھائی پر آدمی جاتا ہے تو بڑا ڈر معلوم ہوتا ہوگا۔؟

آیا۔ ڈر کا ہے کا حضور۔ ذرا ذرا سے بچے دوڑتے ہوتے جاتے ہیں اونچی اونچی چڑھائیوں پر لوگ گھوڑے دوڑاتے جاتے ہیں۔

ب۔ وہاں کا پانی کیسا ہے۔

آیا۔ ایسا ہے کہ اللہ کرے سب کہیں ویسا ہی ہو۔ دونا چوگنا کھانا کھایئے اور پانی پی لیجئے سارا ہضم۔

ب۔ ہم تو کچھ اور ہی سُنا کرتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ وہاں چند دن بھی کوئی ٹک نہیں سکتا۔ ڈاکے پڑتے ہیں۔ ادھر کے لوگ وہاں زندہ نہیں رہ سکتے۔

آیا۔ ہزاروں آدمی نیچے سے وہاں جاتے ہیں اور خاصے ہٹے کٹے آتے ہیں۔ لاٹھ صاحب (لارڈ) وہاں رہتے ہیں بڑے بڑے صاحب لوگ رہتے ہیں۔ سیٹھ، ساہوکار، مہاجن، لکھ پتی کروڑ پتی رہتے ہیں۔ آپ نے جو بات سُنی ہے الٹی ہی سُنی ہے وہاں تو حضور بیمار لوگ جاتے ہیں کہ اچھے ہو کے آئیں اور حضور نے یہ سُن لیا کہ وہاں لوگ بیمار ہو جاتے ہیں۔ یہاں دھڑ دھڑ چوریاں ہوتی ہیں وہاں چوری کا نام نہیں ہے اور آپ فرماتی ہیں کہ ڈاکے پڑتے ہیں ادھر کے جو وہاں جاتے ہیں خوش ہو کے آتے ہیں حضور۔

ب ۔ تم کو وہاں رہنا اچھا یا یہاں ۔

آیا ۔ سردی میں یہاں گرمی برسات میں وہاں ۔ سردی وہاں کی ہم نے نہیں دیکھی مگر اس طرف کے رہنے والے وہاں کی سردی برداشت بھی نہیں کر سکتے کیونکہ برف بہت گرتی ہے اور کلیجا ٹھٹھرنے لگتا ہے جن دنوں یہاں گرمی ہوتی ہے وہاں جاڑا پڑتا ہے ۔ دیکھنے کے قابل ہے ۔ حضور بھی ایک دفعہ چلیں ۔

آیا کی باتیں سن کر بیگم صاحب دنگ ہوگئیں اور کہنے لگیں کہ جو ہم کو یہ معلوم ہوتا تو ہم کاہے کو اتنی بات بڑھاتے ہم تو کچھ اور ہی سمجھے ہوئے تھے ۔ ہم سمجھتے تھے کہ وہاں پانی لگتا ہے اور لوگ ماندے ہو جاتے ہیں ۔ اور شیروں کے جنگل ہیں یہ ہمیں کیا معلوم تھا کہ وہاں آدمیوں کی بستی ہے ۔ جب وہاں لوگ آتے ہی جاتے ہیں تو کیا ہرج ہے ۔ نواب کو ہم نے ناحق بُرا بھلا کہا ۔ کلثوم النسا مسکرانے لگیں اور بولیں کہ ہم ایک ایسی بات کہہ دیں اس وقت جس سے تم پہاڑوں کے خلاف ہو جاؤ گی ۔ پوچھا وہ کون سی بات ہے ۔ کہا پہلے ہم آیا سے دریافت کرلیں ۔ کیوں آیا جی وہاں بھلا وہاں جادو ٹونے کا بھی چرچا ہے ۔ یہ سنتے ہی بیگم صاحب کانپتی ہوئی بولیں اوئی خدا اُن جادوگیروں کو غارت کرے کلثوم النسا بیگم نے کہا جادوگیرے وہاں نہیں ہیں ۔ ۔ وہاں جادوگرنیاں ہیں جو مرد کو دن بھر بیل یا بکرا بنا کے رکھتی ہیں اور شام کو پھر آدمی بنا دیتی ہیں مگر ان کو جو پسند آجاتے اور جو پسند نہ آئے اس سے اُن کو بحث بھی نہیں ہے پس پسند آجانا ستم ہے ۔ پسند آئی یا اور قیامت آئی ، جان عذاب میں پڑ گئی ۔ کہیں کا نہ رہا ہم نے کئی عورتوں کی زبانی سنا ہے کہ پہاڑ پر کی عورتیں جادو میں بڑی برق ہوتی ہیں ۔ اور خوب صورت اور جوان مرد کا تو وہاں جانا اپنے اوپر قیامت ڈھانا ہے ۔

آیا یہ گفتگو سنتی رہی اور جب کلثوم النسا بیگم خاموش ہوئیں تو اس نے اپنے تجربے کا حال بیان کیا ۔ کہ مَیں نے تو آج تک کوئی جادوگرنی دیکھی نہیں مگر ہاں ایک بات ضرور کہوں گی وہاں کی عورتیں بڑی قبولِ صورت ہوتی ہیں ۔ پس سب سے بڑا جادو یہی ہے ۔ اور حضور اس سے بڑا جادو اور کیا ہوگا ۔ جن صاحب کے پاس ہم نوکر ہیں ان کا کوئی چوبیس برس کا سن ہوگا اور بیگم صاحب ایسی صورت پائی ہے کہ

میں کیا کہوں جو میم دیکھتی ہے پھڑک جاتی ہے ۔ عاشق ہو جاتی ہے ۔ اور میں تو حضور دن رات اسی کی صورت دیکھا کرتی ہوں ۔ دیکھنے کے قابل ہے ۔ اُسی طرح اُس ملک کی عورتیں بلا کی حسین ہوتی ہیں کہ مرد دیکھتے ہی ہزار جان سے عاشق ہو جاتے ہیں اور دم بھرنے لگتے ہیں ۔

ب ۔ (بیگم) یہ بڑی بُری بلا ہے ۔

ک ۔ (کلثوم) اور پھر عسکری دولھا سے مرد ۔

ب ۔ یہاں کی بدصورت عورتوں پر تو لوٹ ہو ہی جاتے ہیں نہ کہ وہاں کی گوری چٹی عورتوں پر ۔

ک ۔ اور اگر جادو کیا تو اور بھی غضب ہے ۔

ب ۔ وہ بے جادو ہی چوکنے والے ہیں ۔

آیا ۔ اور کوئی جادو میں نے وہاں دیکھا نہیں ۔

ک ۔ وہ جادو جس سے آدمی بیل بن جاتا ہے ۔

آیا ۔ یہ تو بیگم صاحب ہم نے نہیں دیکھا ۔

ب ۔ بیل اور بکری اور بھیڑ ۔

ک ۔ اللہ یہ آدمی کو بیل کیوں کر بنا دیتی ہیں ۔

آیا ۔ جی حضور ۔ بیل ویل کچھ نہیں ۔

ب ۔ یہ سارا حسن کا فساد ہے ۔

ک ۔ نہیں ہے تو کچھ ضرور ، خالی حسن ہی نہیں ہے ۔

ب ۔ وہ کچھ ہو ان مردودوں کو ایک نہ ایک دل لگی ضرور ہاتھ آجاتی ہے اور کچھ نہیں تو پہاڑ کی عورتیں ہی سہی یہ عورتوں کے پیچھے دیوانے ہیں ۔

آیا ۔ پھر اس سے بڑھ کر نعمت ان کے لئے اور کیا ہے ۔ مردوں کو عورتوں سے زیادہ پیاری اور کیا شے ہے ۔ یہ تو خدا نے جوڑا بنایا ہے حضور ۔ اور جو حسین عورت دیکھ لی تو بس گرد گھومتے ہیں ۔ ہمارے صاحب کو الٹی عورتیں پسند کرتی ہیں ۔

لاڈو ۔ تمہارے صاحب کی عمر کیا ہے آیا ؟

آیا۔ اے بہی کوئی بیس چوبیس برس کی۔
ب۔ کہیں تم کو تو نہیں پسند کر لیا صاحب نے۔
ک۔ ہاں ہیں تو آیا بھی جوان ابھی۔
آیا۔ (جھینپتی ہوتی) سرکار ہم غریب آدمی ہیں ہمیں کون پوچھتا ہے۔ مگر ھاں صاحب بھی دیکھنے کے قابل ہیں۔
ک۔ بھلا ہم پھر کیوں کر دیکھ سکیں اُن کو۔
آیا۔ حضور کوئی نہ کوئی ترکیب نکالی ہی جائے گی۔
ک۔ اگر ہم کو دکھا دو تو پانچ اشرفیاں دیں۔
آیا۔ بہت خوب سرکار اور وہ حضور چاہے کچھ بھی نہ دیں تو کیا پرواہ ہے۔ حضور ہی کا دیا کھاتے ہیں یا کسی اور کا یہ سب حضور کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔ ہمارے اور ہمارے بال بچّوں کی پرورش کون کرتا ہے۔
ک۔ بھلا تمھارے صاحب ہم کو کاہے کو پسند کریں گے۔
آیا۔ اے واہ کیوں نہ پسند کریں گے۔ ایسی صورتیں انھوں نے دیکھی کہاں ہوں گی حضور۔
ک۔ اچھا اُن کو یہاں لا سکتی ہو یا کہو تو ہوا کھاتے ہوتے ہم ہی چلے چلیں۔
آیا۔ اے نہیں بیگم صاحب اُن کو حاضر کروں گی۔
ک۔ ہم تم کو نہال کر دیں گے آیا جی۔
آیا۔ (سلام کر کے) حضور کی پرورشتی ہے۔
ک۔ مگر قول جو ہاری ہو اس کا خیال رہے۔
آیا۔ سرکار۔ قول جان کے ساتھ ہے۔ ایسی بات ہے۔
راوی۔ بیگم صاحب متحیّر تھیں کہ کلثوم النسا کی سی پاک باز عورت اور یوں پھسل جائے۔ ان کی نیت بدلی ہوئی دیکھ کر انھیں بڑی حیرت ہوئی مگر چپ۔ لاڈو الگ حیرت میں تھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ مگر سب کے سامنے زبان سے کوئی کلمہ نہیں نکال سکتی تھی۔
ک۔ دیکھیں تمھارے صاحب کو بھی دیکھ لیں۔

آیا۔ حضور بھوک پیاس انسان کی بند ہو جاتے۔
ک۔ اچھا تو کل تم ان کو بلا لاؤ مگر ہم سے ایک گھنٹہ پہلے آن کے اطلاع کر دینا۔

جب آیا رخصت ہوئی تو کلثوم النسا نے پردے کے پاس جا کر آیا سے کچھ کہا اور ادھر بیگم صاحب اور لاڈو میں باتیں ہونے لگیں کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ کلثوم النسا بیگم کو یہ کیا ہوا ہے یہ تو ایسی نہ تھیں اور نہ ان سے اس طرح کی امید تھی خدا جانے آج یہ کیا ہو گیا۔ انسان کی طبیعت کا بھی کچھ ٹھکانا نہیں ہے۔ گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے۔ ہم کو بھلا کبھی یقین آتا کہ کلثوم النسا بیگم ایسی ہو جائیں گی کہ ننگ و ناموس کا خیال نہ رکھیں گی۔

لاڈو نے کہا بیگم صاحب میں سمجھتی ہوں کہ یہ سب ان کی دل لگی ہے آیا کے بنانے کے واسطے۔

اتنے میں کلثوم النسا بیگم آیا کو رخصت کر کے آئیں اور آتے ہی مسکرائیں۔ بیگم صاحب سے کہا اس آیا کی باتیں سنیں۔ یہ مردار اس قابل نہیں ہے کہ بہو بیٹیوں میں آنے پائے میں اس کی گفتگو سے پہلے ہی تاڑ گئی تھی کہ یہ کٹنی ہے۔ مجھے جو پہلے سے اس کا حال معلوم ہوتا تو ہرگز ہرگز نہ آنے دیتی مگر خیر۔ اب سے آتے گھر۔ گھڑی گھڑی مردار اپنے صاحب کا ذکر کرے کہ چوبیس برس کا سن ہے بڑے خوبصورت ہیں۔ عورتیں ان پر جان دیتی ہیں اور دیکھتے ہی عاشق ہو جاتی ہیں۔ اور اپنا عشق بھی ظاہر کیا کہ خود بھی صاحب پر جان دیتی ہیں۔ اللہ رے عشق۔ اور ایک دفعہ نہیں بار بار یہی کہتی جاتی تھی کہ ہمارے صاحب بڑے حسین اور گل بدن ہیں۔ مگر سچ کہنا میں نے بھی کس ترکیب سے باتوں باتوں میں اڑایا اور کیسا بنایا کہ وہ بھی سمجھ گئی کہ بی بی ریجھ گئی ہیں اب دل لگی تب ہو گی جب صاحب کو لے کے آئے گی اور میں بُتّا بتا دوں گی دل میں گالیاں دیتی اور کوستی ہی جائے گی۔ ایسی بد عورتوں کو توپ کے مہرے پر اڑا دے بس۔

بیگم صاحب یہ سُن کر کھل کھلا کے ہنس پڑیں۔ کیا تم نے اچھا فقرہ جست کیا۔ یہاں لاڈو اور ہم آپس میں یہی باتیں کر رہے تھے کہ کلثوم النسا بیگم کو اس وقت سو جھی کیا۔ کوئی ایسا بے قابو ہو جاتا ہے بھلا دین اور دنیا دونوں کو بھول گئیں اور

سب کے سامنے بے تکلّف کہنے لگیں کہ صاحب کو بُلا لاؤ۔ اور میں تو تھر تھر کانپتی تھی کہ جو کہیں ان کو خبر ہو گئی تو قیامت ہی کا سامنا ہو گا کہیں گے اور لیجئے اب تو کٹنیوں کے ذریعہ سے نامہ و پیام ہونے لگے۔ مگر تم ہنسوڑ ہو بہن اور اس طرح سے چکمے دیتی کہ آدمی دھوکے میں آجاتا ہے۔ میں خود دھوکا کھا گئی تھی کہ یہ سچ مچ کہہ رہی ہیں۔ لاڈو میری صورت دیکھتی تھی اور مَیں لاڈو کی کہ یہ کہہ کیا رہی ہیں اب وہ کسی نہ کسی دن لے کے ضرور آئے گی۔ ایسا نہ ہو کہ نصیحتًا ہو میں تو اب تک کانپ رہی ہوں۔ اور اس وقت بھی بدن تھر تھر کانپتا تھا۔ لاڈو نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا سرکار میرے تو ہوش اڑے ہوتے تھے کہ یہ کیا غضب ہو رہا ہے اور کیسی کفر کی باتیں بیگم صاحب کر رہی ہیں یہ ان کو اسوقت سوجھی کیا اور اس کی صورت سے مجھے نفرت ہو گئی ہے پکّی دلالہ ہے حضور مجھ سے کہتی تھی کہ اگر ان دونوں میں سے ایک کو راضی کر دو تو جو کہو تم کو دوں میں نے کہا خبردار مجھ سے ایسی باتیں نہ کرنا۔ مَیں ان باتوں میں نہیں پڑتی ہُوں مجھے بھی کوئی ایسی ویسی بازاری عورت یا نمک حرام سمجھی ہو۔ ہم بہو بیٹیوں میں جانے والے ہم کو بھلا ان باتوں سے کیا سروکار۔ اگر ایسا کریں تو کسی بھلے مانس کے گھر میں بھلا کاہے کو جانے پائیں۔ لاکھوں کروڑوں روپے کا ہمارا اعتبار ہے ہم کو یُوں کیا کم ملتا ہے کہ دغل فصل کر کے لینے کا لالچ کریں کیا مجال۔

ب۔ (بیگم) میرا کلیجہ دھک دھک کر رہا ہے۔

ک۔ (کلثوم) مَیں تو چتونوں سے تاڑ گئی تھی۔

لاڈو۔ یہ بھی تھر تھر کانپ رہی تھی حضور۔

ب۔ کبھی پہلے ایسی باتوں کا چرچا ہوا کہاں تھا؟

ک۔ تم بیٹھے بیٹھے دل لگی دیکھتی جاؤ بس۔

ب۔ اب زیادہ اِس بات کو نہ بڑھاؤ بہن۔

ک۔ اے ہے تم گھبرائی کیوں جاتی ہو۔

ب۔ ایسا نہ ہو کہ مردوں تک یہ بات پہنچے۔

ک۔ پہنچے گی بھی تو کیا ہرج ہے اس میں۔

ب ۔ شاید یہ بدگمانی ہو کہ آج ہنسی ہنسی میں ایسا کیا کل کو سچ مچ یہ باتیں ہونے لگیں گی ۔

ک ۔ نہیں بہن ہم کو سب جانتے ہیں ۔

لاڈو ۔ مگر اس وقت تو مَیں سمجھی تھی کہ خدانخواستہ دشمنوں کی نیت ڈانواں ڈول ہو گئی اور میں اللہ ۔ سے دعا مانگتی تھی کہ آیا چڑیل یہاں سے جائے تو مَیں سمجھاؤں ۔

ب ۔ مجھ سے اور لاڈو سے یہی باتیں ہو رہی تھیں ۔

ک ۔ یہ تو میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی بہن ۔

ب ۔ مگر بڑی چھنٹی ہوئی عورت ہے یہ آیا مردار ۔

لاڈو ۔ اے ہے اس کے کاٹے کا منتر نہیں ہے ۔

ک ۔ بہو بیٹیوں کو ایسی ہی شتا ہیں تو خراب کرتی ہیں ۔ کس مزے سے تعریف کرتی تھی کہ ایسے حسین اور خوبصورت ہیں کہ عورتیں دیکھتے ہی ہزار جان سے عاشق ہو جاتی ہیں اور مرنے لگتی ہیں مجھے دل ہی دل میں ہنسی آتی تھی کہ یہ بک کیا رہی ہے اور کس مزے سے رنگ جماتی تھی کہ توبہ ہی بھلی ۔ بس یوں ہی عورتیں خراب ہو جاتی ہیں مگر میں تو ان کی قبر تک سے واقف ہوں ۔

چہ می گوئیاں :۔

ایک روز نواب صاحب نے بیگم کو خوش پا کر مذاق کرنا شروع کیا ۔

ع ۔ جس طرح ہم لوگوں کی عورتوں پر نظر پڑتی ہے ۔ تم لوگوں کی مردوں پر پڑتی ہو گی ۔

راوی ۔ سُبحان اللہ اچھا سوال کیا ۔

ب ۔ (شرما کر) تمھاری بھی کیا باتیں ہیں ۔

ع ۔ میں ایک نہ مانوں گا ۔ ایسا ضرور ہوتا ہو گا ۔ چاہے بدی سے نہ دیکھو ۔ مگر حسین مرد اچھا تو معلوم ہوتا ہو گا ۔

ب ۔ وہ حسین کون شے ہے جو اچھی نہیں معلوم ہوتی ۔ خوشنما پھول کتنے

اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ عمدہ گھوڑا کیسا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہم لوگوں کو نامحرموں کے دیکھنے کا موقع کہاں ملتا ہے۔

ع۔ عورتیں تو ہوا کھانے نکلتی ہیں۔ کھڑ کھڑیاں چڑھی ہوئیں گورے گورے ہاتھ اور پیاری پیاری انگلیاں صاف دکھائی دیتی ہیں۔

ب۔ تم کو سب عورتوں کے ہاتھ گورے ہی گورے سوجھتے ہیں چاہے کالے کلوٹے اُلٹے توے ہی کے سے کیوں نہ ہوں۔ جب کسی عورت کا ذکر کرتے ہو یہی کہتے ہو کہ گورے گورے گال ہیں پیاری پیاری انگلیاں ہیں گول گول چہرہ ہے۔ بڑی بڑی آنکھیں ہیں اور خدا جھوٹ نہ بلوائے تو کالی کوتلاسی ہوں گی۔

ع۔ اب سب کی سب تمہارا سا حسن کہاں سے لائیں۔

ب۔ اوپر کے دل سے کہہ رہے ہو۔

ع۔ کیا مجال۔ بناوٹ سے ہمیں مطلب۔ ے

اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر
آرام سے ہیں وہ جو تکلف نہیں کرتے

راوی۔ واہ واہ واہ۔ کس موقع پر برمحل شعر پڑھ دیا آپ نے آپ بھی اپنے وقت کے فسانہ آزاد کے خوجی ہیں۔

ب۔ کہو اب پہاڑ کے سفر کی کب تک تیاریاں ہیں۔

ع۔ یہ تم کو پہاڑ کے نام سے اس قدر وحشت کیوں ہوتی ہے۔

ب۔ پہلے تو ہم سمجھے تھے کہ پہاڑ کا پانی ادھر کے آدمیوں کو راس نہیں آتا۔

ع۔ اس الٹوانسی عقل کے صدقے۔

ب۔ ایک آپا کو کلثوم النسا بہن نے بلوایا تھا وہ اپنی میم صاحب کے ساتھ ہر سال پہاڑ پر جاتی ہے۔ بڑی تعریف کرتی تھی اور کہتی تھی کہ کوئی اندیشہ مطلق نہیں ہے۔ ہزاروں لاکھوں آدمی آتے جاتے ہیں ڈر کا ہے کا۔

ع۔ چلو تم کو بھی پہاڑوں کی ہوا کھلا لاؤں۔

ب۔ (ہنس کر) کیا میں بھی میم صاحب ہوں۔ مگر وہاں تمہارے جانے میں ہمیں ایک بڑا خوف ہے۔

ع۔ خوف! وہ کیا۔ کیا شیر لگتا ہے وہاں۔

ب۔ سُنا کہ وہاں کی عورتیں بڑی جادوگیرنیں ہیں اور سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ حسین ہوتی ہیں اور تم کو اس کا مرض ہے۔ جب میرے سامنے تمہارا یہ حال ہے تو وہاں تم کو کون روکنے والا ہے تنکے کی اوٹ پہاڑ۔ وہاں تو اور بھی کھُل کھیلو گے۔

ع۔ تم بڑی بدگمان ہو بیگم۔ اب وہ ولولہ کہاں۔

ب۔ اے ہے۔ ابھی بڈھے ہو گئے' یہ ہمارے بنانے پھُسلانے کی ساری باتیں ہیں۔ تم دوسو برس کے بھی ہو جاؤ گے تو ہم کو یقین نہیں کہ تمھاری بوالہوسی جاتے۔

ع۔ اب اس وہم کا کیا علاج کروں۔

ب۔ جس شے کو ہم اپنی آنکھوں دیکھتے ہیں اُس میں وہم کیسا خالی خولی سُنی سُنائی ہوتی تو شاید دھوکا ہو جاتا۔ مگر جس شے کو صاف صاف اپنی آنکھوں دیکھا اُس میں تم کیا اڑن گھائیاں بتاؤ گے۔

ع۔ قسم تک کھائی مگر تم کو یقین ہی نہیں آتا۔

ب۔ تم مردوں کی بات کا اعتبار ہی کیا ہے۔ اور مرد بھی کیسے تمہارے سے چھٹے ہوئے تماشبین۔ تم قرآں بھی اٹھاؤ تو ہمیں ہرگز یقین نہ آئے۔

ع۔ قسم کھا کے کہتے ہیں بیگم اس کو صرف گانا سننے کے لئے نوکر رکھا تھا کہ دو گھڑی لطف حاصل ہو گا۔ گاتی اچھا ہے۔

ب۔ خاک اچھا گاتی ہے۔ گاتی ہے یا روتی ہے اپنے اگلے پچھلوں کو ڈائن کہیں کی

ع۔ شکل و صورت تو ہے نہیں کچھ۔

ب۔ یہ سب ہمارے دکھانے کے لئے باتیں بنا رہے ہو اُن دنوں میں تو لٹو تھے اس کے پیچھے۔ اب کہتے ہو گانے کے لئے نوکر رکھی تھی یہ اڑن گھائیاں۔

ع۔ اب اس کو پھر نوکر رکھ لیں (ہنس کر)

ب۔ (تنک کر) دھمکاتے کس کو ہو انگوٹھا دکھا کر ہماری بلا سے ایک نہیں بیس رکھو ہماری قسمت لے جائے گی۔ اے میں سوچتی ہوں ان کو تمہاری محبت

بھلا کیا ہوتی ہوگی۔ وہ تو روپے کی عاشق ہیں جب تک روپیہ پاس ہے تب تک سب کچھ ہے اور کھکھل ہوگئے تو دھتا بول دی بے زر عشق ٹیں ٹیں ع۔

زردار سب اڑتے ہیں بے زر کا خدا حافظ

تم بسم اللہ کر کے نوکر رکھو۔ شوق سے نوکر رکھو۔

ع۔ (پیار کر کے) اب کسی کے ساتھ نکاح پڑھوالیں گے۔

ب۔ (ہاتھ سے جھٹک کر) ضرور سو کام چھوڑ کر۔

ع۔ تو تم خفا کاہے کو ہوتی ہو بیگم۔؟

ب۔ ہماری جوتی کی نوک خفا ہو۔

ع۔ اب کی پہاڑ پر سے کسی کو تلاش کر کے لائیں گے۔

ب۔ ایک میری خاطر سے بھی ہرج ہی کیا ہے۔ بلکہ ایک نہیں دو سہی۔ یہ تم دھمکی کیا دیتے ہو۔ پہاڑن ہو چاہے کوئی ہو۔

ع۔ سنو بیگم دل لگی تو ہو چکی۔ اب اصل اصل بات کہیں۔ ہمارا بہت جی چاہتا ہے کہ پہاڑوں کی سیر کریں۔ مگر پندرہ دن سے کم ہی کم میں واپس آجائیں گے۔ تین چار روز آنے جانے کے ہوتے اور گیارہ بارہ روز قیام کے۔ اور خدا گواہ ہے وہاں ذرا بھی خوف نہیں ہے برسوں کی بستی ہے اور صاحب لوگ بہت کثرت سے جاتے ہیں ڈاکٹر صاحب نے بھی مجھے صلاح دی ہے کہ پہاڑ پر جاؤں۔ ع

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

سیر کی سیر اور فائدے کا فائدہ۔

ب۔ جانے میں مجھے صرف یہی خیال ہے کہ تم وہاں کسی پر ریجھ نہ جاؤ۔ کسی سوت مردار کو نہ لاؤ۔ بڑا خوف تو تم سے یہی ہے، اور تم بھی اللہ کے فضل سے ایسے وضعدار ہو کہ یہ وضع عمر بھر نہ چھوڑ دو گے تم کو بے ان کے چین ہی نہیں آتا۔

ع۔ اچھا جب سے اس کو چھوڑا اور کس کو نوکر رکھا۔

ب۔ مجھے رتی رتی خبر پہنچتی ہے۔ یہ شاہ چھڑا کی گلی میں شام سے کہاں غائب رہتے ہو۔ بلبلِ ہند کتنا کیوں ہر روز آن موجود ہوتا ہے۔ میرا بس چلے تو کھڑے کھڑے

شہر بدر کرا دوں موے کو۔

ع ۔ شاہ چھڑا کی گلی میں ایک مولوی صاحب رہتے ہیں ۔

ب ۔ ہاں تو اُن سے سبق پڑھنے جاتے ہو گے ۔ ع

کریما بہ بخشائے بر حالِ ما

ع ۔ (بہت ہی ہنس کر) سبق پڑھنے کی ایک ہی کہی ۔ ہمارے دوست ایک مولوی ہیں ۔ اُن سے ملنے جاتے ہیں یہ بھی کوئی گناہ ہے ۔ سبحان اللہ ۔!

ب ۔ اور یہ بلبلِ ہند کیوں ساتھ رہتا ہے ۔ وہ بھی مولوی صاحب کے ہاں سبق پڑھتا ہے کیا ۔ مولوی دولوی تو سب کہانی ہے ۔ وہ مکتب خانہ ہی اور ہے، جہاں حضور جاتے ہیں ۔

ع ۔ یا خدا اس بد گمانی کا کیا علاج کروں ۔ اب تمھارے مارے گھر سے نکلنا چھوڑ دوں آخر ۔

ب ۔ وہ اگر سات پردوں میں بھی رہو گے تو اپنے ہتھکنڈوں سے نہ باز آؤ گے مجھے اس میں تمھارا رتی بھر بھی بھروسا نہیں ہے ۔

ع ۔ اللہ اللہ ایسے ایسے بے اعتبار ہو گئے ہم ۔

ب ۔ ہو ہی ۔ اپنے کرتوتوں ۔

ع ۔ اچھّا اب آج سے پردے کی بُوبُو بن کے بیٹھیں گے ۔

ب ۔ سب کچھ بنو گے مگر ہماری اس وقت کی بات یاد رکھنا کہ اگر پہاڑ گئے اور وہاں سے کسی کو ساتھ لائے تو میں زہر کھا کے سو رہوں گی ۔

ع ۔ (گلے میں ہاتھ ڈال کر) تم کو یہ کیا ہو گیا ہے ۔ میں کہتا ہوں ایک بات ہوئی ہو گئی ۔ اب گھڑی گھڑی اس کا ذکر کیا ۔ قسم کھائی کہ اب ایسی بات کبھی نہ ہو گی ۔ آزماؤ اور دیکھو کہ قسم کے مطابق چلتے ہیں یا نہیں اب کی آزمائش تو کر لو ۔

ب ۔ میں تو آزمائش کرتے کرتے دیوانی ہو گئی ۔

ع ۔ اب کی پورے اتریں گے دیکھ لینا ۔

ب ۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے ۔ جو وہاں سے ایک ساتھ نہ آئی تو مجھے تو بڑا ہی تعجب ہو گا ۔ میں تو تمھارے مزاج سے واقف ہو گئی ہوں تم نے تو طبیعت ہی اس

ڈھب کی پائی ہے۔ اس میں تو تم بے بس ہو کر و کیا۔

ع۔ اور تم نے کیسی طبیعت پائی ہے چلبلی۔

ب۔ کیا چلبلا پن دیکھا تم نے۔ کیا چلبلا پن دیکھا۔

ع۔ اب ایک چلبلا پن یہی ہے کہ گردن سے ہمارا ہاتھ جھٹکے دیتی ہو۔

ب۔ کیوں نہ جھٹکیں۔ اپنے سہارے نہ بیٹھو گلے میں اسی کے ہاتھ ڈالنا جس کو پہاڑ سے لاؤ گے۔

ع۔ ہم تو وہاں سے ایک پہاڑی مینا لائیں گے اور اس کو سکھائیں گے کہ بیگم کو دعا دیا کرے صبح و شام تو پھر ہم سفر کی تیاریاں کریں۔

ب۔ ایسے ہی ہمارے بس میں ہو۔ نا۔

ع۔ بس یہی بات تو بری معلوم ہوتی ہے ہمیں۔

ب۔ اگر وہاں جانے سے کوئی فائدہ ہو تو جاؤ۔ میں تو جانتی ہوں کہ اس لُو اور گرمی میں جانا برا ہے۔ یوں شہروں کے اندر رہنے سے تو آدمی جھلسا جاتا ہے۔ میدانوں میں تو لُو کے تھپیڑے اور بھی تڑپا دیں گے۔

ع۔ لُو کی ایک ہی کہی۔ صبح کے نو بجے تو ریل سے اتریں گے۔ ریل کے اسٹیشن سے پھر پہاڑ پر چڑھنا ہو گا۔ وہاں لحاف اور دوشالے اور پوستین کے بغیر انسان رہ نہیں سکتا۔ یہ لُو کیسی۔ یہ تم کو کس نے گمراہ کر رکھا ہے۔ لُو کے تھپیڑے کی کیا کہی، ہے۔ نینی تال کو بھی اپنے حساب کیا لکھنؤ سمجھی ہو۔ وہاں ہر فصل میں جاڑا ہوتا ہے لُو کیسی۔

اس روز اس قدر گفتگو ہو کر محمد عسکری ہوا کھانے چلے گئے اور واپس آن کر جب سب حوالی موالی جمع ہوتے تو مرزا صاحب سے کہا کہ آپ نے اس دن کا قصہ ناتمام ہی رکھا۔ وہ جو عورت ملی تھی اور آپ اس پر ریجھ گئے تھے اس کا اور حال نہ بیان کیا۔ ممن نے کہا حضور وہ بہت دلچسپ حال ہے میں بھی کہنے ہی کو تھا بسم اللہ مرزا صاحب۔

مرزا صاحب نے سلسلۂ سخن یوں شروع کیا حضور غلام نے عرض کیا تھا کہ ہم جتنے تھے سب کے سب فریفتہ ہو گئے۔ جو تھا ہزار جان سے عاشق، اور وہ ایسی

نڈر بے باک، چست و چالاک، کہ ذرا بھی لحاظ یا خیال نہیں۔ بڑی خوبی یہ تھی کہ نہ ہم اس کی بولی سمجھتے تھے اور نہ وہ ہماری بولی سمجھتی تھی کیونکہ وہ پہاڑ کے کسی گاؤں سے آئی تھی اور دیس کی بولی سے واقف نہ تھی۔

اِس کی بات کاٹ کے ایک مصاحب نے جو کہ سفرِ کوہستان سے بالکل برخلاف تھا نواب صاحب سے کہا۔

حضور حقہ پینے کا وہاں لطف نہیں۔ تو اپینا تو جانتے ہی نہیں سُلفا اڑا کرتا ہے۔ اور سبب یہ کہ وہاں ڈھاک اور املی کی لکڑی نہیں ملتی اور کوئلے ذرا ہی سے میں بھڑک جاتے ہیں بلکہ بھڑکنا کیا معنی ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ سُلفا تو سلگتا ہی نہیں توے کی کون کہے۔

محمد عسکری نے کہا یہ بڑی بُری پخ ہے۔ اور افیمی آدمیوں کے لئے تو موت ہے چاہے پیئں چاہے نہ پیئں مگر توا دہکتا ہوا ہر وقت سامنے موجود رہے اور جب پینک سے ذرا آنکھ کھلے تو انگارے روشن نظر آئیں۔ یہ بڑی خرابی ہے۔ میاں ممن تو وہاں مر ہی جائیں۔ ممن نے کہا خداوند میں اک دو تین من کوئلے پہلے ہی سے روانہ کر دوں گا۔ سارا کھیل روپے کا ہے۔ دو کی جگہ چار خرچے اور ساری خدائی کی نعمت موجود ہو گئی۔ کوئلے کی کیا اصل و حقیقت ہے بھلا۔ اگر زیادہ جی چاہا تو فی کوئلہ ایک اشرفی دے دی۔

اختر بولے اس میں کیا شک ہے اور اگر زیادہ جی چاہا تو فی کوئلہ ایک گاؤں دے دیا۔ مرزا صاحب نے کہا بیشک اگر اور زیادہ جی چاہا تو فی کوئلہ سلطنت دے دی۔ میاں ممن بھی خوب آدمی ہیں اور ان کی فیاضی اور سیر چشمی کو ملاحظہ فرمائیے کہ اشرفی کوئلہ خریدنے کو موجود ہیں۔ یہ بھی اپنے وقت کے تاناشاہ ہیں۔ تو تین من کوئلے ساتھ لیتے جائیے گا۔ اور ان کو کتنے قلی اٹھائیں گے۔ تین سیر سے زیادہ ایک قلی نہیں اٹھا سکتا۔ اب پہاڑ کا سفر تب کریں جب چار پانچ قلی ہر وقت صرف کوئلے اٹھانے کے لئے مقرر ہوں۔ ممن نے کہا آپ ہیں کس خیال میں خدا ہماری سرکار کو حضرت خضر کی عمر عطا کرے حضور کی بدولت چین کرتے ہیں۔ پانچ قلی کس گنتی میں ہیں پچاس قلی ہر دم اور ہر گھڑی ساتھ رہیں گے۔

مرزا۔ خدا کرے سو قلی ساتھ رہیں آپ کے۔

اختر۔ اور کوتلے لے کے جانا اور سفر کرنا کوئی کب گوارا کرے گا۔ اور کوئی ممن ہی کا سا آدمی تین من کوتلے سفر میں ساتھ رکھے گا۔

مرزا۔ منحوس ہوتا ہے جناب۔ کالی بلا۔

ع۔ اس میں تو شک نہیں۔ تیل اچار کوتلے ہرگز سفر میں ساتھ نہ لے جانے چاہئیں۔ ایسی بھی کیا طلب ہے۔

مرزا۔ ممن کی جو بات ہے دنیا سے انوکھی ہی ہے۔

اختر۔ حضور پینک میں جو ہر دم غین رہے گا اس کی یہی کیفیت ہو گی۔ اس میں چاہے کے باشد۔ ے

کھو دیا حسن مدک نے تم ایجا دوں کا
اڑ گیا رنگ دھواں بن کے پری زادوں کا

ممن۔ حضور جب یہ سب ایک طرف ہو جائیں گے تو بندہ سب کا مقابلہ کر نہیں سکتا چوکھا کون لڑتا پھرے اور سب کو کون دشمن بنائے جو یہ لوگ کہیں وہی صحیح ہے بس اور کیا عرض کروں حضور اگر کوتلے بھیج دیئے جائیں تو کیا ہرج ہے جناب مرزا صاحب۔

مرزا۔ آپ کے منہ کون لگے خواہ مخواہ۔

ممن۔ سن لیا حضور۔ اب یہ نوبت ہے ہماری۔

ع۔ بھئی ہم کو اس لڑائی جھگڑے سے نفرت ہے۔

مرزا۔ حضور اور ان کو اس سے محبت ہے۔

ساجد۔ خداوند یہ سب سے لڑا کرتا ہے۔

ممن۔ عرض کیا تھا نا کہ یہ سب دشمن ہو رہے ہیں۔

ع۔ آخر دشمنی کا سبب کیا ہے۔ عداوت تو بے سبب نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ کیا وجہ ہے کہ ساری دنیا کو آپ ہی سے دشمنی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم ہی لڑاکا ہو۔؟

ممن۔ جی ہاں خداوند۔ (آہ سرد کھینچ کر)

ع ۔ جی ہاں خداوند کیا معنی ۔ جی ہاں خداوند کیا معنی۔ جو بات ہے وہی پچوڑے پن کی ۔

مرزا ۔ اب جانے دیں حضور۔ طرح دیجئے ۔

ع ۔ ایک بار طرح دیں ۔ دو بار طرح دیں۔ سر ہی پر چڑھا جاتا ہے ۔

مرزا ۔ دربار کا بڑا عیب ہے کہ جھگڑا بکھیڑا ہو ۔

اختر ۔ حق ہے ۔ اس میں کیا شک ہے جناب ۔

مرزا ۔ ہزار بار کہہ دیا سمجھا دیا کہ بابا لڑو جھگڑو مت ۔ مگر یہ شخص کسی کی سنتا ہی نہیں ۔ ہاری مانتا ہے نہ جیتی ۔ ؎

زنانِ باردا اے مردِ ہشیار — اگر وقتِ ولادت مار زایند[1]

ازاں بہتر بہ نزدیکِ خردمند — کہ فرزندان ناہموار زایند

ممن کو سب مصاحبوں نے مل کے اُلّو بنالیا اور سرکار دولت مدار نے بھی خوب ہی آڑے ہاتھوں لیا یہاں تک کہ ممن جھلّا کے اٹھ گیا ۔ مرزا صاحب نے محمد عسکری کو اب میدان خالی پا کر اور بھی شہ دی اور چنگ پر چڑھایا کہ حضور سیرِ کہسار کریں نظارۂ لطفِ بہار و آبشار کریں ۔ اور انھوں نے بھی دل میں ٹھان لی کہ چاہے کچھ ہو ضرور سفر کریں گے ۔ دربار برخاست کر کے محمد عسکری محل سرا میں تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیگم صاحب بسترِ استراحت پر غافل سو رہی ہیں ۔ لاڈو نے آہستہ سے پانوں ہلا کر کہا حضور اٹھئے نواب صاحب آتے ہیں ۔ بیگم صاحب نے کروٹ بدل کر پھر آنکھیں بند کر کے خرّاٹے لینے شروع کئے ۔ محمد عسکری نے پلنگ پر بیٹھ کر رُخسار گلگوں پر ہاتھ پھیر کے کہا ۔ بیگم اٹھو ۔ ابھی تو چراغ میں بتی پڑی ہے بیگم صاحب نے ایک دل رُبا شوخی کے ساتھ ہاتھ جھٹک کر کہا سونے دو اب دق نہ کرو ۔ کچّی نیند میں جاگنا قہر ہے ۔ نواب صاحب نے یہ شعر پڑھا ۔ ؎

کلیجا کانپتا ہے دیکھ کر اس سرد مہری کو
تمھارے کمرے میں آئے کہ ہم کشمیر میں آئے

---

[1] ترجمہ فرہنگ میں دیکھیے ۔

بیگم صاحب نے اونگھتے ہوتے اشارہ کیا کہ لیٹ رہو۔ یہ بولے کہ ہم چلے جائیں گے۔ ذرا آنکھ کھول کے باتیں تو کرو ہم سے۔ اس وقت تو بہشت کی لپٹیں آرہی ہیں تمھارے پلنگ سے۔ ؎

توشک ہے اطلسِ فلک سبزہ رنگ کی
گل تکیے مہر و مہ ہیں تمھارے پلنگ پر

ب۔ کیا رت جگا کرو گے آج ہمیں نیند آتی ہے۔

ع۔ ایسا نیند کے پیچھے دیوانہ بھی نہ ہونا چاہیے انسان کو۔

ب۔ اس میں کیا شک ہے۔ اس وقت کیا جانے کس موئی بھصی کی بغل سے آرہے ہو۔ اور اوپر سے باتیں بناتے ہو۔ ایسا ہی تو تمھیں ہمارا خیال ہے نا۔

ع۔ تمھیں جو سما گئی وہ سما گئی۔ خدا گواہ ہے اس وقت ایسی بھلی معلوم ہوتی ہو کہ ہمارا ہی دل جانتا ہے دستِ حنائی چوم کر ؎

کہتے ہیں لوگ پنجۂ مرجان کی پھبتیاں
کھلتا ہے دستِ یار میں کتنا حنا کا رنگ
خونِ شہدا ہاتھ میں قاتل کے رچا ہے
اس رنگ پہ رنگ اپنا جمائے گی حنا خاک

ب۔ جی میں اس تعریف کے قابل نہیں ہوں۔ ان کالی کلوٹی نگوڑی بھتنوں کی تعریف کرو جن پر ریجھے ہو۔

ع۔ (مسکرا کر) تم تو آج جیسے لڑنے پر تیار ہو تم ان پر پھبتیاں کہتی ہو۔ اور وہ تم گھر گرہستوں پر۔

ب۔ (جھلاّ کر اور اٹھ کر) وہ موئی چھل پائیاں اپنے ہوتوں سوتوں پر پھبتیاں کہیں۔ اپنی ذات بنیا د پر۔ اپنے کنبے والیوں پر۔

ع۔ (خوب ہنس کر) کیوں کس ترکیب سے جگا دیا بہت بگڑی ہوئی تھیں ؎

دیکھتے تیوری چڑھائی تو ہے تقصیر معاف
گدگدا کر بھی ہنساتے ہیں ہنسانے والے

کیوں کیسا فقرہ جست کیا ہے۔

ب ۔ (آہستہ سے چٹکی لے کر) فقرہ بازی بہت آتی ہے ۔ چٹکی لے کر بیگم صاحب نے نواب کے زانو پر سر رکھ دیا تو محمد عسکری کی باچھیں کھل گئیں اور زلفِ عنبر بار کی خوشبو سے روح افزا جو آئی تو مست ہو کر یہ شعر زبان پر لاتے ۔ ے

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے زانو پر پریشاں ہو گئیں

لاڈو مہری ایک ہی عیّار (طرّار) تھی یہ کیفیت جو دیکھی تو ایک بوڑھی خوّاص سے جا کے کہنے لگی ۔ اے بوا انجبنّ اس وقت بڑی دل لگی ہوئی پہلے تو بیگم صاحب ہم سے باتیں کر رہی تھیں ۔ اے بس جہاں نواب صاحب کی آہٹ پائی بس مکر کر کے سوتی بن گئیں انھوں نے جو آن کے دیکھا تو پورا سنگار کئے ہوئے دُلہن بنی ہوئی آرام میں ہیں پلنگ پر بیٹھ کر لگے خوشامدیں کرنے ۔ کبھی انگلیوں کو چوم لیا ۔ کبھی گالوں پر ہاتھ پھیرے وہ بھی لگیں نخرے بگھارنے ۔ اوں اوں کر کے کروٹ بدلی اور پھر مکر کر کے سو رہیں اور مجھے دل ہی دل میں ہنسی آ رہی ہے کہ عورتیں بھی کس طرح مردوؤں کو فریفتہ کر لیتی ہیں ۔ آخرش نواب نے کیا جانے کیا کہہ دیا کہ جھلّا کے اٹھ بیٹھیں میں تو سمجھی تھی کہ ذرا چلے گی مگر کچھ ایسی مزے میں آئیں کہ ران میں چٹکی لے کے زانو پر سر رکھ کر سو رہیں اب سُنیے کہ ادھر ان دونوں میں لطف اور مزے کے ساتھ گفتگو ہونے لگی ۔

ع ۔ تو بیگم ہم نے پہاڑ جانے کی ٹھان لی ہے ۔

ب ۔ بھلا ہم کو چھوڑ کے کیونکر جاؤ گے ۔ جدائی کے صدمے ہم سے سہے جائینگے

آفت کا زور ضعف پکڑتا ہے ہجر میں
انسان تو کیا ہے دیو بچھڑتا ہے ہجر میں

اور پھر خطرے کی جگہ ۔

ع ۔ خطرہ کیا ہے ۔ خدا سب کہیں ہے ۔ ے

اے صبا گلشنِ دیر و حرم و بتخانہ
کونسی جا وہ عطا پاش و خطا پوش نہیں

ب ۔ تمھاری باتوں کا کچھ تھل بیڑا نہیں ۔

ع۔ یہ کاہے سے۔ ہماری باتوں نے کیا کیا۔
ب۔ گھڑی میں ماشہ گھڑی میں تولہ۔
ع۔ یہ تو ہمیں تمھاری نسبت کہنا چاہیے۔ ؎

حسینوں کی کیا بات کا اعتبار
کدھر تھی طبیعت کدھر ہو گئی

ب۔ اس جھوٹ میں کیا سچ ہے۔ بجا ہے۔
ع۔ یہ اکھاڑ پچھاڑ تمھیں عورتوں کو آتا ہے۔
ب۔ عورتیں ایسی ہی بُری ہوتی ہیں تم مرد وے بہت اچھے ہوتے ہو۔ جن کے قول و فعل کا کوئی اعتبار نہیں۔ کہیں کچھ کریں کچھ بازاری عورتوں کے پیچھے دیوانے ہو رہے ہیں۔ ؎

نشاید ہوس باختن با نگے
زہر بامدادش شود بلبلے

ع۔ نیک اندر بد و بد اندر نیک۔ عورتوں مردوں سب میں اچھے اور بُرے ہوتے ہیں۔
ب۔ مگر مردوں میں اچھے لوگ زیادہ ہوتے ہیں۔
ع۔ ہاں یہ تم نے انصاف کی بات کہی۔
ب۔ کیا خوش ہو گئے۔ میں تمھارا دل لینے کے لئے کہتی تھی۔ مردوں کی کیفیت یہ ہے کہ ایک درجن بھر بھی عورتیں ہوں تو ان کی سیری نہیں ہوتی۔ بھلا اس بوالہوسی کا کیا ٹھکانہ ہے۔
ع۔ بڑی چلکے بازی آتی ہے تمھیں۔
ب۔ تم سے بڑھ کر ؟ ہم لوگ کیا جانیں کہ فقرہ بازی کسے کہتے ہیں یہ باتیں تو تم ہی کو مبارک رہیں۔
ع۔ پہاڑ کے حالات تم سے آن کے بیان کروں گا دیکھ آؤں پہاڑ بھی، تمھارا ہرج ہی کیا ہے۔ مگر یہ بتاؤ کتنے دن کی چھٹی دیتی ہو۔
ب۔ (ہنس کر) چھٹی کیا میں کوئی مولوی صاحب ہوں مگر خدا کے لیے وہاں

کچھ گل نہ کھلانا۔ مجھے تمھارا اعتبار نہیں ہے۔ امید نہیں کہ تم جاؤ اور پھر وہاں سے خالی ہاتھ آؤ اور پارسا ہی رہو۔ ہمیں اعتبار نہیں۔

ع۔ اچھا اعتبار آخر کیوں کر ہوگا۔ قسم کا بھی تو تم کو اعتبار نہیں ہے۔ مشکل تو یہ ہے۔ اور میں سچ کہتا ہوں کہ اب میں نے وہ سب باتیں چھوڑ دیں۔

ب۔ (پھر چٹکی لے کر) اور یہ شاہ چھڑا کی گلی کس کی چاہت سے جاتے ہو۔ کوئی اگلی پچھلی ہوگی۔ آگے آگے خدمت گار لالٹین لیے ہوئے پیچھے پیچھے خود بدولت اور کوئی اجڑا مصاحب کہاں جاتے ہیں شاہ چھڑا کی گلی۔

ع۔ یا الٰہی اب تمھارے مارے دوستوں کو چھوڑ دوں میں تو عاجز آگیا کہہ دیا کہ مولوی صاحب کے پاس جاتا ہوں۔

ب۔ وہاں بہارِ دانش کا باب[1] پنجم پڑھتے ہو گے۔

لاڈو مہری کا نکھار:۔

یہاں کا قصہ تو یہاں چھوڑا۔ اب سفر کی تیاری کا حال سُنیے محمد عسکری اور بیگم صاحب میں قسما قسمی ہو گئی کہ جس طرح جائیں گے اسی طرح واپس آئیں گے مطلب یہ کہ کوئی سوت لا کے نہیں بٹھائیں گے۔ نواب صاحب نے شرعی قسم کھائی اور کہا کہ اگر اب کی وعدے سے نکل جاؤں تو شریف نہیں پاجی سمجھنا چمار سمجھنا۔ قولِ مرداں جاں دارد۔ اور قول جان کے ساتھ ہے۔ مگر مجھے اب تک یہ نہیں معلوم تھا کہ تم کو میری اس قدر بے اعتباری ہے کہ ہاری مانتی ہو نہ جیتی جو ذہن میں آگئی نکالے نہیں نکلتی۔ بیگم صاحب نے کہا انصاف شرط ہے۔ جس شے کو انسان دس پانچ دفعہ آزما چکا ہو اس میں کیونکر دھوکا کھا سکتا ہے بھلا اور میں تو بچشم خود دیکھ چکی اور وہ دیکھ چکی جو خدا پھر کبھی نہ دکھائے اور اپنے کانوں وہ سُن چکی جو دشمن کو بھی خدا نہ سُنائے۔ تم لوگ تو اُن کے ہاتھ بک گئے ہو۔ نواب صاحب نے بڑی منّت و سماجت اور خوشامد سے سمجھایا کہ اب ایسا نہ ہونے کا خاطر جمع رکھو

---

[1] بہار دانش فارسی نثر کی مشہور کتاب ہے۔ تفصیل فرہنگ میں دیکھیے۔

اب بے اطمینانی کی بات نہیں ہے۔

ب۔ اور جو کوئی اچھی صورت نظر آگئی۔

ع۔ تو تم پر اُسے صدقے کر دوں گا۔

ب۔ اے ہے سچ کہو۔ اس خوشامد کے صدقے۔

ع۔ ہم بادشاہ وزیر کی خوشامد نہ کریں۔

ب مگر وزیرن کی خوشامد کرنے میں کیا ہرج ہے

راوی۔ نواب صاحب یہ فقرہ سُن کے سُن ہو گئے۔ ع۔

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

انھوں نے کہا کہ بادشاہ وزیر کی خوشامد نہیں کرتے اس پر بیگم صاحب نے جواب دیا کہ بادشاہ وزیر کی خوشامد نہیں کرتے ہو مگر وزیرن کی خوشامد تو کرتے ہو۔ وزیرن اُن نیک بخت کا نام تھا جس پر نواب صاحب ریجھے ہوتے تھے اور بیگم صاحب کو اُس کے نام سے نفرت تھی۔

ع۔ تم تو پُرانے مُردے اکھیڑتی ہو۔ بے کار۔

ب۔ شرماتے نہ ہو گے دل میں ذری صورت دیکھوں۔

ع۔ نہیں اب صورت کیا دکھاؤں۔ میں تو بالکل شرما گیا ہوں۔

ب۔ ہاں حیادار کے لیے تو اتنا ہی بہت ہے۔

ع۔ کیوں صاحب یہ کیا گفتگو تھی۔ فرمائیے۔

ب۔ میں لگی لپٹی نہیں رکھتی۔ کھری کھری کہتی ہوں دو ٹوک یا اِدھر یا اُدھر۔

ع۔ تم نے وزیرن کا نام لے کر ہماری طبیعت کو پریشان کر دیا۔ بنو مہری سے جا کے کسی سے کہو وزیرن کو پھر بلا لاتے (مسکرا کر)

بنو۔ واہ حضور ہم تو نہ جاتے کے۔

ب۔ جا کے کسی سے کہہ دے کہ وزیرن کو قبرستان میں دفنائیں بڑی اچھی تھی بچاری۔

ع۔ (ہنس کر) ایسی عورتیں کوسے سے اور زیادہ جیتی ہیں۔ اب وزیرن سو برس تک زندہ رہے گی۔

ب۔اب پرسوں تیجا ہوگا موئی کا۔

ع۔ دیکھو بیگم۔ہم کو یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔

لاڈو۔ تو حضور یہ جھگڑے کی باتیں کاہے کو نکالیں۔

ب۔ وزیرن کے نام سے کیا نمک مرچ لگتا ہے۔

ع۔(پیار کرکے) تم تو ناحق ہی بگڑتی ہو۔

ب۔ (پیچھے ہٹ کر) بس بس اپنی وزیرن کو بلاؤ۔کیا دل پر (دشمنوں کے) چوٹ لگتی ہے اُس کے نام پر۔

ع۔ (خوشامد کرکے) میں تو ہنستا تھا۔

ب۔ (جھلّا کر) ایسی ہنسی ہم کو گوارا نہیں ہے۔یہاں ہی سے تمھاری یہ کیفیت ہے تو وہاں جاکے تو تم اور بھی آسمان میں تھگلی لگاؤ گے جب میری چھاتی پر کودوں دلا کرتے ہو تو وہاں تو میدان خالی ہوگا۔

ع۔کیا مجال۔مگر ہم چاہتے ہیں کہ تمھاری تصویر ساتھ رکھیں مشکل یہ ہے کہ تصویر کھچے کس طریق پر یہاں تو صاحب لوگ فوٹو گرافر ہیں۔ہاں خوب یاد آیا ایک بڈھا بنگالی بھی مصوّر ہے بہت ہی مُسن آدمی ہے۔وہ سب سے اچھّا چپکے سے لے آوے گا۔کوئی کانوں کان خبر بھی نہیں ہوگا۔

ب۔اور اگر کہیں بات پھوٹی تو بڑی رسوائی جگت ہنسائی ہوگی کہ لو جناب اب۔نواب زادیاں بھی تصویریں کھچانے لگیں۔

ع۔تم کو تو وہم ہے بیگم اور وہم کی دوا تو لقمان کے پاس بھی نہ تھی۔اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔

ب۔ تو تصویر کی ضرورت ہی کیا ہے۔

ع۔ ہماری خوشی۔

ب۔تم اونچ نیچ نہیں سوچتے اور یہ عیب ہے۔

ع۔سو برس کا بوڑھا آدمی ہے چپکے سے لے آئیں گے۔بات کیونکر پھوٹے بھلا کیا ڈھنڈورا پٹوانے جانا ہے۔

لاڈو۔اور حضور لونڈی بھی بیگم صاحب کی کرسی کے پاس کھڑی رہے گی۔

ب ۔ ہاں بس تیری ہی تو کسر تھی ۔
ع ۔ لاڈو اور ہم مل کے تصویر کھچوائیں گے ۔
ب ۔ (مسکرا کر) جیسی روح ویسے فرشتے ۔ یہ تو نیت ہے تم لوگوں کی اور مجھے تو یقین ہے کہ اگر لاڈو آپ ہی بچے تو بچے ۔
لاڈو ۔ (جھینپ کر) میں چلی جاؤں گی حضور ۔
بنو ۔ ابھی تو ماشاء اللہ سے کم سن نو عمر ہے ۔
لاڈو ۔ نبو میں ایک سو سناؤں گی ہاں ۔ اور سنیئے آپ بھی چر کنے لگیں بھینس نہ کودے کودن ۔ یہ تماشا دیکھے کون ۔ تمھاری شامتیں نہ آئیں بہت ۔
نبو ۔ تم ایسی قسمت ایسا طالع لاؤں کہاں سے ۔
لاڈو ۔ تم اپنی قسمت اپنے پاس رہنے دو ۔
ع ۔ لاڈو مہری ۔ ذرا حقّہ تو ادھر بڑھا دو ۔
راوی ۔ لاڈو مہری بدن کو چراتے ہوئے لجاتی اور کسی قدر جھینپ کے ساتھ مسکراتی ہوئی حقّہ لے گئی تو تھوڑی دور پر رکھا ۔ نواب صاحب نے مسکرا کر کہا آگے بڑھاؤ تو جلدی سے آگے بڑھا کر ہٹ گئی ۔
ب ۔ لاڈو تک کو تمھارا اعتبار نہیں ہے ۔
نبو ۔ منہ لگائی ڈومنی ناچے تال بے تال ۔
لاڈو ۔ تم میرے منہ نہ لگنا بنّو ۔ واہ وا ۔
نبو ۔ (ہنس کر) اے تو ننکتی کیوں ہو کوئی تم کو کچھ کہتا ہے کہ اپنے آپ ہی تنکتی ہو ۔
اب سُنیے نواب صاحب اور بیگم صاحب میں تیاری سفر کی نسبت چپکے چپکے کچھ باتیں ہونے لگیں تو لاڈو اور نبو علاحدہ جا کر خوب ہی ہنسیں ۔
لاڈو ۔ تم بڑی نٹ کھٹ ہو نبو ۔ اچھا خیر ۔
نبو ۔ لواب کیا پوچھنا ہے ۔ پانچوں گھی میں ہیں ۔
لاڈو ۔ تمھارا سر ۔ واہیات بکتی ہو خواہی نخواہی ۔
نبو ۔ جی میں تو خوش ہو گئی ہو گی کہ مار لیا ہے ۔

لاڈو۔ تمھارا سر مار لیا ہے۔ کیا باتیں بناتی ہے۔

نبو۔ جب تمھارے سُنون ہم تھے تو ہم ایسے ویسوں کو چٹکیوں پر اڑایا کرتے تھے تم ابھی اس کی گھاتیں کیا جانو اس کی چالیں ہم سے سیکھو۔

لاڈو۔ بیگم صاحب کے سامنے لگیں واہی تباہی بکنے بڑی ایک ہو۔

نبو۔ کون جو میرے کہنے کے مطابق چلے نا تو آج کے اٹھوارے کے اندر ہی اندر محل میں داخل ہو جائے۔ لاڈو خانم کہلاتے ذری اپنے کو لیے ہوئے کھینچے ہوئے رہے۔

لاڈو۔ (کھل کھلا کر) تمھاری باتوں پر ہمیں ہنسی آتی ہے تم نہ بتاؤ گی تو پھر کون بتائے گا۔

نبو۔ اور اسوقت جب نواب صاحب نے حقّہ مانگا تو وہ تیری طرف کنکھیوں سے دیکھ رہے تھے میں نے بھانپ لیا کہ آگیا دل اب لاڈو کے دن بھور رہے۔ اور مرد کی کیوں نہ آنکھ پڑے ماشاء اللہ سے جوان جہاں ہو۔ نک سک سے درست۔ بوٹا سا قد جوبن پھٹا پڑتا ہے جب ہم عورتوں کی آنکھ پڑتی ہے تو پھر مردوں کو کون کہے۔ اور تو سڑن ہے اگر راہیں معلوم ہوتیں تو اب تک کیا جانیں کہاں کی کہاں پہنچ گئی ہوتی۔

لاڈو۔ ہم کو یہ باتیں ذرا نہیں بھاتی ہیں۔

نبو۔ اری چل چلتر باز۔ ہم سے اڑتی ہے۔

لاڈو۔ کیا تم سچ مچ بیگم صاحب سے لڑوا دوگی کہ پھر یہ جو چھ رُپلیاں ملتی ہیں یہ بھی نہ ملیں۔

نبوّ۔ چھ رُپلیا۔ چھ رُپلیوں کی تو ڈلی کھا جایا کروگی میں تو اس ڈھرے پر تم کو چلاتی ہوں کہ بیگم صاحب الٹی خوشامد کریں تمھارے سن دن اس قابل ہیں کہ کسی رئیس کے ہاں رہو۔ چھ رپلی تو یہاں کے نواب زادے ایک ایک بوسے کے دے دیں گے اگر صرف گال چوموا دو تو حیثیت درست ہو جائے۔

لاڈو۔ (قہقہہ لگا کر) تمھاری باتوں میں تو مزہ آتا ہے نبو۔ کہنے لگیں اگر خالی منھ چھوا دو تو حیثیت درست ہو جائے تم ہی ایسی دلّالہ تو گھر گرہستوں کو خراب

کر دیتی ہیں ہاتھ چومواو۔ منھ چوماوٗ۔ یہ چوماوٗ۔ وہ چوماوٗ۔ تم نہ چوماوٗ۔ تم بھی تو ابھی جوان ہو۔

نبو۔ ہمارے اب وہ دن لد گئے۔ اب تمھارے دن ہیں اب تم کھیلو کودو دل کھول کے۔ مگر تم گیگلی ہو۔

لاڈو۔ چلو ہم گیگلے ہی اچھے۔ آپ کی بلا سے۔

نبو۔ اب نواب کی تو تم پر آنکھ پڑ گئی۔

لاڈو۔ اللہ کرے تم پر ریجھ جائیں مجھ کو چھوڑ دیں۔

نبو۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو آمین میرے اللہ۔

لاڈو۔ میں سچ کہوں جس وقت نواب نے حقہ مانگا اور گھورنے لگے میرا کلیجہ دھک دھک کرنے لگا کہ ہے ہے اب کیا کروں دو خوف تھے ایک یہ کہ اگر بیگم صاحب کو ذرا بھی شک ہوا تو کھڑے کھڑے نکلوا دیں گی جب وزیرن کو نکلوا دیا تو میں کس گنتی میں ہوں اور دوسرا ڈر یہ تھا کہ مبادا نواب صاحب ہاتھ ڈال بیٹھے تو نواب اور بیگم میں چخ چلے گی اور گھوڑے گھوڑے لڑیں، زین ٹوٹے موچی کا۔ یہی مثل ہو۔ بیچ میں شامت میری آجاتے۔ مگر نیت سرکار کی اچھی نہیں معلوم ہوتی ایسا نہ ہو سرکار تک خبر پہنچے تو لینے کے دینے پڑیں۔

نبو۔ تم تو عقل کی دشمن ہو لاڈو۔ اگر ابھی چوک میں ایک کمرہ لے کے بیٹھو تو لوٹ لو آدھے لکھنؤ کو۔

لاڈو۔ اے اللہ نہ کرے ہمارے دشمن بیٹھیں واہ۔

نبو۔ میں تجھ نادان کو کیونکر سمجھاؤں۔

لاڈو۔ چلو بس اب بہت نہ بکو نہیں تو میں جاکے بیگم صاحب سے جڑ دوں گی کچّا چٹھا۔

نبو۔ جب ایسی ہو تب ایسی ہو۔ ہم کو کیا۔

لاڈو۔ چوک میں جا کے اپنے کنبے کی کسی کو بٹھاؤ۔ خود جا کے بیٹھو۔ جو چوک میں بیٹھنا ہوتا تو یہ چھ روپے اور کھانے پر نہ پڑے رہتے۔

نبو۔ ہاں ہاں میں تو خود ہی کہتی ہوں کہ اگر چوک میں بیٹھو تو مالا مال ہو جاؤ۔ لوٹ

تو سینکڑوں کو گھائل کر دو ایک دو کی کون کہے۔ مگر تم کو اللہ نے عقل ہی نہیں دی ہے۔

لاڈو۔ اپنی عقل اپنے ہی پاس رکھے رہو۔

نبو۔ ایک اٹھوارے میں نہ سونے کا زیور بنوا دوں تو سہی۔ ایک اٹھوارے کا ذمہ کرتی ہوں۔

لاڈو۔ اخاہ تو آپ ہماری نایکا جی بنیں گی۔

نبو۔ تم کو اس سے کیا مطلب ہے ہمارے کہنے پر عمل تو کرو دیکھو کیسے کیسے امیر اور رئیس سجدہ کرتے ہیں۔ اور ہم کس ڈھب سے دکان چمکاتے ہیں۔

لاڈو۔ اور اماں کو چھوڑ دوں۔ یہ تو نہ ہونے کا۔

نبو۔ اماں دس دن میں جھک مار کے آپ ہی ملیں گی سونے کی چڑیا کو کوئی چھوڑتا ہے بھلا۔

لاڈو۔ آخر ہم میں وہ کونسی بات ہے۔ جو اوروں میں نہیں ہے ہم بھی تو سنیں۔

نبو۔ اپنے دل میں خوب سمجھتی ہو تم۔

لاڈو۔ ہاں دل میں خوب سمجھتی ہوں۔

نبو۔ نواب صاحب اس وقت بیگم صاحب کے مارے کچھ کہہ نہیں سکے نہیں تو پھر تم دیکھتیں۔

لاڈو۔ واہ وا۔ ایسی کیا کچھ لوٹ پڑی ہے۔

نبو۔ اے تم ایسے بھاگ کہاں سے لاؤ بی بی' ایک کام کرنا اب۔ اب کی جو سرکار سے باتیں ہوں یا سامنے کھڑی ہو تو لگاوٹ بازی سے نظر ڈال کر نگاہ نیچی کر لینا پھر دیکھ کلیجے پہ کیا کیا سانپ لوٹتے ہیں۔ میں یہ لاکھوں روپیوں کی باتیں بتاتی ہوں ذرا خیال کر کے سنو۔ اور طرف اس وقت دھیان نہ ہٹاؤ آگے تم جانو تمہارا کام جانے۔ بارہ برس کو قید کیا اور سولھا برس کے بید کیا۔ اب تم ماشاءاللہ سے سیانی ہو نیک بد سمجھ سکتی ہو' اگر یہاں کمپا نہ مارا تو کچھ بھی نہ کیا۔ اور ترکیب میں بتائے دیتی ہوں اس میں چوکو تو تمہارا قصور ہے۔ ہم کو تو سمجھانے سے مطلب ہے۔ جب مٹھیاں بھر بھر کے روپے اور زیور ملے گا تو ہم کو پکڑا نہ دو گی۔ تمہارے ہی کام آئے گا یا تمہاری اماں جان کے۔

لاڈو۔ میں اگر چاہوں تو نواب ڈھب پر آ تو جائیں مگر بیگم صاحب کو پھر کیا منہ

دکھاؤں گی ۔ چار آنکھیں کیونکر ہو سکیں گی ۔

ننو ۔ کیا دیوانیوں کی سی باتیں کرتی ہو ۔ جب تو خود دوسری بیگم ہو جاؤ گی ۔ نواب خُرد محل کہلائے گی ۔ پھر بیگم صاحب میں اور تم میں فرق کیا ہو گا۔

لاڈو ۔ (سیدھے پن کے ساتھ) اے ہٹو بھی ۔

ننو ۔ بھلا ہماری بات یاد رکھنا اتنی ۔ بھول نہ جانا ۔

لاڈو ۔ جیسے ہوا ہی تو جاتا ہے ۔ کتنا بناتی ہو ۔

ننو ۔ بنانیوالی کو میں کچھ کہتی ہوں ۔ تمھارے بنانے سے مجھے کیا مل جائے گا ۔ راج کرو گی تم ۔ اور چین کرو گی تم یا تمھاری ماں بہنیں ۔ مجھے تم کیا دے دو گی اور کوئی کسی کو کیا دے دیتا ہے مگر ہاں اسوقت کی بات یاد رکھنا ۔ اور کچھ نہیں ۔ جب آئیں تو ایک ٹکڑا پان کا دے دینا ۔ بس اور ہم کچھ نہیں چاہتے ۔ یہی آرزو ہے ہماری ۔ باقی تو کون کس کا ہوتا ہے ۔

ننو ایک تجربہ کار خرانٹ عورت ۔ لاڈو کو ایسی پٹی پڑھائی کہ وہ چکمے میں آگئی اور سمجھی کہ نواب صاحب واقعی دل وجان سے ریجھے ہوئے ہیں اور میں بیگم بن گئی اب اپنے دل میں سوچتی تھی کہ کس ترکیب سے چلوں کہ بیگم صاحب کو بھی بُرا نہ معلوم ہو اور میں بھی گھر پڑ جاؤں ۔ اور ننو کی سنیے کہ چٹ جا کے بیگم صاحب سے جڑ دی کہ حضور اب ذری غفلت نہ کریں معاملہ نازک ہوتا جاتا ہے لاڈو کی نیت پھر گئی ہے اور نواب صاحب نے جو ہنسی ہنسی میں اس دن ذری مُنہ لگایا تو بس سر چڑھ گئی ہم سے کہتی تھی کہ آج سے ایک اٹھوارے میں اگر میں نے نکاح نہ پڑھوا لیا تو میرا نام لاڈو نہیں اس کو اب یہ دعویٰ ہو گیا ہے اور سرکار وہ مردار اس قابل نہیں کہ حضور اس کو یہاں رکھیں ۔ بڑی بڑی باتیں کہتی تھی ۔ میں مارے ڈر کے حضور سے عرض نہیں کرسکتی ہوں اب تو غزلیں یاد کرتی ہے اور گانا سیکھتی ۔ ہے ۔

بیگم صاحب کو سخت حیرت ہوئی کہ لاڈو اور یہ خیال ۔ متحیر ہو کر پوچھا کیا سچ مچ وہ سمجھتی ہے کہ نواب کے گھر پڑ جائے گی ۔ ہمیں اس سے یہ امید نہیں تھی اور ہم اس کو ایسا نہیں جانتے تھے کایا پلٹ ہو گئی ۔ اور ہمارے سامنے تو کوئی ایسی بات نہیں ہوتی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ نواب صاحب نے اس کو منہ لگایا ہے ۔

بنو یہ سن کر ہنسی اور بات کو یوں بنایا ۔حضور اب تو وہ اڑتی چڑیاں پکڑتی ہے ۔ ایک ہی شتہ ہے ۔اس کی سرکار نے بھلی کہی ۔ مگر گھر میں رکھنے کے ہرگز ہرگز قابل نہیں ہے آیندہ سرکار کو اختیار ہے ۔ ذری حضور ایک بات کی آزمائش کریں لاڈو سے اتنا فرمائیں کہ اری ذری کوئی غزل تو گا ۔بس لونڈی کی یہ آرزو ہے ۔اتنے میں لاڈو آئی تو بیگم صاحب نے بلا کے ادھر ادھر کی باتیں کیں اور تھوڑی دیر کے بعد کہا لاڈو تمھیں کوئی غزل یاد ہو تو ذری گاؤ ۔ لاڈو نے عرض کیا حضور میں گانا کیا جانوں اگر حضور کو ایسا ہی شوق ہے تو کہیئے بیا بانی کی ڈومنیوں کو بلا لاؤں ۔

بیگم صاحب نے فرمایا نہیں تم ہی کچھ کہو ۔اب اتنی دور جانا اور آنا اس میں دو گھنٹے کم سے کم صرف ہوں گے ۔کیا تم کو کوئی غزل ہی یاد نہیں ہے اچھا کوئی ٹھمری کہو (ر ہے کن سونینان کے اور ۔کہو پیا آتے نہ نگری مور) لاڈو کو یہ ٹھمری یاد نہیں تھی ۔عرض کیا حضور یہ تو یاد نہیں ہے ۔فرمایا اچھا یہ غزل گاؤ ۔ ے

نشتروں سے دل بلبل کو لہو کرتے ہیں
کیاریوں میں شجرِ گل جو نمو کرتے ہیں

لاڈو کو یہ غزل بھی یاد نہ تھی ۔ کہا حضور ۔ لونڈی کو یاد ہے وہ عرض کر دیا ہے

اثر ایسا کہاں سے نالۂ شب گیر میں آتے
کہ جس سے فرقِ جورِ آسمانِ پیر میں آتے

بیگم صاحب کو لاڈو کا گانا بہت پسند آیا ۔کہا اری تو تو چھپی رستم نکلی آج تک ہم کو اپنا گانا نہیں سُنایا تھا ۔مگر دل میں بہت ہی بُرا مانا کہ ایسا نہ ہو گانے سے کہیں نواب صاحب ریجھ جائیں ۔پوچھا تم کب سے گاتی ہو ۔ لاڈو یہ کیا جانے بیگم صاحب کے دل میں کیا ہے ۔ اس نے سادگی سے کہا کہ حضور لونڈی گانا کیا جانے ۔ میں کوئی ڈومنی نہیں ۔کسی گویئے سے گانا نہیں سیکھا ۔ ہاں صحبت البتہ رہی ہے ۔

ب ۔ (بیگم) ہم سے اڑتی ہے تو ۔ خالی خولی صحبت میں یہ واقف کاری کہیں حاصل ہو سکتی ہے بھلا ۔

لاڈو ۔ حضور میں صحیح عرض کرتی ہوں کہ میں نے جو کسی سے بھی سیکھا ہو تو قسم لیجیے ۔

ب ۔ اری چل دغا باز ۔ تو ایسی ہی چکنی چپڑی باتیں کیا کرتی ہے ۔

لاڈو۔ حضور لونڈی نے تو آج تک یہ گفتگو ہی نہیں سُنی تھی۔ مَیں نے تو کوئی قصور ایسا نہیں کیا ہے۔

ب۔ میں تو تیری رگ رگ سے واقف ہوں۔

لاڈو۔ اے تو حضور لونڈی نے کیا گناہ کیا ہے۔

ب۔ تیری رگ رگ میں شرارت بھری ہے۔

لاڈو۔ (کانپ کر کے) حضور میں نے کیا گناہ کیا۔

نجبن۔ الے اب ہم قبر میں پانوں لٹکائے ہوتے ہیں۔

میں وہ بلبل ہوں جسے دونوں ہیں ایک

باغ ہو یا خانۂ صیاد ہو

نبو۔ ان کو نکھرنے کے دن ہی ہیں۔ لاڈو کے مگر ہر بات میں انسان کو چو یے (چاہیے) کہ ذری سمجھ بوجھ کے کام کرے۔ وہ انسان کیا جو عقل سے کام نہ لے۔ لاڈو ابھی بلّی ہیں۔ بس ذری اتنا تو البتہ ان میں نقص ہے۔

نجبن۔ بلّی ہیں! تم ایسی دس کو بیچ لے، بلّی ہی ہے ایسی ہی بلّی دو ایک اور ہوں تو بس محلہ اُجڑ جاتے بلّے پن کی ایک ہی کہی۔

نبو نے جو دیکھا کہ نجبن نے پھر لاڈو کا جنبہ کیا تو اٹھ کے چلی گئی، لاڈو نے اشارے سے کہا کہ روٹھ کے بھاگ گئیں نجبن بولی۔ بھاگ جانے دو۔ روٹھ کے میرا کیا کرلیں گی راجہ روٹھیں گے راج لیں گے رانی روٹھیں گی سہاگ لیں گی۔ ایسی ایسیوں کی پروا کیا کرتی ہوں بھلا۔ میں نے کہا ہی کیا تھا اور جو باتیں اس نے آن کے کہیں، اگر میں کہہ دوں تو لڑائی شروع ہو جاتے۔ مگر مجھے یہ عادت نہیں کہ میں اِدھر اُدھر لڑواتی پھروں۔ اِس کان سُنا اس کان اڑا دیا۔

اب دل لگی سنیے کہ نبو نے بیگم صاحب سے جا کے کیا جڑ دی۔

نبو۔ حضور ایک بات عرض کرنے کے قابل ہے۔

ب۔ کیا بات ہے۔ کیا کوئی کفر کی بات ہے۔

نبو۔ حضور کسی کی چغلی کھانا میری عادت نہیں ہے مگر کیا کروں بعضی بات ایسی ہوتی ہے کہ بے کہے رہا نہیں جاتا۔

ب ۔ اے تو منع کون کرتا ہے تمہیں کہو نا۔

نبو۔ میری تو آنکھوں میں خون بھر آیا حضور۔

ب ۔ اے ہے تو کچھ کہے گی بھی نیک بخت۔ یا بکتی ہی جائے گی۔

نبو ۔ حضور اگر سنیں اور شنوائی کریں تو عرض کروں۔

ب ۔ یا میرے اللہ۔ اب میں کیوں کر کہوں اسٹام کے کاغذ پر لکھ دوں مہر کر دوں۔

نبو۔ نہیں سرکار یہ عرض نہیں ہے۔ عرض یہ ہے کہ حضور میری عرض کی تحقیقات کریں اور اس کو سنیں اور اگر میں نے کہا اور آپ نے سن کے ٹال دیا تو کیا بات رہی۔ عرض ہی کرنا بے کار اور فضول ہوگا

ب ۔ تو یہ تم کو ابھی سے کیوں کر معلوم ہوا کہ ہم شنوائی نہ کریں گے۔ آپ ہی آپ ٹھان لی ایک بات ۔

نبو ۔ حضور اب لاڈو کا یہاں رہنا اچھا نہیں۔

ب ۔ لاڈو کا یہاں رہنا۔ کیوں۔ لاڈو نے کیا کیا۔

نبو ۔ بس اب زیادہ منہ نہ کھلوایئے گھر میں رکھنے کے قابل نہیں ہے۔

ب ۔ تو کوئی سبب بھی تو سنیں۔ آخر کار اس کا گناہ کیا ہے

نبو۔ حضور اول تو اتنی کم سن عورت کا نوکر رکھنا اپنے حق میں بُرا ہوتا ہے۔ پھر مردوں کے حق میں بُرا ممکن نہیں کہ مرد کی آنکھ پڑے اور تھوڑی تنخواہ پانے والی پہ پھیل جائے یہ بھی محال ہے۔ بس تو اپنی جان پر ہر دم سولی۔ ذری لاڈو کو حضور یاد فرمائیں اس وقت کنواری لڑکی اور یہ بناؤ چناؤ بڑے شرم کی بات ہے۔

ب ۔ اچھا لاڈو کو جا کے بلا لاؤ۔ کہو ابھی بلایا ہے۔

نبو۔ نا حضور لونڈی نہ جانے کی ۔ میرے ہی پیچھے پڑ جائے گی اور پل پڑے گی ہندی در گذری۔

ب ۔ لاڈو۔ اے لاڈو۔ بی منہ سے ذری آواز دو۔ سنتی ہو اور بولتیں نہیں، جیسے کانوں میں ٹھیٹھیاں پڑی ہیں ذری لاڈو کو پکارو۔

مغلانی ۔ اے لاڈو سنتی نہیں ہو۔ سرکار پکار رہی ہیں ۔

لاڈو۔ حضور ابھی حاضر ہوئی۔ حضور میں نے سُنا نہیں تھا۔ ان سب کی دانتا کل کل میں (قریب آن کر) ارشاد حضور حکم۔

بیگم صاحب نے لاڈو کو دیکھا تو مسکرانے لگیں اور وہ کسی قدر جھینپی گو اس وقت لاڈو خوب بنی ٹھنی تھی اور نبو نے چغلی بھی کھائی تھی۔ مگر چونکہ بیگم صاحب لاڈو سے بہت خوش تھیں اور لاڈو اپنے کام کاج میں ہوشیار تھی لہذا انھوں نے چنداں خیال نہ کیا بیگم صاحب اور لاڈو قریب قریب ہم سن تھیں۔ اسی سبب سے ان دونوں میں خوب بنتی تھی اور نبو جلتی اور چاہتی تھی کہ کوئی ایسی تدبیر ہو کہ ان دونوں میں چل جاتے مگر چونکہ بیگم صاحب پڑھی لکھی اور عقلمند اور معقول پسند تھیں نبو کی ایک نہیں چلنے پاتی تھی۔ گو چغلی کھاتی تھی، مگر اپنا سا منہ لے کر رہ جاتی تھی۔ اب سوچتے سوچتے نبو نے یہ ترکیب نکالی کہ بیگم صاحب سے کہے کہ وہ جوان اور خوبصورت ہے اور نواب محمد عسکری کی اس پر نظر پڑتی ہے ایسا نہ ہو کہ اس کو بھی گھر ڈال لیں تو پھر کچھ بنائے نہ بن پڑے۔

ب۔ لاڈو آج تو تم پر قیامت کا جوبن ہے۔

لاڈو۔ اے حضور ہم پر جوبن نہ ہوگا تو پھر اور کس پر ہوگا۔

ب۔ ارے دوانی کنواریاں کہیں اس طرح بناؤ چناؤ کرتی ہیں۔

لاڈو۔ سرکار یہاں اس چار دیواری میں کون دیکھنے آتا ہے۔

ب۔ آج جو نواب کی تجھ پر نظر پڑے تو ستم ہی ہو جاتے۔

لاڈو۔ حضور آج میں سرکار کے سامنے تھوڑے ہی ہوں گی۔

ب۔ (مسکرا کر) ہاں اتنا ہے کہ اپنے جوبن سے تو آپ واقف ہے یہ بات نہیں ہے کہ ع

اپنے جوبن سے نہیں یار خبردار ہنوز

لاڈو۔ حضور ہم نوکر چاکر آدمی ٹلے کوس کے دوڑنے والے ہم کو دوڑنے دھوپنے سے کام ہے۔ جوبن سے کیا کام ہے۔ جوبن تو بیگم صاحب امیروں کے واسطے ہے۔

ب۔ کیوں لاڈو بھلا ابتک کسی پر عاشق بھی ہوئی ہو۔

لاڈو۔ آپ تو وہی باتیں کرتی ہیں بیگم صاحب کہ۔

ب ۔ اری تو کچھ سٹرن ہے لاڈو ۔ عشق جس کے مزاج میں نہیں وہ آدمی ہی نہیں ۔

عشق موقوف نہیں ہے دلِ انسان پر آہ

کونسا دل ہے کہ اس عشق سے ہے اسکو پناہ

لاڈو ۔ حضور ہم عشق وشق کیا جانیں ۔

ب ۔ ایسی ننھی ہو ۔

لاڈو ۔ آپ سے کوئی بات لونڈی بھلا چھپا سکتی ہے ۔ ایسا ہو سکتا ہے اور سوائے اس چار دیواری کے میں اور نکلتی کہاں ہوں ۔

ب ۔ چل جھوٹی بازاروں کی پھرنے والی ۔ سچ بتا یہ اس قدر نکھری آج کیوں ہے ۔

لاڈو ۔ سرکار اب کل سے مُنہ میں سیاہی مَل لیا کرونگی ۔ جو آپ کو اچھا معلوم ہو وہی کروں ۔

نبّو کا جلاپا

اتنے میں نبو آئی ۔ دیکھا تو لاڈو نکھری ہوئی بنی ٹھنی بیٹھی ہے اور بیگم صاحب کی فرمائش سے گا رہی ہے ۔ ع

ایسا تر جائیں نہ پانی مانگیں کبھی عشّاق

اور بھی جل بھُن کے خاک ہوگئی ۔ کہا حضور معلوم ہوتا ہے لاڈو کہیں اندر سبھا میں نوکر تھیں ۔ لاڈو تنک کر بولی جی ہاں حافظ جی کے یہاں تھی ۔ پھر کس کا اجارہ ہے ۔ تم ہم کو دیکھ دیکھ کر کیوں جلی جاتی ہو اللہ بیگم صاحب کو سلامت رکھے پہننے اوڑھنے گانے بجانے کے تو ہمارے دن ہی ہیں ۔ ہاں بد کام میں اگر کبھی کوئی دیکھے تو جو چور کی سزا وہ ہماری۔

نبو اور بھی جل مری، اور بیگم صاحب نے بھی لاڈو کے کلام کی تائید کی ۔ قاعدہ ہے کہ جب کوئی کم سن عورت اپنی طبیعت کے موافق بناؤ چناؤ اور سنگار کرتی ہے تو مست ہو جاتی ہے ۔ لاڈو کی اس وقت کیفیت یہ تھی کہ بے پیئے مست ہوگئی اور بیگم کو اس سے محبت ۔ اول تو ہم سن ۔ دوہی تین برس کی چھٹائی بڑائی ۔ دوسرے دونوں کی طبیعت کا ایک رنگ تیسرے لاڈو کی اطاعت سے اور بھی خوش تھیں ۔ گو نبّو نے بہت سی تدبیریں کیں کہ لاڈو کسی طرح بیگم صاحب کی نظروں سے گر جائے ۔

مگر ایک نہ چلی۔

ب۔ آج لاڈو خوب نکھری ہیں۔

ننّو۔ حضور ہم نے یہ بات کسی رئیس کے گھر میں آج تک دیکھی ہی نہیں، یہاں چاہے بڑھ بڑھ کے جو باتیں بنائیں۔ کسی اور کی ڈیوڑھی پر ہوتیں تو کھڑے کھڑے نکلوادی جاتیں۔ یہ ادبدا کے اس لیے نکھر کر رہتی ہیں جس میں نواب صاحب کی آنکھ پڑے۔

ب۔ کیا بکتی ہے۔ اے نواب نواب ایسے گئے گذرے ہوئے کہ تم لوگوں پر ڈورے ڈالیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیری نیت میں خود فتور ہے۔

لاڈو۔ اب تو حضور ہمیں رخصت کردیں تو اچھا ہے۔

ننّو۔ تم کو کاہے کے واسطے۔ ہم کو نہ رخصت کردیں۔

لاڈو۔ ننو تم تو بھٹیاریوں کی طرح لڑتی ہو۔ بھٹیاریوں کا قاعدہ ہے کہ جب لڑائی کو جی چاہتا ہے تو بیٹھے بیٹھے خواہی نخواہی چھیڑ خانی کرتی ہیں۔ آدَ پڑوسن ہم تم لڑیں۔ دوسری بولی لڑے میری جوتی اس نے کہا جوتی لگے تیرے سر پر۔ وہ بولی تیرے ہوتے سوتوں پر، چلو بن جوتی دال بٹنے لگی۔

ننو۔ بھٹیاریوں میں رہی ہونا۔ جب ہی یہ باتیں یاد ہیں۔ جب ایسی ہو تب ایسی ہو۔

لاڈو۔ اچھی ہو وہ تو صورت سوال ہے۔

ننو۔ سرا کی رہنے والی شہدی عورت۔ اور ہمارے منہ لگے اللہ کی شان ہے بس۔

بیگم صاحب نے ننو کو ڈانٹ بتائی اور کہا یہ سارا تمہارا قصور ہے۔ سراسر تمہاری شرارت ہے تم لاڈو کو دیکھ دیکھ کر جلی مرتی ہو۔

ننّو۔ میں کیوں جلنے لگی۔ جو بھٹیاریوں میں رہی ہوگی وہی جلے گی۔

لاڈو۔ اچھا وہ بھٹیاریوں چھوڑ چماریوں میں رہی ہوں سہی۔ پھر آپ کو کیا تم کو ہم سے کیا غرض ہے۔

ب۔ اگر اب تم دونوں لڑیں تو ہم تم کو بے عزت کرکے نکال دیں گے۔ واہ وا

گھر نہ ہوا بھٹیار خانہ ہوا۔ جیسے سوتیں سوتیں ہوئی ہیں (ننبو کی طرف) یہ بنا ڈ چنا ڈ کر کے آتی ہے تو تجھ کو کیا۔ نواب اس پر ترچھیں گے تو تیرا کیا بگڑے گا۔ نقصان تو ہمارا ہے تو بیچ میں بولنے والی کون ہے۔ واہ جہاں تک خاموش رہو طرح دو۔ سر ہی پر چڑھی جاتی ہے۔ ہیں یہ باتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں جب دیکھو بم چخ مچی ہوتی ہے۔

لاڈو۔ حضور یہ مجھے دیکھ کے جلی مرتی ہے اور بے سبب۔

نبو۔ چلے ہمارا دشمن۔ ہم نوکری ہی چھوڑے دیتے ہیں۔

ب۔ بسم اللہ۔ اپنے گھر کا راستہ لو۔ دھمکاتی ہے۔

نبو۔ ہم کیا دھمکائیں گے حضور۔ ہم تو غریب آدمی ہیں۔

ب۔ نوکری چھوڑ دے گی تو کیا دوسری مہری نہیں ملے گی۔

لاڈو۔ سرکار کی سلامتی سے مہریاں ہزاروں حاضر ہیں یہ موئی نجنی کس میں ہے۔

نجنی کے لفظ پر نبو آگ ہو گئی اور اپنا اسباب اٹھا کے جانے کی تیاری کرنے لگی۔

لاڈو۔ اے تو ہم کو بدنام کر کے نہ جاؤ۔

نبو۔ اس میں بدنامی کیا ہے نوکری خوشی کا سودا ہے۔

لاڈو۔ تو ایسی کیا گاڑھ پڑی ہے کہ بھاگتی ہو۔

نبو۔ تم تو اپنے چین کرو۔ تم کو اس سے کیا۔

لاڈو۔ جن کی قسمتوں میں چین لکھا ہے وہ چین کرتے ہی ہیں۔

نبو۔ قسمت کا حال معلوم ہو جائے گا تھوڑے دنوں میں۔

لاڈو۔ تم علم غیب پڑھی ہو شاید۔ ہونہہ۔

نبو۔ پڑھے نہیں ہیں تو یوں ہی دیکھ لوگی ؎

لاڈو۔ ہم جیسے ہیں ہمارا اللہ جانتا ہے۔ ؎

کسی کی بدی تو نہ کر عیب ہے
کہ اس کا خدا عالم الغیب ہے

نبو۔ بڑی اللہ والی بنی ہیں۔ بستر چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔

لاڈو۔ اپنی بیتی کہوں کہ پر بیتی۔ یہ وہی مثل ہوئی۔

ب ۔ (مسکراکر) قسم خدا کی اچھی کہی میں بہت خوش ہوئی۔

نبو ۔ ہاں حضور ان کی باتوں سے کیوں نہ خوش ہوں گی یہ لاڈلی ہیں۔

لاڈو ۔ تم جل مرو، خار کھاؤ، جل بھن کے خاک ہو جاؤ۔

نبو ۔ چلے ہماری پاپوش ۔ ہماری جوتی کی نوک۔

یہ کہہ کر نبو نے اپنا اسباب اٹھایا اور بیگم صاحب کے قریب آن کے آب دیدہ ہو کر آہستہ سے کہا حضور آپ ہنسی خوشی بندی کو رخصت کریں۔ اتنے برسوں حضور کے ہاں میرا آب و دانہ تھا۔ سرکار کی بدولت خوب چین کیے۔ اب جہاں خدا لے جائے گا وہاں جاؤں گی۔ مگر پرورش کی نظر رہے سرکار۔

بیگم صاحب بڑی ملنسار محبتی تھیں اور رحم دل رقیق القلب نبو کو آب دیدہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا۔

ب ۔ چلو بکو مت بہت ۔ اسباب رکھ دو۔

لاڈو ۔ (اسباب چھین کر) بس اب نخرے نہ کرو۔

نبو ۔ لونڈی تو حکم کی تابعدار ہے ۔ جو حکم ہو۔ مگر روز روز کی دانتا کل کل سے کیا مطلب اور حضور ہمیں پر خفا ہوتی ہیں۔

لاڈو ۔ چلو اب پچھلی باتوں پر خاک ڈالو۔

نبو نے اسباب بیگم صاحب کے سامنے رکھ دیا اور قدموں پر گر پڑی۔

نینی تال کا دلربا حال

نواب محمد عسکری صاحب کے پاس ایک دوست منشی بدر صاحب کو ساتھ لے گئے اور کہا۔ حضور یہ میرے شفیق ہیں اور کئی بار نینی تال جا چکے ہیں ان سے وہاں کا حال سنیے ۔ قابلِ دید مقام ہے بلکہ دید ہے نہ شنید ہے۔

محمد عسکری نے کہا ہاں منشی بدر صاحب فرمایئے بسم اللہ۔ ع

کان ہیں مشتاق کچھ فرمایئے

منشی بدر صاحب نے کہا بہت خوب حضور ضرور نینی تال جائیں اور خادم کو بھی لیتے چلیں۔

اس کے بعد منشی بدر صاحب نے یوں کہنا شروع کیا۔

پلا ساقیا مجھ کو اک جام مل
جوانی پہ آیا ہے ایام گل

نینی تال وہ روح افزا مقام ہے جہاں ایام گل ہر فصل میں جوانی پر ہے۔ جہاں پیری جوانی اور شیب شباب سے بدل جاتا ہے۔ جہاں صحت کی فتح و عمل داری ہے۔ شکست بیماری ہے۔ اس آب و ہوا کے صدقے کہ مریض آیا اور چٹکیوں میں چنگا ہو گیا۔ بخار کے لیے اس کا پانی کونین کی نانی ہے۔ تو تپ دق کے لیے اس کی ہوا اطالبہ کی خالہ۔ حق یوں ہے کہ اس جھیل نے دنیا ہی میں بہشتِ بریں کا نمونہ دکھا دیا اور زہادِ خشک سے جو بہشت اور اعراف کے دم اور جھانسوں میں ہم لوگوں کو دنیا کے لطف نہیں اٹھانے دیتے ڈر کے کہتا ہوں کہ۔ ع

بہشت اک باغ ہے دوزخ بھی اک شرعی دھڑکا ہے

وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہیں بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام و حور عین کیا ہے

خیر صاحب بہشت اور سورگ لوگ تو مولویوں اور پنڈتوں اور اکلزم گورک دھندا تھیوسوفی کے مہاتماؤں کو مبارک رہے ہم لا ابالی ان فرضی خیالی باتوں سے درگذرے اپنی اپنی وہاں سب بھگت لیں گے۔

یہ جھیل واقعی نمونۂ سل سبیل ہے۔ نینی تال کو اس پر اسی قدر ناز ہونا چاہیے جس قدر ملاؤں کی بہشت کو کوثر پہ ناز رہے ہے یہاں صبح کو لوگ عموماً پیدل یا گھوڑوں پر ہوا کھانے نکلتے ہیں۔ صاحب لوگ خاتونوں کو ساتھ لے کر اور ہندوستانی ٹٹروں ٹوں۔ یا ربڑ ٹائیلوں کے ہمراہ ان کی زندگی یہاں بھی بے خط ہے۔ دن کو اپنے اپنے دھندے سے لوگ لگتے ہیں مگر ساڑھے پانچ بجے سے پھر کسی بنگلہ میں انسان کی صورت نہ دیکھنے میں آئے گی۔ بجز ایک آدھ بیرا یا خانساماں کے۔ اِدھر بینڈ باجے کی صورت دل کش گھوڑ دوڑ کے میدان سے آئی اور طبیعت لہرائی کہ چلیں جھیل پر جھیل کا پانی دو گھڑی دن رہے اور بھی زیادہ سرد اور خنک ہو جاتا ہے اور لبِ چشمہ سار کھڑے رہنے

سے اور بھی سردی معلوم ہوتی ہے یہاں کی پاتریں نازنین ہوتی ہیں۔ اور سیدھی سادی لکھنؤ وغیرہ کے معشوقوں کی سی چلتر بازی اور چھل فریب نہیں جانتیں۔ پہاڑ پر اہلِ اسلام اور عیسائیوں کے ساتھ ہم صحبت ہونے سے اس قدر پرہیز ہے کہ اگر بلائیں تو ان کے ہاں مجرے کے لیے بھی نہ جائیں مگر جو پہاڑنیں باہر چلی گئی ہیں ان کو اس کا کم خیال ہے۔

حضور میں نے ایک پاتر سے نینی تال میں پوچھا آپ کا اسمِ پاک تو کس بھولے پن سے جواب دیتی (پانچ روپے) واللہ ہنستے ہنستے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے کہ ہم تو نام پوچھتے ہیں اور یہ مول تول کر رہی ہے سرے ہی سے مول تول شروع کیا۔ اسم شریف کے جواب میں پانچ روپے اچھی رقم بتا دی۔ جب ہم پہلے پہل راجہ بھجن سنگھ کے ساتھ گئے تھے تو دوسرے روز کوئی پچپن پاتروں کا غول کا غول آیا۔ یہ انعام مانگنے جاتی ہیں اور حق یوں ہے کہ انعام کا بہانہ ہی بہانہ ہے اصل مطلب اپنا اپنا جوبن دکھانا ہے کہ باہر والے دیکھیں اور چہرہ شاہی مکھنا کھن برسنے لگیں۔ گرمی کی ان کو برداشت نہیں ہے۔ ورنہ اگر پہاڑ سے اتریں تو ان کے ہاں ہن برسنے لگے۔ واقعی عجیب جوبن ہوتا ہے ہائے نینی تال یاد آگیا۔

بہار آتی ہے دیوانہ ہو نیرنگِ گلستاں پر
چراغِ عقل کو رکھ دے بجھا کر طاقِ نسیاں پر

نواب صاحب نے یہ دلچسپ حال بڑے شوق اور دل کے کانوں سے سُنا اور کہا بھئی اب تو جا ہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جاتے بندۂ درگاہ نہیں رکیں گے۔

اس مقام پر پری رُخاں ماہ رُو اور مذوشاں عنبرین مو کا جمگھٹا لگا رہتا ہے اور جنٹل مین کھڑے ہو کر لطف تماشا اٹھاتے ہیں۔ اکثر کشتیوں کی دوڑ ہوتی ہے جس کو یہاں خواص و عوام عموماً بوٹوں یا کشتیوں کی گھوڑ دوڑ کہتے ہیں۔ عموماً دو کشتیاں چھوٹتی ہیں اور جس وقت ایک کشتی مقامِ معینہ کی جھنڈی کے آگے نکل جاتی ہے فوراً بندوق سر ہوتی ہے بڑی دل لگی ہوتی ہے۔ اور دونوں بوٹوں کے سوار جان پر کھیل کر تیزی کے ساتھ چلاتے ہیں تماشائیوں کو بڑا حظ حاصل ہوتا ہے۔

چکر کے میدان میں کوئی پچیس تیس مقام پر برابر لان ٹنس ہوتا ہے۔ اور لیڈیاں

اس کھیل میں بڑی خوشی سے شریک ہوتی ہیں۔

ادھر ادھر کوہ فلک شکوہ بیچوں بیچ میں جھیل بڑا لطف، تماشا دکھاتی ہے اور روح وجد کرنے لگتی ہے۔ اور پہاڑوں کے ہرے ہرے قدرتی درخت اور بھی جوبن دکھاتے ہیں۔

صاحب لوگوں کے بنگلوں میں پہاڑی پھولوں کے گملے کثرت سے رہتے ہیں اور بڑے خوش نما معلوم ہوتے ہیں۔ مگر یہاں کی چڑھائی سے خدا کی پناہ۔ الامان اور خصوصاً ہم لوگوں کو جو اس کے عادی نہیں ہیں اور بھی زیادہ دقت ہوتی ہے اور تھوڑی ہی دور میں ہانپنے لگتے ہیں اور دم ٹوٹ جاتا ہے۔ سب بنگلے پہاڑ پر واقع ہیں اور چڑھنا اترنا کوہ کندن برآوردن سے خالی نہیں نینی تال بھر میں دو کنویں ہیں کنووں کی یہاں ضرورت نہیں جھیل کے ایک طرف پہاڑ میں تو پانی جا بجا کثرت سے ملتا ہے اور اس قدر سرد کہ برف کی کیا حقیقت ہے مگر دوسری طرف کے پہاڑ پر پانی نہیں ہے لہذا دقت واقع ہوتی ہے

نینی تال کی برسات میں عجب دلربا لطف حاصل ہوتا ہے عموماً دن بھر بدلی رہتی ہے اور سردی اعتدال کے ساتھ اور از بس خوش گوار۔ اس فصل میں صاحب لوگ برساتی کوٹ اور چھتری ضرور لے کر نکلتے ہیں کہ نہ معلوم کس وقت مینہ برس پڑے، مگر ادھر کھلا ادھر زمین صاف اور کیچڑ کا پتہ نہیں۔ اور دھارا کے بہنے میں بھی بڑا لطف آتا ہے۔ نینی تال کا سب سے بہتر تحفہ یہاں کی پاتریں ہیں۔ شادی کرنا پاتروں کی شرع کی رو سے حرام ہے اس شرع اور اس رسم کے صدقے المونڑہ اور رام گڈھ اور کٹاریل اور نینی تال اور کھیرنا اور رالموڑا اور کاشی پور میں ان کی کان ہے۔

قیام کہسار کا ضرر

ممن نے جو دیکھا کہ نواب صاحب کو مرزا صاحب کے دوست میاں بدر کی دلچسپ گفتگو بہت پسند آئی تو بات یوں بنائی کہ حضور نے یہ سب حال تو سنا مگر میرے ایک دوست کی زبانی بھی تو پہاڑ کا حال از برائے خدا ذرا اس لیجئے دیکھئے تو وہ کیا کہتا ہے۔ محمد عسکری نے کہا بہتر ہے ان کو بھی بلاؤ ہم تو چاہتے ہیں کہ جو کام

کریں سمجھ بوجھ کے کریں تاکہ پیچھے ہنسی نہ ہو۔ اور ہم کو زحمت نہ پہنچے۔ سفر کرنے میں تو ہم کو کوئی پیش و پس نہیں ہے۔ مگر پس و پیش ہے تو یہ ہے کہ ہم نے کبھی پہاڑ کی صورت بھی نہیں دیکھی ایسا نہ ہو کہ وہاں کوئی گل کھلے۔ آپ اپنے دوست کو بھی بلوا لیجئے کیا مضائقہ ہے۔

ممن نے کہا حضور خاکسار کا دوست یہاں حاضر ہے حکم ہو تو بلواؤں۔ خدمت گار سے کہا میاں ذری مولوی صاحب کو بلوا بھیجئے۔ مولوی صاحب آتے یہ سکھاتے پڑھاتے تو تھے ہی انھوں نے پہاڑ کی ہجو کرنی شروع کر دی۔

ع۔ کہئے مولوی صاجب آپ پہاڑ پر کتنے دن رہے۔

مولوی۔ حضور سات برس تک جلا وطن رہا۔

ع۔ جلا وطن! کیا پہاڑ ایسا بُرا مقام ہے۔

مولوی۔ حضور اب میں کیا عرض کروں زبان قاصر ہے الامان!!!۔

ع۔ ایں! لوگ تو وہاں کی آب و ہوا کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔

مولوی۔ خداوندا ول تو جو وہاں رہا گھینگھا ضرور ہوگا یہ تو وہاں کا تمغہ ہے اور ہندو لوگ اس کو پرشاد کہتے ہیں۔

ع۔ ایں! لاحول ولا قوۃ۔ ارے توبہ! ع

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ بندہ درگذرا ایسے سفر سے۔

بدر۔ حضور یہ سب لغو باتیں ہیں ان کی۔

مولوی۔ خداوند جو کوئی میری بات کاٹ دیتا ہے تو میں آگ ہو جاتا ہوں یہ ابھی صاحبزادے ہیں اور بندہ جہانیان جہاں گشت۔

بدر۔ سرکار انھیں ایسے لوگوں نے تو۔

ع۔ اچھا صاحب تو آپ کو دخل درمعقولات دینے سے کیا واسطہ ہے خواہ مخواہ آپ ایک شخص کے پیچھے پڑ گئے اور یہ ہم سے کہا ہی نہیں کہ ہاں گھینگھے کی بیماری بہت ہے۔

بدر۔ حضور اگر یہ بیماری وہاں ہو تو ناک ناک بدتا ہوں۔

مولوی۔ پیرومرشد یہ خاص لکھنؤ کے بچوں ہی کی باتیں ہیں کہ ہاتھ ہاتھ بدتا ہوں اور ناک ناک بدتا ہوں۔ بندہ تو کبھی ایسی صحبت میں بیٹھا ہی نہیں تھا اور نہ اس گفتگو کا عادی ہے۔ لاحول ولا قوۃ! یا اللہ توبہ۔

ع۔ نہیں منشی بدر صاحب بھی تربیت یافتہ آدمی ہیں۔

مولوی۔ کیسے کچھ ناک ناک بدتے ہیں۔

ع۔ آپ نے اس بیماری کی ایسی سنائی کہ توبہ ہی بھلی۔

مولوی۔ حضور بندہ تو راست راست بے کم و کاست عرض کرتا ہے۔

بدر۔ (بہت آہستہ سے) چور اٹھائی گیرا۔

ع۔ بھلا یہ بیماری کیوں کر وہاں پیدا ہو جاتی ہے۔

بدر۔ حضور اتنا دریافت کریں کہ صاحب لوگ جو وہاں رہتے ہیں ان کو گھینگھا کیوں نہیں ہو جاتا۔

مولوی۔ وہ لوگ برانڈی پینے کے عادی ہیں۔ ہم اور آپ ان کا مقابلہ کر سکتے ہیں بھلا۔ پھر ان کا اقبال۔

ع۔ ہاں یہ دونوں سبب ٹھیک معلوم ہوتے ہیں۔

بدر۔ حضور بھلا برانڈی کو گھینگھے سے کیا واسطہ ہے ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ برانڈی کچی گھینگھا۔ مگر اب کیا عرض کروں۔

ع۔ ڈاکٹر نہ تو آپ ہیں نہ بندہ۔ یہ کہتے ہیں اور ظاہرا سمجھ میں نہیں آتا کہ جھوٹ کیوں کہیں گے۔

بدر۔ یہ بہت صحیح آپ نے فرمایا ان کو جھوٹ بولنے سے کیا مطلب پھر جانے دیجئے۔ الگ کیجئے۔ سیر کوہستان کی ضرورت ہی کیا ہے۔

ع۔ نا صاحب ہم تو ادھر کا رخ بھی نہ کریں گے۔

ممن اپنے دل میں نہایت خوش ہوا کہ مار لیا ہے نواب صاحب کو خوب چنگ پر چڑھایا۔ اور مولوی نے اچھا فقرہ جست کیا کہ وہاں گئے اور گھینگھا ہو گیا اب کوئی کروڑ روپیہ بھی دے تو نواب صاحب نہیں جاتے۔ اور مولوی بھی رنگے سیار بنے ہوتے تھے اور لطف یہ کہ مولوی صاحب نے عمر بھر میں کبھی پہاڑ

کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی کہ پہاڑ ہوتا کیسا ہے ۔ مگر فقرہ واقعی اچھا چست کیا۔

مرزا ۔ حضور یہ تو ہم نے ایک نئی بات سنی آج ۔

ع ۔ آپ کبھی گئے بھی ہیں پہاڑ پر مولوی صاحب تو سات برس رہ آتے ہیں۔

مرزا ۔ جی اس میں کیا شک ہے خداوند ۔ سات برس بلکہ چودہ برس ۔ حضور بھی ان بھروں میں آجاتے ہیں ۔ خیر جانے دیجئے اس جھگڑے کو ۔

ممن ۔ حضور اس وقت تو قیامت کی بدلی ہے ۔

نیا سوانگ لائے ہیں عشق صنم میں
ذرا کوئی دیکھے تماشا ہمارا

ساجد ۔ اس وقت کیا مزے میں آگئے ہیں میاں ممن ۔

ممن ۔ اب ہم ہر وقت مزے میں رہتے ہیں خدا سرکار کو سلامت رکھے ۔ ان کی بدولت ہم کو ہر دم مزہ ہے ۔

ساجد ۔ ہاں بھائی بن پڑے کی بات ہے ۔

ممن ۔ خدا مہربان ہے تو کل مہربان ۔

ان بھولے بھالے رئیسوں کی عجیب باتیں ہیں ۔ گاہے بسلامے برنجند گاہے بدشنامے خلعت دہند ۔ مرزا صاحب کے دوست منشی بدر صاحب نے جو نینی تال کی تعریف کی تو قسم کھائی کہ چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے پہاڑ کا سفر ضرور کریں گے اور اب جو ممن کے یار مولوی صاحب نے گھینگے کا فقرہ چست کیا تو ڈر گئے اور اپنے عزم بالجزم کو فسخ کر دیا خوف پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو پہاڑ کا پانی لگے اور گھینگھا ہو جائے اس عقل و فہم کے صدقے مگر واہ رے مولوی ۔ ایسا گرما گرم فقرہ چست کیا کہ بھڑکا دیا ۔ اس سوجھ بوجھ کے قربان ۔ مرزا اور ساجد اور اختر اور حوالی موالی کی ایک نہ چلی نواب صاحب کو یہ خوف تھا کہ اگر وہاں گئے اور اتفاق وقت سے گھینگھا نکل آیا تو اول تو بیگم صاحب کو دلی رنج ہوگا ۔ دوسرے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے ۔ تیسرے ارباب نشاط کی صحبت میں کوبنینگے اور خود اپنی صورت آپ ہی بری معلوم ہوگی ۔ مولوی کو دل ہی دل میں دعائیں دیتے تھے کہ خدا نے اس کو خوب بھیج دیا ۔ ان سب نے تو اس قدر تعریف کے پل

باندھ دیئے تھے کہ میں نے سفر کی نصف تیاری کر ہی دی تھی بارے خوب شد ع
رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

ورنہ بڑی بُری ہوتی ۔ جاتے اس غرض سے کہ سیر کریں گے اور وہاں سے گھینگے کا تحفہ لے کے آتے ۔

ممن کو اس قدر خوشی تھی کہ بیان سے باہر اور جامے میں پھولا نہیں سماتا تھا کہ سب کو نیچا دکھایا اس کمبخت کو خدا جانے سفر سے کیا عداوت تھی کہ نام سنا اور کانپ اٹھا گو اللہ کے فضل سے صحبت بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے سفر کیے ہوں مگر ممن ملعون کی تو سفر کے نام سے روح فنا ہوتی تھی گویا نانی مرجاتی تھی۔ مولوی کو خوب پٹی پڑھا کے لایا تھا اور مولوی فقرہ بازی اور کذب بیانی میں برق تھا ۔ اور لطف یہ کہ مولوی دولوی خاک نہ تھا کچھ شُد بُد اردو جانتا تھا واجبی ہی واجبی لیاقت تھی ۔ مرزا صاحب کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح محمد عسکری کو دم دے کے پھانس پھونس کے پہاڑ پرلے جائیں اور خود بھی لطف اٹھائیں مولوی کے اس جھوٹے بیان سے دل ہی دل میں خوب جھلاتے مگر خون پی کے رہ گئے ۔

ممن کئی دن سے تاک میں تھا کہ کسی ترکیب سے نواب صاحب کو دم دے کے سفر کوہستان سے باز رکھے مگر اور لوگوں کے سبب سے دال نہیں گلتی تھی آج اچھا موقع مل گیا۔ نواب صاحب نے پوچھا ہاں مولوی صاحب یہ تو فرمایئے کہ وہاں کیا کیا دیکھا۔ مولوی صاحب بولے حضور پانی کا وہاں کال ہے کنواں تو وہاں ہے ہی نہیں۔ پہاڑ کا پانی سب پیتے ہیں اور جھیل کا۔ جھیل کے پانی سے بری طرح کھجلی ہو جاتی ہے اور یہ کھجلی بالکل آگ کی سی ہوتی ہے اور انسان مہینوں تڑپا کرتا ہے اور پہاڑ کا پانی گندلا ہوتا ہے۔ سیر بھر پانی تو سیر بھر ریت کھانا ہضم نہیں ہوتا۔

ع ۔ لاحول ولا قوۃ ۔ یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ مولوی صاحب۔

مولوی۔ وہاں کے باشندوں کے لیے البتہ مساوات ہے ۔

ع ۔ ان سے ہم کو کیا بحث ہے۔ جناب ۔ وہ تو پیدا ہی وہاں ہوئے۔

مولوی ۔ اور کھانے کا ذرا بھی پہاڑ پر لطف نہیں ہے ۔

ع ۔ یہ کیوں کیا شے مہیا نہیں ہو سکتی کال ہے ؟

مولوی ۔ حضور گوشت تو گلتا ہی نہیں لاکھ جتن کیجیے گوشت سخت ہی رہے گا اور ممکن کیا کہ ہضم ہو سکے ۔

ع ۔ پھر وہاں کھائیں گے کیا ۔ گوشت ہی نہیں تو پھر کھانے کا لطف کیا ۔

مولوی ۔ اور حضور جان تو وہاں ہتھیلی پر رکھنی پڑتی ہے ہر دم جوکھم ۔

ع ۔ الٰہی توبہ ۔ کیا بیماریوں کی بڑی کثرت ہے ۔

مولوی ۔ حضور آفات ارضی و سماوی دونوں موجود ہیں ابھی کوئی پانچ برس کا عرصہ ہوا کہ زلزلہ آیا اور پہاڑ پھٹا تو بس یہ ملاحظہ فرمائیے کہ آسمان پر سے گویا زمین پر آگیا ۔ اور کئی بنگلوں اور کوٹھیوں اور مکانوں کو لیتا ہوا جھیل کو پاٹ دیا ۔ مل صاحب سوداگر کی کوٹھی کا پتہ ہی نہیں ملا ۔ ایک ہوٹل جڑ سے معدوم ہو گیا ۔ بہت سے آدمی مرے ۔ صاحب لوگوں کی جانیں تلف ہوئیں لاکھوں کے مال کا نقصان ہوا ۔ وہاں کے سیٹھ امرناتھ شاہ اور لالہ درگا شاہ کا کوئی ڈیڑھ لاکھ روپے کا نقصان ہو گیا اور نینی تال میں ہل چل مچ گئی ۔

ع ۔ الاماں ۔ الاماں ۔ بس صاحب پہاڑ کا حال سن کے بہت مسرور ہوئے ۔ کوئی مردود ہی اپنے حساب ادھر کا رخ کرے اب ۔

ممن ۔ تعجب ہے کہ مرزا صاحب نے یہ حال مخفی رکھا ۔

ع ۔ خدا نے بڑی خیر کی ورنہ توبہ ہی بھلی ۔

ممن ۔ حضور غلام تو نمک حلال آدمی ہے ۔

ع ۔ خدا تم کو اجرِ خیر دے ۔ میں تو تیار ہی ہو گیا تھا ۔

ممن ۔ سرکار خدا مسبب الاسباب ہے ۔ ع

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

ع ۔ سچ ہے ۔ اللہ اکبر یہ زلزلہ تھا ۔ یا قیامت کا نمونہ ۔

ممن ۔ حضور کیا اتنا جلد بھول گئے ابھی چار ہی پانچ برس ہوتے ہوں گے اس کو کل کی تو بات ہے ۔ صدہا آدمیوں کی جان گئی خداوند ۔

ع ۔ ایسے مقام سے خدا محفوظ رکھے جانا ہی کیا فرض ہے ۔

مولوی۔ خداوند۔ ع۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مرزا۔ حضور لکھوکھا آدمی جاتے آتے اور رہتے سہتے ہیں۔

ع۔ واہ وا۔ لکھوکھا نہیں کروڑوں سنکھوں سہی۔ مگر ہمیں کیا تباہی آئی ہے کہ ہم اجل کے منہ میں جائیں۔ یہ کون عقل کی بات ہے بھلا۔

مرزا۔ اچھا حضور اپنے کسی دوست صاحب لوگوں میں سے تو دریافت کریں۔

مولوی۔ ہمارا ان کا طرز معاشرت ایک نہیں ہے صاحب ہماری ان کی کون برابری ہے۔ وہ لاکھوں منزلوں سے جو آتے ہیں۔ لڑکا پانچ برس کا ہوا اور انھوں نے ولایت بھیج دیا۔ ہم آپ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ صاحب لوگوں کی بھلی چلائی یہاں اتنے وزیر زادے، نواب زادے، رئیس، امیر ہیں بھلا کسی کو بھی آپ نے سُنا کہ نینی تال گیا ہے۔ ہمارا اور خمیر ہے صاحب لوگوں کا اور خمیر ہے۔ اور پھر وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ صاحب لوگوں کی عمل داری ہے حکومت ہے۔ ہم کیوں ان کا تتبع کریں ؎

جو کی تقلید خسرو کی تو کار کوہ کن بگڑا

چلا جب چال کوا ہنس کی اس کا چلن بگڑا

اختر۔ ہم تو نینی تال کی تعریف ہی سنتے آتے ہیں۔

ع۔ اجی آپ سب کچھ سنتے آئے ہیں۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

صریح ایک شخص تو چشم دید بیان کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ ایک ذرا سے زلزلے میں یہ تباہی ہو گئی۔ آپ سنی سنائی بیان کر رہے ہیں۔

سفر کوہ کی نسبت مشورہ

نواب صاحب اس شش و پنج میں تھے کہ یا خدا کس کے کلام کو باور کروں اور کس کے کلام کو غلط تصور کروں۔ مولوی بدر صاحب سے پہاڑ کے پھٹنے کا حال دریافت کیا۔ انھوں نے کہا حضور بارش کے دن تھے۔ اور سات دن سے موسلا دھار مینھ برس رہا تھا۔ ایک لمحہ بھی نہ تھما۔ بس دفعتہً ایک پہاڑ کا حصہ پھسل

پڑا اور چند آدمیوں کی جان گئی۔ صاحب لوگ اور حکام انتظام کے لیے دوڑے اور بہت سے ہندوستانی بھی پہنچے۔ دفعتہً ایک اونچا ٹیلے کا ٹیلہ آڑ آڑ کر کے پھٹ پڑا اور کئی کوٹھیوں اور بنگلوں اور مکانوں کو لیتا ہوا جھیل میں جا رہا آدمی اور لکڑی اور پتھر سب جھیل میں غرقِ آب، لوگ جان چھوڑ کے بھاگے۔ خداوند۔ اک عجیب ہڑبونگ تھا کہ الامان۔ الامان آج تک کوئی تخمینہ نہیں کر سکا کہ کتنی جانیں اس آفتِ مہیب میں تلف ہوئیں۔ حضور بڑی جان جوکھم کا مقام ہے خدا بچاتے ہے ع۔

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

ع۔ اور پہاڑ کا اعتبار کیا۔

بدر۔ اس میں کیا شبہہ ہے حضور۔ روح کانپتی ہے۔

ممن۔ خداوند اس سال سے بہت کم آدمی جاتے ہیں وہاں۔

ع۔ کسی کو جان دوبھر ہو تو جائے ہتھیلی پر جان رکھ کے۔

مرزا۔ اور حضور یہ جو لاکھوں کروڑوں آدمی وہاں بود و باش کرتے ہیں یہ کیونکر زندہ رہتے ہیں۔

بدر۔ چہ خوش۔ تو ضرورت ہی کیا ہے کہ خواہ مخواہ قسمت آزمائی کروں ؎

رزق ہر چند بے گماں برسد
شرطِ عقل است جستن از درہا
گرچہ کس بے اجل نخواہد مرد
تو مرو در دہانِ اژدرہا

ع۔ بس یہ واقعی عقل کی بات ہے۔ جانے سے فائدہ۔

بدر۔ اور ایک بات سنیے جھیل ایک میل طول میں ہے اور پون میل عرض ہیں۔ اور عمق آج تک کسی کو معلوم نہیں ہوا زنجیر منتہائے قعر تک نہیں پہنچی۔ اور ذرا ذرا سی کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں۔

ممن۔ خدا کی پناہ اگر کشتی ٹوٹی تو گئے گذرے۔

بدر۔ کشتی کیا ذرا سا بوٹ ہوتا ہے۔ ڈونگی بلکہ ڈونگیا اکثر الٹ جاتی ہے۔

مرزا۔ یہ کیا فرض ہے کہ کشتی پر ضرور ہی سوار ہو۔

اختر۔ خدا جانے۔ پوچھیے وہاں کوئی زبردستی کرتا ہے کہ ضرور ہی سوار ہو جیسے صاحب۔

بدر۔ جی کشتی پر سوار ہونا ضروری ہے۔ اگر نہ سوار ہو جیئے تو شہر بھر میں مشہور ہو جاتیے کہ بڑے بزدلے ہیں ڈرپوک ہیں لکھنؤ کا نام بد کرو گے۔

مرزا۔ بھلا کبھی ڈونگی کو ڈوبتے بھی دیکھا ہے۔

بدر۔ خداوند ساری دنیا سے دریافت کر لیجیے کہ ایلیٹ نامی ایک صاحب باہر سے آئے تھے وہ اور ایک آدمی کشتی پر سوار تھے اور ہوا دفعتہً بڑی تیزی سے چلنے لگی اور ڈونگی الٹ گئی آدمی تھوڑی دیر میں ابھرا۔ مگر صاحب کا پتا نہیں۔ پھر حضور کشتیوں پر کشتیاں بھیجی گئیں توپیں داغی گئیں۔ صدہا جتن کیے لاش کا پتہ نہ ملا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جھیل میں کھوہیں ہیں اور انھیں کھوہوں میں لاش کہیں اٹک رہی۔

مرزا۔ حضور بیالیس سال سے نینی تال میں صاحب لوگ جاتے ہیں اگر بیالیس برس میں کوئی ڈونگی الٹی تو بھلا کیا تعجب ہے۔

نواب صاحب نے تھوڑی دیر سکوت کر کے فرمایا کہ عنایتِ ایزدی سے ایک آفت نہیں بلکہ ہر قسم کی آفتِ ارضی و سماوی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ پہاڑ پھٹے تو گئے گزرے پانی لگا تو علیل ہو گئے۔ کھڈ میں گرے تو ہڈیوں پسلیوں کا پتہ نہ لگے۔ اور کشتی الٹے تو جسم مچھلیوں کی نذر ہوا ایسے مقام پر تو وہ جائے جو گھر سے فالتو ہو۔ آگے ناتھ نہ پیچھے پگھا۔

مولوی بدر صاحب نے کہا۔ خداوند سیر تو اس وقت ہوتی ہے جب ذرا سی پگ ڈنڈی ہوتی ہے اور دو طرفہ کھڈ۔ ادھر بھی ایک میل کا گڑھا اور اُدھر بھی۔ جدھر نظر جاتی ہے۔ روح کانپ اٹھتی ہے۔ تھرّانے لگتا ہے انسان کہ خداوند بچائیو۔ اور ہم پردیسیوں کا تو حضور قدم نہیں اٹھتا اور رجا بجا پہاڑ پانی کے ریلے سہتے سہتے بودے ہو گئے ہیں اور برسات میں اس طرح گرتے ہیں جیسے ہتھیا کی فصل میں بودی مٹی کے کچے مکان۔

محمد عسکری نے پوچھا اور لوگ دب بھی جاتے ہوں گے۔

ممن نے کہا۔سرکار جب ذرا ذرا سے جھوپڑوں کے گرنے سے مکان کے نیچے لوگ دب جاتے ہیں تو پہاڑوں سے تو خدا ہی محفوظ رکھے ۔ ایک ذرا سے ٹکڑے کے گرنے سے پرے کے پرے کچل کے دب کے رہ جاتیں اور حضور پسّو اور کھٹمل اور مچھّر اس قدر پریشان کرتے ہیں کہ الامان۔ کھانا کھانا مکھیوں کی بھن بھن کے سبب سے مشکل ہو جاتا ہے اور کھٹمل کے کاٹے کا تو منتر ہی نہیں ۔ دھوپ نکلتی ہی نہیں ہے ۔اب فرمایئے کہ پلنگ اور بستر کو کیونکر گرم کیجئے ۔ اگر دھوپ نکلے تو پلنگ اور بچھونے کو گرم کرے اور کھٹمل بلبلا کے نکل پڑیں مگر دھوپ کی تو مہینوں صورت ہی نظر نہیں آتی اور برسات میں یہ حال ہوتا ہے کہ آفتاب تو ہفتوں نہیں نکلتا ہے ۔ اور بدلی کے بعد جب دھوپ نکلتی ہے تو اس قدر تیز کہ کھوپڑی چٹخنے لگتی ہے اور آدمی بلبلا اٹھتا ہے ۔ وہاں جو شے ہے اعتدال سے بڑھی ہوئی۔ سردی میں انسان یخ ہو جاتے ٹھٹھر کے رہ جائے گرمی میں بلبلانے لگے ۔ برسات میں بہیا آتے پہاڑ پھٹ پڑے آدمی دب کے مر جائیں گھوڑے کی سواری جان جوکھم ہے ۔ بگھی وہاں چل نہیں سکتی۔ قیس کو عرش بریں پر کون چڑھائے ۔ ڈانڈی لیڈیوں اور عورتوں کی سواری ہے پیدل چلے تو ہانپ جائے ۔اب فرمایئے انسان کیا کرے ۔ حضور ایسی ہی مجبوری ہو تو وہاں آدمی رہے ورنہ خدا ہی انسان کو محفوظ رکھے ۔ایسی آب و ہوا لے کے کیا انسان چاٹے ۔

اب سنیے کہ مرزا صاحب نے سوچتے سوچتے مولوی بدر کے نکالنے کی ایک ترکیب سوچی اور انکو یہ یقین کامل ہو گیا کہ اس ترکیب سے ممن اور بدر دونوں اس دربار سے خارج کر دیئے جائیں گے ۔ ادھر مولوی بدر صاحب نینی تال کی ہجو کر رہے تھے کہ چوبدار نے عرض کیا۔ سرکار نواب چھٹن صاحب تشریف لاتے ہیں ۔اتنے میں چھٹن صاحب آ ہی گئے مصاحبوں نے سروقد تعظیم کی۔ نواب صاحب کے قریب مسند پر متمکن ہوتے پوچھا کہیے کیا شغل ہو رہا ہے ۔ محمد عسکری نے کہا ۔ مولوی بدر صاحب سے کوہ نینی تال کا ذکر سن رہے تھے ۔اس مقام پر ناظرین کو یہ سمجھا دینا چاہیئے کہ مرزا صاحب نواب چھٹن صاحب کے نفس ناطقہ تھے اور انھیں کی منت و سماجت سے آتے تھے کہ ممن اور بدر کا رنگ پھیکا کریں۔ مولوی بدر صاحب کو یہ حال کیا معلوم تھا

نواب صاحب نے کہا ہاں مولوی بدر صاحب ذرا پہاڑ کے راستوں کا حال تو بیان فرمائیے انھوں نے کہا خداوند دو میل کی چڑھائی دیکھا اور انسان کے ہوش اڑ گئے اور بڑی دقت یہ ہے کہ کسی ترکیب سے اس طرف کے رہنے والے چڑھ نہیں سکتے گھوڑے پر سوار ہو کے جائیں تو یہ خوف ہے کہ اگر گھوڑا بھڑکا تو دو میل کے نیچے کھڈ میں گر پڑے راہ ہی میں دم فنا ہو گیا۔ گئے گذرے اور اگر ڈانڈی پر سوار ہوتے ہیں تو جو دیکھتا ہے ہنستا ہے کہ واہ یہ ڈنڑ اور تین کانے یہ داڑھی موچھ اور ڈانڈی کی سواری اور پیدل تو دو قدم بھی انسان نہیں چل سکتا کلیجہ منہ کو آجاتا ہے۔ اور جس مقام پر ذرا سی پگ ڈنڈی ہوتی ہے وہاں تو ملد تک کو خدا یاد آتا ہے اور پھر ایسی دقت و مصیبت جھیل کے گئے بھی تو ملا کیا بیماری۔

نواب چھٹن صاحب نے کہا سنتے ہیں وہاں گھینگھا بہت ہوتا ہے منشی بدر کو گویا لاکھوں روپے مل گئے۔ کہا کیوں خداوند غلام نے کیا عرض کیا۔ لغویات تو غلام کبھی عرض ہی نہ کرے گا۔ نواب صاحب کو بھی یقینِ کامل ہو گیا کہ بدر نے بیشک سچ کہا تھا۔ اور چھٹن صاحب دل ہی دل میں ہنستے تھے۔ انھوں نے کہا اور وہاں کا پانی بہت خراب ہے۔ ایک چپاتی کھائیے اور پانی پی لیجئے بس دو دن تک بدہضمی رہے گی۔ ترکاری تو وہاں بس سنکھیا کا اثر رکھتی ہے۔ اور گوشت گل جائے کیا مجال۔ نواب صاحب بہت ہی خوش ہوئے۔ کہ ممن اور بدر نے اس مصیبت سے خوب بچایا ورنہ علیل ہو کے آتے۔ لوگ ہنستے بناتے کہ گئے تھے آب و ہوا کا لطف اٹھانے وہاں سے امراض میں مبتلا ہو کے آئے بارے ع

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

ع۔ مرزا صاحب نے یہ حال ہم سے نہیں بیان کیا تھا؟۔

ممن۔ حضور مرزا صاحب نے تو اور ہی رنگ آمیزی کی تھی میں حیران تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔

بدر۔ سرکار غلام سے بڑھ کر اس کا حال بھلا اور کوئی کیا جانے گا۔

ممن۔ اس میں کیا فرق ہے جناب۔ برسوں رہے ہیں آپ۔

چھٹن۔ آپ کتنے عرصے تک رہے ہیں وہاں جناب مولوی بدر صاحب۔

بدر۔ حضور کوئی چار برس تک وہاں قیام کا اتفاق ہوا۔

مرزا۔ اور پرسوں تو ۱۴ برس بتاتے تھے یہ فرق !!۔

چھٹن۔ آپ کس محلے میں تشریف رکھتے تھے جناب مولوی صاحب۔

بدر۔ (گڑبڑا کر) جی حضور۔بندہ۔ میں۔

چھٹن۔ چار برس آپ کہاں پر رہے تھے وہاں پر۔

بدر۔ حضور دیکھیے عرض کرتا ہوں خداوند۔

اختر۔ (مسکرا کر) میں عرض کروں۔حافظہ نباشد۔

چھٹن۔ اور کیوں صاحب آب وہوا تو وہاں کی بالکل خراب ہوگی۔

مرزا۔ حضور تپ دق۔بخار کہنہ۔سل۔ذیا بطیس۔اسہال کبدی ان سب عوارض کا گھر ہے۔اللہ پناہ میں رکھے۔

اختر۔ اور خداوند سنا وہاں مہینے میں دو چار آدمی ضرور کھڈ میں گرتے ہیں۔ یہ بڑی مصیبت ہے جناب۔

چھٹن۔ مہینے میں دو چار!۔اجی ہر روز دس پانچ گرتے ہیں مولوی بدر صاحب بھی تو کئی بار گر پڑے تھے۔

اختر۔ (ہنس کر) حضور یہ تو چینا پہاڑ سے گرے تھے۔

ساجد۔ مگر بڑی سخت جان ہے میاں بدر کی۔خوب بچے دوسرا ہوتا تو پتہ بھی نہ لگتا۔مگر یہ خوب بچے۔

مرزا۔ کون خوب بچے! مولوی بدر صاحب؟ ان کی رسی دراز ہے اور ایک بار مولوی بدر صاحب جھیل میں بھی تو ڈوب گئے تھے۔

اختر۔ ڈوب چکے۔غیرت دار کو چلو بھر پانی کافی ہے۔مگر ہمارے مولوی بدر صاحب کو اثر پہنچے کیا مجال۔

مرزا۔ کیوں مولوی بدر صاحب آپ نے یہ نہ فرمایا کہ نینی تال میں آپ کہاں رہتے تھے۔اس کو مخفی کیوں رکھتے ہو۔بھائی جان؟۔

اختر۔ معلوم ہوتا ہے چکلے میں جا کے رہے تھے میاں بدر۔

اس پر سب نے یہ استثنائے ممن فرمائشی قہقہہ لگایا۔مولوی بدر صاحب

کٹ گئے۔

ع کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

ممن کا رنگ فق پڑ گیا اور کیوں نہ ہوتا جما جمایا رنگ یار لوگوں نے پھیکا کر دیا۔ نواب صاحب کو بہ ہزار خوبی سینکڑوں چکمے دے دے کے راہ پر لاتے تھے۔ مگر اب بے ڈھب ہو گئی۔ سب کے سب مل گئے اور نواب چھٹن صاحب کے سبب سے ممن کی اور بھی دال نہ گلی۔ محمد عسکری نے جو یہ رنگ دیکھا تو بد دماغ ہو گئے اور جھلا کر کہا کہ مولوی بدر صاحب آخر یہ کیوں نہیں بتاتے کہ نینی تال میں آپ کہاں فروکش ہوتے تھے۔ بدر کی اور بھی نانی مر گئی۔ کہا حضور یہ سب کے سب میرے خلاف ہیں اور مذاق کرتے ہیں۔

ع۔ جناب چھٹن صاحب کی نسبت بھی آپ نے ایسا ہی خیال کیا ہے۔ شاید اور اس سے مجھے اور بھی رنج ہوا۔

اختر۔ سوال تو یہ ہے کہ مولوی بدر صاحب نینی تال میں کہاں ٹکے تھے۔ اس میں خلاف ہونے کی کیا بات ہے۔

مرزا۔ کبھی نینی تال گئے ہوں تو بتائیں۔

ع۔ کیا! کیا نینی تال کبھی گئے نہیں؟ واہ ہے!۔

مرزا۔ حضور اگر یہ نینی تال گئے ہوں تو ہزار روپے ہارتا ہوں اور بد لیجئے مکان کا قبالہ حاضر ہے۔

راوی۔ مکان کا قبالہ جیب سے نکال کر نواب صاحب کے قدموں پر رکھ دیا۔

ع۔ ہاں جناب بدر صاحب حضور کہاں رہتے تھے۔

بدر۔ خداوند پہاڑ پر رہتا تھا اور کہاں رہتا تھا۔

چھٹن۔ پہاڑ پر کس جگہ مقام کا نام بتائیے نا۔

بدر۔ اب مجھے اتنے برسوں کے بعد یاد ہے کہ کہاں رہتا تھا وہیں پہاڑ پر رہتا تھا اور کہاں رہتا تھا۔

اختر۔ بھلا مکان مٹی کے بنے ہیں یا اینٹ کے۔

بدر۔ پتھر کے بھی ہیں۔ اینٹ کے بھی ہیں۔

راوی۔ اس پر پھر فرمایشی قہقہہ پڑا۔
چھٹن ۔ بھلا لکڑی کے مکان بھی پہاڑ پر آپ نے دیکھے تھے۔
بدر۔ لکڑی نہیں پھوس کے دیکھے تھے۔ پہاڑ پر لکڑی کہاں۔
چھٹن۔ بھائی عسکری واللہ یہ صاحب کبھی نینی تال نہیں گئے ہیں اور جو کچھ انھوں نے کہا محض غلط اور لغو از سرتا پا مہمل ہے۔ اول تو وہاں کی آب وہوا کو خراب بتاتے ہیں۔ غضب خدا کا نینی تال کی آب وہوا اور خراب! اور مجھے تمھاری سادگی پر افسوس آتا ہے کہ تم کو یہ کیا سوجھی۔ ارے میاں تم اتنا بھی نہیں سوچتے ہو کہ نینی تال کی آب وہوا کا شہرہ دور دور تک ہے اور بڑے بڑے حکام ذوی القدر اور خود نواب لفٹنٹ گورنر بہادر چار پانچ مہینے وہاں رہتے ہیں اور گرمی کی فصل میں دور دور سے لوگ وہاں جاتے ہیں۔
ع۔ بھئی انھیں لوگوں نے آن کے کہنا شروع کیا۔
چھٹن۔ انھوں نے سب کچھ کہا آپ کی عقل کیا گدی میں تھی آپ کو کیا ہو گیا تھا لاحول ولا قوۃ۔ عجب آدمی ہو۔
اختر۔ حضور یہ جناب مولوی صاحب نے بس اب کیا عرض کروں۔
ساجد۔ حضور یہ سب ممن کی کارستانی ہے واللہ۔
ع۔ ممن کو تو ہم عرصے سے سمجھے ہوتے ہیں۔
مرزا۔ اس شخص کے کاٹے کا منتر نہیں ہے۔ سرکار۔
چھٹن۔ مجھے ہنسی آتی ہے کہ نینی تال اور بیماری کا گھر۔ شانِ خدا اور گھینگھے والا فقرہ سب سے چست ہوا۔
اختر۔ حضور اسی سے تو نواب صاحب کو اور بھی زیادہ خیال ہوا۔
چھٹن۔ آپ کے نواب بھی بچھیا کے تاؤ ہیں۔
ع۔ اب میں کیا جانتا تھا کہ یہ اس قدر لغو ہیں۔
مرزا۔ حضور تو خاک ارسے بد دماغ ہو گئے تھے کہ صاف صاف حال کیوں نہ بیان کیا اور مجھے کچھ تو ہنسی آتی تھی اور کچھ رنج ہوتا تھا کہ میں صاف صاف حال کیا اپنا سر عرض کروں مگر خیر اب تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا۔ ے

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درو
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

خدا مسبب الاسباب ہے ہمارے حضور نواب چھٹن صاحب کو خدا سلامت رکھے اگر حضور نہ آتے تو ممن کا تو رنگ جم ہی گیا تھا۔ جھوٹ کو فروغ ہو سکتا ہے بھلا۔کیا مجال!۔

نواب چھٹن صاحب نے محمد عسکری سے کہا کہ مجھے سخت حیرت ہے کہ آپ سے آدمی اور ان دھوکوں میں آجاتیں۔تم بڑے بھلکڑ آدمی ہو۔تمھیں اتنا یاد نہیں کہ میں تین چار بار نینی تال میں رہ کے آیا ہوں اور ابھی پارسال ہی گیا تھا اور آپ کی اس عقل کے قربان کہ نینی تال کو آپ مصدرِ عوارض سمجھتے ہیں اور آپ کے جو مشیر ہیں ان کا بایاں قدم لے۔

ع ۔ بھائی میں کیا جانتا تھا کہ یہ ایسے آدمی ہیں۔

چھٹن ۔ اجی بس جاؤ بھی۔آپ بھی کہیں گے کہ میں آدمی ہوں۔

ع ۔ مجھ سے کہا کہ پہاڑ کا پانی بیماریاں پیدا کرتا ہے ۔

چھٹن ۔ اور آپ نے تسلیم کر لیا۔معتبر آدمی گھر سے آیا تھا۔

ع ۔ لاحول ولا قوۃ الّا باللہ العظیم!۔

چھٹن۔ لاحول تو آپ کی عقل پر پڑھنا چاہئے ۔

ع ۔ اب تو حضرت جو فرمائیے وہ صحیح ہے ۔

اختر۔ خداوند جھوٹ کے ایسے چھپرا ٹھلے کہ میں کیا عرض کروں۔توبہ ہی بھلی ہے گھینگھا اور تپ دق اور خدا جانے کیا کیا زٹل قافیے اڑاتے۔

ساجد۔ اور فدوی نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔

ع ۔ ہاں ہاں صاحب آپ سب عقلمند سہی ہم ہی پاگل بنے بس۔

چھٹن ۔ اہاہا! پاگل بننے میں بھی آپ کو ابھی شک ہے۔

ع ۔ خیر صاحب اب تو سیکھ گئے۔کچھ کھو ہی کے سیکھتا ہے انسان۔اب کان پکڑے کہ کسی کے کہنے سننے میں ہرگز ہرگز نہ آئیں گے۔

چھٹن۔ واہ۔

ع — چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مرزا۔ حضور ایسا اتفاق اکثر ہو جاتا ہے۔ یہ سب میاں ممن کی کارستانی ہے۔ خدا ان کے دم کو سلامت رکھے۔

ممن۔ جی ہاں میں تو ننگا لچا شہدا ہوں ہی۔

مرزا۔ اجی تمہارے کاٹے کا تو منتر ہی نہیں ہے صاحب۔

چھٹن۔ اور تو یہ گھینگھے والے فقرے نے بھڑکا دیا۔

اختر۔ حضور وہ بات تو بنی ہے کہ اللہ ہی اللہ۔

ساجد۔ اس طبیعت داری کے تو ہم بھی قائل ہو گئے۔

بدر۔ اور پہاڑ کے گرنے کا لطیفہ کیا کم تھا۔

ع۔ تم لطیفہ سمجھتے ہو اور میری آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ لطیفہ اسی چھل فریب دغا فریب کا نام ہے۔

اختر۔ اس وقت تو حضور الٹے ہم ہی لوگوں پر خفا ہوتے تھے۔

ممن۔ آپ لوگ بدی کیجئے ہمارے ساتھ۔ خیر! ؎

کسی کی بدی تو نہ کر عیب ہے
کہ اس کا خدا عالم الغیب ہے

ساجد۔ یہ شعر کبتی فاقوں میں سیکھا تھا حضور نے۔

اختر۔ رمضان شریف میں۔ ایک شعر ان کو بھی یاد ہے۔

ممن۔ جی ہاں خوب سمجھے آپ۔ ؎

چوں بشنوی سخن صاحبِ دل مگر خطاست
سخن شناس نہیں ہے دل برا خطاست

اختر۔ (قہقہہ لگا کر) اے سبحان اللہ۔ کس قدر موزوں شعر سنایا ہے۔ کیوں نہ ہو۔

مرزا۔ میاں پڑھے لکھے نہیں ہو تو شعر پڑھنا ہی کیا ضروری ہے۔

ع۔ آپ نے سنا نہیں۔ ؎

تا مردِ سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

اختر۔ اور سرکار اس ذرا سی شعر میں (نہیں ہے) نے کیا لطف دکھایا ہے۔

چھٹن۔ اور (جو) کی جگہ (جوں) گیا بڑی اصلاح دی ہے۔

اختر۔ اور اہلِ دل کے عوض صاحبِ دِل کتنا موزوں ہے۔

چھٹن۔ ایرانیوں کے غیر موزوں کلام کے موزوں کرنے والے ایک ہندی پیدا ہوئے شکر نہیں کرتے۔

اتنے میں مولوی صاحب اور ممن اٹھ کھڑے ہوتے۔

باغ میں چہل پہل

یہاں کا تو قصہ یہ چھوڑا یہاں
سناتے ہیں اب اک نئی داستاں

نواب چھٹن صاحب بہادر نے ایک روز اپنے شفیق بالتحقیق محمد عسکری سے وعدہ لیا کہ اب کی نوچندی جمعرات کو مع احباب بذلہ سنج حضرت عباس کی درگاہ جائیں گے اور وہاں سے ہمارے باغ میں چلنا۔ وہاں چل کے اس امر میں مشورہ کیا جائے گا کہ سفر نینی تال کریں یا نہ کریں۔

اسی اقرار کے مطابق نواب چھٹن صاحب گاڑی پر سوار ہو کر حضرت عباس کی درگاہ چلے۔ ان کے ایک دوست جو باہر سے آئے تھے اور وکالت کرتے تھے وہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ چلے تو راستے میں بڑا دھکم دھکا بھیڑ بھڑکا۔ دونوں سائیس گھوڑیوں کے آگے آگے ہٹو بچو اور ہائیٹ ہائیٹ کرتے جاتے ہیں۔ شانے سے شانہ چھلتا تھا اور اربابِ نشاط کی ڈولیاں کھچا کھچ چلی جاتی تھیں کسی ڈولی پر ایک اور کسی پر آمنے سامنے دو بیٹھی ہیں۔

وکیل۔ آج تو کوئی بڑا میلا ہے آپ کے شہر میں۔

چھٹن۔ جی نہیں۔ رجب کی نوچندی ہے۔

وکیل۔ رجب کی نوچندی کیا معنی۔

چھٹن۔ یہ رجب کی نوچندی جمعرات ہے جس کے مقابل میں شبِ قدر بے قدر اور ماند ہے۔ سفید پوشوں کا جماؤ دیکھئے پریوں اور مرغوب رُویوں کا بناؤ

چناؤ دیکھئے ۔ جم غفیر ہے مجمع کثیر ہے ۔ زن و مرد کا ہجوم ہے ۔ نوچندی کی دھوم ہے ۔

وکیل ۔ حضرت لکھنؤ بھی عجب دلچسپ و دل رُبا مقام ہے ۔

چھٹن ۔ دلچسپ و دلربا مقام ہے ۔ یوں کہو کہ روضۂ رضواں اسی کا نام ہے۔

سنا رضواں بھی جس کا خوشہ چیں ہے
وہ بیشک لکھنؤ کی سرزمیں ہے

وکیل ۔ میں تو خوبانِ لکھنؤ کی چال کا عاشق ہوں ۔

چھٹن ۔ ان کے خرام ناز کے مقابل میں کبک دری شرمائے تدرو کہسار اپنی چال بھول جائے ۔ یہ ناز یہ انداز یہ شوخی رعنائی یہ چھب یہ کج ادائی کسی نے کہاں پائی ۔ ے

سج ان کی ہے پسند جہاں کو کجی نہ ہو
معشوق پن نہیں اگر اتنی کجی نہ ہو

وکیل ۔ کیا یہ چال ان کو سکھائی جاتی ہے ۔

چھٹن ۔ (مسکرا کر) کیا ارشاد ہوا جی یہ کسبی ہے ۔

کسبی کی لفظ پر قہقہہ لگا اور وکیل نے بڑی تعریف کی اور کہا واقعی کیا لطیفہ فرمایا ہے ۔

سڑک سڑک تو گاڑی پر گئے جب گلی آئی تو اتر پڑے اس مقام پر وہ چپقلش اور کشمکش تھی کہ معاذ اللہ وہ ریل پیل کہ توبہ بھلی ۔ اتنے میں نواب کو دیکھ کر ایک کانسٹبل جھپٹ کر آیا اور بھیڑ کو ہٹانے لگا ۔ آگے آگے کانسٹبل انعام کی طمع سے ہٹو بچو کرتا تھا ۔ اس کے پیچھے نواب صاحب اور ان کے دوست وکیل ان کے دو مصاحب بدر علی اور رشیدی ۔ ان کے بعد ایک چوب دار اور ایک خدمت گار ۔ خدمتگار کے پاس گڑگڑی اور خاصدان اور پانی کی صراحی ۔ اب کیا دیکھتے ہیں کہ روشنی کی چمک سے درگاہ جگمگا رہی ہے ۔ اور دو رویہ دکانوں کی قطار ہے ۔ عجب بہار ہے ۔ نوبت کی ٹکور دل کو بھاتی تھی ۔ لکھنؤ کی شہنائی میاں غوثی کی روح کو وجد میں لاتی تھی ۔ اب درگاہ معلیٰ کے رفیع پھاٹک پر قدم رکھا تو ایک سپاہی نے وکیل سے کہا حضور لاٹھی یہیں رکھ جائیے ۔ نواب صاحب نے فرمایا دے دیجئے ۔

اس درگاہ میں لاٹھی باندھ کر جانے کی اجازت نہیں ہے ۔ نواب صاحب کو دیکھ کر سپاہی نے جھک کے سلام کیا اور کہا حضور تو واقف ہیں ۔ خیر۔ درگاہ میں داخل ہوتے تو عش عش کرنے لگے ۔ اہلِ لکھنؤ کی نفاستِ طبع اور تزک و احتشام کا دم بھرنے لگے ۔

اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک رئیس باوقار ایک محبوب گل عذار کو ساتھ لیے آتے ہیں اور دونوں مسکراتے جاتے ہیں ۔ اس معشوقۂ طرح دار نے کسی بات کے جواب میں عجب دل رُبا ادا سے کہا (نا صاحب) بندی نہ جانے کی بیچ پی ہزار نعمت کھائی ۔ کان پکڑے توبہ کی ۔ اس دن گئی تو کیا آپ نے نہال کر دیا کہ اب پھر ہوس باقی ہو ۔ تم ہر دے گی پچھوں سے اللہ پناہ میں رکھے ۔ رئیس نے جواب دیا واللہ بے وفائی تو تم لوگوں کی گھٹی میں پڑی ہے ۔ اس حاضر جواب نے تنک کر کہا اچھا صاحب پھر ۔ ع ۔

کوئی اہلِ وفا ڈھونڈو اگر ہم بے وفا نکلے

رئیس ۔ اچھا عباسی یاد رکھنا ۔ چلو اور لاکھوں میں چلو بیسچ کھیت چلو ۔ ہمیں پریوں کی تسخیر کا عمل یاد ہے ۔

عباسی ۔ گھر کی پٹکی باسی ساگ ۔ ہم تمہاری ذات بنیاد سے واقف ہیں ۔ تانت باجی اور راگ بوجھا ۔

رئیس ۔ خیر سے آپ کو علم موسیقی میں بھی دخل ہے ۔

عباسی ۔ اجی ہمیں کس میں دخل نہیں ہے ۔ ع

ہر فن میں ہیں استاد ہمیں کیا نہیں آتا

رئیس ۔ خدا نے یہ حسن نہ دیا ہوتا تو ہم رئیس لوگ کاہے کو آپ کی خوشامدیں کرتے ۔

عباسی ۔ (قہقہہ لگا کر) خیر سے آپ بھی رئیسوں میں اپنے تئیں شمار کرتے ہیں ۔ اپنے منہ آپ میاں مٹھو ۔ اور ہمارے حسن میں کیا شک ہے ۔ ع ۔

دھوم ہے آج ہماری بھی پری زادوں میں

اگر تم لوگوں کو اللہ نے آنکھیں دی ہوتیں تو اس کی قدرت کا جلوہ ہم ہی میں پاتے

ہم وہ لوگ ہیں ۔ ؎

بے جا نہیں حسینوں کی یہ بن ترانیاں
اے غافلو یہ حسن امانت خدا کی ہے

رئیس ۔ پچھلی نوچندی کو ہم نے درگاہ میں چلّا باندھا تھا ۔

اتنے میں نواب محمد عسکری صاحب مع رفقاء و مصاحبین سامنے نظر آتے اور چھٹن صاحب سے ملے ۔

چھٹن ۔ آپ سے بغل گیر ہو جیئے ۔ آپ میرے دوست جناب محمد کاظم صاحب وکیل اور رئیس بانس بریلی ہیں ۔

ع ۔ (بغل گیر ہو کر) مزاج شریف ۔ کب تشریف لائے آپ ۔

وکیل ۔ جناب بندہ کل شب کو حاضر ہوا ۔

ع ۔ (چھٹن سے) اس وقت ایک معشوق دیکھنے میں آیا ہے واللہ عجب حسن خداداد پایا ہے ۔

چھٹن ۔ میں دیکھ چکا ہوں معشوق گل عذار ہے یا شان قدرت کردگار ہے ۔

ع ۔ اللہ ۔ ابھرے ہوئے سینے پر پھولوں کی بدھیاں کیا جوبن دکھاتی ہیں اور کانوں کی بجلیاں دل پر بجلی گراتی ہیں ۔ ؎

تارِ سنبل سے نہیں جو رہے کم اک سرِ مو — بید مجنوں کی ہیں شاخیں کہ صنم کے گیسو
عشق پیچاں ہے کہ ہے کاکلِ پیچاں ہر سو — رگِ گل زلف کو باندھا تو یہ مہکی خوشبو

باغباں ہو گیا بدمست تو گل چیں مدہوش
ہو گئے مرغ ہوا رہ گیا صیّاد خموش

چھٹن ۔ یار آج کسی طرح باغ میں بلواؤ تو جانوں ۔

وکیل ۔ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے ۔ امر محال ہے ۔

ع ۔ جی نہیں حضرت امر محال نہیں ہے ۔

چھٹن ۔ محال تو ضرور ہے ۔ مگر تم کوشش کرو تو ممکن ہے ۔

ع ۔ پھر کروں ہی کوشش ۔ یہی مرضی ہے حضور کی ۔

چھٹن ۔ واللہ بڑا لطف ہو ۔ مگر ہم کو اس کا یقین نہین آتا ۔ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے واللہ آسان امر نہیں ہے ۔

ع ۔ اجی تم کو اس سے کیا بحث ہے صاحب ۔ دیکھتے تو جاؤ ۔

محمد عسکری نے ممن کو بلا کر کان میں کچھ کہا ۔ ممن نے کہا بہت خوب حضور ۔ ابھی ابھی بند و بست کرتا ہوں ۔ حضور کا نام سن کر ساری دنیا کو چھوڑ دے گی ۔

ممن نے خدا جانے کیا پٹی پڑھا دی کہ عباسی اور رئیس میں چخ چل گئی ۔

رئیس ۔ تمھاری یہ گھمنڈ کی باتیں ہمیں پسند نہیں آتیں ۔

عباسی ۔ اے تو نہیں بھاتیں تو نہ بھائیں چلو چھٹی ہوئی ۔

رئیس ۔ اس دو دن کے حسن پر یہ گھمنڈ ۔ !!! ۔

آپ اس حسن جوانی پہ عبث ہیں مغرور
صاف ہو جائے گا دو روز میں جوبن کافور
جس کا دم بھرتی ہے تو ہو وہی تجھ سے بزار
آج سے دم میں ترے آئے نہ کوئی زنہار

عباسی ۔ بسم اللہ ۔ ما بجز وشما بہ سلامت ۔

رئیس ۔ تم بے مروتوں سے خدا سمجھے ۔

عباسی ۔ چمار کے کوسے کہیں بیل مرتا ہے ۔

رئیس ۔ چند ہی روز میں لنگوٹی نہ بندھ جائے تو سہی ۔

عباسی ۔ لنگوٹی بندھے تمھارے ہوتوں سوتوں کے ۔

اتنے میں ایک سفید پوش نے رئیس کو للکارا اور کہا عجب بے حمیت آدمی ہو ۔ تم کو آنا ہی کیا فرض تھا ۔

عباسی اپنی مہری پیاری کو لے کر فینس پر سوار ہوئی اور چلدی اور ادھر نواب چھٹن صاحب اور محمد عسکری اور وکیل میں باتیں ہونے لگیں ۔

ع ۔ کیوں صاحب کچھ دیکھا آپ نے ۔ تسخیر اسے کہتے ہیں ۔

وکیل ۔ واللہ مجھے اس وقت حیرت ہے ۔ بڑا ہی کام کیا ۔ خدا جانے کیا پٹی پڑھا دی ۔

ع ۔ یہ یاروں کے چکمے ہیں ۔ بائیں ہاتھ کے کرتب ۔

ممن تو بی عباسی کی فنس کے ساتھ ہو لیے اور نواب محمد عسکری اور نواب چھٹن صاحب گاڑی پر سوار ہو کر چلے کہ چل کر باغ میں اُس صنم شوخ و شنگ سے ملیں اور لطفِ صحبت اٹھائیں ۔ درگاہ کے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ کیا دیکھتے ہیں ایک مشعل روشن ہے اور تین چار سفید پوش روسا، کرام ایک عورت کو ساتھ لیے ہوئے چلے آتے ہیں ۔

وکیل ۔ آپ کے شہر میں یہ بڑی خراب رسم ہے ۔

چھٹن ۔ ہاں ہے تو بالکل تہذیب کے خلاف ۔ مگر طبیعت ۔

وکیل ۔ محض بد تہذیبی ! ۔ ع

عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیئے

چھٹن ۔ ہم کو آپ کی رائے سے اتفاق ہے ۔ واقعی یہ بڑی شرم کی بات ہے ۔ کسی کے ساتھ سر بازار نکلنا اور مشعل روشن یہ کونسی ریاست ہے ۔

ع ۔ اس میں عیب کیا ہے صاحب ۔ یہ تو عین ریاست ہے ۔

وکیل ۔ آپ تو غضب کرتے ہیں جناب نواب صاحب ۔

ع ۔ حضرت ہم تو اس بھونڈی تہذیب کے قائل ہیں ۔

وکیل ۔ ہاں اب تہذیب تو اسی میں رہ گئی ہے کہ زنانِ بازاری کے ساتھ گلی کوچوں میں مارا مارا پھرے ۔

ع ۔ مارا مارا پھرنا کیا معنی اس ٹھسے سے باہر نکلنا رئیسوں امیروں کا کام ہے یا تلنگوں ٹکر گدوں کا ۔ دو چار خدمت گار ہمراہ رکاب ہیں، دو ایک رفیق ساتھ ہیں ۔ مصاحب ہیں ۔ مشعلچی ہے ۔ اور ایک محبوبہ حسینہ ہے ۔ بھلا یہ کسی کو نصیب ہو سکتی ہیں باتیں ۔ اور ان باتوں کو حضور بد تہذیبی قرار دیتے ہیں ۔ شانِ خدا ۔

چھٹن ۔ بھائی صاحب ہے تو بد تہذیبی ضرور ۔ چاہے آپ نہ مانیں ۔

ع ۔ خیر جناب آپ اپنی رہنے دیجیے ۔

حضرتِ ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ
پر کوئی اتنا تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

وکیل ۔ یہاں پر ہم بھی قائل ہو گئے جناب نواب صاحب ۔

ع ۔ (مسکرا کر) اجی آپ ابھی دیکھیں کہاں کہاں قائل ہوتے ہیں ۔

وکیل ۔ یہ ہم نے اسی شہر میں رسم دیکھی ہے ۔

ع ۔ کیا اور کہیں بھی آدمی بستے ہیں سوائے لکھنؤ کے ۔

وکیل ۔ جی نہیں اور تو سب کہیں جانور بستے ہیں ۔

چھٹن ۔ ایک بات تو ہے ۔ لکھنؤ کا سا علم و فضل اور تو کہیں نہیں ہے ۔ بیت العلوم لکھنؤ مشہور ہے ؎

دعویٰ زباں کا لکھنؤ والوں کے سامنے
اظہار بوئے مشک غزالوں کے سامنے

اہل لکھنؤ سے دعوائے زباں دانی ! اے تری قدرت ؎

بت کریں آرزو خدائی کی
شان ہے تیری کبریائی کی

وکیل ۔ اس سے تو ہمیں بھی اتفاق ہے ۔ واقعی ایسا ہی ہے ۔

ع ۔ آپ منصف مزاج آدمی ہیں جناب وکیل صاحب ۔

چھٹن ۔ پڑھے لکھے عالم و فاضل لائق و فائق آدمی ہیں ۔

وکیل ۔ مجھے اس شہر کی گفتگو اور بول چال بہت پسند ہے ۔

ع ۔ آپ نے یہاں کے مشاعرے نہیں دیکھے ہیں ۔

وکیل ۔ جی نہیں دیکھے ۔ آج تک اتفاق نہیں ہوا ۔

ع ۔ اب کیا شاہی کے عہد میں قابلِ دید تھے ۔

وکیل ۔ آپ تو تب بہت ہی کم سن ہوں گے ۔

ع ۔ مجھے تو ہوش نہیں ہے مگر لوگوں کی زبانی سنا ہے ۔

چھٹن ۔ اب شاعر کون ہے استادی تو منشی اسیر صاحب کے دم سے باقی تھی وہ تو ان کے مرتے ہی مٹ گئی ۔ قدر بھی اچھا شاعر تھا ۔ اب ہے کون ۔ ہاں منشی صاحب کے خاندان کو خدا سلامت رکھے ان کے فرزندِ اکبر جناب مرحمت الدولہ بہار الملک منشی غضنفر علی خان بہادر المتخلص بہ حکیم اور جناب افضل الدولہ منشی افضل علی خاں

بہادر افضلؔ ابن اصغر کے آج جھنڈے گڑے ہوتے ہیں اور جناب منشی امیر صاحب امیر مینائیؔ لکھنوی کا کلام واقعی جواہر نثار ہے۔ منشی امیر صاحب ارشد تلامذۂ حضرت اسیرؔ مبرور میں سے ہیں۔ ع۔

دعویٰ زباں کا لکھنؤ والوں کے سامنے

یہ شعر بھی امیر ہی صاحب کا ہے۔

وکیل۔ شعرائے لکھنؤ کے تو ہم بھی قائل ہیں۔

چھٹن۔ ساری خدائی قائل ہے آپ پر کیا فرض ہے۔

ع۔ صباؔ اور وزیرؔ اور آتشؔ اور ناسخؔ کہاں پایئے۔

وکیل۔ ہم کو آتشؔ کا کلام سب سے زیادہ پسند ہے۔

ع۔ ہائے کیا کلام معجز نظام ہے۔ ؎

مگر اس کو فریب نرگس مستانہ آتا ہے
الٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے

چھٹن۔ کیا بول چال اور کیا روزمرّہ ہے۔

ع۔ خواجہ صاحب کی زبان دانی اور سلاست تو مشہور ہے۔

چھٹن۔ زبان اردو کو انھوں ہی نے صاف کیا ہے۔ ؎

طلبِ دنیا کی کر کے زن مریدی ہو نہیں سکتی
خیالِ آبروئے ہمّتِ مردانہ آتا ہے

ع۔ اور سلاست کے ساتھ شان بھی ہے۔

وکیل۔ لکھنؤ اور اہلِ لکھنؤ کا کیا کہنا۔

اتنے میں ایک فنس ملی۔ وکیل نے کہا خدا جانے یہ کس ماہ رُو کی سواری جاتی ہے۔ چھٹن صاحب نے مسکرا کر جواب دیا جس پری پیکر کی سواری جاتی ہے اس کو

---

[1] اسیرؔ۔ نواب مظفر علی خاں اسیرؔ مشہور استاد سخن عہد واجد علی شاہ میں عہدۂ وزارت پر فائز تھے۔ قدرؔ سیّد غلام حسین بلگرامی شاگرد غالبؔ۔ غضنفر علی خاں حکیم خلف اسیرؔ۔ افضل علی خاں بہادر افضلؔ خلف اسیرؔ منشی امیر احمد مینائی امیرؔ شاگرد اسیرؔ۔

آپ ابھی ابھی دیکھیں گے اور ابھی ابھی دیکھ بھی چکے ہیں۔ وکیل سمجھ گئے کہ بی عباسی اسی میں ہیں۔ الغرض گاڑی باغ میں داخل ہوئی مگر سب کی آنکھیں باغ کے پھاٹک ہی کی جانب تھیں باغ میں اس غرض سے گئے تھے کہ تخلیے میں سفر کوہ نینی تال کی نسبت مشورہ ہو گا گویا نینی تال کا سفر جزو ثقیل تھا۔ اپنے نزدیک لندن کا سفر کرتے تھے بلکہ لندن کے سفر میں بھی لوگوں کو اس قدر پس و پیش نہیں ہوتا جس قدر محمد عسکری کو اس دس قدم کے سفر میں پس و پیش تھا مگر مشورہ سفر در کنار رہا۔ بی عباسی کی چاہ نے سب بھلا دیا۔ اب نینی تال کا کسی کو ذرا بھی خیال نہ تھا۔ فنس کے آنے میں دیر ہوئی تو طرح طرح کے خیال دل میں پیدا ہوئے۔ چھٹن صاحب نے کہا بھئی بڑی دیر ہوئی خیریت تو ہے۔ محمد عسکری بولے اب تو ہمارے دل میں بھی کھٹکا پیدا ہوا کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔ وکیل صاحب نے کہا ابھی اسی جگہ پر تو فنس ملی تھی۔ خدمت گار نے عرض کیا کہ حضور دکڑی پر آتے ہیں فنس اور گاڑی کا بھلا کیا مقابلہ ہو سکتا ہے آتے آتے آئیگی کچھ گاڑی تھوڑا ہی ہے کہ گھوڑے ہوا ہو گئے۔

ع۔ نہیں بھئی پھر بھی دیر ہوئی۔ دس منٹ کی راہ ہے۔

چھٹن۔ اور ہم کو یہاں آئے ہوئے کوئی آدھا گھنٹہ ہوا ہو گا۔

وکیل۔ (گھڑی دیکھ کر) ۱۸ منٹ ہوئے جناب۔

اتنے میں روشنی نظر آئی اور سب کو یقین ہو گیا کہ فنس آتی ہے۔ دو منٹ کے عرصے میں فنس باغ کے پھاٹک میں داخل ہوئی اور بی عباسی بصد زیب و تجمل اتریں اور پائنچے سنبھالتی ہوئی اس روش کی جانب چلیں جہاں یہ سب ان کے انتظار میں کھڑے تھے اس وقت بی عباسی کی چال قابل دید تھی یہی معلوم ہوتا تھا کہ مُریلا بن میں پر کھول کے رقص کرنے والا ہے۔

ع۔ ایسی مست چال دیکھی نہ سنی۔ شان خدا ہے۔

عباسی۔ شان کردگار تو ہم لوگ ہیں ہی۔

وکیل۔ اس کے سب بندے تم پر لوٹ ہیں۔

عباسی۔ خیر سے آپ بھی ہمارے چاہنے والے ہوتے۔ ع

اب تو سودا بھی ہمارے چاہنے والے ہوتے

آپ کا دولت خانہ کہاں ہے۔ ؟

وکیل۔ ہمارا دولت خانہ۔ وہ۔ ہمارا۔

عباسی۔ (قہقہہ لگاکر) "ہجے" کیجیے "ہجے"۔

وکیل۔ کیا (ہکا بکا ہوکر) "ہجے" کاہے کے۔

راوی۔ اس فقرے پر سب کے سب کھل کھلا کے ہنس پڑے۔

عباسی۔ اللہ جانتا ہے۔ لکھنؤ کو بھی خدا نے وہ شرف دیا ہے کہ روئے زمین پر اس شہر کا ثانی دوسرا شہر نہیں ہے۔ ع

جام جم پر تف نہیں کرتے گدائے لکھنؤ

وکیل۔ جی ہاں اور ہم دیہاتی ہیں شاید۔

عباسی۔ نام صاحب خاص الخاص شہر کے لوگ ہو۔ وہ تو حضور کی قطع ہی کہے دیتی ہے۔

وکیل۔ آپ کی آنکھیں کیسی ہیں جیسے "بجو"۔

عباسی۔ اور آپ کی قطع مبارک جیسے مگرمچھ۔

اس فقرہ پر محمد عسکری اور چھٹن صاحب اور رفقاء اس قدر ہنسے کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے اور لوٹنے لگے۔ وکیل صاحب کی قطع بالکل مگرمچھ کی سی تھی وہ پھبتی ہوئی کہ چھا گئی۔ اور وہ خود بھی بہت ہی جھینپے۔

ع۔ اتنی دیر میں یہ ایک فقرا ہوا ہے۔

عباسی۔ اے ان پر تو پھبتی کہنا ہی گناہ ہے۔

چھٹن۔ یہ کاہے سے۔ انھوں نے کیا گناہ کیا ہے۔

عباسی۔ بھینس کے آگے بین بجائے بھینس کھڑی پگرائے۔

وکیل۔ تو ہم کو یہ بالکل ہی بے وقوف سمجھتی ہیں۔

عباسی۔ اے توبہ آپ کے دشمن بے وقوف۔

وکیل۔ لکھنؤ کی تعریف بہت سنتے تھے مگر جیسا سنتے تھے۔

عباسی۔ ویسا پایا نہیں۔ اس میں کیا فرق ہے۔

وکیل۔ نہیں اس سے بڑھ کر پایا۔

جھٹن - بی عباسی صاحب بڑے زور مارنے پڑے جب اس وقت آپ کے دیدار نصیب ہوتے اب تو آپ غریبوں سے چھٹی چھٹی رہتی ہیں آخر اس کا سبب تو بتاؤ اگر کوئی قصور ہوا ہو تو امیدوار ہوں کہ معاف فرمائیے ۔ آپ کی سرد مہری تو ستم ڈھاتی ہے اور ہم کو دیکھیے کہ ادھر آپ کو دیکھا اور جان نکل گئی ۔

عباسی - چہ خوش - تو ہمیں بھی آپ نے ملک الموت کا ثانی مقرر کیا ۔

ع - یہ بھی بے تکے آدمی ہیں - ارے نادان ان کا کام جلانا ہے یا قتل کرنا ۔ یہ تو میسحائی کا دم بھرتی ہیں ؎

خوب رُو کج کلہاں صلح و جفا نیز کنند
غنچہ سازند دل و کار صبا نیز کنند

چھٹن - خدا کی قدرت - آپ اور ہم پر مُنہ آئیں ۔

عباسی - اللہ اللہ بڑا غرور ہے آپ کو ۔

چھٹن - کیا مجال تمھارے مقابل میں ؎

حور سے بڑھ کے ہے اس شوخ میں نازک بدنی
گل سے رخسار لب لعل ہیں لعل یمنی

عباسی - یہ میری شان میں فرمایا آپ نے - بندگی ۔

وکیل - میں نے آج تک اس چھل بل کی عورت ہی نہیں دیکھی چھلاوا ہے ۔ انسان کاہے کو ہے ۔

عباسی - بندگی - یہ آپ کی قدردانی ہے ۔

چھٹن - بھئی کس لطف کی بات ہے اور شبِ ماہ نے اور بھی جوبن دونا کر دیا باغ اور چاندنی اور احباب موافق اور معشوق مہ پارہ اس سے بڑھ کر اور کیا لطف ہے اور پھر معشوق بھی ایک طرار در باغ و بہار ۔ ؎

باغ میں بوئے گل تر سے معطر ہے دماغ — ہے مکاں چرخ ثوابت تو کواکب ہیں چراغ
لالہ رُویوں سے دل لالہ پہ ہے رشک کا داغ — باغ رضواں سے بھی بڑھ کر ہے کہیں پایا باغ

چاندنی رات میں ہے چاندنی کا فرش تمام — ماہ تابی کے مقابل ہے قمر بھی اب بام

عباسی ۔ اس کے آگے کا بند نہ کہا تو صحبت بے لطف ہے ۔
چھٹن ۔ وہ آپ فرمایئے مجھے نہیں یاد ہے ۔
عباسی ۔ لطف تو سارا اسی میں ہے ۔ ع

رونق بزم تھا دورِ مے ناب انگور کوئی مدہوش تھا نشے میں تھا کوئی مخمور
اختلاط ایک کو تھا ایک سے دہ عیش و سرور اک پری نازنیں خاموش سی بیٹھی تھی دور

بت کی صورت تھا مگر آفت جان کو سکتا
دل تھا ڈوبا ہوا کچھ ہوش نہ تھے اس کے بجا

چشم رضواں میں کھٹکتی تھی وہ دلچسپ بہار چہچہے کرتے تھے ہر شاخ پہ مرغان ہزار
سبزۂ خطِ رخ غلماں تھا تو طوبیٰ اشجار خضر کے دل کو بہا لے گئی موجِ انہار

شور گل بانگ ہوا اور صاف صدائے قلقل
دل بلبل پہ اُدھر شور نمک خندۂ گل

وکیل اور چھٹن صاحب اور محمد عسکری پھڑک گئے کہ نازک آوازی سے یہ بند ادا کیے ہیں ۔
ع ۔ کیا شراب خوری کا شوق ہے معلوم ہوتا ہے ۔
عباسی ۔ اے توبہ آپ کا کدھر خیال ہے ۔
ع ۔ نہیں ہم سمجھ گئے ۔ ہے کچھ شوق ۔
چھٹن ۔ اچھا پھر ہے تو کیا آپ کا اجارہ ہے ۔
وکیل ۔ اب تو سب پیتے ہیں فی صدی شاید دو چار بچ گئے ہوں ورنہ رسم عام ہے ہمارے شہر میں بھی یہی حال ہے ۔
چھٹن ۔ اجی اب سب کہیں یہی رنگ ہے ۔
وکیل ۔ جی اور کیا ۔
اس گلزار طرب بار اور باغ سراپا بہار میں معشوقۂ زرّیں کمر ماہ سیما صنم جادو نگاہ

حور لقا کی عالم فریبیوں اور سحر طرازیوں نے عجب رنگ اثر جمایا۔ زلف چلیپا نے حاضرین کو دام گیسو میں پھنسایا تو رُخِ انور کی جھلک نے تجلّی کوہ طور کا عالم دکھایا۔ رخسار تاباں پر انگریزی عطر بیز پوڈر نے وہ کام کیا جو کندن پر مینا اور سونے پر سہاگا کرتا ہے۔ چشم فتان ایک تو یوں ہی سحر بابل کو مات کرتی تھی سرمے کی تحریر نے اور بھی ستم ڈھایا۔ گویا کسی مخمور کے ہاتھ میں خنجر بُرّاں دے دیا۔ نواب چھٹن صاحب نے کہا اس وقت اپنے طالع فرخ پر جس قدر ناز کریں می زیبد۔ ؎

بُتانِ سیم بر کا وصل دنیا میں غنیمت ہے
یہ وہ دولت نہیں جو چھوڑ دیئے زاہد کے ایماں پر

عباسی۔ پھر ہم کو اپنے حسن پر ناز کہاں تک نہ ہو۔
چھٹن۔ اجی حضرت۔ ع
بے فیض اگر یوسفِ ثانی ہے تو کیا ہے

بے جا ہے ناز دولت حسنِ شباب پر — صاحب اگر کسی کا بھلا ہو تو جانیے
سنتے ہیں مدتوں سے مسیح زماں تھیں — کچھ اپنے دردِ دل کی دوا ہو تو جانیے

ع۔ ہم تو۔ ان سنگ دل بتوں کے جور سہتے سہتے تھک گئے۔
عباسی۔ اے حضور۔ ع
عشق کے صدمے اٹھانے کو جگر بھی چاہیئے

جورِ بُتاں میں شکر خدا ہو تو جانیے
وقتِ قضا نماز ادا ہو تو جانیے

وکیل۔ باہر کے ارباب نشاط میں یہ بات کہاں۔
ع۔ لاحول ولا قوۃ منزلوں دور۔
وکیل۔ اور شین قاف کیسا درست ہے۔
چھٹن۔ حضرت یہ لکھنؤ ہے جہاں کا چوہا چوہا زباں داں ہے۔
وکیل۔ اس میں کیا شک ہے۔ لکھنؤ کی زباں دانی میں کیا فرق ہے واقعی

عجب دل کش شہر ہے۔

ع۔ اب تو گیا گذرا ہے۔ اب لکھنؤ میں کیا ہے۔

عباسی۔ ہاتھی لٹے گا تو کہاں تک لٹے گا۔ ؎

خدا آباد رکھے لکھنؤ کو پھر غنیمت ہے
نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آہی جاتی ہے

ع۔ اس صورت سے ہم درگذرے۔ ؎

ان بتوں سے سوائے نقصان کے
خاک بھی ہم کو فائدہ نہ ہوا

عباسی۔ فائدہ کیا کوئی پرچون کی دکان رکھی تھی۔

وکیل۔ کس قدر حاضر جواب ہیں آپ۔ ماشاءاللہ۔

ع۔ کیوں نہ ہو۔ ع

حاضر جواب تیز طبیعت زباں دراز

عباسی۔ زبان درازی سے تو حضور اللہ نے ہم کو محفوظ رکھا ابھی تک ہم زبان درازی سے بچے ہوئے ہیں۔ اور اللہ بچائے۔

وکیل۔ آپ واقعی بڑی خوش تقریر ہیں۔

ع۔ اور وہ جن کے پاس آپ تشریف رکھتی تھیں ان سے کیوں بگڑ گئیں۔ پیشتر تو آپ سے اور ان سے بڑا اتپاک تھا تم لوگوں کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ آپ کی طرف کچھ ذرا زیادہ رجوع معلوم ہوتی ہیں وکیل صاحب۔

وکیل۔ جی بجا ارشاد ہوا۔ بندہ ایسا ہی ہے۔

ان بتوں کو ہم فقیروں سے بھلا کیا کام ہے
یہ تو طالب زر کے ہیں اور یاں خدا کا نام ہے

ہم غریب آدمی بھلا اس قدر۔

راوی۔ (اس قدر) کا لفظ کہہ کر وکیل صاحب خاموش ہو گئے۔

چھٹن۔ ایں! آپ کو تو جیسے سکتہ سا ہو گیا۔

ع۔ آئینہ رُو کے سامنے سکتا کیا خوب۔ یہ بھی لطیفہ ہے۔

چھٹن ۔ آپ تو سکندر طالع ہیں۔

ع ۔ مرزا دبیر صاحب مبرورؔ کے صاحب زادے میاں اوجؔ نے اپنے پدر بزرگوار کی وفات کی نسبت کیا اچھی رباعی فرمائی ہے ۔ ؎

افسوس دبیر نکتہ پرور نہ رہا وہ قدر فزائے اہلِ جوہر نہ رہا
روشن ہے کلام کی بقا سے اے اوجؔ آئینہ رہا مگر سکندر نہ رہا

چھٹن ۔ سبحان اللہ!!! روشن کا لفظ ۔ آئینے کے کس قدر موزوں ہے ۔

ع ۔ بڑے باکمال لوگ ہیں صاحب عجب دل کش کلام ہے سبحان اللہ۔

عباسی ۔ (بہ لحنِ داؤدی) ؎

خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا
جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو ایسے سنبلستاں کا

ع ۔ ہائے کیا درد انگیز آواز پائی ہے ۔ واہ واہ سبحان اللہ

عباسی ۔ بندگی عرض ہے (مسکرا کر) مگر عطائیوں کی تعریف ہے کیا ۔

ع ۔ واللہ کیا خوب قدر دانی آپ نے کی ہے ماشاءاللہ۔

عباسی ۔ آپ کی تو تعریف ہی فضول ہے ۔

ع ۔ بندگی ۔ ہم تو آپ کی اس قدر دانی کے قائل ہیں۔ ماشاءاللہ کتنا خوب آپ سمجھتی ہیں آپ کے اس فہم کے صدقے ۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

عباسی ۔ میں بے سمجھے تو بات ہی نہیں کہتی نواب صاحب ۔

نواب چھٹن صاحب نے اس مہوش زریں کمر سے دریافت کیا کہ تم بے وفا بتوں کو مردوں کی کون بات سب سے زیادہ پسند آتی ہے ۔ اس نے مسکرا کر جواب دیا پہلے تو یہ پوچھیے کہ مردوں کی کونسی بات ناپسند ہے ۔ سب سے زیادہ کون بات بُری معلوم ہوتی ہے تو میں جواب دوں کہ سب سے زیادہ ہم کو وہ آدمی بُرا معلوم ہوتا ہے جو گھر میں گھسا رہتا ہے ۔ جب دیکھیے داخل دفتر۔ جورو کی بغل میں دن رات بیٹھے ہیں۔

لہ مرزا دبیر مشہور مرثیہ گو شاعر۔ معاصر میر انیس ۔ اوجؔ ۔ مرزا دبیر کے بیٹے مرثیہ گو شاعر تھے۔

محل سرا سے باہر نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے ۔

محمد عسکری اور وکیل اس معمّے کو نہیں سمجھے مگر چھٹن صاحب دل میں بہت جھینپے کیونکہ یہ فقرہ عباسی نے انھیں پر چپت کیا تھا۔ ان کو اپنی بیوی سے کمال عشق تھا اور اکثر اوقات محل سرا میں بیوی کے پاس بیٹھتے تھے ۔ عباسی کو اس سے نفرت ہونا ہی چاہیے ۔

اس قسم کی عورتیں بھلا یہ کب چاہیں گی کہ رئیس زادوں کو منکوحہ بیوی کی طرف میل ہو ۔ ان کی تو دلی خواہش ہوتی ہے کہ میاں بیوی میں کھٹ پٹ ہو ان کے آشنا اور اس کی بیوی میں دم بھر نہ بنے ۔ نواب چھٹن صاحب ایک حسین خوب رُو اور نوعمر دولت مند رئیس زادے تھے اور سخاوت مروّت علم میں مشہور آفاق ۔ مگر بیوی سے اس درجہ عشق تھا کہ کبھی کسی عورت کی جانب آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھتے تھے ۔عباسی ان کی فیاضی اور جود و کرم کا حال بخوبی سن چکی تھی ۔ ایک روز جب انھوں نے عباسی کو صرف دل لگی مذاق ہنسنے بولنے کے لیے بلوایا تو وہ سوچی کہ یہ اچھا موقع ملا ہے کہ ان کو پھانس دوں سونے کی چڑیا ہاتھ سے نہ جانے پائے ۔ شب کو نواب چھٹن صاحب حسبِ معمول نو بجے تک باہر بیٹھے اور گپ شپ دل لگی مذاق میں مصروف رہے نو بجے کے بعد خدمت گار کو حکم دیا کہ بی عباسی کے کہاروں کو حکم دیا کہ تیار رہوں ۔ عباسی بولی ۔ کیوں کہاروں کو تیار رہو تے کیا دیر لگتی ہے ۔ کیا یہ کوئی گاڑی ہے کہ باہر نکالئے اور جوتئے اور گھوڑوں کے لانے میں آدھا گھنٹہ صرف ہو گا نواب چھٹن صاحب نے سادہ دلی سے کہا ہمیں اس وقت نیند آتی ہے ۔ آنکھیں جھکی پڑتی ہیں ! ۔ اس پر ان کے ایک دوست نے دل لگی سے جواب دیا میاں نیند کا تو خیر بہانہ ہی بہانہ ہے مگر اصل میں ڈر اور خوف بھی کیا بُری چیز ہے ۔ خدا نہ کرے کہ کسی مرد پر بیوی غالب آجائے ۔ نواب صاحب مسکرانے لگے ۔ کہا خیر آپ کی بلا سے ہم زن مریدی ہی سہی ۔ آپ بڑے مردوے بنے ہیں چھُٹ پنے سے میری عادت میں داخل ہے کہ شب کے ۹ بجے سے سو رہتا ہوں اور تڑکے دُھندلکے گجردم اُٹھتا ہوں ۔ خلاف عادت اگر بارہ بجے یا ایک بجے سو ؤں تو طبیعت میں ہرج واقع ہو یا نہ ہو فرمائیے ؟ ضرور ہو ۔ پھر ایسے کام کرنے سے کیا فائدہ جس سے صریحی نقصان متصور ہے ۔ بھلا اس میں کونسی جوانمردی

ہے کہ جورو سے مخاطب نہیں ہوتے برسوں بیوی سے بات چیت نہ دارد ۔ بول چال ترک مہینوں گذر گئے وہ ان کی صورت اور یہ اُن کی صورت دیکھنے کو ترستے ہیں یہ کون عقل کی بات ہے ۔ مرد زیرک اس سے ضرور اجتناب کرے گا۔

عباسی کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے آوازے کسنے شروع کیے اے ہے مجھے اللہ جانتا ہے یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ جورو کے مرید ہیں۔ بس بس الگ ہی رہئے گا۔ جورو کو جورو کی طرح رکھنا چاہیئے یا اس کا نوکر بن جانا چاہیئے ۔ جورو تو گھر کی مرغی ہوتی ہے ۔ اور گھر کی مرغی دال برابر۔ گھر کی جورو سے کیا خوف ہے ۔ بیوی کو ایک شخص نے شرعی چڑیل کہا ہے ۔ اور چڑیل کا قاعدہ ہے کہ جب پیچھے پڑتی ہے (تھوتھو) بے ہلکان کیے نہیں رہتی اور عمر بھر پیچھا چھوڑتی ہی نہیں ۔ بیوی بھی عمر بھر ساتھ رہتی ہیں اور شرع کی رو سے عمر بھر کی ساتھی ہے تو اسی سبب سے گھر کی جورو کو شرعی چڑیل (تھوتھو) کہتے ہیں ۔

نواب چھٹن صاحب کہ اپنی بیوی کے عاشق جان نثار تھے عباسی کی اس گفتگو اور تشبیہ سے بد دماغ ہو گئے ۔ مگر آدمی تھے صاحب مروت اور ذی فہم خفگی ظاہر نہیں ہونے دی اور ہنس کے بات ٹالنی چاہی مگر عباسی کب چوکنے والی تھی ۔

عباسی ۔ اے نواب سچ کہنا تمھاری بیوی کا سن کیا ہے ۔

ع ۔ (قہقہہ لگا کر) ہاں ہاں ضرور دریافت کیجئے ۔

چھٹن ۔ پہلے نواب محمد عسکری سے پوچھو پھر ہم سے ۔

ع ۔ جی تو بندہ زن مرید نہیں ہے ۔ بھائی صاحب ۔

چھٹن ۔ واہ صاحب ہم زن مرید ہی سہی پھر آگے فرمایئے ۔ سبحان اللہ۔

عباسی ۔ نواب محمد عسکری صاحب کی ایک بیوی آپ کی طرح ہو تو ہم عمر دریافت کریں۔ ان کا تو یہ مقولہ ہے ؎

زن نو کن اے دوست در ہر بہار
کہ تقویم پارینہ ناید بکار

ہر فصل بہار میں ایک نئی ہو ۔ تب تو لطف ہے ۔

چھٹن ۔ ایسے لطف کو بندے کا دُور ہی سے سلام ہے ۔ بس خدا محفوظ رکھے۔

عباسی۔ ہاں قدرت کی باتوں سے آپ بھی مجبور ہیں۔

ع۔کیا لطیفہ ہوا ہے۔ مانتا ہوں واللہ پھڑک گیا۔

خیر۔ یہ تو کوئی دو تین برس کا ذکر ہے۔ عباسی کو یہ گفتگو بخوبی یاد تھی۔ اور نواب چھٹن صاحب کو بھی۔ جب عباسی نے کہا کہ جو مرد وے زن مرید ہوتے ہیں ان سے ہمیں نفرت ہے۔ تو چھٹن صاحب اپنے دل میں کٹ گئے۔ اس دن محمد عسکری بھی شریک صحبت تھے مگر ان کو یہ فقرہ نہیں یاد تھا۔ عباسی نے کان میں کہا (کچھ سمجھے ہیں اس وقت کیا کہہ گئی) محمد عسکری ہکا بکا کیا۔ اس وقت میرا خیال اور طرف تھا۔ عباسی نے آہستہ سے کہا یہ زن مرید کی پھبتی کس پر ہوئی محمد عسکری کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ اور کہا نواب چھٹن صاحب اب تو یقین ہے آپ کے آرام کا وقت آ گیا ہو گا۔ اب آپ جایئے از برائے خدا جاؤ۔ دیکھو ایسا مت ہو بیوی جھاڑو لے کے گرد ہوئی تو پھر کرتے دھرتے کچھ نہ بن پڑے۔

عباسی۔ (تجاہل عارفانہ) یہ کاہے سے کہا آپ نے وہ گھر میں کون ایسا ہے جو ہمارے نواب صاحب کے ساتھ جھاڑو بازی کرتا ہے۔

ع۔ ان کو ایک شخص کا اپنے گھر میں بڑا خوف ہے۔

عباسی۔ اخاہ! ہم سمجھ گئے۔ ان کی والدہ ہوں گی۔

راوی۔ اس پر بڑا فرمائشی قہقہہ پڑا۔ اور محمد عسکری اور وکیل خوب ہنسے۔

وکیل۔ اس وقت تو کچھ عجیب و غریب بات سنائی بی عباسی صاحب۔

ع۔ بڑی تیز ہوئی ہاہاہا (پھر قہقہہ لگایا)

وکیل۔ نواب صاحب۔ ذرا ادھر تو دیکھئے یا الٰہی! ؎

کس سوچ میں ہو نسیم بولو

آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

عباسی۔ دل لگی ہے ہم سے کوئی فقرہ بازی میں بھلا بڑھ جائے۔

ع۔ جی اس میں کیا شک ہے بی عباسی صاحب آپ ایسی ہی ہیں۔ کیا کہنا آپکا۔

وکیل۔ (چھٹن صاحب سے) صاحب یہ سکوت کیا معنی۔ کوئی بات ہے۔

ع۔ خاموش رہیئے صاحب وہ بولتے کم سوچتے بہت ہیں۔

عباسی ۔ اب جھینپے ہوئے کو جھنپانا ستم ہے ۔ خدا کی قسم اب ہم بات کو ٹالے دیتے ہیں ۔ ؎

ملنے سے گل رخوں کے کچھ انکار بھی نہیں
دیں خار اگر ہمیں تو یہ درکار بھی نہیں

چھٹّن ۔ لاحول ولا قوۃ ! کیا بے تکا شعر ہے ۔

ع ۔ اس وقت تو جلے بھُنے بیٹھے ہیں نہ آپ ۔

عباسی ۔ آپ کوئی تکدار فرمائیے ۔ آپ کی شان میں تو بس یہ شعر کافی ہے ۔

طلب دنیا کی کر کے زن مریدی ہو نہیں سکتی
خیالِ آبرُوئے ہمّتِ مردانہ آتا ہے

اس زن مریدی والے شعر نے سب کو پھڑکا دیا وکیل نے بی عباسی کی ذہانت اور حاضر جوابی کی بڑی تعریف کی اور کہا خوبانِ لکھنؤ کی طراری اور روزمرّے کی جو تعریف سنی تھی اس سے بدرجہا زیادہ پایا ۔ ؎

می شنیدم کہ راحتِ جانی
چوں بدیدم ہزار چندانی

محمد عسکری نے بھی تعریف کے پل باندھ دیئے اس وقت آپ نے بڑا ہی محظوظ کیا بی عباسی جان ۔ وہ بولیں میں کس قابل ہوں ۔ یہ سب آپ رئیسوں کے فیضانِ صحبت کا اثر ہے کہ خیر اس قابل ہوئی ہوں کہ چار بھلے مانسوں میں بیٹھ سکوں ۔ ورنہ من آنم کہ من دانم مگر نواب چھٹن صاحب کا دم غنیمت ہے ۔ اللہ ان کو جرآت دے آج ان کے سبب سے بڑا دل بہل گیا ۔ لیکن اب تو تو کا عمل ہے ایسا نہ ہو دیر ہو جاتے تو لے دے ہونے لگے ۔ ہم تو خیر خواہ ہیں آپ کے بدخواہ نہیں ہیں ۔ گھر میں خواہی نخواہی کاہے کو جوتی پیزار ہو ۔

ع ۔ آج تو بی عباسی کچھ چھٹن صاحب پر بہت تیز ہیں ۔ یہ ماجرا کیا ہے ۔

وکیل ۔ جی ہاں برابر انھیں پر فقرے آتی ہیں ۔

عباسی ۔ اے آج تمھیں یہ کیا ہو گیا ہے ۔ برابر منہ کی کھاتے ہو کیا عقل کہیں گرو رکھ دی ۔

ع۔ آج صبح یہ چھینکتے اٹھے تھے ۔ جب ہی یہ حال ہے۔

چھٹن ۔ ہمارے لیے بے زبانوں کو بھی زبان آتی ہے ۔

ع۔ خدا کی شان ہے ۔ ہم اور بے زبان! ماشاءاللہ اے تری قدرت۔

چھٹن ۔ آج طبیعت کچھ پریشان سی ہے ۔ واللہ اعلم کیا سبب ہے پریشانی کا باعث کیا ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا۔

عباسی ۔ اے دشمنوں کی طبیعت پریشان ہو ے

روز سیہ نصیب ہو موذی کے واسطے

دنیا میں کوئی ہو نہ پریشاں سوائے زلف

ع ۔ عباسی بھی کتنی محبتی معشوق ہیں واللہ کیوں حضرت ؟

وکیل ۔ اس میں تو شک نہیں ۔ اور صاحبِ تمیز و خوش چلن ۔

چھٹن ۔ خاک ۔ بدقطع ۔ بھدّی ۔ ہرجائی ۔ زبان دراز عقل کی دشمن ۔

بیگم صاحب پر محمد عسکری کا افشائے راز اُدھر ناز اِدھر نیاز

ادھر تو عباسی نواب چھٹن صاحب پر آوازے کستی تھی کہ زن مرید ہیں ۔ جورو کے غلام کے غلام ہیں ۔ دن رات گھر میں گھسے رہتے ہیں ۔ بیوی کا نام سن کے کانپ اٹھتے ہیں ۔ تھرّا جاتے ہیں ۔ اور محمد عسکری اور وکیل وغیرہ قہقہے لگاتے تھے ۔ اور ادھر محل سرا میں بیگم صاحب کی عجب کیفیت تھی ۔ ان سے کسی نے جاکے جڑ دی کہ نواب صاحب باغ میں گل چھرے اڑاتے ہیں ۔ اور کئی لولیانِ شوخ و شنگ رشکِ پری رخاں فرنگ بلوائی گئی ہیں ۔ جھولے پڑے ہیں مل مل کے جھولتے ہیں ۔ عشق کے پینگ بڑھے ہوئے ہیں ۔ یہ سن کر بیگم صاحب جھلاّ اٹھیں اور دل ہی دل میں برا بھلا کہنے لگیں مہری نے کہا حضور کچھ دن کے لیے یہ عادت چھوٹ گئی تھی ۔ رئیسوں کی طبیعت کا کچھ ٹھکانا نہیں ہے ۔ ان کے قول کا اعتبار نہ فعل کا اور اصل میں پوچھیے تو عادت تو کوئی بھی نہیں چھوڑی تھی ۔ شاہ چھڑا کی گلی روز پہنچتے تھے ۔ ہاں آپ کے کہنے سننے سے اتنا ہو گیا تھا کہ چھاتی پر کودوں نہیں دلتے تھے ۔

ب ۔ (بیگم) اور وہ اب کسی کو نوکر رکھ لیں تو میں کیا بنا لوں گی بھلا ۔
م ۔ (مہری) اے حضور توبہ کیجئے عورت کا کیا بس ہے ۔
ب ۔ مگر مجھے کیسے پتے پتے کی خبر پہنچتی ہے ۔
م ۔ حضور یہ سارا فساد اس موئے ممّن کا ہے ۔
ب ۔ اس کا جنازہ نکلے موے کا تو میں خوش ہوں ۔
م ۔ حضور اس کام کا انجام بد ہے ۔ دیکھ لیجئے گا ۔
ب ۔ ارے ان موے خوشامد خوردن کو کوسنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا ہے حیا کی بلا دُور ۔ کوسنے سے اور پنپتے ہیں ۔
م ۔ سنا وہاں نواب چھٹّن صاحب بھی گئے ہیں اور کسی کو ساتھ لے گئے ہیں ۔
ب ۔ چھٹّن صاحب لٹاؤ نہیں ہیں ۔ ہیں فیاض مگر ایک قرینے کے ساتھ ۔
م ۔ ادھر اُدھر جانے آنے اور ربیسواؤں کی پرورش کرنے کا مرض وہ نہیں پالتے ۔
ب ۔ اور غیر سے تمھارے سرکار ۔ ان کو تو چا ہے ۔
م ۔ اے حضور قارون کی سلطنت ہو تو یہ انھیں لوگوں کو دم کے دم میں بخش دیں ۔
ب ۔ آنے تو دو تم ۔ میں ہوں اور وہ ہیں ۔
م ۔ ہاں ہوگی خوب ۔ میں تو سمجھی ہوئی ہوں ۔

اتنے میں مہری کو کسی نے باہر سے پکارا ۔ مہری جھپٹتی ہوئی گئی اور وہاں سے آکر مسکرا کے کہا کہ حضور باغ میں تو بڑے قہقہے پڑ رہے ہیں ۔ بڑی چہل پہل ہے ۔ ابھی مالی باغ سے آیا ہے وہ کہتا ہے کہ بڑی دھما چوکڑی مچ رہی ہے ۔ اور ہمارے سرکار کنہیا بنے ہوے بیٹھے ہیں ۔ کہتا تھا کہ شاید دو تین دن کا پڑاؤ ہے خوب ہی دھما چوکڑی مچے گی ۔ بیگم صاحب نے کہا ہمیں افسوس ہے کہ انھیں کھیل کود کی باتوں میں یہ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اور نہ ریاست دیکھتے ہیں نہ کاغذ دیکھتے ہیں ۔ نہ گھر کا بندوبست کرتے ہیں ۔ کارندے سب لوٹے لیتے ہیں ۔ کوئی دیکھنے بھالنے والا ہی نہیں ہے ۔ ایک کارندہ بھی خیر خواہ ہوتا تو خیر ۔ یہاں تو جو ہے لوٹنے گھسوٹنے والا ہے پھر بھلا جاگیر میں ترقی کیونکر ہو ۔ میں سوچتی ہوں کہ آخر یہ کھیوا کیونکر پار ہوگا ۔ یہ ہو گا کیا ۔ اس طرح کی خرمستیوں میں ریاست کب تک رہے گی ۔ بڑی تباہی نصیب دشمناں ہونے

والی ہے مگر کیا کروں میرا اس میں کیا بس ہے۔ کوئی لاکھ کہے صلاح دے وہ اس کان سے سنتے ہیں اس کان سے اڑا دیتے ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے۔

مالی نے تو صرف اسی قدر کہا تھا کہ باغ میں عبّاسی آئی ہے اور کوئی ایک بجے تک اب وہاں رہیں گے مگر مہری نے شوخی سے بیگم صاحب کی خوشامد میں آن کے یہ نمک مرچ لگایا کہ ابھی دو تین دن قیام ہوگا اور کئی لولیاں آئی ہیں۔ اور چنیں وچناں بیگم صاحب کو تاب کہاں کہ یہ حال سنیں اور خاموش ہو رہیں۔ یہ اور عورتوں کی طرح پرطرح دینے والی نہ تھیں۔ اور محمد عسکری بھی ان کو بہت مانتے تھے لہذا ان کی شہ پانے سے یہ اور بھی شیر ہو گئی تھیں۔ اور حقیقتِ حال یوُں ہے کہ بیگم صاحب کی فہمائش اور صلاح سے نواب محمد عسکری کا بڑا فائدہ ہوتا۔ مگر وہ ان کی صلاح کے مطابق چلتے ہی نہ تھے بلکہ ان کی فہمائش پر ہنستے تھے اور بعض اوقات برا مان جاتے تھے۔ لہذا انھوں نے ہار کر اور تھک کر کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ مگر کبھی کبھی جب یہ نواب صاحب کے دھمکانے کے لیے رُوٹھ جاتی تھیں تو نواب صاحب بمنّت وسماجت مناتے تھے اور بیگم صاحب کی بات پوری ہو جاتی تھی۔

بیگم صاحب کو شک کی جگہ یقینِ کامل ہو گیا کہ نواب محمد عسکری بھی تین چار روز تک باغ میں لولیاں مہ لقا و رنگین قبا کے ساتھ گل چھرے اڑائیں گے۔ شب کو کوئی دس بجے خالی پلنگ پر سو رہیں اور نواب صاحب کی بے اعتدالیوں اور بیضابطگیوں کی فکر میں نیند آگئی خواب دیکھنے لگیں کہ محمد عسکری باغ میں بیٹھے ہیں وسط باغ میں سنگ مرمر کا ایک خوش قطع اور خوش نُما چبوترہ ہے اس پر چاندنی کا صاف ستھرا فرش بچھا ہے۔ چوطرفہ چاندنی بکھری ہے اور نواب صاحب کے اردگرد پانچ چھ پری رُخ پری زادہ، پری رُو، معشوق متمکن ہیں اور دور بادۂ گلگوں چل رہا ہے۔ سامنے کئی توڑے چُنے ہوئے ہیں۔ اور نواب صاحب کھنا کھن انعام دے رہے ہیں قریب تھا کہ یہ ایک ڈانٹ بتائیں کہ دفعتہً ان کی آنکھ کھل گئی تو کیا دیکھتی ہیں کہ ان کے گورے گورے رخساروں پر کوئی شخص ہاتھ پھیر رہا ہے اور موم بتی گل ہے مارے خوف کے بدن تھر تھر کانپنے لگا رونگٹے کھڑے ہو گئے تمام جسم لرزنے لگا۔ سوچیں کہ یا الٰہی یہ کیا ماجرا ہے۔ پہلے تو سمجھیں کہ چور ہے خدا ہی خیر کرے۔ اس وقت

یہاں سب سوتے ہیں میں اکیلی کیا کروں گی۔ بولوں تو دم فنا ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ گلا گھونٹ ڈالے پھر خیال آیا کہ اگر چور ہوتا تو اب تک زیور پر ہاتھ ڈالتا یہ چھلاوا ہے اس خیال سے اور بھی زیادہ پریشان ہوتیں اور چپکے چپکے زار زار رونے لگیں کہ اتنے میں پھر ہاتھ محسوس ہوا۔ تو کلیجہ دھک دھک کرنے لگا۔

اتنے میں وہ ہاتھ بڑھا اور بیگم صاحب کو اٹھانے کی کوشش کی تب تو انھوں نے غل مچانا شروع کیا مگر گھگھی بندھ گئی اس پر کسی نے کہا (ارے توبہ گھبراؤ نہیں گھبراؤ نہیں میں ہوں) بیگم صاحب کی جان میں جان آئی۔ کہا۔ واہ ایسی ہنسی سے ہم درگذرے۔ تو یہ جان نکل جاتی تو کیا ہوتا۔ اللہ جانتا ہے میری جان پر بن آئی تھی۔ کلیجہ دھک دھک کرتا تھا اور جو دم نکل جاتا۔ (اُف) نواب صاحب نے کہا۔ اُفوہ کس قدر پسینہ آگیا ہے توبہ۔ مجھے اس وقت یہ سوجھی کیا۔ میں سمجھتا تھا کہ تم سمجھ جاؤ گی مگر تم سنکی تک نہیں ذرا کلبلائیں تک نہیں۔ میں سمجھا سوئی ہوئی ہو تب تو میں نے تم کو اٹھایا۔ بیگم صاحب نے اٹھ کر پیش خدمت کو بلایا ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پیا۔ مُنہ دھویا۔ کہا۔ اف ذرا تسکین ہوتی چلی ہے۔ خدا کے واسطے اب پھر ایسی حرکت نہ کرنا۔ یہ کب کی عداوت تم نے نکالی تھی آج نواب صاحب کو سخت ملال ہوا کہ یہ مجھے بیٹھے بٹھائے کیا سوجھی بیگم صاحب کی بڑی خوشامد اور منّت سماجت کی۔

اب سنیے کہ گھر بھر میں کھلبلی مچ گئی۔ ماما پیش خدمت مہری دواجی یہ وہ سب دوڑی آئیں۔ کوئی پیشانی پر ہاتھ رکھتی ہے۔ کوئی تلوے سہلاتی ہے ایک صندل گھس کے لائی۔ دوسری عطر سنگھانے لگی۔ اب رسوخیت جتانے کے لیے خوشامد میں آکے ایک دوسری سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگی۔

مہری۔ اے حضور یہ کیا ہوا گیا۔ توبہ توبہ۔

پیش خدمت۔ جیسے ہی بیگم صاحب نے آواز دی۔ میں گھبرا کے اُٹھی کہ بے وخت (وقت) سرکار کا بیدار ہونا بے سبب نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔

دوا۔ اور تمھاری آواز سن کر میں چونک پڑی۔

مہری۔ حضور اب ذری ذری آرام ہوتا چلا ہے۔ ؟

بیگم۔ دل قابو میں نہیں ہے۔ کلیجہ بلیوں اُچھلتا ہے۔

ع ۔ یہ سب ہماری حماقت کا نتیجہ ہے ۔ لاحول ولا قوۃ !

مہری ۔ حضور نے کیا کیا خدانخواستہ کیا کہہ دیا ایسا ۔

ع ۔ نہیں خدا کی قسم کچھ نہیں کہا میں کیا ایسا ظالم ہوں ۔

ب ۔ اور میں اس وقت ایک خواب دیکھ رہی تھی ے

سحر بعین شکر خواب میں نے دیکھا خواب
وہ خواب یوسف مصری کے خواب سے نایاب

غریق لجۂ حیرت ہوں اور یہ عالم ہے
کسی کو گھیر لے دریا میں جس طرح گرداب

بقائے ہستی عالم کا ہے یہاں یہ نشاط
کہ جیسے دیکھے کوئی عین تشنگی میں سراب

ع ۔ یہ خواب ہے یا بحر طویل یا قصیدہ ۔ اچھا خواب ہے ۔

ب ۔ خواب کا حال بڑے جھگڑے کا ہے ۔ اور یہاں دم نہیں ۔

ع ۔ ایسا کون خواب تھا ہم بھی تو سن لیں ذرا ۔

ب ۔ بس اب چپکے ہی بیٹھے رہو صاحب ۔ زبان نہ کھلواؤ بہت ۔

ع ۔ ہم نے کیا قصور کیا ۔ خواب تم دیکھو ۔ دھرے جائیں ہم ۔

ب ۔ اس وقت طبیعت بے مزہ نہ ہوتی تو سیر دیکھتے ۔

ع ۔ کیا سچ مچ کوئی بات ایسی ہوئی ہے ۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ہے کیا ۔ ے

سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے کوئی بات ذوقؔ اس کی
کوئی بوجھے تو کیا بوجھے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

تم تو پہیلیاں بجھواتی ہو ۔

ب ۔ خوب سمجھتے ہو دل میں خوب سمجھتے ہو ۔ یہ اڑان گھاتیاں اور ہم سے خدا کی شان ! بھلا آخر اتنا تو سوچو کہ کیا میں دودھ پیتی لڑکی ہوں ۔

ع ۔ وہم کی دوا تو لقمان کے پاس بھی نہ تھی ۔

ب ۔ جی بجا ہے ۔ وہم کوئی اور کرتا ہوگا ۔

ع ۔ اب اس سے بڑھ کر وہم اور کیا ہو گا ۔ بھلا کیا اس کا نام وہم نہیں ہے ۔ وہم اور کسے کہتے ہیں ۔

ب ۔ یہ باغ میں آج کیا دھما چوکڑی مچی تھی ۔

ع ۔ لاحول ولاقوۃ ! ہم تھے اور نواب چھٹن صاحب اور ان کے ایک دوست اور بس ۔

ب ۔ اُن کے سوا جو کوئی اور ہو تو اس کا جنازہ نکلے ۔

ع ۔ کیوں کوستی ہو بیگم یہ بڑی بُری عادت ہے ۔

مہری ۔ اے بوا اور سنو ۔ اے حضور اگر جھوٹ ہے تو پیش باد کہدیا ہوتا ۔

نواب محمد عسکری صاحب کے دل میں خود چور تھا ۔ بیگم صاحب نے جو عباسی کو کوسا تو انھوں نے ظاہر میں رنج و ملال کا اظہار نہیں کیا مگر دل میں البتہ بُرا مانا کلیجے میں چوٹ لگی کیونکہ اس صنم پری پیکر رشک قمر کی ادائے دل ستاں پر یہ ہزار جان سے عاشق اور اس کی شمع رُخسار انور کے پروانہ تھے ۔ بیگم صاحب کے خوش کرنے کے لیے کہا کہ خدا گواہ ہے وہاں صرف چھٹن صاحب کی خاطر سے عباسی کو آنے کی اجازت دی تھی اور وہ بھی اس سبب سے کہ اُن کا باغ ہے اور ان کے ایک دوست جو بانس بریلی میں وکیل ہیں عباسی کو دیکھنا چاہتے تھے ان کے اصرار سے بلانا پڑا مگر ہم کو اس قسم کی صحبت پسند نہیں ہے اس نے آتے کے ساتھ ہی چھٹن صاحب پر آوازہ کسنا شروع کیا کہ تم زن مرید ہو دن رات گھر ہی میں گھسے رہتے ہو جب دیکھو داخل دفتر ۔ نواب صاحب کہاں ہیں محل سرا میں کس شغل میں ہیں ۔ بیگم صاحب کے پاس بیٹھے ہیں کیا کرتے ہیں ۔ وہ بناؤ کرتی ہیں اور آئینہ دیکھتی ہیں اور آپ ان کو یہ دیکھتے ہیں ۔

روٹھے کو منانا

محمد عسکری نے عمداً و قصداً بیگم صاحب کے چھیڑنے کی غرض سے یہ باتیں کی تھیں وہ سُنتے ہی آگ بھبوکا ہو گئیں ۔ کہا ان بے سواؤں پر علم بردار کا علم ٹوٹے اور اللہ ان سے سمجھے ۔ انھیں کی بدولت صد ہزار ہا گھر پلٹ گئے ۔ جس گھر میں یہ گھسیں اس کو ستیاناس کر دیا ۔ ان کے کاٹے کا منتر ہی نہیں ہے ۔ ان کا کاٹا منہ سے بولے نہ سر سے

کھیلے۔ باتیں سُنو اگر کوئی بھلا مانس اپنے بال بچّوں لڑکے بالوں میں بیٹھے تو نام دھریں۔ گھر میں گھسے رہتے ہو۔ اَچھوتے میں رہتے ہو۔ گھر سے باہر نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ تو ان کا تو مطلب یہ ہے تا کہ گھر کی جورو کو مرد دھتا بتاتے اور ان کے گھر میں ہُن برستا رہے۔ میرا بس چلے تو اُن کو کھڑے کھڑے چنوا دوں یہ باتیں تو کوئی سُنے۔ جب دو چار برابر والے دوست باہم مل کر بیٹھیں گے اور ایک پر آوازے کسے جائیں گے کہ جورو کے بندے آئے۔ بیوی کے غلام آئے۔ یہ دن رات گھر ہی میں گھسے رہتے ہیں تو وہ خواہی نخواہی جھیپے گا۔

نواب صاحب نے کہا ہم تو صرف اس کے خواہاں تھے کہ غزل سنیں۔ ہم تو گانے پر جان دیتے ہیں۔ ایک غزل اس نے بڑے مزے سے گائی تھی۔ خدا سر دے تو سودا دے تری زُلفِ پریشاں کا۔

ب۔ اے یہ غزل ہے واہ ماشاء اللہ اچھی غزل ہے۔

ع۔ یہ غزل نہیں ہے پھر کیا لاوَنی ہے۔ یا ٹھمری ٹپّا۔

ب۔ یہ غزل نہیں ہے۔ یہ اگلے وقت کے بوڑھے چونچلے ہیں۔ غزل اس کو کہتے ہیں۔ ؎

نازکی کہتی ہے تسمہ تو لگا رہنے دے ۔۔۔ ناز کہتا ہے لگی میری بلا رہنے دے
اے نمک پاش خدا کے لیے چٹکی نہ رُکے ۔۔۔ کوئی دم اور تڑپنے کا مزا رہنے دے
دل لیا ہوش لیا صبر لیا جان ہی چھوڑ ۔۔۔ کچھ تو گھر میں مرے اے دُزدِ حنا رہنے دے
اک کھٹک سی ہے مزے کو ہمیں درکار جنوں ۔۔۔ کوئی کانٹا کسی چھالے میں پڑا رہنے دے

سو چمن صدقے کیے دامنِ گلچیں پہ امیرؔ
ذکر پھولوں کا یہاں بادِ صبا رہنے دے

ع۔ کیا اچھا اور ستھرا کلام ہے۔ امیرؔ کا کلام مقبول انام ہے۔ اور روزمرّہ کتنا صاف ہے۔ منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی ہیں۔ عجب خداداد طبیعت پائی ہے۔ ع
گویا سلمان ساوَجی[1] ہے

---

[1] سلمان ساوَجی: فارسی کا بلند مرتبہ شاعر متوفی ۷۷۸ھ

محمد عسکری نے کہا یہ ہماری بڑی خوش نصیبی تھی کہ تم ایسی پڑھی لکھی بیوی ملیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اس شہر میں ایسی اور کوئی رئیس زادی نہ ہوگی۔ بیگم صاحب تنک کر بولیں بس خوشامد کو بالائے طاق رکھیے۔ یہ چکنی چپڑی باتیں تہ کر رکھیے۔ مُنہ پر دولیک دل خوش کرنے کی باتیں کہہ دیں باہر جا کے مونچھوں پر تاؤ دینے لگے کہ ہم بیوی کو گھر کی مرغی سمجھتے ہیں اوران لوگوں میں نہیں ہیں جو دن رات گھر ہی میں گھسے رہتے ہیں۔

بیگم صاحب کا یہ قول قابل غور ہے۔ اور سراسر صحیح۔ ہندوستان میں یہ بڑا فخر سمجھا جاتا ہے کہ گھر میں بہت کم بیٹھتے ہیں۔ فلاں شخص دن رات عورتوں ہی میں گھسا رہتا ہے۔ زنانِ منتری ہے غرض کہ پہر دوپہر بھی اگر میں بیٹھا تو لوگ نام رکھنے لگے۔ اور یورپین کو دیکھئے کہ ہوا کھائیں گے تو بیوی کے ساتھ، گرجا جائیں گے تو بیوی کے ساتھ ناچیں گے گائیں گے تو لیڈی کے ساتھ، میلے ٹھیلے جائیں گے تو لیڈیاں ساتھ دعوت میں جائیں گے تو لیڈیاں ساتھ۔ جنازے کے ساتھ تک لیڈیاں ہوتی ہیں۔ حاشا ہم نہیں کہتے کہ عورتوں کو بہت ہی انتہا کی آزادی اور مطلق العنانی دیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ پردے کی رسم کو دفعتہً اُڑا دیں۔ یہ خیالات کئی صدی سے ان کے دلوں میں جاگزیں ہیں۔ اور پردے کے بعض بعض فوائد بھی نظر آتے ہیں۔ مگر بیوی کے پاس بیٹھنے میں کون عیب ہے۔ اس میں کیا فخر ہے کہ دن رات گھر کے باہر رہتے ہیں۔ صبح گھر سے نکلے تو دو بجے رات کو داخل ہوئے یہ کون عقل کی بات ہے؟

خیر اتنے میں بیگم صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔ اچھا جب جانیں تمھیں ہماری دلی محبت ہے کہ ہم سے باغ کا حال صاف صاف کہہ دو نواب صاحب نے کہا۔ میں تو کہہ چکا ہوں ناکہ وہم کی دوا لقمان کے پاس بھی نہ تھی۔ تمھاری بدگمانی وہم کے درجے سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم نے تو خدا کو گواہ کر کے کچّا چٹھا کہہ سُنایا۔ ع

اب مان نہ مان تو ہے مختار

تم سے خدا جانے کون واہی تباہی باتیں بک دیتا ہے آن کے اب آج میں اس کی تحقیقات کروں گا۔ خدا واسطے بے سبب بے وجہ بدظن ہونے سے ہمارا دل جلتا ہے۔

ب۔ پھر تم ایسی حرکت کیوں کرو کہ ہم بدظن ہوں۔
ع۔ وہ حرکت کونسی کی میں بھی تو سُنوں کچھ آخر ے

ہردم آزردگیٔ غیر سبب را چہ علاج
ماگذشتیم زلطفِ تو غضب را چہ علاج

ب۔ درست اور تم کو شرم بھی نہیں آتی ذرا واہ۔
ع۔ خیر صاحب ہم زمانے بھر کے بدمعاش گرُگے چھنٹے ہوئے سہی۔
ب۔ نہیں خدا نہ کرے۔ تم بڑے پاکباز مولوی آدمی ہو۔
ع۔ ہمیں نیند آتی ہے۔ واللہ آنکھیں جھکی پڑتی ہیں۔
ب۔ وہ تو ہم سمجھے ہی تھے کہ یہاں آکے نیند بھی آئے گی۔ باتیں کرنا بھی ناگوار گذرے گا۔ بدن بھی ٹوٹے گا کسی بات سننے کو بھی جی نہ چاہے گا۔ اور باہر والیوں کے ساتھ رات رات بھر بیٹھے رہو تو نیند کا نام نہیں۔ بیگم صاحب کا دل اس وقت مسکن نشاط وعشرت اور کاشانہ انبساط و محبّت تھا یہ سمجھتی تھیں کہ نواب تین چار روز تک باغ فرح ناک میں قیام فرمائیں گے اور آزادی و مطلق العنانی کے ساتھ دھما چوکڑی مچائیں گے ولیاں گلُ عذار و پری رُویاں طرحِ دار سے صحبت طلب کر پائیں گے۔ ان پریوں کے دنگل (جنگل میں منگل) میں ہماری فکر کجا گھر کا ذکر کجا۔ سیلانی آدمیوں کو گھر مثل قفس ہے صحبتِ گلُ رُخاں شوخ و شنگ حظ نفس کے لیے بس ہے جب بغل میں ہم خوابۂ پری پیکر ہے۔ تو بیا ہتا بیوی گھر کی مرغی دال برابر ہے۔ انھیں خیالاتِ پریشان میں آرام فرمایا تو خواب میں بھی باغ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آیا نیند میں بھی جھلّاتی تھیں دانت پیس پیس کر رہ جاتی تھیں۔ خواب ہی میں کہتی تھیں کیا کروں دل جلتا ہے مگر کچھ بس نہیں چلتا ہے ان خیالات کے بعد نواب کو اسی روز بغل میں پایا۔ ظاہر داری کے لیے رُوٹھ گئیں مگر نواب نے بلجاجت منایا جب محمد عسکری نے کہا سونے کو طبیعت چاہتی ہے۔ ہمیں نیند آتی ہے تو پھر تنک گئیں کہ ہاں ہاں غیروں کو گھنٹوں پاس بٹھا کر ہم کو آتش رشک میں جلاؤ۔ اگر موئی بیسوائیں زانو سے زانو بھڑائے بیٹھی ہوتیں یا زانوں پر سر رکھ کر لیٹی ہوتیں تو برسوں اٹھنے کا نام نہ لیتے اس تکلیف کے عوض آرام نہ لیتے اب رات بھر کے بعد ہم کو منہ دکھایا تو سونا یاد آیا۔ بس

جاؤ جاؤ انھیں سے صحبت گرماؤ یہ ظاہری اختلاط ہمیں ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ دانا آنکھوں سے دل کا حال تاڑ جاتا ہے ہم سے ٹھنڈی گرمیاں اُن سے اختلاط۔ ہم سے ظاہرداری کا پیار ان سے دلی ارتباط۔ وہ ہرجائی بازاری کھیتیاں ہم گھر گرہست بہو بیٹیاں۔ اُن کے سے چونچلے کوئی کہاں سے لائے خدا ہم کو ان بے حیائی کے نخروں سے بچائے۔ ان کا حسن فقرہ بازی حیلہ سازی ہے ہمارا حسن پاک بازی ہے۔ ان کو دن رات بننے ٹھننے نکھرنے سنورنے سے کام ہے یہاں پاک دلی کے مقابل میں اِس بناؤ چناؤ کو دور ہی سے سلام ہے۔

نواب صاحب نے مسکرا کر بیگم صاحب کا دستِ سیمیں اپنے ہاتھ میں لیا اور چوم کر یوں جواب دیا بیگم ہم صرف تمھارا دل لیتے ہیں اور تم کو فقرہ دیتے تھے۔ تمھاری زلف عنبر بار کی بوئے خوش سے اس وقت دل کی کلی مثل غنچۂ گل کھلی جاتی ہے۔ نیند کس مردود کو آتی ہے۔ جب مقابل میں رُخ پُرنور ہو تو نیند کیونکر نہ کافور ہو مگر تم کو انتہا کی بدگمانی ہے۔ یہ بار بار کا وہم اس کی عین دلیل ونشانی ہے۔ بات بات میں شگوفہ کرتی ہو۔ ہر گھڑی ہمارا ہی گلہ کرتی ہو۔

بیگم صاحب نے خوش ہو کر بہ لحن داؤدی یہ شعر پڑھا ع

عرض حال دل بے تاب پہ کہتا ہے وہ شوخ
ہٹ مرے آگے سے بس اپنا گلہ رہنے دے

اتنے میں بیگم صاحب نے گلوری منگوائی اور نواب کے ہاتھ سے کھائی۔ مسی مالیدہ لب اور رنگ پان۔ بقول ناسخ تہ آتش دھواں۔ نواب صاحب یہ شعر زبان پہ لائے۔ ع

مسی اور رنگِ گلوری سے گویا دہانِ پری غنچۂ زعفران ہے

ب۔ (نواب صاحب کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑا کر)

آئے ہو غیروں سے اب مل مل کے خاک ارمان نکالوں دل کے

ع۔ (بیگم صاحب کے رخسار رنگین پر ہاتھ پھیر کر) ع

بات کی بات میں گزری شب وصل خاک ارمان نہ نکلے دل کے

بیگم صاحب نے کسی قدر چین بہ جبین ہو کر کہا۔ ارمان جا کے باغ میں نکالو اور

ہم کو فقروں میں ٹالو یہ کہہ کر رخ انور کو چادر سے چھپایا۔ نواب صاحب بولے یہ کیا ستم ڈھایا ہے۔

بر من نظرے فگن خدا را   اے نرگس مست خواب تا کے
از دیدہ نقاب شرم بردار   در وصل آخر حجاب تا کے

یہ اشعار آب دار اس مہ وش کو ا رخسار کو اس قدر بھائے اور ایسے پسند آئے کہ نقاب چہرۂ نورانی سے اٹھایا تو یہی معلوم ہوا کہ ابر سے چاند نکل آیا چار آنکھیں ہوتے ہی یو زمزمہ سنج بیان ہوئیں ۔ نواب اگر تم میں دو ایک عیب نہ ہوتے تو میں اپنے تئیں آپ کو ساری دنیا کی عورتوں سے زیادہ خوش نصیب سمجھتی ۔ایک بڑا بھاری عیب تو تم میں یہ ہے کہ تم ہر دیگی چمچے ہو ایک گل کے بلبل نہیں ۔ایک شمشاد کی قمری نہیں ۔ اس سے ہمارا دل اور بھی دُکھتا ہے ۔ دردِ دل ہے تو یہی ہے اور اس کی دوا یہ ہے کہ تم ادھر ادھر نہ جایا کرو ۔یک درگیر و محکم گیر ۔ نواب صاحب نے ہنس کر کہا تو تم چاہتی ہو کہ میں شیطان بنوں ۔

روشیوۂ رہروی زشیطان آموز   یک قبلہ گزیں و سجدہ بر غیر ممکن

ہاں صاحب خیر اور دوسرا عیب کیا ہے ۔

ب ۔ تم اپنی جاگیر کو نہیں دیکھتے بالکل بے فکر ہو ۔
ع ۔ یہ تو غلط ہے میں ایسا غافل نہیں ہوں ۔
ب ۔ جی بجا۔ تم نے کہا اور میں نے دل سے اس کا یقین کر لیا۔
ع ۔ اللہ رے بدگمانی ۔اس بدظنی سے تو ہم ہار گئے ۔
ب ۔ کارندے البتہ خوب مزے اڑاتے ہیں اور تو خیر اللہ اللہ خیر صلاح ہے

اے خوش آں صبح کہ عاشق زشکر خواب وصال   دست در گردن معشوق حمائل برخاست

جب رات خوب بھیگی اور پچھلا پہر ہوا۔ گھڑیالی نے چار کا گجر بجایا اور مرغان خوشنوا اپنے زمزمۂ روح افزا سے مصروف ذکر حق ہوئے تو بیگم صاحب نے انگڑائی لے کر کہا کہ اب تو آنکھیں جھکی پڑتی ہیں ۔ جمائیوں پر جمائیاں آتیں ہیں اب آرام کرو ورنہ طبیعت بے مزہ ہو جائے گی آج تو نماصہ رت جگا ہو گیا۔ دیکھو چڑیاں بولنے لگیں پو پھٹنے کا سماں آگیا۔ نواب صاحب کہ محو لذت بوس و کنار شاہد عشرت سے دوچار تھے بھلا ان کو اس وقت سونیکی کب سوجھتی

کہا اب نور کا تڑکا قریب ہوا فضل الٰہی سے یہ دن نصیب ہوا کہ ہم نے تم نے میٹھی میٹھی باتوں میں شب بسر کی۔ اس سے زیادہ خوش طالعی اور کیا ہوسکتی ہے۔ میاں بیوی مثل عاشق و معشوق زندگی بسر کریں۔ ایک دوسرے کی سچی محبت کا دم بھریں۔ یہ عذرا ہو تو وہ وامق۔ یہ لیلیٰ ہو تو وہ مجنوں۔ دونوں ایک دوسرے پر ہزار جان سے مفتون۔ میاں بیوی پر شیفتہ، بیوی میاں پر فریفتہ۔ اس دو تین پہر کی مفارقت اور جدائی۔ ہجر و تنہائی کا حال ہم جانتے ہیں، یا ہمارا دل، یا ہمارا خدا۔ معلوم ہوتا کہ جیسے برسوں سے جدا ہیں۔ یہ شعر وردِ زباں تھا۔ ؎

بہار آئے الٰہی وہی سماں پھر ہو
پھر ایک جا گل و بلبل کو باغباں دیکھیں

کبھی تو ساقیِ دریا دل آئے گا یا رب
نہ ہو گی کشتیِ مے تا کجا رواں دیکھیں

اُس لالہ رُخ، ملائک فریب، پستہ دہن، سیم بدن، نے بصد ادا نواب صاحب کے اس اظہارِ عشق کے جواب میں یوں سلک بیان میں موتی پروتے۔ تو اب یہ وقت اور یہ مزے مزے کی باتیں یاد رکھنا۔ مگر اس کی امید کسے ہے۔ تم قرآن کا جامہ بھی پہنو تو ہم کو یقین نہ آئے۔ تو وجہ کیا تمھاری محبت منہ دیکھے کی محبت ہے۔ شاہ چھڑے کی گلی میں جاؤ گے تو وہاں بھی یہی باتیں بناؤ گے۔ بھلا ان ہرجائیوں سے تم لوگوں کو کیا لطف ہوتا ہو گا۔ ؎

نشاید ہوس باختن با گلے
کہ ہر بامدادش شود بلبلے

ع۔ اب اس وقت یہ باتیں ہمیں زہر معلوم ہوتی ہیں۔ ؎

منہ رکھ کے تیرے منہ پہ میں سویا شبِ وصال
گل تکیے کی جگہ پر رہا شب بھر آئینہ

اب ہم قسم کھا لیتے ہیں کہ کوئی ایسی حرکت ہم سے سرزد نہ ہو گی۔ جس سے تم کو گنجائشِ شکوہ سنجی، یا جائے ملال ہو، اب بھی اگر تم کو یہی خیال ہو تو مجبوری ہے۔ وہم کی دوا لقمان کے پاس بھی نہ تھی اب ذرا ہنس تو دو۔ ؎

چل بسی فصلِ خزاں موسم گُل آپہنچا
لے مبارک ہو ہوا بُلبل گلزار پھرے

بیگم صاحب نے رُوٹھ کر کہا یہ تم نے کیا فرمایش کی کہ ذرا ہنس تو دو۔ اب ہم روئے کب تھے۔ روتیں ہمارے دشمن، جو ہماری طرف دیکھ نہ سکیں۔ روتیں وہی باغ والی چڑیلیں۔ (تھوتھو) ہم اللہ کے کرم سے ہر وقت خوش رہتے ہیں۔ ہاں بعض بعض باتیں البتہ ہمیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ سو تم نے وعدہ کر لیا ہے کہ اب شکوے کا موقع ہی نہ دوگے اس کی بھی آزمایش ہو ہی جائے گی۔ ع

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

مگر ہم کو ڈھارس جب ہی ہوگی۔ جب تم اپنے قول کے پکّے نکلو۔ بے اس کے کلیجے کو ٹھنڈک دل کو خوشی نہ ہوگی۔ نواب صاحب نے پھر قسمیں کھائیں اور کہا اس میں ذرا بال برابر بھی فرق نہیں ہو سکتا۔ اسی ہفتے میں آزما لینا۔

اتنے میں کوّے بولنے لگے اور نوبتی نے نوبت بجائی۔ شہنائی کی لبھانے والی آواز کانوں میں آئی مرغ سحر نے بانگ دی تڑکا ہو گیا۔

ب۔ اے لو بالکل سویرا ہو گیا آج تمھاری بک بک میں ذرا سونے نہ پائے۔

ع۔ لڑ جھگڑ کے سو رہنے میں یہ لطف حاصل ہو سکتا ہے بھلا۔

ب۔ یہ تو سچ ہے مگر اب ہم تو بارہ بجے کی خبر لائیں گے۔

ع۔ اور ہم دو بجے سو کے اٹھیں گے۔ دل پرایا نہیں ہے۔

سوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا

بیگم صاحب نے آدھ گھنٹے بعد آرام کیا اور نواب محمد عسکری باہر تشریف لے گئے خدام نے مجرا عرض کیا۔ خدمت گار حقہ بھر لایا۔ ہاتھ مُنہ دھویا۔ گلوری کھائی تھوڑی دیر خانہ باغ میں سیر کی۔ صبح کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھائی۔ حکم دیا کہ سبزہ گھوڑا تیار رہو۔ جب سائیس گھوڑا لایا تو نیند مانع سواری ہوئی کہا کھول ڈالو اب نہ جائیں گے۔ نیند کے مارے بڑی تکلیف اٹھائیں گے۔ جب سائیس گھوڑے کو اصطبل میں لے گیا۔ تو تھوڑی دیر کے بعد تلوّن نے پھر رنگ جمایا۔ حکم ہوا کہ گاڑی پر جائیں گے ٹھنڈی سڑک کی ہوا

کھاتیں گے۔ مگر پلنگ پر لیٹے تو آنکھ لگ گئی۔ قلی پنکھا کھینچنے لگا۔ اس تلوّن کے صدقے پہلے آرام کو طبیعت چاہی پھر گھوڑے کی سواری کا حکم دیا۔ پھر گاڑی تیار ہوئی۔ اور پلنگ پر جاکے لیٹے تو گویا گھوڑے بیچ کے سو رہے اور کیوں کر نہ سوتے تمام شب تو جاگتے گذری تھی۔ عرصہ دراز تک باغ میں لطف اڑایا۔ وہاں سے پچھلے پہر کے قریب آئے تو بیگم صاحب سے اختلاط کی باتیں شروع ہوئیں۔ پھر نیند کہاں اب صبح کو بھی نہ سوئیں۔

بیگم صاحب کو خواب نازیں چھوڑ کر محمد عسکری باہر تشریف لائے اور باغ میں کرسی بچھوا کر بیٹھے۔ نظارۂ گل و گلبن کرنے لگے۔ بیٹھے یہ سوجھی کہ خدمتگاروں کو موقوف کر کے ان کی جگہ پر دوشیزگاں ماہ سیما حور لقا نوکر رکھیں۔ اس خیال کو انھوں نے بڑی وسعت دی اور ٹھان لی کہ چاہے جو کچھ ہو، ہم خدمت گاروں کے عوض کنواری چھوکریوں کو ضرور نوکر رکھیں گے۔ اتنے میں میاں ممّن آئے۔ آدابِ عرض کر کے مونڈھے پر بیٹھے۔ اور کہا سنا، حضور کل بڑی دیر تک باغ میں تشریف رکھتے تھے۔ نواب چھٹّن صاحب بھی تھے اور خدا جانے کون کون تھا۔ مگر عباسی کی خبر ہم نے بھی پائی تھی۔ محمد عسکری نے مسکرا کر کہا۔ بھئی تم بڑے ٹوہیئے ہو۔ یہ تم لوگوں کو عباسی کے آنے کا حال کیوں کر معلوم ہو گیا ہم نے تو سب سے مخفی رکھا تھا، اور یہاں تک یہ خبر مشہور ہوئی کہ گھر تک میں لوگوں نے اطلاع دے دی، اور بیگم بہت ہی بگڑیں، ہم نے لاکھ لاکھ سمجھایا مگر انھوں نے ذرا شنوائی نہ کی۔ اور وہی مرغ کی ایک ہی ٹانگ قائم رکھی۔

ممّن نے کہا۔ حضور بھلا شنوائی کیوں کرتیں، کیا انھوں نے کچھ جھوٹ سنا تھا۔

ع۔ خیر جی اس جھگڑے سے کیا مطلب ہے ہو گا۔!

ممّن۔ سرکار۔ یہ آدمی نوکر چاکر ادھر کی ادھر لگاتے ہیں۔

ع۔ میں بھی اس ٹوہ میں ہوں کہ یہاں آن کے کس نے خبر دی۔

ممّن۔ حضور دربان سے دریافت کریں اور مہری ماما یا پیشخدمت انھیں میں سے ایک نہ ایک نے اندر جا کے جڑ دی ہو گی۔

ع۔ اور ایک بات صحیح تو ننانوے لغو۔ سراسر غلط۔

ممّن۔ گھر میں کہہ دیا ہو گا کہ نواب صاحب نے نوکر رکھ لیا ہے۔

ع۔ خدا جانے کیا کیا کہا۔ ان سے کہا کہ اب مہینے سوا مہینے یہاں نہیں آئیں گے

ہم نے فقط عباسی کو بُلایا تھا' یار لوگوں نے جڑ دی کہ چھ سات لولیاں آئی ہیں اس بہتان کو ملاحظہ فرمائیے ۔ ؎

خدا کے غضب سے ذرا دل میں کانپ
چغل خور کے مُنہ کو ڈستے ہیں سانپ

اور کوئی پوچھے کہ بیگم صاحب سے کہہ کے نتیجہ کیا نکلا۔ وہ میری بیوی ہیں یا اتالیق، یا کوئی مخدومہ ہیں' خیال تو کیجیے بھلا وہ تو کہتے مجھے خود اس امر کا خیال ہے، ورنہ مجھے بیوی کا خوف ہی کیا تھا۔ بہت سے ہمارے بھائی بند ایسے ہیں جو بیوی کے کلّے پر عورتیں بٹھاتے ہیں۔ ان کی بیویاں ان کا کیا کرلیتی ہیں ۔ یہ تو صرف ہمیں کو خیال ہے ۔

ممّن ۔ حضور کی باتوں اور وضع کو کون کب پہنچ سکتا ہے ۔ ممکن نہیں کہ کوئی ذرا پاسنگ کو بھی پہنچے ۔

ع ۔ ارے میاں جو نبھ جاتے وہی ٹھیک ہے ۔ ؏
کس کی رہی اور رہے گی کس کی

ممّن۔ صحیح ہے سرکار ۔ خدایا آبرو باعزت نباہ دے اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی ۔

ع ۔ مگر ہماری بیگم کو بھی ہماری دلی محبت ہے ۔

ممّن ۔ حضور ایک عرض یہ ہے کہ دل کو دل سے راہ ہے ۔ اور حضور کو تو اللہ نے رئیس اعظم کیا ہے ۔ کروڑوں روپیے کی آمدنی کروڑوں روپے کا خرچ ۔ جو چین حق کی عنایت سے بیگم صاحب کرتی ہیں ۔ وہ اچھی اچھی بادشاہ زادیوں کو تو نصیب نہیں ہوسکتا ۔

ع ۔ خدا نباہ دے ۔ اسی طرح ہم تو اس امارت اور ریاست کے قائل نہیں ہیں ۔ ؎

قسّام ازل کا اک اشارہ بس ہے
دم بھر میں شہنشاہ گدا ہوتا ہے

انسان وہی ہے منکسر مزاج ہوے
ہر اک سے جھک کے ملنا تسخیر ہو تو یہ ہے

ممّن ۔ کیا بات ارشاد فرمایا ہے حضور ۔

ع - اور دو دن کی زندگی میں کسی سے کیوں لڑے - ع

دو دن کی زندگی میاں مثل حباب ہے

ممتن - حضور یہ بات بات پر مصرع پڑھنا اور شعر خوانی کرنا کسی کا کام نہیں ہے -

ع - واہ من آنم کہ من دانم -

زیور ہیں نہ دستار کے نے زیب ہیں سر کے

مثل گل بازی نہ ادھر کے نہ ادھر کے

ممتن - سرکار کوئی دس ہزار شعر تو یاد ہوں گے -

ع - دس ہزار نہیں تو پچاس ہزار میں تو شک ہی نہیں -

ممتن - اللہ اللہ - ! پچاس ہزار شعر خیال تو کیجئے مرزا صاحب -

مرزا - بھائی جان یہ حافظے کی بات ہے کوئی پچاس شعر تو یاد کرے بھلا نہ کہ آدھے لاکھ -

ع - یہ پچاس ہزار چوٹی کے شعر ہیں - نہیں تو پورے ایک لاکھ - ع

نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ [1]

ممتن - یہ غلام نہیں سمجھا سرکار ؟

ع - دنیا میں سب کے پہلے یہی مصرع موزوں ہوا تھا -

ممتن - اللہ اللہ یہ کن دیوانوں اور شعروں کے قبلہ گاہ ہیں ذری پھر ارشاد ہو -

ع - نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ -

ممتن - نام بہرام ترا و پدرت ہے چیلہ -

ع - (ہنس کر) چیلہ نہیں - بوجبلہ ہے -

ممتن - حضور کو بھی بڑی تحقیقات ہے - علمی اور شاعری -

ع - برسوں اسی دھندے میں رہے ہیں میاں ممتن -

ممتن - بجا ہے حضور بے اس کے اور کیونکر انسان یہ باتیں سیکھ سکتا ہے -

---

[1] اس مصرع کا مطلب فرہنگ میں دیکھئے

ع ۔ مشاعرے میں ہمارا ہمیشہ نام ہوا۔ ؎

اے جنوں گر جامۂ ہستی نہیں ہے بے ثبات
پھر مرا چاکِ گریباں شکل لا کیونکر ہوا

ممتن ۔ شکلِ لا اے سبحان اللہ! کیا کلام ہے ۔

راوی ۔ اور خیر سے بدولت خود اور میاں ممتن دونوں میں ایک بھی اس شعر کے معنی نہیں سمجھے ۔

ع ۔ اس کے معنی ذرا بہت دور ہیں میاں ممتن ۔

ممتن ۔ حضور کا کلام ہر ایک کی سمجھ میں آنا دل لگی نہیں ہے حضور ۔

ع ۔ شعر گفتن سہل باشد شعر فہمی مشکل است ۔

ممن ۔ حق ہے ۔ حق ہے ۔ بجا ارشاد ہوا۔ حضور بہت مشکل ہے ۔ مگر حضور نے کسی سے سیکھا نہ سکھایا اور شعر خوانی میں نام حاصل کر لیا ۔

ع ۔ یہ خدا کی دین ہے اس میں کسی کا اجارہ نہیں ہے جس کو وہ دے جس کو نہ دے مولا اس کو دلاتے آصف الدّولہ ۔ اس کے کروڑوں ہاتھ ہیں ۔

نواب صاحب نے کہا ہم نے ایک غزل تصنیف کی تھی جس کی بڑی دھوم مچی تھی ۔ ؎

فکر کونین کی رہتی نہیں مے خواروں میں
غم غلط ہو گیا جب بیٹھ گئے یاروں میں

دھوم ہے پیرہنِ یار کی بازاروں میں
چٹھیاں پڑتی ہیں یوسف کے خریداروں میں

ممتن تو یوں ہی شُد بُد پڑھا لکھا تھا، مگر لکھنؤ کا رہنے والا تھا صبا کی اس قدر مشہور غزل سے بھلا کوئی اہلِ لکھنؤ ناواقف ہو سکتا ہے ۔ دل ہی دل میں ہنستا تھا کہ صبا کے مال کو سرکار اپنا مال بنائے لیتے ہیں مگر مارے خوشامد کے بڑی ہی تعریف کی ۔ کہا خداوند اللہ جانتا ہے آتش کے کلام میں بھی یہ ستھرا پن نہیں ہے ۔ بارک اللہ کیا کلام ہے ۔ ؎

فکر کونین کی رہتی نہیں مے خواروں میں
غم غلط ہو گیا جب بیٹھ گئے یاروں میں

اب سنیے کہ نواب چھٹن صاحب کے نام ان کے ایک دوست کا خط نینی تال سے آیا کہ اگر کوئی ضروری امر مانع نہ ہو تو از برائے خدا چند روز کے لیے یہاں چلے آؤ۔ آج کل یہاں بڑا لطف ہے۔ اور خوب جلسے ہو رہے ہیں۔ صحبتیں قابلِ دید ہیں، اگر اس موقع پر نہ آئے تو عمر بھر پچھتاؤ گے۔ چھٹن صاحب تو نینی تال پر ادھار کھاتے بیٹھے ہی تھے۔ ٹھان لی کہ ضرور بالضرور سفر کریں گے۔ اسی وقت محمد عسکری کے پاس آئے، اور کہا بھائی صاحب آپ کو ضرور چلنا ہوگا۔ ہمارے ایک دوست نے جو بڑے رنگین مزاج آدمی ہیں۔ ہم کو باصرار تمام لکھا ہے کہ نینی تال آؤ۔ یہ خط لیجیے اور اب بس تیاری کیجیے۔

ع۔ اچھا بھئی تو اب تیاری کر ہی دوں بسم اللہ۔ چھٹن چلیے ہم تو ہر طرح حاضر ہیں۔

در کارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

ع۔ اور اب گھر میں بھی یہ خیال نہیں رہا ہے کہ پہاڑ کا سفر خطرناک ہے۔ مگر یار ہم نے تو پہاڑ کی صورت بھی آج تک نہیں دیکھی ہے۔ ہمیں تو واقعی چلنے میں بڑا خوف معلوم ہوگا، سنتے ہیں کہ ادھر ادھر دونوں طرف کھڈ ہیں اور ذرا پاؤں پھسلا بس انّا غفیل ہو گئے۔ گویا پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ یہ تو ہم نے بہت سے آدمیوں کی زبانی سُنا ہے۔ آپ لاکھ کہیں گے تو ہم ایک نہ مانیں گے اور کیوں کر مانیں، ہزاروں کی زبانی سنا ہے۔ اگر خوف ہے تو بس اسی قدر۔

چھٹن۔ بیالیس ۴۲ برس سے لوگ وہاں بود و باش کرتے ہیں۔ پورے بیالیس برس ہوئے کہ انگریزوں نے اس مقام کو پسند کیا ہے۔ اور بنگلے بنوا کے رہنا شروع کیا۔ بھلا کسی سے دریافت تو کیجیے کہ اس عرصہ میں کتنے آدمی کھڈ میں گر کے مرے۔ صرف ایک فوجی افسر تو البتہ گھوڑے سے گرے تھے۔ پہاڑ کا ایک ٹکڑا سر کا تو ٹٹو بھڑکا، بس بھڑکتے ہی ٹٹو اور سوار دونوں کھڈ میں گر پڑے۔ ہڈی پسلی چکنا چور ہو گئی، اور ایسے سانحے کہاں نہیں ہوتے۔ پہاڑ پر کیا فرض ہے۔ آپ کے شہر میں جس سال بارش بہت ہوتی ہے

صدہا مکان گر جاتے ہیں، یا نہیں؟ آدمی دب کر مر جاتے ہیں یا نہیں مر جاتے؟ پچاس سو ں بے گناہوں کی جان جاتی ہے کہ نہیں؟ اس سے کون مقام بچا ہے۔ یہ آفات ارضی وسماوی ہیں ان سے پیچھا کہاں چھٹ سکتا ہے۔ جب نینی تال دیکھو گے تو آنکھیں کھُل جائیں گی۔ بیچ میں جھیل ادھر ادھر اونچے اونچے پہاڑ جن کی چوٹی آسمان سے باتیں کرتی ہے۔ سر بفلک کشیدہ اور ان پہاڑوں پر صاحب لوگوں کے بنگلے ہیں دور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہوا میں لٹکے ہوئے ہیں اور جھیل کے قریب جا کے کھڑے ہو جیسے تو روح کو فرحت حاصل ہو، اور کلیجے کو ٹھنڈک پہنچے۔ ع

سردی جگر کو بخشتی ہے جھیل کی ہوا

ع۔ سردی تو قیامت کی ہوتی ہے۔ برف گرتی ہے نا۔

چھٹن۔ سردی کے دنوں میں تو جناب ہم آپ وہاں نہیں رہ سکتے۔

ع۔ اور وہاں کے باشندے کیا کرتے ہیں۔ ان کو مجبوری ہے کیا کریں۔

چھٹن۔ سردی کے چار مہینے وہاں بہت ہی کم آدمی رہ جاتے ہیں۔ صاحب لوگ نیچے اتر جاتے ہیں۔ اور بازار میں بھی اکا دکا آدمی نظر آتے ہیں۔ معدودے چند۔ اکثر آدمی بریلی یا مراد آباد جاتے ہیں۔ اور اکثر آدمی منڈی میں ہلدوانی کے پاس۔

ع۔ بھلا سردی نینی تال سے کس قدر فاصلے سے ہوتی ہے؟

چھٹن۔ سردی خاص نینی تال میں جا کر شروع ہوتی ہے، اور کچھ کچھ بیر گودام سے، نینی تال کی سردی ان دنوں میں بڑی خوش گوار ہوتی ہے۔

ع۔ بھلا اپنے گھوڑے لیتے چلیں یا نہیں۔

چھٹن۔ واہی ہو۔ گاڑیاں کہاں چلتی ہیں۔

ع۔ پھر صاحب لوگ کاہے پر ہوا کھانے جاتے ہیں۔

چھٹن۔ پیادہ پا۔ یا گھوڑے پر، یا پہاڑی یا بو پر جاتے ہیں۔ پیدل چلنا وہاں ازبس نافع و مفید ہے اور سب آدمی ایک یا دو گھنٹے کے لیے ہوا کھانے جاتے ہیں۔ جھیل کے گرد چکر لگانا بہت فائدہ بخشتا ہے۔

ع۔ کیا جھیل بہت لمبی چوڑی ہے۔ ہے کوئی ٹکیت رائے کے تالاب کے برابر۔

چھٹن۔ ٹکیت رائے کا تالاب آپ لیے پھرتے ہیں۔ یہ نہیں کہتے کہ گومتی کے پاٹ

سے چوگنا پاٹ ہے۔ ایک میل طول ہے۔ اور پون میل عرض ہے۔ اور گہری اس قدر ہے کہ تھاہ کہیں ملتی ہی نہیں۔ اس جھیل میں بھی پہاڑ ہیں۔ ڈونگیوں اور بجروں پر صاحب لوگ اور گورے لطف اٹھاتے ہیں۔

ع۔ کیوں صاحب اور جو پیرنا نہ جانے وہ کیا کرے اس کی خرابی ہے۔

چھٹن۔ یہ کیا فرض ہے کہ بجرے پر ضرور ہی سوار ہو جیے۔

ع۔ ہم نے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص نہ سوار ہو تو اس کو وہاں والے ہنستے اور بناتے ہیں۔ اور کہتے ہیں چوڑیاں پہنو یہ بڑی خرابی ہے۔

چھٹن۔ معقول۔ آپ جو سنتے ہیں سب سے نرالی۔

ع۔ بھئی یہی لوگ آن آن کے کہتے ہیں مجھے کیا معلوم۔

چھٹن۔ عجب بے وقوف واہی آدمی ہو، بھئی کسی کو کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ آپ کو مجبور کرے کہ ضرور کشتی پر سوار ہی ہو جیے۔

ع۔ خیر۔ پوچھنے میں کیا عیب یا گناہ ہے۔

چھٹن۔ آپ کسی کی ایک نہ سنیں اور چُپ چپاتے چلے چلیں بس۔ ع

درجُنوں دیوانہ را ہوتے بس ست

ع۔ بھلا وہاں قیام کی کیا صورت ہو گی۔ ہوٹل میں؟

چھٹن۔ ایک دوست کی کوٹھی میں رہنے کے عزم ہیں۔

ع۔ اچھا بھلا عباسی کو بھی ساتھ لیتے چلیں تو کیا ہرج ہے اس میں۔

چھٹن۔ جناب آپ تمام چوک کو ساتھ لے چلیں اختیار رہے۔

ع۔ ضرور رے چلیں گے۔ دو گھڑی دل لگی ہی رہے گی۔ اچھا معشوق ہے۔

چھٹن۔ اس وقت مزے میں ہیں حضور۔ یہ نینی تال کے نام کا اثر ہے بھائی صاحب

ع۔ چلو دیکھ آئیں کوہ نینی تال بھی چل کے۔ انشاءاللہ۔

نواب قمر رکاب اور مصاحبین بذلہ سنج و حاضر جواب ہیں۔ ایک روز سیفر پُر کہسار اور نظارہ آبشار کی نسبت باہم دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی، اور چونکہ حاضرین جلسہ کو خوشامد و چاپلوسی میں طاق اور یگانہ آفاق تھے بخوبی معلوم ہو گیا تھا۔ نواب چھٹن صاحب محمد عسکری کے شفیق دلی اور دوست قلبی سفر نینی تال کے ازبس شائق

اور محمد عسکری کے نفس ناطقہ ہیں۔ لہذا سب نے سفر کوہستان کی تعریف کرنی شروع کی۔ تاکہ آقائے نامدار کے دل میں جگہ ہو، اور چھٹن صاحب کے میلانِ طبع کے خلاف کوئی بات ظہور پذیر نہ ہو۔ ان سب کو خوف تھا کہ چھٹن صاحب اگر بگڑیں گے تو دم کے دم میں نکلوا دیں گے۔ ممتن جو سب مصاحبوں میں پرلے سرے کا کائیاں تھا، اور جس نے پہلے پہل سفر کوہ ہی میں رخنہ اندازی کی تھی۔ وہ بھی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔ اب اس صحبت میں کوئی تنفس ایسا نہ تھا جو پہاڑ کے سفر کو برا کہے، یا اس پر حرف دھرے۔ نواب صاحب نے اس سفر کے لیے بڑی تیاری کی تاکہ دھوم دھام اور تزک و احتشام سے جو ان کی شان کے شایان ہو سفر کریں۔ ایک انگریزی کوٹھی میں جا کر گرم کپڑے خریدے۔ اور اعلیٰ درجے کے پشمینے کے کوٹ پتلون بنوائے۔ سوداگری مال کی خریداری، اور لباس گرم کی تیاری میں دو ایک مصاحبوں نے خوب مال چیرا اور ہاتھ گرمائے۔ رئیس ممدوح نے صرف بنظرِ اظہار امارت و ریاست اس قدر کپڑا خریدا جس میں سے دسواں حصہ تمام عمر کے لیے کافی تھا۔ حالانکہ ان کے پاس اطلس اور زربفت اور کمخواب اور بانات اور مخمل اور کشمیرے اور پشمینے کا اس قدر کپڑا تھا کہ پشتہا پشت کے لیے کفایت کرتا۔ کوٹھے کے کوٹھے بھرے پڑے تھے۔ خدا کے فضل سے کسی شے کی کمی نہ تھی۔

ہمہ اسبابِ شاہی حاصل او

نماندہ آرزوئی در دل او

لیکن جب دولت پاس ہوتی ہے تو انسان کو بلند پروازی کی سوجھتی ہے اور پھر ہندوستان کے روسا کثرت و ثروت میں اپچ کی خواہ مخواہ لیا ہی چاہیں مصاحبوں اور رفیقوں اور ہمراہیوں کے لیے گرم لباس جی کھول کے بنوایا۔ تاکہ مصاحب تکلیف نہ پائیں اور خود بھی مثل روسائے نامدار کے معلوم ہوں تاکہ لوگ دلوں میں سوچیں کہ جس کے مصاحب اس ٹھسے سے رہتے ہیں وہ خود کیا صاحبِ ثروت نہ ہوگا۔ سوچے کہ وہاں بغیر چائے پیے رہنا محال ہے۔ لہذا موجودہ سامان کے علاوہ ایک ہزار کے برتن نقرائی اور طلائی اور گنگا جمنی اور بنوائے حالانکہ موجودہ سامان بھی ازبس کہ کفی بلکہ ضرورت سے زیادہ تھا۔ مگر روپے کے چونچلے۔ ع

زردار سبھی اڑتے ہیں بے زر کا خدا حافظ

بعض افہمی مصاحبوں نے صلاح دی کہ حضور ڈھاک اور املی کے سچے کوئلے ضرور لیتے چلیے گا۔ اول تو حقہ بے کوئلوں کے مزہ نہ دے گا۔ اور بے حقے کے ہم لوگوں سے رہا نہیں جاتا ہم تو خیر برداشت بھی کرلیں گے۔ مگر سرکار کو سخت تکلیف ہوگی اور حضور بے چین ہو جائینگے بس کوئی چار من کوئلے کافی ہوں گے۔ اور پھر چائے کے لیے بھی کوئلوں کی ضرورت ہوگی وہاں کی آگ بالکل ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اور ذرا نہیں ٹھہرتی۔ ادھر آگ جلائی اور چلم پر رکھی اور اُدھر گل۔ بھلا کھانا کیا پکے گا۔ اور چائے کیونکر تیار ہوگی۔ اس سے بہتر تو یہی ہے کہ کیل کانٹے سے درست رہیں۔ سب چیزیں لیں۔ کل سامان درست، کوئی ایا ویا آدمی ہو تو خیر۔ مگر حضور جیسے شہزادوں کو تو ضرور اعلےٰ درجے کے سامان کے ساتھ جانا چاہیئے تاکہ کسی امر کی تکلیف نہ ہونے پائے اور ایک بات اور بھی غور طلب ہے۔ خداوند۔ وہ یہ کہ واللہ اعلم وہاں حضور کے قابل میز کرسی۔ دنگل۔ شیشہ آلات وہاں ملے گا یا نہیں؟ اگر نہ ملے تو یہاں سے لیتے چلیں اوّل تو حضور کے ہاں خود کرسیاں ایک سے ایک عمدہ اور اعلےٰ موجود ہیں۔ ایسی کرسیاں یہاں شہر میں کہاں ملیں گی نہ کہ وہاں پہاڑ پر۔ حضور وہ دو آئینے جو حضور پرسوں بہرام جی کے ہاں سے خرید کے لائے ہیں وہ تو ضرور لیتے چلیے گا۔ شہزادہ مرزا فرخ بخت فرماتے تھے کہ ایسے سوائے بادشاہ کے ہاں کے اور کسی کے ہاں شاہی زمانے میں بھی نہ تھے جس کوٹھی میں حضور فروکش ہوں گے اس کی ان آئینوں سے رونق ہو جائے گی۔ اور صاحب لوگ جو حضور سے ملنے کو آئیں گے دیکھکر لوٹ جائیں گے کہ ہاں لکھنؤ کے کوئی رئیس اعظم آئے ہیں۔ ایک صلاح کار نے صلاح دی کہ سرکار ہتھنی کو ضرور لیتے چلیں۔ وہاں کبھی کسی نے ہاتھی کی صورت کاہے کو دیکھی ہوگی جس وقت حضور سوار ہو کر نکلیں گے اور گنگا جمنی ہودا چمکے گا وہ شان نظر آئے گی کہ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ ہودے کی ایک پتلی ذرا شکستہ بحر ہے سرکار اس کو درست کروا لیجیے بس جگمگانے لگے۔ وہ رونق دے کہ جو دیکھے عش عش کر جائے اور جو والیان ملک میں سے کوئی وہاں آیا ہو تو اس کی بھی انگلیاں اٹھیں کہ یہ کوئی بڑے شہزادہ گراں مدار آئے ہوتے ہیں کہ ہاتھی ساتھ ہے اور ہزار ہا کی تیاری کا ہودا ہے اور وہ کمخواب والی جھول بھی لیتے چلیے گا کہ اور بھی فوق البھڑک ہو جائے اور ایک نقیب ساتھ ہو اور آگے ڈنکا بجتا ہو۔

راوی۔ نواب صاحب کے نکلوانے کی اچھی فکر کی۔ اِدھر ڈنکے پر چوب ہو اُدھر پولیس والے ڈنکے والے کو حوالات میں بھیجدیں۔

ممتن۔ حضور ہماری صلاح تو ڈنکے کی نہیں ہے۔

اختر۔ کیوں ہرج کیا ہے۔ شانِ ریاست ہے یہ بھی۔

ممتن۔ انگریزیت کے خلاف ہے۔ ہماری رائے نہیں ہے۔

اختر۔ اچھا جانے دو۔ ہاتھی کے گلے میں گھنٹا ضرور ہو۔

ممتن۔ یہ مانا۔ ٹھنا ٹھن کی صدا دور سے اطلاع دے دے۔

مرزا۔ حضور اگر فرمائیں تو غلام بھی کچھ عرض کرے۔

ع۔ بسم اللہ۔ بسم اللہ۔ فرمایئے معقول صلاح خیر دیجئے گا صاحب۔

مرزا۔ حضور نوبت خانہ ضرور ہو۔ بڑی شان ہو جاتی ہے۔

اختر۔ ہاں خوب ہی بات فرمائی ہے۔ واللہ ہمیں بھی اتفاق ہے۔

مرزا۔ اجی ابھی تو وہ وہ باتیں عرض کروں کہ پھڑک جایئے۔

ممتن۔ کیا شک ہے۔ زمانہ دیکھا ہے۔ تجربہ حاصل کیا ہے۔

اختر۔ اور پھر تمام عمر سلطانی ڈیوڑھیوں پر رہے ہیں۔

مرزا۔ بے اس کے تجربہ معلوم۔ مرزا ولی عہد بہادر کی شادی کا سامان غلام ہی کے ہاتھوں ہوا ہے۔ لاکھوں روپے انھیں ہاتھوں سے خرچے ہیں۔ وہ کون سامان ہے جو ہم نہیں کر سکتے۔

اختر۔ اور اگر ماہی مراتب بھی ساتھ ہو تو کیا کہنا ہے۔

مرزا۔ بھتی کیا بات کہی ہے۔ واللہ جی خوش ہو گیا اس وقت۔ اے سبحان اللہ۔

ع۔ ایسا نہ ہو لوگ خواہ مخواہ کو ہنسیں ہم کو، اور مفت کی جگت ہنسائی ہو۔

ہمارے مزاج میں اظہارِ تحشم نہیں ہے۔ ؎

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے
بھاگو بھاگو کہ خوف اس راہ میں ہے
جاگو جاگو یہ خوابِ غفلت کیسا
دیکھو دیکھو اجل کمین گاہ میں ہے

اتنے میں مرزا صاحب اٹھ کے باہر گئے۔ اور وہاں سے اپنے ہمراہ ایک صاحب کو لاتے اور کہا سرکار یہ بڑے کمال کے لوگ ہیں۔ وہ صاحب آداب بجا لاتے۔ اور باادب بیٹھے۔ نواب صاحب نے نام دریافت کیا۔ تو مرزا صاحب نے کہا۔ حضور یہ مولوی کمال الدین صاحب ہیں۔ نواب صاحب نے مسکرا کر کہا اسم بامسمّٰی ہیں۔ مرزا صاحب نے عرض کیا حضور یہ چھوٹے حافظ بھی کہلاتے ہیں۔ کیونکہ دیوانِ حافظ حفظ ہے۔ اور بالکل ایرانیوں کی قطع سے حرفوں کو ادا کرتے ہیں۔ حکم ہوا کچھ فرمائیے۔

حافظ۔ حضور ترجیع بند نعتیہ کے کچھ بند حضور کو سناتا ہوں۔ ؎

بجسم خلق ازاں دم کہ جان دمید خدا — کسے کہ مظہر دانش بود ندید خدا
بختم گوہر پاکِ تو چوں رسید خدا — چناں ز صنعتش از جائے خود امید خدا

بصورتِ تو نگارے نہ آفرید خدا
ترا کشیدہ دوست از قلم کشید خدا

چھٹن۔ نور کا گلا پایا ہے۔ ع

اے وقت تو خوش کہ ما خوش کردی

جس قدر آپ کی تعریف سنی تھی اس سے کہیں زیادہ پایا۔ نہایت ہی خوش گلو۔

کمال۔ (استادہ ہو کر) مجرا عرض کرتا ہوں خداوند۔ یہ حضور اور نواب صاحب کی قدر افزائی ہے ورنہ من آنم کہ من دانم۔ خدا حضور کو سلامت رکھے۔

گلے خوشبوئے در حمام روزی — رسید از دست محبوبی بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوی دلآویز تو مستم
بگفتا من گلی ناچیز بودم — ولیکن مدتی با گل نشستم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ممتن۔ میں تو سمجھا تھا کہ حضور ساری گلستاں پڑھ جائیں گے مگر بڑی خیریت ہوئی کہ حضور خاموش ہو رہے۔

راوی۔ اس لطیفے پر بڑا قہقہہ پڑا اور محمد عسکری بھی زیرِ لب مسکرائے۔

کمال۔ (برافروختہ ہو کر) مٹی ہنست کہ کمہار۔ مٹی کو ہنستا ہے کہ کمہار کو۔

ممتن۔ ایں ایا وحشت! یہ حضور نے کیا وحشت کی لی۔ آدمی میں حواس ہی حواس

تو ہوتے ہیں ۔

ع۔ یہ کون زبان بولی بھئی ۔

ممتن ۔ حضور یہ دیوزاد کی زبان ہے ۔ ہاں میاں کمال الدین ذرا پھر۔

کمال ۔ لاحول ولا قوۃ ۔

ممن ۔ اب کہیں بھاگ نہ جایئے گا ۔

کمال ۔ بندہ رخصت ہوتا ہے ۔

اختر ۔ ایں ! لاحول پڑھتے ہی روانہ باشد ۔ اے حضرت کیوں ہنسوایئے گا ۔ ابھی تو آپ کو نینی تال چلنا ہے ۔ پہاڑ پر بے آپ کے لطف نہ آئے گا واللہ !

میاں کملو عرف میاں جملو

حافظ کمال الدین صاحب نے اپنی خوش بیانی اور خوش آوازی سے نواب صاحب کے دل میں جگہ کرلی ۔ مگر مصاحبین قدیم در رفتار ، دیرینہ کو یہ امر ناگوار گزرا کہ ایک غیر شخص آکے نواب صاحب کے دربار میں رنگ جماتے ، اور ہمارا رنگ پھیکا پڑجاتے ۔ اتفاق سے ایک روز نواب صاحب نے کمال الدین سے کہا کہ چلیے ہم آپ کو پہاڑ کی سیر کرالائیں ۔ آپ اس قابل ہیں کہ روساء کے ہمراہ رہیئے ۔ آپ سے دل بستگی رہے گی ۔ ممن اور بھی جل مرا ۔ کہا جی ہاں ضرور چلیئے آپ تو اس لائق ہیں کہ نقلِ محفل بنایئے جایئے ۔ کملو نے جھلا کے کہا (میں ایسے بجوڑوں کے منہ نہیں لگتا ۔ میں شریف ہوں) ممتن ہنسا ۔ دبے دانتوں جواب دیا ۔ حضور صحیح عرض کرتا ہوں ۔ بجوڑوں کی یہ خاص علامت ہے کہ بار بار پاجیوں کی ہجو کریں گے اور بار بار کہیں گے ہم شریف ہیں ایک نیٹو ڈاکٹر صاحب ہیں قوم کے نائی وہ بات بات پر کہتے ہیں (میں شریف ہوں) اور مجھے پاجی کی صورت سے نفرت ہے ۔ اور اصل میں پاجی تو ہی ہے ۔ اسی طرح آپ بھی فرماتے ہیں ۔ کہ میں شرفا ہوں ۔ نواب صاحب

لہ حملۂ حیدری ۔ کتاب کا نام ہے جو حضرت علیؓ کے حالات پر مشتمل ہے ۔ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ

٢ہ خواجہ حافظ شیرازی ، مشہور فارسی غزل گو شاعر متوفی ۷۹۱ھ ہجری

کی دلی خواہش تھی کہ کمال الدّین کو ہمیشہ کے لیے نوکر رکھ لیں ۔ اور کھانا کھانے کے وقت ان سے حافظؒ کی غزلیں، اور حملۂ حیدری اور ترجیع بند نعتیہ سُنا کریں ۔ تھوڑی دیر کے بعد کمال الدّین نے کہا حضور پھر غلام تیاری کرے ۔ نواب صاحب نے اصرار کیا کہ ضرور چلیے ۔ اس پر ممن کو اور بھی شاق گذرا ۔ اور علاحدہ جاکر دو چار مصاحب باہم مسکوٹ کرنے لگے اس کے نکلوانے کی فکر کرنی چاہیے ۔

دوسرے روز میاں کمال الدّین جن کو مصاحب حسد کے سبب سے کملوا اور جملو کہا کرتے تھے پھر تشریف لائیے اور آتے ہی نواب صاحب پر رنگ جمانے لگے کہ حضور حیدرآباد کے وزیر اعظم بہادر نے مجھے دو سو روپے پر طلب کیا تھا، مگر وطن چھوڑ کر جانے کو جی نہ چاہا ۔ سوچا کہ حضور آپ رئیسوں کے بدولت کھانے کو مل رہا ہے تو کیوں ادھر ادھر مارا مارا پھروں ۔ خدا واسطے کو ۔ بس ایک روز میں نے ملاقات کی ۔ ایک نواب صاحب نے تقریب کر دی ۔ اور کہا یہ بہت بڑے رئیس کے صاحب زادے ہیں ۔ ان کے باپ کے ہاں ہاتھی دروازے پر بندھا تھا اور پچاس خاص بردار ساتھ نکلتے ۔ اور سامنے نقیب بولتا تھا ۔ یہ دبدبہ تھا میں نے عرض کیا ۔ ؎

آدمی را بہ چشم حال نگر
از خیال بری روی بگذر

پھر چلتے وقت ایک ہزار روپیہ نقد دیا اور ایک دوشالہ اور ایک رومال اور ایک پیش قبض اور ایک قلم دان ساخت کشمیر ۔ اور کہا جب آپ کا جی چاہے آپ حیدرآباد چلے آئیے ۔ آپ کا گھر ہے عرض کیا غلام حاضر ہے ۔ اور یہاں بھی حضور ہی کی بدولت بسر کر رہا ہوں حضور کا جیسا نام سنا ویسا ہی پایا ۔

ع ۔ وہ بڑے رتبے کے لوگ تھے صاحب ۔ بڑے آدمی ۔

حافظ ۔ اور حضور غرور ذرا چھو بھی نہیں گیا تھا ۔ بڑے حلیم الطبع ۔

ع ۔ اور منکسر مزاج ۔ سلیم الطبع مجھے جناب کہتے تھے ۔

حافظ ۔ حضور سے ملاقات ہوئی تھی ؟ حضور تو خود رئیس اعظم ہیں ۔ جناب کہا تو کہا مجھے حضور کی لفظ سے یاد کرتے تھے ۔

ممن ۔ (آپ گئے تھے) جھوٹے کی ایسی تیسی کہو بیش باد ۔

حافظ ۔ تم کیا جانو ۔ تم چھوٹے آدمی ہو چھوٹی امت کے لوگ ۔

ممن ۔ اور آپ شاہ ایران کے پوتے ہیں ۔ جو ٹٹا ۔ شیخی چلا ہے ۔ رئیس کا دہ بن کے ۔ ان کو نواب سالار جنگ حضور کہتے تھے ۔ تم ایسے ٹکر گدوں کا وہاں تک گذر بھی تھا کبھی ۔ چور اٹھائی گیرا ان کے باپ کے دروازے پر ہاتھی جھومتا تھا ۔

اختر ۔ کیا عجب ہے ۔ چرکٹوں میں نوکر ہوں گے ۔

مرزا ۔ جی نہیں یہ اپنی اصطلاح میں گدھے کو ہاتھی کہتے ہیں ۔ ان کے باپ گدھوں کے دلال تھے ۔ کمسٹریٹ میں خچر دیا کرتے تھے ۔

ممن ۔ اور نواب سالار جنگ سے بڑا یارانہ تھا ۔

اختر ۔ ان کے سائیسوں چرکٹوں سے ہو تو ہو ۔

ممن ۔ اور کیا ریاست کی لیتے ہیں ۔ ؎

آدمی را بچشم حال نگر

از خیال پری دوی بگذر

کوئی جانے ان کے باپ ہی عالمگیر کے وقت میں دکھن کے صوبہ دار تھے ۔

حافظ ۔ جی نہیں آپ کے باپ صوبہ دار تھے ۔ چلے وہاں سے ۔

ممن ۔ ہم ڈینگ کی بھی تو نہیں لیتے کہ پدرم سلطان بود ۔

ع ۔ کیا عجب ہے بھئی ۔ ان کے باپ شاید رئیس ہی ہوں ۔

ممن ۔ خداوند ۔ قسم لیجیئے جو ان کو معلوم بھی ہو کہ ان کے باپ کون تھے ۔ کون نہیں تھے ۔ کبھی ان کا نام شیخ ضامن بتاتے ہیں کبھی میر ممن ۔

اختر ۔ (قہقہہ لگا کر) چہ خوش آپ ہی کا نام پسند آیا ۔

ممن ۔ آپ مجھے ناحق کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں ۔ میں چرکٹوں کا باپ نہیں بنتا کسی اور کا نام لو ۔

ع ۔ آپ کا مکان کس محلے میں ہے میاں کمال الدین صاحب ۔

ممن ۔ حضور مجھ سے سنیئے ۔ چک منڈی میں رہتے ہیں ۔

ع ۔ کیا وہاں چقین بکتی ہیں ۔ کیوں کمال الدین ۔

ممن ۔ سرکار وہاں ان کے بھائی بند چکوتے رہتے ہیں ۔

اختر۔ ہاں حضور۔ ایک ہزار چھری بند بھائی ہیں یہ۔

اس پر بڑا قہقہہ پڑا اور دیر تک حاضرین جلسہ ہنستے ہنستے لوٹنے لگے۔

ممتن۔ اس وقت تو سب لوٹن کبوتر بنے ہوتے ہیں۔

اختر۔ اور میاں کمال الدین خرقہ بند معلوم ہوتے ہیں۔

ع۔ یہ کیا ہے کہ ایک ہی پر بوچھار ہو رہی ہے۔ چو طرفہ سے۔

ممتن۔ حضور ان کو سیدھا نہ سمجھیں۔ یہ بڑے دور ہیں۔ جس قدر زمین کے اوپر ہیں اسی قدر زمین کے اندر بھی دھنسے ہوتے ہیں۔ ان کے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ لہر تک نہ آئے۔ پانی تک نہ مانگے۔ یہ وہ ذاتِ شریف کاتیاں آدمی ہیں جی۔

حافظ۔ تو آپ میرے بڑے خیر خواہ معلوم ہوتے ہیں۔

ممتن۔ ہم تو خدا لگتی کہتے ہیں لگی لپٹی نہیں آتی ہمیں۔

حافظ۔ جی اس میں کیا فرق ہے ایسے ہی بڑے کھرے ہیں آپ۔

ممتن۔ اب آپ کا مقابلہ تو میں کر نہیں سکتا۔ آپ کو تو بڑی بڑی ریاستوں کے وزرا حضور کہتے ہیں۔ یہ درجہ مجھ فقیر کو بھلا کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔

حافظ۔ ایک زمانہ گواہ ہے کہ اسی طرح گفتگو کی تھی۔

ممتن۔ سچے مر گئے جھوٹوں کو ایک دن بخار تک نہ آیا۔ سچ ہے جھوٹے کے آگے سچا رو مرے۔ سچ کا تو زمانہ ہی نہیں۔ خدا کی قسم وہ اس مرتبے کے لوگ ہیں کہ ان کی ڈیوڑھی پر تم ایسے جا ؤ تو واللہ دھکے مار کے نکلوا دیں۔ اور ڈیوڑھی تک تم ایسوں کی رسائی کجا۔ مگر ڈینگ ہانکتے ہیں آندھی روگ ہو۔

مرزا۔ بعض حضرات کا قاعدہ ہے کہ جب ذکر کریں گے اپنے باپ کو ہمایوں بادشاہ کا وزیر ہی بتائیں گے۔ شاہ جہاں سے شجرہ ملائیں گے۔

ممتن۔ اور چاہے ابا جان عمر بھر گھی ہی بیچا کیے ہوں۔

اختر۔ اور یہ مصرع کسی استاد کا سنا نہیں۔

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ممتن۔ خدا کی قسم جس وقت اس شخص نے اتنے بڑے وزیر اعظم کا نام لیا، تو جناب میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔

حافظ ۔ جی ہاں آپ تو ویسے ہی بڑے وہ ہیں نا۔
ممّن ۔ (تھوک کر) الگ ہٹ کے بیٹھو ۔ بو آتی ہے منہ سے تمھارے
لاحول ولا قوۃ !۔
اختر۔ واللہ بھائی میں کہنے ہی کو تھا کہ یہ شخص گندہ دہن ہے ۔
مرزا ۔ مجھے تو پیشتر سے معلوم تھا ۔ یہ بھی ایک بہت بڑا مرض ہے ۔
راوی ۔ نواب صاحب کے بھی دل میں یہ بات جم گئی اور میاں کمال الدّین
نظروں سے گر گئے وہ فقرہ چست کیا کہ جما جمایا رنگ اکھاڑ دیا ۔ فقرا سے کہتے ہیں۔
کمال الدین اس کو ابھی تک دل لگی ہی سمجھے ہوتے تھے اور یہ خبر ہی نہیں تھی کہ یار
لوگوں کا داؤ چل گیا ۔ مارا چاروں شانے چت کہیں کا نہیں رکھا ۔ ممّن نے فقرہ چست
کیا ۔ اختر نے گواہی دی ۔ مرزا نے تائید کی جھوٹی ٹبر بیچ ہو گئی ۔ اب باہم ان تینوں
میں اشارہ بازی ہونے لگی ۔ ممّن نے مسکرا کر مرزا کی طرف آنکھ ماری ۔ مرزا نے اختر
کے چٹکی لی ۔ تینوں دل میں خوش کہ ماریا پالا ہمارے ہی ہاتھ رہا ۔ ۔
ممّن ۔ قطع شریف تو دیکھتے جیسے مگرمچھ ۔
اختر ۔ (قہقہہ لگا کر) بھئی خدا گواہ کیا پھبتی کہی ہے ۔
مرزا ۔ چھا گئی ۔ مگرمچھ کی ایک ہی کہی ہے واللہ ۔
ع ۔ اس پر ہمارا بھی صاد ہے میاں ممّن ۔ اچھی ہوئی ۔
ممّن ۔ (آدابِ عرض کرکے) اے خداوند کوئی جامہ زیب ہوتا ہے ۔ یہ پھبتی زیب
ہیں ۔ جو پھبتی کہیے ان پر چھا جاتے گھی والے کی کتنی ہوئی ۔
ع ۔ میاں کمال الدّین تم جواب کیوں نہیں دیتے ہو یہ کیا تم بھی جواب دو ۔
حافظ ۔ خداوندان بدمعاش پاجیوں کے منہ کون لگے ۔
ممّن ۔ دیکھیے سرکار جو اس کے منہ میں آتا ہے واہی تباہی بک دیتا
ہے ۔ اور ہم حضور کا لحاظ کرتے ہیں ۔ اچھا بچا باہر چلو دیکھو تو کتنے گدّے دیتا ہوں ۔
اختر ۔ بٹیر کے برابر تو قد ہے ان کا ۔
ممّن ۔ اجی ٹینی مرغا کہو ۔
کہ مرغ ٹینی کا بچہ کھٹکتے ہی انڈا حضور بلبلِ بستاں کرے نواسنجی

مرزا۔ اب تو بے ڈھب بھپتیاں ہونے لگیں بھائی کملو۔

ع۔ آپ کا اصلی اسم شریف کیا ہے۔ کیوں جناب مولوی صاحب۔

حافظ۔ حضور بندے کو شیخ حاجی حافظ کمال الدّین کمال کہتے ہیں کملو کوئی اور ہوتے ہیں۔

ممّن۔ خداوند ذری ان سے ان کے ابّا کا نام تو دریافت کریں حضور۔

ع۔ آپ کے پدر بزرگوار کا اسم شریف میاں کمال صاحب؟

حافظ۔ خداوند یہ لوگ تو ہین بدمعاش پرلے سرے کے۔

ممّن۔ بس اب حضور خود ہی سمجھ جائیں گے ناگفتہ بہ۔

ع۔ بھئی کچھ دال میں کالا کالا نظر آتا ہے۔

نواب صاحب کے مصاحب بے چارے کمال الدین کو بنا رہے تھے اور رئیس موصوف ممّن اور اختر کی باتیں سُن سُن کر مسکرا رہے تھے کہ ایک شخص سواروں کی قطع بنائے ہوئے آیا آداب بجا لایا۔ اور ادب کے ساتھ بیٹھا۔ ممّن نے کہا آپ کس کی تلاش میں آئے ہیں تو اس نے یوں جواب دیا عرض کروں حضرت بندہ غریب الوطن ہے بندیل کھنڈ کا رہنے والا ہے۔ ایک رئیس نامدار وگردوں مدار کی سرکار ابد قرار میں منصب داروغگی پر مامور ہے۔ رئیس بڑی خاطر تواضع کرتے ہیں اور شہسواری کے فن میں غلام کے شاگرد بھی ہیں اب پولو کی مشق کرتے اور صاحب لوگوں کے ساتھ اس پھرتی اور صفائی سے چوگان کی بازی جیتتے ہیں کہ میں کیا عرض کروں۔ غلام نے ان کو بنوٹ بھی سکھائی ہے۔ بانک میں بھی طاق اور برق ہیں۔ کوئی فن سپہ گری ایسا نہیں جو وہ نہ جانتے ہوں اور بڑے شہ زور رئیس ہیں۔ گھوڑ دوڑ کا بڑا شوق ہے۔ اس وقت کم سے کم کوئی سترہ سو گھوڑے ان کے پاس ہوں گے ہندوستان میں چاہے جہاں گھوڑ دوڑ ہو ان کے گھوڑے ضرور جائیں گے۔

ممّن نے دریافت کیا کہ آپ اس شہر میں کس غرض سے وارد ہوئے ہیں۔ کہا ہمارے رئیس نے ہمیں ایک شخص کی تلاش میں بھیجا ہے۔ وہ ہماری سرکار میں نوکر تھا۔ اب وہاں سے بھاگ آیا ہے اور غلام نے سرکار سے کہہ دیا تھا کہ حضور

اصل سے خطا نہیں کم اصل سے وفا نہیں۔ رئیس آدمی نہ مانا آخر کو وہی نتیجہ نکلا۔ ایک مشعلچی کے لڑکے کو ہماری سرکار نے لکھنا پڑھنا سکھایا۔ جب لکھ پڑھ چکا تو خواہش ہوئی کہ اس کو دفتر میں کوئی اچھی جگہ دیں۔ مگر منشی لوگ اس پر بھڑا ئے کہ مشعلچی والا لونڈا اور ہماری برابری کرتے۔ آخر کار سرکار کا مصاحب ہوا۔ ایک روز سرکار نے کسی تقریب میں روشنی کرائی۔ اور روشنی کا انتظام اس کے سپرد کیا۔ اس نے کوئی چودہ من تیل چرا لیا۔ لوگوں نے سرکار کو اطلاع کی۔ جرم ثابت ہو گیا۔ قریب تھا کہ سزا پائے مگر اس کو پہلے ہی سے خبر ہو گئی، اور وہاں سے روپوش ہو گیا۔ اس کا حلیہ میرے پاس ہے ممتن نے کہا کس قطع کا آدمی ہے۔ ذرا حلیہ ہم کو بھی سُنائیے۔ شاید ہم ہی گرفتار کر لیں۔ اس نے کہا۔ گندم رنگ۔ تنگ پیشانی ہونٹ موٹے موٹے بال کھچڑی۔ موچھیں ٹھسی ہوئیں۔ داڑھی گل مچھے، بال لمبے لمبے ماتھے پر ایک زخم کا نشان ہے اور جب گفتگو کرے گا ہیچو من دیگرے نیست۔ اور پدرم سلطان بود۔ اپنے مشعلچی باپ کو کسی ریاست کا دیوان اور ہفت ہزاری ہی بتائے گا۔ اور بابر اور ہمایوں ہی سے شجرہ ملائے گا۔

یہ تقریر سُن کر سب کے سب کمال الدین کی طرف دیکھنے لگے اور سب کو یقین ہو گیا کہ یہ کمال الدین ہی کا ذکر ہے۔ نواب صاحب نے اس مجرم مفرور کا نام دریافت کیا تو اس نے کہا حضور جملو مشعلچی اس کے باپ کا نام ہے اور کملو اس شخص کا نام مگر سُنتا ہوں اب کمال الدین نام رکھا ہے۔ اور حافظ شیراز کی غزلیں ایرانی لہجے میں بہت عمدگی سے گاتا پھرتا ہے۔

یہ پھڑکتا ہوا فقرہ سُن کر کُل حاضرینِ جلسہ پھڑک اٹھے۔ محمد عسکری نے کہا اللہ اکبر گہرا چکمہ دیا ہے۔ میں خود اس وقت دھوکے میں آ گیا۔

ممتن۔ حضور استادوں کے چکمے کہیں اوچھے پڑتے ہیں۔

اختر۔ واللہ میں سمجھتا تھا کہ روایت یہ بالکل صحیح ہے۔

مرزا۔ آپ پر کیا فرض ہے میں بھی علیٰ ہذا القیاس۔

شہسورا۔ تو حضور وہ ملزم ہم کو ملجاتے اس وقت۔

ع ۔ میاں کمال الدین یہ کیا ماجرا ہے ۔ کچھ کہو تو سہی ۔
حافظ ۔ خداوند یہ ممن کسی مشعلچی کا لونڈا ہے اور دراصل کم اصل ہے یہ پلید ۔
ممن ۔ لے ذری چونچ سنبھالے ہوئے ۔ بس کہہ دیا ۔
مرزا ۔ واہ وا ۔ ممن نے کیا بھس ملایا ہے صاحب خدا کے واسطے ۔
ممن ۔ آخر میں نے کیا قصور کیا جناب مجھ سے کیا واسطہ سرکار ۔
حافظ ۔ میاں ممن یہ سب تمھارا ہی فساد ہے میں سمجھا ہوا ہوں ۔

تیرا ہی تو ہے فساد مردار
دایا کو گل دیا مجھے خار

شہسوار ۔ حضور یہ زمانے کا انقلاب ملاحظہ فرماتے کہ مشعلچیوں کے لڑکے اور فارسی پڑھیں ۔ مگر وہ لاکھ پڑھ جائیں رہیں گے موچی کے موچی ۔ پڑھیں فارسی اور بیچیں تیل ۔ یہ دیکھو قدرت کے کھیل ۔
ممن ۔ میاں کمال الدین صاحب اس وقت کتنا دن ہوگا ۔
راوی ۔ اس سوال سے سب زور سے زور سے کھل کھلا کر ہنس پڑے ۔ مگر میاں کمال الدّین کی سمجھ میں بات نہ آئی ۔
حافظ ۔ آپ اس قدر بھی نہیں سمجھتے ہو کہاں رہے ہو ۔
ع ۔ خداوند مشعلچی کا لونڈا آخر کہاں تک سمجھ سکے ۔
شہسوار ۔ اس میں کون ہنسی کی بات ہے ۔
ع ۔ انھوں نے کہا نہ تھا کہ پڑھیں فارسی اور بیچیں تیل ۔ اسی سے جب پوچھو گے ارے تیلی دن کتنا ہو گا تو بہت ہی برا مانیگا ۔ اس کو وہ بدشگونی سمجھتے ہیں ۔

مصاحبوں پر عتاب

نواب محمد عسکری صاحب گو صحبت یافتہ اور تجربہ کار فہمیدہ ہوشیار تھے مگر لکھنؤ کے فقرہ بازوں اور خصوصاً ان کے مصاحبوں نے ان کو اس قدر چکمے دیئے تھے کہ اب سچی بات اور امر واقعی کی صحت اور تسلیم کرنے میں ان کو تامل

ہوتا تھا۔ جو بات انھوں نے اپنے مصاحبوں کی زبان سے سنی اس کو یہ فوراً لغو اور پایۂ اعتبار سے خارج سمجھے۔ ایک روز نواب صاحب نے بیگم صاحب کی طرف مخاطب ہو کر آہ سرد بھر کر کہا۔ اس میں سخت افسوس ہے کہ ہم اپنے رفقاء کے ساتھ اس قدر لطف و اخلاق اور جود و کرم سے پیش آتے ہیں، مگر بایں ہمہ وہ کمبخت اسی پر تُلے رہتے ہیں کہ ہم کو چکما دیں، اور فقرہ بازی کر کے کچھ لے مریں۔ اور ایک صحیح کہتے ہیں تو ننانوے لغو۔ ان لوگوں نے پہلے ہم سے کہا تھا کہ نینی تال بڑا بُرا مقام ہے۔ آب و ہوا خراب ہے عوارض کا گھر ہے۔ پہاڑ برابر پھٹا کرتے ہیں۔ میں نے جو متوحش خبریں سنیں تو ڈر گیا۔ کہ مفت میں بیٹھے بٹھائے اپنی جان کو معرضِ خطر میں ڈالنا کونسی دانائی کی بات ہے۔ جائیں حظ نفس تفریحِ طبع سیر دل لگی کے لیے اور وہاں پہاڑ کے نیچے دب مریں، یا گھینگھے کی بیماری ہو جائے یا کوئی عارضہ لاحق ہو۔ مگر اب وہی سب کہتے ہیں کہ نینی کی آب و ہوا ایسی ہے کہ ہندوستان میں کشمیر کے سوا اور کوئی مقام اس کا نقطۂ مقابل نہیں ہے۔ اور جو بیمار وہاں جاتے ہیں وہ چنگے ہو کے آتے ہیں۔ اب یہ مثالیں دیتے ہیں کہ فلاں شخص تپ کہنہ کے عارضہ میں اس قدر ضعیف اور لاغر ہو گیا تھا کہ زیست کی امید باقی نہیں رہی تھی نینی تال جانے کی ڈاکٹروں نے صلاح دی، پندرہ دن میں ڈنڈ پیلنے لگا۔ اور ایک آدمی مختلف عوارض میں مبتلا ہو گیا تھا۔ صرف ایک ہفتے میں نینی تال کی آب و ہوا نے یہ رنگ اثر جمایا کہ کُل عارضے رفو چکر ہو گئے گویا تمام عمر علیل ہی نہیں ہوا تھا۔ اور پہلے کہا کرتے تھے کہ دو سو آدمی پہاڑ کے تلے دب کے مر گئے، اور ایک کپتان صاحب کا یابو بھڑکا تو وہ کھڈ میں گر پڑے اور ہڈی پسلی تک چور چور ہو گئی۔ کشتی الٹ گئی چار آدمی ڈوب گئے۔ تو اب ہم کو نہ اُن کی اُس بات کا یقین ہے نہ اس بات کا۔ مگر چھٹن صاحب نے ہم سے کہا کہ زبردستی لے چلیں گے وہ ہماری جیتی ایک نہیں مانتے۔ اور کہتے ہیں کہ نینی تال کا قیام بڑی خوش قسمتی ہے، اور بڑے خوش طالعوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اور صاحب لوگ گرمی بھر اور برسات بھر وہاں ہی قیام کرتے ہیں۔ اور چھوٹے لاٹ صاحب مع دفتر اور اہلِ دفتر کے ساتھ آٹھ مہینے تک رہتے ہیں۔ اگر خطرے کا

مقام ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ ایسے ایسے جلیل القدر حاکم لوگ جن کی حکومت ہے وہاں رہتے بلکہ ادھر کا رُخ بھی نہ کرتے۔ ہم اب اس ششش و پنج میں ہیں کہ کیا کریں کیا نہ کریں ــــ

وہ خاتون پری چہرہ، قمر رُخسار، نواب نامدار کی اس لمبی چوڑی کہانی کو کان دھر کے سُنا کی۔ جب یہ قصّہ طول ختم ہوا تو بیگم صاحب مسکرائیں اور کہا مجھے ہنسی آتی ہے کہ تم لوگوں کے مزاج میں کس قدر کا تلون ہے۔ ایک رنگ پر طبیعت رہتی ہی نہیں، سینکڑوں پلٹے کھاتی ہے۔ گھڑی میں ماشہ گھڑی میں تولہ۔ کبھی کچھ کبھی کچھ اور اس سے بڑھ کے انسان میں عیب نہیں۔ اگر ایک بات کرنی ہے تو اللہ کا نام لے کے کر گزرے ہر چہ بادا باد۔ نہیں کرنی ہے لعنت بھیجی۔ چلو قصّہ ختم ہوا ــ

بات ہے جس قدر بڑھا دو بڑھے

طول بھی ہے یہ مختصر بھی ہے

آخر تمہارے اتنے دوست ہیں کسی کا بھی تم کو اعتبار ہے یا کوئی اعتبار کے قابل ہی نہیں جس پر اعتبار ہو اس سے دریافت کر لو۔ چھٹی ہوئی چھٹن صاحب بھی کیا مصاحبوں کے سے چلمہ باز ہیں۔ یا وہ بھی اس موتے ممّن کے بھائی ہیں۔ ان کو تم سے جھوٹ بولنے کی کیا غرض تھی۔ کیا مل جاتا۔ مصاحب نگوڑے یا تو اس سبب سے پہاڑ کی مذمت کرتے ہیں کہ نواب صاحب گئے اور ہم کو ساتھ نہ لے گئے تو پندرہ بیس دن پلاؤ اور زردہ، اور قورمہ اور کباب نہ ملے گا چانڈو اپنے پاس سے پینا پڑے گا دو گھڑی کی دل لگی جائے گی۔ گلوریاں اور دو سیر تمباکو کہاں پائیں گے۔ اور یا اس وجہ سے پہاڑ کی تعریف کرتے ہیں کہ تمہارے ساتھ سفر کے مزے اٹھائیں گے اور سیر کریں گے۔ بن کوڑی بن دام سفر کر آئیں گے۔ نون لگے نہ پھٹکری اور پھر رنگ چوکھا۔ مگر تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ تمہارا دوست کون ہے اور دشمن کون ہے دوست دشمن میں فرق نہیں کر سکتے کیا سب ایک ہی سے تھوڑے ہوتے ہیں۔ آدمی آدمی انتر۔ کوئی ہیرا کوئی کنکر۔

نہ ہر زن زنست و نہ ہر مرد مرد

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

مرم سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکتے ہو، سب دھان بائیس پنسیری لگا دیئے۔ معلوم ہوتا ہے تمھارے ہاں یہ جتنے ٹکر گدے ہیں سب کے سب گرگے۔ اور جھوٹے بدمعاش۔ زمانے بھر کے اٹھائی گیرے جن کے قول کا اعتبار۔ نہ فعل کا۔ جب تم جانتے ہو کہ وہ ایسے ہیں۔ تو ان کو منہ کیوں لگاتے ہو۔ دھتا بتاؤ۔ صحبت میں ایسے آدمی رکھو جو تمھارے خیر خواہ ہوں، نیک بات کی طرف تمھارا دل لگائیں۔ نہ کہ شہد سے لچّے۔ لیکن تم سے کہے کون، ضد اور کد کے پتلے ہو۔ آج کیا جانے کدھر سے آفتاب نکلا ہے کہ تم کو اتنی سمجھ تو آئی۔ تم ان موئے لچّوں کو پہچاننے تو لگے۔ میں پھولے نہیں سماتی ہوں۔ شاید خدا اور زیادہ سمجھ دے۔ اب انصاف کرو میں نے کتنی ہزار مرتبہ تم کو سمجھایا ہو گا۔ مگر تم نے ایک نہ سنی آخر کو خمیازہ اٹھایا ہی اٹھایا۔ خیر اب بھی تو سوچو تو سویرا ہے۔ یہ سب دسترخوان کے آشنا ہیں کوئی تمھارا خیر خواہ نہیں ہے۔ جب تک روٹی ملے جاتی ہے اور چاندو تبھی تک کے آشنا ہیں۔ اور سب کے سب چاہتے ہوں گے کہ تم کو بھرّا دے کے اپنا مطلب نکالیں۔

نواب محمد عسکری کو بیگم صاحب کی تقریر بہت پسند آئی بہت محظوظ ہوئے۔ کہا واللہ باللہ تمھاری باتیں اس وقت جادو کا کام کر گئیں میں ان سب نمک حراموں کو ایک ایک کر کے نکالوں گا۔ یہ میرے بدخواہ ہیں ان سے امید بہبود رکھنا عقل کی بات نہیں ہے۔ ان کے قول و فعل کا جو اعتبار کرے اس سے بڑھ کر احمق کوئی نہیں۔ مجھ پر خدا جانے ان لوگوں نے کیا جادو کر دیا تھا کہ میں بالکل ان کے بس میں تھا۔ اب چیت گیا۔ واللہ ایک ایک کو چُن چُن کے نہ نکالا تو سہی۔ جاتے کہاں ہیں۔

یہ تقریر کر کے نواب محمد عسکری باہر تشریف لے گئے تو مصاحبوں نے چہرے کا رنگ متغیر پا کر بڑی ہمدردی کے ساتھ کہنا شروع کیا۔

ممن۔ حضور کا چہرہ تمتمایا ہوا ہے کچھ۔

اختر۔ میں کہنے ہی کو تھا۔ تم نے بات چھین لی مجھ سے۔

مرزا۔ حضور طبع اقدس تو درجۂ اعتدال پر ہے نا؟

ع ۔ ہاں فضل الٰہی ہے آہستہ سے ۔ بے رخ ہو کر ۔

مرزا ۔ کوئی بات ضرور ہے خداوند ۔ میں نہ مانوں گا ۔

ممن ۔ معلوم ہوتا ہے کوئی غصّہ کی بات سنی ہے ۔

اختر ۔ حق تعالیٰ حضور کو خضر و الیاس کی عمر عطا کرے ۔ ہم وابستگان دامن دولت کو حضور کی صحت مزاج کا بڑا خیال رہتا ہے ۔ ؎

منت بناز طبیاں نیاز مند مباد
وجود نازکت آزردۂ گزند مباد

مرزا ۔ آمین ثم آمین ۔ یا خدا تو ایسا ہی کر ۔

ع ۔ میاں کمال الدین صاحب کوئی سلام اس وقت سُنایئے ۔

حافظ ۔ بہت خوب حضور ابھی عرض کرتا ہے غلام ۔ ؎

چودھویں شب یار بھی مقتل میں شب بھر چاندنی
تین دن خونِ شہیداں میں رہی تر چاندنی

ع ۔ واقعی نور کا کلام ہے ۔ خوش الحانی اسی کا نام ہے ۔ اس وقت میں بعض آدمیوں سے بڑے رنج میں بیٹھا ہوا تھا ۔

مرزا ۔ میاں کمال الدّین حضور کو کچھ اور سُناؤ ۔ عنایتِ الٰہی سے طبع مبارک ذرا بشاش ہو گئی ہے ۔

کملو ۔ بہت خوب ؎

آج کل فصل بہاری نے دیا ہے اشتہار
پھول پھل کیا خار تک ہے زیر فرمانِ بہار

نواب صاحب مصاحبوں کی جعل سازی اور فقرہ بازی سے بہت بدماغ ہو گئے تھے ۔ مگر کملو کی خوش الحانی اور سحر طرازی، اور لحن بار بدی، اور جادو پردازی نے ایسا رنگ جمایا کہ غصہ دور، اور ملال کافور ہو گیا ۔ فرمایا کہ کمال الدّین واقعی باکمال آدمی ہیں ۔ انھوں نے ہمارا ملال رفع کر دیا ۔ کمال الدین نے جھک کر سلام کیا، اور کہا خداوند نعمت یہ سب حضور ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے ۔ کمال تو بہت ہی مشکل شے ہے ۔ کمال کجا ۔ مگر حضور کی قدر دانی اور پرورش البتہ ہے ۔ اگر حضور

جیسے با اقبال رئیسوں کی جوتیاں اٹھاؤں گا تو بیشک باکمال بھی ہو جاؤں گا انشاءاللہ تعالیٰ۔ حضور نے اب پرورش فرمائی ہے۔ آپ کے صرف اس قدر مہربانی فرمانے سے میری وہ قدر و منزلت ہوئی کہ۔ ع

کلاہ گوشۂ دہقان بہ آفتاب رسید

حضور نواب سر سالار جنگ بہادر نے غلام کی اس قدر تعریف کی کہ اگر ایک شمہ بھی عرض کروں تو خودستائی اور خودنمائی میں داخل ہوگا۔ اور اپنے منہ میاں مٹھو بننا اپنے شیوے کے خلاف ہے۔ کسی کو اپنی آواز پر غرور ہوتا ہے۔ مگر ذرا سی چکنائی کھائی اور ایک ہفتہ کے لیے غائب غلّہ۔ اب بھیں بھیں کرنے لگے۔ استاد ہو۔ کلاونت ہو۔ نایک ہو۔ کسے باشد۔ استادی خاک کام نہ آئے گی کسی کو حُسن کا غرور ہوتا ہے۔ چیچک نکلی حُسن رفوچکّر۔ سیر بھر قیمہ ہو تو منہ پر چاہیئے کسی کو زور کا غرور ہوتا ہے۔ ڈنگو بخار آیا چلیے سال بھر تک کانکھ رہے ہیں۔ اب لٹھیا کے زور سے بھی نہیں اٹھا جاتا۔ دو قدم چلے اور ہانپ گئے۔ یا تو ہاتھی کو دم پکڑ کے روک لیتے تھے، یا اب ایک بچّے سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ کسی کو دولت کا غرور ہوتا ہے۔ رات کو چوری ہو گئی صبح کو پن شاخہ ہاتھ میں ہے۔ نئی سڑک کا پتہ پوچھتے پھرتے ہیں کسی کو لباس کا غرور ہوتا ہے۔

نازش بخز دسمور تا کے
بریشم دگر غرور تا کے

غلام اگر آواز پر ناز کرے تو اس سے بڑھ کے حماقت نہیں مگر حضور کی پرورش ہم سے بڑھ کے خوش آواز کوئی نہیں، کیونکہ حضور نے شفقت کا ہاتھ رکھا ہے اور اب غلام حضور کے ظل عاطفت میں آیا ہے ؎

چہ غم دیوار امت راکہ باشد چوں تو پشتیباں
چہ باک از موج بحر آں راکہ دارد نوح کشتیباں

وہ مہربان تو کل مہربان۔ اور جس پر حضور مہربان اس پر خدا مہربان۔

جن سے راضی ہیں حضور ان سے خدا راضی ہے

ممتن جل بھن کے خاک ہو گیا۔ اگر بس چلتا تو کمال الدّین کو گولی مار دیتا۔ اختر بھی

خار کھا رہا تھا۔ مرزا کا رنگ فق۔ چھوٹے درجے کے رفقاء و مصاحبین بھی جلے ہوتے تھے۔ سب کو حسد تھا۔ مگر کرتے کیا۔ نواب صاحب کی نظر پرورش تھی۔ جب سرکار آرام کو گئے۔ تو ممن نے اختر اور مرزا کو اشارہ کیا اور ایک تخلیے کے مقام میں لے جا کر یوں ہم کلام ہوئے۔

ممّن۔ مرزا تمھارا سا گاوّدی کس مردک نے اپنے ہوش میں دیکھا ہو۔ بڑے بے وقوف پرلے سرے کے گھامڑ ہو۔

مرزا۔ ارے یار یہ حماقت ہو گئی کہ ہم اس کمبخت کو اپنے ساتھ لاتے اور اب پچھتاتے ہیں بڑا افسوس ہے۔

ممّن۔ ابے نامعقول ایک خطا ہوئی تھی، پھر اب یہ دوسری خطا کیوں ہوئی۔ ایک خطا دوسری خطا تیسری خطا۔

مرزا۔ اور وہ دوسری خطا کون سی ہے بھائی صاحب۔

ممّن۔ اس قابل ہو کہ تم کو چو رنگ کرے۔ کھال کھنچے اور بھیس بھرے بس اور کچھ نہ کرے۔

مرزا۔ تو آخر معلوم تو ہو وہ دوسری خطا کیا ہے۔

اختر۔ ہماری سمجھ میں خود نہیں آتا۔ بتاؤ میاں۔

ممّن۔ گدھوں کی سمجھ میں کہیں باریکیاں آتی ہیں۔

مرزا۔ یا الٰہی کچھ کہو گے بھی کہ بکتے ہی جاؤ گے۔

ممّن۔ اور ہمارا کیا بگڑے گا۔ خود ہی پچھتاؤ گے۔

مرزا۔ اب ہم ٹھونک چلیں گے تم کو بس کہہ دیا ہے۔

ممّن۔ ابے گدھے جب نواب صاحب محل سرا سے منہ پھُلا کے آ کے بیٹھے تھے اور انھوں نے اس پاجی کو حکم دیا، کہ کوئی غزل گاؤ تو اس وقت تم کو یہ کیا فرض تھا کہ تم بھی تعریف کرتے تم نے اور الٹی فرمایش کی کہ میاں کمال الدین خاموش کیوں ہوے، کچھ اور کہو نواب صاحب کا ملال اب تمھاری خوش گلوئی سے دور ہو گیا۔ جا پھٹے سے مُنہ۔ زوف ہے تیری اوقات پہ۔

اختر۔ ہاں واللہ۔ سچ کہا مجھے اب یاد آیا بہت بُری ہوئی۔

مرزا۔ ارے یار یہ زبان دیکھیے کہاں کہاں جوتیاں کھلوائے گی۔ لاحول ولاقوۃ بڑی بے ڈھب ہوئی۔

ممّن۔ میری آنکھوں میں خون اتر آیا اس وقت۔

اختر۔ اور اب اس کا رنگ ایسا جم گیا کہ پھیکا نہیں پڑ سکتا۔

ذکر نینی تال

نواب فریدون حشم خاقان کلاہ۔ ہلال رکاب، ثریا جاہ، ایک روز نواب چھٹن صاحب کے یہاں جانے ہی کو تھے کہ چوب دار سلیقہ شعار نے جھک کر سات بار سلام کیا، اور کہا پیر و مرشد نواب چھٹن صاحب بہادر تشریف لاتے ہیں۔ فٹن آ گئی۔ چمن میں کسی سے باتیں کر رہے ہیں۔ محمد عسکری نے حکم دیا کہ گاڑی کھلوا دو اب نہ جائیں گے اتنے میں چھٹن صاحب تشریف لائے۔ رفقاء و مصاحبین نے سرو قد تعظیم کی۔ آداب بجا لائے۔ مسند پر محمد عسکری کے پاس چھٹن صاحب بصد زیب و تجمل متمکن ہوے۔ محمد عسکری نے کہا بھائی صاحب ہمیں ایک روز خیال ہوا تھا کہ خدمت گاروں کو موقوف کر کے ان کی جگہ پر عورتوں کو نوکر رکھیں، کم سن کم سن، نوعمر نوخیز، خوبصورت خوبصورت، حسین زہرہ جبین، گلفام، نازک اندام چھوکریاں اوپر کا کام کریں۔ واللہ بڑا لطف حاصل ہو۔ یہ کیا کہ ریشائیل مچھا کڑا بیگ ڈڑھ بل لڑبیتے خدمت گار ہر وقت موجود۔ ان کے عوض چودہ چودہ پندرہ پندرہ برس کی حورو ش معشوقین ہوں، تو روح کو بالیدگی ہو۔ اور طبیعت ہر دم بشاش رہے۔ پانی کی ضرورت ہوئی۔ آواز دی مبارک قدم پانی منگواؤ اس نے آواز دی۔ اے ننھی۔ سرکار کے واسطے آب خاصہ تیار کراؤ۔ بی ننھی۔ آب خاصہ لے کر آئیں۔ صورت دیکھتے ہی پھڑک اٹھے۔ ادھر پانی پی رہے ہیں ادھر کنکھیوں سے گھورتے جاتے ہیں اور سب خادماؤں کو حکم دے دیا جاتے کہ ہر دم عطر میں ڈوبی رہیں۔ کمرے کی طرف سے نکل گئیں، تو دماغ طبلہ عطار بن گیا۔ گلوریاں لے کے بی منی کھڑی ہیں۔ لال لال گال، عنبر آگیں بال۔ سولہ سترہ برس کا سن، مرادوں کی راتیں جوانی کے دن، پٹیاں جمی ہوئیں سینہ ابھرا ہوا۔ جی خوش

ہو گیا۔ پنکھا قلی کے عوض کوئی مہری پنکھے پر مقرر ہے۔ گدرایا ہوا بدن، ہاتھ پانوں کی کراری نک سک سے درست۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوسے۔ ہر کمرے میں ایک ایک نوجوان معشوقہ پری تمثال، مشتری خصال، تعینات ہے۔ واللہ پرستان کو مات کرے۔ مکان یہ معلوم ہو کہ اندر کا اکھاڑا ہے یا پریوں کا دنگل۔ بھئی میں یہ نہ کر دکھاؤں تو ٹانگ کی راہ نکل جاؤں گا۔ ٹھان لی ہے کہ نینی تال سے واپس آکر ایک درجن بھر عورتیں بھرتی کریں گے۔ مگر ان میں سے کوئی بیس برس کے سن سے زیادہ نہ ہو گی چودہ برس سے لے کر بیس برس کے سن تک کی۔ اور سرخ و سفید، نازک بدن، غنچہ دہن، اور شوخ و شنگ، رشک پری رخاں فرنگ، حاضر جواب، تیز طبیعت، زبان دراز، گیگلی عورتیں ہم نہیں چاہتے۔ لولی حیران نہیں۔ ہر دم بنی ٹھنی رہیں۔ بناؤ چناؤ کے ساتھ۔ روز حمام کریں۔ اور روز کپڑے بدلیں تاکہ صورت دیکھنے سے جی خوش ہو جائے۔ آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچے۔ اور روح کو سرور حاصل ہو۔ آؤ ہم تم دونوں نوکر رکھ لیں۔

نواب چھٹن صاحب سنتے سنتے بول اٹھے، کہ یہ تو سب ہوا۔ اور اگر پانوں دبوانے کو جی چاہا تو پھر وہی مردوے بلواتے جائیں گے اس پر مصاحب ہنسے اور محمد عسکری نے کہا بھئی عورتوں سے پانوں دبوانے میں کیا ہرج ہے۔ انسان کا دل صاف رہنا چاہیئے۔ مقدم تو دل کی صفائی ہے۔ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر ست

از ہزاران کعبہ یک دل بہتر ست

چھٹن صاحب نے کہا بھائی یہ ہم نہ مانیں گے۔ بڑے بڑے زہاد کے قدم اس کوچے میں ڈگمگاتے ہیں۔ ہم آپ کس شمار قطار میں ہیں۔ لاحول ولا قوۃ! جب بی منی پانزدہ سالہ بن ٹھن کے پانوں دبانے آتے گی بابی مبارک قدم پندرہ سالہ عطر فتنہ میں سر سے پانوں تک ڈوبی ہوئی پلنگ پر بصد ناز و انداز بیٹھ کر ہاتھ بڑھائیں گی تو ران اور ٹانگوں میں گدگدی معلوم ہو گی یا نہیں۔ ابھی تو یہ دل لگی ہی دل لگی ہے۔ لیکن اگر واقعی عورتیں نوکر رکھیں اور اسی طرح کی عورتیں کہ بیس برس کے سن سے کوئی زیادہ نہ ہو اور سب کی سب ملیح و صبیح اور نازک

بدن اور طرار اور خوب رُو ہوں تو حضرت اغوائے شیطان سے بچنا ذرا دل لگی نہیں ہے۔ خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے معصیت میں گرفتار ہونے سے کیا فائدہ۔ یوں ہی گناہوں سے نہیں بچتے، نہ کہ ایک درجن بھر نوعمر، طرح دار چھوکریاں ہردم نظر کے رُوبرو رہیں۔ مگر بھئی سوجھی اچھی۔ اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ اور بیگم صاحب کتنی خوش ہوں، کہ میاں درجن بھر کر چھوکریاں نوکر رکھیں ہیں۔ اور یہ تو وہ جانتی ہی ہیں کہ میاں بڑے پاکباز نیک طینت، صاف باطن آدمی ہیں آپ کی جانب سے بدظن نہ ہوں گی۔

محمد عسکری بولے سنو بھئی ہم تمھاری طرح زن مرید، جورو کے غلام نہیں ہیں۔ کہ بیوی سے ڈریں اور بید کی طرح تھرّائیں۔ جورو گھر میں پڑی رہے، عمدہ سے عمدہ لطیف سے لطیف کھانے کھائے۔ قیمتی لباس پہنے۔ جواہرات اور زیور سے آراستہ رہے۔ گھر میں ماما آتو، چھوچھو دائی، کھلائی، خواص پیش خدمت مہری دوامغلانی پر حکومت کرے نہ کہ میاں پر حکومت کرے، ایسے میاں کی ایسی تیسی۔ میاں بیوی بن کے رہے اور بیوی میاں بن کے۔

چھٹن صاحب ہنس پڑے۔ فرمایا صاحب ہم زن مرید جورو کے غلام بلکہ غلام کے تلام کے چولام ہی سہی۔ ہم تو اپنی بیوی پر عاشق ہیں۔ خیر یہ تو سب ہوا اب یہ فرمایئے کہ سفر کی تیاری کی یا نہیں۔ محمد عسکری نے کہا یار اتنا تو بتا دو کہ وہاں کھانے پینے کی چیزیں ملتی ہیں یا نہیں۔ سوداگروں کی کوٹھیاں ہیں یا نہیں۔

نواب چھٹن صاحب ان کی بھولی بھالی باتوں پر بہت ہی ہنسے کہا! یار میں اس حیرت میں ہوں کہ تم کو آدمی کون کہتا ہے۔ تم بھی کہو گے کہ میں آدمی ہوں۔ ذرا عقل نہیں چھو گئی ہے بالکل بے بہرہ۔ بلکہ عقل کے پیچھے لٹھ لیے گھومتے ہو۔ اتنا نہیں سمجھتے کہ نینی تال جیسے مقام میں جہاں خود لاٹ صاحب سات آٹھ مہینے رہتے ہیں، اور جو لوکل گورنمنٹ کا سمر ہیڈ کوارٹر ہے یعنی برسات کا صدر مقام، اور جہاں صدہا یورپین لیڈیاں اور جنٹل مین تبدیل آب و ہوا کے لیے جاتے ہیں وہاں سوداگروں کی کوٹھیاں نہ ہوں گی۔ ایک کوٹھی عین لب چشمہ ساتھ ہی جھیل کے کنارے، اس خوش نمائی سے تعمیر ہوئی ہے کہ بایدو شاید۔ یہ مارشن صاحب

سوداگر کی کوٹھی ہے اس میں لکھوکھا روپے کا اعلیٰ درجے کا سامان رہتا ہے۔ اور ایسا نفیس اور نادر اسباب اور بیش بہا اور قیمتی اشیا کہ صلّ وجلّ نظر نہیں ٹھہرتی۔ شام کو بلکہ دو گھڑی دن رہے سے سات ساڑھے سات بجے رات تک وہ رونق رہتی ہے کہ میں کیا عرض کروں۔ مہ لقا اور پری چہرہ لیڈیاں جوق درجوق جمع ہوتی ہیں۔ اور بڑے بڑے معزز معزز حکام جلیل القدر آتے ہیں دو گھڑی کھڑے ہو جائیے تو عجب کیفیت نظر آتی ہے۔ یہ کس کی ڈانڈی ہے۔ حضور لیڈی صاحبہ۔ یہ گھوڑے پر ایک ایک زہرہ تمثال مس تشریف لائیں۔ ازسرتاپا دریائے حسن میں غرق زرق برق۔ اٹھلاتی ہوئی، گرجے میں جاتی ہے۔ پتلی کمر بل پر بل کھاتی ہے۔ وہ سامنے سے نوجوان خوش رُو افسر فوجی وردی پہنے رپ رپ کرتا آیا۔ کسی نے بادہ طرب عیز کا پگ اڑایا۔ کسی نے کوٹھی کی سیر کی۔ دل بہلایا ہزاروں لاکھوں ہی کے وارے نیارے ہوتے ہیں۔ آپ پوچھتے ہیں کہ نینی تال میں کوئی کوٹھی بھی ہے۔

برین عقل و دانش بباید گریست

خدا پیدا کرے تو ذرا ہی سی عقل چاہے دے، مگر دے ضرور۔ ایک کوٹھی لیے پھرتے ہو وہاں ایک سے ایک بڑھی ہوئی کوٹھی ہے۔ مگر یہ سب سے اوّل ہے ایک قطار کی قطار برابر کوٹھیوں ہی کی ہے جس مقام پر ایسے معزز بالا دست حکّام اتنے عرصے تک قیام کریں، وہاں کوٹھیاں نہ ہوں گی بھلا۔ بھائی جان تم میری خاطر سے چلو تو سہی، نینی تال قابلِ دید مقام ہے۔ ایسا کوہستان تو ہندوستان میں شاذ و نادر ہی کوئی ہو گا گو اور مقام بھی سرد اور فرح ناک ہیں، مگر نینی تال میں اور ہی لطف ہے۔ اور اس جھیل نے تو واللہ اور بھی رونق تازہ بخشی ہے۔ دل کی کلی کھل جاتی ہے۔

اگر کسی کے سامنے کہو گے کہ نینی تال کی آب وہوا خراب ہے تو ہنسے گا واللہ ہنسے گا۔ بھلا کوئی بھی ایسا بے وقوف ہو گا جو نینی تال کی آب وہوا کو بُرا کہے۔ اور پھر لکھنؤ کا رہنے والا یہاں سے قدم بھر پر نینی تال ہے۔ ایک پھلانگ میں آدمی پہنچتا ہے۔ بات کرے تو یہاں سے وہاں تک آواز جائے چپے بھر پر ہے۔ سات آٹھ بجے ریل پر سوار ہوئے صبح بریلی میں منہ دھویا۔ چائے پی نو بجے کاٹھ گدام میں داخل ہوئے

بارہ یا ایک بجے تک نینی تال میں دندنا رہے ہیں اور جھیل اور پہاڑوں کی تازی تازی ہوا کھا رہے ہیں۔ ہائے کیا مقام ہے۔

این چشمہ و این سبزہ و این لالہ و این گل
آن شرح ندارد کہ بہ گفتار درآید

اور برسات کے دنوں میں تو وہ لطف ہوتا ہے کہ کیا گذارش کروں موسم برشکال کی کیفیت نینی تال میں قابلِ دید ہے۔ بلکہ دید ہے نہ شنید ہے۔ ع

موسم برشکال آپہنچا

شور باراں کا ہے یہ صبح و مسا
رحمتِ حق کی چل رہی ہے ہوا

پہاڑ پر جانے کیلئے مشورہ کا جلسہ

ع۔ اب تو بالفعل ہمارا عزم سفر ہے۔ اب ہم زیادہ نہیں ٹال سکتے۔ مگر جناب روانگی کے قبل ایک دن جلسہ ضرور ہوگا۔ اور ایسا ویسا جلسہ نہیں انشاءاللہ اس دھوم دھام سے جلسہ ہو کہ بایدوشاید اس ہفتے میں تو بقول آپ کے سفر ٹل نہیں سکتا۔ اچھا تو پھر پرسوں جلسہ ہو جائے۔ اور ہم صاحب لوگوں کو بھی بلانا چاہتے ہیں۔

چھٹن صاحب نے کہا بہتر ہے۔ ایک روز جلسہ دیکھ لو۔ مگر پرسوں ہی ہو جائے ورنہ پھر واللہ اعلم کس روز تیاری ہو جائے۔ نرسوں ہی شاید کوچ بول دیں۔ ع

ہوا پر نور خورشید طرب سے ان کا کاشانہ
کیا نواب سنجر منزلت نے جشنِ شاہانہ

نظر خیرہ ہوئی تھی شیشہ آلات اس قدر روشن
پری شیشے میں اُتری ہوگئی محفل پریخانہ

ہزاروں بزم میں جمشید سے ناخواندہ مہماں تھے
نکل خم خانے سے دختِ رز آئی بے حجابانہ

یہاں تھی عام دعوت خوانِ نعمت خواں نعیما تھے
وہ جنت تھی کہ آدم نے جہاں پایا نہیں دانہ

ہزاروں طائفے تھے ابزم کا پر یہ قرینہ تھا
زنانے میں زنانہ اور مردانے میں مردانہ

زلیخا مریم و بلقیس وحور ولیلیٰ دشیریں یہ سب مہمان بزم عیش تھے ہم صاحب خانہ نواب سنجر منزلت فریدوں مرتبت نے قبل روانگی کہسارا پنے احباب کی تفریح طبع کے لیے ایک بزم فریدونی اور جشن جمشیدی بڑی دھوم دھام اور اہتمام واحتشام سے منعقد کیا۔ جس میں لکھنؤ اور دیہات کے چیدہ چیدہ طائفے تھے۔ کوئی حسن و جمال میں بے مثال کوئی خوش الحانی میں بے نظیر۔ کوئی لگاوٹ اور ادا میں فقید المثل کوئی رقص مستانہ میں لاثانی۔ کوئی بتانے میں طاق۔ الغرض کل طائفے اپنے آپ ہی نظیر تھے۔ شہر کے طائفوں سے تو نواب صاحب کہ اس فن کے بانی کار ارباب نشاط کے مربّی تھے۔ خوب ہی واقف تھے۔ اور دیہات کے طائفوں کا اہتمام ٹھاکر گیان سنگھ زمیں دار کے سپرد تھا۔ ممّن اور خواجہ ضامن علی مصاحبوں کے تعلق ناچ کا اہتمام تھا۔ محفل کی نشست و برخاست کا انتظام منشی اختر صاحب کے سپرد تھا۔ میاں کمال الدین کو مدریے اور عظیم اللہ فانی اور (ہر دم تازہ) حقّوں اور چلم تمباکو کو تلوں کی داروغگی دی گئی۔ طائفوں اور ان کے میراثیوں اور سفرائیوں وغیرہ کی نشست اور تمباکو اور گھڑے اور الائچی اور ڈلی اور پان اور برف کے لیے لالہ اشرفی لال مقرر ہوے اور ان کی نگرانی چھٹّن صاحب کے تعلق تھی۔ یہ سب ان کے مددگار اور اسسٹنٹ اور پیش دست تھے۔ اور دو حاکم و ناظم بالادست۔

یہ سب اہتمام تو آسان تھا مگر نواب صاحب نے بکمال رفاقت و مہمان نوازی صاحب لوگوں کو بھی مدعو کیا تھا۔ اب میاں ممّن اور اختر بھلا اس قابل کہاں کہ یورپین حکّام اور افسروں کی طرز صحبت اور ان کی دعوت کے قاعدوں سے واقف ہوں۔ نواب صاحب کو اس کی بڑی فکر تھی کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی امر صاحب لوگوں کی رائے کے خلاف ہو لہذا چھوٹے صاحب کو چھٹی لکھی کہ آپ کسی وقت آن کر انتظام کی جانچ کر لیجیے۔

چھوٹے صاحب محمد عسکری کے مکان پر آئے یہ اس وقت آرام میں تھے۔ گاڑی روک کر کہا نواب صاحب کو سلام دو۔ خدّام بولے حضور نواب صاحب تو آرام میں ہیں۔ صاحب نے متحیّر ہو کر کہا سوتے ہیں؟ یہ کون وقت آرام کرنے کا ہے؟

اب شام میں تھوڑی ہی کسر ہے۔ لوگوں نے بات ٹالنے کے لیے کہدیا۔ حضور آج دوپہر ڈھلے سے سرکار کی طبیعت نصیب اعدا علیل اور ناساز ہے۔ کھانا بھی کم کھایا، مگر تقلیل غذا سے بھی کوئی فائدہ نہ نکلا۔ ابھی ابھی آنکھ لگ گئی ہے۔ چھوٹے صاحب نے کہا داروغہ کو بلاؤ۔ داروغہ بلواتے گئے صاحب نے کہا دیکھو صاحب کھانا یہاں ہی پکے گا۔ باورچی اور بیرا اور خانساماں ہم نے سب کا بندوبست کر لیا ہے۔ اور ایک فہرست ہم لائے ہیں۔ اس کے مطابق انڈا مرغی ودودھ مکھّن اور ترکاری قند سب منگوا لیجیے۔ مگر کل چیزیں اوّل نمبر ہوں۔ داروغہ نے کہا خداوند نادر سے نادر اور عمدہ سے عمدہ لیجیے اور ہمارے ہاں تو یوں روزمرّہ کے کھانے میں بیس روپیہ من کا چانول خرچ ہوتا ہے۔ اور ایک روپیہ سیر کا قند۔ بکرے کے بُوض دنبے لیجیے۔ مرغی انڈا بہتر سے بہتر۔ دودھ کے لیے محل میں گائیں موجود ہیں۔ لیکن اگر حضور کی اجازت ہو اور سب صاحب لوگ پسند کریں تو پُلاؤ یا زردے یا فیرنی کی قسم سے کچھ ہندوستانی چیزیں بھی ہوں۔ مرغ پلاؤ کو تو ضرور ہی حکم دیجیے۔ سب صاحب لوگ پسند کریں گے۔ وہ شے ہی ایسی ہے۔ آیندہ جو حکم ہو۔ فرمایا اچھا بھاری مرغ پلاؤ پکواؤ اور کچھ نہیں۔ صاحب رخصت ہو کر چلے تو داروغہ نے کہا حضور اور تو سب سامان موجود ہے مگر باورچی وغیرہ حضور وقت پر بھیج دیں۔

اب سنئے کہ نواب محمد عسکری صاحب کی نسبت ان کے مصاحب باہم کیا گفتگو کرتے ہیں۔

داروغہ۔ صاحب اُس وقت بُرا مان گیا ہوگا۔

ممتن۔ برا ماننے کی بات ہے۔ ہم نہ مانتے!۔

مرزا۔ اور یہ فقرہ چست کیا کہ کھانا بھی نہیں کھایا۔ مانتا ہوں استاد۔ اب اور کیا تم کو یا مجھ کو کھا جاتے۔

داروغہ۔ تو مُرغ پلاؤ کی فرمایش کر گئے ہیں۔

مرزا۔ ذرا اچھا پکوانا خوب بھاری پلاؤ۔

داروغہ۔ ہم کو سکھاتے ہو خدا کی شان ہے۔ عمر بھر یہی کیا کیے یا کچھ اور۔ مرغ پلاؤ پکوانا ہم کو سکھاتے ہو۔ ایسا پلاؤ ہو کہ انگلیاں چاٹیں سب۔ نواب صاحب کو ذرا ہوش تو آنے دو۔ اور سب کو تھوڑا تھوڑا چکھاؤں گا ذرا انصاف سے

رائے دینا۔

نواب نامدار کوئی ساڑھے چھ بلکہ سات بجے ذرا سن کے۔ تو خدمت گار نے آہستہ آہستہ پانوں دبانے شروع کیے کہ بیدار ہو جاتیں۔ جیسے ہی انھوں نے ذرا کروٹ بدلی خدمت گار نے دبے دانتوں عرض کیا خداوند دونوں وقت ملتے سونے سے سُستی آتی ہے اب سرکار نہ سوئیں۔

محمد عسکری آنکھ ملتے ہوئے اٹھے اور پھر لیٹ رہے کوئی پانچ چھ منٹ تک کروٹیں بدلا کیے۔ ادھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر۔ آخر کار داروغہ نے آن کر عرض کیا۔ سرکار اب سونے کا وقت نہیں ہے۔ چھوٹے صاحب آئے تھے پھر گئے اور حضور کو ابھی بہت کچھ بندوبست کرنا ہے۔ وقت اب قلیل رہ گیا ہے۔ نواب صاحب نے کہا چھوٹے صاحب آئے اور تم لوگوں نے ہمیں نہ جگایا۔ جرمانے کے قابل کام کیا ہے۔ سب پر جرمانہ کروں گا ایک سرے سے داروغہ مزاج میں بہت کچھ دخیل اور منہ چڑھا بھی تھا، کہا حضور اسی میں خیریت گذری کہ کسی نے جگایا نہیں اور اگر کوئی جگاتا بھی تو غلام کب روا رکھتا۔ آج حضور نے بڑی بے اعتدالی کی اور کوئی دن ہوتا تو کچھ ہرج نہ تھا اپنا گھر ہے۔ اوّل تو اس وقت آپ کا جاگنا محال تھا۔ اگر بفرض محال بیدار بھی ہوتے تو ہرگز ملاقات کے قابل نہ تھے لہذا میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ آج کچھ طبیعت نصیب اعدا علیل ہے اور سرکار نے اسی سبب سے کھانا نہیں کھایا ہے۔ ابھی ابھی آنکھ لگی ہے۔ بہت بے چین تھے، سونے سے ذرا سکون ہو گا۔ حکم ہو تو جگا دوں۔ فرمایا نہیں نواب صاحب کو آرام کرنے دو۔ اب ہم صبح کو آئیں گے اور ہم نے سب سامان لیس کر دیا ہے۔ میں نے پوچھا کہ ہندوستانی کھانا بھی کچھ پکوایا جائے فرمایا اس کا جواب ہم پیچھے دے دیں گے لیکن مرغ پلاؤ ہو تو کچھ ہرج نہیں شاید صاحب لوگ پسند کریں۔ اب حضور منہ دھو کے چل کے ذرا باغ میں بیٹھیں تو مشورہ ہو مجھے بڑی فکر ہے کہ خدا کرے سب کام بخوبی اور نیک نامی کے ساتھ انجام پائیں اور خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا۔ حضور کی نیک نیتی سے سب کام درست ہو جائیں گے۔

نواب صاحب نے کہا وہ کام ہی کون ایسا ہے۔ کام تو انجام پا ہی جائیگا

پچاس ساٹھ آدمیوں کی دعوت بھی کوئی بڑی بات ہے مگر ہمیں اس وقت اس کا البتہ رنج ہوا کہ چھوٹے صاحب آئے اور چلے گئے اور ملاقات نہ ہوئی۔ وہ بھی اپنے دل میں کہتے ہوں گے کہ ہندوستانیوں کی بات اور وعدے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ وہ بے چارے تو اس محبت سے دوڑے آئے۔ اور ہم پڑے خراٹے لے رہے ہیں۔ خیر اب کل عذر کر دیں گے، کہہ دیں گے کہ طبیعت دفعتہً ناساز ہو گئی لیٹ رہا۔ لیکن میرے آدمیوں کی غلطی اور بے وقوفی تھی کہ آپ آئے اور انھوں نے مجھے جگایا تک نہیں۔ میں جرمانہ کروں گا ان پر انھوں نے واقعی جرمانے کا کام کیا ہے۔ بس فوراً کہیں گے کہ نہیں نہیں نواب صاحب کچھ بات نہیں ہے کوئی ضروری کام بھی نہ تھا آپ سے۔

داروغہ نے کہا سرکار یہ دو چار چھپّر یہاں بڑے بُرے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کو اجڑوا ڈالیے۔ مسکرا کر جواب دیا آپ کوئی حاکم ہیں یا وہ لوگ آپ کے بسے ہیں۔ پرایا مکان۔ پرایا چھپّر آپ آخر اجڑوانے والے کون، کیا دور کی سوجھی ہے۔ اور وہ جو آپ سے کہیں کہ آپ اپنا مکان کھدوا کے پھینک دیجیے تو کیسی ہو داروغہ بولا حضور حاکم نہ سہی زورِ زر تو ہے۔ ے

اے زر تو خدا نئی ولیکن بخدا ستار عیوب وقاضی الحاجاتی

زر بر سر فولاد نہی نرم شود

دو دو چار چار روپے کے بنواتے ہوں گے۔ ہم دس دس دینے کو تیار ہیں۔

نواب صاحب نے کہا ہاں یوں تو مکان ان کے چاہے کھدوا ڈالو۔ ستّو کا مکان ہو ہزار روپے دو۔ ازیں چہ بہتر۔ چپڑی اور دو دو اور یہ چھپّر ہمارا کیا لیتے ہیں۔ نہ ہمارے مکان میں۔ نہ ہم کو ان سے کوئی سروکار ہے چھپّر پڑے ہیں الگ، ہم سے مطلب اور واسطہ کیا۔

دوسرے روز تڑکے دھندلکے چھوٹے صاحب اپنے عربی رہوار تیز گام وگلفام پر سوار ہو کر نواب نامدار کے ایوان عظمت بار میں داخل ہوے۔ دریافت فرمایا کہ نواب صاحب محل میں ہیں۔ یا کمپ سے باہر چلے گئے خدمت گار نے

عرض کیا۔ حضور ٹم ٹم پر سوار ہو کر ہوا خوری کو تشریف لے گئے ہیں مگر کہہ گئے ہیں کہ اگر حضور صاحب بہادر تشریف لائیں تو ان کو گول کمرے میں بٹھانا۔ ہم ابھی ابھی آتے ہیں۔ تھوڑی ہی دور ہوا خوری کو جاتے ہیں۔ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ داروغہ نے آن کر کہا صاحب خداوند سرکار آرام میں ہیں اگر حکم ہو تو جگا دیئے جائیں' اب صاحب کی عقل دنگ کہ خدمت گار تو یہ کہتا ہے کہ سوار ہو کر ہوا کھانے گئے اور کہہ گئے ہیں کہ صاحب کو بٹھانا' اور داروغہ کچھ اور ہی بک رہا ہے۔ خدمت گار کو بلا کر پوچھا۔ نواب صاحب کیا کہہ گئے ہیں۔ وہ لگا نعلین جھانکنے۔ حضور شاید۔ حضور۔ مجھ سے بڑی۔ اتنے میں داروغہ بولے۔ خداوند یہ لوگ کیا جانیں ہمارے سرکار آرام میں ہیں۔ اگر حکم ہو تو جگا دیے جائیں کہ اتنے میں میاں مٹن آئے صاحب کو ادب کے ساتھ سلام کیا اور کہا حضور نواب صاحب کی تلاش میں ہیں۔ نواب صاحب کے ایک دوست نے کل شب کو اپنے ہاں جلسے میں طلب کیا تھا اس وقت نواب صاحب نے مجھے دوڑا دیا کہ اگر صاحب بہادر تشرلائیں تو تم ساتھ ساتھ رہو اور سرکار آج کچہری میں یا حضور کے بنگلے پر کسی وقت حضور سے ملیں گے اب صاحب اور بھی چکراتے کہ یہ اسرار کیا ہے۔ جو آتا ہے نیا فقرہ سُناتا ہے۔ کسی کے قول فعل کا اعتبار نہیں خدمت گار کہتا ہے ہوا کھانے گئے ہیں۔ اور کہہ گئے ہیں کہ صاحب کو بٹھائے رکھنا۔ داروغہ کہتا ہے کہ گھر ہی پر ہیں اور آرام فرما رہے ہیں۔ اب یہ ایک اور صاحب آئے جو سب سے بڑھ گئے من چہ فش ام برادر فلاں من بسیار فش است۔ یہ کہتے ہیں کہ نہ نواب صاحب آرام میں ہیں نہ ہوا کھانے گئے ہیں وہ گھر ہی پر نہیں بتا تا یہ سب سے بڑھ گئے۔ صاحب زندہ دل اور ہنس مکھ آدمی تھے اس خلاف بیانی پر دل ہی دل میں ان کو ہنسی آئی ایک عورت جو محل سرا سے نکلی تھی۔ اس سے پوچھا نواب صاحب اندر کیا کرتا ہے۔ وہ کسی قدر ہراساں ہوئی کوئی دو منٹ غور کر کے کہا کہ اے حضور مجھے کیا معلوم میں کیا گھر بھر کا جائزہ لیتی پھرتی ہوں کچھ صاحب نے کہا تم کو ہم حوالات کو بھیج دے گا۔ ایک دم سے تم بولو کہ نواب صاحب کہاں ہے۔ تنگ آ کر جواب دیا۔ اے کیا کوئی دوڑ لائے ہو۔ یہ کہہ کر محل سرا میں گئی۔

عباسی سے کہا کچھ دال میں کالا کالا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ خیر کرے ایک صاحب گھوڑے پر سوار کھڑے ہیں پھاٹک کو گھیرے ہوے اور نواب صاحب کو پوچھ رہے ہیں۔ اور داروغہ، دربان، خدمت گار اور ممّن سب کے سب تھرّا رہے ہیں۔ نہ جانے کیا سبب ہے۔

عباسی نے دواجی سے کہا۔ انھوں نے بیگم صاحب کو خبر دی وہ سنتے ہی کانپ اٹھیں اور نواب صاحب کو جگایا۔ یہ آنکھیں ملتے ہوے اٹھے اور پھر لیٹ گئے۔ مگر بیگم صاحب کی گھبراہٹ دیکھ کر خود بھی گھبرا گئے اٹھ بیٹھے۔ بیگم صاحب نے کہا، ذری دریافت تو کرو آج سویرے سویرے یہ کون انگریز تمھاری تلاش میں ادھر اُدھر منڈلا رہا ہے۔ نواب صاحب نے کہا کوئی ہوگا۔ عباسی سے کہو دریافت کرے اتنے میں ایک مہری نے نواب صاحب کو ایک رقعہ دیا اور کہا باہر سے کسی نے بھیجا ہے۔ نواب صاحب نے کھولا پڑھا۔

حضور سرکار۔ آج سورج سے ایک انگریز بہادر حضور کو پوچھت تے کی حضور ر کہاں ہیں۔ سو ہم لوگوں نے کہا کی ہم نہیں جانتے ہیں گے اور وہ یہاں نہ ہیں گے اسپ کے اوپر سوار ہیں گے۔ اور داروغہ نے کہہ دیا کی سرکار آرام کرت ہیں گے۔ جو جو حکم ہو دے گا ویسا کیا جاوئے گا۔ اور واجب تھا عرض کیا۔ آفتاب دولت واقبال درخشاں باد۔

عرضی۔ تابعدار عبدی ت نثار ممّن علی۔

نواب صاحب نے اس کی پشت پر جواب لکھنا چاہا۔ مگر قلم دوات کاغذ سب نہ دارد۔ کوٹھی میں آدمی دوڑا گیا۔ مہری نے دربان سے کہا دربان نے خدمت گار سے اُس نے کوٹھی کا وہ کمرہ کھلوایا جس میں لکھنے پڑھنے کا سامان صرف دکھانے کے لیے رکھا تھا اور کبھی کام نہیں آتا تھا۔ وہاں سے قلم دوات کاغذ لے کر دربان کو دیا۔ اس نے آواز دے کر مہری کو بلوایا مہری نے اوپر لے جاکر نواب صاحب کو دیا اور حضور نے جواب لکھا۔

مم من تم بڑی تمیز سے پوچھو کے نام یا نے اسمی شریف صاحب بہادر کا کیا ہے اور ہم کو لکھ کھو۔ محمد عسکری عفی عنہ تاریخ چوتھی

اللہ کی عنایت سے دونوں زبردست منشی نکلے۔ ایک تو حضور کو (حضود) صبح کو (سونح) پوچھتے (پوچھت تے) اور کہ کو (کی) لکھتے ہیں۔ آفتاب میں آف الگ تاب الگ عبودیت شعار کی خرابی عبدی ت نثار۔ ماشاءاللہ۔ ع

خود غلط انشا غلط املا غلط

دوسرے صاحب نے ان کے بھی کان کاٹے۔ یہ ممّن کو م من اور یعنے کو یا تے کو اور لکھو کو لکھ کھو لکھتے ہیں دونوں اچھے ملے۔

صاحب اپنے دل میں ہنستے تھے کہ اتنی دیر ہو گئی ابھی تک یہی نہیں معلوم ہوا کہ نواب صاحب گھر میں ہیں یا نہیں بہرکیف جب تک ممّن کا جواب آتے نواب صاحب کو یاد آ گیا کہ چھوٹے صاحب آتے ہوں گے فوراً منہ دھو کر کپڑے پہنے اور باہر آئے۔

صاحب۔ ہم کو نواب صاحب بڑی تکلیف ہوئی۔

ع۔ جی نہیں۔ آپ کب سے آئے ہوئے ہیں۔

صاحب۔ البتہ ایک گھنٹہ تو ہوا ہو گا ہم کو۔

ع۔ ان لوگوں نے مجھے ذرا اطلاع نہ دی۔

صاحب۔ یہ آپ کا انتظام ہے نواب صاحب۔

داروغہ۔ حضور آدمی سے غلطی ہو گئی اتفاقیہ۔

ع۔ کیا جھک مارتے ہو۔ آدمی سے غلطی کیا ہوئی تم سے خود غلطی ہوئی۔ صاحب ایک گھنٹہ سے صاحب تشریف لاتے ہیں اور تم کو خبر ہی نہیں۔ افسوس کا مقام ہے سخت افسوس کا مقام ہے واللہ۔ اور تم ہی ایسے لوگ مالک کو بدنام کرتے ہیں۔ چھوٹے صاحب میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔

صاحب۔۔ دل کچھ پروا نہیں۔ مگر آپ کی آیا بڑی بگڑی تھی ہم سے بہت خفا ہوتی۔

ع۔ (داروغہ سے) کون آیا تھی میاں۔ اور بگڑنے کے کیا معنی۔

صاحب نے گھوڑے سے اتر کر ہاتھ ملایا اور کہا اب آیا کو جانے دیجئے اور ہمارے ساتھ چلیے اس جگہ پر۔

چھوٹے صاحب نے انگریزی کھانا پکوانے کے لیے ایک مقام جو کوٹھی اور باغ سے علاحدہ تھا پسند کیا اور باورچیوں کو جوان کے ہمراہ آئے تھے تاکید کی کہ عمدہ سے عمدہ کھانا پکتے۔

محمد عسکری نے دریافت کیا کہ اگر کسی قدر ہندوستانی کھانا ہو تو ہرج تو نہیں ہے۔ انھوں نے غور کر کے کہا ہندوستانی کھانے میں صرف مرغ پلاؤ ہو، مگر وہ ثقیل اس قدر ہوتا ہے کہ صاحب لوگ کم پسند کرتے ہیں۔ مجھے تو آپ کے ہاں کا پکا ہوا مُرغ پلاؤ بہت ہی پسند ہے۔ لیکن چھ سات چمچ سے زیادہ میں نہیں کھا سکتا۔ یا یوں کہوں کہ اس سے زیادہ میں نہیں کھاؤں گا۔ ہم لوگوں کی غذا سادی ہوتی ہے۔ گھی اور شیرۂ بادام اور بھاری بھاری چیزیں ہم نہیں کھاتے۔ ہم سوپ کھاتے ہیں مرغ کی کسلف یا رسٹو جس طرح آپ کے ہاں قورمہ پکتا ہے۔ ہمارے یہاں کری پکتی ہے جس کو خانساماں لوگ کاری کہتے ہیں۔

کاری بھات۔ مگر ہمارے ہاں کی کری آپ کے قورمے سے بہت ہی ہلکی ہوتی ہے۔ ہم اس کو نوڈائیٹ Nodiet کہتے ہیں یعنی ہلکی غذا۔ غذائے سبک۔ آپ لوگ شیرمال اور باقرخانی اور پراٹھے کھاتے ہیں۔ ہم توسٹ پکا ٹوسٹ ڈبل روٹی کھاتے ہیں جو زود ہضم ہوتی ہے۔ مکھن کا البتہ ہم لوگ استعمال کرتے ہیں اور مکھن بہت اچھی چیز ہے۔ پلاؤ بہت ثقیل غذا ہے اور دیر ہضم۔ ہم لوگ دن بھر میں چار بار کھانا کھاتے ہیں آپ لوگ دو مرتبہ کھانا کھانے کے عادی ہیں۔ ہمارے نزدیک دو بار کھانے سے چار بار کھانا اچھا ہے۔ مگر جو لوگ اس کے عادی ہو گئے ہیں۔ ان کے نزدیک مساوی ہے۔ یہاں نیچ قوم کے آدمی صرف ایک بار کھانا کھاتے ہیں۔ مگر کیسے قومی مضبوط اور جفاکش ہوتے ہیں۔ آپ کے ہاں حقہ البتہ اچھی چیز ہے۔ ہمارے چُرٹ اور سگار سے کہیں بہتر ہے۔ یوں تو تمباکو اصل میں زہر ہے مگر جب انسان عادی ہو جاتا ہے تو اس کو چنداں مضر نہیں ہوتا۔ ہاں جس طرح آپ لوگ پیتے ہیں وہ بہتر طریقہ ہے کیونکہ دھواں پانی سے ہوتا ہوا آتا ہے اور ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ خراب چُرٹ تو گلے کو جلا دیتا ہے۔ ہاں اگر تیلا ہو۔ یا سیگرٹ تو خیر اس سے بہتر ہے۔

نواب صاحب نے کہا حضور آپ لوگوں کی غذا حکمت پر مبنی ہے۔ اور ہم

لوگوں کی غذا زیادہ لذیذ ہوتی ہے۔ اور جس قدر لذیذ ہوتی ہے اسی قدر ثقیل بلکہ اثقل سب سے بہتر غذا شوربا چپاتی ہے۔ مگر امرا بھلا شوربا چپاتی کیوں کھانے لگے۔ پلاؤ ہو اور زردہ ہو، اور قورمہ، اور کباب، اور انواع و اقسام کی لوزیات، اور ثقیل کھانے جب تک نہ ہوں تب تک دستر خوان کا لطف ہی نہیں آپ لوگوں کی غذا کو شراب بھی تو آخر کچھ تحلیل کرتی ہے۔ اِدھر کھانا کھایا۔ اُدھر دو تین گلاس پیتے چلیے سب ہضم ہو گیا۔

چھوٹے صاحب نے کہا نواب صاحب شراب مفید بھی ہے اور مضر بھی، اس کی مضرتیں بھی بے شمار ہیں۔ اس کا تو جس قدر کم چرچا ہو اسی قدر اچھا۔ ہزاروں گھروں اور لاکھوں خاندانوں اور امیروں کو اس نے خراب اور تباہ کر دیا۔ اور لوگوں کا دیوالہ نکلوا دیا۔ بڑی بری چیز ہے۔ مگر انگلستان میں اس کی کثرت ہے۔ اوّل تو ملک سرد۔ دوسرے دولت کی کثرت۔ تیسرے لوگوں کے مزاج میں آزادی اور مطلق العنانی بہت ہے۔ اور ایک بڑا طبقہ آوارہ مزاج ہے۔ بڑی خرابی وہاں یہ ہے کہ عورتیں بھی کثرت سے پیتی ہیں۔ مگر زیادہ تر چھوٹے درجے کی عورتیں طبقۂ اعلیٰ کی خواتین بھی پیتی ہیں۔ لیکن اعلےٰ سے اعلےٰ قسم کی ہلکی شراب۔ وہاں درجۂ اوسط کے لوگ البتہ قاعدے سے رہتے ہیں۔

نواب صاحب نے کہا ہم لوگوں میں بھی یہی قاعدہ ہے درجہ اوسط کے لوگ سب سے اچھے ہیں۔ درجۂ اوّل کے لوگوں میں ذرا عیاشی اور اوباشی، اور آرام طلبی اور عیش کا چرچا زیادہ ہے۔ بلکہ اس کے سوا دین و دنیا دونوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ عیش میں سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے، اور خرابی یہ ہے کہ پڑھنے لکھنے سے نفرت۔ صحبت خراب۔ بٹیر بازی، مرغ بازی، پتنگ بازی، چانڈو بازی، چرس، مدک، اس کا بڑا شوق ہے۔ اور بڑھتا ہی جاتا ہے۔ ہم تو صاحب ان سب باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ اب تک نو بچے ہوتے ہیں آگے خدا جانے۔

الغرض چھوٹے صاحب باورچیوں کو ضرور باتیں سمجھا کر سوار ہو گئے۔ اور ادھر محمد عسکری نے آدمیوں کو للکارنا شروع کیا۔

ممّن نے نواب صاحب سے باصرار کہا کہ حضور اگر محفل کی رونق منظور ہے تو اسی دیہاتن کو بلوایے۔ گو شہر کی سی باتیں اور یہاں کے محاورات نہیں جانتی۔ مگر دیہاتی بولی اس کے منہ سے ایسی بھلی معلوم ہوتی ہے کہ میں کیا عرض کروں۔ ؎

چلتی تو زمیں میں سرو گڑتے

باتیں کرتی تو پھول جھڑتے

اور حضور آپ کے شہر میں اس صورت کا ایک طائفہ تو ہے نہیں اور کپڑے پیشواز زیور کی بھی کمی نہیں۔ اس کی ماں بڑی مال دار ہے۔ حیثیت دار ہے۔ کچھ کنگال نہیں ہے۔ یہ غزل اس طرح پر گاتی ہے کہ ساری محفل لوٹ جاتی ہے۔

صبا بلطف بگو آں غزال رعنا را

کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ مارا

نواب صاحب نے متحیّر ہو کر فرمایا۔ یہ غلط بات ہے۔ بھلا دیہاتن اور کم سن فارسی غزل سے اس کو کیا سروکار ہے۔ اوّل تو دیہاتنیں عموماً غزلیں کم گاتی ہیں اور پھر فارسی کی غزل۔ ممّن بولا سرکار۔ ع

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

صاحبان یورپین کی دعوت کی نسبت نواب چھٹّن صاحب اور محمد عسکری میں بحث ہو گئی کہ جس میز پر وہ لوگ کھانا کھائیں اس پر ان کو کھانا چاہیے یا نہیں۔ محمد عسکری نے کہا بھائی صاحب ہماری رائے تو نہیں ہے۔ اوّل تو شراب اڑے گی۔ دوسرے بے کن اور پورک اور رہیم ہو گا۔ اور ان سب سے میاں نفرت کلّی ہے۔ خواہ مخواہ گرفتار معصیت ہونا کس نے بتایا ہے۔ اوّل تو جو افعال ہمارے ہیں وہ جیسے ہیں ظاہر ہیں۔ یہی کیا کم ہیں کہ بیٹھے بٹھائے اور گناہوں میں گرفتار رہوں۔ ہماری رائے ہے کہ چھوٹے صاحب سے صاف کہہ دیں کہ ہم لوگ اس وقت تواضع تکریم میں ہوں گے ہم کو میز پر کھانا کھانے سے معاف رکھیے۔ چھٹّن صاحب نے غور کر کے جواب دیا کہ میز پر کھانا تو ہمارے بھی خلاف ہے۔ نیچر یے تو ہم ہیں نہیں کہ چھُری کانٹے سے کھائیں، یا کھڑے ہو کر شاشیدن کا صیغہ گردانیں۔ یہاں تو سیدھے سادے مسلمان ہیں۔ تواضع تکریم کا لفظ کہیے گا نہیں صاف صاف کہہ دو کہ ہم اپنے مذہب کے

پابند ہیں اور ہمارے مذہب کی رُو سے اس میز پر کھانا نہیں جائز ہے جس پر شراب ہو اور آپ لوگوں کی دعوت کرکے شراب نہ پلانا یا پورک اور ہیم نہ دینا خلاف وضع ہے۔ وہ فہمیدہ آدمی ہیں سمجھ کے جواب دیں گے۔ مذہبی امور میں یہ لوگ کبھی سُست اندازی پسند نہیں کرتے۔ عیسےٰ بدینِ خود موسےٰ بدینِ خود۔ اتنے میں چھوٹے صاحب گھوڑے پر سوار تشریف لائے۔ محمد عسکری نے استقبال کیا۔ چھٹن صاحب نے گفتگو چھیڑی۔ کہا صاحب ایک بحث کا تصفیہ کیجیے۔ ہم لوگ اس میز پر نہیں کھا سکتے جس پر شراب ہو۔ آپ ہم سے شریک ہونے کا اصرار نہ کیجیے گا اگر ہم شریک ہوں گے تو ہمارے علما۔ اور اعزہ کو برا معلوم ہوگا۔ اور لوگ ہم لوگوں کو بنائیں گے۔ چھوٹے صاحب نے کہا ہم نے اکثر بار اہلِ اسلام کے ساتھ کھانا کھایا ہے اور وہ لوگ پڑھے لکھے شایستہ ہیں۔ چھٹن صاحب نے مسکرا کر جواب دیا۔ جناب مگر مشکل تو یہ ہے کہ جن کو آپ شایستہ اور پڑھے لکھے سمجھتے ہیں ان کو ہمارے ہاں کے علما ناشایستہ اور بدتر از جاہل سمجھتے ہیں۔ چھوٹے صاحب نے کہا اچھا آپ یہ بتایئے کہ ہم کو آپ اہلِ کتاب سمجھتے ہیں یا نہیں۔ چھٹن صاحب نے جواب دیا کہ مذہبی دلیلوں کو جانے دیجیے اس کا سلسلہ بہت دراز ہے۔ مگر اس بات پر غور فرمایئے کہ ہمارے ملک میں رسم و رواج کو مذہب پر بھی ترجیح ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں یہی قاعدہ ہے۔ اوّل تو ہم اس کو جائز نہیں رکھ سکتے کہ اس پلیٹ کے قریب پلیٹ رکھ کر کھانا کھائیں جس میں پورک یا ہیم ہو، یا اس گلاس کے پاس ہمارا گلاس ہو جس میں برانڈی یا اور قسم کی شراب ہو۔ چھوٹے صاحب نے کہا نواب صاحب سنیے۔ گلاس کے پاس گلاس رکھنے سے ایک گلاس کی شراب دوسرے گلاس میں نہیں کود جاتی انھوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے۔ مگر چونکہ شراب ہمارے مذہب میں ناجائز قرار دی گئی۔ لہٰذا حکم ہے کہ اس قدر احتیاط کرنا چاہیئے کیونکہ ہم ایسے لوگوں کے ساتھ کھائیں پئیں، جو شراب پیتے ہیں تو شاید ہم بھی رفتہ رفتہ وہی فعل کرنے لگیں۔ چھوٹے صاحب نے پوچھا اب فرمایئے کہ روم میں عیسائی اور مسلمان ساتھ ہیں یا نہیں۔ برابر کھاتے ہیں۔ اور ہم نے خود وہاں تجربہ کیا ہے۔ اور کھایا ہے۔ چھٹن صاحب نے کہا۔ اوّل تو ہم پر فرض نہیں ہے کہ اہلِ روم کی تقلید کریں۔ اگر روم کے باشندے

کوئی ناجائز فعل کرتے ہیں تو کچھ ضروری نہیں ہے کہ ہم بھی ان کا تتبع کریں ۔ ہم نے سنا ہے کہ رومی عورتیں فرنچ لباس زیادہ تر استعمال کرنے لگی تھیں ۔ اور اب فرمانِ سلطانی نافذ ہونے سے اس میں کسی قدر کمی ہو گئی ہے تو یہ فرض نہیں ہے کہ ہم اپنی ماں بہنوں کو بھی گون اور سایہ پنہائیں ۔ دوسرے روم اہلِ اسلام کی سلطنت ہے ۔ وہاں جو عیسائی اہلِ اسلام کے ساتھ کھاتے ہیں وہ قاعدے میں رہتے ہیں ۔ نہ شراب پیتے ہیں نہ پورک کھاتے ہیں ۔ چھوٹے صاحب نے کہا اچھا یہ بھی ہم نے تسلیم کیا' اب یہ بتایئے کہ شاہ ایران نے یورپ میں عیسائی بادشاہوں اور شہزادوں اور شہزادیوں کے ساتھ کیوں کھانا کھایا تھا ۔ انھوں نے جواب دیا کہ وہ بادشاہ اور والی سلطنت ہیں ۔ وہ جو کریں جائز ہے ۔ ہم غریب آدمی ان کی تقلید کریں تو یہ شعر صادق آئے ۔ ؎

جو کی تقلید خسرو کی تو کارِ کوہ کن بگڑا
چلا جب چال کوّا ہنس کی اسکا چلن بگڑا

چھوٹے صاحب ۔ اچھا تو آپ لوگ الگ میز پر کھائیں ۔

ع ۔ ہاں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے یہ مانا ۔

چھٹن ۔ اسی کمرے میں دو میزیں ہوں گی علاحدہ علاحدہ ۔

ع ۔ ایک میز پر ہمارا کھانا ہو گا ایک پر آپ کا ۔

چھوٹے صاحب ۔ نیچری بھی ہوں گے یا نہ ہوں گے اس روز ۔

ع ۔ ہاں ہاں ضرور دو ایک کو تو بلوائیں گے ۔

چھٹن ۔ وہ لوگ البتہ آپ کے ساتھ کھائیں گے ۔

ع ۔ بے دھڑک کھلے بندوں کھائیں گے صاحب ۔

چھوٹے صاحب ۔ ہمارے ساتھ کئی نیچریوں نے کھایا ہے ۔

ع ۔ جی ہاں ان کی جماعت بھی بڑھتی جاتی ہے ۔

چھٹن ۔ یہ سب انگریزی تعلیم کا اثر ہے ۔

چھوٹے صاحب ۔ اس کو غنیمت سمجھیے نواب صاحب بہادر ۔

ع ۔ واہ مذہب کو ترک کرنا بھی کوئی اچھا اثر ہے ۔

چھوٹے صاحب ۔ جن مسلمان جنٹل مینوں نے ہمارے ساتھ کھانا کھایا ہے

ان سے اور ہم سے بڑی بے تکلفی ہوگئی۔ آپ لوگ اگر یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے مدارج اعلیٰ ہو جائیں تو ہمارے ساتھ کھانا کھانے کو جائز کر دیجیے۔ پھر دیکھیے ان قوموں کی نسبت آپ کس قدر بڑھ جاتے ہیں۔ جنھیں ہمارے ساتھ کھانا کھانا کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔ وہ بے تکلفی جو ہم میں اور آپ میں ہونی چاہیے وہ ہرگز اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک ہم اور آپ ساتھ بیٹھ کے کھانا نہ کھائیں۔

ع۔ تو ابھی بہت مشکل ہے چھوٹے صاحب۔

چھٹن۔ بے انگریزی پڑھے یہ امر محال ہے۔

ع۔ ابھی دو سو برس تک ایسا نہیں ہو سکتا صاحب۔

چھٹن۔ دو نہیں تو پچاس برس میں تو شک نہیں۔

ع۔ ہاں انگریزی تعلیم کی ترقی کے ساتھ اس کی بھی ترقی ہوگی بغیر اس کے ترقی معلوم۔

چھوٹے صاحب۔ تو اب یہ رائے قرار پائی کہ دو میز پاس پاس ہوں۔ ایک پر آپ کھائیں، اور ایک پر ہم لوگ۔ اچھا اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔

جب چھوٹے صاحب چلے گئے تو محمد عسکری نے نواب چھٹن صاحب سے کہا یار دونوں میزوں کا قریب ہونا بھی اچھا نہیں۔ مجھے شراب کی بو سے نفرت ہے۔ شراب کے نام سے نفرت ہے۔ اور وہاں زنازن بوتلیں اڑیں گی۔ سوڈا اور لوینڈ تک تو خیریت ہے مگر یہ برانڈی اور ہوئسکی اور پورٹ، دنِ قیامت ہے چھٹن صاحب نے کہا پورٹ وورٹ نہیں۔ پورٹ وائیں کہا کرو۔ اور پورٹ تو بیمار پیتے ہیں۔ برنڈی اور ہوئسکی اور شمپین اور شری البتہ اُڑے گی۔ سب سے زیادہ یہ لوگ ہوئسکی استعمال کرتے ہیں۔ برانڈی بھی آج کل کم پی جاتی ہے۔ محمد عسکری نے آہ سرد کھینچ کر کہا' بھائی جان وہ ہوئسکی ہو یا پورٹ۔ چہ ترکی چہ کدو لعنت بھر دو۔ اس سے کیا مطلب کہ پورٹ پیتے ہیں یا برانڈی۔ شراب تو دونوں ہیں۔ جیسی یہ ویسی وہ۔ دونوں یکساں ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ لحم خوک ہوگا یار ہم تو ہرگز نہ بیٹھیں گے۔ ہم صاف انکار کر دیں گے کہہ دیں گے صاحب ہم کو معاف کر دیجیے۔ نیچر یلوں میں آغا صاحب اور مسٹر ریاض اور منصف صاحب کو بُلوا لیں گے۔ یہ لوگ اسی میز پر چھری کانٹے چلائیں گے۔

ان کو اس کی پرواہ نہیں ہے۔ مسلمان ہو یا عیسائی کسے با شد اتنے میں میاں ممن آئے کہا حضور میں اس سے کہہ آیا ہوں کہ آج ناچ ہو گا۔ حضور بانگی دیکھ لیں۔ اگر پسند نہ آئے تو ناچ غلام کے سر۔

اختر۔ معقول گویا انھیں کی نوچی ہے۔

راوی۔ اس پر بڑا قہقہہ پڑا۔ اور ممن جھینپا۔

ع۔ اس وقت تو ممن نے منہ کی کھائی واللہ۔

اختر۔ حضور اس نے بارہ برس سے اس کو پالا ہے۔

ع۔ جبھی تو اتنی تعریفیں ہوتی ہیں صاحب۔

اختر۔ جی اور کیا خداوند۔ ع

کس نگوید کہ دوغ من ترش ہست

ممن۔ اس وقت تو میاں اختر کے ذہن کا بغارا کھلا ہوا ہے۔ بڑی تیزیوں پر ہیں اور بہت خوش کہ میں نے بڑی پھبتی کہی۔ بات کرنے کی تمیز نہیں اور پھبتی کہنے پر آندھی روگ۔

کمال۔ حضور ذرا اس غزل کو سُنیے گا۔ غزل۔

فرقتِ ساقی میں یہ مقسوم پر پتھر پڑے ہیں الگ کونے میں ٹوٹے شیشہ و ساغر پڑے
پھر بہار آئے الٰہی پھر جنوں کا جوش ہو پھر گلے میں طوق ہو پھر پاتوں میں لنگر پڑے
کشتۂ عشقِ لبِ شیریں ہوں میں ای آسمان خاک کے بدلے دہانِ گور میں شکر پڑے
رنگ جم جائے مرے قاتل کا روزِ حشر بھی کیا تماشا ہو جو جھوٹا خون کا محضر پڑے

روز لایا کرتا ہے ہم مے پرستوں پر عذاب
دھول پر دھول آج واعظ بر سرِ منبر پڑے

ع۔ کیا اچھی غزل ہے واللہ۔ روزمرہ کتنا صاف ہے اور رول چال کو دیکھیے۔

کمال۔ روزمرے کے لفظ پر مجھے ایک شعر یاد آیا۔ ؎

گالیوں کا ہم پہ چلتا روز چھرّہ صاف ہے
کیا زباں ہے آپ کی کیا روزمرہ صاف ہے

ع۔ اجی کوئی فارسی غزل سُناؤ۔ از حافظ شیراز۔

کمال۔ بہت خوب حضور فارسی سنیے۔ ؎

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زدند
گلِ آدم بسرشتند و بہ پیمانہ زدند (حافظؔ)

ع۔ اہا ہاہا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ کیا کلام ہے

اختر۔ حضور بادۂ عرفان میں ڈوبا ہوا۔

کمال۔ (ایرانی لب ولہجہ میں) ؎

شکر ایزد کہ میاں من داد صلح فتاد
حوریاں رقص کناں ساغر مستانہ زدند (حافظؔ)

اختر۔ مستانہ نہیں۔ ساغر و پیمانہ زدند۔

کمال۔ یہ آپ میں بڑا عیب ہے کہ مشیخت جتانے کے لیے آپ ٹوک دیتے ہیں اسی کو حماقت کہتے ہیں بلکہ حماقت نہیں بدی، پاجی پن۔

ممتن۔ بچوڑا پن تو تمہارے مزاج میں ہے۔

اختر۔ پاجی کیسے صاحب اینچ کہیے۔ پاجی کے بھی پوتے بلکہ ہزار ہا جیوں کے پاجی۔ اینچ کہیے۔

ع۔ خدا جانے یہ ان لوگوں میں کیا عادت ہے کہ جہاں کوئی نیا آدمی آیا اور یہ سب جل مرے۔

ممتن۔ خداوندا اب انصاف کیجیے کہ اختر نے۔

ع۔ اچھا صاحب مختصر کیجیے بس اب۔ لاحول ولا قوۃ۔

چھٹن۔ یہ آپ کے ہاں بڑا ہی عیب ہے واللہ۔ لے اب بندہ تو رخصت ہوتا ہے۔ کل صاحب لوگوں کی دعوت نہ ہوتی تو پرسوں سفر کی تیاری کر دیجیے۔

ادھر چھٹن صاحب رخصت ہوئے ادھر محمد عسکری نے مصاحبوں کو ڈپٹنا شروع کیا کہ تم لوگوں نے میرا کلیجہ پکا دیا ہے۔ میرے دربار کو بدنام کر دیا۔ مگر یہ سب میری سزا ہے۔ خود کردہ را چہ علاج۔ میں نے بھی چن چن کے وہ چھنٹے ہوئے مصاحب نوکر رکھے ہیں کہ تمام لکھنؤ میں ان کے ثانی نہ ہوں گے۔ ایک سے ایک بڑھا ہوا۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ کے جلے مرتے ہیں کٹے مرتے ہیں گویا جانی

دشمن ہیں۔ اور ہزار بار سمجھا دیا کہ دیا کہ یہ سخت عیب ہے اگر لڑنا ہی فرض ہو گیا ہے تو کسی غیر کے سامنے نہ لڑا کرو۔ مگر کون سنتا ہے۔ صریحاً دیکھتے ہیں کہ چھٹن صاحب بیٹھے ہوئے ہیں۔ مگر ان کے سامنے روز سے بھی زیادہ تکرار شروع کر دی۔ اگر میرا بس چلتا تو شہر بدر کرا دیتا۔

ممن نے کہا خداوند بڑا شہر بدر کروانا تو یہی ہے کہ حضور کی عنایت کم ہو جائے۔ بس ہم لوگ اسی میں مر جائیں گے۔ اس سے بڑھ کر سزا ہم کو اور کیا مل سکتی ہے۔ شہر بدر کرانا ہمارے لیے یہی ہے۔ ؎

کلاہ گوشۂ سلطاں بہ آفتاب رسید
کہ سایہ برسر او داشت ہمچو سلطان است

اس شعر کے سنتے ہی حاضرین جلسہ نے وہ فرمایشی قہقہہ لگایا کہ کمرہ گونج اٹھا۔ اور بڑی دیر تک ہنسی رہی۔

ع۔ شیخ سعدی کو اچھی اصلاح دی حضور نے۔

ممن۔ خداوند یہ تو گلستاں کا شعر ہے۔

اختر۔ مگر کتنی اچھی اصلاح دی ہے۔ رسید کو رسد کیا۔ اور برسرش کو برسر او بنایا۔ اور داشت ہمچو سلطان ست۔ یہ ایجاد بندہ ہے شعر پڑھنا ہی کیا ضرور ہے آخر۔ ؎

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

ع۔ آپ ان سے بھی بڑھ کے عقل مند نکلے۔ یہ دوسرا شعر پڑھنا کیا ضرور تھا تا مرد سخن نگفتہ باشد۔ تک تو خیریت تھی دوسرے شعر کی ضرورت نہیں نظر آتی۔

اختر۔ خداوند جلدی میں منہ سے نکل گیا۔

ممن۔ پھر اسی طرح ہمارے منہ سے بھی جلدی میں نکل گیا تھا تو کیوں ہنستے تھے پھر

خودرا فضیحت، ودیگراں را نصیحت۔

ع۔ وہ اور بات ہے۔ یہ اور بات ہے۔

اختر۔ حضور وہ وہ شعر سناؤں کہ محفل پھڑک جائے۔ ؎

مدت کے بعد آئے نظر خیر و عافیت — کہیے مزاج کی تو خبر خیر و عافیت

گر نکہت بہار سے مل جائے پوچھیو — میری طرف سے تو شجر خیر و عافیت

اوصاف ہیں زیادہ زہد اپنی آہ میں — لیکن جو پوچھیے تو اثر خیر و عافیت

اللہ کیا سرور ہوا نشا سے بزم میں
اک بار یار پوچھے اگر خیر و عافیت

ع۔ بوڑھی ڈھڈو غزل دو ہزار برس کی۔

اختر۔ حضور غزل بھی کہیں ڈھڈو ہوا کرتی ہے۔

ع۔ واللہ میرے نزدیک۔ ع

لیکن جو پوچھیے تو اثر خیر و عافیت

کیا بے تکا مصرع ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔

اتنے میں نواب چھٹن صاحب کا رقعہ آیا۔

بھائی صاحب چھوٹے صاحب کی چھٹی آئی ابھی ابھی میں نے پائی۔ صاحب لوگوں کی دعوت کا جلسہ کل قرار پایا ہے۔ پرسوں سفر کی تیاری بول دی۔ آپ بھی تیار ہیں۔ اور سامان سفر سے لیس۔

بھابھی صاحبہ تو مجھ سے بڑی ہی خفا ہوں گی کہ یہی بہکا کے لیے جاتا ہے۔ مگر جب آپ سفر سے سرخ و سفید ہو کر واپس آیئے گا تب البتہ ہمیں دعائیں دینگی بھائی اس سفر کا ملتوی یا موقوف کرنا بڑی بُری بات ہے۔ اوّل تو لوگ ہنسیں گے کہ واہ اچھے پاگل آدمی ہیں۔ ایک ذرا سے سفر سے گھبرائے جاتے ہیں اور پھر تندرستی کو جو فائدہ اس سفر سے پہنچے گا اس کے مقابل میں ساری دنیا کی نعمت گرد ہے۔

محمد عسکری نے اس کے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجا۔ ؎

بہ سفر رفتنت مبارک باد — بہ سلامت روی و باز آئی

حکاّم یورپین کی دعوت

صاحبان یورپین کی دعوت کے روز بڑی چہل پہل اور دھوم دھام رہی ۔ انگریزوں میں صرف چھوٹے صاحب منتظم تھے اور ہندوستانیوں میں دوتین نواب زادے اور چھٹن صاحب اور محمد عسکری کے چند مصاحب مصروفِ اہتمام تھے ۔ آٹھ بجے کا وقت قرار دیا گیا تھا دو منٹ کم آٹھ بجے سے آٹھ پر چار منٹ تک کل صاحبانِ مدعو کی گاڑیاں آگئیں۔ ایک میز پر صاحبانِ یورپین کا کھانا چنا گیا دوسری میز پر محمد عسکری اور چھٹن صاحب اور محمد عسکری کے دو اعزّا نواب منّے صاحب اور آغا طاہر بیٹھے ۔ اور دو نیچریے اور ایک مصنّف صاحب خاص صاحبان یورپین کی میز پر بیٹھے ۔

یہ تینوں تو چھُری کانٹے سے کھانے کے خوب مشّاق ہوگئے تھے ۔ اور چھٹّن صاحب اور محمد عسکری کو بھی کسی قدر عادت تھی مگر نواب منّے صاحب اور آغا طاہر نے کبھی چھُری کانٹے سے نہیں کھایا تھا ۔ یہ نئی مصیبت میں پڑے اگر ہاتھ سے کھاتے ہیں تو ہنسے جاتے ہیں اور چھُری کانٹے سے کھایا نہیں جاتا ۔ بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے آخر کار چھُری کانٹے کو پھینک کر ہاتھ سے کھانا شروع کیا ۔

ع ۔ ہاتھ سے نہ کھاؤ ورنہ ہنسے جاؤگے اسی سے تو ہندوستانی بدنام ہیں ۔

منّے ۔ اس میں بدنامی کیسی اچھی بدنامی ہے لوگوں کو ہنسنے دیجیے ۔

ع ۔ تو چھُری کانٹے سے کھانا کون مشکل بات ہے ۔

منّے ۔ چھُری کانٹے سے کس مردود سے کھایا جاتا ہے ۔

ع ۔ تو پھر یہاں صاحب لوگ بن کے آنا کیا فرض تھا ہم کو بھی ہنسواؤگے ۔

منّے ۔ تم تو خاصے کرستان ہو ۔

چھٹّن صاحب نے کہا اب اسی وقت اس بحث کا فیصلہ قرار پایا ہے ۔ یہ کیا خواہ مخواہ کا جھگڑا شروع کردیا چھُری کانٹے سے کھانے میں کیا عیب ہے اس سے بڑھ کر ضعفِ اعتقاد اور کیا ہوگا ضعف الاعتقادی کی بھی انتہا ہے ۔ اور روم میں سب کھاتے ہیں مگر یہاں ہندیوں اور ہندوؤں کی صحبت نے ہم لوگوں کو بھی

ضعیف الاعتقاد کر دیا۔ عیاشی تماشہ بینی جائز ہے۔ مگر چھری کانٹے سے کھانا گناہ ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کو چھری کانٹے سے کھانے کی عادت نہیں ہے تو اس کو نکو بنانا کیا معنی ہم لوگوں کو چھری کانٹے سے کھانے کا کب اتفاق ہوتا ہے (محمد عسکری کی طرف مخاطب ہو کر) آپ ہی بتائیں آپ کے دستر خوان پر اسپون اور فورک کب آیا ہم تو گھر پر کبھی میز پر بیٹھ کر نہیں کھاتے اور نہ کبھی فورک اور اسپون استعمال کرتے ہیں۔ مگر ہوٹل میں البتہ اتفاق ہوتا ہے وہاں انکار نہیں کر سکتے۔

محمد عسکری نے جواب دیا۔ ہم میں اور آپ میں یہی فرق ہے۔ ہم نے آج تک ہوٹل میں کبھی کھانا ہی نہیں کھایا۔ بھلا ہوٹل کا کھانا ہم لوگ کیا جانیں۔ چھٹن صاحب مسکرائے۔ اور کہا کیوں صاحب مسلمان کے ہوٹل میں کھانے میں کیا گناہ ہے اور معلوم ہے کہ برتن ہمارے ہوں گے اور لحم خوک اور شراب کا لگاؤ نہ ہو تو پھر کھانے میں کیا قباحت ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھ کا پکا ہوا ہو تو کھانے میں کیا ہرج ہے۔ میز کو دھلوا ڈالا۔ اور برتن بدلوا ڈالئے۔ چلو بس چھٹی ہوئی۔ آپ بڑی مشیخت کی لیتے ہیں کہ ہم نے ہوٹل میں کبھی کھانا نہیں کھایا۔ گویا ہوٹل میں کھانا کھانا داخل گناہ و معصیت ہے۔ اس جہالت کے قربان ہاں ایک بات البتہ ہے کہ ہوٹل کے برتنوں میں ہم بھی نہ کھائیں گے۔ اس سے ہمیں بھی پرہیز ہے اور اہلِ اسلام کو ضرور پرہیز ہونا چاہیے۔

ادھر ہندوستانی جنٹل مینوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اور ادھر صاحبانِ یورپین باہم سوشیل اور پولٹیکل معاملات کی نسبت عالمانہ بحث میں مصروف تھے ایک کپتان صاحب نے اپنے دوست سے جو ان کی کرسی کے قریب بیٹھے تھے کہا کہ افسوس ہے کہ اب ہماری فوجی قوت کو وہ ترقی نہیں ہے۔ جو پیشتر تھی اور خصوصاً فوج بحری میں وہ ترقی روز افزوں نہیں ہوتی نظر آتی۔ ان کے دوست نے۔ جو ایک کالج کے پرنسپل تھے کہا کہ مجھے آپ کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے فوج برّی میں تو البتہ تنزل ہے اور اس کا سبب خاص یہ ہے کہ تخفیف اور کفایت شعاری کی جانب اب گورنمنٹ کے ارا کین کی توجہ زیادہ ہے۔ اور

بعض اوقات یہ کفایت شعاری نتائج بد پیدا کرتی ہے۔ یورپ کے براعظم میں کل بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتوں میں فوج کثیر ہے۔ مگر ہماری سلطنت میں نہایت ہی فوج قلیل ہے۔ مگر بحری قوت میں کوئی سلطنت ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی اور یہ بھی غلط ہے کہ سابق کی نسبت ہماری بحری قوت کم ہے۔ میں اس کو ہرگز نہ مانونگا موقع وقت پر آپ دیکھ لیجیے گا کہ اب بھی انگلستان میں کتنے نلسن پیدا ہو جاتے ہیں۔ برطانیہ اب بھی ملکہ بحر ہے۔ کپتان نے جواب دیا۔ آپ کی توجہ امور تعلیم وتدریس اور علوم کی اشاعت اور سائنس کی جانب زیادہ تر متوجہ ہے۔ شاید امور متعلقہ سیاست مدن کی طرف توجہ مبذول ہے۔

پرنسپل صاحب ہنسے۔ کہا آپ میرے سامنے کے صاحبزادے ہیں۔ اور مجھے امور سیاست مدن سکھاتے ہیں میرا سن اکیاسی برس کا ہے۔ اور آپ ابھی کوئی پینتیس سے زیادہ نہ ہوں گے۔ میں نے اپنی زندگی کا ایک معتدبہ حصہ سیاست مدن کے مطالعے میں صرف کیا ہے۔ آپ کے نزدیک میں صرف لونڈے ہی پڑھانا جانتا ہوں باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔ مگر یہ آپ کا خیال خام ہے۔

اب سنیے کہ ایک مس اور ایک نوجوان لفٹننٹ میں آہستہ آہستہ یہ گفتگو ہوتی تھی۔

مس۔ (م) انگلستان کے باشندے جب تک اس ملک کو خود نہ دیکھیں خالی پڑھنے یا سننے سے ان کو پورا پورا حال نہیں معلوم ہو سکتا۔

لفٹننٹ۔ (ل) ہماری بھی یہی رائے ہے۔

م۔ ہم کو کیا معلوم تھا کہ اس ملک میں قدم قدم پر ایک زبان بولی جاتی ہے۔

ل۔ بڑے افسوس کا مقام ہے کہ انگلستان کے پڑھے لکھے آدمیوں تک کو ہندوستان کی ذرا ذرا سی باتوں سے بھی واقفیت نہیں۔ تمہارا نہ جاننا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ لندن کے ایک پڑھے لکھے سوداگر نے جرمنی کے پتہ سے ہمارے نام خط بھیجا تھا مجھے بڑی ہنسی آئی۔ کہ لندن میں بھی ایسے ایسے بیوقوف موجود ہیں جن کو یہ بھی نہیں معلوم کہ لکھنؤ جرمن میں ہے یا ہندوستان میں۔ اور پھر اتنا بڑا اور مشہور شہر؟ کہ ہندوستان میں پچیس کروڑ آدمی رہتے

ہیں بنگالیوں کی اور ہی بولی ہے۔ سندھ میں اور ہی زبان بولی جاتی ہے۔ مدراسیوں کی کچھ اور ہی زبان ہے۔ بمبئی والے گجراتی بولتے ہیں۔ کشمیریوں کی زبان سب سے مختلف ہے۔ بریلی سے اگر ترڑکے ریل پر سوار ہو تو دو تین بجے نینی تال پہنچ جاؤ۔ مگر نینی تال اور بریلی کی زبان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کوہ نینی تال قابلِ دید ہے۔ ہم تو یہی صلاح دیں گے کہ اب کی گرمیوں میں نینی تال ضرور چلو۔

م۔ تم چلو ہم بھی چلیں۔

ل۔ واہ ازیں چہ بہتر۔

م۔ ایک ہی ہوٹل میں چل کے رہیں گے۔

ل۔ مجھے اس سے بڑھ کے اور کس بات میں خوشی ہوگی کہ ہم تم ایک ہوٹل میں رہیں۔ با ہمہ اور بے ہمہ۔ سب سے الگ تھلگ اور پھر سب سے مل جل کے۔

م۔ تو میں اپنے باپ سے ابھی سے اجازت لے لوں گی۔ تین چار مہینے نینی تال ہی میں رہیں گے۔

ل۔ میں کئی بار ہو آیا ہوں۔ عجیب مقام ہے۔

م۔ بڑی تعریف سنی ہے۔ سُنا ہے سبزہ بہت رہتا ہے اور عجیب راحت افزا مقام ہے۔

ل۔ جب تو لوکل گورنمنٹ کا سمر ہیڈ کوارٹر ہے (گرمی کا صدر مقام)

م۔ میں اب کی فصل پر ضرور چلوں گی۔

ایک جانب ایک مس جو دو جنٹل مینوں کے درمیان میں بیٹھی تھی۔ کہنے لگی کہ جب میں ولایت سے رشتہ چھوڑ کر ہندوستان روانہ ہوئی تو سمجھتی تھی کہ میں ایسے ملک کو جاتی ہوں جہاں کی عورتوں کو بالکل ان پڑھ اور جاہل پاؤں گی اور مرد اور عورت ہاتھ اور پاؤں رنگتے ہوں گے گو میں نے لندن اور اڈنبرا اور ڈبلن میں ہندوستانی دیکھے تھے۔ مگر میں یہ سمجھتی تھی کہ یہ لوگ یہاں آن کے مہذب ہو جاتے ہیں۔ وہاں کے باشندوں میں فی صدی نوے بالکل جاہل ہوں گے مگر یہاں جو آئی تو اپنی رائے کو میں نے غلط پایا۔ پہلے بمبئی میں اتری۔ شہر کی صفائی اور باشندوں کی تربیت یافتگی اور شائستگی اور دولت و ثروت دیکھ کر عش عش

کرنے لگی۔ اکثر آدمی تربیت یافتہ پائے اور پارسی لیڈیوں کی صحبت میں مجھے بڑا لطف حاصل ہوا۔ اوّل تو سب کی سب حسین ہوتی ہیں اور سُرخ وسفید۔ دوسرے کپڑے بہت اچھے پہنتی ہیں۔ تیسرے صحبت یافتہ ہوتی ہیں اور یورپین کی لیڈیوں کی صحبت سے بھی واقفیت رکھتی ہیں۔ میں کئی پارسی لیڈیوں سے ملی۔ اس میں سے دو ایک انگریزی خواں بھی تھیں۔ میں نے سُنا جب پرنس آف ویلز آئے تھے تو کوئی چھ سات سو لیڈیوں نے ایک ہی جلسہ میں ان پر پھول پھینکے تھے اور بے جھجک شریک ہوئی تھیں۔

کلکتہ گئی تو وہاں بھی ہندوستانی لیڈیوں کو تربیت یافتہ پایا۔ خصوصًا بنگالی برمھو لیڈیاں۔ میں نے سُنا کہ اس ملک میں دو ایک لیڈیوں نے بی۔ اے کا امتحان بھی دیا ہے۔ مجھے اس سے اس قدر تعجب ہوا کہ میں نے فوراً اپنی بڑی بہن کو لکھا۔ کہ ہمارا تمھارا جو خیال تھا وہ غلط ہے۔ یہاں کی عورتیں بھی پڑھی لکھی ہوتی ہیں۔ گو تمام ملک کی عورتیں پڑھی نہیں ہوتی ہیں۔ مگر بڑے بڑے اور خاص خاص شہروں کے تربیت یافتہ بزرگواروں کی عورتیں تو عموماً تربیت یافتہ اور پڑھی لکھی ہوتی ہیں۔

جنٹل مین۔ (ج) کلکتہ۔ مدراس۔ اور بمبئی میں البتہ تعلیم نسواں کا چرچا ہے۔ باقی اور شہروں میں بہت ہی کم ہے۔

کپتان۔ (ک) ان لوگوں کی پردے کی رسم کے سبب سے ان کی عورتوں کا حال اچھی طرح دریافت نہیں ہو سکتا۔ مگر ہم نے سُنا ہے کہ اب پڑھنے کا چرچا عورتوں میں زیادہ ہوتا جاتا ہے اور جن کے مرد ہی پڑھے لکھے نہیں ان کی عورتیں کیا پڑھیں گی۔

ج۔ انگریزی تعلیم نے بڑا عمدہ اثر ڈالا ہے۔

ک۔ ورنہ پہلے تو عورتوں کا پڑھانا عیب سمجھا جاتا تھا۔

ج۔ زمانہ سلف کے ہندوؤں کی عمل داری میں راجاؤں اور مہاراجاؤں تک کی مہارانیاں اور رانیاں پڑھنے لکھنے میں محنت کرتی تھیں۔

ک۔ ہم نے یہ کسی تاریخ میں نہیں پڑھا۔

ج۔ ہم بیسوں اس کی مثالیں دے سکتے ہیں۔

ک۔ کہ ہندی لیڈیاں پڑھی لکھی ہوتی تھیں۔

ج۔ ہاں ہاں۔ یہ تو ایک مشہور بات ہے۔

مس۔ میں بہت چاہتی ہوں کہ اس ملک کی پڑھی لکھی عورتوں سے ملوں ہندی عیسائی لیڈیوں سے تو ملاقات ہوتی ہے مگر ہندو مسلمانوں کی پردہ نشیں عورتوں کے طرزِ معاشرت اور علم و فضل کا البتہ اندازہ نہیں ہے۔

ک۔ اہل اسلام میں پردہ کی رسم سب سے زیادہ سخت ہے۔

ج۔ بڑی بڑی قیدیں ہیں۔ تین چار برس کی عمر کے بعد پھر باہر نکلنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔

الغرض اپنے اپنے مذاق کے موافق سب کے سب پولیٹکل یا سوشل گفتگو میں مصروف تھے۔ اور بعض خشک مزاج چپ چاپ سنتے تھے اور خود چھری کانٹے کے سوا اور کسی طرف نہیں دیکھتے تھے۔ جب کھانے سے فراغت پائی تو ناچ شروع ہوا۔ سب کے پہلے میاں ممّن کی پسند سے جو دیہاتن بلوائی گئی تھی۔ اس کا ناچ ہوا اور چار جنٹل مینوں نے کہردے کی فرمائش کی اور ایک گھنٹے کے اندر ہی جنٹلمینیں اور لیڈیاں رخصت ہو گئیں۔

زمانے کا رنگ

واہ رے ہندوستان۔ ؎

بوئے گل نالۂ دل دُودِ چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا

اور واہ رے اہلِ ہند۔

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی
پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

یہ وہی ہندوستان ہے جو میدانِ تہذیب میں ساری خدائی سے قصب السبق برتری لے گیا تھا۔ علم و فضل اور تمول میں تمام عالم پر اس ملک کو افضلیت و اشرفیت تھی۔ مصری اسی کے خوان نعمت سے شیریں کام تھے۔ اہل یونان اسی

کے خرمنِ قابلیت کے خوشہ چین تھے۔ منطق اور علم و ادب میں اہلِ چین تک ہندیوں کے سامنے زانوے ادب تہ کرتے تھے۔ مگر اب نہ وہ علم و فضل ہے، نہ وہ تہذیب کا زمانہ۔ اب ہندیوں کا جاہل قوموں میں شمار ہے۔ اور ہندوستان صیدِ ادبار۔

وقت پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

وہ عروج اب کہاں۔ ع
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اب ہندی ایسے غفلت کے خوابِ گراں میں پڑے ہیں۔ ع
کچھ ایسے سوتے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے

اور خیر سے ہندو اور مسلمان دونوں سیہ بخت و تبہ روزگار۔ جواب زلفِ پریشانِ یار۔

ہندوؤں کا حال تو ہم معرضِ بیان میں لا چکے کہ جن لوگوں کے مقابل میں مصری و یونانی زانوے ادب تہ کرتے تھے وہ اب جُہلا میں شمار کیے جاتے ہیں۔

قس علیٰ ہذا اہلِ اسلام۔ ان کی حالت بھی قابلِ افسوس ہے۔ یہ وہی مسلمان ہیں جنھوں نے ہسپانیہ کو زیرنگیں کیا تھا۔ تاتاریوں نے تمام روس کو تاخت و تاراج کر دیا تھا۔ اسلام کی عمل داری کی رتی بلند تھی۔ ترک و تاجیک و رُومی ایک معتد بہ حصۂ یورپ کے فاتح تھے جدھر تیغِ اسلام چمکی فتح و نصرت جلودار ہوئی۔ مگر اب اسلامی سلطنتوں کی حالت پر نظر ڈالیے تو بالکل سناٹا نظر آتا ہے۔ کابل کا پتلا حال ہے۔ ایران کمزور سلطنت۔ روم تباہ حال۔ خیر روم اور ایران اور مازندران و توران سے تو اب ہمیں چنداں سروکار نہیں۔ مانا کہ اہلِ ہنود کا اصل ماوا و ملجا آریا ؛ سہی اور اہلِ اسلام عرب و عجم سے آتے۔ مگر اب تو دونوں کی نال ہندوستان ہی میں گڑی ہے اور ہندی ہی کہلاتے ہیں۔ روم میں ہُن برسے تو ہمیں کیا اور اگر خدانخواستہ قحط پڑے تو ہمیں کیا۔ اب تو ہندوستان ہی کے ساتھ ہمارا حشر ہے مگر ہمارے تلوّن ہماری کاہلی۔ ہماری غفلت ہمارے تعصب

مذہبی۔ ہماری ضعیف الاعتقادی۔ اور بعض پرانے خیالات خرف کی پابندی اور بعض نئے خیالات کی وارستگی نے ہمیں کہیں کا نہ رکھا۔ ؎

برا ہوا ایسا شعار بد کا کہ ہم کو رکھا نہیں کہیں کا

ایک شاعر غرا[2] نے اہلِ اسلام کی حالت کی نسبت خوب لکھا ہے کہ ؎

کیا یاد نہیں تمھیں وہ ایام | جب قوم تھی مبتلائے آلام[1]
وہ قوم جو جان تھی جہاں کی | جو تاج تھی فرق آسمان کی
تھے جس پہ نثار فتح واقبال | کسریٰ کو جو کر چکی تھی پامال
گل کر دیے تھے چراغ جس نے | قیصر کو دیے تھے داغ جس نے
وہ نیزہ خونفشاں کہ چل کر | ٹھہرا تھا فرانس کے جگر پر
روما کے دھوئیں اڑا دیے تھے | اٹلی کو کنوئیں جھنکا دیے تھے
وہ قوم کہ تاج آسماں تھی | اب کوئی گھڑی کی میہماں تھی
اسلام کی جان پر بنی ہے | دم توڑ رہا ہے جاں کنی ہے
ماتم تھا یہی کہ آئی ناگاہ | اک سمت سے اک صدائے جانکاہ
دیکھا تو وہاں بجاہ و تمکیں | آیا نظر ایک پیر دیریں
نالاں ہے کہ اب بھی تو جاگو | اے خواب گراں کے سونے والو
تا چند رہو گے مست سرشار | اٹھو کہ سحر ہوئی نمودار
وہ کشتۂ قوم وہ فدائی | اٹھا لیے کاسۂ گدائی
ایک ایک سے عرض حال کرتا | در در وہ پھرا سوال کرتا

ہر بزم و ہر انجمن میں پہنچا

ہر باغ میں ہر چمن میں پہنچا[2]

واقعی مصنف باوقار نے اہلِ اسلام کی حالتِ موجودہ و گذشتہ کی تصویر کھینچ دی ہے جو لائق داد اور قابلِ صاد ہے۔ مگر اس سے اہلِ ہنود کو بھی عبرت

---

[1] یہ نظم علامہ شبلی نعمانی کی تصنیف ہے۔

[2] مراد مولانا شبلی نعمانیؒ

حاصل کرنی چاہیے کہ اِن کی حالت اہلِ اسلام سے بھی بدتر اور زیادہ ترقابلِ اصلاح ہے۔ ؎

بااین ہمہ جاہ وشوکت وفر   اقلیم سخن بھی تھا مسخر
ہیئت میں بلند پایہ اس کا   تھا فلسفہ زیر سایہ اس کا
منطق میں ہوا جو گرم جولاں   تھامے تھے رکاب مصر ویوناں

میدان سخن جو روبرو تھا
فارس کی زبان پہ طوطی تھا

سلمنا پہ سچ مگر یہ غلط ہے کہ ؎

جو قلمنیانِ ہندوچین تھے
خرمن سے اسی کے خوشہ چیں تھے

اہلِ ہنود کو اپنے دلوں میں غور کرنا چاہیے کہ وہ کیا تھے اور اب کیا ہیں۔ علم وفضل میں تم سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ دنیا میں کوئی قوم تمھاری نقطۂ مقابل نہ تھی۔ منطق اور فلسفہ اور صرف ونحو اور علم ہیبت اور شاعری میں اہلِ ہنود تمام عالم کی قوموں سے بدرجہا فائق تھے، اور سب پر افضلیت واشرفیت حاصل تھی۔ اہلِ اسلام نے علم وفضل یونانیوں سے حاصل کیا' اور یونانی مصریوں کے خرمنِ قابلیت کے خوشہ چیں تھے۔ اور مصری علمائے ہنود کے شاگرد مگر۔ ؎

وقت پیری شباب کی باتیں
ایسی ہیں جیسے خواب کی باتیں

اب ہندوؤں سے بڑھ کر کوئی مبتذل نہیں ہے۔ مگر ہم دھتیا پرشاد ابھی تک یہی ڈینگ کی لیے جاتے ہیں کہ (پدرم سلطان بود) حق یوں ہے کہ ہمارے مذہب نے ہم کو ان دہاڑوں پہنچایا۔ جھٹیا نہ ہو تو سیدھے نرک کو جائیں مذہبی قیود نے ہمیں ایسا چکر دیا کہ دین ودنیا دونوں کا نہ رکھا۔ ایک آزاد منش دوست کی رائے کتنی صحیح ہے کہ بھائی صاحب ہم تو عقبیٰ پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں' یہاں ترقی کرو تو بات ہے۔ عقبیٰ اور بہشت اور دوزخ اور نرک اور سُرگ لوک اور آواگون اور پتروں کو پانی دینا یہ سب شرعی دھڑ کا ہے۔ اس کھڑاگ سے درگذرو

اور دیکھو دنیا کا رنگ کیا ہے۔ نعمانی نے خوب کہا ہے واللہ خوب کہا ہے۔ ؎

باطل پہ فدا تو حق سے بیزار　　تقلید پہ کس بلا کا اصرار
دین دار برائے نام تھے ہم　　وابستۂ رسم عام تھے ہم
تھے رسم و رواج پر فدا سب　　تحقیق سے کچھ غرض نہ مطلب
سمجھے نہ ذرا کہ وقت کیا ہے　　کس سمت زمانہ چل رہا ہے
نیرنگیوں پر نہ کچھ نظر کی　　یعنی کہ ہوا ہے اب کدھر کی
کیا پیش ہے کیسی صورتیں ہیں　　کیا وقت ہے کیا ضرورتیں ہیں
رنگ و روش سپہر کیا ہے　　اب طرز خرام دہر کیا ہے

ہیں چرخ کی اب نئی ادائیں
چلنے لگیں اور ہی ہوائیں

ارے غافلو وہ زمانہ نہیں ہے کہ ہیضہ کا دفعیہ برہم بھوج سے کیا جاتے۔ اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ چیچک میں مالن بلوائی جاتے۔ اب ہیضہ میں سوڈا ایسڑ پلانے اور لاڈہم اور نائٹرا پنھر کی ضرورت ہوتی ہے چیچک کے لیے ٹیکا لگوانا فرض ہے اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ ہندو چیونٹیوں کے بل ڈھونڈھتے پھریں، بندروں کو گوڑ دھانی کھلائیں، اور رام رام کی گولیاں مچھلیوں کے لیے دریا میں ڈالیں، جاپ اور منتر اور گوبر اور گئو متر سے درگذرو اور دیکھو زمانہ کا رنگ کیا ہے۔ اب سیدھے لندن پہنچو جگن ناتھ جی۔ کاشی جی اور ہردوار جانے سے دنیاوی مطلب نکلنا معلوم۔ اب لندن پاک کا طواف مقدم ہے۔ متھرا بندرا بن یاترا کرنے سے موچی کے موچی رہو گے۔ اب لندن کو خالی لندھن یا لندن ہی نہ کہو، اب لندن کو سری لندن جی کہو بول سری لندن جی کی جے۔

اب سینٹر پہنچو اور وہاں زراعت کی تعلیم میں مصروف ہو۔ لندن کا دھاوا کردو۔ اب قومی ترقی کا ذریعہ یہی ہے۔ اب گنگا کے کنارے بیٹھ کر کھنجری بجانے اور یہ گانے سے مطلب نہیں نکلے گا کہ۔ ع

گنگا توری لہر ہمارے من بھائی

اب اور ہوا چل رہی ہے۔ زمانے کا رنگ بالکل بدل گیا۔ عقبےٰ کی فکر پیچھے

کرو۔ پہلے دنیا کو سنبھالو۔ جاگو۔ جاگو۔ خوابِ غفلت کے سونے والو۔ اب بیدار ہو۔ اٹھو دیکھو کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اگر قومی ترقی چاہتے ہو تو سیدھے لندن جاؤ۔ سنا ایک بزرگوار مع کچے بچے کے گئے ہیں۔ خوب کیا۔ زنانہ بھی ساتھ ہے۔ اور بھی اچھا۔ وہ بڑے دانا آدمی ہیں۔ سنتے ہیں اب اس وقت تیرہ چودہ ہندو ولایت میں تعلیم پا رہے ہیں۔ چشمِ ما روشن دلِ ما شاد۔ خانۂ احسان آباد۔ ازیں چہ بہتر۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندو بھی اب بے دھڑک بے تکلف پہنچتے ہیں۔ جزاک اللہ۔ ہماری تو یہی صلاح ہے کہ نوجوانو۔ بڑھے ہوے 'اے مرداں بکوشید۔ ؎

اگر بہ سیرِ چمن می روی قدم بردار

کہ ہمچو رنگِ حنا می رود بہار از دست

دیکھو بنگالیوں نے ولایت کی تعلیم سے کیا پھل پایا۔ کہ اب کوئی قوم ان کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچتی ہے۔ اب پیچھے ہٹنے کا زمانہ نہیں ہے۔ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ آگے بڑھو اور بڑھتے چلو۔ مسجد کے ملاؤں اور محرم کے دنوں کے مرثیہ خوانوں سے مسلمانوں کی حالت ترقی نہیں پا سکتی۔ اسی طرح سے دقیانوسی خیالات کے ہندو اپنی قوم کے عدو اور دشمن ہیں۔ ہونہار ہندو وہی ہیں جو ولایت جاتے ہیں اور لوگوں کو ولایت جانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ گھڑی بھر میں گھر چلے اور ڈھائی گھڑی کی بھورا۔ اور اب واقعی کوٹ پتلون پہننے کا بہانہ ہے۔ ہماری نصیحت مانو۔ مگر ہاں اس نئی روشنی نے ایک غضب البتہ ڈھایا ہے وہ بیشک ستم ہے۔ ارے یارو اس سے ذرا بچے رہو بُری بلا ہے۔ ؎

یہ مشق ہم نے بڑھائی ہے بادہ خواری کی

بغل میں رہتی ہے بوتل کتاب کے بدلے

خیالات کی آزادی تو نعمتِ عظمےٰ ہے۔ عقبےٰ کا خیال نہیں کچھ پروا نہیں بہشت کو نہیں مانتے نہ مانو۔

بت پرستی کے خلاف۔ بہتر۔ دانش مند ہو۔

مگر یہ بادہ خواری بُری۔ پیتے ہو پیو مگر حکمت کے ساتھ دوا کے طور پر۔ یہ نہیں کہ خُم کے خم لنڈھانے لگے۔ جب دیکھو جھومتے ہوے پاؤں ہیں کہ لڑکھڑا رہے

ہیں۔ بس یہ ایک عیب تو ضرور ہے۔ نواب محمد عسکری نے کتنی بار دل میں ٹھان لی کہ ہزار کام چھوڑ کر نینی تال کا سفر ضرور کریں گے۔ مگر ہنوز روزِ اوّل ہے۔ نینی تال قدم بھر ہے شام کو سوار ہو جیے، صبح کو نینی تال کے پھاٹک پر ریل موجود ہے۔ مگر ہمارے اہلِ وطن کی عالی ہمتی کے صدقے کہ مہینوں تیاریاں ہی ہوا کیں۔ اس مرتبہ نواب صاحب نے صاحب لوگوں، اور حکّام یورپین کی دعوت بھی کر دی۔ اور سارے شہر میں مشہور ہو گیا۔ کہ نواب صاحب مع مصاحبین و رفقا اور مع احباب نینی تال روانہ ہونے والے ہیں۔ جلسے کے دن مسٹر فریزر صاحب ۔سی۔ اس اسیسٹنٹ کمشنر سے جو ملاقات ہوئی تو نواب صاحب سے اور ان سے وعدہ ہو گیا کہ ساتھ ہی سے چلیں گے اور پرسوں ہزار کام چھوڑ کر روانہ ہو جائیں گے۔ اور منشی مہراج بلی صاحب ممبر مینونسپل نے بھی وعدہ کر لیا کہ ہم بھی ضرور بالضرور ہم سفر ہوں گے اور آپ کے ہمراہ چلیں گے۔

پہلے دن یورپین جنٹل مینوں اور لیڈیوں کی دعوت کا جلسہ تھا اور چند چیدہ چیدہ احباب روسائے ہندی بھی شریک تھے۔ دوسرے دن خاص ہندوستانیوں کی دعوت تھی۔ نواب صاحب ایسے چوندھیائے کہ شہر کے علاوہ دیہات سے بھی پانچ چھ طائفے طلب کیے۔ ان دیہاتنوں کا انتظام ایک پنجابی صاحب کے تعلق تھا۔ یہ بزرگوار نواب صاحب کے دلی دوست اور اوسط درجے کے زمیں دار تھے۔ نشے کے ترنگ میں پہلے تو آپ نے نواب صاحب کے باورچی خانے کے ایک گوشۂ محل میں بیٹھ کے کھانا چکّھا۔ ہر قسم کے کھانے کی تعریف کی مگر قیمے کی نسبت فرمایا کہ (کباب ذرا شگفتہ ہو گئے ہیں)۔

باورچی۔ (ہنس کر) حضور کباب نہیں قیمہ ہے۔

پنجابی۔ نہیں بائیان جی۔

باورچی۔ (آہستہ سے) حضور چُپ چپاتے کھالیں۔

دوسرا۔ نشے میں ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد پنجابی صاحب کا نشہ ذرا ہرن ہوا اور نواب صاحب کو خبر ہوئی تو انھوں نے بلوا لیا۔ الغرض تین بجے تک دھما چوکڑی

رہی۔ ؎

کیوں نا امید ہوں وہ خدا ہے بشر نہیں　　فردوس واعظو کوئی قاروں کا گھر نہیں
وہ مست ناز ہو کہ کسی کی خبر نہیں　　اپنے بھی حال پر تمھیں اب تو نظر نہیں
آتا ہے مجھ کو یاد سوالِ وصال پر　　کہنا کسی کا ہائے وہ منہ پھیر کر نہیں
کیوں کر یقین ہو کہ کیا وعدہ غیر سے
ہم نے سنی ہے منہ سے ترے عمر بھر نہیں

ش۔ کوئی پوچھے اس دعوت اور جلسے کی کیا ضرورت تھی۔

آغا۔ خبط۔ پوچھیے یہ کس تقریب کا جلسہ ہے۔

ش۔ نینی تال کے سفر کا لاحول ولاقوۃ۔

آغا۔ ایسے ہی خیالات نے تو ہندیوں کو کہیں کا نہیں رکھا افسوس ؎ ع
دنیا میں نیم وحشی وجاہل تو ہو چکے

ش۔ واللہ۔ اس قدر ہنسی آتی ہے۔ کہ میں کیا کہوں۔

آغا۔ ہنسی کی تو بات ہی ہے۔

ش۔ نہیں اگر کوئی تقریب ہوتی تو خیر۔

آغا۔ ذرا خیال تو کیجیے نینی تال کے سفر کو جلسے سے کیا مناسبت ہے۔

ش۔ دارم چرا نہ پوشم۔ آخر جنون کسے کہتے ہیں۔

آغا۔ اچھا ہے ان لوگوں کا مجنوں ہی رہنا ؎

ہوس است کہ سرمایۂ صد درد سر ست　　فارغ بال آن کہ از جہانِ بے خبر ست
در بیضہ نمی کنند مرغاں فریاد　　ہر چند کہ بیضہ از قفس تنگ تر ست

ش۔ اجی غضب کرتے ہو صاحب ان رئیسوں ہی کے سبب سے تو شہر اور ملک کی رونق ہے اگر یہ بے وقوف نہ ہوں تو افسوس کا مقام ہے۔

آغا۔ ہمارے ضلع میں ایک تعلق دار صاحب ہیں۔ دھوتیا پرشاد۔ انھوں نے ایک روز اپنے باری خدمت گار سے کہا کہ شہدن کا بیس آنا پیسا دیدے۔ خدمت گار نے آن کے عرض کیا کہ مہراج سوا روپیہ دے دیا۔ بس وہ بگڑ گئے نہایت برافروختہ ہو کر کہا۔ سسر ہم بیس آنہ کہارا ہے۔ تیں سوا روپیہ کاہے کا دے

دہس۔ ایک آدمی کو حکم دیا کہ ہاری کے کان پکڑ۔ کان پکڑے گئے بے چارے کے۔ اتنے میں ان کے اور نوکر نے کہا۔ انّ داتا بیس آنا اور سوا روپیہ تو ایک ہی چیز ہے۔ سولہ آنہ اور چار آنہ بیس آنہ بھتے کہ ناہیں بھتے۔ دھوتیا پرشاد کی سمجھ میں آگیا۔ کہا اب کوئی کاہے نہ بتائیس۔ یہو کے کان اکھیڑو۔ ان کی بھی گوشمالی کی گئی۔

ش۔ خدا ایسے ہی رئیسوں کو روپیہ دیتا ہے۔ واللہ روپیہ خدا دے تو ایسوں کو جیسے محمد عسکری۔

آغا۔ ان کی بھی حرکت فضول ہے۔ بھلا کوئی پوچھے تو کہ اس جلسے کا مقصد کیا ہے۔؟

ش۔ مقصد چہ معنی۔ تموّل ہے یا نہیں۔

آغا۔ تو جلسہ آخر کس غرض سے ہوتا ہے۔

ش۔ غرض کیسی؟ امیر آدمی ہیں۔ جی چاہا اشارے کی دیر تھی جلسہ ہونے لگا۔

آغا۔ ارے بھائی اس قسم کا جلسہ تو نچ کا ہونا چاہیے۔ یہ انگریزوں اور میموں اور صاحب لوگوں کا بلانا اور دھما چوکڑی مچانا کیا معنی۔؟

مہری کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ منشی مہراج بلی آگئے، نواب صاحب گلوری چباتے ہوئے باہر تشریف لاتے اور منشی مہراج بلی سے ملے۔

نواب۔ اب کل بندہ کسی طرح نہیں رک سکتا۔

مہراج۔ علیٰ ہذا القیاس میں بھی تیار ہوں۔

ن۔ اور اب تو التوائے سفر باعثِ خندہ زنی مقصود ہے۔

م۔ بے شک فریزر صاحب سے بھی وعدہ کر لیا ہے۔

ن۔ لیکن واللہ قابلِ دید مقام ہو گا نینی تال۔

م۔ سارے زمانے کی یہی رائے ہے کہ نینی تال بہشت ہے۔ اور عجب راحت افزا مقام ہے۔ ؎

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو
زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

ن۔ دنیا کی بہشت تو بالفعل دیکھ لیں پھر عقبےٰ کی بہشت کی بھی انشاءاللہ سیر

ہوگی۔ مگر واللہ ہم لوگ بھی کس قدر پست ہمت ہیں کہ گھر سے باہر قدم رکھنا جانتے ہی نہیں۔ اے لاحول ولا قوۃ توبہ توبہ۔

م۔ ہندوستان۔ واللہ عجب ذات شریف ملک کا نام ہے یہاں کے باشندے خوب حضرات ہیں۔ ع

از ہند نجس نجات می خواہم وبس

کوئی شاعر بہت اچھا کہہ گیا ہے۔ کتنا سچا مقولہ ہے۔ واقعی اس ملک کے آدمی بھی کسی کام اور کسی مصرف کے نہیں بے کار محض۔ تھوہڑ کے درخت۔

راوی۔ یہ دونوں بزرگوار اس وقت تو بہت بڑھ بڑھ کے باتیں بناتے ہیں۔ اور گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ہندوستان کو یہ اپنی ذات سے بہت بڑی رقار پہنچانے والے ہیں اور بہت بڑے رقار ہیں مگر سب زبانی داخلا اس کا حال آگے چل کے معلوم ہو جائے گا۔

ن۔ مجھے تو جہلا کی اکثر باتوں پر ہنسی آتی ہے واللہ

راوی۔ بجا ارشاد ہوا پیر و مرشد حضور ایسے ہی شایستہ خیالات کے آدمی ہیں اور علم و فضل تو گویا حضور کی گھٹی میں پڑا ہے۔

م۔ ہم کو تو جناب ان ضعیف الاعتقادوں سے نفرت ہے۔

راوی۔ دریں چہ شک ضعیف الاعتقادی کے تو حضور دشمن ہیں۔ ایسے آزاد خیالات کے آراستہ مزاج پیدا کہاں ہوتے ہیں۔ چشم فلک نے بھی نہ دیکھے ہوں گے۔

یہ گفتگو ہوتی ہی تھی کہ داروغہ نے آن کر دریافت کیا کہ حضور میاں علی بخش باورچی آئے ہیں۔ پوچھتے ہیں کہ کیا وہ بھی ہمراہ رکاب چلیں گے۔ نواب صاحب نے فرمایا۔ بلالو۔ باورچی حاضر ہوا اور جھک کر سلام کیا اور کہا حضور کیا غلام بھی ہمراہ حاضر رہے گا نواب صاحب نے فرمایا ضرور اگر تم نہ چلوگے تو ہم کھائیں گے کیا۔ اور تمھارے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا اگر نہ ہو تو کھایا کس مردک سے جاتے گا۔ جنگلی مرغ کی بڑی تعریف سنی ہے۔ ہر روز بلا ناغہ دو وقت کباب پکے بھئی اور روز نئی قسم کا۔

تھوڑی دیر کے بعد داروغہ صاحب پھر آئے ۔ پوچھا خداوند باورچی ٹولے سے میراں رکاب دار آیا ہے ۔ اور عرض کرتا ہے کہ اگر حضور حکم دیں تو وہ بھی ساتھ چلے ۔

نواب صاحب نے فرمایا ہم اس سے واقف نہیں ہیں ۔ اس پر مرزا صاحب مصاحب بولے ۔ پیرومرشد وہ بے مثل رکاب دار ہے ۔ بادشاہ کے ہاں نوکر تھا وہاں سے اسی مہینے میں چلا آیا ہے ۔ یوں تو اس فن کا بادشاہ ہے ۔ مگر دو چیزوں میں تو اس کو خاص کر ملکہ حاصل ہے ۔ اس شہر میں ایک تو اس کا سا مربّا کوئی تیار نہیں کر سکتا ۔ دوسری شکر قند ہے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا ۔ حضور خدا جانے کس ترکیب سے پکاتا ہے اور کون سا نسخہ ہاتھ آگیا ہے ۔ جہاں پناہ نے کتنی بار خود میرے رُو برو تعریف کی کہ ایسی شکر قند کبھی اپنے ہوش میں نہیں کھائی ۔ نواب صاحب نے بہ طیبِ خاطر فرمایا کہ گو ہم میں اس قدر استطاعت نہیں ہے کہ بادشاہوں کے رکاب دار کو نوکر رکھ سکیں مگر زبان کو کیا کریں ۔

جھمّن ۔ حضور کھانے کا اس قدر شوق اب اور کسی رئیس کو نہیں ہے ۔ یا حکیم صاحب کھانے کے عاشق تھے خدا بخشے ان کو یا حضور کو شوق ہے ۔ بس ۔

مرزا ۔ بھئی ہمارے حضور سب سے بڑھے ہوئے ہیں اللہ اللہ ۔

مہراج ۔ کھانا تو واقعی مسلمان کھاتے ہیں ۔ اور سب باتیں ہیں ۔ ہندو کھانا ۔ کھانا کیا جانے ۔

مرزا ۔ حضور عسرت نے مار ڈالا ۔ ہم لوگ خرّاچ ہوتے ہیں ۔ غم فردا نہیں رکھتے ۔

جھمّن ۔ اس سے بڑھ کر کوئی دنی نہیں جو کھانے میں کنجوسی کرے ایسے شخص پر لعنتِ خدا ۔

مرزا ۔ خدا گواہ ہے ہماری سرکار کے باورچی خانے کا جو روزمرّہ کا خرچ ہے وہ اچھے اچھے والیانِ ملک کے ہاں بھی نہیں ہے جن کی کشیر آمدنیاں ہیں ۔

چھٹّن ۔ میں واقف ہوں ۔ بھائی صاحب واللہ بڑا دلی شوق ہے خدا سلامت رکھے حضور کو ۔

مرزا۔ شوق! اے عشق کہو صاحب۔ حضور کو عشق ہے۔

مہراج۔ بھلا کوئی دو سیر گوشت آتا ہوگا۔ روز۔

مرزا۔ (اپنے دل میں ہنس کر) ہندو ہیں نا۔

جھمن۔ (دل ہی دل میں) یہ آگئے اپنی اصلیت پر۔

نواب۔ دو سیر روز! جی نہیں۔ اندر باہر ملا کر کوئی سوا سیر روز آتا ہوگا۔ بلکہ اس سے بھی کم کیا کوئی روپے چبانا ہے جناب۔

جھمن۔ (مہراج سے) دو سیر تو حضور یہ کتے اور چیلیں اڑا لیتے ہوں گے۔ پانچ چھ مرغ کا تو روز پلاؤ دم کیا جاتا ہے سیر سیر بھر گوشت تو صبح شام ہم دسترخوان پر کھانے والے اڑا دیتے ہیں۔ بلکہ اور زیادہ ہی زیادہ۔

مرزا۔ یہ پوچھیے کہ دانہ خوری کے کتنے بکرے روز حلال ہوتے ہیں۔ خدا نے رئیس کیا ہے۔ اور پھر نفیس مزاج اس درجے کے کہ غلام کیا عرض کرے۔

جھمن۔ ایسے لوگ پیدا نہیں ہوتے قسم خدا کی۔

مہراج۔ بادشاہ تو اوّل قسم کا کھانا کھاتے ہوں گے۔

مرزا۔ وہ تو پھر بادشاہ ہی ہیں۔ سرتاج۔

جھمن۔ منشی مہراج بلی صاحب ایک روز یہیں کھانا پکا دیتے باورچی ترکیب بتاتا جائے آپ کو۔

الغرض اس روز بخوبی تمام پختگی ہوگئی کہ کل شب کو ضرور روانہ ہوں گے۔ اب سفر ملتوی نہیں رہ سکتا۔

دوسرے روز کہ روانگی کا دن قرار پایا تھا صبح کو نو بجے مسٹر فریزر صاحب اسسٹنٹ کمشنر کا خط نواب صاحب کے نام آیا انھوں نے دریافت کیا تھا کہ آپ ہمارے یہاں آئیں گے یا ہم شب کو آپ کو لیتے ہوئے اسٹیشن پر چلیں۔ نواب صاحب نے جواب لکھوایا کہ آپ خود تشریف لایئے بندہ تیار رہے گا۔ اسٹیشن کا راستہ اسی طرف سے ہے۔

اب سنیے کہ کوئی دو بجے کے وقت چوب دار نے عرض کیا کہ مہری آئی تھی حضور کو بیگم صاحب نے تھوڑی دیر کے لیے بلایا ہے۔ نواب صاحب محل سرا میں گئے

تو ان کی بڑی سالی عفت آرا بیگم نے کہا میں سنتی ہوں عسکری دولھا تم نے سفر کی تیاریاں کر دیں۔ انھوں نے کہا جی ہاں۔ آج شب کو ارادہ مصمّم کر لیا ہے۔

عفت آرا۔ (عفت) اوئی آج ہی شب کو واہ واہ۔ ایسا نہ ہونے کا میں ایک نہ مانوں گی۔ بڑے بھیّا کی موچھوں کا کونڈا ہونے والا ہے اور تم نہ ہوگے یہ بھی کوئی بات ہے بھلا۔

نواب۔ (ن) اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو عزم نہ کرتا۔ خدا مبارک کرے مجھے تو ذرا بھی اطلاع نہ تھی۔

عفت آرا۔ اے تو ایسی لاچارگی کی کونسی بات ہے۔

بیگم۔ (ب) ہاں ہاں اس ہفتے میں سفر نہ ہو تو کیا ہرج ہے کیا ساعت ٹلی جاتی ہے۔

ن۔ سبحان اللہ۔ میں ایک فرنگی اور معزز صاحب سے وعدہ کر چکا ہوں۔ ایفائے وعدہ شرط ہے۔

عفت۔ ایسے ایسے وعدے ہوا ہی کرتے ہیں۔ ہم نہ مانیں گے۔

ب۔ مونچھوں کا کونڈا ہولے تو چلے جانا

ن۔ میں کیا کہوں کہ میں کس قدر مجبور ہوں واللہ۔

عفت۔ صاحب کی تو اتنی خاطر اور ہماری خاطر منظور نہیں ہے۔

ن۔ میں آخر صاحب سے کہوں کیا۔ عذر کیا کروں۔

عفت۔ کہہ دو کہ ہماری بڑی سالی کے بھیّا کی مونچھوں کا کونڈا ہے ہم ابھی ایک ہفتے تک نہیں چل سکتے۔ بس چھٹی ہوئی۔

ن۔ (ہنس کر) بات کیا مختصر کر دی ہے آپ نے۔ بس چھٹی ہونے کی ایک ہی کہی۔ ایسا ہو سکتا ہے بھلا۔ ممکن نہیں واللہ۔

ب۔ کیوں ہو سکنے کو کیا ہوا۔ ہو کیوں نہیں سکتا۔ کہہ دو کہ مونچھوں کا کونڈا ہے۔ وہ ہنسیں گے نہیں۔

ن۔ تم لوگ تو باہر نکلتی بیٹھتی نہیں ہو۔ صاحب لوگوں کے خیالات تمھیں کیا معلوم۔

ب ۔ اوئی اللہ۔ آخر اس کے کوئی لڑکا بالا ہے یا نگوڑا ناٹھا ہے موا جو بات ہے انوکھی ۔

عفت ۔ اے ہاں کہنے لگے صاحب لوگوں کے خیالات تمھیں کیا معلوم اس میں معلوم اور غیر معلوم کیا معنی ۔ یہ تقریب ہندو مسلمان سب کے ہاں ہوتی ہے ۔

ن ۔ اب کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑتی ہم سے ۔

عفت ۔ ہم ہرگز ہرگز جانے نہ دینے کے ۔ خاتونِ جنّت کی قسم ہمیں بڑا ہی ملال ہوگا ۔ تمھیں لوگوں سے محفل کی رونق ہے ایسی تقریب پر اور چلے جاؤ ۔ یہ بھی کوئی بات ہے بھلا ۔

ن ۔ اب تو صاحب کو لکھ بھیجنے کا بھی موقع نہیں ہے تین بج گئے چار کا عمل ہے ۔ اور میرا سب اسباب بندھ چکا ۔ باورچی اور رکاب دار اور خدمت گار اور چوب دار اور صاحب کل ہمراہیوں اور ملازموں کو پیشگی روپیہ دے چکا کہ چلنے کی تیاری کریں ۔ صاحب سے وعدہ کرلیا ایک اور دوست ہیں مہراج بلی ان سے وعدہ ہو چکا میں بڑا لغو ہوں گا ۔

عفت ۔ پھر جا ہے جو ہو ۔ ہر چہ باداباد ۔ باشد ۔

ب ۔ جانا تو کسی طرح نہیں ہو سکتا ۔ یہ تو ممکن ہی نہیں اور ایسا کون ضروری کام ہے نینی تال موئے میں کون لڈو دھرے ہیں ۔ ہم نے تو آج تک نام بھی نہیں سنا تھا ۔ مگر اللہ جانے یہ کیوں دھن لگی ہے ۔

ن ۔ آخر نینی تال میں لوگ رہتے ہیں یا نہیں رہتے ؟

ب ۔ رہنے کو تو دور از حال جہل خانے (جیل خانے) میں رہتے ہیں ۔

ن ۔ یا الٰہی تو نینی تال جیل خانہ ہے ۔ اگر چھے مہینے بھی انسان وہاں رہ جاتے تو عمر بھر بیمار نہ پڑے کبھی ۔ خیر یہ تو دوسری بحث ہے ۔ مگر میں کیوں کر سفر ملتوی کر سکتا ہوں بھلا ۔ بڑی بدنامی ہوگی ۔ مگر تم عورتوں کو سمجھائے کون تمھارے تو جو بات ذہن میں جم گئی بس اس کا نکالنا مشکل ہے ۔ پھر وہ پتھر کی لکیر ہو گئی ۔ اللہ گواہ ہے بڑی ہی جگت ہنسائی ہوگی لوگ کیا کہیں گے ۔ یکے نقصان ما

یہ و دیگرے شماتت ہمسایہ ۔کئی بار ارادہ کیا اور اب کی تو عزم مصمم کر لیا ہے اچھا اب آپ ہی اپنے دل میں غور کریں اور انصاف کیجیے کہ میں کیوں کر ملتوی کر سکتا ہوں ۔ انصاف آپ ہی کے ہاتھ ہے مگر ہٹ دھرمی نہ کیجیے گا ۔

عفت ۔ وہ ہٹ دھرم ہی سہی مگر آپ جانے نہ پایئے گا چاہے جو ہو آپ جانے نہیں پاتے اب ۔

نواب صاحب بڑے ہی پریشان ہوئے کہ بارِ خدایا اب کیا کروں نہ جاؤں تو مسٹر فریزر صاحب سے وعدہ خلافی ہوتی ہے ۔منشی مہراج بلی صاحب سامانِ سفر کر چکے ہیں ۔مسٹر فریزر صاحب اپنے دل میں کیا کہیں گے کہ اچھے لغو آدمی سے سابقہ پڑا ہے ۔ اور اگر چلا جاؤں تو بیوی سے جھگڑا پیدا ہو' سالی الگ منہ پھلائیں اور اعزا اقربا خفا ہو جائیں ۔ یہ سوچتے ہوئے نواب صاحب باہر تشریف لے جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو عفت آرا بیگم نے روکا اور کہا ہم ہرگز ہرگز نہ جانے دیں گے پہلے وعدہ کر لیجیے اور ہماری قسم کھا لیجیے پھر جہاں جی چاہے جائیے نواب صاحب نے کہا اچھا ایک گھنٹہ کی مہلت چاہتا ہوں ۔ بعد ایک گھنٹے کے صاف صاف کہہ دوں گا کہ جاؤں گا یا نہ جاؤں گا ۔

عفت آرا بیگم بد دماغ ہو کر بولیں کہ جانے کا تو نام نہ لو ۔ جانا تو امر محال ہے چاہے صاحب خفا ہوں چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے ۔ ہاں ایک بات ہے اور معاملے کی بات ہے کہ ایک ہفتے بھر تک نہ جاؤ پھر جہاں جی چاہے جاؤ کچھ مضائقہ نہیں ۔

نواب صاحب نے کہا بجا ہے یہ وہی بھد یسل مثل ہوئی کہ یہ بات وہ بات ٹکا لا میرے ہاتھ ۔ ایک ہفتہ تک جانا کیا دل لگی ہے ۔میں صاحب کو کیا مُنہ دکھاؤں گا ۔منشی مہراج بلی تو ہندوستانی آدمی ہیں ۔

بیگم صاحب بولیں اچھا ایک گھنٹہ تو کچھ دُور نہیں ہے ۔ ایک گھنٹہ کی مہلت سہی ۔

نواب صاحب باہر تشریف لے گئے تو جھمّن نے کہا ۔پیر و مرشد اس وقت نصیبِ اعدا چہرہ کچھ اداس سا ہے ۔ممّن نے کہا کیوں دور از حال کیا کچھ

حضور کی طبیعت ناساز ہے۔

ن۔ بھئی کچھ پوچھو نہ۔ عجیب کیفیت ہے۔

داروغہ۔ کیوں خداوند۔ خیر باشد فرمایئے تو۔

ن۔ کچھ کہنے کی بات ہو تو کہوں داروغہ۔

داروغہ۔ غلام کی سمجھ میں نہیں آتا خدا خیر کرے اب تک تو فضلِ الٰہی سے بشاش تھے۔

ن۔ لاحول ولاقوۃ۔ چہ گویم بابا۔ افسوس۔ ے

عجب دردیست جانم را اگر گویم زباں سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

ممّن۔ اب تو حضور تشویش اور بڑھتی جاتی ہے۔

جھمّن۔ غلام کی بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

ن۔ ہندوستان بھی واللہ عجیب ملک ہے واہ۔

داروغہ۔ حضور روئے زمین پر دوسرا ایسا ملک نہیں ہے۔

ن۔ اور گوکھے آدمی اس کو جنّت نشان کہتے ہیں واللہ اگر سچ پوچھو۔ تو دوزخ نشان کہنا چاہیے۔ عقل سے تو ہم لوگوں کو بہرہ ہی نہیں۔

ممّن۔ موٹا لٹھ لیے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں واللہ۔

جھمّن۔ تو حضور پھر سفر۔ مگر۔ خداوندا ایسی حالت میں اگر سفر۔ آیندہ جو رائے ہو۔

ن۔ واہ میاں جھمّن واہ۔ ایک اگر۔ اور ایک مگر۔ اور ایک بار خداوند اور اس سب کے بعد ٹیپ کا شعر (آیندہ جو رائے ہو)

ممّن اور داروغہ خوب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

نواب صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ ایک قصباتی بھائی جو بڑے پرلے سرے کے مسخرے تھے اپنے ایک دوست سے کہنے لگے کہ آپ مدّت سے بواسیر کے عارضہ میں مبتلا ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ علاج نہیں کرتے۔ انھوں نے کہا بھائی میرن کچھ نہ پوچھو۔ صدہا دوا ہزارہا علاج کیہوں۔ مُل یو سُسر بیماری پیچھا ہی ناہیں چھوڑت ہے۔

میرن میاں بولے واللہ بھائی جان وہ دوا بتاؤں کہ اکسیر کی اس کے سامنے کیا حقیقت ہے ۔ مگر شرط یہ ہے کہ جسم کے علاج کرو اور سہل علاج ۔ چھے اجزا ہیں۔

دو نکا پتی۔ اور دو نکا کی جڑ۔ اور دو نکا اور دو نکا۔ اور دو جزو یاد نہیں ہیں ۔

اس پر مصاحبین نے قہقہہ لگایا اور کہا سبحان اللہ۔ چھے جز کی دوا جس میں دو جزو تو۔ دو نکا اور دو نکا ہوے ۔ اور دو جزو یاد نہیں ۔ نواب صاحب نے کہا اس وقت ممّن نے ان کے بھی کان کاٹے ۔ اگر اور مگر اور سفر اور بس ۔ اور چنانچہ اور لہٰذا ۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح ۔

ممّن نے کہا حضور یہ تو یار لوگوں کے گُر ہیں ۔ حضور کی طبیعت میں نصیبِ اعدا ذرا کلفت پائی تو یہ فقرہ سوچا ۔ حضور ہنس پڑے یا نہیں ۔

نواب صاحب نے کہا حضرت ہمارے دوستوں میں یک ہندو صاحب ہیں ۔ پڑھے لکھے واجبی ہی واجبی مگر دعوٰے یہ کہ ہمچو من دیگرے نیست ۔ اور شراب کی لت اس درجہ کہ الامان ۔ ان کا قاعدہ ہے کہ جب پیتے ہیں تو ضرور بے ہوش ہو جاتے ہیں ۔ قسم کھائی ہے کہ بے ہوش ہوتے رہیں ہی گے نہیں ۔ جب پانی چھڑ کا گیا اور لخلخہ سنگھایا گیا اور ہوش آیا تو آپ ہنسے اور کہتے کیا ہیں کہ کیوں تم سب کو ہم نے کیسا اُلّو بنایا تھا ۔ میں نے ایک روز کہا یہ صحیح ہے مگر افسوس ہے کہ اوروں کو بناتے بناتے آپ خود بن جاتے ہیں ۔ اسی طرح میاں ممّن بھی اوروں کو بنانے کی کوشش میں خود ہی بن جاتے ہیں ۔

حضرات ناظرین پس اسی کا نام ہندوستانیت ہے ۔ اب ان بزرگوار کو یہ فکر نہیں کہ دن تھوڑا ہے ۔ کوئی دو چار گھڑی اور شب کو سفر کرنا ہوگا ۔ اور مسٹر فریزر صاحب سے وعدہ حتمی ہو گیا ہے ۔ لالہ مہراج بلی لدے پھندے تیار ہیں ۔ جو کچھ رائے قائم کرنی ہو فوراً قائم کرلیں یہ سب بالائے طاق مصاحبوں کے ساتھ خوش گپیاں اڑ رہی ہیں ۔ چہل ہو رہی ہے دل لگی مذاق اور بھونڈی دل میں وقت ضائع کر رہے ہیں الغرض اس حیص بیص میں شام ہو گئی جانے کا وقت

قریب آ گیا بیگم صاحب نے مہری کو بھیج کر نواب صاحب کو محل سرا میں بلوایا اور دروازے بند کرا دیے۔ اور دربان سے کہہ دیا کہ داروغہ کو حکم دے دو کہ اگر کوئی صاحب نواب صاحب کو بلانے آئیں تو کہہ دیں کہ نواب صاحب آرام میں ہیں کھانا دیر سے کھایا تھا طبیعت نصیبِ اعدا کچھ یونہی سی کسلمند ہے۔

عفت آرا بیگم نے نواب صاحب سے میٹھی میٹھی باتیں کرنی شروع کیں تو آٹھ کا گجر بج گیا۔ اب سنیے کہ مسٹر فریزر صاحب عین وقت پر پالکی گاڑی پر سوار ہو کر تشریف لائے۔ سائیس نے اتر کر کہا صاحب آتے ہیں نواب صاحب کو ذرا اطلاع کر دو کہ باہر تشریف لائیں۔

داروغہ صاحب بوکھلائے ہوئے آگے بڑھے آداب عرض کیا اور کہا۔ خداوند نواب صاحب نے کھانا آج کوئی پانچ بجے کھایا تھا۔ سو آنکھ لگ گئی اور طبیعت کسی قدر کسلمند ہے آج حضور وہ اس وقت باہر نہیں آسکتے۔ صاحب کو سخت حیرت ہوئی کہا تم یہ کیا بولتا ہے۔ نواب صاحب تو آج نینی تال جانے والا تھا۔ داروغہ نے کہا۔ خداوند ہم کو اس کا ٹھیک ٹھیک حال نہیں معلوم ہے۔ مگر۔ ہاں اوں کچھ تو۔ کچھ خبر تو۔ (سر کھجلا کر) کچھ خبر تو تھی۔

صاحب۔ (ص) بڑا اشرم کا بات ہے یہ بڑا اشرم کا۔

داروغہ۔ پیر و مرشد ناگہانی امر کو کوئی کیا کرے۔

ص۔ نائیں نائیں۔ یہ سب جھوٹ بات ہے۔

د۔ حضور اگر جھوٹ ہو تو چور کی سی سزا دیجیے۔

ص۔ بڑا اشرم کا بات ہے صاحب۔ بالکل لغو بات۔

ممنّ اور چھمنّ بھی آہستہ آہستہ بڑھے تو صاحب نے فرمایا ہم یہاں پنچایت نہیں مانگتا تم لوگ کیوں ہم کو گھیر لیا ہے۔ ایک تو جھلاتے ہوئے تھے ہی دوسرے طرہ یہ کہ ان لوگوں کے علاوہ خدمت گاروں اور آدمیوں نوکروں چاکروں نے بھی اس طرح گھیر لیا جیسے تماشے والے کے ارد گرد آدمی جمع ہو جاتے ہیں۔ صاحب نہایت ہی خفا اور برافروختہ ہو کر چلے گئے اور ان کے جاتے نواب چھمنّ صاحب آئے۔ پوچھا نواب صاحب تیار ہیں۔ داروغہ

نے کہا حضور گاڑی سے اتریں تو عرض کروں۔ چھٹن صاحب بولے کیوں خیر باشد کہا حضور غلام کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ نواب صاحب گاڑی سے اُتر کر کوٹھی میں بیٹھے اور کہا خیریت تو ہے۔

داروغہ۔ حضور دو بجے تک تو پوری تیاری تھی سب اسباب بندھ گیا ہمراہ جانے والے حاضر ہو گئے۔ سب لد پھند کے لیس۔ کچھ اسباب ٹھیلوں پر اسٹیشن بھی روانہ کیا گیا۔ اور دو خاصے کے گھوڑے بھی ریل پر بھیجے گئے اور جو ضروری اشیا تھیں وہ بھی گئیں مگر شام کو نواب صاحب کے نام محل سرا سے وارنٹ آیا (مسکرا کر)۔ بس حضور کے جاتے ہی حکم آیا کہ جو آئے کہہ دو نواب صاحب نے کھانا دیر کر کے نوش فرمایا تھا طبیعت خدانخواستہ ذرا بے لطف ہو گئی تھی آرام فرماتے ہیں۔ اب اس وقت کسی سے نہ ملیں گے اور ابھی مسٹر فریزر صاحب آ نکے پھر گئے۔ اور بہت ہی بددماغ اور برافروختہ ہو گئے۔

چھٹن۔ اجی دریافت تو کرو کہ نواب صاحب اب کیسے ہیں۔

داروغہ۔ مہری سے کہو کہ حضور کا مزاج دریافت کرتے ہیں۔

مہری۔ (ڈیوڑھی سے) کہا ہے حاضر ہوتا ہوں۔

داروغہ۔ واللہ اعلم اس کا سبب اصلی کیا ہے۔

چھٹن۔ بے ہودہ ہیں۔ لاحول ولاقوۃ۔ بڑا رنج ہوا۔

ممّن۔ حضور ہم لوگوں کو بڑی ڈانٹ بتائی صاحب۔

داروغہ۔ بڑی بے ڈھب ہوئی خداوند۔ کیا عرض کروں بڑا غضب ہو گیا۔

چھٹن۔ انھیں باتوں سے تو ہندوستانی بدنام ہیں۔

داروغہ۔ اب حضور ہم تو کچھ عرض نہیں کر سکتے ہیں۔

جھمّن۔ کوئی ایسا ہی سبب ہوا ہوگا۔ ورنہ۔

چھٹن۔ اجی بس خاموش رہو بے ہودہ ہیں خاصے۔

داروغہ۔ خداوند میں تو کانپ اٹھا تھا واللہ۔

چھٹن۔ کوئی پلٹن کا افسر ہوتا تو ستم ڈھا دیتا۔

داروغہ۔ بڑی ہی خیریت گذری خداوند۔ افوہ۔

چھٹن ۔ ہم لوگ اپنے کو آپ بدنام کرتے ہیں ۔
ممن ۔ بڑے افسوس کا مقام ہے سرکار کیا کیا جائے ۔
چھٹن ۔ تس پر محمد عسکری بڑے ہونہار مشہور ہیں ۔ع
برعکس نہند نام زنگی کافور
داروغہ ۔ حکم ہو تو پھر اطلاع کردوں حضور کی ۔
چھٹن ۔ ہاں ہاں جی بلواؤ ۔ اچھے گھر میں گھس رہے ۔

داروغہ صاحب نے ڈیوڑھی پر جاکر آواز دی تو ایک کھلائی نے جو وہیں کھڑی تھی کہا ۔ سرکار آتے ہیں ۔ باتیں کر رہے ہیں اتنے میں نواب صاحب برآمد ہوے ۔ فرمایا داروغہ صاحب کیا فریزر صاحب آئے تھے ۔ داروغہ نے کہا خداوند کیا عرض کروں اس قدر خفا ہوے کہ الامان بہت ہی بد دماغ ہوے ۔ پھاڑے کھاتے تھے ۔ پاتے تو کچا ہی کھا جاتے ۔

نواب صاحب نے کہا لاحول ولاقوۃ ۔ سخت شرمندہ ہوں بخدا ۔ داروغہ نے دریافت کیا ۔ آخر اس کا سبب کیا ہے حضور ۔ انھوں نے کہا بھئی کیا کہوں لاحول ولاقوۃ ۔ ؎

کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا
اور چپ بھی رہا نہیں جاتا

مگر میرا ذرا قصور نہ تھا داروغہ صاحب ۔ وہ سبب ہی ایسا ہوگیا ۔ کہ میرا کوئی بس نہ چل سکا ۔ لیکن مفت کی بدنامی ہوئی خیر افسوس ۔ ہزار افسوس ۔

نواب صاحب اور چھٹن صاحب سے جو ملاقات ہوئی تو محمد عسکری شرمندہ اور چھٹن صاحب برافروختہ ۔ محمد عسکری کی گردن نیچی اور چھٹن صاحب کا چہرہ مارے غصے کے لال مصاحبین سب خاموش سکتے کے عالم میں ۔

بے حیا کی بلا دور

نواب ۔ یار آج بڑا ستم ہوگیا بھائی چھٹن صاحب ۔
چھٹن ۔ بھائی مجھے آج سے کہنا خبردار !

نواب ۔ تم پہلے کل امور سُن تو لو بھائی ۔
چھٹن ۔ سب سنے ہوئے ہیں ۔ سن چکے سب ۔
ن ۔ ہمارا اس میں واللہ قصور نہیں ہے ذرا بھی قصور ہو تو جو چور کی سزا وہ ہماری سزا ۔

اتنے میں چوب دار نے آکر عرض کیا کہ حضور جمال الدین صاحب آتے ہیں ۔ کہا بھئی اس وقت خوب آئے ضرور بلاؤ ۔ اب تو جو ہوا وہ ہوا آؤ علم موسیقی سے دل بہلائیں ۔ اس وقت بڑا رنج ہے ۔ شاید غم غلط ہو جاتے ۔ میاں جمال الدین آئے تو نواب صاحب نے فوراً فرمایش کی کہ بس کچھ فرمایئے جمال الدین نے کہا بہت خوب آج بہت عرصے کے بعد حاضر ہوا علیل تھا خداوند ورنہ ضرور یہ خاکسار حاضر ہوتا ۔ ؎

رسید نامۂ نامی زبلدۂ بغداد چہ بلدۂ کہ شود باغ داد جملہ بلاد
چہ نامۂ کہ کند کار نامۂ گیتی چہ کاتبے کہ بود کاتب خجستہ نہاد
نواب حضرت اقبال دولۂ والا کہ ذاتِ پاک ویش ہست مخزنِ امداد
توئی کہ دہر ببالد ز فر موکب تو
چناکہ مرکبِ حیدر بجنگ اہلِ عناد

ن ۔ یہ نواب اقبال الدولہ بہادر کی شان میں ہے ۔
ج ۔ حضور یہ خاکسار نے کچھ اشعار عرض کیے تھے ۔
ن ۔ ہاں ۔ شاعر غرّا تو ہیں ہی میاں جمال الدین ۔
ج ۔ حضور کے تصدق میں کچھ عرض کر لیتا ہوں ورنہ شاعری بہت مشکل ہے ۔
ن ۔ نہیں آپ کا کلام بہت پاکیزہ اور عمدہ ہے صاحب ۔
ج ۔ حضور عرض کیا ہے خاکسار نے ۔ ؎

سحر چو چہچہہ پرواز گشت مرغ سحر مثال مرغ سحر از فرح کشادم پر
بیامدم بعدالت برائے نظم امور کہ روز مرّہ چنیں می کنم بوقت سحر

اتنے میں داروغہ صاحب نے جو اس اثنا میں کسی خیال سے اٹھ کر چلے گئے تھے آن کر ممّن کی جانب اشارہ کیا ممّن باہر گیا تو داروغہ نے کہا یار اس وقت

جملو مردود کی وہ چوری پکڑی ہے کہ عمر بھر یاد رکھے گا۔ بہت بڑھ بڑھ کر بک رہا تھا کہ یہ میرا کلام اور وہ میرا کلام ہے اور چنیں وچناں۔ میں نے یادگار مصنفہ جناب نواب اشرف الدولہ بہادر خلف الرشید نواب امیر علی صاحب سابق وزیر حضرت واجد علی شاہ میں یہ کلام پڑھا تھا۔ اور وہ یادگار یہ حاضر ہے تم وہ کتاب حضور کے روبرو پیش کر دو۔ ممتن سنتے ہی خوش ہوگیا۔ نواب صاحب کے روبرو میاں جملو اپنی بہت بڑھ بڑھ کے تعریف کر رہے تھے۔

جملو۔ حضور ایرانی لوگ میرا کلام سن کر خوش ہوتے ہیں۔

ممتن۔ جھوٹے کی ایسی تیسی۔ کہو بیش باد۔ بولو۔

ن۔ اس کا کیا ثبوت ہے کہ ان کا کلام خراب ہے۔

ممتن۔ خداوند ان کے باپ نے بھی کبھی شعر کہا تھا۔

ن۔ اور یہ کلام جو انھوں نے ابھی سنایا۔ یہ کیا ہے۔

ممتن۔ حضور یہ کتاب ملاحظہ فرمالیں۔ بس ہے۔ ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

ن۔ یہ کیا ہے۔ یادگار ہے۔ یہ کون کتاب ہے۔

ممتن۔ حضور میں نے یہ کتاب ابھی ابھی پائی ہے۔

داروغہ۔ حضور یہ نواب امیر علی مرحوم کے صاحبزادۂ اکبر نواب اشرف الدولہ بہادر کی تصنیف ہے جو ہو گلی کے امام باڑے کے متولی ہیں۔ بڑے ہونہار رئیس زادے، اور ذکی الطبع شاعر ہیں۔ اور ان کے ایک بھائی سروس اور جوائنٹ مجسٹریٹ ہیں یہ اشعار جو ان صاحب نے اپنے باپ کی ملکیت بتاتے تھے وہ اس کتاب میں درج ہیں اور یہ نواب اشرف الدولہ بہادر کا کلام ہے حضور ملاحظہ فرمائیں۔

ن۔ ایں! ۔ ارے میاں لفظ بہ لفظ موجود ہے۔ بھئی واہ۔

ممتن۔ اس جھوٹ پر خدا کی مار حضور۔ اے توبہ۔

جھمتن۔ اس کو شرارت کہتے ہیں خداوند جھوٹ اور ہے۔

داروغہ۔ دروغ کو اسی سے بے فروغ کہا ہے۔ ع

کہ کاذب بود خوار و بے اعتبار

نواب صاحب نے بہت کچھ لعنت ملامت کی اور کہا واقعی ہمارے مصاحب تمھاری نسبت جو کہتے تھے وہ سب سچ نکلا تم کو شرم آنی چاہیے، اگر کچھ روز ہم ٹلک جاتے تو ضرور کوشش کرتے کہ یہ سب نکال دیئے جاتیں مگر ہم کو شیخ کا قول یاد ہے۔

قدیماں خود را بیفزا اے قدر
کہ ہرگز نیاید ز پرورده غدر

داروغہ نے کہا خداوند میرا بھی شعر سن لیجیے۔

بعزم دلبری گر آں ستمگر نا مسلماں سنگدل، بے رحم یار من نگاہش جلوہ گر گردد
ز برق حسن عالم سوز او بلبل کباب و سرو دود و خرمن دگل آتش و شبنم شرر گردد

اس پر بڑا قہقہہ پڑا اور ممن نے اپنا کلام سنایا۔

عجب امروز کی مسروریاں ست   کہ جس سے کل بلا کی دوریاں ست
کہے بلبل سے بلبل گل گلوں سے   مرادیں دل کی ساری پوریاں ست

میاں ممن کے پڑھنے کے تصدق
کہ گویا بلبلوں کی بولیاں ست

ن۔ سبحان اللہ۔ یہ میاں جملو کے باپ کو بھی نہ سوجھے گی واللہ۔ بڑھ گئے کیوں میاں جملو۔

جملو۔ حضور میرے کلام اور نواب اشرف الدولہ کے رنگ

چھٹن۔ اس میں کیا شک ہے بلکہ غالباً (مسکرا کر) انھوں ہی نے سرقہ کیا ہوگا۔ میاں ذرا تو شرماؤ۔

جھمن۔ حضور خاکسار نے عرض کیا ہے۔

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری
ثمرہ ہے قلم کا حمد باری

چھٹن۔ اور میں نے بھی قلم توڑ دیے ہیں حضور شاعری اس کو کہتے ہیں۔

ما مقیمانِ کوی دل داریم
رُخ بہ دنیای دوں نمی آریم

نواب صاحب نے کہا بھئی ممّن کا شعر واللہ سب سے بڑھ گیا' پوریان ست اور مسروریان ست۔ ممّن بولے خداوند غور نہیں کیا میں نے کوئی رعایت نہیں چھوڑی ہے۔ مثلاً ؎

کہے بلبل سے بلبل گل گلوں سے
مرادیں دل کی ساری پوریاں ست

حضور یہ گل گلوں کے لیے پوریاں۔ ہائے کیا عرض کیا ہے۔ اس پر بڑا فرمائشی قہقہہ پڑا اور بڑی دیر تک ہنسی رہی۔ داروغہ صاحب کہ طبیعت دار آدمی تھے۔ انھوں نے اسی وقت پوریان اور مولیان کے قافیے میں اسی بحر و ردیف میں کچھ شعر موزوں کیے اور سُنائے۔ ؎

مزہ کھانے کا جاڑے میں جو پوچھو
ارہر کی کھچڑی اور مولیان ست
تمھارے دشمنوں کے سر کے قابل
ہمیشہ لاٹھیان و جوتیان ست
مزہ میلے کا ہم سے کوئی پوچھے
ہجوم عاشقان و لوریان ست
بسنت آتے ہی عالمِ وجد میں ہے
جدھر دیکھو کبیرو ہولیان ست
جوانی پر فدا ہیں ہم تو الفت
اگرچہ گالیاں دگوریان ست

اس پر لوگوں نے بڑا قہقہہ لگایا۔ مگر ممّن نے کہا۔ حضور ان سب شعروں میں میرے اس شعر کا سا لطف بلکہ مزہ نہیں حاصل ہوا۔ جس میں گلگلوں اور پوریوں کا ذکر تھا۔ جملو پر گو پھبتیاں بہت ہوئی تھیں مگر جھلّا کر جواب دیا کہ گلگلوں اور پوریوں کا ذکر کسی کے کلام میں کیونکر آسکے۔ میاں ممّن میں کسی قدر ہندو کا میل معلوم ہوتا ہے۔ اس مذاق کی نواب صاحب نے بڑی داد دی اور میاں جملو بھی خوش ہوے کہ پالا ہمارے ہاتھ رہا۔ ممّن نے کہا خداوند یہ تو مسخرے اور بھانڈ الاصل ہیں، مگر۔ مگر کے بعد اور کچھ نہ کہنے پائے بھانڈ الاصل کی لفظ پر پھر قہقہہ پڑا۔ اور نواب صاحب نے کہا یہ سب سے بڑھ گئے۔ چھمّن نے کہا حضور

بندہ بھی ایک اشعار سناتا ہے۔ سننے کے قابل ہے۔ ؎

چہ خوش گفت ست امانت در گلستاں

Houshall not steal

نواب صاحب ان اشعار سے بہت ہی مسرور و محفوظ ہوئے۔ اور بڑی دیر تک تعریف کی۔ میاں جملو بہت ہی خفیف ہوئے نواب چھٹن صاحب گو بڑے رنج میں تھے کہ محمد عسکری نے اپنی حرکت سے سب رئیسوں کو خفیف کیا مگر اُن اشعار اور اس تذکرے پر وہ بھی مسکراتے جاتے تھے۔ چونکہ خود بھی بامذاق، اور صافی مذاق تھے۔ کہا نواب ہم نے جو شعر کلکتے کی نمایش گاہ میں بھیجے تھے وہ تم نے نہیں سنے۔

نواب صاحب نے کہا مجھے بہت بڑا افسوس ہے کہ میں نے نہیں سنے۔ مگر میں کمالِ مشتاق ہوں۔ ع

کان ہیں مشتاق کچھ فرمایئے

نواب چھٹن صاحب نے بڑے اصرار بلیغ کے بعد کہا حضرت دل کے کانوں سے سنیے گا۔ مصاحبوں نے جواب دیا خداوند جانیں لڑی ہوئی ہیں۔ نواب چھٹن صاحب نے فرمایا کہ گو بندہ شاعر نہیں ہے۔ اور لیاقت بھی واجبی ہی واجبی ہے۔ مگر استاد کے تصدق میں بک لیتا ہوں۔ عرض کیا ہے مخمس ہے۔ ؎

تقریر جو ہے تو وہ تقریر ہے بس　　　تحریر جو ہے تو وہ تحریر ہے بس

گٹے کا کول الٹ کے پارہ بن جائے　　　تصویر جو ہے تو وہ تصویر ہے بس

منعم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست

ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

دنیا کی بے ثباتی کا کیا اچھا ثبوت ہے۔ بس اب اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہوگا۔ گٹے کا کول اُلٹ کے پارہ بن جائے۔ حضرت اس کا سمجھنا دل لگی نہیں ہے مگر سمجھ دار کی ہر مقام پر خرابی ہے۔ سمجھا اور گیا گذرا۔ میاں جمال الدّین غالباً سمجھ گئے ہوں گے کیوں میاں جملو صاحب۔

جمال الدین ایک تو یوں ہی ہدفِ مسلّم طعن بنے ہوئے تھے۔ اس سوال نے ان کو اور بھی پریشان کر دیا۔ بہت شرمندہ ہو کر جواب دیا کہ پیرو مرشد غلام نے وہ وہ صحبتیں دیکھی ہیں جہاں بھلے مانسوں کا گذر محال ہے۔ اس پر سب کے سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

ممّن۔ بھلے مانس وہاں کیوں کر جا سکتے ہیں؟

جھمّن۔ ہجوڑوں کی صحبت اور بھلے مانس کا گذر۔

داروغہ۔ اے لاحول ولا قوۃ۔ کیا مجال۔

جملو۔ حضور یہ سب میرے دشمن جانی ہیں۔

نواب۔ تمھاری دشمن تو تمھاری زبان ہی ہے۔

چھٹّن۔ آخر یہ آپ نے کہا کیا۔ ذرا تو سوچو میاں۔

جملو۔ حضور میرا مطلب یہ تھا کہ اچھے اچھے رئیس ان صحبتوں میں نہیں جانے پاتے۔ بادشاہوں اور شہزادوں کا جن صحبتوں میں گذر نہیں ہوتا تھا وہاں بندۂ درگاہ برسوں اور سالہا سال رہے ہیں۔

ممّن۔ جی کنڈے والیوں تک کی صحبت رہی ہے۔

جھمّن۔ پھر وہاں بادشاہوں کا کیوں کر گذر ہوتا۔

چھٹّن۔ فرشتوں کے پر جلتے ہوں گے صاحب۔

جھمّن۔ ایسا بے تکا آدمی نہیں دیکھنے میں آیا۔

ممّن۔ اور دعویٰ یہ کہ ہمچو من دیگرے نیست۔

چھٹّن۔ یہ غرور ہی تو انسان کو مار ڈالتا ہے۔

ہر کہ گردن بہ دعویٰ افرازد
خویشتن را بہ گردن اندازد

داروغہ۔ میاں جملو بھی اپنے وقت کے فرعون بے سامان ہیں زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے۔

جھمّن۔ مگر ایک نیچا دیکھا چڈّا نے کہ عمر بھر یاد ہی کریں گے چچا۔ ؎

سمجھے تھے اب مرا کوئی سرکوب ہی نہیں   فرعون کے لیے کوئی موسیٰ نہ آئے گا

حضرات ناظرین۔ نواب صاحب اوران کے مصاحب اس دل لگی اور مذاق میں اس درجہ محو ہوگئے کہ نینی تال کے سفراور وعدہ خلافی اور اپنی لغویت سب بھول گئے۔ ذرا خیال نہیں وہی چہچہے وہی قہقہے طرّہ یہ کہ چھٹّن صاحب جو حضرتِ ناصح اور واعظ بنے تھے وہ بھی اسی رنگ میں شریک ہوگئے پند ونصائح بالائے طاق۔ وہ خود پھبتیاں کہنے لگے۔ واہ رے ہندوستان ایک بار پھر وہ شعر یاد کیجیے۔ ؎

بوے گل نالۂ دل دُودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نِکلا وہ پریشاں نکلا

(غالب)

یہ شعر بالکل اس ملک کے حسب حال ہے۔ سالی کے لڑکے کی مونچھوں کا کونڈا، اور نواب محمد عسکری کا التوائے سفر، باوصف وعدۂ حتمی۔ ایک عجیب وغریب، اور نادرالظہور واقعہ ہے۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ یہ وہی مثل ہے۔ اور دل لگی یہ کہ مسٹر فریزر صاحب کو چار پانچ گھنٹے پہلے سے اطلاع بھی نہ دی اور خود چھپ رہے۔ ان سے ملے تک نہیں۔ افسوس۔ اور مسٹر فریزر صاحب وہ خاکہ اڑائیں گے کہ الامان۔ ایک میاں عسکری ہی کو نہیں، بلکہ وہ سب ہندیوں کو لتاڑنے والے ہیں۔ اور سب کی خبرلیں گے۔

اب سنیے کہ مسٹر فریزر صاحب نے نواب صاحب سے کہا تھا کہ ہم اور آپ چل کے آل بین ہوٹل میں ٹکیں گے۔ مگر نواب صاحب نے فرمایا کہ نینی تال میں میرے ایک دوست ہیں۔ لکھ پتی آدمی اور بڑے معزز اور عالی خاندان۔ ان کی کئی کوٹھیاں اور بنگلے ہیں ان کو میں نے لکھا تھا۔ انھوں نے ایک بہت بڑی کوٹھی سجوا رکھی ہے۔ ہوٹل میں ٹکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور منشی مہراج بلی سے بھی یہی کہا تھا۔ نینی تال میں گرمی کے دنوں میں اس کثرت سے انگریز جاتے ہیں کہ ہوٹلوں میں بھی جگہ دقّت سے ملتی ہے۔ اگر مسٹر فریزر صاحب کو معلوم ہو جاتا کہ نواب صاحب نہ جائیں گے۔ تو وہ خط یا تار کے ذریعہ سے ہوٹل کے مینجر سے کچھ نہ کچھ بندوبست ضرور کرلیتے۔ مگر اب سرِ دست کیا ہوسکتا تھا۔ اگر نواب صاحب

ان کو پیشتر سے اطلاع دیتے تو وہ ایک روز میں تار بھیج کر کل امور طے کر دیتے۔ بڑے غصّے کے ساتھ یہ اسٹیشن پر آئے اور ٹکٹ لے کر روانہ ہوے، ان کے درجہ میں ایک اور یوروپین میجر بارلو تھے اُن سے اِن سے راستہ میں یوں گفتگو ہوئی۔

ہندُوستانیوں کی نسبت فریزر صاحب اور میجر بارلو کی رائے

فریزر۔ (ف) آپ کا کہاں تک جانے کا عزم ہے؟۔

بارلو۔ (ب) میں بخط راست نینی تال جاؤں گا۔

ف۔ ہاں تو ہمارا آپ کا وہاں تک ساتھ ہوگا۔

ب۔ آپ نینی تال میں کہاں فروکش ہوں گے؟۔

ف۔ میں خود نہیں جانتا۔ اس کا کیا جواب دوں۔

ب۔ کیا پیشتر سے کوئی بندوبست نہیں کیا ہے؟۔

ف۔ ایک ہندی مثل یاد ہے۔ مرہٹی گھس گھس۔ میں نے اردو میں اعلےٰ درجے کا امتحان دیا ہے۔ لفظ ٹیک پنچویٹی کا کوئی ترجمہ ہی نہیں کر سکتا پابندی اوقات اس کا ترجمہ ہے۔ مگر ایک لفظ میں اس کا ترجمہ محال ہے۔ کیوں کہ ہندوستان میں اس کے معنی کوئی جانتا ہی نہیں۔ میں اپنی بے وقوفی سے اب کی بار چکمہ کھا گیا۔ ایک نواب صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بھی میرے ساتھ نینی تال چلیں گے۔ اور ایک اپنے دوست کی سجی سجائی کوٹھی میں فروکش ہوں گے میں نے صبح کو ان کو لکھا کہ آپ اسٹیشن پر مجھ سے ملیں گے یا میرے ہاں آن کے ساتھ چلیں گے۔ لکھا کہ اسٹیشن کا راستہ اسی طرف سے ہے آپ مجھے لیتے چلیے گا۔ میں جو اس وقت گیا تو سنا کہ نواب صاحب زنان خانے میں ہیں۔ اور طبیعت کسلمند ہے کیونکہ دیر میں کھانا کھایا تھا۔

ب۔ آپ نے بڑی غلطی کی کہ ہندوستانی کی بات کا اعتبار کیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہندوستانی عموماً بے ایمان ہوتے ہیں۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ہندوستانی وعدے کے پورا کرنے کو فرض نہیں سمجھتے۔ اور بقول آپ کے۔

وہ نام سے بھی واقف نہیں ہیں کہ ہے کیا شے اس کے PUNCTUALITY
لیے ایک لفظ میں وہ واقعی ترجمہ نہ کر سکیں گے۔

Because the article does not exist.

ف ۔ مجھے اس قدر غصہ ہے کہ بیان سے باہر ہے

ب ۔ غصے کی بات ہی ہے ۔غصہ کیوں نہ آئے ۔

ف ۔ مجھے اطلاع تک نہیں دی ۔لکھا تک نہیں۔

ب ۔ شراب خور تو نہیں ہے وہ نواب ۔ ؟

ف ۔ میرے سامنے تو پی نہیں شراب ۔

ب ۔ تو افیم ضرور کھاتا ہوگا ۔ یا چانڈو باز ہوگا۔

ف ۔ ان لوگوں کے قول وقرار کا کوئی اعتبار کیوں کرے ۔کہیں کچھ کریں کچھ ۔

ب ۔ یہ ان کی تعلیم کا نقص ہے ۔تعلیم پائیں تو یہ باتیں جاتی رہیں۔ یہ سب جہالت کا نقص ہے ۔

ف ۔ اعلیٰ درجے کی تعلیم کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے ۔

ب ۔ بالکل خلاف ۔ یہ لبرل جہلا کی حماقت ہے کہ ہندوستانیوں کو اعلیٰ درجے کی تعلیم دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں ۔پڑھے لکھے ہندوستانی گستاخ ، اور زبان دراز اور بے ادب ہو جاتے ہیں۔

ہماری رجمنٹ میں چار نوسکھ رسالہ دار ہیں ۔ اور ایک کانپور کا رہنے والا بھی ہے ۔ وہ چاروں تو ہمارے مطیع ہیں جو کہتا ہوں وہ کرتے ہیں۔ اور حضور کہتے ہیں ۔ مگر کانپور کا رہنے والا رسالہ دار بڑا بے ادب ہے ۔ اور کبھی حضور نہیں کہتا ۔ بالکل برابری کا دعویٰ رکھتا ہے۔ اور وجہ یہ کہ وہ لوگ اَن پڑھ ہیں مگر کانپور کا رہنے والا اسکول میں پڑھ چکا ہے ۔ اور فسٹ آرٹس کا امتحان دے چکا ہے ۔

ف ۔ اعلیٰ تعلیم سے ہندوستانیوں کو بے ادبی بڑھ جاتی ہے ۔ اور

رفتہ رفتہ اور بھی بڑھ جاتے گی۔

ب۔ مگر بعض مدعیان عقل اس کو نہیں سمجھتے۔

ف۔ بنگال کی حالت دیکھیے کہ میونسپل کے ممبروں نے گورنمنٹ کی ایک نہ سنی۔ سب فرنٹ ہوگئے۔ دو ایک کے علاوہ اور سب متفق الرّاے تھے۔ تعلیم کا یہی نتیجہ ہے بس۔

ب۔ ان لوگوں کو اس قدر انگریزی پڑھانی چاہیے کہ یہ کلرک کا کام کرلیں۔ ہاں عربی، فارسی، سنسکرت کی تعلیم دی جاتے تو خیر ہم بھی خلاف اس کے نہیں۔ مگر ان کو تاریخی باتیں اور پولیٹکل امور سکھانا اسمتھ اور مل کے کلام پر حاوی کرنا البتہ غلطی اور بڑی بھاری غلطی ہے۔ لبرل فرقے کے لوگ اپنے جہالت سے ہم لوگوں کے حق میں کانٹے بو رہے ہیں۔ میں نے تو ایک جنرل ممبر پارلیمنٹ سے کہا تھا کہ آپ لوگ ایشیا میں بھی ایک آئرلینڈ قائم کرنے والے ہیں۔ جب ہندوستانی تربیت یافتہ ہوں گے تو خواہ مخواہ حقوق کے لیے جھگڑیں گے اور جھگڑا ہمارے حق میں مضر ہوگا۔ ہم کو اس سے کیا ملے گا خاک۔ ہم تو اُن پُرانے فشن ہی کے ہندوستانیوں سے خوش ہیں۔ وہ لوگ جب ملتے ہیں جُھک کر سلام کرتے ہیں جوتا اتار کے آتے ہیں۔ ادب کے ساتھ ملتے ہیں۔ اور گفتگو کے وقت حضور کے بغیر بات نہیں کرتے۔ ان لوگوں سے ہم خوش نہیں ہیں جو ٹوپی اُتار کے جوتا پہنے ہوئے آتے ہیں۔ اور منتظر رہتے ہیں کہ ہم ان سے شیک ہینڈ کریں۔ ہاتھ ملائیں اور یہاں ان باتوں سے نفرت ہے۔

ف۔ بنگالیوں نے بڑی ترقی کی ہے۔

ب۔ کچھ ترقی نہیں کی تجارت کام کی نہیں۔

ف۔ مگر علم وفضل میں تو ترقی کی ہے۔

ب۔ اس وقت ہندوستان میں اور کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ لال موہن گھوس کی اسپیچیں واقعی قابلِ تعریف ہیں۔ لیکن اگر اس نے انگریزی نہ پڑھی ہوتی تو پارلیمنٹ کی ممبری کی کاہے کو سوجھتی۔ یہ انگریزی تعلیم ہی کا

نتیجہ ہے۔ ارنا ست کہ بر ماست۔

ف۔ اگر پچاس برس ادھر کوئی پیشن گوئی کرتا کہ ہندوستانی ممبری پارلیمنٹ کی کوشش کریں گے تو کسی کو یقین نہ آتا۔

ب۔ مگر ممکن نہیں کہ کوئی ہندوستانی پارلیمنٹ کا ممبر مقرر ہو سکے اہلِ انگلستان اس کو ہرگز ہرگز منظور نہ کریں گے۔

ف۔ جس دن ہندوستانی پارلیمنٹ کا ممبر مقرر ہوا بس سمجھ لیجیے کہ اسی روز آیرلینڈ کا پارلیمنٹ بھی غلط ہو جاتے گا۔

ب۔ میں آپ سے اس میں بالکل اتفاق کرتا ہوں۔

ف۔ میں تو خوب غور کر چکا ہوں اس معاملے پر۔

ب۔ ہندوستانی بے وجہ ہی بڑھے نہیں ہیں۔

ف۔ نا۔ نا۔ ہم نے ان کو سکھایا ہے کہ ہم سے لڑو۔

کس نیا موخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

ب۔ آزادی اور حقوق رعایا ایسے ایسے لفظ سکھا کر ان لوگوں کو ہم نے کہیں کا نہ رکھا۔ زمین کا نہ آسمان۔

ف۔ اور یہ اشتہار جو ملکۂ معظّمہ کا ہے، اس سے اور بھی وہ شیر ہو گئے کوئی بات ہوئی اور انھوں نے غل مچانا شروع کر دیا کہ ہم میں اور فرنگیوں میں کیوں فرق کیا جاتا ہے۔

ب۔ بہت صحیح ہے۔ بڑی بھاری غلطی تھی۔

ف۔ اب پچھتانے سے کیا ہوتا ہے بھلا۔

ب۔ اب یہ لوگ ہرگز سیدھے ڈھرّے پر نہیں آسکتے۔ من چہ فش ام برادر فلاں من بسیار فش است۔

نواب قمر رکاب محمد عسکری صاحب بہادر تو اپنی پیاری سالی بی عفت آرا بیگم کے بھیّا کے مونچھوں کے کونڈے کے سبب سے روپوش ہو گئے۔ مسٹر فریزر صاحب نے لاکھ اصرار کیا۔ مانا کہ منشی مہراج بلی صاحب سے بھی وعدہ

ہوچکا۔ ہونے دو۔ بھلا سالی کی بات نہ مانیں، بیوی کا کہنا ٹال دیں۔ استغفراللہ خیر یہ تو سالی کی پیاری پیاری باتوں میں آگئے اس سبب سے سفر ملتوی کر دیا گر یہ منشی مہراج بلی کہاں غائب غلّہ ہو گئے۔ اس کا جواب منشی مہراج بلی صرف یہ دیتے ہیں کہ۔ من چہ فش ام برادر فلاں من بسیار فش ست۔

نواب صاحب اور منشی مہراج بلی دونوں اس کے مصداق ہیں۔ یہ ڈال ڈال تو وہ پات پات۔

ریل غائب غلّہ

منشی مہراج بلی نے نواب صاحب کے بھی کان کاٹے۔ جس روز نینی تال جانے کو تھے صبح کو تیاری کی اسباب بندھوایا جو اشیا ضروری خریدنے کو تھیں وہ خریدیں۔ اور من کل الوجوہ سفر کے لیے تیار ہو گئے۔ چار بجے تک سفر سر پر سوار تھا چار بجے ایک محلّہ میں بحیثیت ممبر مینونسپلٹی موقع کی تحقیقات کے لیے گیے اب وہاں زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے۔ محلّے بھر کا ناک میں دم کر دیا۔ ان کے ساتھ اور ایک مینونسپل کمشنر بھی تھے۔ مگر فہمیدہ آدمی مولانا تاج الدّین صاحب۔

مہراج بلی۔ یہ اس قدر کوڑا کیوں جمع ہے۔

محلہ دار۔ حضور ہفتے ہیں دو بار صاف ہوتا ہے

مہراج۔ روز روز کیوں نہیں صاف کیا جاتا۔

محلہ دار۔ اس گلی میں روز روز کیوں کر صاف ہو سکتا ہے۔

مہراج۔ برابر ہو سکتا ہے۔ یہ خوب کہی۔ ع

شوق در ہر دل کہ باشد رہبری در کار نیست

راوی۔ اے سبحان اللہ کیا موقع پر مصرع پڑھ دیا ہے۔

مہراج۔ ہم ایک دم سے چالان بول دے گا صاحب۔

تاج۔ مطلب یہ ہے کہ صاف رہے محلّہ اس مقام پر جو یہ کیچڑ ہے اس کی نسبت دارو غۂ صفائی کو رپورٹ کرنی چاہیے تھی۔

مہراج ۔ اب رپورٹ کر دو تو یہ جگہ پٹ جائے ۔

داروغہ ۔ آج ہی رپورٹ کردوں گا جاتے ہی ۔

مہراج ۔ کام کو کام کی طرح کرنا چاہیے ورنہ پھر گویا بعینہ وہی مثل ہوگی ۔ ؎

منس کردہ ام رستم داستاں
وگرنہ یکے بود در سیستاں

راوی ۔ شعر تو ایسے موقع پر حضور پڑھ دیتے ہیں کہ گویا اسی موقع کے لیے مصنف نے تصنیف کیا تھا۔

مہراج ۔ کارِ امروز بہ پسِ فردائے مگذار ۔

راوی ۔ یہ فردائے کی (ے) نے کیا مزہ دیا ہے ۔ اور پس فردائے اور بھی طرہ ہے۔

مہراج ۔ صفائی سے آپ لوگ پرہیز کریں تو حد ہو گئی ۔

صفائی مسِ عیب را کیمیاست
صفائی کند ہر کہ مرد خداست

راوی ۔ ادھر صفائی کا بندوبست اور اُدھر لگے ہاتھوں شیخ مصلح الدین شیرازی کے کلام کی اصلاح بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتی جاتی ہے ۔ کیوں نہ ہو۔

تاج ۔ (مسکراکر) خوب خوب شعر یاد ہیں آپ کو ۔

مہراج ۔ (اکڑکر) اب تو سب بھول گیا جناب ۔ ؎

شب چو عہد نماز بر بستم
چہ خورد بامداد فرزندم

راوی ۔ بس یہاں پر چوک گئے بربستم کے قافیے میں فرزستم چاہیے تھا ۔ تاکہ کوئی تُک کہیں سے صحیح ہی نہ ہو ۔

مہراج ۔ اچھا آج رپورٹ بھیجیے ۔ پرسوں کمیٹی میں ہم سفارش کریں گے کہ یہ مقام پاٹ دیا جائے ۔

تاج ۔ ہاں ہاں ضرور یہ تو کب کا ہو گیا ہوتا اب تک مگر داروغہ صاحب نے توجہ ہی نہ کی ۔

مہراج ۔ کارِ امروز بہ پسِ فردا مگذار ۔ ع

این نصیحت نویس بر دیوار

راوی ۔ اب کی اور بھی بڑھ گئے ۔ یک نہ شد دو شد ۔

مہراج ۔ ازیں مہتر تاکید کردہ اند کہ صفائی دریں جا خوب نمودہ آید ۔ کہ صاحبان اگر گذر کنند خوب باشد چراکہ در عدمِ موجودگی صفائی و موجودگی غیر صفائی ہر شکار لک دھکڑ نمودہ آید و آں باعث بدنمائی ہر ہمہ ممبرانات نمودہ شد و الّا نہ آنچہ بہتر شود اولیٰ نمودہ آید ۔ ؎

من بگویم کہ ایں مکن آں کن
من بگویم کہ کار آساں کن

بہ فہمِ شما صادق شد یا نہ شد ۔

تاج ۔ قبلہ بندہ قلیل البضاعت آدمی ہے ۔

مہراج ۔ اِلّا زبانِ پارسی دانی شما ؟

تاج ۔ میں تو اردو بھی اچھی طرح نہیں بول سکتا، فارسی کجا اور عربی کجا ۔

مہراج ۔ من از مرد بانات ایرانیاں گفتگوے نمودہ شد ۔ گفتا کہ شما ہم ایرانی فصیح ۔ من گفتا ۔ نا من ہندی ہست فارسی نیست گفتانا ۔ دروغ و جھوٹ است شما ایرانی ۔

تاج ۔ آپ تو بالکل اہلِ زبان معلوم ہوتے ہیں ۔

مہراج ۔ میں نے لاکھ لاکھ قسمیں کھائیں کہ میں ہندی ہوں وہ برابر یہی کہا کیے کہ نہیں تم ایرانی ہو ۔

تاج ۔ وہ آپ کا لب و لہجہ ہی ایسا ہے ۔

مہراج ۔ تسلیم ۔ سب یہی کہتے ہیں ۔ اور پہلے میں سمجھتا تھا کہ لوگ میری خوشامد کرتے ہیں ۔ مگر یہ بات غلط نکلی ۔ ایرانی خود میری تعریف کرتے ہیں ۔

الغرض محلّے میں حکومت جتا کر اور مہتروں کو ڈانٹ بتا کر منشی مہراج بلی صاحب اپنے گھر آتے ۔

تاج الدّین کہ فہمیدہ آدمی تھے امور متعلّقہ تحقیقات کا مناسب انتظام کیا ۔ مگر یہ حضرت صرف ڈانٹ ڈپٹ ہی میں رہے ۔

اب سنیے کہ جب منشی مہراج بلی صاحب گھر میں تشریف لے گئے تو کپڑے اتار کر بیوی کی طرف مخاطب ہو کر یوں کہنے لگے۔

آج ایک مکدمے کی تہکیکات کے لیے گئے تھے ایک اور کمشنر ہمارے ساتھ تھے۔ ہمارے سوا اور کہو کا کچھ آت جات تو ہے ناہیں۔ شد بد بھی جانتے ہم نے جو چاہا سو کیا۔ داروغہ کو ڈانٹ بتائی اور اب اس کو ہم موکوف کرا دیں گے۔ ان کی بیوی نے کہا تم کو بس کمانا چاہیے کہ اور لگی لگائی نوکری کسی کی لے لو۔ فرمایا کہ صاحب جس قدر ہم سے خوش ہیں اس قدر اور کسی کمشنر سے خوش نہیں ہیں۔ وہ سب کے سب اپنی اپنی دلیلیں پیش کرتے ہیں اور ہم بجز ہاں کے سوا اور کچھ نہیں کہتے۔ سو ہم سے صاحب خوش ہیں۔ اب ہمارا نام کونسل میں لکھا جائے گا۔ ہم نے تو گلی کا انتظام کیا دوسرے مہتر موقوف کیے تیسرے ایک آدمی پر جرمانہ کیا اور اب قصد ہے کہ ایک آدمی کو موقوف کر دوں۔

ان کی بیوی نے ان کی پیٹھ ٹھوکی (اے سبحان اللہ) اور کہا واہ وا واہ کیا کیا نیک کام تم نے کیے ہیں۔ یہ نہ ہوا کہ دس غریب آدمی کی روٹی تمھاری وجہ سے چلتی۔ کس گھمنڈ سے کہتے ہیں کہ ایک کو چھٹا دیا، اور دو پر جرمانہ کیا۔ واہ۔

منشی مہراج بلی بولے کہ بیوی تم سمجھتی تو ہو ہی نہیں تم سرکار دربار کی بات کیا جانو۔

بیوی۔ (ب) تو کسی کا روزگار لینے میں کیا گھمنڈ ہے۔

مہراج۔ (م) یہ تو ہمارا کام ہے۔ کمشنر ہیں کہ نہیں۔

ب۔ ایسی کمشنری سے تو بے کمشڑی ہی اچھے۔

م۔ عورت ناقص العقل ہوتی ہے نا۔

ب۔ اچھا بڑے کمشڑ بنے ہو ہمارے بھیا کو تو دس پندرہ کا نوکر رکھوا دو۔ جب جانیں کہ کچھ اکھتیار ہے۔

م۔ ہم تو رکھوا دیں دو سو کا مگر۔

ب۔ اے چلو بھی۔ دو سو کا۔ گھر کی ٹیکی اور باسی ساگ۔ میں دو سو سے درگذری۔ تم دس ہی کا رکھوا دو۔

م ۔ اس میں ہماری بے عزّتی ہے ۔ دس کا نہیں ۔

ب ۔ اے ہے ۔ اور تمھارے چچا تو پانچ ہی روپے پاتے ہیں اور مذکوری ہی ہیں۔

م ۔ ایسی باتیں کمشٹروں سے نہ کرنی چاہئیں ۔

ب ۔ اے ہے ۔ لو اور سُنو ۔ تو اب جورو اپر بھی کمشٹری چلاؤ گے ۔ اچھی کمشٹری ہے ۔ اوچھے ہو ہماری جان میں ۔

م ۔ ہم کو صاحب لوگ کرسی دیتے ہیں برابر کا ۔ ذرا تم ہم سے سمجھ کے بات کیا کرو ۔

ب ۔ پھر اس اوچھے پن سے مطلب کیا ہے ۔ آدمی کو اپنی لیاقت کے موافق بات کرنی چاہیے ۔

م ۔ اوچھا پن نہیں ۔ سمجھاتا ہوں تم کو ۔

ب ۔ اے تو صاحب تمھیں کرسی چھوڑ مچان یا اونٹ پر بٹھائیں ۔ ہمکو کیا سُناتے ہو ۔

م ۔ کیا دل لگی بازی ہے ۔ بھلا اور کوئی تو جا کے کرسی پر بیٹھ جائے ۔

ب ۔ تم کو کتّے کے مغز دیئے گئے ہیں بک بک بک بک بک زبان ہے کہ کترنی ہے ۔

اس تقریر کے بعد منشی مہراج بلی صاحب باہر کے کمرے میں تشریف لائے تو ایک دوست سے گفتگو میں کہنے لگے کہ یار آج کل بڑی عدم الفرصتی رہتی ہے ۔ صبح و شام برابر شہر کا دورہ رہتا ہے ۔ مگر سڑکیں تو سڑکیں گلی کوچے تک ایسے صاف ہیں کہ چاہے سونا اچھالتے جایئے ۔

اب سنیئے کہ سات بج گئے اور وقت قریب آگیا ۔ مگر ایک اور دوست جو آئے تو ان سے خوش گپّی میں گھنٹا بھر اور ضائع ہو گیا اور وہ ایسے بے تکلف کہ بیٹھے تو اس نیت سے کہ مکان کا قبالہ لکھوا کر جائیں گے ۔ فرمایا کہ حضرت منشی دل گیر کے مرثیے آپ کو سُناؤں ۔ اس وقت ۔ جناب کیا کلام ہے ۔ ؎

کاٹ سے تیغ کے آگاہ ہے کچھ رویں تن
پائے دشمن سے سدا کہتا ہے فرق دشمن

برق کا کام نہیں یہ نہیں کار آہن
کاٹ کے وصف میں ہوجاتا ہے دوٹکڑے سخن
سر پہ جب تیغ پڑی خوں سر قدم تک ترہے
موم چار آئنہ صابون صفت بک ترہے

مہراج ۔ کچھ دن ہم نے بھی مرثیہ کہا تھا جناب ۔
راوی ۔ دریں چہ شک ۔ حضور ایسے ہی طبیعت دار ہیں ۔ آپ کا مثل کا ہے کو ہے ۔ ؎

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

(سعدی)

مرثیہ گو ہو تو حضور کا سا ۔ کیا کہنا ہے ۔
منشی مہراج بلی صاحب بیٹھے ہوئے مزے مزے سے دل گیر لکھنوی کے بند سن رہے ہیں ۔ کس کا سفر اور کیسا نینی تال ۔ حضرات ناظرین خود ہی غور فرمائیں کہ کجا سفر نینی تال ۔ ریل کا وقت قریب ، کجا دل گیر کے مرثیے اور کجا بیوی سے ممبری مینونسپلٹی کی لن ترانیاں کہ میں ایسا اور میں ایسا اور مدد ساہی پیپیا ۔ ہیچو من دیگرے نیست ، میں نے یہ کیا اور وہ کیا اور اس وقت کل مینونسپلٹی کی ناک ہوں ۔ اگر میں علاحدہ ہو گیا تو گویا ناک کٹ گئی ۔ غرض ان چہ میگوئیوں کے بعد حضرت کو یاد آیا کہ ریل گھر جانا اور سفر کرنا ہے ۔ اسباب تو بندھا رکھا تھا ہی کرائے کی گاڑی منگوائی ۔ اب اتنے میں نو کا عمل ہو گیا ایک بار خدمت گار واپس آیا کہ حضور اول درجے کی گاڑی ملتی ہے ۔ سکن کلاس کی نہیں ملتی ۔ کہا اچھا آٹھ آنے ریل گھر تک کے دیں گے ۔ واپس آن کر آدمی نے کہا حضور بارہ آنے مانگتا ہے ۔ کہا اچھا بھئی لاؤ ۔ اب اس وقت جو کچھ کہے گا دیں گے مگر آیندہ فہمیدہ خواہد شد آدمی گیا گاڑی کے نکالنے اور گھوڑوں کے جوتنے اور ساز لگانے میں عرصہ ہوا خیر خدا خدا کر کے گاڑی آئی ۔ اسباب لادا گیا ۔ منشی مہراج بلی مکان کے اندر گئے ۔ زنانے میں سے کوئی پون گھنٹے کے بعد تشریف لائے ۔ بیوی

کے نزدیک گویا میاں بڑی کڑی مہم پر جاتے تھے۔ اعزّا اقربا سخت افسوس میں کہ اب یہ بے چارے خدا جانے آئیں بھی یا نہ آئیں۔ جتنے تھے سب پژمردہ خاطر اور افسردہ دل، کہ خدا خیر کرے پہاڑ کا سفر ہے۔ خدا ہی عزت رکھے تو ہے۔

گاڑی پر سوار ہوئے تو دس منٹ تک آدمیوں کو ہدایت کی کہ یہ کرنا، اور وہ کرنا، اور چنیں وچناں، اور ایں وآں۔

بعد خرابی بسیار روانہ ہوئے۔ اور اسٹیشن پر پہنچے تو پلیٹ فارم پر ٹہل رہے ہیں۔ اب نہ یہ معلوم کہ ریل کس وقت جاتی ہے۔ اور کس وقت آتی ہے۔ نہ یہ معلوم اب وقت کیا ہے۔ کَے بجے ہیں کسی امر سے واقف ہی نہیں۔ بالکل کورے۔ تھوڑی دیر کے بعد گھنٹی بجی تو آپ نے ایک کانسٹبل سے دریافت کیا کہ نینی تال کا ریل کس وقت جائے گا۔ اس نے کہا نینی تال تو ریل نہیں جاتی۔ ایں نینی تال نہیں جاتی !!! واہ واہ جاتی کیوں نہیں ہے؟ اس نے کہا جاتی ہوگی ایک کلرک سے دریافت کیا۔ بابو صاحب نینی تال کی ریل کس وقت جاتی ہے۔ اس نے کہا کاٹھ گودام تک جاتی ہے نینی تال نہیں جاتی۔ ایں۔ اور کیوں بابو صاحب پھر وہاں سے کس سواری پر جاتے ہیں کہا وہاں سے ٹٹو پر جانا ہوتا ہے۔

بابو۔ (ب) آپ کہاں تک جانے والا ہے یہاں سے۔

مہراج۔ (م) ہم تو اس وقت کی ریل پر نینی تال جائیں گے۔

ب۔ ریل تو گئی۔ بریلی کی ریل تو چلی گئی۔

م۔ ارے لاحول ولاقوۃ۔ بُری ہوئی واللہ۔

ب۔ آخر آپ کیا سوتا تھا اب تک۔

م۔ ہم سے کسی نے کہا ہی نہیں کہ نینی تال کی ریل چلی گئی ورنہ ہم پہلے ہی سے آجاتے۔

ب۔ نینی تال ریل نہیں جاتی۔ کاٹھ گودام تک جاتا ہے۔ پر آگے نہیں جاتا وہاں سے ٹٹو یا ڈانڈی پر جاتا ہے۔

م۔ تو اب ریل نکل گئی غضب ہوگیا۔ تو۔

ب۔ ریل تو پہنچا دو کوس۔ بلکن تین کوس۔

م ۔ بھلا اس ریل پر نواب محمد عسکری صاحب تھے ۔

ب ۔ نا ہیں ۔ شو نا ہیں تھا ۔ ایک ہندوستانی تھا ۔ بھگت کہیں کا ڈپٹی ہے وہ ۔ ہم نام نہیں جانتا ۔

م ۔ اور بھلا مسٹر فریزر صاحب اسسٹنٹ کمشنر تھا ۔

ب ۔ تھا ہم سے بولا نواب محمد عسکری ۔ ہمارے کو دھوکا دیا ۔

م ۔ بڑا افسوس ہوا ۔ مگر اب پچھتائے کیا ہوت ہے کہ چڑیاں چگ گئیں کھیت ۔

منشی مہراج بلی صاحب اپنا سا منہ لے کر اسٹیشن سے بے رنگ روانہ ہوئے ۔ اسباب دوسری گاڑی پر لاد کر گھر بھیجا ۔ خود بدولت نواب محمد عسکری صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے ۔ جب گاڑی کوٹھی میں پہنچی تو نواب صاحب سمجھے کہ مسٹر فریزر صاحب آ گئے ۔ گاڑی کی گھڑگھڑاہٹ سنتے ہی ایک کمرے میں چھپ رہے ۔ اور مصاحبوں سے کہہ دیا کہ کہنا ابھی تک آنکھ نہیں کھلی ۔ آرام میں ہیں کمرے میں دبکے بیٹھے تھے کہ چوب دار نے عرض کیا حضور منشی مہراج صاحب تشریف لائے ہیں مگر نواب صاحب کو یقین نہیں آیا ان کے دل پر جم گئی کہ مسٹر فریزر صاحب ہی ہیں ۔ آدمی کو چپکے سے بلا کر کہا بھئی از برائے خدا غور کر کے دیکھ لو مہراج بلی صاحب ہیں یا فریزر صاحب ہیں ۔

اتنے میں مہراج بلی کوٹھی کے اندر داخل ہوئے ۔ مصاحبوں نے آداب عرض کیا ۔ پوچھا نواب صاحب کہاں ہیں ۔ اب کوئی جواب نہیں دیتا ۔ سب خاموش ۔ ایک ایک کی صورت دیکھ رہا ہے ۔ کہ اتنے میں نواب صاحب تشریف لائے ۔ کہا بھئی واللہ میں سمجھتا تھا کہ مسٹر فریزر صاحب بھی تمھارے ساتھ ہی آئے ہیں ۔ مجھ سے وعدہ خلافی ایسی ہوئی کہ اب میں ان کو منہ نہیں دکھا سکتا ۔ بڑی بری ہوئی ۔ مگر مضی ما مضی گذشتہ را صلوٰۃ ۔ مہراج بلی نے دریافت کیا ۔ کہ آپ نے سفر کیوں ملتوی کر دیا ۔ کہا بس اس کا حال نہ پوچھیے ۔

ہندوستانیت کو خدا غارت کرے ۔ مہراج بلی نے کہا میں سمجھا نہیں کہ ہندوستانیت کے کیا معنی اور ہندوستانیت نے کیا برائی کی ۔ کہا بھائی صاحب میں واللہ اسباب روانہ کر چکا تھا ۔ اور لطف یہ کہ گھوڑے ریل کے اسٹیشن پر

بھیجے اور تراب علی کو ہمراہ ان کے بھیجا کہ ہمارے آنے کے منتظر نہ رہنا وقت پر ریل پر گھوڑوں کو چڑھا دینا اور تم ساتھ جانا ہم فرسٹ کلاس میں ہوں گے وہ گھوڑے تو روانہ ہو گئے اور تراب علی ان کے ساتھ گئے اور اسباب کی ٹھیل اسٹیشن سے واپس آگئی اور ہم میاں بیٹھے دندنا رہے ہیں فریز رصاحب اگر مجھے اس وقت پائیں تو ذبح ہی کر ڈالیں واللہ مگر المعذور۔ وہ ے۔ وہ المعذور و مجبور۔ میرا کیا قصور ہے اس میں۔ اب آپ اپنی سرگذشت کہیے۔

منشی مہراج بلی نے اصرار کیا کہ پہلے آپ فرمائیے کہ التوا کا سبب کیا تھا۔ پھر میرا حال زار سنیے۔ ایک داستان ہے۔

نواب محمد عسکری صاحب نے التواے سفر کا سبب اصلی بتا دیا کہ ہماری سالی صاحب تشریف لائیں اور انھوں نے ہم کو مجبور کیا کہ ہرگز ہرگز نہ جاؤ۔ ان کے بڑے لڑکے کی مونچھوں کا کونڈا ہونے والا ہے۔ اس تقریب کے لیے انھوں نے روکا اور لاکھوں قسمیں دیں کہ ہرگز ہرگز نہ جاؤ۔ اگر تم جاؤ گے تو میں عمر بھر نہ بولوں گی اور مجھے بڑا ہی رنج ہو گا اور یہ اور وہ۔

الغرض مجھے بالکل مجبور کر دیا۔ آخر الامر بندہ گھر میں چھپ رہا۔ اور فریزر صاحب آئے اور بہت ہی بد دماغ ہوئے۔ مگر آنچہ شدنی نے بود شد، اب آپ اپنا حال بیان کیجیے۔

منشی مہراج بلی نے کہا ہم آپ کے ہاں سے رخصت ہو کر گئے۔ تو ایک کاغذ آیا کہ کل فلاں موقع پر جا کر تحقیقات کیجیے۔ ہم اور مولوی تاج الدین صاحب گئے۔ وہاں ضروری امور کی تحقیقات کی۔ صفائی کی تاکید کی۔ داروغہ کو بلوایا۔ وہاں ٹھائیں ٹھائیں رہی وہاں سے گھر پر آئے تو اسباب بندھوانے اور لدوانے اور کراتے کی گاڑی منگوانے میں عرصہ ہو گیا۔ گھر کی گاڑی کھلی ہوئی ہے اس پر ہوا میں جانا مناسب نہ تھا اسٹیشن پر پہنچے تو سنا گاڑی روانہ ہو گئی۔ ایں چلیے اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ دریافت کیا کہ نواب محمد عسکری صاحب بریلی کی گاڑی پر گئے ہیں۔ سُنا کہ نہیں۔ پوچھا فریزر صاحب گئے ہیں۔ سُنا ہاں۔ اسباب گھر بھیجا خود یہاں آئے کہ آپ سے دریافت کریں کہ آپ کی

سرگذشت کیا ہے ۔ داروغہ نے مسکرا کر دبے دانتوں کہا۔ حضور دونوں صاحب ایک سے ملے ۔ اور فریزر صاحب اپنے دل میں بہت بُرا مان گیا ہوگا۔ اور بُرا ماننے کی وجہ ہی ہے ۔ اس سے وعدہ کیا کہ ہمارے دوست کی کوٹھی میں چل کے اترنا۔ آپ ہوٹل کا ہرگز ہرگز بندوبست نہ کیجیے گا ۔ اور ان کو اطلاع تک نہ دی کہ نہ جائیں گے ۔ جل بھن کے خاک ہوگیا ہوگا۔ محمد عسکری نے کہا پھر اب تو جو ہوا وہ ہوا ۔ ؎

نو بہار است بیا تا در خمار زنیم
برقے از موجِ قدح درخس پندار زنیم

ع دلم از صومعہ و خرقہ و سالوس گرفت

داروغہ کھل کھلا کر ہنس پڑا ۔ کہا حضور یہ سب صحیح ہے ۔ مگر بڑی بدنامی ہوگی ۔ نواب صاحب نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا ۔ ؎

گرچہ بدنامی است نزدِ عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ و نام را

مہراج ۔ (م) آخر حضرت یہ تو فرمائیے کہ یہ سبب کیا ہوا آپ کا تشریف لے جانا کیوں ملتوی ہوگیا ۔ میں تو اپنی بے وقوفی کی وجہ سے نہ جاسکا۔

نواب ۔ (ن) آپ بھی واللہ طرفہ معجون ہیں ۔ صریح کہہ چکا سمجھا چکا کہ ہماری سالی آئیں اور انھوں نے اصرار کیا کہ لڑکے کی مونچھوں کا کونڈا ہے اور آپ ابھی وجہ ہی دریافت کر رہے ہیں' تو میں اس کو کیا کروں ۔

م ۔ ہاں یہ باعث ہے ۔ لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ ۔

ن ۔ بھائی یہ ہندوستان ۔ کون ہندوستان ؎

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا وہ پریشاں نکلا

ہزار ہا بار یہ شعر پڑھے مگر واللہ سیری ہی نہیں ہوتی ۔

م ۔ اور صاحب جا کے وہاں ٹکیں گے کہاں ۔

ن ۔ واللہ اعلم ۔ کسی ہوٹل میں ٹک جائیں گے ۔

م ۔ مگر دقّت تو ہوگی ۔ تکلیف تو ہوگی ۔

داروغہ ۔ حضور کی پاپوش سے کہ آپ تو مزے سے بیٹھے ڈیڑھ حقّہ لگاتے گڑگڑا رہے ہیں ۔ بے چارے فریزر صاحب اپنی آپ بھگت لیں گے حضور کو کیا لگے ہے ۔ ؎

صبح تو جام سے گزرتی ہے — شب دلارام سے گذرتی ہے
آخرت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گزرتی ہے

مگر واقعی ہندوستانی لوگ اسی سبب سے بدنام ہیں ۔ اور حضور نواب چھٹن صاحب بہادر، خدا گواہ ہے ۔ واللہ جو غلام کو ذرا بھی معلوم ہو، اس وقت کہ اس التوا کا سبب کیا تھا ۔ ہمارے سرکار تو ایسے جا کے چھپ رہے کہ توبہ ہی بھلی ۔ اور صاحب سن کر سنّاٹے میں ہو گئے ۔ اور چہرہ مارے غصّے کے سرخ اور یہاں ۔ ع

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

اور ممّن اور چھمّن جب سامنے آئے تو غضب ہو گیا ۔ آگ بھبو کا ہو گئے بہت ہی بگڑے کہ تم لوگ کیا ہم کو تماشا سمجھا ہے بھاگ جاؤ یہاں سے ۔ اور یہ دونوں الٹے پاؤں فِفرو ہو گئے ۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ داروغہ صاحب نے آن کر کہا حضور مسٹر فریزر صاحب کا بیرا آیا ہے ۔ کہتا ہے صاحب بڑے خفا تھے ۔ چپراسی جو ساتھ گیا تھا اس نے بیرا سے کہا کہ صاحب کو نواب صاحب نے بڑا خفا کر دیا ۔ نواب صاحب نے بیرا کو بلوایا ۔ بیرا نے جھک کر سلام کیا ۔ نواب صاحب نے پوچھا کہو تمھارے صاحب گئے ۔ کہا ہاں ہجور گئے ۔ مدا ہجور سے بہت بے جار (بیزار) تھے ۔ چپراسی سے راستہ میں دو چار بر یا کہا کہ نواب نے ہم کو دھوکا دیا ۔ اب ہم ان کے دھوکے میں نہ آئے گا اور اٹیشن (اسٹیشن) پر صاحب لوگوں سے بھی شکایت کی ۔ کہن کہ ہم سے اوّا دا کر کے نکل گیا ۔ نواب ہم ہوٹل کا کچھ سامان نہیں کیا ۔

نواب ۔ ہماری طبیعت سُست ہو گئی ۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے ۔

ہم نے تو سامان کر ہی لیا تھا۔ مگر اتفاق۔

بیرا۔ ہاں ہجوراتی پھاگ ہوے گوا ہوتیے۔ (اتفاق ہوگیا ہوگا)

داروغہ۔ ارے بھئی گھوڑے نینی تال پہنچے۔

نواب۔ ہاں گھوڑے تو ہم بھیج چکے تھے۔ بھئی۔

بیرا۔ ہجور بڑے کھپھاہتے رام دہائی۔ اور۔

نواب۔ اچھا پھر ہم مجبور ہیں۔ ہمارا کیا بس ہے۔ ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بیں وکار آسان کن

بیرا۔ ہاں حضور تو یہی بہی۔ کاؤ کیا جاوے۔ ؟

راوی۔ نواب صاحب نے شعر بھی خوب ہی برمحل پڑھ دیا اور بیرا بھی خوب تہ کو پہنچ گیا۔ دونوں ایک رنگ کے ملے۔

داروغہ۔ تم اس شعر کے معنی سمجھے میاں بیرا صاحب۔

بیرا۔ ہاں ہجوراتی پھاگ ہوئے گوا ہوتیے۔

ممن۔ کیا خوب یک نشد دو شد۔ بہت خاصے۔

جھمّن۔ آدمی مذاق کا معلوم ہوتا ہے۔ واہ بھئی بیرا۔

چھٹّن۔ بڑے افسوس کا مقام ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔ ؎

شوق ہر رنگ رقیب سروسامان نکلا
قیس تصویر کے پردے سے بھی عریاں نکلا

جو کام ہندوستانیوں نے کیا اللہ کی عنایت سے پورا ہی ہوا اور اس لغویت کو ملاحظہ فرماتیے کہ سالی کے لڑکے کی مونچھوں کا کونڈا ہے۔ اور حضور چمپت۔ اب صاحب سے ملتے بھی نہیں۔ تم نے واللہ ڈبو دی۔ رہی سہی اور بھی ڈبو دی۔

نواب۔ یار ہٹ دھرمی کی سند نہیں۔ چھٹّن صاحب۔

چھٹّن۔ بس خاموش رہو اور دل میں شرماؤ۔

ن۔ اچھا ہمارا کیا قصور ہے۔ بھائی صاحب اس میں۔

چھٹن ۔ آپ کا نہیں صاحب ۔ قصور تو میرا ہے سراسر ۔

ن ۔ آپ کا قصور تو خیر مگر ہوئی بے ڈھب ۔

چھٹن ۔ اب وہ سب انگریزوں میں ذکر کریں گے ۔

ن ۔ پھر مضٰی مامضٰی ۔ اب کیا ہو سکتا ہے بھلا ۔

چھٹن ۔ دن کو ان سے ملنا تھا آپ کو کوئی اور معقول حیلہ کرنا تھا ۔ بس چھٹی ہوئی ۔ مگر تم تو چلے بھی کراہ ۔

ن ۔ اوّل تو بندہ اب ان سے ملے ہی گا نہیں ۔ واللہ ۔

چھٹن ۔ یہ نہ کہیے ۔ ملاقات کہیں نہ کہیں ہوے ہی گی ۔

ن ۔ دور دور کی صاحب سلامت کر لی بس ۔

چھٹن ۔ خدا کرے ہوٹل میں کوئی جگہ مل جاتے ۔

ن ۔ ہوٹل میں کوئی جگہ ملے ہی گی ۔ اس کا کیا ۔

چھٹن ۔ بھئی سُنتا ہوں گرمی کے دنوں میں وہاں ہوٹل میں بھی جگہ نہیں ملتی صاحب لوگ جوق جوق ٹوٹ پڑتے ہیں ۔

ن ۔ خدا خیر کرے ۔ تو تو آگ ہی ہو گیا ہو گا ۔

چھٹن ۔ یہی تو بڑا خیال ہے اور خیال کیا ہے ۔

ن ۔ تو پھر اب تو کچھ نہیں ہو سکتا بندہ نواز ۔

م ۔ گذشت آنچہ گذشت اب کیا ہو سکتا ۔ ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

ن ۔ تو حضرت یہاں عاقل آپ نے کس کو قرار دیا ہے ۔ عقل تو چانڈو کے چھینٹے کے ساتھ ففرو ہو گئی ۔ عقل کجا ۔ ے

زتوا ے خرد ندیدم چو کشود کار خود را

بہ جنوں حوالہ کردم ہمہ کاروبار خود را

بس عقل کو رخصت دے دی ۔ برطرف کر دیا ۔ ع

ع واللہ ہوشیار وہی ہے جو مست ہے ۔ ے

ہوش ست کہ سرمایۂ صدور و سرست　　فارغ بال آن کہ از جہاں بے خبرست
در بیضہ نمی کنند مرغاں فریاد　　ہر چند کہ بیضہ از قفس تنگ ترست

داروغہ۔ حضور بے مثل رباعی ہے۔ خدا گواہ ہے۔ قلم توڑ دیے ہیں واللہ کیا کہنا ہے۔ ع

ہر چند کہ بیضہ از قفس تنگ ترست

م۔ ایرانیوں کا کلام ہے نا۔ کیا کہنا ہے۔

ن۔ میں ایسے ویسے شعر تو پڑھتا ہی نہیں۔

ممّن۔ حضور میاں جملو کا کلام سننے کو بہت جی چاہتا ہے۔ کیا خوب فرماتے ہیں۔ بڑے شاعر غرّا ہیں۔

ن۔ کیا کہنا ہے صاحب، مگر حافظ اور سعدی اور شمس تبریز وغیرہ[1] نے ان کے کلام کا سرقہ بہت کیا ہے۔ اور ہم کو واللہ یہ بات پسند نہیں۔

ممّن۔ حضور میاں جملو غزل گو بھی ہیں خیر سے۔

ن۔ یہ سب کچھ ہیں۔ شہسوار کیا بڑے ہیں، یہ فیل بانی میں کس قدر دخل ہے گل چلے کتنے اچھے ہیں۔ ہم نے ایک غزل کہی تھی، مگر استاد کی اصلاح ابھی اس پر نہیں ہوتی ہے۔ سنیے گا۔ جناب مولوی جمال الدین صاحب۔

سمند چشم دریا بار کی کیا خستہ حالی ہے
چھپا ہے دشت میں جیحون ادھر میدان خالی ہے

جملو۔ اے سبحان اللہ کیا بات پیدا کی ہے۔ اور جیحون کا لفظ خوب فرماتے ہیں آپ۔

ممّن مسکرا کر خاموش ہو گیا، اور نواب صاحب بھی مسکرانے لگے۔ نواب چھٹن صاحب بھی سمجھ گئے کہ دل لگی مذاق ہے۔ مگر میاں جملو اور منشی مہراج بلی دونوں نے تعریف کی۔ نواب صاحب نے دوسرا شعر پڑھا۔ ؎

---

[1] مراد خواجہ شمس الدین، حافظ شیرازی متوفی ۷۹۱ھ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ خواجہ شمس الدین شمس تبریزی متوفی ۶۴۲ھ مولانا روم کے مرشد تھے۔ نورانی

طرارہ بھر کے پہنچا ایک دم میں لامکانوں تک
سریر خفتگانِ گور بھی کس درجہ عالی ہے

جملو۔ خدا گواہ ہے کیا بلاغت ہے کلام میں۔

مہراج۔ اب اس سے زیادہ عالی قافیہ کیا باندھے گا کوئی بس انتہا ہے ہاں جناب اور اشعار فرماتیے۔ ے

شکارِ آہوِ چین وختن گرداب عالم ہے
نہنگِ قلزم سیماب بندوقِ تو نالی ہے

م۔ گرداب عالم اے سبحان اللہ۔ واہ وا۔ واہ۔

جملو۔ اور نہنگ قلزم۔ بہت دقیقہ رس آدمی ہیں، واہ کیا پاکیزہ کلام ہے۔

راوی۔ آپ دونوں طرف سے دقیقہ رس آدمی ہیں۔

ن۔ حضرت کہنا بہت مشکل ہے۔ عرض کیا ہے۔ ے

رہا آشفتہ وحیراں برنگِ غنچۂ خنداں
ہمارے توسنِ عمرِ رواں کی پائے مالی ہے

ممتن۔ حضور یہ بے نظیر شعر ہوا ہے۔ قلم توڑ دیئے ہیں۔ اس کو سمجھیے میاں جملو۔

جملو۔ جی بندہ خوب سمجھ رہا ہے۔ کیا بے سمجھ ہوں۔

راوی۔ سمجھے اور پتھر کے ہوے اس سمجھ کے صدقے۔

ن۔ شعر تو اس میں ایک ہوا ہے۔ ذرا غور کر کے سنیے۔

کسی کے نالۂ پُرسوز نے طوفاں اٹھایا ہے
عجب دنیا کے خشک و تر کی برطرفی بحالی ہے
بہاتے ہیں دُرِ مضمون شرارِ آتشِ گل پر
طبیعت اصغر موزوں کی دنیا سے نرالی ہے

ممتن اور چھٹن صاحب اور داروغہ صاحب نے مل کے ان دونوں کو خوب بنایا اور یہ دونوں حضرات خاک نہ سمجھے، کہ یہ کس پر ہو رہی ہے۔ بعد اس کے جلسہ برخاست ہوا۔

حضرات ناظرین مسٹر فریزر صاحب بے چارے تو نینی تال میں جا کر

زحمت میں پڑے۔ نہ پہلے سے ہوٹل کا بندوبست کیا تھا، اور نہ کسی دوست کو لکھا تھا۔ وہاں پہنچے تو آل بین ہوٹل میں جگہ نہیں۔ ہل کے ہوٹل میں سب کمرے رُکے ہوئے۔ کلن کے ہوٹل میں ایک ایک کمرے میں دو دو مسافر بہ مجبوری ٹکے ہوئے کمایوں ہوٹل میں مسافروں کی کثرت۔ پرس کے ہوٹل میں تل رکھنے کی جگہ نہیں۔ فریزر صاحب بے چارے کو آخر الامر بہ ہزار خرابی ایک کوٹھی کے تین کمرے دس گنے کرایے کو ملے اور اسی کو یہ غنیمت سمجھے۔ مگر جو یورپین ملا اس سے انھوں نے ہندوستانیوں کی وعدہ خلافی کی شکایت کی۔

مونچھوں کا کونڈا

بہار آئے الٰہی چمن پری ہو جائے
یہ زرد زرد ہر اک شے ہری ہری ہو جائے

اللہ اللہ۔ آج گلشن مضمون میں وہ روح افزا بہار ہے۔ کہ ماہ فروردیں بھی اس پر نثار ہے۔ زہادِ صد سالہ کے ہاتھوں میں جام مُل ہے۔ اور یوسف گل کی بغل میں زلیخائے بلبل۔ حورانِ بہشتی خلد علیین اور مسیحان ملاء اعلیٰ چرخِ بریں سے فرشِ زمیں پر بہار کا جوبن لوٹنے آتے۔ رضوان اگر اس بہار طرب افزا کو دیکھ پاے، تو بہشت کو بھول جائے۔ باغِ بہشت میں یہ بہار جاں فزا کہاں۔ حوروں میں مہ جبینیانِ ہند کا سا ناز و انداز و کرشمہ و ادا کہاں۔

کہیں کیا کیوں جنان میں رہ کے ہم گھبراتے جاتے ہیں
مسن حوریں جوان ہم بوڑھے غمزے کس کو بھاتے ہیں

یہ اُس محفل طرب کا ذکر مذکور ہے۔ جس میں ہر معشوقہ زہرہ تمثال رشکِ حور و دراز قصور ہے۔

ایں چہ بزم ست کہ لب برلب جام ست ایں جا
بادہ خورشید و قدح ماہ تمام ست ایں جا

نواب عفت آرا بیگم کے صاحب زادۂ بلند اقبال، وخجستہ خصال کی مونچھوں کے کونڈوں کی تقریب کی دھوم دھام، اور تزک و احتشام یادگارِ زمانہ

بلکہ بجائے خود ایک دلچسپ و دلرُبا فسانہ ہے۔ ان کی مہری متی سات سہاگنوں بی بی زنوں کو جا کے ایک ایک لونگ دے کے کہہ آتی۔ کہ جمعرات کے دن بیگم صاحب کے ہاں صحنک ہے۔ آپ نور کے تڑکے گجردم تشریف لائیے گا۔ بیگم صاحب نے تاکید کر دی ہے۔ ضرور ضرور آئیے گا۔ ادھر سنار کو حکم دیا گیا۔ کہ چاندی کی سات ترکاریاں تیار کر۔ ایک سونے کی پیالی بنوائی گئی۔ سات نتھیں تیار کرائی گئیں جن میں سچے موتی اور چنیاں تھیں کریب کے سرخا سرخ سات دوپٹے منگوائے جن میں پٹھا لگا ہوا تھا۔ چوڑیوں کے سات سچے جوڑ آئے۔

جمعرات پیروں کی کرامات کے دن ادھر صبح کا سپیدہ ظلمت نشاں نمودار ہوا۔ ادھر خاص پُز نے آن کر بہ طہارت تمام و احتیاط مالا کلام اچھوتے پانی سے زردہ پکایا۔ لگن اور دیگ کو غوطہ دے کر علاحدہ رکھ دیا۔ ہاتھ کی بٹی ہوئی سویاں پکیں بیگم صاحب کی بڑی تاکید تھی کہ ڈھیکلی کی سویاں نہ ہوں۔ اس پر نیاز نہیں دی جاتی۔ خاص پز نے دیگیں محل سرا میں بھیجیں اور سات کورے طباق آئے ایک کمرے میں اسی غرض سے فرش بچھایا گیا۔ اس فرش پر نیا دستر خوان بچھایا گیا۔ مہری نے طباق اور دیگیں رکھ دیں۔ سہاگنوں نے صحنک کے طباق نکالنے شروع کیے۔ بیگم صاحب نے پیش خدمتوں کو حکم دیا کہ ساتوں دوپٹے لے آؤ۔ ساتوں نتھیں۔ مغلانی کو حکم دیا کہ چاندی کی ترکاری کو دودھ میں غوطہ دے کر پاک کرے۔

چوڑی والی نے کہ بڑی سجیلی، نکیلی، بانکی اور شیریں ادا کم سن عورت تھی۔ سات سچے جوڑے چوڑیوں کے نکالے۔ مچھلی اور گوکھرو کے بند تھے۔ اور بانک کی کریلی، اس لاابالی اور جوانی کے نشے میں متوالی۔ چوڑی والی کے ہاتھوں میں جو کالی کالی چوڑیاں تھیں، وہ خود بڑا جوبن دکھاتی اور دل کو لبھاتی تھیں، یہ پری چھم، برق دم چوڑی والی فن دلبری میں طاق اور اس وقت اس شعر کے مضمون کی مصداق تھی ؎

سیہ چوڑی بدست آں نگاری
بہ شاخ صندلی پیچیدہ ماری

خیر۔ ساتوں طباق پر جوڑے رکھے گیے اور ایک چاندی کی رکابی میں

آٹا منگوایا گیا اور اس میں چاندی کی چومک رکھی گئی اور گھی ڈالا گیا اور ناڑے کی چار بتیاں ڈالی گئیں اور سہاگ کے عطر کی شیشی رکھی گئی۔ بیگم صاحب نے سیل کا کونڈا منگوایا اور اس میں سے سوتیاں نکالیں۔ اور کونڈے کو بالائی سے بالکل ڈھک دیا گیا۔ اور اس پر قند کا بورا چھڑکا۔

صندل کی ٹکیاں سونے کی پیالی میں بھیگی ہوئی تھیں۔ عفت آرا بیگم نے صندوقچے سے ایک اشرفی نکالی، اور پیالی میں ڈالی۔ اور پانچ اشرفیاں چومک میں چراغی کی رکھیں۔

بیگم صاحب دست بستہ علاحدہ کھڑی ہوئیں۔ سہاگنوں نے تنھیں پہنیں اور سرخ کریب کے دوپٹے اوڑھے۔ بیگم صاحب نے نیک زن سے کہا کہ آپ اس پر نیاز دیجیے۔ جب نیاز ہوچکی تو بیگم صاحب نے کہا بسم اللہ۔ سب نے اپنی اپنی صحنک سے زردہ کھایا، اور اپنی اصطلاح کے موافق صحنک کو جٹھالا اس کے بعد مولوی صاحب بلوائے گئے کہ سیل کے کونڈے پر نیاز دیں۔ مولوی صاحب نے نیاز دی۔ اور پانچ اشرفیاں جو بیگم صاحب نے اس پر رکھی تھیں دیکھ کر جامے میں پھولے نہ سمائے۔ پانچوں گھی میں۔ چپڑی اور دو دو مولوی صاحب کے لیے چین لکھنا ہے۔

جب سیل کے کونڈے پر مولوی صاحب نیاز دے چکے تو لڑکے کی سگی بہنوں، اور چچا زاد بہنوں نے لڑکے کی مونچھوں پر صندل لگانے کا قصد کیا۔ مگر نیگ کے بارے میں تکرار کی۔

بیگم صاحب نے مغلانیوں کو حکم دیا کہ کشتیاں لگائیں ان کشتیوں میں بھاری بھاری جوڑے تھے۔ اور سچی چوڑیاں اور نتھیں۔ جب نیگ کی تکرار کی گئی تو بیگم صاحب نے پچیس اشرفیاں اور بڑھا دیں اور کہا بیٹی جلدی لگا دو۔ کوئی چھینک چھانک نہ دے۔

بہنوں نے کٹوری میں مقیش کی مونچھیں رکھیں اور اشرفی میں صندل بھر کر کٹوری میں سے لڑکے کی مونچھوں پر لگا دیا۔ ماں نے سہرا ہٹا کر بلائیں لیں۔ اسی طرح پھپھی اور خالہ نے بھی بلائیں لیں اور سب نے روپے نچھاور اتار کر مہترانی

اور دھوبن اور کہرٹن کو دیے ۔

مہری باہر دوڑ کر چوب دار کو حکم دے آئی کہ نوبت بجواؤ۔ معاً بادبہاری بجنے لگی۔ جس کے ٹکورے سے سامعین کا دل عشرت منزل بن گیا، اور روح فرطِ شادی و وفورِ طرب سے وجد کرنے لگی۔ ادھر چوب داروں اور چپراسیوں نے مُنّی مہری سے کہا ہماری طرف سے سرکار میں مبارک باشد کہہ دو، ہم اسی دن کے منتظر تھے۔ آج خاطر خواہ انعام پائیں۔ خوشی خوشی گھر جائیں۔

مہری نے آن کر دست بستہ عرض کی سرکار عملے نے مبارک باشد کہی ہے۔ اور کہتے ہیں اسی دن کے منتظر تھے۔ بیگم صاحب نے حکم دیا کہ عملے کو پانچ اشرفیاں دلوا دی جائیں۔

اب سنیے کہ کسی ضرورت سے عفت آرا بیگم نے نواب محمد عسکری کو اندر بلوایا تو نواب صاحب اس چوڑی والی کو دیکھ کر لوٹ گئے۔ ؎

ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

باتیں تو عفت آرا بیگم سے کرتے ہیں، مگر نظر اس قتالہ کی طرف ہے۔ بیگم صاحب بھی ان کی چتونوں اور بے قراری اور وحشت کی گفتگو سے سمجھ گئیں۔ ع

رخ میری طرف نظر کہیں اور

عسکری۔ (ع) یہ چوڑی والی تو نئی دیکھنے میں آئی۔

عفت آرا بیگم۔ (عفت) میں کیا پوچھتی ہوں تم کیا جواب دیتے ہو۔

ع۔ اچھا غور کر کے اس کا جواب دوں گا کل تک۔

عفت۔ چوڑی والی سے اور اس بحث سے کیا سروکار ہے۔ میں کیا کہہ رہی ہوں، اور تم اس کے جواب میں اس چوڑی والی کا شجرہ دریافت کرتے ہو۔

ع۔ جی نہیں۔ اس کو پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔

عفت۔ یہ تو کوئی پانچ چھ مہینے سے آتی ہے۔

ع۔ بے سمجھے بوجھے ایسی عورتوں کو گھر میں بلانا ٹھیک نہیں ہے۔ ہماری تو صلاح نہیں ہے۔

عفّت ۔ اے یہ تو محلّے کی چھوکری ہے ۔ سامنے ہی تو رہتی ہے جانی بوجھی ہے

ع ۔ ہاں تو خیر مضائقہ نہ دارد ۔ اس کا خیال ضرور رکھنا چاہیے اگر جانی بوجھی ہے تو خیر۔

عفّت ۔ ہمارے یہاں بھی اس کا بڑا خیال رہتا ہے ۔

ع ۔ کیوں نہ رہے ضرور خیال رہنا چاہیے ۔

عفّت ۔ لے اب تو جاؤ مگر میری بات یاد رکھنا ۔

ع ۔ ذرا سا ٹھنڈا پانی پیوں گا ۔

نواب صاحب کو پیاس تو خیر صلاح ہی تھی شربتِ دیدار کے البتہ پیاسے تھے چاہتے تھے کہ کسی بہانے سے ذرا اور موقع گھورنے کا ملے ۔ بیگم صاحب نے ایک پیش خدمت کو حکم دیا کہ آبِ خاصہ لاؤ ۔ چاندی کے کٹورے میں ڈھک کر پانی آیا ۔ نواب صاحب نے پی کر کہا افوہ اس قدر ٹھنڈا ہے کہ دانت بجنے لگے ۔ گلوری کھا کر باہر چلے مگر قدم نہیں اٹھتا ۔ جی چاہتا ہے کہ اس چوڑی والی کے صدقے ہو جائیں ۔ قربان ہو جائیں ۔ اپنے کو نثار کر دیں دروازے کے پاس پہنچ کر پھر کے ایک نظر پھر دیکھا ۔ اس عرصے میں چوڑی والی کہ بلائے بے درمان اور شوخ طبع تھی تاڑ گئی ۔ کہ نواب صاحب ریجھے ہوتے ہیں ۔ آ گیا دل ۔ جب تک نواب صاحب عفّت آرا بیگم سے باتیں کرتے رہے اور اس مہوش کو گھورتے تھے ۔ اس نے سو ہی کروٹیں بدلی ہوں گی کبھی دوپٹے کے آنچل کو ہٹا دیا کبھی گوری گوری گردن دکھائی کبھی مسکرانے لگی ۔ کبھی کھل کھلا کر شوخی کے ساتھ ہنس دی ۔ الغرض ہر ادا نے ان کی رگ جان پر نشتر کا کام کیا ۔ ؎

ناز گوان کے ہیں سب زندہ ہی کرنے والے
ڈھونڈ لیتے ہیں بہانہ کوئی مرنے والے

باہر آئے تو آہ سرد بھر کر عفّت آرا بیگم کے شوہر یعنی اپنے ہم زلف نواب رونق جنگ کے کان میں کہا ۔ بھائی صاحب آج تو بندہ قتل ہو گیا زندہ ۔ واللہ وہ صورت دیکھی ہے کہ پرستان کی پری کی کیا اصل وحقیقت ہے ۔ سبحان اللہ خدا گواہ ہے ۔ سانچے کا ڈھلا ہوا سراپا ہے ۔ ہائے کیا صورت ہے ۔

رونق جنگ نے جواب دیا کہ تم واللہ بڑے نالائق آدمی ہو۔ بہو بیٹیوں کو تکتے ہو۔ کہا بھائی صاحب وہ بہو بیٹی نہیں ہے میں آپ کے ہاں کی چوڑی والی کا ذکر کرتا ہوں۔ رونق جنگ ہنس کر بولے۔ یہ کہیے تو آپ اس چھوکری پر لٹو ہو گئے قیامت کی صورت ہے۔ واللہ او رہی۔ ؎

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن

اس پر بہتوں کا دانت ہے۔ حضور کو بھی اس کی نگاہ ناز نے گھائل کر دیا۔

نگاریں دخترے برد از سرش ہوش

چہ دختر باقیامت دوش بر دوش

عسکری۔ کیا شعر پڑھا ہے واللہ عمر بھر یاد رہے گا۔

رونق۔ اس شعر دلکش کو وردِ زبان کر لو صاحب۔

ع۔ واللہ اسی قابل ہے بس ورد کر لیا بھائی۔

رونق۔ اور شوخی کا تو اس چھوکری پر خاتمہ ہے۔

ع۔ میں کوئی پانچ منٹ سے زیادہ نہیں بیٹھا ہوں گا۔ مگر اس عرصۂ قلیل میں اس نے ہزاروں کروٹیں بدلیں۔

رونق۔ کہا نا میں نے کہ شوخی کا اس چھوکری پر خاتمہ ہے۔

اے کہ در شوخی نہ داری ہمسری

می نمائی ہر دمے از منظری

ع۔ بھئی یہ شعر بھی وردِ زبان کروں گا۔

رونق۔ از برائے خدا یہ شعر ایسے موقع پر نہ استعمال کرنا۔ یہ ایک بزرگ کا کلام ہے۔ جناب محامد انتساب، زبدۂ کاملین مولانا بالعلم والفضل اولٰنا محمد ابوالحسن[1] صاحب المتخلص بہ حسن تحصیل دار پنشن خوار کا کلام ہے۔ یہ بڑے مقدس بزرگ ہیں۔ ان کا کلام اور چوڑی والی کی چھوکری کی شان میں۔

---

[1] مولوی ابوالحسن مطبع نولکشور کے شعبۂ تصنیف و ترجمہ کے اہم رکن تھے انھوں نے متن عربی فارسی کتابوں کے اردو میں ترجمے کیے، سرشار کا تعلق بھی اس شعبہ سے تھا۔ مولوی موصوف سرکاری ملازمت میں بھی رہے تھے۔ (نوراتی)

ع ۔ بجا ارشاد ہوا۔ شاعر کا شعر مال وقف ہے ۔ ہم کو اختیار ہے کہ اپنے معشوق کی شان میں استعمال کریں ۔ عام اس سے کہ چوڑی والی ہو یا بھٹیاری' یا بادشاہزادی جناب مولانا کے تقدس کے خلاف اس میں کون بات ہے ۔ ہم اپنی چوڑی والی کی شان میں ضرور بالضرور پڑھا کریں گے ۔

اے کہ در شوخی نہ داری ہمسری
می نمائی ہر دمے از منظری

رونق ۔ اپنی چوڑی والی کی ایک کہی ۔ جان نہ پہچان خالہ جی سلام ۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان ۔ آج ہی دیکھی اور آج ہی اپنی چوڑی والی بن بیٹھی ۔ کیا زبردستی ہے ۔

ع ۔ ہم تو اس کو اپنی چوڑی والی ہی کہیں گے ۔

رونق ۔ اچھا صاحب مبارک ہو ہم نے استعفیٰ دیا ۔

ع ۔ آپ کی بھی نظر پڑتی تھی ۔ اہاہا ۔ یہ کہیے ۔

رونق ۔ یعنی مجھے آپ کوئی جانور یا ہشو سمجھے ہوئے ہیں ۔ اچھی شے پر سب کی نظر پڑتی ہے ۔ مجھ پر اور آپ پر کیا فرض ہے ۔

ع ۔ اب میں اس فکر میں ہوں کہ ہتھے کیوں کر لگے ۔

رونق ۔ بھئی روپیہ عجب شے ہے واللہ ۔ ؎

اے زر تو خدا نہ ولیکن بخدا
ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

یہ روپیہ عجب شے ہے ۔ ع

زر بر سر فولاد نہی نرم شود

روپیہ خرچو شام کو موجود ہے اور ان نیچ قوموں کا ملنا کون دشوار ہے ۔ اور پھر وہ جو باہر نکلتی ہیں ۔

چوڑی والی جو محل سرا سے نکلی تو پتلی کمر کو سینکڑوں بل دیتی ہوئی ڈیوڑھی میں رک کر، دوپٹے کو خوب سینے کے پاس کس لیا تھا ایک تو قدرتی جوبن اس پر بناوٹ نے اور حاشیہ چڑھا دیا ۔

محمد عسکری نے جو دیکھا تو اور بھی لوٹ ہو گئے اور اپنے ایک دوست آغا محمد اطہر کو ساتھ لے کر اس ماہ سیما خورشید لقا کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ اور یہ شعر بار بار پڑھتے جاتے تھے۔

اے کہ در شوخی نہ داری ہمسری
می نمائی ہر دمی از منظری

آغا محمد اطہر نے ان سے دریافت کیا کہ آخر چلتے کہاں ہو۔

عسکری۔ یار یہ جو چوڑی والی جا رہی ہے۔ واللہ قتالۂ عالم ہے۔ اور میں اس پر فریفتہ ہو گیا ہوں۔

آغا۔ بھلا چوڑی والی کے پیچھے گھومنا کون وضع داری کی بات ہے۔ آپ تو ہیں پاگل بندہ واپس جاتا ہے۔

ع۔ اچھا تم ذرا صورت تو دیکھ لو یار!

آغا۔ تو پھر ذرا قدم بڑھا کے چلنا چاہیئے۔

راوی۔ آغا محمد اطہر نے جو صورت دیکھی تو قریب تھا کہ غش آجائے۔ اب تک تو وضع اور خلاف وضع کی گفتگو تھی اب دل سے ہاتھ جاتا رہا ایسا کہ کھڑے ہو کر اس شوخ سے سر بازار باتیں کرنے لگے اور کچھ پاسِ شرافت نہ رہا۔

آغا۔ بی چوڑی والی ذری دو باتیں کرو۔

چوڑی والی۔ (ٹھہر کر) مجھ سے کچھ فرمایا ہے۔

آغا۔ بھلا ہمارے ہاتھ کی بھی چوڑیاں ہیں۔

چوڑی والی۔ جی ہاں ہیں۔ مگر میرے پاس نہیں ہیں۔

آغا۔ پھر کس کے پاس ہیں پتا ہی بتا دو۔

چوڑی والی۔ حضور پولیس کے تلنگوں کے پاس۔

راوی۔ اس پر آغا محمد اطہر بہت ہی شرمائے۔ اور نواب صاحب مسکرائے کہا بھئی تمھاری سزا اچھی تجویز کی۔ بہو بیٹیوں کو سر بازار چھیڑو گے تو خواہ مخواہ قید ہو جاؤ گے۔ ہاتھوں میں ہتکڑی پڑے ہی گی۔

آغا۔ ہمارا اس وقت بے اختیار جی چاہتا ہے کہ تمھارے ہونٹھ چوس لیں۔

مگر ڈرتے ہیں کہ تم جامے سے باہر نہ ہو جاؤ۔

چوڑی والی۔ اوئی۔ الگ رہو تم ایسی معلوم ہوتے ہو جیسی مٹھاس کے کیڑے بنے ہوئے ہو۔

آغا۔ تو آپ کے گال شیریں بھی ہیں۔

چوڑی والی۔ گال۔ گالوں کا ذکر تھا یا ہونٹھوں کا۔ (قہقہہ لگا کر) آدمی میں حواس ہی حواس تو ہیں اور ہے کیا۔

آغا۔ ہاں ہاں۔ وہی ہونٹھ زبان پھسل گئی۔

ع۔ خدا کی قسم کس قدر حاضر جواب ہیں۔

آغا۔ اَیں! ایسے میاں یہ عورت ہیں۔ واللہ!

ع۔ اور آپ کو کیا دھوکا ہوا کہ مرد ہیں یہ؟۔

آغا۔ میں ان کو مرد سمجھا ہوا تھا۔ اب آنکھیں بدلوانی پڑیں۔ کل ہی بدلونگا۔ بڑی غلطی ہوئی۔

چوڑی والی۔ کسی ٹھٹھیرے کو دے دو۔ بدل لائے گا۔

آغا۔ ہمارے یہ دوست تم پر جان دیتے ہیں۔

چوڑی والی۔ مجھ پر تو آدھا شہر مرتا ہے، پھر کسی کے جان دینے سے کیا ہوتا ہے۔ کیا ہمارے میاں نہیں موجود ہیں۔

آغا۔ کیا کئی میاں ہیں یہ حال اب معلوم ہوا۔

چوڑی والی۔ تو حضور میں آداب عرض کرتی ہوں۔

ع۔ یہ بتاؤ کہ اب ملوگی کہاں۔ جان باقی ہے خدا گواہ ہے کہ تم نے قتل کر ڈالا۔

چوڑی والی۔ ہم جلا لیں گے گھبراتے نہیں۔ میں قتالہ تو ضرور ہوں، مگر میرے پاس مُردے کے زندہ کرنے کی دوا بھی ہے۔

ع۔ اہا ہا۔ کیا بات کہی ہے۔ جلا لیا۔ واللہ۔

چوڑی والی۔ بس آپ جائیں اور مجھے لونڈی سمجھیں۔

ع۔ تو ملوگی کہاں یہ تو تشفی دیے جاؤ۔

چوڑی والی۔ (مسکراکر) یہ عجلت۔ گھبراؤ نہیں میں سب بندوبست کروں گی۔

محمد عسکری اور آغا محمد اطہر صاحب واپس آئے، مگر دونوں نیم جان۔ مثل ماہی بے آب طپاں۔ دونوں والہ وشیفتہ، مجنوں وفریفتہ، دونوں تیر ابرو اور تیغ نظر کے گھائل، اور واقعی ایسی ہی صورت تھی۔ گویا صانع قدرت نے خود بنائی تھی۔ اور یہ جو اس صنم مشتری خصال نے کہا تھا کہ آدھا شہر مجھ پر مرتا ہے اس میں ذرا مبالغہ نہ تھا۔ جس شخص نے ایک دفعہ دیکھ لیا لٹو ہو گیا۔ پری سے چابک تر اور برگ گل سے نازک تر۔ ع

تو از پری چابک تری وز برگ گل نازک تری

اسی کی شان میں کہا گیا تھا۔ نواب صاحب اور رونق جنگ کی چار آنکھیں جو ہوئیں تو وہ مسکرانے لگے اور بے ساختہ ان کی زبان پر یہ شعر جاری ہوا۔ ؎

اے کہ در شوخی نہ داری ہمسری
می نمائی ہر دمی از منظری

آغا محمد اطہر نے کہ خود ہدف تیر ادا ہو چکے تھے۔ نواب رونق جنگ کے قریب جاکر آہستہ سے کہا۔ یار خدا گواہ ہے تمھاری چوڑی والی کی سی صورت، اور ایسا حسن خداداد واللہ آج تک نہیں دیکھا۔ ہائے کیا بھویں ہیں، اور کیا آنکھیں ہیں۔ اور نزاکت کی تو واللہ قسم کھانی چاہیے۔ بس اس سے زیادہ نزاکت خدا کا نام ہے۔ پھولوں کی پنکھڑی کی کیا اصل وحقیقت ہے۔ اور طرار اور شوخ اس درجہ کہ الامان۔

رونق جنگ نے کہا اسکی شوخی کا حال کوئی مجھ سے پوچھے۔ یہ اس قابل نہ تھی کہ منہار کے ہاں پیدا ہوتی۔ اس کے میاں کو کسی نے دیکھا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے یہ سیہ فام بدقطع آدمی ہے، ابھی لونڈا ہی سا ہے سترہ اٹھارہ برس کا لونڈا ہے۔ بس یہ پری تو اس قابل تھی کہ کسی خوبصورت آدمی کی بیوی ہو۔ مگر تقدیر اور یہ اس کو ڈپٹ لیتی ہے۔ اس کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں سمجھتی۔ اِدھر اُس نے بات کی اور اِس نے ڈپٹ لیا اور وہ بھیگی بلی کی طرح دُبک رہا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ آغا صاحب کا اس پہ دل آیا ہے یا محمد عسکری کا یا دونوں لٹو ہو گئے۔ آغا محمد اطہر بولے۔ بھئی سنو۔

اس میں کوئی شک نہیں، کہ اگر اس عورت کے پیچھے میرا دو تین ہزار روپیہ صرف ہو جائے تو بلا سے کچھ مضائقہ نہیں۔ مگر چونکہ ہمارے بھائی کا دل آیا ہے۔ لہذا اب ہم کو سمجھ بوجھ کے کارروائی کرنی چاہیے۔ وہ کیا صرف ایک دو بار اس کے مکان کی طرف سے چکر لگایا کریں گے۔ بس محمد عسکری مسکرائے۔ کہا بھئی نمک حرامی کی سند نہیں۔ یہ پری ہمیں نے تم کو دکھائی ہے۔ نہ کہو گے۔ اور اب اس کو تم ہمارا مال سمجھو۔ آغا محمد اطہر نے مسکرا کر جواب دیا۔ آپ کا مال سمجھیں، اچھا۔ اور تم دوست ہو تو تمھارا مال دوستوں کا مال ہے۔ محمد عسکری نے کہا گھنٹا بیگ کی گڑھیا میں جا کے منہ دھو آؤ پہلے۔ دو چار روز بعد پھر اگر کوئی شخص اس منہارن کو دیکھ سکے تو جب ہی کہنا۔ یہ میرے محل میں ہو گی کیا۔ اور کیوں کر۔ اور کیسے۔ اور کس تدبیر سے۔ اور کیوں۔ اس کا ایک کا جواب ہم نہ دیں گے۔ آپ اور محمد اطہر یہ دو آدمی مہینے میں دو ایک بار دیکھنے پائیں گے۔ سو وہ بھی میرے ہمراہ۔ بس۔

ادھر محل سرا میں ڈومنیوں کا ناچ شروع ہوا۔ ادھر مہری نے آن کر عرض کیا۔ حضور سات ڈولیاں حاضر ہیں۔ بی بی زن نے نین سکھ کے نئے رومالوں میں صحنکیں باندھیں، اور چوڑی کے جوڑے وغیرہ سامان لے کر بیگم صاحب سے رخصت ہوتیں اور کہا اللہ کرے اس بچے کی دُلہن آئے، اور ہم پھر صحنک کھانے آئیں۔ حضور پوتا کھلائیں۔ حق تعالے ان کو پروان چڑھائے حضور کی مانگ کوکھ ٹھنڈی رکھے۔ اس کے بعد ڈولیاں لگائی گئیں، اور وہ سب رخصت ہوتیں۔

شاہد نسترن بناگوش یعنی دلبر چوڑی فروش

عشق درآمد ز در گفت سلام علیک
عقل بروں شد ز سر گفت سلام علیک

شاہد نسترن بناگوش یعنی دلبر چوڑی فروش نے تھوڑی ہی دیر میں پھر مثل طاؤسِ طنّاز با صد ہزار عشوہ و ناز نواب رونق جنگ بہادر کی محل سرائے دلکش کو رشک گلزار فرخار بنایا۔ نواب ہلال رکاب محمد عسکری صاحب کہ دام طرۂ تابدار و مشک بار کے اسیر، اور تیر نگاہ کے گھائل تھے۔ اس رشک پری کی دلبری دیکھ کر

اور بھی خود رفتہ ہو گئے۔ اور اس مرتبہ وہ معشوقۂ عاشق کش ستم گر اس درجہ بناؤ چناؤ کر کے آئی تھی کہ رضوان اگر دیکھ پاتا تو حور و غلمان دونوں کو اس پر نچھاور کر دیتا۔ ؎

مشک بازلف او جگر خواری
گل وریحان زباغ او خواری
قد برافروختہ چو سرو بباغ
روی افروختہ چو شمع و چراغ
خواب نرگس خمار دیدۂ اُو
ناز نسرین درم خریدۂ اُو

رونق جنگ نے کہا بھئی واللہ یہ معلوم ہوا کہ ایک بجلی چمک کر نظر سے اوجھل ہو گئی۔ بونکی اور غائب۔ اگر مہوشان خلخؔ و نوشاد، اس پری زاد کو دیکھ لیں، تو پاؤں دھو دھو کے پئیں۔ عورت ہے یا چھلاوا۔ اتنے میں ایک شخص صاحب قرأت کے ساتھ فرمانے لگے کہ حضرات اس کوچۂ عشق کی ٹھوکروں سے کلیجہ ہلنے لگتا تھا۔ خود دقیقہ سنج، وعقل وسلیم اس کی ہدایت نہ کرے گی۔ عشق اوّل تو مقدمۂ دفتر و خواری ہے۔ اور یہ ایک زن بازاری ہے۔ یہ کیا شے ہے جس سے آپ کی آنکھ لڑی ہے۔ دنیا میں ایک سے ایک بڑھ کر پڑی ہے۔ رونق جنگ نے جھلا کر کہا۔ واہ کیا چورن والوں کی بانی ہے۔ املی کی جڑ سے نکلا پتنگ۔ نوسو موتی جھلکت رنگ آغا محمد اطہر اور محمد عسکری نے بھی بوڑھے شیخ جی کو بنانا شروع کیا۔ کہ اخاہ بابا آدم کے ہم عصر بھی یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ میاں رندوں سے بھی نہ الجھا کرو۔ ؎

شیخی اتنی نہ کرا ے شیخ کہ زندانِ جہاں
انگلیوں پر تجھے چاہیں تو نچا سکتے ہیں

شیخ جی نے کہا، یہ نوجوانی کا جوش ہے۔ مگر میں آپ کا دلی غم خوار ہوں۔ میں جب صلاح دوں گا نیک اور عمدہ اور ہمیشہ غم خواری ہی کروں گا۔ محمد عسکری نے کہا۔ ؎

گرچہ ہیں مونس و غمخوار تگ و دو میں سبھی
پر مری طبع کو کیا طرز پہ لا سکتے ہیں
چارہ ساز اپنے تو مصروف بدل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں

اتنے میں وہ البیلی، نکیلی، چوڑی والی، اندر سے اس طرح نکلی جیسے چاند گہن سے، یا بوئے گل چمن سے، ایک قہر آلود نظر سے نواب صاحب کو دیکھا اور مسکرا دی۔ ایک ادا سے قتل کر ڈالا اور دوسری ادا سے معاً زندہ کر دیا۔

نواب صاحب نے یہ شعر پڑھا۔

تو از پری چابک تری وز برگِ گل نازک تری
بسیار خوباں دیدہ ام الّا تو چیزے دیگری

ایک مسخرہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے کہا پیر و مرشد خیر سے دونوں مصرعے کتنے ٹھیک حضور نے پڑھ دیے۔ لیکن اگر جان بخشی ہو تو غلام بھی کچھ عرض کرے۔ (الا تو چیزے دیگری) کے عوض اگر امّا تو چیزے دیگری، کہیے تو کیسا ہے۔ اس لطیفے پر وہ قہقہہ پڑا کہ مکان بھر گونج گیا بڑی دیر تک حاضرینِ جلسہ لوٹن کبوتر بنے ہوئے تھے۔

رونق جنگ نے مسخرے کی پیٹھ ٹھونکی، اور محمد عسکری نے کہا بھئی نواب ہٹ دھرمی سے ہماری طبیعت نفور ہے۔ اس وقت اس شخص نے انعام کا کام کیا ہے۔ آپ کے استاد بھی ایسی اصلاح نہ دیتے۔ مسخرے نے کہا قربان جاؤں، حضور یہ اصلاح نہیں ہے۔ غلام کو شعر و سخن سے کیا سروکار۔ میرے ہاں تو کوئی پڑھا لکھا آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔ سب لٹھ بلکہ گنوار کے لٹھ۔ جناب والد آنجہانی جاہل مطلق، دادا جان اجہل، جہالت میں والد مرحوم کے بھی باپ ان کے ابا بات پیچھے کرتے تھے۔ چانٹا پہلے رسید کرتے تھے۔ اس قدر جہل بڑھا ہوا تھا۔ اور غلام کے مورثِ اعلیٰ کا قول تھا کہ ادھر انسان نے الف بے شروع کی اور اُدھر بے ایمان ہو گیا۔ مگر نماز کبھی قضا نہیں ہونے پائی کیا مجال۔ حکم تھا کہ اگر ہم صبح کو سو جائیں تو پلنگ الٹ دو۔ نماز قضا ہونے پائے۔ جی۔

خاندان بھر میں ہمارے چچا صاحب البتہ ایک نالائق نا خلف پیدا ہوتے۔

پوچھیے کیوں۔ یوں کہ انھوں نے الف بے بھی پڑھی۔ اور اپنا نام بھی لکھ لیتے ہیں تو ان کو اس پر بڑا ناز ہے۔ مگر وہ ننگ خاندان پیدا ہوئے۔ یہ پڑھا لکھا ہونا بھلا کونسی شرافت ہے وہ شریف کیا جو پڑھا لکھا ہو۔

حضور ہمارے دادا صاحب کا شعر ہے۔ کیا کہا ہے خداوند، قلم توڑ دیئے ہیں۔ خاقانی پھڑک گیا تھا۔

پڑھوگے لکھوگے تو ہوگے خراب
جو کھیلوگے کودوگے ہوگے نواب

تصوّف میں ایسا شعر کوئی کہہ دے تو ٹانگ کی راہ نکل جاؤں، اور حضور جناب دادی صاحبہ کھانا ایسا تصنیف کرتی تھیں، کہ اگر حضور کھاتے تو انگلیاں چاٹتے۔ اور ایک نئی قسم کا پلاؤ تصنیف کرتی تھیں۔ رات بھر میں وہ پلاؤ پکتا تھا۔ صبح کو وہ خانہ ساز پلاؤ اپنا تصنیف کیا ہوا اور اپنے ہاتھ کا پکایا ہوا سب کو کھلاتی تھیں۔

مسخرہ پن میں یہ مسخرہ بہت بڑھا ہوا تھا۔

نواب رونق جنگ بہادر نے کہ خود شاعر بے بدل اور منشی بے مثل تھے ہنس کر فرمایا کہ واقعی ہیں تصوّف میں تو یہ شعر آپ کے دادا صاحب نے بے نظیر کہا۔ اہل تصوف بھی وجد کریں گے۔ (مسکرا کر) مگر ہم تو آپ کے دادا صاحب کو بھی آپ کی دادی صاحبہ کے مقابل ہیں ہیچ اور گرد سمجھتے ہیں کہ وہ کھانا تصنیف کرتی تھیں، اللہ اکبر اس تصنیف کے صدقے۔ اور آپ کو الفاظ کی تحقیق میں بھی کس قدر دخل ہے کہ پُلاؤ بضم بائے ہندی کبھی نہ کہا جب کہا پلاؤ بفتح بائے ہندی کہا۔ اور کھلانے کے عوض کھلانے بفتح کاف نے کیا مزہ دیا ہے کہ زبان ہی اس کے ذائقے خوب لوٹ رہی ہے۔

مسخرے نے ہنس کر جواب دیا سرکار نے جو فرمایا یہ سب صحیح اور بجا ہے۔ مگر۔ ع

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

اول تو حضور نے فرمایا (واقعی ہیں) واقعی کے خود معنی ہیں (واقع میں) اب واقعی

کے بعد (میں) کہنا یہ حضور کی تحقیقات ہے (واقعی میں) کے معنی ہوتے کہ واقع میں۔ میں۔ دو میں۔ حضرت غلام اس تُو تُو۔ مَیں مَیں سے در گذرا۔ خیر اس کو بھی جانے دیجیے۔ اب حضور نے یہ اعتراض جمایا کہ پلاؤ بفتح حرفِ اوّل صحیح نہیں ہے پلاؤ بالضم صحیح ہے۔ لغت منگوا کے دیکھیے۔ بلکہ لغت کے بھی قائل نہیں تو لغتیں منگوا لیتے اگر پے کو پیش نکلے تو غلام کو چورنگ کیجیے اور اگر پے کو فتحہ ہو تو انعام دیجیے۔ حضور نے یہ بھی ایک اعتراض کیا کہ کھانا پکانے کے لیے کھانا تصنیف کرنا غلط محاورہ ہے۔ سلّمنا۔ لیکن غلام تصنیف کے عوض تالیف کا لفظ ہرگز استعمال نہ کرے گا۔ کیونکہ جناب دادی صاحبہ قبلہ نے کبھی کسی کے کھانے کی تقلید نہیں کی۔ لہذا لفظ تالیف ان کی شان میں استعمال کرنا دلیل بخودی نہیں ہے۔ دیکھیے وہ چچا سعدی کہہ گئے ہیں ؎

کہن خرقہ خویش پیراستن
بہ از جامۂ عاریت داشتن

جب دادی صاحب قبلہ نے کبھی کسی سے پکانے کی ترکیب پوچھی ہی نہیں۔ وہ شکر قندی پکاتی تھیں اور وہ مرچ کے ساتھ کھائی جاتی تھی۔ بھلا کوئی خاص پز سلطانی تو ایسی شکر قندی تصنیف کر دے کیا مجال۔ فلہذا ان کی شان میں بجائے کھانا پکانے کے بجز لفظ تصنیف کے اور کوئی لفظ آ ہی نہیں سکتا وہ واقعی کھانا خوب تصنیف کرتی تھیں۔ اچھا۔ اعتراض کہ کھلانا (بالفتح) میں نے عرض کیا تھا اور مجھے کہنا چاہیئے تھا کھلانا۔ الکسر (سلّمنا) مگر ایک بات حضور یاد رکھیں دیہاتی لاکھ پڑھ جاتے عالم نہیں علّامہ بھی ہو جاتے۔ فاضل بلکہ افضل التفضیل کا صیغہ ہو جاتے فضلا ہو جاتے۔ کتنا فصیح البیان ہے۔ غلام۔ انصاف شرط ہے۔ خیر مگر دیہاتی پھر دیہاتی ہے۔ وہ کون دیہاتی ہے جو کھانا نہیں کہتا وہ دیہاتی ہی نہیں ہے۔

حضور قصباتیوں میں شعرائے غزل پیدا ہوئے، جن کو منصف مزاج اہلِ لکھنؤ بھی مانتے ہیں۔ ایسے ایسے تھے کہ اہلِ شہر جواب نہیں دے سکتے۔ اگرچہ دیہاتی تھے۔ مگر دیہاتی پنے کی ہٹ نہیں جاتی۔

نواب رونق جنگ بہادر نے ایک دیوان جی متصدّی کو حکم دیا کہ

ذرا غیاث[1] لاؤ تو۔ غیاث میں دیکھا تو واقعی پُلاؤ بفتح حرف اوّل نکلا۔ بہت ہنسے اور کہا بھتی اس وقت تو پالا تمھارے ہی ہاتھ رہا۔ واللہ۔

گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک مردمسن نے نواب محمد عسکری صاحب کو ایک رقعہ دیا اور کہا حضور تخلیے میں اس خط کو ملاحظہ فرمائیں۔ نواب صاحب قمر رکاب نے لفافہ کھولا اور پڑھا اس میں یہ لکھا تھا۔

پیارے نواب اگر مجھ سے ملنا ہے تو اس پیرمرد کے ساتھ ساتھ چلے آؤ مگر اتنا یاد رکھنا کہ میں کوئی زن بازاری نہیں ہوں، گھرگرہست ہوں۔ تم لاکھ جتن کرو گے مگر میری عفّت اور عصمت میں فرق نہ آنے پائے گا۔

نواب رونق جنگ بہادر کی سالی تمھاری پیاری چوڑی والی۔

یہ خط پڑھتے ہی نواب محمد عسکری کی باچھیں کھل گئیں ریشہ خطمی ہو گئے۔ چہرے پر تازگی آگئی۔

رونق جنگ تاڑ گئے کہ یہ پیامِ وصل ہے۔ آغا محمد اطہر بھی سمجھ گئے کہ چوڑی والی نے پیام بھیجا ہے۔

نواب صاحب نے اس محبت نامے کو کئی بار بوسے دیئے اور بصد خوشی فرمایا۔ ؎

که دارد شوخ وشنگے داد بیدادی که من دارم
جواب ازلطف سازد خانہ آبادی که من دارم
ز افسونِ نگاہ نرگسِ سحر آفریں انشا
مرا دیوانہ می سازد پری زادی که من دارم

مرا دیوانہ می سازد پری زادی که من دارم۔ ہائے۔ مرا دیوانہ می سازد پری زادی که من دارم۔ مرا دیوانہ می سازد پری زادی که من دارم۔

نواب صاحب نے یہ مصرعہ کوئی کم سے کم بیس پچیس بار پڑھا اور اس قدر بے قرار اور بے تاب ہوئے کہ الامان والحذر۔ پناہ بذاتِ خدا۔

---

[1] غیاث اللغات، فارسی کا مشہور لغت مؤلفہ مولوی غیاث الدّین رامپوری۔

رونق جنگ کو علاحدہ بلا کر کہا بھائی صاحب خدا نے چاہا تو نقش مراد کرسی نشیں، اور تیر دعا، ہدف اجابت قرین ہو گا۔ چوڑی والی کے ہاں سے خط آیا ہے ذرا حضور بھی ملاحظہ فرمائیں۔

رونق جنگ نے خط پڑھا تو کھل کھلا کر ہنس پڑے کہا اور سنیئے ہماری سالی بنی ہیں۔ خیر آپ سے ایک اور رشتہ قائم ہو گیا۔

جب کوئی آدھ گھڑی دن باقی رہا اور شام کا وقت بالکل قریب آگیا تو نواب محمد عسکری صاحب اس پیام بر کے ہمراہ چوڑی والی کے ہاں تشریف لے گئے وہاں داخل ہوتے تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک کمرے میں ایک دری بچھی ہے اس پر غالیچہ ہے۔ اور ایک مک دیرینہ روز پیر عجوز بیٹھی گلوریاں بنا رہی ہے۔ ان کو دیکھ کر وہ ضعیفۂ صد سالہ اٹھی، اور ان کو غالیچے پر صدر میں بٹھایا اور کہا تمہارا مزاج اچھا ہے بیٹا۔ یہ ہماری عین خوش نصیبی ہے کہ تم سے شہزادے اور ہم غریبوں کے جھوپڑے میں آئیں مگر۔ ؎

زقدر شوکت سلطاں نگشت چیزی کم

زالتفات بہ مہماں سرای دہقانی

کلاہ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید

کہ سایہ برسرش انداخت چوں تو سلطانی

ماما سے کہا ذری ان کو بھیج دو۔ کہو دیکھو کون صاحب تمہاری ملاقات کے لیے آئے ہیں۔ تم اچھی طرح بیٹھو بیٹا۔ ہم قاقم وسنجاب کس کے گھر سے لائیں۔ غربا موٌ اپنی بسر کر لیتے ہیں۔ سوکھی روٹی جڑی وہ کھائی۔ گوشت روٹی ملی تو وہ کھائی۔ توکّل پر کارخانہ ہے۔

نواب۔ آپ کے پاس اللہ کے فضل سے وہ دولت ہے کہ جواہرات اور روپے پیسے کی کیا حقیقت ہے۔ اس کے سامنے۔

ضعیفہ۔ تم جوہری ہو۔ اللہ تمہاری صد وسی سال کی عمر کرے۔ کہ تم لوگوں سے ہم غریبوں کی قدر ہے۔ ع

قدر گوہر شاہ داند یا بہ داند جوہری

تم شہزادے ہو کھرے کھوٹے کو خوب پرکھ سکتے ہو۔

ن۔ جس کے اشتیاق میں ہم آتے وہ کہاں ہیں۔

ض۔ گھبرائیے نہیں حضور آتی ہیں آتی ہیں۔

ن۔ آپ سے اوران سے کیا قرابت ہے۔ بی صاحب۔

ضعیفہ اس سوال پر مسکرانے لگی تو ماما نے جواب دیا۔ حضوران کی پوتی ہیں۔ ان کی ماں نے قضا کی۔ دادی ہی نے پالا پوسا۔ ماں کی تو شکل بھی اچھی طرح یاد نہ ہوگی۔ ان کو۔

ن۔ اوران کے باپ کا کیا نام ہے ماما جی۔

ضعیفہ نے کہا ماما تم جائے کھانا کھاؤ (جب ماما چلی گئی) تو نواب صاحب سے کہا میں اس چھوکری کا کل حال آپ سے بیان کیے دیتی ہوں۔ مگر از برائے خدا کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ میں اس کی دادی ہوں، یہ چھوکری اصل میں ایک رئیس کی لڑکی ہے۔ مگر اس کی ماں میری بہو تھی۔ بس اب زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ میری بہو بڑی حسین اور قبولِ صورت عورت تھی۔ مگر بدچلن۔ آج سسرال سے آن کر اس چھوکری نے کہا کہ اماں ہم نواب رونق جنگ صاحب کے ہاں چوڑیاں پہنانے گئے تھے۔ ان کے ہاں مونچھوں کا کونڈا تھا۔ سو وہاں ایک جوان جوان سے نواب ہم کو بہت گھورتے تھے۔ ہم نے ان سے کہا کہ ہم آپ کو اپنے گھر پر بلوائیں گے۔ میں نے کہا تم بھی کتنی سیدھی بھولی بالی ہو بیٹا۔ جان نہ پہچان خالہ جی سلام، اے واہ۔ مگر اب ایک رئیس سے زبان ہاری ہو تو لامحالہ بلوانا ہی پڑا۔ ہرچہ باداباد۔ اے ماما جی ان کو بھیج دو۔

چوڑی والی اٹھلاتی ہوئی، چمکتی ہوئی بانکپن کے ساتھ آئی۔ تو اس قدر بنی ٹھنی جیسے چوتھی کی دلہن یا چودھویں کا چاند۔ مگر آن کے پٹ کے پاس کھڑی ہو گئی۔

دادی نے کہا آؤ۔ بابا۔ دیکھو شہزادے امیرزادے ہیں ہمارے ملک کے۔ شرماؤ نہیں بیٹا۔

چوڑی والی بولی امی جان ہمیں شرم آتی ہے۔ دادی نے کہا بُلا تو خود آئیں

اور اب شرماتی ہو۔ ایسی ہی حیا دامن گیر تھی۔ تو بُلایا کیوں۔ اتنے میں چوڑی والی کی بڑی بہن نے کہا امّی جان ہم بھی آئیں۔

محمد عسکری نے دریافت کیا کہ یہ کس کی آواز ہے۔ ضعیفہ بولی یہ ہماری بڑی پوتی ہے۔ نازو تم بھی آؤ۔ اور ان کو بھی لے آؤ۔ نازو نے چھوٹی بہن کا ہاتھ پکڑا اور کمرے میں داخل ہوئی۔ بس معلوم ہوا کہ ایک ہی مرتبہ آفتاب اور ماہتاب دونوں نمودار ہو گئے۔ چوڑی والی چھوکری چھریرے بدن کی عورت نوخیز انتہا کوئی سولہ سترہ برس کا سن، اور یاقوت رخسار، کشیدہ قامت، خالی سفید ململ کا دوپٹا اوڑھے تھی۔ کہ نور چھن چھن کے نکلتا تھا۔ نازو اس کی بڑی بہن بھی یاقوت لب۔ سیم غضب، رشک پری، مجسم دلبری تھی۔

نواب صاحب نے اس دختر ستمگر و سیم تن سے کہا کہ ہمارے قریب آن کے بیٹھو صاحب۔ نازو نے کہا جاؤ جاؤ۔ ان کو تو اتنی دور سے بلوایا۔ اب اتنی خاطر بھی نہ کرو گی۔ جاؤ اس ناظورۂ نسرین نے کہا واہ واہ تمھیں نہ جاؤ۔

مامک دیرینہ روز نے ڈانٹ بتائی۔ ہائیں۔ بیٹا۔ یہ بڑے عیب کی بات ہے۔ تم رئیسوں اور رئیس زادوں کی صحبت کے قابل نہیں ہو۔ اس خفگی پر چوڑی والی کی آنکھوں میں بے ساختہ آنسو ڈب ڈبا آئے۔ اور رونے لگی۔

ضعیفہ۔ اَیں یہ رونے لگی۔ کیسی پلک مُتنی ہے۔

نازو۔ پلک مُتنی نہیں یہ بڑی دھوتال ہوتی جاتی ہیں۔

ماما۔ سویرے کیا کم ہڑوں گا کیا۔ میں تو کھانا پکاتی ہوں، اور یہ لکڑی چولھے سے نکالے لیتی ہیں۔ ایک نہیں مانتیں۔

چوڑی والی۔ تم ہمارے بیچ میں نہ بولا کرو۔ ماما۔ امّی جان ہمیں اب تلک آدھی بات نہیں کہتی تھیں۔ یہ جب سے اس گھر میں داخل ہوئیں روز لڑواتی ہیں۔ نیچ بھیوں کے یہاں چھتّے والے مکان میں رہی، وہاں دیور بھاوجوں میں جوتا چلوایا۔ اس کی ایسی ہی باتیں ہیں موئی بھُن بھیری۔

ماما۔ میں تمھارے بھلے کے لیے کہتی ہوں اور۔

چوڑی والی۔ ہاں ہاں تم بڑی نیک پارسا ہو۔

ضعیفہ۔ اچھا اب اس وقت یہ جھگڑا بکھیڑا تہ کر رکھو۔

راوی۔ اب دل لگی دیکھیے کہ چوڑی والی خفا ہو کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تو نواب صاحب کے کلیجے پر سانپ لوٹنے لگا۔ غضب ہو گیا ستم ہو گیا جان نکل گئی۔ نازو سے کہا خدارا ان کو کسی طرح منا کے لاؤ۔ نازو بصد ناز اٹھیں اور دوسرے کمرے میں جا کر ہنسنے لگیں۔ دونوں بہنیں مل کر خوب ہنسیں۔ اور نواب صاحب کے سنانے کے لیے نازو نے قسمیں بھی دینا شروع کیں۔

تھوڑی دیر میں آن کے کہا نواب صاحب وہ تو بڑی ضدی ہے۔ اب آپ ہی تکلیف کر کے منائیں تو شاید مان جائے ہم لوگوں کو تو وہ بھونی مونگ کے برابر بھی نہیں سمجھتی ہے۔

نواب صاحب تو یہ چاہتے ہی تھے۔ باغ باغ ہو گئے کہ منہ مانگی مراد پائی فوراً اٹھے۔ نازو ساتھ چلیں۔ نواب صاحب تو کمرے کے اندر داخل ہوئے اور نازو دروازے پر کھڑی ہو کر ماما سے باتیں کرنے لگی۔

چوڑی والی کہ اس خرانٹ ضعیفہ کی سکھائی پڑھائی تھی جو خود بھی خلقی شوخ اور آٹھوں گانٹھ کمیت تھی۔ پلنگ سے اس طرح اٹھی کہ دوپٹا نہ سنبھل سکا اور گوری گوری گردن اور پورے جوبن کا نواب صاحب نے نظارہ کر لیا نواب صاحب نے چاہا کہ ہاتھ پکڑ کر باہر لائیں۔ مگر اس شوخ چنچل نے ایک طرارہ بھرا تو وہ پہنچی۔

چوڑی والی۔ دیکھو نواب ہاتھا پائی کی سند نہیں۔

نواب۔ کیا مجال مگر ذرا یہاں تک تو آؤ۔

چ۔ بس بس دھینگا مشتی مالزادیوں سے کرو۔

ن۔ جان جاتی ہے تم پر۔ قتل ہو گیا۔ ہائے۔

چ۔ ایسے بھڑوں میں کوئی اور آتی ہوں گی۔

ن۔ اچھا اس کمرے تک تو ذرا چلی چلو۔

چ۔ میں نہ جاؤں گی۔ ہرگز ہرگز نہ جاؤں گی۔

ن۔ آخر قصور۔ لڑو تو ماما سے خفگی ہم پر۔ اچھا وہاں تک چلی چلو انعام

دیں گے قسم ہے۔

چ۔ آپ کے انعام کے جو بھوکے ہوں ان کو انعام دیجیے میں انعام لے کے کیا کروں گی۔

ن۔ جو کہو گی وہ انعام دوں گا۔ ہار گئے قول۔

نازو۔ کچھ کہہ دو بہن۔ پھر ایسا وقت نہ آئے گا۔

چ۔ اچھا ہمیں سونے کے چھڑے بنوا دو۔

ن۔ پرسوں تک ضرور ضرور آجائیں گے۔ اس میں فرق نہ پڑے گا۔ تمھارے سر کی قسم۔

چ۔ اب ایسا نہ ہو کہ جھانسا دے کے چل دو چکمے بازی ہم سے نہ کرنا۔

نواب صاحب اب ایسے مزے میں آئے کہ پلنگ پر بیٹھ گئے، نازو بھی اُن کے بیٹھی چوڑی والی بھی نواب صاحب کے قریب بلا تکلف بیٹھ گئی، اور کہا نواب صاحب اب یہ تو بتائیے کہ آپ مجھ سے چاہتے کیا ہیں۔ میں اپنی عفّت میں کسی طرح بٹّا نہ لگاؤں گی۔ آبرو بڑی چیز ہے۔ اور آپ کا ہم پر دل آیا ہوا ہے۔ اور ہماری شادی بھی ہو گئی ہے۔ پھر یہ کیونکر بنے گی۔

نازو مسکرا کر بولی یہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ نواب صاحب نے کہا ہم بتادیں ٹیڑھی کھیر کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کے میاں کو بھر پور روپیہ دے دیا جائے اور اس سے کہیں کہ طلاق دے دو چھٹی ہوئی بس۔ چوڑی والی نے کہ اس کم سنی ہی میں پختہ مغز ہو چکی تھی کہا یہ بھی نہ ہونے کا ہمارا اس پر دل آیا ہے۔ ہم اپنے میاں کو پیار کرتے ہیں۔ لیکن اگر سونے کے چھڑے بنوا دو تو۔

اگر چوڑی والی نواب صاحب سے کوئی لمبی رقم مانگتی اور اس سے زیادہ فرمائش کر بیٹھتی تو بھی ہمارے حضور دے نکلتے۔ کیونکہ ان کو واقع میں اس سے دلی عشق ہو گیا تھا۔ مگر چوڑی والی کی اوقات کیا۔ اس کو سونے کے چھڑے کیا کم تھے۔ جس وقت نواب صاحب نے فرمایش منظور کر لی دونوں بہنوں کی باچھیں کھل گئیں۔ نازو نے ضعیفہ سے آن کر کہا نواب صاحب نے سونے کے چھڑے بنوا دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔

ادھر نواب صاحب نے جو اپنی معشوقہ کو تنہا پایا تو ہاتھ میں ہاتھ دے کر چاہا کہ اس کے دستِ سیمیں کو چوم لیں مگر وہ ایک چنچل ایک جھٹکا جو دیتی ہے، تو ہاتھ چھٹ گیا۔ کہا کیوں ہمارا زور دیکھ لیا۔ تم کیسے مردوے ہو۔ تم سے تو میں چھوکری ہی اچھی۔

نواب صاحب نے جواب دیا کہ تم چھوکری ایسی ہو کہ مجھ ایسے کو اپنے بس اور قابو میں کر لیا۔ اور خوب یاد رکھو کہ میں وہ شخص ہوں جو قول کے سامنے جان عزیز نہیں کرتا۔ جان چاہے جاتی رہے مگر قول کا خیال مرتے دم تک رہے گا۔ اگر تم میری ہی ہو کر رہو گی تو واللہ ہے ساری خدائی کی نعمت تمھارے لیے حاضر ہے۔ چوڑی والی بولی۔ ایں پہنچا دیتے ہی ہاتھ پکڑ لیا۔ آپ نے تو خوب پیٹ سے پانوں نکالے بنیا تولتا نہیں۔ آپ کہتے ہیں پورا تول۔ میرا تو نکاح ہو گیا ہے۔ اور میں اپنے میاں کو پیار کرتی ہوں۔ میری اس پر جان جاتی ہے۔ ہاں اتنا ہو سکتا ہے کہ تم کبھی کبھی آکے ہمیں دیکھ جایا کرو۔ اور رُونمائی دے جایا کرو بس اتا کیا تھوڑا ہے۔

نواب صاحب تو یہ چاہتے ہی تھے کہ کسی طرح آمد و رفت کا دروازہ کھلے اور اس کو اور اس کی ماں ضعیفہ کو کچھ چٹا دوں تو پھر رفتہ رفتہ پو بارہ ہے۔

کہا ہم کو اس سے کیا سروکار ہے۔ بدنیتی نے تو ہمارے مزاج میں دخل ہی نہیں پایا۔ ہم تو سیدھے سادے آدمی ہیں۔ اتنے میں نازو آئی اور کہا حضور اب ان کو سسرال جانے کو دیر ہوتی ہے۔ اگر ان کی سسرال سے کوئی شخص آگیا تو بڑا فضیحتا ہو گا اب ان کو جانے دیجیے۔

نواب صاحب بھی سوچے کہ پہلا دن ہے آج اسی قدر گفتگو کافی ہے۔ خدا حافظ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے تو چوڑی والی نے بڑی عیاری کے ساتھ ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا اب کب تشریف لائیے گا۔ نواب صاحب نے کہا: ۔ حکم ہو کہا ہم کہلا بھیجیں گے۔ مگر ضرور آتیے گا۔

نازو اور اس مالک دیرینہ روز سے نواب صاحب رخصت ہو کر باہر تشریف لاتے۔

حضرات ناظرین! نواب صاحب نے باوصف تیاری اور عہد و پیمان

نینی تال کا سفر اس لیے ملتوی کر دیا کہ سالی کے لڑکے کی مونچھوں کا کونڈا ہے۔ اس میں شریک ہونا ضروری امر ہے۔ اور وہاں کی محفل چھوڑ کر حضور چوڑی والی کے ہاں دندنا رہے ہیں۔ جب نواب رونق جنگ کے مکان پر آئے تو یوں گفتگو ہوئی۔

رونق جنگ۔ کہو آرزو دلی بر آئی۔

آغا۔ کامیابی کے دروازے پر پہنچ گئے مگر اندر جانا نہیں نصیب ہوا۔ سچ کہنا استاد۔

ن۔ جلد بازی سے کام بگڑ جاتا ہے۔

ر۔ ٹھنڈا کر کے کھانا عقلمندوں کا فعل ہے۔

ن۔ یہ بات آپ آدمی سمجھ دار ہیں واللہ۔

آغا۔ کیا کیا باتیں ہوئیں بھئی ہم بھی سنیں۔

ن۔ بھئی اس کی ماں بڑی حرّافہ ہے اُفوّہ۔

ر۔ کچھ مطلب کی باتیں بھی ہوئیں یا غت ربود ے۔

ن۔ ہاں ہاں۔ بے مطلب میں بھلا واپس آتا۔

ر۔ مال اچھا اور کھرا ہے اور سجل۔

ن۔ کیسا کچھ۔ ایک نایاب شے نظر آئی ہے ؎

اے کہ در شوخی نہ داری ہم سری
می نمائی ہر دمے از منظری

بس اس شعر کے مفہوم کی مصداق ہے واللہ۔

ر۔ اب آپ کچھ دن میں تنکے چنیں گے۔

ن۔ اس کا کچھ غم نہیں ہے۔ ع

ہر چہ باوا باد ما کشتی در آب انداختیم

ر۔ غوطے کھاتیے گا غوطے۔ شیخ کہہ گئے ہیں۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختۂ بر کنار

ن۔ یہ سب مہمل باتیں ہیں بھائی جان ؎

یا ہاتھ توڑے جائیں گے یا کھولیں گے نقاب
سلطان عشق کی یہی فتح و شکست ہے

اس گفتگو کے بعد نواب محمد عسکری صاحب نے کہا۔ بھئی اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔ خدا حافظ۔ اب انشاء اللہ کل ملاقات ہو گی۔

نواب رونق جنگ بہادر کے ہاں سے محمد عسکری کوئی آٹھ بجے شب کو روانہ ہو کر اپنی کوٹھی کو تشریف لائے۔ رفقاء و مصاحبین، اور حوالی موالی۔ داروغہ۔ ممن جھمن میاں جملوار دگرد بیٹھے اور چہ می گوئیاں ہونے لگیں کہ تھوڑی دیر میں منشی مہراج بلی صاحب بھی آئے۔ نواب صاحب نے کہ کشتۂ ناز تھے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا۔ ؎

عذاب جان بلائے جانستان ہے
نہیں عورت وہ رشک حوریان ہے

مہراج بلی اوّل تو گول آدمی اس پر خبط یہ کہ ہم چو من دیگرے نیست۔ اور پھر ان سب باتوں پر طرہ یہ کہ نواب صاحب نے ایک چیستان بجھوائی۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا۔

اتنے میں نواب صاحب نے کہ ان کے ذہن کا بفارہ کھلا ہوا تھا۔ دوسرا شعر تصنیف کیا۔ ؎

سیاہی اش بساں تیرہ ابری
جواہر بیز رنگ چوڑیاں ہے

حضرات ناظرین! یہ بے مثل اور بے بدل شعر ذرا غور طلب ہے۔ اور غور طلب کیا معنی بے سمجھائے سمجھ میں نہ آئے گا۔

نواب صاحب نے ایک ایرانی کی زبانی حکیم قاآنی آنجہانی کا ایک ایک قصیدۂ شگرف و ندرتِ انتہا کا مطلع سنا تھا۔ ؎

سحر گہہ باماداں تیرہ ابری برشد از دریا
جواہر خیزد، گوہر بیزد، گوہر ریزد گوہر زا

اب اس سے کوئی بحث اور کوئی سروکار نہیں کہ چوڑی کو جوہر بیزی سے کیا تعلق ہے۔ مگر تیرہ ابر کو کالی چوڑی سے کتنی مناسبت ہے۔ ہٹ دھرمی کی سند نہیں۔ حضور

ہی کا حصہ ہے اور یہ (سیاہی اش) سب سے بڑھ گیا لگے ہاتھوں تیسرا شعر بھی کہہ دیا ؎

بہو بیٹی ہے اور وہ گھر گرستن

نہ ہیچو زن کہ بازاریاں ست

اب مہراج بلی ان مضمونوں کو کیا سمجھیں ۔ پوچھا حضرت آخر یہ کس کی تعریفیں ہورہی ہیں۔ کہیں رونق جنگ کے ہاں کسی لوری یا ڈومنی پر تو نہیں عاشق ہو گئے ۔ ہے کچھ ضرور مارا کمیا کسی نے ۔ ع

آگیا جی اجی یہ جی ہی تو ہے

لیکن ایسا نہ کوئی فرمایش کر بیٹھے ۔ اس پر حاضرین جلسہ مسکرائے ۔

آخر کار بڑے اصرار بلیغ کے بعد نواب صاحب نے اپنے عشق خرد سوز اور چوڑی والی کے جمال عالم افروز کی داستان دلچسپ بیان کی ۔ چوڑی والی کے غمزۂ دلستاں اور ناز و ادا، اور کرشمہ و عشوہ اور کم سنی، اور شوخی، و چالاکی کا ذکر عرصے تک رہا، اور سب پر ظاہر ہو گیا کہ ان کا اس پر دل آگیا ہے ۔ محمد عسکری کو حسن و جمال کی پرکھ میں ملکہ خاص حاصل تھا ۔ اور اکثر کہا کرتے تھے کہ جس طرح کوئی اچھا جوہری جواہرات کو پرکھتا ہے اسی طرح بندہ حسن کے پرکھنے میں جواب نہیں رکھتا ۔ اس سبب سے حاضرین جلسہ کو یقین کامل ہو گیا کہ چوڑی والی واقعی پری چھم عورت ہو گی ۔

مہراج ۔ بھلا کیوں صاحب سن ون میں کیسی ہے ۔

ن ۔ بتا ہی دوں ۔ میاں بس یہ شعر سن لو ؎

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن

مرادوں کی راتیں جوانی کے دن

مہراج ۔ معشوق میں اگر شوخی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ۔

ن ۔ شوخی ۔ ارے شوخی تو اُس سے خلق ہوتی ہے ۔ ؎

اے کہ در شوخی نہ داری ہمسری

می نمائی ہر دمی از منظری

یہ شعر رونق جنگ بہادر نے اس کی شان میں پڑھا تھا ۔ مگر دقت اس میں یہ واقع ہو گئی کہ وہ اپنے میاں کو پیار کرتی ہے ۔ اس سے ذرا ہم کو پریشانی ہو گئی ۔

ورنہ کون مشکل بات تھی۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ نواب چھٹن صاحب بھی آگئے، علیک سلیک کے بعد محمد عسکری نے کہا آج ایک بچۂ حور نظر آیا ہے۔ بھائی خدا گواہ ہے اگر دیکھو تو بھوک پیاس بند ہو جائے۔ عالم فریب جواب نہیں رکھتی ہے۔

چھٹن صاحب نے مسکرا کر کہا میں سمجھ گیا نازو کی چھوٹی بہن تو نہیں ہے۔

محمد عسکری سخت متحیّر ہو کر بولے کیا تم نے دیکھی ہے۔ انصاف شرط ہے۔ سچ کہنا پری ہے یا نہیں۔

چھٹن صاحب نے کہا ایسے موئے سنبلین اور عذار عقیقین دیکھے نہ سنے ایک دفعہ میں نے دیکھا بھی قریب تھا کہ دل ہاتھ سے جاتا رہے غش آجائے ؎

نہادی ہر کجا پا چست و چالاک
دمیدی نافۂ مشک از دل خاک

مہراج۔ بندہ نادیدہ مشتاق ہو گیا۔ عجب مال ہے

ممّن۔ نازو کی بہن۔ نام ہی دنیا سے نرالا ہے۔ واللہ اور ایسی پری کا نام تو کچھ اور ہی رکھنا چاہیے تھا۔

جھمّن۔ پیار سے کہتے ہوں گے۔

ممّن۔ اور رہتی کہاں پر ہے۔ دکان کہاں ہے۔

ن۔ بجا۔ آپ کو یہ کل حال بتا دیں۔ درست۔

ممّن۔ حضور حکم دیں تو اسی دم سوار کر لاؤں قسم ہے۔ بات ہی کیا ہے۔

ن۔ ایسی تیسی آپ کی، وہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں۔ وہ کوئی ایسی ویسی چوڑی والی نہیں ہے۔

ممّن۔ حضور بے اختیار جی چاہتا ہے کہ کسی طرح دیکھ لوں۔ واللہ بہت دل بے قرار ہے۔

ن۔ دیکھنے میں روپے صرف ہوتے ہیں مشفق۔

مہراج۔ بھئی بلواؤ اس وقت۔ واللہ بلوا بھیجو۔

ن۔ بجا۔ یہ بھی کوئی زن بازاری ہے۔

مہراج ۔ چوڑیوں کے بہانے سے بلوا بھیجو بس ۔

ن ۔ آپ نے کیا سہل ترکیب بتادی ۔ بس چھٹّی ہوئی ۔

چھٹّن ۔ واللہ تم نے اس وقت یاد دلادی ۔ قتالۂ جہاں ہے ۔ آفتِ دوراں بلائے جانستاں ۔ عاشق کش ۔ سرکش ۔ قیامت قامت ۔ اور ریعانِ شباب چودہ پندرہ برس سے ہرگز زیادہ نہیں ہے ۔ اور شوخی الامان ایک منٹ کوئی اس کو بٹھا تو لے ۔ ممکن ہی نہیں ۔

مہراج ۔ اب مجھے کوشش کرنی پڑی کہ دیکھوں تو وہ کیسا مال ہے ۔ جس کی ایسی تعریفیں ہو رہی ہیں ۔

چھٹّن ۔ گر پڑو گے ۔ واللہ بے ہوش ہو جاؤ گے ۔ تڑپ جاؤ گے کیا دل لگی ہے ۔ ؎

شوخی کہ یہ غمزۂ کمینہ　　سفتی زیکی ہزار سینہ

آہو چشمے بہر زمانے　　کشتی بہ کرشمۂ جہانی

اور لطف یہ کہ گو باہر نکلتی ہے ۔ مگر سوائے رونق جنگ بہادر کے اور کسی کے یہاں نہیں جاتی ۔ میں نے خود بلوانے کی کوشش کی تھی ۔ لیکن وہ نہ آئی ۔ اس کی ساس آئی ۔ اس سسری سے ہمیں کیا سروکار ۔ اس کا آنا نہ آنا دونوں یکساں تھا ۔ بلکہ اور بلوا کے پچھتائے ۔ بیالیس برس کی عورت ، اور بدقطع کہ میں کیا عرض کروں ، اگر شام کو کوئی دیکھے تو ڈر جاتے ۔

مہراج ۔ بھئی اتنا تو بتادو کہ رہتی کہاں ہے ۔

ممن ۔ ضرور تو پھر اور بتانا باقی ہی کیا رہے بلکہ آپ کے ساتھ جا کے وہاں تک پہنچا نہ آئیں ۔

مالکِ دیرینہ روز کے چونگے

نواب صاحب تو اس بھولی بالی چوڑی والی کے میکے سے خنداں وفرحاں تشریف لے گئے ۔ اور سمجھے کہ مار لیا ہے ۔ اور وہ زمانہ قریب ہے کہ یہ ناظورۂ یاقوت لب ۔ مہ رخسار و شاہد گل عذار زیب آغوش ہوگی ۔ اور ہم شربتِ وصل سے شیریں کام ،

اور فاتر بمرام ہوں گے۔ مگر یہ خبر ہی نہ تھی کہ وہاں کیا ہنڈیا پک رہی ہے۔ اور اس کی نادرِ ضعیفہ کس منصوبہ میں ہے۔ یہ پیرزن جہاں دیدہ بڑی چالاک عورت تھی۔ نواب صاحب کے تشریف لے جانے کے قبل اس نے نازو اور چوڑی والی کو اچھی طرح سے پٹی پڑھا دی تھی کہ جب وہ آئیں تو تم فلاں بات پر روٹھ جانا اور یہ محاورے ان کے سامنے بولنا۔ اور ناک بھوں چڑھا کے ماما پر خفا ہو کر دوسرے کمرے میں چلی جانا۔ جب تک وہ خود منانے نہ آئیں تب تک تم ہرگز اس کمرے سے نہ آنا نہ آنا۔

ناظرین کو یاد ہو گا کہ ماما پر خفا ہو کر چوڑی والی تنک کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اور نازو بھیجی گئی تھی کہ اس کو منا کے سمجھا بجھا کے لے آئے۔ تو دونوں بہنیں کمرے میں ہنسنے لگی تھیں جو اصحاب بالغ خرد ناولوں کے مطالعے میں بہت مغز ہو گئے ہیں۔ وہ ضرور سمجھ گئے ہوں گے کہ اس بے محل ہنسی کی کہیں نہ کہیں خبر نکلے گی۔ ورنہ تب تک کے مال اور بہن اور ماما سے خلاف ہو کر دوسرے کمرے میں چلدی تو وہاں جا کے ہنسنا چہ معنی دارد۔ الغرض یہ پہلے ہی سے سکھائی پڑھائی تھیں۔ اور اس عجوز نے سکھا دیا تھا کہ سونے کے چھڑوں کا چونگا کرنا۔ نواب صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد اس نے پھر نازو اور اس کی چھوٹی بہن کو سبق پڑھانا شروع کیا کہ بیٹا ان کو تم سونے کی چڑیا سمجھو اور جہاں تک ممکن ہو سکے ان سے روپیہ گھسیٹو۔ یہ مردوا ان پر لٹو ہو رہا ہے تم تو تاڑ گئی ہو نازو۔ مگر دیکھو بیٹا تم ان سے الگ ہی الگ رہا کرو۔ جب وہ آن کے بیٹھیں تو تھوڑی دیر کے بعد آؤ۔ دو گھڑی بیٹھو اور چلدو۔ پھر ایک جھلک دکھلا کے چمپت ہو جم کے نہ بیٹھو۔ نہ کوئی ایسی بات کہو جس سے ان کو یقین ہو جائے کہ نکاح ضرور ہو گا۔ اور نہ کوئی ایسا لفظ کہو جس سے وہ مایوس ہو جائے۔ کبھی وعدہ اور کبھی کچھ کبھی اقرار اور کبھی انکار بس یہی بہتر ہے۔ مگر چونگوں سے نہ چوکو ولایتی انار۔ انگور۔ اخروٹ۔ چلغوزہ۔ کشمش۔ پستہ یہ فرمائش کر بیٹھو۔ چوڑیاں ان کے ہاتھ دس گنے داموں پر بیچو۔ سردی کے کپڑے کی فرمائش کر دو۔ بس اسی کا نام چونگا ہے۔ غرض کہ جہاں تک کوشش کرو کہ ان کو لوٹ لو۔ اور وہ لٹو اس قدر کا ہو گیا ہے کہ جو کہو گی وہ کرے گا

سونے کے چھڑوں کا چونگا تو کیا تم نے اور اس نے منظور کر لیا اور بھیج گا بھی اس امر میں نازو کو اپنی ماں سے اتفاق نہ تھا وہ کہتی تھی کہ چھ سات سو روپیہ کی فرمائش

ہے۔ اتنی بڑی فرمائش کا متحمل ہونا سہل بات نہیں ہے۔ مگر اس کی اور ضعیفہ کی رائے تھی کہ بھیجے اور کھیت بیچ بھیجے۔ اور خود بنوا کے لے آئے تو سہی۔

چوڑی والی سب باتیں سنا کی۔ اور سوچنے لگی کہ اب کی ملاقات ہو تو نواب کا گھر بھر لوٹ لوں۔ جاتا کہاں ہے۔ دل کا آنا قیامت کا آنا ہے۔ حضرتِ دل کا آنا دل لگی نہیں ہے۔ یہ عشق کا کوچہ ہے۔

دوسرے روز چوڑی والی کی ماں نے اس کو پھر بلایا اور چونگا کرنے کی ایسی ایسی چالیں سکھانے اور بتانے لگی کہ کبھی پٹ ہی نہ پڑیں۔ کہ اتنے میں نازو کی منہ بولی بہن آگئی اور نازو اور اس کی چھوٹی بہن اور منہ بولی بہن دھوپ میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

نازو۔ آج بہت دن بعد دیکھ پڑیں دوگانہ۔

دُگانا۔ ہم تو ماندے تھے۔ بہن۔ پھوڑا نکلا تھا۔ مرتے مرتے بچے۔

نازو۔ ہمیں اللہ جانتا ہے ذری بھی کسی نے خبر نہ کی۔

دُگانا۔ ہم نے کچھ سُنا ہے اور معتبر آدمی سے سُنا ہے۔

نازو۔ کیا کیا۔ خیر تو ہے۔ کیا سُنا ہے۔ بہن بولو۔

دُگانا۔ ہم نے سُنا ہے کہ۔ کہی ڈالوں۔ ؎

آج وہ طالع سکندر ہے
جس کی بوڑھیا محل کے اندر ہے

نازو۔ بوڑھیا محل کے اندر (متحیر ہو کر) کیا۔

دگانا۔ کیا؟ اب ہم سے نہ بہت اڑو۔

نازو۔ اللہ جانتا ہے جو ذری بھی ہماری سمجھ میں آیا ہو۔

دگانا۔ ہمیں نام نہیں بتایا۔ بس اتنا کہا تھا کہ ایک چوڑی والی جو آج کل سینکڑوں رئیسوں کی نگاہ پڑتی ہے۔ بڑی چنچل اور ادماتی چھوکری ہے۔ مستانی ہو رہی ہے۔

نازو۔ اے واہ ہے۔ پھر اس سے مطلب کیا نکلا۔

دگانا۔ اپنی بہن سے پوچھو بوبو جی یہ کیا بات ہے۔ سچ ہے یا جھوٹھ۔

نازو ۔ دگانہ تمہارا بڑا ہوائی دیدہ ہے ۔

دوگانہ ۔ پتے کی کہی یا نہیں کہی ۔ اب کیا ہے سونے کے چھڑے پہنو ۔ منہیارن کی چھوکری کے لیے بہت ہے ۔

نازو ۔ ان ہی جھوٹی گپوں سے تو تمہارے چہرے پر پھٹکار برستی ہے ۔

دوگانہ ۔ ہمیں کسی نواب کو صورت تھوڑا ہی دکھانا ہے کچھ ۔

راوی ۔ نازو انتہا سے زیادہ حیران تھی کہ اس کو کہاں سے اتنی جلدی خبر ہو گئی ۔ چوڑی والی ششدر ۔ ع

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

اور دوگانہ کھل کھلا کھل کھلا کر ہنستی تھی ۔ نازو کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کل شام کی بات اور آج سویرے سویرے اس قدر مشہور ہو گئی ۔ اور سونے کے چھڑوں کا جو ذکر آیا تو اب کوئی شک باقی نہیں رہا کہ کسی معتبر آدمی نے اس سے جا کے کہا ہے ۔ اب نازو لاکھ ٹالتی ہے کہ ہم سمجھتے ہی نہیں تم کیا بک رہی ہو ۔ تمہارے حواس میں فتور دماغ خلل ہو گیا ہے ۔ اپنی بیتی سُنا رہی ہو ۔ مگر چھپا ہوا آدمی چھپا رہ سکتا ہے بھلا ۔ دونوں کی جھینپی ہوئی صورت سے صاف برستا تھا کہ اس امر کی اصلیت ضرور ہے اس نے کہا نازو بہن یہ ہم سے تم کو پردہ نہ رکھنا چاہیے ۔

نازو نے کہا اچھا بہن ہم بھی سچ سچ بتا دیں کہ اصل بات کیا ہے اور تم بھی سچ سچ کہہ دو ۔ مگر دیکھو جھوٹ بات ہمارے تمہارے درمیان میں نہ آنے پائے ۔ اس نے کہا آج صبح کو ایک ترکاری والی ہماری طرف سے جاتی تھی ۔ ہماری ساس نے اس کو بلایا اور دو پیسے کے چھینڈے خریدے ۔ اس نے ہماری ساس سے پوچھا ۔ کیوں بی بی کیا تم لوگوں میں لڑکیوں کا نکاح نہیں ہوتا ۔ وہ خفا ہوئیں کہ کیا بکتی ہے ۔ ہم لوگ کیا بازاری عورتیں یا مونڈھوں پر بیٹھنے والیاں ہیں ۔ اس نے چھوٹتے ہی کہا کہ واہ ہم نے تو ابھی کل ہی دیکھا ہے کہ ایک چوڑی والی کے ہاں ایک نواب صاحب گئے تھے ۔ بھلا وہاں سوائے بری بات کے اور کس واسطے گئے تھے ۔

نازو ۔ میں تاڑ گئی بہن بڑی رسوائی کی بات ہے ۔

دوگانا ۔ کیا تمہارے محلے میں کوئی ترکاری والی رہتی ہے ۔

نازو۔ اے یہ کیا پڑوس میں کبڑیے کا گھر ہے۔

دوگانا۔ وہ ہیں کون۔ کوئی رئیس ہیں۔

نازو۔ بہت بڑے آدمی ہیں اور ابھی کوئی ایسا سن بھی اللہ رکھے نہیں ہے۔ اور ہنس مکھ آدمی ہیں۔

دوگانا۔ اب کی آئیں تو ہمیں بھی دکھا دینا۔ دور سے دیکھیں گے ہم۔

نازو۔ بدی کی بات بھی چھپی نہیں رہتی۔

یہ کہہ کر نازو نے جاکر اپنی اماں سے کہا کہ امی جان وہ تو نواب صاحب کے آنے کی دوگانا تک کو خبر ہو گئی۔ میں جانتی ہوں کہ اس موئی کبڑن نے یہ آگ لگائی ہے۔ میرا جی چاہتا ہے آج رات کو اس کا گھر نگوڑا پھونک دوں۔ ذری ساری چنگاری رکھ دوں بس جل بھن کے خاک ہو جائے۔ ماما نے مسکرا کر کہا اور بی پڑوس میں تمہارا مکان بھی تو ہے۔ اس ماما کہنہ دیرینہ روز نے معاً پڑوس کی کبڑن کو بلوایا اور کہا ایک روپیہ کے پرانے آلو ہم کو چاہئیں۔ اس نے کہا تم تو کبھی ہم سے کچھ لیتی بھی نہیں ہو۔ ضعیفہ نے کہا اب ہم مکان بیچے ڈالتے ہیں۔ کلکتے سے ہمارے بہنوئی نے ہم کو بلایا ہے۔ مکان کا پیغام بھی آگیا ہے۔ کوئی نواب ہیں ان کے آدمی کل شام دیکھنے آئے تھے۔

کبڑن نے کہا یہ کسی نواب کے آدمی ہیں۔ اے لو میں سمجھی تھی کہ خود نواب ہی آئے ہیں۔ بڑا دھوکا ہو گیا۔

ماما۔ واہ رے تیرے دھوکے۔ اچھا دھوکا ہے۔

نازو۔ اور تم کیا سمجھتی تھیں کہ نواب ہیں۔

ضعیفہ۔ نواب ہوں یا کوئی رئیس ہوں ان کے مختار کار آئے تھے۔

کبڑن صبح کو جس جس کے گھر گئی گھر گھر ڈھنڈھورا پیٹ آئی تھی کہ ہمارے پڑوس کی چوڑی والی کے ہاں ایک نواب آتے ہیں۔ اور وہ دونوں بہنیں ہیں، مگر ماما دیرینہ روز نے وہ تدبیر سوچی کہ سبحان اللہ کلکتہ جاتی ہوں ان کے بہنوئی نے مٹیا برج سے بلوایا ہے۔ اور مکان بیچے ڈالتی ہوں۔ ایک نواب صاحب کے (مختار کار) آئے تھے۔ کبڑن کے ذہن میں یہ بات جم گئی کہ بیشک اور بلاشبہ نواب یا کوئی رئیس

نہیں آتے تھے۔ ان کے کوئی اہل کار ہی ہوں گے۔

جب نازو کی منہ بولی بہن اپنے گھر چلی گئی تو پیرزن نے بڑے فخر کے ساتھ کہا کیوں میں نے اس بات کو کس خوبصورتی سے ٹال دیا۔ تم لوگوں کو ہم سے سیکھنا چاہیے یہ گر سیکھنے کے قابل ہیں اچھا خیر یہ تو سب ہوا اب بتاؤ کہ اب کی جو نواب آئیں گے تو کیا کہو گی جب جانیں کہ ایسا چونگا کہ کچھ دن گھر میں بیٹھ کے بافراغت کھائیں چوڑی والی کی چھوکری بولی کہ امی جان تم دیکھتی جاؤ بس کپڑے تک اتروا لوں تو سہی۔ آخر لڑکی کس کی ہوں اتنے میں گانے کی آواز آئی۔ کوئی شخص یہ غزل گا رہا تھا۔ ؎

بہار میں جو ترے گیسوؤں کی الفت ہے
غضب کا مجھ کو جنوں ہے بلا کی وحشت ہے

نازو نے کہا کہ یہ چھجو خاں کا بیٹا ہے۔

ضعیفہ۔ اس کے گانے کی آج شہر میں دھوم ہے۔ ہاں وہ بات تو رہ گئی۔ ململ بولی بی بی ہم کو نہ بھول جانا۔ ہم دعا مانگ رہے ہیں۔ کہ جو دلی آرزو ہو اس کو خدا پورا کردے۔ آمین اللہ۔ اب دیکھیں چھڑے بھیجتے ہیں یا نہیں۔ ضعیفہ نے کہا دو باتوں سے خالی نہیں۔ یا تو بڑے فقرے باز جھوٹ بولنے والے آدمی ہیں، یا بالکل سیدھے سادے۔ اے بھلا ہم لوگوں کی یہ اوقات ہے کہ سونے کے چھڑے پہنیں کوئی دوسرا ہوتا تو کہتا اوقات سے باہر سونے کے چھڑے کیسے۔

گپ شپ

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ایک آدمی نے دروازے پر آواز دی۔ ماما نے پوچھا کون ہے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ نواب صاحب نے بھیجا ہے اور کچھ کہلا بھیجا ہے۔ ماما نے اوپر جا کر چوڑی والی کی ماں سے کہا۔ اس نے کہا بلا لو۔ آئیے اللہ آئیے ہم تو باہر کے نکلنے والے ہیں۔ سب یہ دونوں چھوکریاں تو البتہ نہیں نکلتی ہیں اور اگر گئیں بھی تو پاس پڑوس۔ اور وہ بھی جانے بوجھے لوگوں میں۔ ایرے غیرے کے یہاں نہیں بھیجتے۔ خدمت گار نے کہا صحیح ہے بجا کہتی ہو، نواب صاحب نے مجھے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ چھڑے لیجیے گا یا چھڑوں کی قیمت۔ ضعیفہ پھول کے کپا ہو گئی

باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ آدمی کی بڑی خاطر داری کی۔ گلوری بنا کے کھلائی۔ بی نازو ہیں الائچی لیے چلی آتی ہیں۔ چوڑی والی کا چہرہ بشاش۔ ماما کی رنگت سرخ ہو گئی۔ گھر کا گھر خوش و خرم۔

ماما۔ اچھی طرح بیٹھو میاں۔ کھل کے بیٹھو۔

خدمتگار۔ (خ) میں بہت اچھا بیٹھا ہوں۔

ضعیفہ۔ (ض) نواب صاحب سے ہمارا بہت بہت سلام کہہ دینا۔

خ۔ ضرور کل سے ان کو دھن ہے اسی کی۔

ض۔ یہ ان کی مہربانی ہے۔ انھوں نے پرسوں ان کو نواب رونق جنگ بہادر کے ہاں دیکھ لیا تھا بس پھر لیا لٹو ہو گئے۔

خ۔ نواب صاحب کے مجاز (مزاج) میں ایک بات ہے وہ بات یہ ہے اور اس کو آپ یاد رکھیں کہ وہ جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ انھوں نے چھپڑے بنوانے کو کہا تھا اگر چھپڑے بنوا دیتے تو میں چوک جاؤں اور اگر قیمت لینی ہے تو حاضر ہے۔ یہ پانچ سو روپے ہیں۔

ض۔ کیا کہا ہے نواب صاحب نے جو ان کا حکم ہو کیا جائے۔

خ۔ بس یہی کہا تھا کہ جو ان کی رائے ہو وہ کرو۔

ض۔ اچھا ہم بنوالیں گے۔ تم روپیہ ہی دے دو۔

خ۔ لیجیے حاضر ہے۔ پانچ سو یہ گن لیجیے۔

ماما۔ بڑے رئیس آدمی ہیں نواب صاحب۔

خ۔ رئیس۔ رئیس کیسے پوتڑوں کے رئیس۔

نازو۔ ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔

ض۔ اور ان کے واسطے تو یہ اور ہمارے واسطے کیا لائے ہو۔

خ۔ جو کہہ دو۔ اب ہم جانتے ہیں تم کسی دن گھر میں جا کے چوڑیاں پہنا دو، اور برابر آتی جاتی رہو۔

ض۔ جس روز کہو۔ جب لے چلو۔ چلی چلوں۔

خ۔ اور نازو کو اور ان کو بھی لیتی چلنا۔

ض ۔ اس میں سے تم اپنا حصّہ تو لے لو میاں ۔

خ ۔ اب اس کا آپ کو اختیار ہے ۔

ماما ۔ تم ہی تو لائے ہو ۔ تم ہی کو اختیار ہے ۔

نازو ۔ مگر قول کے پورے ہیں ۔ اللہ جانتا ہے ۔

ماما ۔ چلم بھر لاؤں حقّہ پییں گے آپ ۔

ض ۔ نواب صاحب کو آج لے نہ آؤ ۔ کہو رات کو بھیس بدل کے چپکے سے آجائیں اور نازو اور یہ دونوں یہاں ہی رہیں گی ۔

خ ۔ ہاں ! اچھا ضرور آئیں گے ۔

ض ۔ مگر اکیلے ہی آئیں بھیڑ کو نہ ساتھ لائیں ۔

خ ۔ بس وہ اور میں اور ایک آدھ صاحب اور ۔

خدمت گار اٹھنے ہی کو تھا کہ پیرزن نے روک لیا کہا اس قدر جلد بازی ۔ ابھی تو آئے ہو اور ابھی چلے جاتے ہو ۔ بیٹھو ایک گلوری اور کھالو ۔ خدمت گار نے کہا تمھارے ہاں کوئی مرد بھی ہے ۔ ضعیفہ نے کہا ہمارے بہنوئی ہیں ۔ ایک لڑکا ہے وہ حیدرآباد میں ایک وکیل کے پاس نوکر ہے ۔ کچھ شُدبُد پڑھا لکھا بھی ہے اور یہ دو لڑکیاں ہیں ۔ اس کا میاں ہے ۔ دوسرے تیسرے آتا ہے ۔ یہی سب ہماری دولت ہے ۔ خدمت گار نے کہا کہ حق تعالیٰ اس دولت کو برقرار رکھے ۔ اس سے بڑھ کر اور کون دولت ہوگی ۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں ۔ ضعیفہ نے پھر روکا ۔ انھوں نے کہا نواب صاحب میرے منتظر ہوں گے ۔ ضعیفہ نے پچیس روپے دے کر کہا یہ تو لیتے جاؤ ۔ خدمت گار نے پچیس روپے لے کر کہا بندگی ۔ ہم تو تمھاری بڑھتی کے خواہاں ہیں ۔ جو تم کو زیادہ ملے گا تو ہم کو بھی ملے گا ۔ اور جو تم کو ہی نہ ملے گا تو ہم کو کیا ملے گا ۔ ماما نے کہا تم ماشاءاللہ سے خود سمجھ دار ہو تم کو سکھانا جیسے لقمان کو سکھانا ہے ۔

خ ۔ تو اب ہم رخصت ہوتے ہیں ۔

ض ۔ امام ضامن کو سونپا خدا حافظ میاں ۔

خ ۔ آج رات کو نواب صاحب کو لے کر آؤں گا ۔

ض ۔ بھلا آنے کو کہتے تھے ۔ ایسا نہ ہو نہ آئیں ۔

خ ۔ آئیں اور بیچ کھیت آئیں ۔ نہ آنا کیا معنی ۔ ہاں اگر کوئی ایسا ہی ضروری کام ہو جائے تو شاید نہ آئیں ۔

ض ۔ تم اپنا پیغام تو کہہ دو بیٹا ۔

نازو ۔ اے قمرن وہ جو کہتی تھیں کہو نا ۔

قمرن ۔ (ق) یہ سردی کی فصل جاتی ہے ۔ اور نواب صاحب نے ہم کو انار اور انگور بھی نہ بھیجے ۔

خ ۔ (مسکرا کر) آج ہی لو ابھی ابھی ۔

ق ۔ اگر ہمارے کہنے پر بھیجا تو کیا ۔

خ ۔ وہ تو سونا برسا دیں گے اس گھر پر ۔

ماما ۔ ہاں ہاں میاں کیوں نہیں رئیس ہیں ۔

نازو ۔ کتنی دور ہے نواب صاحب کا مکان یہاں سے ۔

خ ۔ تھوڑی ہی دور ہے کوئی دو پیسے ڈولی ۔

نازو ۔ تو پھر ایک روز ہم سب کو لے چلنا ۔

ق ۔ (ہنس کر) موٹے دو پیسے ڈولی کہ ڈبل ۔

خ ۔ نہیں مدد شاہی ۔ موٹے دو پیسے ڈولی ۔

خدمت گار بچپیں لے کر خوش خوش رخصت ہوا ۔

نواب صاحب چشم در راہ انتظار تھے ہر گھڑی خدمت گاروں سے دریافت کرتے جاتے تھے کہ دیکھو بھئی حسین علی آیا ۔ ازبس بے قرار تھے جب لوگوں نے اطلاع دی کہ پیر و مرشد حسین علی آتا ہے ۔ پھاٹک کے پاس آگیا ۔ حکم دیا کہ دوڑ کر آئے علی حسین اپنی کوٹھری میں روپیہ رکھنے گئے ۔ تو کوئی چھ خدمت گاروں چپراسیوں چوکیداروں کو نواب صاحب نے حکم دیا کہ ابھی لاؤ ۔

حسین علی صاحب تشریف لائے ۔

ن ۔ کہو صاحب کام بنا کے آئے یا خدانخواستہ بگاڑ کے ۔

خ ۔ بگڑنا در از حال حضور کو بلایا ہے ۔

ن ۔ قریب آؤ ۔ بلکہ علاحدہ چلو ۔ ہاں کیا گفتگو ہوئی ۔

خ ۔ روپے جو میں نے دیئے تو بڑی خوش ہوئیں سینکڑوں دعائیں دیں۔ سب کی سب خوش ہوگئیں۔ اور دعائیں دینے لگیں۔

ن ۔ لاحول ولاقوۃ ۔ اصل مطلب کی بات کہو۔ اک سو ہی دفعہ کہہ چکے کہ دعائیں دیں۔

خ ۔ حضور قمرن نے مجھ سے پوچھا کہ نواب صاحب آج آئیں گے نہ آئیں گے تو ہم خفا ہو جائیں گے۔ ضرور آئیں نہیں تو ہم بہت خفا ہوں گے۔

ن ۔ لاحول ولاقوۃ۔ سن چکے سن چکے۔ ایک ایک بات کو ہزار ہزار بار کہتے ہو۔

خ ۔ میں وعدہ کر آیا ہوں حضور کہ آج ان کو لاؤں گا۔ ضرور چلیے گا۔

ن ۔ ہزار کام چھوڑ کر ہزار کام چھوڑ کر چلوں گا۔

خ ۔ حضور کی ریاست کی بڑی تعریف کرتے تھے سب۔ اور قمرن نے کہا ہے کہ سردی کی فصل جاتی ہے ہم کو ولایتی انار اور انگور بھی بھیج دیں۔

ن ۔ ابھی بھیجو۔ داروغہ صاحب ذرا یہاں آؤ پانچ روپے کے انار اور چار پٹاریاں اور سیر سیر بھر کشمش پستے اور اخروٹ اور بیس عدد بڑے بڑے سیب منگواؤ اسی دم۔

داروغہ ۔ بہت اچھا۔ ابھی لیں حضور۔ اسی دم۔

ن ۔ (خدمت گار سے) تو قمرن نام ہے۔ یہ کہیے۔ یہ نام تو بڑا پیارا ہے۔ اور نازو تو نئی قسم کا نام سننے میں آیا ہے۔

خ ۔ وہ بھی تھیں حضور۔ اس پر بھی حضور۔ عرض نہیں کر سکتا۔ وہ بھی اچھی ہے۔ اور (ڈرتے ہوئے) حضور قمرن کا تو پھر کیا کہنا ہے۔

ن ۔ بے مثل ہے۔ پیدا ہی نہیں ہوئی ایسی عورت۔

خ ۔ اب غلام میوہ لے کے پہنچا آئے گا۔

نواب صاحب کو اس قدر خوشی ہوئی کہ گویا قارون کا خزانہ ان کو مل گیا۔ دن کاٹے کھاتا تھا دعا مانگتے تھے کہ یا خدا کہیں جلد شام ہو تو اس مہ لقا کا دیدار نصیب ہو۔ اگر آج ناغہ ہوا تو جان پر بن آئے گی۔ اوّل تو بے دیکھے ہوئے شب کو نیند نہ آئے گی ممکن نہیں کہ نیند آئے۔ ادھر شام ہوئی ادھر بندہ درگاہ روانہ ہونے کو تیار ہوتے۔

داروغہ نے تھوڑے عرصے کے بعد عرض کیا کہ خداوند میوہ حاضر ہے۔ حکم ہوا کہ حسین علی کو بلواؤ۔ حسین علی سے فرمایا کہ میوہ لے جا کے دے آؤ۔ اور کہنا جو ضرورت ہو اس سے اطلاع دیں۔

حسین علی میوہ لے کر روانہ ہوا۔

چوب دار نے عرض کیا پیرو مرشد۔ آغا محمد اطہر صاحب تشریف لاتے ہیں۔

نواب صاحب کوٹھی سے باہر آن کے استقبال کے لیے گئے۔ اور دیکھتے ہی کہا۔ ؎

اے کہ در شوخی نہ داری ہمسری

می نمائی ہر دمے از منظری

آغا۔ ایں۔ بسم اللہ ہی اس سے ہوتی ہے۔

ن۔ بسم اللہ ہوا چاہیے۔ رَبِّ یَسِّر۔ ؎

اے کہ در شوخی نہ داری ہمسری

می نمائی ہر دمے از منظری

آغا۔ بھائی صاحب رب یسر نہیں ہم تو تم بالخیر کی دعا مانگتے ہیں۔

ن۔ خدا نے چاہا تو دو ہی چار روز میں۔

آغا۔ ہاں ارے یار مانتا ہوں لے آیا راہ پر۔

ن۔ واللہ مجھے اس سے عشق ہے اور پورا عشق۔

آغا۔ چیز ہی ایسی ہے وہ۔ عشق ہی کے قابل ہے۔

ن۔ ایسی صورت کبھی پہلے بھی دیکھی تھی۔؟

آغا۔ واللہ نہیں دیکھی تھی۔ ہٹ دھرمی سے کہو کہہ دوں حق تو یوں ہے۔ ع

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

ن۔ اور اسی مہینے میں نکاح ہو تو سہی۔

آغا۔ یار یہ خبط ہے۔ نکاح وکاح واہیات بات ہے۔ ہم اس کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔

ن۔ مجھ سے بے نکاح کے رہا نہ جائے گا۔

آغا۔ دور ہی دور کا عشق اچھا۔ نکاح کی صلاح ہم نہ دیں گے اور کوئی دوست نکاح کی صلاح نہ دے گا۔

ن ۔ صلاح اور مشورے کی گنجائش اب کہاں ہے۔

آغا ۔ نہیں اس قدر جامے کے باہر نہ ہونا چاہیے ۔

ن ۔ اس میں پند و نصائح سے کام نکلے یہ محال ہے ۔ ؎

ایں عشق نہ دانم از کجا خاست
کز ہر رگ و ریشہ ام بلا خاست

آغا ۔ اگر اس عشق کی یہی کیفیت رہی تو ۔

ن ۔ میاں یہ اگر اور مگر کے کیا معنی ۔

آغا ۔ بات انسان وہ کرے جس میں بدنامی نہ ہو اور آبروریزی سے انسان بچے اور اگر بدنامی ہوئی تو لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملے گا ۔

ن ۔ اچھا خیر پھر اب اس بارے میں گفتگو ہوگی ۔ ؎

حضرتِ ناصح گر آئیں دیدہ و دل فرش راہ
پر ذرا اتنا تو بتلا دو کہ بتلائیں گے کیا

خاک !

اتنے میں ممّن نے کہا حضور منشی مہراج بلی آئے ہیں ۔ کہا بسم اللہ ۔ آئیں ۔ آئیں۔

ممّن ۔ حضور یہاں باغ میں ٹہل رہے ہیں۔

مہراج ۔ آداب عرض کرتا ہوں جناب نواب صاحب ۔

ن ۔ کورنش عرض ہے ۔ تشریف لائیے حضرت ۔

مہراج ۔ اخاہ آغا محمد اطہر صاحب بھی تشریف رکھتے ہیں۔

آغا ۔ آپ نے کچھ اور بھی سنا ہمارے نواب صاحب عاشق ہوئے ہیں۔

ن ۔ ہمارا عشق ازلی ہے ۔ یہ ہوئے ہیں کیا معنی ۔

آغا ۔ ازلی و زلی تو خیر صلاح ہے

مہراج ۔ وہی چوڑی والی نہ ۔

آغا ۔ ایں ۔ ! آپ بھی سن چکے ہیں ۔

مہراج ۔ سن چکا ہوں صاحب دیکھ چکا ہوں ۔ اس میں شک نہیں کہ پری ہے واللہ ۔ از سر تا پا حور ۔ حسن ہو تو ایسا کہ ۔ ع

ہے مگر آپ کی شوخی تو غضب کی شوخی

نواب صاحب کو جو ملتا تھا انھیں کا سا۔ خدائی خوارہ آوارہ و بدکار۔ کوئی شخص ایسا نہ ملا جو عقل رہنموں سے کام لیتا یا ان کو سیدھے ڈھرّے پر لگانے کی کوشش کرتا ورنہ ممکن نہ تھا کہ ایسا رئیس زادہ اور پھر وہ شخص کہ جس کے مزاج میں آراستگی اور صلاحیت ہو وہ ایک ادنیٰ چوڑی والی پر اس قدر لٹّو ہو جائے۔ کہ سربازار صدہا آدمیوں کے روبرو اس کے پیچھے پیچھے جائے۔ اس سے بڑھ کر آوارگی اور کیا ہوگی۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ مگر اُن کی صحبت میں تو خیر سے آدمیں کا آوان بگڑا ہوا ہے۔

مہراج.بلی ان سب کے چچا۔ان کی حرکتیں سب سے زیادہ مبتذل نکلیں۔ یہ اس چوڑی والی کی گلی سے دن بھر میں کوئی چھ سات بار نکلے مگر صرف دو بار دیکھا اور کھڑے ہو کر اس کی ساس سے گفتگو بھی کی۔

آغا محمد اطہر بڑے مہذب اور شایستہ اور آراستہ خیالات کے آدمی۔ بڑے زبان آور۔ فارسی زبان کے محقق۔ عربی کے عالم متبحر۔ مگر یہ خود اس چوڑی والی کی چھوکری پر لٹّو تھے۔

آغا محمد اطہر نے کہا بھئی میں بھی ایک بار اُدھر سے نکلا تھا لیکن اس کو پایا نہیں۔ ؎

آج وہ جلوہ فروز اپنے جو منظر میں نہیں

تو چمک ذرّہ بھی اس خسرو خاور میں نہیں

مسخرہ کہ چپکے سے اُن کے ایک گوشے میں خاموش کھڑا ہو رہا تھا یوں بول اُٹھا۔ ؎

تبنی آج جو سونی پڑا ہے

کل بیچ ایک رانڈ بیٹھے تھے

اَیں! یہ کون بولا بھئی۔ دیکھا تو مسخرالدّولہ! بڑا قہقہہ پڑا۔ مگر اس کے معنی سمجھ میں نہ آئے۔ اس کی تشریح تو کیجیے۔

کہا حضور قربان جاؤں یہ حیدرآباد کے فصحاؤں اور بلغاؤں کی زبان ہے تفسیر اور شرح طلب ہے تفسیر روایت اس کی یوں ہے کہ حیدرآبادی شاعر صاحب نے ایک روز ایک کھڑکی میں ایک عورت (رنڈی) بیٹھی دیکھی تھی۔ دوسرے روز وہاں سنّاٹا تھا تو شاعر نے یہ شعر

موزوں کیا۔تبنی کھڑکی کو کہتے ہیں۔اور رانڈ کے معنی (رنڈی) اب سمجھ میں آجائے گا۔اسی طرح آغا صاحب نے بھی سناٹا پایا۔لہذا غلام نے عرض کیا۔ ؎

تبنی آج جو سونی پڑا ہے
کل بیچ ایک رانڈ بیٹھے تھے

ن۔ یہ بیچ کیا حضرت۔

مسخرہ۔ بیچ کے معنی اپنی جگہ پر۔یہیں۔

آغا۔ رانڈ کے لیے بیٹھے تھے کس قدر موزوں ہے۔

ممن۔ بیچ بھی عجب لغت بلکہ لغتا ہے۔

ن۔ ایک رانڈ بیٹھے تھے۔اس نے کیا مزہ دیا ہے۔

مہراج۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ن۔ ان کا بھی نام لکھ لیجیے۔

آغا۔ لکھا ہوا ہے۔اور کل حمقا کی فہرست میں سب سے اوّل لکھا ہے کیونکہ انھوں نے اوّل درجہ ہی کا امتحان پاس کیا ہے۔

ن۔ اجی اس میں سمجھنا مشکل ہی کون بات ہے۔

مسخرہ۔ ہمارے حضور منشی مہراج بلی اللہ کی عنایت سے ان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں یک نشد دو شد۔

ن۔ مجھے رہ رہ کے ہنسی آتی ہے۔کہنے لگے رانڈ بیٹھے تھے۔کتنی عمر شاعری ہے۔ اے سبحان اللہ۔

داروغہ۔ اور حضور سونی پڑا ہے۔اس سے کیا کم ہے۔

آغا۔ اور ہم کو سب سے زیادہ لطف بیچ میں آتا ہے۔واللہ کیا نادر لغت ہے۔سبحان اللہ۔بیچ۔!!!

مسخرہ۔ یہ رانڈ بیٹھے تھے اور سونی پڑا ہے۔اور بیچ سب سے بڑھ کر لطف منشی مہراج بلی کی سمجھ سے حاصل ہوا۔

نواب صاحب کوئی شعر پڑھنے کو تھے کہ داروغہ صاحب نے کہا اُغاہ آئیے حضور کہ اتنے میں منشی اختر صاحب تشریف لائے۔

آداب بجالاتا ہوں خداوند۔ اور صاحبوں سے بھی علیک سلیک ہوئی۔ نواب صاحب کی جانب مخاطب ہو کر پوچھا حضور کا مزاج تو اچھا رہا۔ عرصۂ دراز کے بعد زیارت ہوئی۔

محمد عسکری ایک آہ سرد بھر کر بولے' مزاج کی کچھ نہ پوچھو۔ ممنّ دیکھو یہ تخلیے کی صحبت ہے۔ خبردار کوئی بے اطلاع آنے نہ پاتے۔ اس کے بعد کل سرگذشت بیان کی۔ کہا کیا عرض کروں۔ منشی اختر صاحب ایک قتالۂ عالم نے بسمل کر دیا۔ نواب رونق جنگ کے ہاں گیا تھا۔ ان کی بیوی نے (سالی نے) ہمارے تئیں اندر ایک ضرورت سے بلوا بھیجا۔ وہاں ایک صورت ایسی دیکھی کہ جان نکل گئی۔ ؎

اے نوبہار سوچ میں ہوں میں کہ کیا کروں
کس گل بدن کو دوں مشابہت اس گلبدن کیساتھ

وہاں تو بات کرنے کا موقع نہ تھا۔ مخدرات اور خاتون کے سامنے چھیڑ چھاڑ کا کون محل تھا مگر جب وہ باہر نکلی تو میں بھی سائے کی طرح ساتھ ہولیا اور یہ شعر پڑھا۔ ؎

او جانے والے مڑکے ذرا دیکھ اس طرف
مانند سایہ ہم بھی ہیں تیرے قدم کے ساتھ

اختر نے کہا پیر و مرشد کیا کوئی زن بازاری ہے۔ کہیں کسی ماما یا مہری کی چھوکری پر تو حضور فریفتہ نہیں ہو گئے۔ یہ باہر نکلی کا فقرہ کیسا فرمایا۔ حضور نے۔ اس پر لوگ مسکرائے۔ مگر آغا محمد اطہر خوب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

نواب صاحب بولے بھئی عشق میں عقل کو کیا دخل ہے۔ یہ سوال کیسا کیا تم نے۔ اختر نے کہا بجا ہے بندہ نواز۔ عشق کو شعرا خرد سوز کہتے ہیں ـــــ ہاں اچھا۔ پھر اگر باہر نکلتی ہے تو کیا مشکل بات ہے ـــــ نواب صاحب نے فرمایا بھئی مشکل اندر مشکل است ـــــ۔ ایک تو اس کا نکاح ہو گیا ہے۔ دوسرے بڑے غضب کی بات یہ ہے کہ وہ اپنے میاں کو چاہتی ہے اور یہاں بے صبری ہے۔ ؎

تاب فرقت کی مرے جسم میں مختر میں نہیں
صبر کا دخل کہیں اس دل مضطر میں نہیں

بس یہی دل چاہتا ہے کہ وہ بغل میں بیٹھی ہو۔ اور اس زلف عنبر بار کی خوشبو سے ہمارا دماغ ہر دم معطر رہے۔ اختر نے کہا خداوند پھر اب اس قدر تو بندہ ضرور دریافت کرے گا کہ کون قوم ہے کہا چوڑی والی کی چھوکری دو بہنیں ہیں۔ دونوں پری تمثال مگر چھٹکی تو واقعی ایک چیز ہے۔ ؎

نسرین بہ چمن بر نہ دمد گر بدن ایں است باغنچہ صبا دم نہ زند گر دہن ایں است
یک دیدہ جلا یافتہ از نکہتِ یوسف صد دیدہ جلا یابد اگر پیرہن ایں است

اور بڑی بھی بڑی کلاں ہے۔ اس کا نام نازو ہے اور چھٹکی کا نام قمرن۔ یہ نام مجھے پہلے نہیں معلوم تھا۔ کیا پیارا نام ہے۔ نازو انوکھا نام سہی مگر کس پوچ کا نام ہے۔

اختر نے کہا حضور اس کی سند نہیں کہ حضور آپ ہی آپ دیکھ لیں۔ ان کو یہاں بلوائیے اور کہلا بھیجیے کہ چوڑیاں پہنانے کو بلایا ہے۔

آغا صاحب نے کہا وہ علانیہ ہر مقام پر اس طرح سے نہیں جاتی ہے۔ مگر ہاں دولت جنگ کے ہاں چلو وہاں آجائے گی۔ ان کے مکان کے سامنے ہی تو مکان ہے۔

اتنے میں میاں حسین علی واپس آئے اور یوں ہم کلام ہوے۔

خ۔ حضور وہ کام کر آیا۔ سلام کہا ہے۔

ن۔ خوش ہوئے وہ لوگ۔ اور کیا باتیں ہوئیں۔

خ۔ حضور پھر عرض کروں گا الگ چل کے۔

ن۔ کہو بھی یہاں کیا کوئی غیر ہے۔ کہہ ڈالو۔

آغا۔ ہم لوگوں سے کس بات کا پردہ ہے صاحب۔

داروغہ۔ بے تکلفی کے ساتھ کہو ڈرتے کیوں ہو۔

خ۔ حضور ایک رقعہ دیا ہے۔ حضور کے نام۔

ن۔ لاؤ لاؤ۔ کیا پڑھی لکھی بھی ہیں۔

مسخرہ۔ جی ہاں۔ یہ لیلاوتی اور دستور الصبیاں اور انوار سہیلی انھیں کی تصنیف ہے یا کسی اور کی۔ اب تھوڑے دن میں وہ لندن جاکے بارسٹری کا امتحان دیں گی۔

نواب صاحب نے رقعہ لے کر اس کو کئی بار چوما اور کھول کر پڑھا تو نوراً علیٰ نور۔

"نوواب صاحب ۔آددور ۔ ڈوب جاقم ریسلابکررہی ہے اورنواب صاحب کمالو مالکو دوادسی سکی اورجو کچھ موسمی ہمن کو بھیج تھیں سو وہ سب ہم ں سارے عاج حامکو۔ برع ارع کرکےتوم ہم سے مل ا ۔ام محال اورنعرون دواہی ساس گی اورحسین علی آدس احھ جھاں سگا

قم ریچوڑی والی

کل حاضرین جلسہ منتظر تھے کہ خط پڑھیں تو سُنیں ۔نواب صاحب نے خط پڑھ کر آغا صاحب کو دے دیا ۔

آغا ۔ اَیں ا ۔ ارے میاں بالکل بےنقط ۔

داروغہ ۔ حضور واقعی ایک نقطہ بھی قسم کو نہیں ہے ۔

مسخرہ ۔ تو یہ کہیے بالکل بے نقطہ سنائی ہیں ۔

آغا ۔ حضرت ہم سے ہرگز نہ پڑھا جائے گا ۔

ممن ۔ لائیے غلام زور لگاتے ۔شکست ہے ۔

آغا ۔ شکست اور نستعلیق دونوں سے الگ ہی رنگ ہے ۔

جھمن ۔ ع عاقلاں پیروی نقط نہ کنند ۔

ن ۔غور کرو بھئی اور اس کا مطلب ہمیں بتاؤ ۔

اختر نے القاب تو پڑھ دیا ۔ نواب صاحب بہادر نواب کی خرابی ۔نواب ۔ صاحب کی خرابی صاحبب ۔ اور یہ آدور تو اعلیٰ درجہ کا کلمہ ہے ۔یعنی آؤ۔ اور دور مطلب یہ کہ بہ جا ۔ ڈب جا ۔یعنی آبروریزی کر ۔مگر آ ۔ اور آگے پھر دور ہو ۔ آگے کسی سے نہیں چلتا ۔ قم رسلا مکر رہی ہے ۔ یہ کسی سے نہ پڑھا گیا ۔بہت غور کیا ۔

آغا ۔ ہم سے واقعی یہ رقعہ نہ پڑھا جائے گا ۔

مسخرہ ۔ کیا سنسکرت میں لکھا ہے حضرت ۔

آغا ۔ حرف تو اردو ہی کے سے ہیں زبان خدا جانے ۔

مسخرہ ۔ لاتیے میں کسی مغلیے کابلی سے پڑھوا لاؤں ۔

آغا ۔ کیا کابلی سنسکرت خوب پڑھے ہوتے ہیں ۔

مسخرہ ۔ جی نہیں خط بیشک پشتو میں لکھا ہوا ہے ۔

اختر۔ اہاہا۔ کیا پڑھا ہے۔ واللہ۔ قمرن سلام کر رہی ہے۔ سچ کہیے گا۔
ن۔ بھئی انعام کا کام کیا ہے واللہ۔
آغا۔ خوب ہی پڑھا۔ خوب پڑھا۔ ذہین آدمی ہیں۔
ن۔ اب پورا خط میاں اختر ہی پڑھ دیں گے۔
اختر۔ اور نواب صاحب۔ اور نواب صاحب۔ آگے آیت۔
راوی۔ سب نے مل کر زور لگایا مگر مطلب نہ حل ہوا آخر کار۔ اختر ہی نے مطلب نکالا اور پورا رقعہ یوں پڑھ دیا۔ اور نواب صاحب کی جان و مال کو دعا دیتی ہوگی۔ دعا کو دوا لکھا ہے۔ دیتی ہے کے بعد (گی) کیا خوب۔ خیر اور جو کچھ میوے تم نے ہمیں (کو) بھیجے تھے سو وہ سب ہم نے پائے (ہم نے پاتے) کی خرابی (ہم ن پیا اے) اے سبحان اللہ۔ آج شام کو ضرور ضرور کر کے تم ہم سے ملنا۔ امی جان اور نازو دعا بھیجی ہیں گی اور حسین علی آدمی (آدین) اچھا ہے گا قمرن چوڑی والی۔
ن۔ کارے کردہ۔ اور کسی سے نہ پڑھا جاتا۔
آغا۔ عاحا مکو۔ آج شام کو خوب ہی پڑھا۔
اختر۔ اور زرزع زرع عمر بھر کسی سے نہ ہو حل ہوتا۔
ممن۔ ام مجان اور لعروں یہ کیا ہے حضور۔ یہ اب تک ہماری سمجھ میں نہ آیا۔
اختر۔ ہجے کیجیے ہجے۔ جی یہ امی جان اور نازو ہے۔
ممّن۔ قہقہہ لگا کر۔ واہ رے بے تکے پن۔ حد کر دی۔
ن۔ حسین علی سے دریافت کرو کہ یہ لکھوایا کس سے تھا۔
منشی مہراج بلی صاحب نے کہ مشہور گول آدمی تھے۔ اپنے عشق کا ذکر کیا کہ میں تو اس کی بہن نازو کے ناز و ادا کا عاشق زار ہوں۔ نواب صاحب نے کہا خدا کرے کوئی شخص اس بڑھیا بے چاری پر بھی فریفتہ ہو جائے تو اچھی تنگ دُم ہو۔
مسخرے نے کہا بھلا نازو کا سن کیا ہوگا۔ آغا صاحب نے جواب دیا

یہی کو انیس بیس برس کا۔ پوچھا (اور منشی مہراج بلی کا صاحب سن کیا ہو گا؟) جوٹھا اچھی ہے۔ مگر نازو ان بڑھو کی طرف مخاطب ہو کر یہ شعر ضرور پڑھا کرے گی۔ ؎

کل وہ یہ بولی مجھ سے ہنس کر چاہ ارے کچھ کھیل نہیں
میں ہوں ہنسوڑا اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں

اسپر سب کے سب بے اختیار ہنس پڑے۔ اور منشی مہراج بلی صاحب گو جھیپ گئے مگر مسکرا دیئے۔

میاں اختر نے کہا حضور یہ ہنسوڑا اور مقطع ٹھیک نہیں یوں ہونا چاہیے ذرا غور فرمائیے۔ ؎

نازو یہ بولی ان سے ہنس کر بیاہ ارے کچھ کھیل نہیں
میں ہوں جوان اور تو ہے بوڑھا میرا تیرا میل نہیں

اس شعر نے وہ لطف دیا کہ پورے پندرہ منٹ تک سب کے سب لوٹن کبوتر بنے ہوئے تھے۔ اور دیر تک قہقہہ رہا۔ اکثر حاضرین لوٹنے لگے۔ نواب صاحب نے کہا حضرت مزہ آگیا واللہ ایک بار پھر فرمائیے گا۔ اختر نے شعر پڑھا۔ ؎

نازو بولی اُن سے ہنس کر بیاہ ارے کچھ کھیل نہیں
میں ہوں جوان اور تو ہے بوڑھا میرا تیرا میل نہیں

ن۔ ارے کی جگہ ابے ہو تو کیسا حضرت؟

اختر۔ بہت خوب تسلیمات عرض۔ جائے استاد خالی است۔ واقعی میں اچھی اصلاح دی۔

آغا۔ بلکہ۔ نازو یہ بولی ٹیپ لگاکر بیاہ ابے کچھ کھیل نہیں۔ چپتیائیے بھی ذرا۔

مسخرہ۔ پھر تو پورا شعر ہی نہ بدل دیا جائے۔ ؎

جوتا لے کر نازو بولی بیاہ ابے کچھ کھیل نہیں
دور ہو نگوڑے بوڑھے نکھٹو میرا تیرا میل نہیں

یہ شعر اور سب شعروں سے بڑھ گیا۔ اس کے سنتے ہی وہ قہقہہ پڑا کہ دور تک آواز گئی، اور منشی مہراج بلی جھیپ کے اٹھے اور جوتا پہن کر گھر جانے کا قصد کیا۔ مگر آغا محمد اطہر نے روک لیا اور کہا پہلے ان شعرا کو انعام دیتے جاؤ۔ پھر جانے کا نام لو۔ یہ لوگ تو آپ کی شان میں قصیدے موزوں کریں، اور

آپ بے صلہ دیئے ہوئے یوں چل دیں ۔ایسا ہرگز نہ ہونے کا بیٹھیے حضرت جانا چہ معنی دارد ۔

ممتن ۔ حضور مرزا دبیر صاحب مغفور کو خدا بخشے کیا بلیغ نکتہ پرور تھے تو ان کو خاقانی اور فردوسی سب پر افضل و اشرف سمجھتا ہوں فرماتے ہیں ۔ ؎

بجلی گرائی آگ لگائی رواں ہوئی   گرمی دکھائی خون میں نہائی رواں ہوئی
سوئے صف آئی کرکے صفائی رواں ہوئی   تن میں سمائی دل میں در آئی رواں ہوئی
یاں تڑپی واں گری ادھر آئی ادھر گئی
اس چال میں وہ موت کو بھی مات کر گئی

اتنے میں میاں جملو نے کہا پیرو مرشد آپ صاحبان کو یقین نہ آئے گا۔جناب نانا صاحبان مرحوم کا بند سناتا ہوں ۔حضور بڑے شاعر تھے واللہ پھڑک جائیگا۔

ممتن نے کہا یہ صاحبان کے لفظ نے تو جان ڈال دی آپ کے ان سخنان میں یار چے ہشواں ہو ۔

ہاں بسم اللہ آپ اپنے نانا صاحبان کے کلامان ہم سب دوستان کو سنائیے جملو نے کہا ۔ ؎

شہ گام اگر چلے کبھی یہ غیرتِ پری   غیرت سے کھائے توسن دارا سکندری
صرصر کی رہزنی ہے تو جنگ اس کی سرسری   چال اس کو کون کہتا ہے یہ ہے فسوں گری
آئینہ اس کے رُخ میں جو وا اپنا در کرے
یہ اس میں اپنے سائے سے پہلے گذر کرے

ن ۔ اور ہے یہ آپ ہی کے نانا کا کلام ۔

جملو۔ حضور ان کے ہاتھ بیاض میں موجود ہے ۔

داروغہ ۔ اور جو ہم منشی نولکشور[1] کے چھاپے کی کتاب دکھا دیں ۔تو کیا ہارتے ہو۔

جملو ۔ ناک ناک بدتے ہیں ۔آجاؤ نا ۔

داروغہ ۔ حضور بدلی ۔ مارو ہاتھ پر ہاتھ ۔بس ۔

---

[1] محسنِ اردو، منشی نولکشور مالک مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۵ء جنھوں نے فسانہ آزاد اور سیر کہسار شائع کیں انھیں کے ایما پر سرشار نے یہ کتابیں تصنیف کی تھیں ۔

مگر میں ناک اڑا دوں گا۔ حضور گواہ ہیں پیر و مرشد یہ بھی مرزا صاحب کا مرثیہ ہے[1] یہ داروغہ میر واجد علی صاحب کے ہاں پڑھا تھا۔ بڑے معرکے کی مجلس تھی۔ ؎

گلگونۂ شفق جو ملا حور صبح نے

اس کے کئی بند گھوڑے ہی کی تعریف میں مجھے یاد ہیں۔ ؎

شیریں ادا دہ رخش پری رو ہے زیر ران کوڑے کا دھیان لا کے جو راکب تو یہ کہاں
چلنے میں چھوڑ دیتا ہے یہ راہ آسماں یعنی کہ تازیانے کی صورت ہے کہکشاں
دم بھر بھی آشنا نہیں یہ غرب و شرق کا
دل سوز ہے ہوا کا ہوا خواہ برق کا

ن۔ اے صاحب منشی نولکشور صاحب کے ایجنٹ کے نام خط لکھ کر مرثیہ مرزا دبیر کا منگوا لیجیے نہ۔

داروغہ صاحب نے خط لکھا۔ کرم فرمائیے مخلصان، منشی نولکشور صاحب زادِ لطفہ۔ بعد اشتیاق ملاقات آنکہ یک جلد مراثی حضرت مرزا دبیر ؒ صاحب مبرور بزودی ہر چہ تمام تر ہمہ ست حامل رقعہ روانہ فرمایند۔ و در حساب یعنی کھاتہ حضور سرکار نام دار درج فرمایند۔ محررۂ بندۂ احقر محمد ظہیر الدین داروغہ سرکار نواب محمد عسکری صاحب بہادر صولت جنگ۔

آدمی کو حکم ہوا کہ منشی نولکشور صاحب کے چھاپے خانے دوڑ جاؤ اور کتاب جلد لاؤ۔ کوئی پون گھنٹے کے عرصے میں کتاب آئی۔

مرثیہ ہاتے مرزا دبیر کے آتے ہی سب کے سب اٹھ کھڑے ہوتے سب کی یہی خواہش تھی کہ ہمیں دیکھیں۔

داروغہ صاحب نے کہا حضور غلام کو حکم ہو تو ایک منٹ میں وہ بند نکال دے کہا بہتر۔ انھوں نے اختر سے کہا کہ آپ مرثیہ کا مصرعہ اولیٰ پڑھتے جائیے۔

---

[1] مرزا دبیر متوفی ۱۸ مشہور مرثیہ گو شاعر
[2] بادشاہ اودھ واجد علی شاہ کے عہد میں معزز عہدہ دار تھے۔

داروغہ صاحب نے کتاب نواب صاحب کے سامنے رکھ دی پڑھتے ہیں تو صفحہ ۳۰۹ میں وہ بند موجود ہے۔

شہ گام اگر چلے یہ کبھی غیرت پری
غیرت سے کھائے توسن دارا سکندری

آغا۔ ایں! ۔ ارے غضب اس قدر جھوٹ!

ن ۔ ارے بے شرم ذرا تو شرما۔ یہ بے شرمی۔

ممّن۔ جو اچھا کلام سُنا اپنے باپ دادا کا کہہ دیا۔

ن ۔ یہ ۱۱۷ بند میں یہ کیوں کر درج ہے ۔ یہ مرزا دبیر صاحب کے مرثیوں میں کہاں سے آگیا۔

مہراج۔ بس اب اس سے بڑھ کر جھوٹ اور کیا ہوگا۔

ن ۔ اس کا نام جھوٹ نہیں ہے بکوڑاپن کہتے ہیں۔

جملو۔ جس کا جو جی چاہے کہے خدا سمجھے گا۔

ن ۔ یار تم کبھی نہ جھینپو گے۔ بڑے بے شرم ہو۔

ممّن۔ بے شرموں کے قبلہ گاہ ہیں بے شرم کیسے۔

ن۔ ہائے کیا رباعی کہی ہے۔ واللہ قلم توڑ دیئے ہے

بیکس کا ہے غم نالہ و فریاد کرو　　اور دل کو ہر اک فکر سے آزاد کرو
اکبر کو اور اصغر کو کیا تم پہ فدا　　شبیر کے احسان ذرا یاد کرو

ممّن ۔ ہائے ہائے ۔ع

شبیر کے احسان ذرا یاد کرو

حضور زندہ کر گئے ماتم کہ مرزا[لہ] صاحب اور میر صاحب جب جلسہ برخاست ہوا تو نواب صاحب نے حسین علی خدمت گار کو بلوایا اور تخلیے میں پوچھا کہ کہو کیا کیا باتیں ہوئیں۔

حسین علی تو چاہتا تھا کہ نواب صاحب نام دار اس کے ذریعہ سے چوڑی والی

لہ مرزا سے مراد مرزا دبیر اور میر سے میر انیس

کو روپیہ اور فرماتشیں بھیجا کریں۔ پچیس روپے ایک روز پاتے اور جب میوہ لیکر گئے تو نصف پہلے ہی سے یاروں کا مال تھا اور کسی قدر چوڑی والی کی بوڑھیا نے دیا حسین علی کو یہ خوب معلوم تھا کہ نہ تو نواب صاحب پوچھیں گے کہ سیب کتنے عدد تھے انار کس قدر تھے۔ چلغوزے تھے یا نہیں تھے اور نہ چوڑی والی کہے گی کہ آپ کے یہاں سے بیس سیب اور دو سیر انار اور سیر بھر پستے اور اس قدر وہ آیا تھا۔ لہذا آدھی رقم تو انھوں نے پہلے ہی کھائی۔

نواب صاحب سے کہا حضور قمرن بہت ہی خوش ہوئیں مگر خداوند انار کے دانے کی کیا حقیقت ان کے رخساروں کے سامنے ایک انار انھوں نے تراشا تو میں نے خوب غور کر کے دیکھا کہ انار کا دانہ شرماتا تھا۔ نواب صاحب نے بہت خوش ہوکر کہا حسین علی ہو تو تم جاہل آدمی۔ پڑھے لکھے خاک نہیں ہو۔ مگر بھاری پرکھ کے ہم بھی قائل ہو گئے۔ ایسا جوبن ہے آج تک نہیں دیکھا ؎

کیا خدا داد حسن پایا ہے
آپ اللہ نے بنایا ہے

اور نازو بھی بُری نہیں ہے مگر اس پری کے مقابل میں نازو کیا پرستان کی پری بیٹھ جائے تو اس کی رنگت اس کے سامنے ماند ہو جائے۔ وہ حسن گلوسوز ہے۔ مگر ایسا نہ ہو کہ یہ سب لے دے کے دھتا بتائے تو پھر کچھ بنائے نہ بنے اور ہم اس شعر کے مصداق ہو جائیں ؎

کیا ملا ہم کو تیری یاری میں
دل ہے اب تک امیدواری میں

حسین علی نے کہا حضور وہ تو آپ تیار ہیں اگر اس کے میاں کو کچھ لے دے کے راضی کر لیجیے تو بات بن جائے اور یوں بھی ممکن ہے مگر عزت دار آدمی کو اپنا فضیحتا نہ کرنا چاہیے۔ میں پڑھا لکھا تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ لیکن فقیر محمد خاںؒ[1] کے یہاں دادا نوکر تھے اور ان کی صحبتیں غلام کو یاد ہیں۔ حضور بہت ہاتھ پاؤں بچا کے اس فعل کو کرنا چاہیے

---

[1] نواب فقیر محمد خاں گویاؔ۔ اودھ کی فوج میں رسال دار تھے اور خوشگو شاعر بھی۔

آئندہ حضور مالک ہیں اور تابعدار نوکر اور غلام ہے ۔

نواب صاحب اس تقریر سے بہت خوش ہوتے اور دل میں سوچنے لگے کہ وہ کون سی تدبیر ہے جس سے مطلب کا مطلب ہوا اور بدنامی بھی نہ ہوا اور کسی پر راز بھی ظاہر نہ ہو اور اس کا بھی پردہ فاش نہ ہونے پائے ۔ سوچے کہ اب آج سے کسی شخص سے اس کا ذکر نہ کریں گے ہم اور حسین علی باہم مشورہ کر کے کل کام انجام دے لیں گے اور کسی سے صلاح کی ضرورت نہیں ہے ۔

اوچھے کے گھر تیتر

ڈھائی اور ڈھائی پانچ سو نئے گھن کے چہرا شاہی روپے جو چوڑی والی کی بوڑھی ماں نے پائے تو سمجھی کہ قارون کا خزانہ مل گیا ۔ کم ظرف عورت ۔ منہاران چوڑی والی پانچ سو روپے کا ایک مشت پانا تھا کہ جامے سے باہر ہو گئی ۔ ع

ہوائیں بھر کے یہ کم ظرف بھی کتنا ابھرتے ہیں

جب نواب صاحب کا خدمت گار روپے دے کر روانہ ہوا تو بوڑھی عورت نے قمرن اور نازو دونوں کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا بیٹا چونگا کرے تو ایسا ۔ دو چار روپے ملے تو کیا ۔ کسے دن کھاوگی ایک ذرا سے چونگے میں پانچ سو کھنکھنانے لگے ۔ مگر ابھی اس سے اور لو ۔ دونوں ہاتھوں سے رولو ۔ اب کی جو آئیں تو قمرن تم خوب نکھر کے ان کے سامنے آنا اور تقریر ہم تم کو سکھا دیں گے اتنے میں قمرن کی خالہ زاد بہن آئی ۔ آن کے چوڑی والی کی ماں کے پاس بیٹھی ۔ اس کو ضبط کہاں ۔ روپے کی تھیلی میں سے بیس روپے نکالے اور ماما کو دے کر کہا ۔ جا اچھا سا گھی شاہ چھڑا کی گلی سے لا ۔ مگر اس مارواڑی کی دوکان سے لانا جو ہکلا کے بولتا ہے ۔ اس نے کہا بیوی مجھ سے تو اتی دور نہ جایا جا سکے گا ۔ میں تو راجہ کی بزار کے مارواڑی کی دکان سے تلوا لاتی ہوں ۔ اس پر ضعیفہ بہت ہی بگڑی ۔ روپے پھر تھیلی میں رکھے اور تھیلی کو ذرا زور سے تکیے کے نیچے رکھ دیا تاکہ کھنکھناہٹ کی آواز دور تک جاتے، اور کہا سن ماما ہم چوڑی والیاں ہیں بازار کی آنے جانے والی، اگر ماما نہ ہو تو ہمارا کوئی کام رک نہیں سکتا ۔ ہمیں اللہ نے روپیہ دیا ہے ہم ماما، چھوچھو، مغلانی پیش خدمت سب رکھ

سکتے ہیں نہیں تو ہماری سیکڑوں بہنیں ایسی ہیں جن کے یہاں ماما نہیں ہے ۔ تو یہ نکتوڑے کس پر کر رہی ہے ارے میں نے خدا جانے کیا گناہ کیسے تھے کہ تجھ ایسی ماما ملی میں تو اس قابل ہوں کہ وزیروں بادشاہوں کے یہاں ہوتی ۔ فارسی شُدمُد میں پڑھی ہوں ۔ کامدانی بنانا مجھے آتا ہے ۔ کاڑھنا مجھے آتا ہے ۔ کوئی منہارن میرا مقابلہ کیا کر سکتی ہے بھلا ۔ فارسی پڑھی ہوئی کون ہے ۔ اور روپیہ کی کمی نہیں ۔ (تھیلی کو کھنکھنا کر اب بھی اللہ کی عنایت سے ایک ہزار روپیہ دھرا ہے) ۔

قمرن کی خالہ زاد بہن کو حیرت ہوئی کہ یہ ایک ہزار روپے کی تھیلی اس کے پاس کہاں سے آئی ۔ اور بیس روپے کا ایک مشت گھی منگواتی ہے یہ اس قدر دولت کہاں سے اس نے پائی ۔

جب وہ چلی گئی تو ایک شخص نے آکے دروازے پر آواز دی اور کہا کہ بیگم صاحب نے یاد کیا ہے ۔ ضعیفہ نے اس کو اندر بلا لیا اس کے آتے ہی تھیلی نکالی ۔ اور ماما کو آواز دے کر بلایا ! اور کہا ماما جی ذری لپک کے چلی جاؤ اور یہ بیس روپے ہیں شاہ چھڑا کی گلی سے جا کے گھی لاؤ ۔ مگر اچھا گھی لانا ۔ ماما تو سکھائی پڑھائی تھی اس نے کہا بیوی وہاں تک جاتے جاتے تو ہم تھک جائیں گے ۔ ہم تو یہیں راجہ کی بزار والے مارواڑی سے لیتے ہیں ۔ ضعیفہ نے روپے تھیلی میں رکھ لیے اور تھیلی کو زور سے تکیے کے پیچھے رکھا ۔ یہ دوسرا مرتبہ تھا ۔ اس آدمی سے کہا آج تو میرے سر میں درد ہے بیگم صاحب سے کہہ دو کہ اگر ایسی ضرورت ہی ہے تو ڈولی پر سوار ہو کر چلی آئیں تو میں پہنا دونگی ۔

آدمی نے جو یہ گرما گرم فقرہ سنا تو آگ بھبھوکا ہو گیا ۔ اس نے کہا کیا کہا بیگم صاحب اور یہاں تشریف لائیں ۔ صحیح ہے اور ڈولی پر چڑھ کر آئیں تمھارے حواس میں فتور ہو گیا ہے چنو کی جورو ۔ اور اب پچھلے دن معلوم ہوتے ہیں تمھارے پچھلی مت اسی کا نام ہے بیگم صاحب اور یہاں آئیں ۔

ضعیفہ اس پر بہت بد دماغ اور برہم ہوئی اور کہا پچھلی مت تیرے ہوتوں سوتوں کی ہوے ۔ چل دور ہو یہاں سے ۔

اتنا سننا تھا کہ وہ آگ ہو گیا ۔ اس نے کہا تو عورت ہے تیرے منہ کون لگے کوئی مرد ہوتا تو اس وقت نکال کے جوتا اک بیس لگاتا ۔ ان سے ان سے کوتی پانچ چھ

منٹ تک تکرار رہی ۔ آخر کار وہ چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک مہری آئی ۔ آن کر کہا ۔ ہم منشی کے گھر میں نوکر ہیں تو ں چل کے چوریاں پہنائے دیو۔

ضعیفہ نے پوچھا کون منشی اس نے کہا ۔ منشی ہم کا ناؤں داؤں یاد نہیں ہے ۔ مُدامنسی کہت ہیں ۔ بھلا سا ناؤ ہے منشی مہراج دوں کا و مہراج بلی ۔ مہراج بلی۔

میاں چنو کی بیوی یعنی چوڑی والی کی ماں نے نازو سے کہا، مجھے پیاس لگی ہے ایک سیب تو تراش کے دینا ۔ وہ سیب تراشنے لگی تو کہا، سیب میں دیر ہو گی ذری انار کا ٹکڑا دے دو ۔ انار تراشا تو بولی چلغوزے لاؤ ۔ چلغوزے لانے ہی کو تھی کہ پھر حکم بدلا ۔ کہا کشمش پستے لاؤ ۔ اس اوچھے پن کے صدقے، اب مہری بیٹھی ہے مگر اس سے کوئی مخاطب نہیں ہوتا ۔ پھر تھیلی نکالی اور تیس روپے دے کر پھر وہی پرانی کہانی کہی ۔ اور ماما نے وہی جواب دیا ۔ تو وہ تو بندھی تلی چوٹین تھیں۔ مہری سے کہہ دیا کہ ہم کو کسی کو اس وقت فرصت نہیں ہے ۔

مہری نے کہا بھئی چلی چلو ۔ بڑا ضرورت کا کام ہے ۔ جو کہیو وہ دیں گے ۔ ضعیفہ بولی دینے لینے کی بات نہیں ہے ۔ مگر اتنی دور جایا کس سے جائے گا ۔ اس نے کہا دور نہیں ہے نگیچ ہے ۔ اور نہیں کہو تو ہمیں جاکے گاڑی کرایہ کر لاؤں ۔

نازو نے کہا اتی جان میں لپک کے ہو نہ آؤں ۔ ضعیفہ نے اجازت دی کہ اچھا ۔

مہری کے ساتھ بی نازو صاحب بصد ناز چلیں تو راستے میں مہری نے مٹھارنا شروع کیا ۔ وہ وہ سبز باغ دکھائے کہ نازو بھی جھانسے میں آگئی ۔ کہا جہاں تم میرے ساتھ چلتی ہو وہ دل کے چالانک (چالاک) ہیں ان کا گھر والا بڑا دینے والا آدمی ہے ۔ اور میہت (مفت) دیتا ہے ۔ اب تم کو دیکھیں گے اگر صورت اچھی لگی اور تمھاری کوئی بات کھپ گئی تو بس جیب سے دو چار روپیا نکالے اور تم کا دیدیئے اب چل کے دیکھ لیہو (دیکھ لینا)

نازو دل میں دعا مانگنے لگی کہ اللہ کرے نواب صاحب کے سے ہوں تو پھر لطف ہے ۔ اُدھر قرن ان کو لوٹے اِدھر میں ان پر کمل ڈالوں۔

منشی مہراج بلی نے ایک مکان اسی غرض سے کرائے پر لیا تھا ۔ اور وہاں محلے

کی ایک مفلس غریب ادھیڑ عورت بٹھا دی تھی۔ جب نازو مکان میں داخل ہوئی تو اس عورت کو چوڑیاں پہنائیں۔ اور دام لے کر چلی۔ تو منشی مہراج بلی صاحب نے باہر کے کمرے میں بلایا۔ اور کہا بی نازو صاحب ادھر تو آیئے۔ میں منشی ہوں اور نوابی کے وقت میں نوکر بھی تھا۔ مہری نے بات بنائی۔ نوابی مان اُمر (عمر) کا ہتی تھری۔ اس بے چاری کا بن ناہک (ناحق) کا بناوت ہے

مہراج بلی سمجھ گئے اور سنبھل گئے ہنس کر کہا ہم بڑے ہنسوڑے ہیں نازو مسکرائی اور بولی کہ کیوں نہیں حضور ہنستے ہی گھر بستے ہیں۔

کہا نازو میں سچ کہتا ہوں کہ میں بدوضع آدمی نہیں ہوں لیکن مگر حسن پرست ہوں۔ اچھی صورت دیکھی اور لٹو ہو گیا۔ تم بھی اللہ کے فضل سے خوب صورت عورت ہو تم پر ہمارا دل آگیا ہے۔

نازو دل میں تو خوش ہو گئی کہ مارا کمپا۔ مگر ظاہر داری کے لیے کہنے لگی۔ حضور مجھ بڑھیا پہ بھلا کسی کا دل کاہے کو آنے لگا۔ جوان ہوتی تو سب خریدار ہوتے۔

مہراج بلی ریشہ خطمی ہو گئے۔ نازو سے پوچھا کہ کھانے میں تم کو کون شے پسند ہے۔ اس کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا چھچھینڈرے۔

راوی۔ اہو ہو ہو۔ کیا کڑی فرمایش کی ہے۔

مہراج۔ چھچھینڈرے! اچھا چھچھینڈرے کا بھرتا پکوا کے بھیجیں گے اور آج ہی شام کو۔

مہری۔ چھچھینڈرے کا بھرتا نا ہیں۔ جو منشی کہو کا کچھ چیج (چیز) بھیجت ہے تو اچھی بھیجت ہے کہ بُری۔ ان کا ہم بتاتے دیئی۔ ان کا کلہ پکوا کے بھیجو۔

نازو۔ شیرمال اور کباب ہم کو بہت پسند ہے۔

مہراج۔ اچھا یہ بہتر ہے۔ علی بخش سے پکوا کے بھیجوں گا۔

نازو۔ اور ایک تھان گل بدن کا بھیج دینا۔

مہراج۔ جان حاضر ہے ایک تھان پر کیا فرض ہے۔

نازو۔ تو اب میں رخصت ہوں آپ سے۔

مہراج۔ اسے ہے۔ یہ ستم۔ ذرا تو بیٹھو صاحب۔

مہری ۔ اے تو جلدی کاہے کی پڑی ہے بیٹھونا ۔

مہراج ۔ ان کے واسطے گھر سے گلوریاں بنوالاؤ چھٹ پٹ ۔

نازو ۔ (کھڑی ہوکر) ہم یہاں اکیلے نہ بیٹھیں گے ۔

مہراج ۔ واہ وا ہم ایسے بھلے مانسوں کا اعتبار نہیں ۔!

نازو ۔ آگ پھوس کا ساتھ کیا ۔ میاں ۔ ہم بھی ماشاء اللہ سے جوان جہان ۔ آپ بھی جوان ۔ کوئی دیکھے گا تو کیا سمجھے گا ۔ میں ہرگز نہ بیٹھوں گی ۔

مہراج ۔ یہاں پر پرندہ پر تو مار نہیں سکتا ۔ مجال ہے ۔

نازو ۔ مفت مفت کی رسوائی اور جگت ہنسائی ۔

مہراج ۔ مہری تم جاؤ ۔ بڑی پھوہڑ عورت ہو تم ۔

نازو ۔ (مہری کا ہاتھ پکڑ کر) واہ کیا بھاگی تھیں ۔

مہری ۔ اے بیٹھو ۔ ہم ابھن آنت ہے (ہم ابھی آتے ہیں) ۔ دیا ۔ !!!

نازو نے مہری سے کہا دیکھو ابھی آنا دیر نہ لگانا ۔ جب تنہائی ہوئی تو مہراج بلی ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہو گئے ۔ اور کہنے لگے اگر ایک بوسہ دے دو تو جلا لو ۔ تم نے مجھے قتل کر ڈالا ۔

نازو نے کہا ہوش کی دوا کر مردوے بوسہ لینا کیا دل لگی ہے مزے میں آ گئے ۔

مہراج ۔ اچھا ایک بوسے کا جو کہو دیتے ہیں نقد ۔

نازو ۔ نقد نہیں تو کیا اُدھار ۔ نو نقد نہ تیرہ ادھار سنا نہیں ہے تم نے ۔

مہراج ۔ اچھا ایک روپیہ بوسہ دیتے ہیں ۔ کہو منظور ۔

نازو ۔ گیہوں منگواؤ اس روپیہ کے بیس سیر ۔

مہراج ۔ فی بوسہ ایک روپیہ تھوڑا ہوتا ہے ۔ اور جو سو بوسے لیں گے تو سو روپے ہو جائیں گے ۔

نازو ۔ اوئی !سو بوسے ! ۔ اب کیا دن بھر بیٹھی منہ چُموایا کروں گی ۔ الہٰی توبہ ۔

مہراج ۔ ہائے کیا فقرہ کہا ہے ۔ اب کیا دن بھر بیٹھی منہ ہی چُموایا کروں گی ۔ اس بھولے پن کے صدقے ۔

نازو ۔ (اپنے دل میں مسکرا کر) ؎

مجھ کو نادان نہ سمجھ دور رہوں دانا ہوں میں

مہراج ۔ اچھا کے بار منہ چموا ؤ گی ۔ بتا دو بس ۔

نازو ۔ پہلے جا کے منہ بنواؤ لالہ ۔ چومنے چلے ہیں ۔

مہراج ۔ ہم لالہ نہیں ہیں ۔ ہم تو جاٹ ہیں ۔

نازو ۔ جاٹ ! یا اللہ میرے اللہ ۔ ارے یہ بھی اس قدر کا اجڈ ہے ۔ اللہ تم جاٹوں سے بچائے ۔

مہراج ۔ یہ کیوں ۔ تو ہم ان اجڈ جاٹوں کی طرح نہیں ہیں جو اَن پڑھ ہوتے ہیں ۔ میں عالم فاضل ہوں ۔

نازو ۔ بوسہ تو نہ لینے دوں گی ۔ ہاں اگر بیس روپے بائیں ہاتھ سے گن کے رکھ دو، تو اتنی بات پہ راضی ہو جاؤں گی کہ دور سے ہاتھ سے گال چھو لو اور اپنے ہاتھ کو چوم لو ۔

مہراج ۔ اچھا یہی سہی ۔ ہوں راضی جس میں توری مرضی ۔ اب کب تک ترسائے رکھیو جی ۔

راوی ۔ اتنا اشارہ پانا تھا کہ مہراج بلی نے بڑھ کر ایک گال سہلایا ۔ اور اپنی انگلیوں کو چوم لیا ۔

مہراج ۔ اس بوسے کا مزہ کوئی ہماری زبان سے پوچھے ۔ ؎

بوسہ دو ہمیں بغیر مانگے

اتنی ہمت تمھیں خدا دے

نازو ۔ اور وہ بیس روپے تو لا تیے جا کے ۔ پھر باتیں بنا تیے گا ۔

مہراج ۔ اے ہے ۔ تقاضا کرتی ہو ۔ روپیہ ہاتھ کا میل ہے ۔ محبت عجیب شے ہے ۔ بیوی ۔

نازو ۔ خدا حافظ کہہ کر چلی ہی تھی کہ منشی مہراج بلی صاحب راستہ روک کر کھڑے ہو گئے ۔ بس اتنی ہی بات پر خفا ہو گئیں ۔ ناک بھوں چڑھا کر چلیں ۔ میں تو تم کو آزماتا تھا ۔ اس پر نازو مسکرائی ۔ اور کھڑی ہو گئی ۔

منشی مہراج بلی بڑے فقرہ باز آدمی تھے۔ وعدہ کر لینے کے حاتم مگر قول پورا اور وعدہ وفا کرنا سیکھا ہی نہ تھا۔

نازو۔ اے اب ہمیں دیر ہوتی ہے منشی صاحب۔

مہراج۔ اچھا آج شب کو ہم آئیں گے تو دیں گے۔

ن۔ السیٹھ کی بی نہ تم نے۔ بسم اللہ ہی غلط ہو گئی۔

مہراج۔ اچھا ایک بوسہ دے دو۔ ے

بوسہ بمن دادی ورنجیدۂ

نازستان گرنہ پسندیدۂ

نازو۔ بوسے کے بعد یہ دادی کیا کہا۔ دادی!۔

مہراج۔ بڑی شوخ ہو۔ جی چاہتا ہے کاٹ کھاؤں۔

نازو۔ ایں۔ چکت دینے لگے کٹو ناکتا ہے کہ آدمی۔

مہراج۔ تم اپنے دس روپے لوگی کہ کسی کی جان۔

نازو۔ ایں! دس روپے! یہ دس کیسے؟۔

مہراج۔ دس روپے کا وعدہ تھا یا کچھ اور۔

نازو۔ بڑے اٹھائی گیرے ہو تم، کہہ کے مکرنا کیا۔

مہراج۔ ارے نیک بخت آخر کیا وعدہ کیا تھا۔

نازو۔ بیس روپے کہا تھا کہ دس۔ مکر جاتے ہو۔

مہراج۔ اچھا بیس ہی سہی۔ بیس لو پچیس لو۔ تیس لو۔

الغرض منشی مہراج بلی نے بڑی حجت کے بعد ایک نوٹ بیس روپے کا دیا۔ اور کہا اس ایک نوٹ پر کیا فرض ہے جان تک حاضر ہے۔ نازو خوش ہو گئی۔ مہراج بلی نے چاہا کہ پھر ایک بوسے کا سوال کریں کہ وہ تیر کی طرح وہ پہنچی اور قسمیں دیکر کہہ گئی کہ آج شام کو ضرور آنا۔

اب سنیے کہ اس عرصے میں اس ضعیفہ دیرینہ روز نے کم سے کم پچاس آدمیوں کو وہ تھیلی دکھا کر مال داری کی لی۔ اور جب نازو بیس روپے لے کر آئی اور کل سرگذشت بیان کی تو اور بھی خوش ہوئی۔

مسٹر فریزر تباہ حال اور قیام نینی تال

حضرات ناظرین ۔ اس قصہ کو چھوڑ کر ذرا فریزر صاحب کا حال سنیے کہ ان پر کیا گذری۔

مسٹر فریزر صاحب اسسٹنٹ کمشنر بڑے خوش تھے کہ نواب صاحب کے ساتھ جائیں گے اور مفت کی سجی سجائی کوٹھی میں رہیں گے۔ ہینگ لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا۔ مگر یہ معلوم ہی نہ تھا کہ لینے کے دینے پڑیں گے ۔ یہ وہی مثل ہوئی کہ گئے تھے نماز بخشانے روزے گلے پڑے چھبے کا خیال کرتے ہی دوبے ہو گئے، چوبے جی ۔ کاٹھ گودام کے اسٹیشن پر پہنچے تو لدو ٹٹو ملے جو اس مثل کے مصداق تھے ۔ نو دن چلے اڑھائی کوس اور گاڑیاں سب کی سب پہلے ہی کرایہ ہو چکی تھیں ۔ انھوں نے اسٹیشن ماسٹر سے کہا کہ ہم بڑی خرابی میں پڑ گئے ۔ پہلے سے کوئی اہتمام نہیں کیا تھا۔ اب سر دست یہاں سواری کا کیا بندوبست کریں ۔ اس نے کہا نینی تال ایسے مقام میں جب آئے پہلے سے کل امور کا بندوبست کر لے ، ورنہ بڑی دقت ہوتی ہے ۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم اب کی دفعہ بڑا دھوکا اور چکما کھا گئے ، اب ایسا نہ ہونے پائے گا ۔ ہم ایک ہندوستانی کے کہنے میں آگئے بس مارے گئے اس نے ہم سے وعدہ کر لیا تھا کہ ہمارے ساتھ چلیے گا ۔ مگر عین وقت پر ہم کو دغا دیا۔ اب ھم ہندوستانیوں کے وعدے کو ہرگز ہرگز نہ مانیں گے ۔ ان کے فعل اور قول کا ذرا اعتبار نہ کرنا چاہیے ۔ خیر اب ہمارے لیے سواری کا کچھ بندوبست کیجیے ۔ اس نے کہا آپ ڈانڈی پر سوار ہو جائیں تو بہتر ہے ۔ اس سے بہتر اور کوئی ترکیب نہیں ہے ۔ ان لدو ٹٹوؤں پر آپ سے جایا نہ جائے گا اور بگھی آج اس وقت مل نہیں سکتی ۔

فریزر صاحب نے کہا ڈانڈی تو میموں کے لیے ہے یا بیماروں کے لیے ۔ ہم کو ڈانڈی پر جاتے شرم آتی ہے ۔

اسٹیشن ماسٹر ۔ تو اگر آپ ذرا تامل کیجیے ۔ تو میں اپنے بھائی کا گھوڑا ابھی منگوا دوں

فریزر ۔ بڑا احسان ہو گا میں تامل کروں گا

اسٹیشن ماسٹر ۔ میرے بھائی کے گھوڑے رانی باغ کے ڈاک بنگلے میں ابھی منگواتا ہوں ۔

فریزر۔ اچھا تو میں یہاں رفرشمنٹ روم میں ہوں۔
اسٹیشن ماسٹر۔ تو آپ تب تک اپنا اسباب تو روانہ کر دیں۔
راوی۔ صاحب نے کل اسباب اپنے نوکروں کی حفاظت میں قلیوں پر روانہ کر دیا۔
فریزر۔ آپ سے ہم کو بڑی مدد ملی۔ ورنہ پریشان ہو جاتے۔
اسٹیشن ماسٹر۔ آپ بڑے اطمینان سے جائیے گا۔ تیز گھوڑے ہیں۔
فریزر۔ ہم دونا تگنا کرایہ دیں گے مگر جلدی کرو۔
اسٹیشن ماسٹر۔ کرایہ کیسا وہ تو گھر کے گھوڑے ہیں۔
فریزر۔ معاف کیجیے گا۔ ہم سمجھے تھے گھر کے گھوڑے نہیں۔
دو گھنٹے کامل صاحب کو ٹھہرنا پڑا۔ اس عرصہ میں انھوں نے کھانا کھایا اور چرٹ پیا اور دو پائنٹ (اَدّھے) پہاڑی بیر شراب کے خالی کیے۔ اور ٹہلے مگر گھوڑا نہ ٹٹو۔ دو گھنٹے کے بعد یابو آیا یہ نہایت ہی بے چین تھے کہ اگر اندھیرا ہو گیا تو بڑا ستم ہوگا۔ یابو جاندار تھا پہاڑی جانور اور تیز رو اسٹیشن ماسٹر نے آن کر کہا کہ چلیے یابو آگیا۔ صاحب نے یابو دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔
فریزر۔ آپ کی مہربانی کا شکریہ ہم ادا نہیں کر سکتے۔
اسٹیشن ماسٹر۔ نہیں کوئی مہربانی نہیں۔ آپ کا ایڈرس کیا ہے۔
فریزر۔ (جیب سے کارڈ نکال کر) یہ موجود ہے۔
اسٹیشن ماسٹر۔ (پڑھ کر) آپ سویلین ہیں۔ اب آپ سوار ہوں۔
فریزر۔ ہم آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہے۔
اسٹیشن ماسٹر۔ اب جب آپ لوٹیں گے تو ہم ملیں گے۔
فریزر۔ بھلا ہم کب تک نینی تال پہنچ جائیں گے۔
اسٹیشن ماسٹر۔ اب (گھڑی دیکھ کر) گیارہ بج گئے ہیں۔ آپ کوئی شام تک پہنچیں گے۔ اور اگر کہیں ٹھہرے نہیں تو جلد پہنچ جائیں گے
فریزر۔ ہم کسی ڈاک بنگلے میں ضرور تھوڑی دیر کے لیے ٹھہریں گے مگر زیادہ دیر نہیں فقط چائے پینے کے لیے۔
اسٹیشن ماسٹر۔ تیز تیز جائیے جلد پہنچ جائیے گا۔

فریزر۔ پہلا ڈاک بنگلہ رانی باغ۔ دوسرا۔ دہ۔
اسٹیشن ماسٹر۔ مارٹن کا ڈاک بنگلہ۔ دو کوس ہے وہاں سے۔
فریزر۔ اور اس کے بعد پھر بیر شراب یعنی بیر بھٹی ہے۔
مسٹر فریزر صاحب اس یابو پر سوار ہی ہونے کو تھے کہ دو گھوڑے ان کو نظر آئے۔ ایک سبزی گھوڑی خاص عربی۔ اور ایک سمندِ سیاہ زانو گھوڑا۔ سوچے کہ یہ سبزی گھوڑی میں نے کہیں دیکھی ہے۔ مگر یاد نہیں آتا کہ کہاں دیکھی ہے۔ سائیس کو اشارے سے بلایا۔
فریزر۔ یہ گھوڑا کس کا ہے کہاں سے آیا ہے
سائیس۔ (س) ہجور یہ گھوڑی نکھلو کے نواب کی ہے۔
فریزر۔ کون نواب۔ نواب عالی قدر کا ہے۔
س۔ ہجور ناؤں تو نہیں آیا د ہے۔ ہم کو۔
فریزر۔ کوئی اس کے ساتھ آیا ہے کہ کھالی (خالی)۔
س۔ ہجور نواب نے ایک آدمی ساتھ کیا تھا۔ مدا وہ وہیں رہ گیا اور نواب بھی نہیں آئے۔ اور ہم گھوڑے لے کے آ گئے۔
فریزر۔ (دل میں) یہ محمد عسکری ہی کے گھوڑے ہیں۔
س۔ ہجور کو تو میں نے دیکھا ہے نکھلو میں۔
فریزر۔ ہمارے پاس بدھوا اور گھسیٹے اور جگئی اور سندر سائیس نوکر ہے۔ اور آغا کو چینی ہے۔ تم شاید نواب عسکری کا نوکر ہے۔
س۔ ہجور ناؤں آیا د نہیں رہتا۔ یہی ناؤں ہے
فریزر۔ نواب کیوں نہیں آیا۔ کیا سبب ہوا۔
س۔ ہجور ہم کو گھوڑے لے کر بھیج دیا ٹیسن پر اور ایک آدمی ساتھ بھیجا۔ بس پھر کیا جانے کدھر چل دیئے اور نواب صاحب نہیں آئے۔
فریزر۔ پھر اب تم کیا کرے گا۔ تم چلے نینی تال۔
س۔ اچھا جیسا ہجور کہیں۔ نہ ہمارے پاس کھرچ نہ گھوڑے کے دانہ گھاس ہم تو بڑی خرابی ماں پڑ گئے۔

فریزر۔ ہم خرچ دے گا۔اور دانہ گھاس کا دام۔
س۔ ہجور نواب کو بھی لکھ بھیجیں کہ گھوڑے یہاں ہیں۔
فریزر۔ ہم آج ہی تار دے گا۔ وہاں پہنچ کر۔
س۔ ہجور کے یہاں میرا بھائی بھی نوکر ہے گھسیٹے۔
فریزر۔ کیست گھوڑی پر ہے۔ تین برس سے ہے۔
س۔ ہجور چھ روپے طلب بھی تو دیتے ہیں اس کو۔
فریزر۔ اچھا ہم اب اس گھوڑی ہی پر جائے گا۔

اسٹیشن ماسٹر کو بلایا اور کہا ہمارے ایک دوست کے گھوڑے آگئے۔ اب ہم آپ کے یابو کو شکریے کے ساتھ واپس کرتے ہیں۔ اب ہم ان گھوڑوں پر جائیں گے۔

اسٹیشن ماسٹر نے نواب صاحب کے سائیس سے دریافت کیا کہ گھوڑے کبھی پہاڑ پر چڑھے ہیں۔

سائیس نے کہا ہجور کنڈیل کالم صاحب کی گھوڑی ہے اور چار برس سمل کے پہاڑ پر رہ چکی ہے۔ اور یہ گھوڑا ایک صاحب ہیں گھوڑ دوڑی ان کے ساتھ نینیا تال ہو آیا ہے۔

اسٹیشن ماسٹر فریزر صاحب سے کہا۔ بہتر ہے آپ جائیں۔ سائیس نے کاٹھی اور لگام سے گھوڑی کو لیس کیا صاحب سوار ہوئے اور چلے بیر کی بھٹی کے پاس اترے اور ڈاک بنگلے میں جا کر ہوسکی اور سوڈا پیا۔ اور تین انڈے ہاف بوائیلڈ اور ایک پیالہ چائے کا پیا۔ کسی قدر تھکے تھے آرام سے کرسی پر بیٹھ کر چرٹ پیتے ہوتے مسٹر جانس مہتمم ڈاک بنگلہ سے باتیں کرنے لگے۔

فریزر۔ (ف) آپ کتنے دن سے ہندوستان میں رہتے ہیں۔
جانسن۔ (ج) مجھے صرف دو برس کے قریب ہوتے کہ لندن چھوڑا ڈیڑھ مہینے مصر میں قیام کیا تب سے نینی تال پر ہوں۔
ف۔ اس فصل میں تو اچھی بکری ہوتی ہوگی۔ یہاں۔
ج۔ جی ہاں۔ خوب بکری ہو جاتی ہے اس فصل میں۔
ف۔ ہندوستانیوں کی خو بو سے تو آپ کم واقف ہوں گے۔

ج ۔ میں تال کے سوا اور کسی مقام سے واقف نہیں ہوں ۔ دو دو تین تین دن ادھر ادھر رہا ہوں ۔ صرف ۔

ف ۔ کون کون مقام آپ نے اب تک دیکھے ہیں۔

ج ۔ کلکتہ میں ایک ہفتہ رہا۔ مدراس میں دو دن ۔کشمیر میں ایک ہفتہ۔ بمبئی میں چار روز ۔ کراچی اور آگرہ اور بنارس اور لکھنؤ اور کان پور اور پونا اور شملہ اور دارجلنگ اور لاہور اور امرتسر اور اندور اور جے پور اور حیدرآباد اور پانڈےچری اور چندرنگر اور میسور اور بریلی اور ٹرچنا پلی اور الہ آباد اور کٹک اور پوری اتنے شہر دیکھے ۔

راوی ۔ کیسے خوش ہوتے دو برس سے کم زمانے میں تمام ہندوستان کی سیر کر لی ۔اب بتایئے کون مشہور مقام رہ گیا۔ واتے برحال ہم ہندیوں کے کہانس بریلی میں تمام عمر رہے ۔ اور نینی تال کی صورت نہ دیکھی ۔متھرا میں پیدا ہوتے اور متھرا ہی میں مرے، وہیں نال گھڑی اور وہیں لاش پھونکی گئی ۔مگر تاج بیبی کا روضہ نہ دیکھا نہ دیکھا جو دس قدم پر ہے ۔ ہم پختہ مغز اور تجربہ کار ہوں تو کیوں کر ۔کجا کشمیر اور کجا میسور ٹرچنا پولی کو دیکھیے اور لکھنؤ کو دیکھیے ۔ ان لوگوں نے اس سیاحی کی بدولت فائدہ عظیم حاصل کیا ۔ اور ہم لوگ بھی کس قدر وضع کے پابند ہیں کہ نواز گنج کے رہنے والے نرہی کے محلّے سے نہیں واقف ۔اور نرہی والوں نے نواز گنج کی صورت نہیں دیکھی وضع کی پابندی کے یہ معنی ہیں ۔ ان دونوں کا مکالمہ ذرا غور سے سنیے گا لائق سننے کے ہے ۔

ف ۔ ہم کو ہندوستانیوں سے ملنے جُلنے کا اتفاق ہوا ہے ۔ مگر ہم کو ان کی افسوس ناک حالت پر سخت رنج ہوتا ہے ۔ ان کی حالت واقعی قابلِ افسوس ہے۔ خدا جانے یہ کب ترقی کریں گے۔

ج ۔ انگریزی جہاں زیادہ ہے وہاں ترقی بھی زیادہ ہے ۔ مثلاً کلکتہ۔ بمبئی ۔ مدراس۔ حیدرآباد میں بہی چرچا ہے ۔

ف ۔ ان لوگوں کو ابھی تہذیب سے پوری واقفیت نہیں ہوتی ہے ۔ یہ بڑے افسوس کا مقام ہے ۔

ج ۔ آپ یہاں کہاں تعینات ہیں ۔

ف ۔ میں صوبۂ اودھ کا اسسٹنٹ کمشنر اور مہتمم خزانہ ہوں ۔ مجھ سے ایک رئیس نے وعدہ کیا تھا کہ ہم اور آپ ساتھ چلیں گے ۔ اسی سبب سے میں نے اپنے قیام کا انتظام بھی نہیں کیا کیونکہ انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے ایک دوست کی کوٹھی لے چکے ہیں اور وہ سجا بھی دی گئی ہے ۔ مگر چلنے کے وقت جب کہ ریل کے چھوٹنے کو کوئی آدھا گھنٹہ باقی رہا رُوپوش ہو رہے ۔ اور میرے ساتھ نہ آئے ۔

ج ۔ ریل پر سوار ہوتے کہ گھر ہی میں چھپ رہے ۔

ف ۔ کیا جانے کہاں چھپ رہے ۔ آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ نواب صاحب نے بے وقت کھانا کھایا تھا ۔ تو سو رہے وہ اب نہ جائیں گے ۔

ج ۔ (مسکرا کر) واہ کیا اچھا اور معقول عذر ہے ۔

ف ۔ اب میں سوچتا ہوں کہ میں اپنا کیا انتظام کروں ۔

ج ۔ ہوٹل میں جگہ مل جاتی گی مگر پہلے سے بندوبست کرنا اچھا تھا ۔ لیکن آپ تو ان کے بھروسے پر رہے ۔ ان کو لازم تھا کہ کوٹھی کا بندوبست کر دیتے ۔

ف ۔ گھوڑے یہاں آگئے ہیں ۔ یہ گھوڑی انھیں کی ہے ۔

ج ۔ یہاں کیونکر آگئے ۔ کیا پہلے سے بھیجے تھے ۔

ف ۔ نوکروں کو حکم دیا کہ جا کے اسٹیشن پر گھوڑے روانہ کرا دو ہم وقت پر صاحب کے ساتھ آئیں گے ۔

ج ۔ خود گھر میں رہے اور گھوڑے نینی تال پہنچے ۔

ف ۔ (ہنس کر) اسی کا نام مرہٹی گھس گھس ہے ۔

ج ۔ کیا شراب پیتے ہیں ۔ شرابی آدمی ہیں ۔

ف ۔ نہیں ایک قطرہ نہیں چھوتے ۔ مگر ہندوستانیت ۔

ج ۔ کیا سب ہندوستانیوں کے یہاں یہی حال ہے ۔

ف ۔ عموماً سب ہندوستانیوں کا یہی حال ہے ۔ نہ بات کا خیال اور نہ قول کا خیال ۔ کہیں کچھ اور کریں کچھ احتیاط تو جانتے ہی نہیں کہ کس کو کہتے ہیں ۔

الغرض بعداس گفتگو کے مسٹر فریزر صاحب روانہ ہوئے۔ اور شام کے وقت نینی تال میں داخل ہوئے۔ پہلے کمایوں ہوٹل کے منیجر سے ملے۔

ف۔ آپ کے ہوٹل میں ایک بورڈ کی جگہ ہوگی؟

منیجر۔ (م) افسوس ہے کہ کوئی کمرہ بھی خالی نہیں ہے۔

ف۔ اور کسی ہوٹل میں جگہ ملے گی آپ کے نزدیک۔

م۔ آجکل تو دقت سے جگہ ملے گی۔ آل بین ہوٹل جائیے۔ شاید وہاں جگہ خالی ہو۔

ف۔ آلبین ہوٹل۔ اچھا یہ ہوٹل کس طرف ہے۔

م۔ سیدھے چلے جائیے۔ سائین بورڈ دیکھ لیجیے گا۔

فریزر صاحب آلبین ہوٹل آئے منیجر سے ملاقات کی۔

ف۔ ایک بورڈ کی جگہ خالی ہوگی آپ کے ہاں۔

م۔ افسوس ہے کہ آج ہم تین جنٹلمینوں کو جو بالکل اجنبی ہیں یہاں نہ ٹکا سکے۔ کئی دن سے مسافر اس کثرت سے بھرے ہیں کہ نئے مسافروں کو جگہ نہیں دے سکتے۔

ف۔ اور کوئی ہوٹل ایسا ہے جہاں غالباً جگہ مل جائے۔

م۔ وہ سامنے پیرس کا ہوٹل ہے وہاں جائیے۔

پیرس کے ہوٹل گئے تو ایک میم صاحب آئیں۔ انھوں نے کہا بڑا افسوس ہے کہ ہم آج آپ کے واسطے کچھ نہیں کر سکتے۔ ایک ایک کمرے میں دو دو مسافر ہیں۔

انھوں نے کہا ہم بڑی خرابی میں پڑ گئے کسی ہوٹل میں جگہ نہیں ملتی میم صاحب نے کہا کلن کے ہوٹل میں دیکھیے یہ وہاں سے کلن کا ہوٹل پوچھتے ہوئے چلے۔ اور کلن کا ہوٹل آسمان سے بھی اونچا۔ بعد خرابی بصرہ پہنچے تو وہاں بھی کلن نے کہا حضور اتنی کثرت ہے کہ دو دو صاحب لوگ ایک ایک کمرے میں رہتے ہیں اور باورچی خانہ تک خالی نہیں ہے ایک گورا جو باجا بجاتا ہے۔ باورچی خانے میں اتر پڑا۔ اور خیموں میں کھانا پکتا ہے۔ آلبین ہوٹل گئے تھے آپ۔ کہا۔ ہو آیا۔ کمایوں ہوٹل ہو آیا۔ آپ ہل صاحب کے ہوٹل جائیے یہاں سے ہل صاحب کا ہوٹل پوچھتے ہوئے چلے۔ وہاں پہنچے خانساماں سے دریافت کیا۔ ہمارے ٹکنے کا ٹھکانہ ہے۔

وہ کانوں سے اونچا سُنتا تھا ان کا کہنا اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

اس نے استفسار کے طور پر دریافت کیا (ہاں صاحب)؟۔ یہ سمجھے کہتا ہے ہاں جگہ خالی ہے۔ کہا صاحب کو سلام دو۔

مینیجر نے آن کر گڈ ایوننگ کے بعد یہ مژدہ سُنایا کہ ایک ہفتے سے ہمارے یہاں تل رکھنے کی جگہ نہیں ہے۔ بڑی کثرت مسافروں کی ہے۔ کل بھی لوگ پھر گئے۔ پرسوں بھی پھر گئے۔ جگہ ہی نہیں ہے آپ ڈاک بنگلے جائیے۔

یہاں سے ڈاک بنگلے چلے تو نواب صاحب کو اپنے دل میں دعائیں دیتے جاتے تھے۔ ڈاک بنگلے میں بھی ٹکا سا جواب ملا جلّ جلالہٗ اب سخت مصیبت میں مبتلا ہوتے سوچے کہ اب بغیر اس کے کہ حکومت کے ذریعہ سے آرام لے اور کوئی وسیلہ کارگر نہ ہوگا ان کی حکومت وہاں یعنی چہ نینی تال کے انسپکٹر کے پاس چلیے۔

الغرض مسٹر فریزر صاحب پوچھتے پوچھتے نینی تال کے سول افسر اعلیٰ کی کوٹھی پر گئے۔ کارڈ بھیجا۔ تو صاحب اسسٹنٹ کمشنر جو سول افسر نینی تال تھے باہر نکل آئے اور مصافحے کے بعد یہ گفتگو ہوئی۔

ف ۔ اس وقت میں آپ کے کسی کام میں حارج تو نہیں ہوا۔

کمشنر۔ (ک) مطلق نہیں میں آپ کی ملاقات سے خوش ہوا۔ جو کام میرے قابل ہو فرمائیے۔

ف ۔ میرے ٹکنے کا بندوبست کر دیجیے بس۔

ک ۔ اور آپ کیا آج ہی چلے آتے ہیں۔

ف ۔ کسی ہوٹل میں جگہ نہیں ملی، ایک ہندوستانی دوست کی بدولت مجھے یہ تکلیف ہوئی۔ خیر اس کا ذکر مفصل پھر کیا جائے گا۔ کہیں بیٹھنے کا تو ٹھکانا ہو جائے۔

ک ۔ ہوٹل میں تو جگہ نہیں مل سکتی۔ مگر آپ کو ایک کوٹھی دلوا سکتا ہوں۔ اس میں دو جنٹلمین رہتے ہیں اور آپ کی بھی گنجائش ہو جائے گی میں آپ کو چٹھی لکھے دیتا ہوں اور میرا آدمی آپ کے ساتھ جائے گا۔

ف ۔ میں آپ کا شکرگزار ہوا۔ بڑی پریشان ہے طبیعت۔

صاحب سول افسر نے ایک چٹھی لکھی اور مسٹر فریزر صاحب کو دی اور کہا کل شام

کو مہربانی کرکے آپ کھانا میرے ساتھ ہی کھائیے گا اور میں پانچ بجے آپ سے ملوں گا۔

خط لے کر فریزر صاحب رخصت ہوتے صاحب کا چپراسی ساتھ تھا اس نے کوٹھی میں جاکر مسٹر جیکب صاحب سے کہا کہ صاحب نے ایک صاحب کو بھیجا ہے جیکب صاحب باہر آتے۔

جیکب۔ (ج) گڈ ایوننگ۔ کیا حکم ہے۔

ف۔ چٹھی پاکٹ سے نکال کر دی۔

ج۔ (پڑھ کر) آئیے میں مکان دکھا دوں۔

ف۔ مجھے بے دیکھے پسند ہے ٹکنے کا ٹھکانا تو ہو کہیں۔

ج۔ وَل ہمیں تعجب ہے کہ آپ نے پہلے سے بندوبست نہ کیا۔

ف۔ میں اس کا مفصل حال آپ سے عرض کروں گا۔

ج۔ تو آپ اپنا اسباب اتروائیے۔

ف۔ اسباب کا تو پتہ ہی نہیں ہے۔

ج۔ (آدمی کو بلا کر) بازار میں جاکر دیکھو صاحب کا اسباب کہاں ہے۔ جلدی ڈھونڈ کر لاؤ۔

الغرض جیکب صاحب نے ان کو ایک عمدہ جگہ دی۔ اور فریزر صاحب نے بڑی خوشی کے ساتھ ان کا شکریہ ادا کیا۔

دوسرے روز فریزر صاحب اور جیکب صاحب سے جو گفتگو ہوئی، تو فریزر صاحب نے نواب محمد عسکری کی وعدہ خلافی اور بے اعتنائی کی بڑی شکایت کی، اور کہا کہ اب ہم کو ہندوستانیوں کے قول کا عموماً اعتبار جاتا رہا۔ ان کے سبب سے ہم کو سخت تکلیف اور پریشانی ہوئی۔

شام کو اس روز اتفاق سے موسلا دھار مینہ برسا اور صبح تک لگاتار برسا کیا۔ جس مکان میں ٹکے تھے اس کے دو کمرے بے مرمت تھے ایک وہ جس میں اُن کا بڈروم تھا دوسرے وہ جو ان کا ڈرائنگ روم تھا۔ کبھی ادھر سے مسہری اٹھا کر ادھر رکھی کبھی اُدھر سے اِدھر پھر دوسرے کمرے میں گئے وہاں بھی خوب بھیگے رات بھر سخت پریشانی اور تکلیف میں رہے اور محمد عسکری کی جان وبال کو

دعا دیتے گئے۔

صبح کو مکان کی تلاش میں پھر سرگرداں وحیران چلے۔

نواب صاحب کا دربارِ دُربار

نواب بلال رکاب کے دربارِ دُربار میں مصاحبین کی خوش گپی اور فقرہ بازی ہوتے ہوتے چار بجے کے وقت نواب صاحب کو یاد آیا کہ معشوقہ قمر طلعت نے پیام بھیجا ہے۔ ہزار کام چھوڑ کر وہاں جانا ہے۔ اب سونے کے چھڑوں کی فرمایش بھی پوری کردی۔ اب کیا کہنا ہے۔ پوبارہ ہے۔ مارلیا ہے۔ پالا جیت لیں گے۔ آج شام کو خوب مزے اڑیں گے۔

اتنے میں مسخرہ جو کسی ضرورت سے گھر چلا گیا تھا دوڑتا اور ہانپتا ہوا آیا اور کہنے لگا حضور کچھ سُنا۔

سب کے سب ہمہ تن گوش ہوکر منتظر تھے کہ سنیں کیا امرِ نادر الظہور واقع ہوا ہے۔ مسخرے نے کہا خداوندا ایک شخص نے مجھ سے کہا ہے کہ لوہے کا پل بہہ گیا۔ میں جو دوڑا ہوا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دریا کا دریا بھاگا چلا جاتا ہے۔

اس پر مہاراج بلی نے حیرت کے ساتھ کہا کیا؟ دریا بھاگا جاتا ہے۔ اِس کے کیا معنی ہ۔

مسخرے نے کہا حضور اس کے کیا معنی۔ دریا بھاگ گیا۔ کسی بات پر خفا ہوگیا۔ بس بھاگ کھڑا ہوا دریا ہی تو ہے۔

مہاراج بلی بولے بھئی ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ لوہے کا پُل بہہ گیا تو خیر بہہ گیا۔ مگر یہ دریا کا دوڑنا اور بھاگ جانا کیا معنی۔

مہاراج بلی گول آدمی تھے ہی، اس مذاق کو ذرا نہ سمجھے اور لڑنے لگے۔ محمد عسکری نے ان سے بڑی بحث کی کہ دریا کا بھاگ جانا کون جائے استعجاب ہے۔ اس پر یوں گفتگو ہونے لگی۔

نواب۔ منشی مہاراج بلی کو بھی عقل سے دشمنی ہے۔
مسخرہ۔ اگلے وقتوں کے لوگ ہیں سیدھے سادے۔

جھمن ۔ حضور سُنا میاں الماس پر زنا بالجبر کا مقدمہ دائر ہوا ہے۔ نہیں معلوم اس کی اصلیت کیا ہے۔

نواب ۔ میاں الماس کون وہ خواجہ سرا یا کوئی اور۔

جھمن ۔ جی ہاں حضور سُنا لندھن سے بارسٹر بلوائے گئے ہیں۔

نواب ۔ بڑا روپے والا آدمی ہے صاحب لکھ پتی ہے۔

مہراج ۔ میاں الماس خواجہ سرا پر اور زنا کا مقدمہ۔ غلط ہے، یہ ہو نہیں سکتا۔ کسی نے گپ اڑا دی ہے۔

داروغہ ۔ نہیں صاحب گپ نہیں ہے۔ میں تصدیق کرتا ہوں۔

مہراج ۔ میاں خواجہ سرا پر اور یہ مقدمہ کتنے عقل مند ہو۔

راوی ۔ عقل کا تو حضور ہی پر خاتمہ ہو گیا ہے بس۔

مہراج ۔ ایسا ویسا ہو تو تمھارے چکمے میں آجائے۔

راوی ۔ آپ کا سا گھاگ گرگِ باراں دیدہ، اور چکمے میں آجائے۔ ع
ہر کس بہ خیالِ خویش خبطے دارد

ممن ۔ عجیب نہیں کہ دور دور سے لوگ گواہی کے لیے بلوائے جائیں۔ اور سنا ہے کہ اس میں ٹھاکر بھجن سنگھ کی بھی گواہی ہوگی۔

اختر ۔ وہ تو کل مر گئے۔ انھوں نے ہیضہ کیا خداوند۔

مسخرہ ۔ کل مر گئے۔ کل کیوں کر مر سکتے تھے بھلا۔

نواب ۔ کیوں کیا کوئی سرکلر جاری ہو گیا ہے کہ کل کوئی شخص نہ مرنے پائے، ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

مسخرہ ۔ حضور کل بدھ کا دن تھا پھر بدھ اور جمعرات کے دن بھی کوئی مرا ہے۔ آج تک اور اب سرکار کے حکم سے ڈھنڈھورا پٹ گیا ہے کہ خبردار جمعرات اور بدھ کو کوئی نہ مرے اور اگر معلوم ہو کہ کوئی مرنے والا ہے، تو فوراً پولیس کا پہرہ بٹھا دیا جائے۔

حسین علی خدمت گار نے چپکے سے عرض کیا حضور یاد ہو گا کہ قمرن نے حضور کو بلایا ہے۔ میں نے کہا یاد دلا دوں۔

نواب صاحب نے کہا تم تو پاگل ہو ارے یہ بات بھی بھلا کہیں بھول سکتی ہے ۔

مہراج بلی نے نواب صاحب سے اپنے اور نازو کے عشق کا حال نہیں کہا تھا اُدھر وہ اس فکر میں کہ کہیں شام ہو تو دیدار نصیب ہو ۔ ادھر یہ دعا مانگتے تھے کہ یا خدا آفتاب غروب اور ماہتاب طلوع ہو تو چاند سا مکھڑا دیکھنے میں آئے ۔

مہراج ۔ اس وقت نواب صاحب کسی فکر میں ہیں شاید ۔ واللہ چہرے سے ثابت ہو رہا ہے ۔ ؎

پاتے ہیں ہم کچھ انتظار کے طور
رُخ ہے میری طرف نظر کہیں اور

ن ۔ میاں کچھ پوچھو نہ بس عجب گومگو ہے ۔

ممن ۔ حضور یہ کوچہ ہی ایسا ہے ۔

اختر ۔ مگر ہمارے سرکار اس کوچے سے خوب واقف ہیں ۔ ؎

کوچۂ عشق کی راہیں کوئی ان سے پوچھے ۔
خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے والے

داروغہ ۔ خداوند یہ سب باتیں ہیں ۔ خوشامد ہے ۔

مہراج ۔ خوشامد کیسی سچ کہتے ہیں میاں اختر ۔

داروغہ ۔ ہاں سچ ہی ہو گا ۔ بندہ حجت نہ کرے گا ۔

ن ۔ یعنی اس میں آپ کو شک ہے کہ ہم عشق کے کوچے سے واقف نہیں ہیں ۔ ہم سے بڑھ کر کوئی دکھا دو تو جانیں ۔ میں تو بانی کار ہوں اس فن کا ۔

ممّن ۔ کوئی شک نہیں ۔ خدا گواہ ہے کوئی شک نہیں ۔

ن ۔ ہم برسوں اس فن کو سکھا سکتے ہیں صاحب ۔

اختر ۔ حق ہے اس سے جو انکار کرے وہ احمقِ مطلق ۔

ممّن ۔ حضور یہ اللہ کی دین ہے ۔ جس کو چاہے دے ۔

اختر ۔ کیا بات کہی ہے کیا بات پیدا کی ہے ۔

داروغہ ۔ حضور اس کوچہ کی ٹھوکریں ستم ڈھاتی ہیں ۔

ن ۔ ہاں پھر اس میں کیا جائے گفتگو ہے ۔ بُرا کوچہ ہے ۔

ممن نے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ خداوند اس وقت ایک خبر سنی ہے۔ واللہ اعلم سچ ہے کہ جھوٹ۔ مگر سُنا شہر بھر میں مشہور ہو گئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ پرسوں خواجہ آتش صاحب نے انتقال فرمایا۔

مسخرہ۔ خواجہ آتش صاحب کا انتقال کرنا تو جائے استعجاب نہیں ہے کیونکہ بوڑھے آدمی تھے کوئی پچیس چھبیس برس کا سن تھا اور تنفس کے مرض مہلک میں مبتلا تھے۔ مر گئے مر گئے۔ ان کو کہیے ابھی اٹھتی جوانی کم سن آدمی آج صبح کو باتیں کرتے کرتے مر گئے۔

مہراج۔ کون کون یار یہ مرنے کی خبریں بُری۔

مسخرہ۔ اے یہی نام ہے۔ توبہ بھولا جاتا ہوں۔

ممن۔ ہم نے خواجۂ آتش کے مرنے کی خبر سنی تھی آپنے کس کے مرنے کی خبر سنی خدا خیر کرے۔

مسخرہ۔ اور عین جوانی کی حالت میں۔ ع

ایں ماتم سخت ست کہ گویند جواں مرد

اختر۔ تو جناب نام تو فرمائیے۔ کون صاحب مر گئے۔

مسخرہ۔ اجی یہی شیخ مصلح الدّین سعدی شیرازی علیہ الرّحمتہ۔

مہراج۔ کون! شیخ سعدی مر گئے! کون شیخ سعدی۔

مسخرہ۔ شیخ سعدی بھی کئی تھے۔ کہنے لگے کون شیخ سعدی۔

مہراج۔ گلستان والے شیخ سعدی۔ گلستاں بوستاں کے مصنف؟

مسخرہ۔ جی بیٹھے بیٹھے باتیں کرتے کرتے دم ٹوٹ گیا۔

مہراج۔ آج شیخ سعدی مرے۔ یہ آج کیونکر مر سکتے تھے۔

مسخرہ۔ بجا۔ کیا آج کسی کو مرنے کا حکم نہیں ہے۔

ممّن۔ جی ڈھنڈھورا پٹ گیا ہے کہ آج کوئی مرے تو اس کو پھانسی دے دی جائے۔

اس پر قہقہہ پڑا۔ مگر مہراج بلی صاحب کو شیخ سعدی کے مرنے اور اس حکم کو سننے سے بڑی حیرت ہوئی۔

مہراج۔ بھئی ہماری سمجھ میں آج کی گفتگو نہیں آتی۔ شیخ سعدی نے آج انتقال

کیااس کے کیا معنی ۔ اور یہ ڈھنڈھورا پیٹا گیا کہ کوئی مرنے نہ پاوے اور جو کسی کا دم نکل جائے ۔

مسخرہ ۔ تو کیا ۔ فوراً پھانسی ہو گی ۔ حکم حاکم مرگ مفاجات ۔ مرکیونکر سکتا ہے کوئی ۔ گورنمنٹ کے حکم کے خلاف کوئی کچھ کرسکتا ہے ۔

مہراج ۔ تو موت سے بھی گورنمنٹ لڑسکتی ہے کیا ؟

مسخرہ ۔ موت کے باپ سے لڑسکتی ہے ۔ گورنمنٹ ہے کہ کھلونا ۔

ممن ۔ شیخ سعدی کے مرنے کا ہمیں بڑا رنج ہوا ۔

ن ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن ۔

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
زجام مرگ مے کُلُّ مَن عَلَیہَا فَانٍ

ممّن ۔ کیوں حضور جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ انسان فانی ہے اور موت ایک روز سب کو آنی ہے کیا یہ صحیح ہے کیا سب کے سب مرجائیں گے اور اس دار دنیا کو خالی کر جائیں گے ۔

اختر ۔ اجی سُنا کرو یہ سب گپیں ہیں موت کی ایسی تیسی ۔

مہراج ۔ یہ گپیں نہیں ہیں کہیں گپ کے بھروسے بھی نہ رہنا ۔

ن ۔ تو شہر بھر کے آدمی آپ کے نزدیک مرجائیں گے ۔

مہراج ۔ (مُسکراکر) تم لوگ واللہ جاہل سے بدتر ہو ۔

نواب ۔ ارے واللہ ظالم تو تو کہتا ہے کہ سب کے سب مرجائیں گے ۔

مہراج ۔ کتنے سیدھے اور پاگل ہو ۔ مرجائیں گے نہیں تو کہاں جائیں گے ۔ آپ ابھی تک موت کے قائل ہی نہیں ہیں ماشاء اللہ ۔

اختر ۔ موت تو لوگوں کو آتی ہے اور آتی رہے گی ۔ مگر آپ تو ایک سرے سے تمام دنیا کو مار ڈالتے ہیں ۔

مہراج ۔ افسوس کا مقام ہے واللہ یہ غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے ۔ ایک متنفس ایسا نہیں ہے جو بچ جائے گا ۔

نواب ۔ آپ کی ایسی تیسی آپ خود مرجائیں گے ۔

مہراج ۔ اور آپ کیا بچ جائیں گے ۔ بجایہ پہرے والے اور داروغہ اور میاں ممّن آپ کو موت سے بچالیں گے، یہ خیال دل سے دور رکھیئے حضور۔

ن ۔ موت موت واہیات ہلڑ مچا دیا ہے۔

مہراج ۔ اچھا جب آئے گی تو قدر عافیت معلوم ہو جائے گی ۔ موت برحق ہے ایک دن مرنا ضرور ہے ۔

اختر نے ممن کے کان میں کہا سچ کہنا اتنا بڑا گو کھا بھی کہیں دیکھا ہے ۔ آپ لڑ رہے ہیں کہ انسان ضرور فانی ہے اور حجت کر رہے ہیں کہ دنیا کے سب آدمی مریں گے ۔ اس عقل کے صدقے ۔

ممّن ۔ فرمائشی پاگل ہے لاکھوں میں ایک ۔

اختر ۔ پوچھیے یہ کون نہیں جانتا کہ آدمی فانی ہے ۔

ممّن ۔ اور شیخ سعدی کے مرنے پر کیا چونکے ہیں ۔

اختر ۔ جی ہاں بہت حیران تھے کہ یہ کیا ہوا ۔

ممّن ۔ جس وقت عقل تقسیم ہوتی تھی یہ غیر حاضر تھے ۔

اختر ۔ منزلوں ان کا پتہ نہ تھا بالکل گول آدمی ۔

مسخرہ ۔ حضور ایک شعر مجھ کو یاد ہے ۔ امانت نے کہا ہے ۔ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

مہراج ۔ یہ امانت کا کلام ہے سبحان اللہ امانت کا کلام نہیں ہے سعدی نے کہا ہے ۔

داروغہ ۔ جی ہاں یہ تو گلستاں میں موجود ہے جناب ۔

مہراج ۔ کہتا کیا ہوں ۔ امانت کی تو اندرسبھا ہے

مسخرہ ۔ اندرسبھا ہی کا تو شعر ہے یہ ۔ سبز پری کے بیان میں ۔

مہراج ۔ کچھ پاگل ہو گئے ہو ۔

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرمان نہ بری

ن ۔ ہاں ہاں یہ گلستاں کا شعر ہے ہم نے پڑھا ہے ۔

مسخرہ۔ تو شیخ سعدی فارسی کیا جانیں وہ تو اردو گو تھے۔

ن۔ ہاں یہاں پر ہم بھی قائل ہو گئے یہ بات مانی۔

مہراج۔ شیخ سعدی فارسی نہیں جانتے تھے۔ آپ پاگل ہیں۔ ان سے بڑھ کر شیراز میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔

مسخرہ۔ بھلا مادھو رام کے برابر تھے یا کم و بیش۔

یہ خوش گپی ہو رہی تھی کہ نواب صاحب نے حکم دیا کہ فٹن تیار ہو اور حاضرین سے کہا ایک صاحب کی ملاقات کو جاتا ہوں معاف فرمایئے۔

دیدار یار کی تیاریاں

قمرن چوڑی والی کی مادر دیرینہ روز نے اپنی طرار اور یاقوت رخسار، دخت گل عذار کو یہ پٹی پڑھائی کہ آج جو نواب صاحب آئیں تو ان کو رنگنا چاہیے۔

چھوکری نے کہا امی جان رنگنا کیا معنی ہولی نہ نوروز نہ ہندوؤں کا تہوار نہ مسلمانوں کا اگر ہولی ہوتی تو باجی سے کہتا کہ منشی مہراج بلی سے پھگوی کھیلیں اور اچھی خاصی رقم اینٹھیں نوروز ہوتا تو ہم نواب کو رنگتے ہولی نہ نوروز یہ رنگنا کیا معنی ضعیفہ نے مسکرا کر جواب دیا بیٹا تم ان باتوں کو کیا جانو ابھی ماشاءاللہ سے جُماجُما (جمعہ) آٹھ دن کی پیدائش رنگنے کے معنی یہ کہ نواب کو اس ڈھرّے پر لاؤ کہ شراب پئیں۔

قمرن یہ فقرہ سن کر از بس متحیر ہوئی کہ ایک مسلمان بھی کالا پانی پیتے ہیں۔ چرس کے دم لگاتے تو دیکھا ہے۔ مگر یہ ہم نے آج تک نہیں سُنا کہ مسلمان اور کالا پانی پئیں۔

زنِ پیر نے کہا بابا۔ تماش بینی میں انسان کو سبھی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ شراب کی کیا حقیقت ہے۔ آدمی تنکے چننے لگتا ہے۔ تم ان سے یہ کہنا کہ جب تک شراب نہ پیو گے ہم ایک نہ مانیں گے۔ گلے میں ہاتھ ڈال کے بھولے پن سے کہنا۔ دیکھو سیجتے ہیں یا نہیں۔ مگر بہت اصرار نہ کرنا۔ وہ بات کرنی چاہیئے کہ دوسرے کو ناگوار نہ گذرے۔ اک خوبصورتی کے ساتھ۔ اگر تمھارے کہنے سے پی لیں تو بس سمجھ لو کہ بس میں آگئے۔

نازو کو بھی یہی ہدایت ہوئی کہ تمھارے منشی مہراج بلی جو آج آئیں تو ان کو شراب پلانے کی کوشش کرنا۔

ان دونوں بہنوں نے کہا امی جان اگر وہ دونوں اس بات پر راضی ہو جاتیں کہ ہم شراب پییں گے تو شراب کہاں سے آتے گی۔ اور اگر آبھی گئی تو ہم تو جانتے بھی نہیں کہ شراب کسے کہتے ہیں۔ جو انھوں نے ہم سے کہا کہ تم بھی پیو اور ہمارا ساتھ دو تو ہم پھر کیا کریں گے۔ ذرا ذرا سی پی لیں۔ نشہ نہ ہونے پاتے۔

حضرات ناظرین اس بوڑھی شتہ سے خدا بچاتے پھانسنے اور لوٹنے اور بلٹانے کی سینکڑوں تدبیریں یاد ہیں۔ اس کے پھندے میں انسان پھنسا اور گیا گذرا۔ بچ ہی نہیں سکتا کسی صورت سے نہیں بچ سکتا۔ یہ وہ کالی ناگن ہے جس کے کاٹے کا منتر ہی نہیں سونگھ لے تو زہر معاً رگ و پے میں پیوست ہو جاتے۔ جوانی میں اس نے صدہا گھر گھالے اور بڑی پیکڑ۔ مگر بہت عرصے سے چھٹی ہوئی تھی۔ اس کی لڑکیوں کو یہ نہیں معلوم کہ یہ شراب پیتی ہیں۔ مطلب اس کا یہ تھا کہ اگر نواب صاحب اس ڈھرے پر آجائیں گے تو پھر ہزاروں روپے لوٹوں گی نشے میں دس کی جگہ بیس دے نکلیں گے۔

ایک تو عشق کا نشہ ہی کیا کم ہے اُس پر طُرّہ شراب بس پھر کیا ہے۔

نازو نے کہا امّی جان یہ اور دفعہ پر رکھو۔ ایکی ایکا شراب کی فرمایش کر بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔ پہلے ایک دن ہم اور قمرن گھر پر پی لیں، اور ذری عادت ہو جاتے تو پھر دونوں کو رنگنا کتنی بڑی بات ہے۔

قمرن بولی نا باجی جان ہم تو اس موئی شراب کو ہاتھ سے نہ چھوویں گے، پرسو ں ہماری سسرال کی طرف سے پانچ چھ آدمی جاتے تھے اور دھوبی تھے شاید اس قدر کی پیے ہوتے کہ اپنے آپے میں نہ تھے اور مار پیٹ کرنے لگے۔ دو تین مرتبہ گر گر پڑے ہوش ٹھکانے نہیں تھے۔ آپس میں وہ گالی گلوج کریں کہ اللہ کی پناہ۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے ایک کی ناک سے خون بہنے لگا، اتنے میں پولیس کے لوگ آگئے، اور ایک تلنگے نے ان کو گرفتار کر لیا۔ پھر کیا جانے ان کا کیا حشر ہوا۔ مگر بُری چیز ہے۔ تم چاہے پیو باجی ہم چھونے کے بھی نہیں، بیٹھے بٹھائے ہوش سے بے ہوش ہو جانا کس نے بتایا ہے۔

چُنو کی جورو یعنی وہ ضعیفہ بولی کہ بیٹا جتنا جو کہا کریں، وہ کیا کرو۔ مانا کہ تم بڑی عقلمند ہو، مگر ہمارا سا تجربہ کہاں سے لاؤ گی جو تم سے کہیں بس وہ کرو۔ بات کی بات

میں پانچ سو روپے گھما لیے کہ نہیں گھما لیے اب جا کے ذرا خوب بناؤ چناؤ کر کے آؤ۔ مگر وہی جو ہم نے کہا ہے۔ ذرا جھلکی دکھائی اور کھٹ سے الگ۔

نازو۔ اور مہراج بلی بھی تو آئیں گے آج۔

ضعیفہ۔ (ض) اُن کو الگ بٹھلائیں گے۔ ان کو الگ۔

قمرن۔ تو ہم نواب صاحب سے مہراج بلی کا ذکر نہ کریں۔ کیوں امی جان۔

ض۔ نہیں نہیں ہرگز ذکر نہ آنے پائے۔

نازو۔ اس کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پاگل ہے۔

قمرن۔ بیس روپے کھٹ سے نکال کے دے دیے اور پھر بھی بے چارہ پاگل ہے؟۔

نازو۔ اللہ جانتا ہے۔ ہمیں تو گول آدمی معلوم ہوتا ہے۔

ض۔ اب آج ہم دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ کیسا آدمی ہے۔ بس ہمارے دیکھنے کی دیر ہے۔

نازو۔ دیکھ ہی لوگی امی جان۔ ع

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

قمرن۔ شکل وصورت کیسی ہے۔ نواب کے سے ہیں؟۔

نازو۔ اے نہیں کالا کوا منگل کے روز۔

قمرن۔ تم باجی ان کے منہ پر یہ نہیں کہہ دینا۔ اے ہاں۔

نازو۔ منہ پر تو کہوں گی کہ ہمیں تمھارا پکا رنگ پسند ہے۔ اور سمجھتے ہیں کہ بارہ ہی برس کا ہوں۔ اور خدا جھوٹ نہ بلائے تو بابا آدم کی عمر کے ہوں گے خضاب لگاتے ہیں۔

قمرن۔ نواب تو ابھی جوان آدمی ہیں۔ ماشاء اللہ سے اور صورت بھی اچھی ہے۔

ض۔ بوڑھے کا جب دل آتا ہے تو جوانوں سے زیادہ دے نکلتا ہے۔ دل آنا شریط (شرط) ہے۔

اب سنیے کہ اُدھر تو چنو کی جورو اپنی نوخیز پوتیوں کو عشق بازی کی گھاتیں سکھاتی

تھی، ادھر نواب صاحب نے حسین علی کو بُلا کر یوں تقریر شروع کی۔

ن۔ تو ہم اب چلیں۔ انھوں نے بُلایا ہے۔؟

ح۔ حضور ضرور کر کے چلیے تاکید کر دی ہے۔

ن۔ اچھا تو اب کے بجے ہوں گے اس وقت۔

ح۔ پہرے پر کون ہے۔ اب کے بجے ہیں۔

پہرے والا۔ ساڑھے پانچ بجے ہیں۔ چھے کا عمل ہے۔

ن۔ چھے کا عمل ہے۔ خیر آدھے گھنٹے کی کسر ہے۔

ح۔ حضور پورے ایک گھنٹہ کے اندر ہی ہیں چلیے۔

ن۔ اچھا جمال الدین کو بُلاؤ یہ ایک گھنٹہ کاٹے نہیں کٹتا۔ جلو دو کچھ سُنائیں۔

حسین علی نے میاں جملو کو آواز دی اور میاں جملو نے آن کر ایک غزل چھیڑی۔

گانے کی آواز سن کر ممّن اور جھمّن اور اختر اور داروغہ سب جمع ہو گئے۔

ن۔ میں تو مہراج بلی کے ٹالنے کو اٹھا تھا۔

ممّن۔ غلام پہلے ہی سمجھ گیا تھا حضور۔

اختر۔ اب کیا ہم لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

ممّن۔ مگر وہ بھی جب آن کر بیٹھتے ہیں تو جم ہی جاتے ہیں۔

اختر۔ بس ان کی تو ترکیب یہ ہے کہ مکان کا قبالہ حوالہ کر دے۔

جھمّن۔ حضور اب اس وقت کہاں کی تیاریاں ہیں۔

ن۔ تم کو اس غرض سے کیا بحث ہے۔

جھمّن۔ خداوند۔ وضاں (وضع) کے خلاف کوئی امر نہ ہو۔ اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ممّن۔ یہ وضاں کیا خوب۔

ن۔ جی ہاں وضع نہ کہیں گے۔ وضاں۔

داروغہ۔ حضور بہتر تو یہ ہے کہ اس کو یہاں ہی بلوا لیتے۔

ن۔ ارے بھائی سوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا۔

جھمّن۔ حضور کا خدا نے بہت بڑا رتبہ کیا ہے۔ وہاں جانا ذرا۔ مگر ہاں شام کے

بعد جاتیے تو مضائقہ نہ ندارد ۔

داروغہ ۔ اجی حضور خود اللہ کے فضل سے سمجھ دار ہیں ۔ مگر دل کا آنا بھی کیا بُرا ہوتا ہے اور لطف تو جب آتا ہے کہ ع ۔

دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

ح ۔ (حسین علی) سرکار چھٹکی تو حضور کے نام پر عاشق ہے ۔ کہتی ہے کہ مجھے ایک نظر کوئی ایسا دکھا تو دو ۔ ایک دفعہ جو حضور کو آنکھ بھر کے دیکھا تو پھڑک اُٹھی ۔ مگر خداوند غلام انعام بھرپُور لے گا ۔ یہ حضور یاد رکھیں انعام خاطر خواہ خانہ زاد لے گا ۔

ن ۔ حسین علی ہم تم کو مالا مال کر دیں گے ۔

ح ۔ حضور مالک ہیں میرے آقا ۔

ن ۔ مگر سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے ۔

ح ۔ حضور سب معاملہ لیس ہے خداوند ۔

ن ۔ قمرن ہاتے قمرن ۔ پری ہے واللہ ۔

ح ۔ حضور اس میں کوئی شک بھی کر سکتا ہے ۔

ن ۔ جمال ۔ جلال ۔ حسن ۔ آب وتاب ۔ پری کی کیا اصل وحقیقت ہے ۔

ح ۔ اور حضور پر اس کا دل بھی آیا ہے ۔

ن ۔ کیا وہ بھی ہم پر جان دیتی ہیں ۔ ؟

ح ۔ ایں ! یہ حضور کو معلوم ہی نہیں ہے ۔

ن ۔ بھئی اب مجھے کیونکر معلوم ہو بھلا ۔

ح ۔ لے حضور پھر اب تشریف لے چلیں ۔

ن ۔ بہتر مگر ۔ اللہ ہمیں بڑی خوشی ہوئی کہ وہ سب کی سب ہم پر عاشق ہو گئی ہیں ۔

ح ۔ خداوند چھٹکی تو جان دیتی ہے ۔

ن ۔ شکر ہے ۔ یہ بھی خدا کی شان ہے کہ ہم پر اور ایسی ایسی پریاں عاشق ہیں ۔

ح ۔ حضور یہ نہ کہیں ۔ چوک میں وہ کون ایسی ہے جو حضور پر جان نہیں دیتی ۔

ن ۔ ارے میاں ہم تو اپنے تئیں سب سے بدتر سمجھتے ہیں ۔ یہ ان لوگوں کی مہربانی ہے ۔ ورنہ ہم تو سب سے بُرے ہیں ۔

تھوڑی دیر کے بعد نواب صاحب میاں حسین علی کو ہمراہ لے کر اپنی معشوقہ گلعذار کے پری خانہ کی طرف چلے۔

معشوقہ شمع قد کی ہم آغوشی

اب قہر ہے انتظار ساقی — دے بادۂ خوش گوار ساقی
آتی ہیں جمائیاں برابر — بھاری ہے خمار سے سراسر
دے بادہ کہ روح کو ہو راحت — اللہ رکھے تجھے سلامت

اے پیر مغاں ترا بھلا ہو
تو روئے زمیں کا بادشاہ ہو

ادھر خاتون شب نے اپنے جمال گیتی فروز سے تمام عالم کو نورانی کیا۔ ادھر حنانہ برانداز پارسائی قمرن چوڑی والی سج دھج کے تیار ہو بیٹھی۔ غرور حسن سے اتراتی اور دل ہی دل میں سوچتی جاتی تھی کہ آج اپنے چاہنے والے کے خرمن صبر و شکیب پر بجلی گراؤں گی صورت دکھاؤں گی۔ اور نظر سے اوجھل ہو جاؤں گی۔ لمعۂ برق کو بھی مات کیا ہو تو سہی۔ دن کو ہاتھ پاؤں میں مہدی جو لگائی تھی اس نے جوبن کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ ایک تو ہاتھ اور کلائی اور پاؤں قدرتی ہی سیمیں اور نگارین تھے یہ بناوٹ اور بھی لے اڑی۔

عجب رسائی قسمت ہے اے حنا تیری
چمن جو چھوٹ گیا دست نازنیں میں رہی

ایک دفعہ چاند کی طرف دیکھ کے بھولے پن سے کہنے لگی۔ امی جان دیکھو یہ چاند موا ہم کو گھورتا ہے۔ آدمی تو آدمی اب ان بے جان چیزوں کی بھی ہم پر نظر پڑتی ہے۔ کیا جانے پاس سے چاند کی صورت کیسی نظر آتی ہے۔ دور سے تو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ہمارے مکھڑے سا گورا مکھڑا نہ ہوگا۔ اوئی امی جان کچھ اور بھی دیکھتی ہو۔ اے یہ تو داغی ہے۔ اللہ جانتا ہے اس میں تو داغ ہے۔ باجی ذری ایک آنکھ بند کر کے دیکھو۔ اے واہ اچھے داغی سے مقابلہ کرنے چلے تھے۔ جب چاند سے مقابلہ ہو چکا اور اپنے حسن کے زعم میں چاند کو ہرا چکی تو ماما کی خوشامد کرنے لگی۔ میری اچھی ماما ذری غنی خان کے باغ سے ایک گلاب کا پھول تو

توڑ لاؤ۔ جب ماما گلاب کا پھول توڑ لائی تو گالوں پر رکھ کر کہا لے قسمت کھل گئی کہ میرے گالوں کے پاس تجھ کو جگہ ملی ۔ ہمارے گورے گورے گالوں کے سامنے پنکھڑی کی کیا حقیقت ہے ۔ گلاب کے پھول کو یہ شرف بخش کر آئینہ اٹھایا تو اپنی صورت پر اپنے آپ فریفتہ و شیفتہ ہوگئی اتنے میں میاں حسین علی خدمت گار برآمد ہوئے اور چنو کی جورو یعنی ماما دیرینہ روز سے کہا سرکار آگئے ۔ قمرن تو سنتے ہی چمپت ہوئی نازو بھی ٹل گئی ۔ نواب صاحب تشریف لائے تو ضعیفہ نے غالیچے پر بٹھایا اور نئے پان دان سے ذ اسی روز خریدا تھا۔ سفید و ساوری پان کی گلوریاں بنانے لگی ۔ پان دان کا کل سامان لیس اور فرسٹ کلاس کا تھا۔ کتھا بسا ہوا ڈلی چکنی۔ چوگھڑے کی چھوٹی الائچی بڑے بڑے دانوں کی ۔ چونا صاف شفاف دو گلوریاں بڑی صفائی سے بنا کر نواب صاحب کو دیں اور پوچھا تم تمباکو تو نہیں کھاتے ہو انھوں نے کہا ہاں کھاتا ہوں مگر بنا ہوا ۔ اس نے منشی نثار حسین نثار کے کارخانے کی بنی ہوئی گولیاں دیں ۔

ن ۔ بی قمرن صاحب کہاں ہیں ۔

ض ۔ اے بیٹا آؤ دیکھو کون صاحب آئے ہیں ۔

قمرن ۔ امی جان کنواں پیاسے کے پاس جاتا ہے یا پیاسا کنویں کے پاس جس کو غرض ہوگی یہاں آکر سری ٹیک کرے گا۔

ض ۔ وہ تو اتنی دور سے تمھاری چاہ میں آتے ہیں ۔

قمرن ۔ اوئی ۔ تو کیا کچھ ہم پر احسان کیا ہے ۔

ن ۔ آؤ بیٹا بہت حجت نہیں کرتے ہیں ۔ چلی آؤ۔

ض ۔

قمرن کہ اس وقت واقعی رشکِ قمر غیرت پری تھی بصد شانِ دلبری اٹھلاتی ہوئی آئی اور نواب صاحب کو ایک جھپک دکھا کر اس طرح

نظر سے اوجھل ہوگئی جیسے سچ مچ بجلی کوند کے بادل میں چھپ گئی نواب صاحب کہ کشتۂ تیغ ادا تھے بولے کہ اے صاحب اندر آؤ۔ یہ دروازے کی آڑ میں کھڑے ہونا کیا معنی قمرن نے جواب دیا کہ ہم کو شرم آتی ہے جو کوئی غیرمحرم ہم پر نظر ڈالتا ہے یہ موا چاند آج سرشام سے ہمارے پیچھے پڑا ہے۔ بے پردہ پکارے آسمان پر چڑھ آیا اور ندید دن کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ نواب ہلال رکاب یہ گرما گرم فقرہ سن کر ایسے محظوظ ہوئے کہ جامے میں پھولے نہ سمائے کہا اگر کسی انسان پر حضور کی خفگی ہوتی تو خیر اس سے بس بھی چل سکتا تھا مگر آپ تو سورج اور چاند اور ستاروں اور ہوا سے لڑتی ہیں اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ الغرض بہ ہزار خرابی کمرے کے اندر قدم رکھا تو نواب صاحب کے ہوش پیترا اور حواس فقرہ ہوگئے۔ بس یہ معلوم ہوا کہ چاند آسمان سے اتر کر اس کمرے میں آگیا۔

غارت گر ہوش ہے سراپا
عشوہ غمزہ ادا کرشما
ہے فرق سے تا قدم برستی
شوخی چھل بل ترنگ مستی
آواز ملی ہے کیا رسیلی
آنکھیں پائی ہیں کیا نشیلی
ہیں چشم و چراغ دیدۂ حور
ماشاءاللہ چشم بد دُور
آنکھوں نے سفیدی و سیاہی
کس حسن کی پائی ہے الٰہی
پایا ہے غضب کا خوشنما فرق
سر دفتر حسن ہے بلا د فرق
عارض کی صفت ہے اور بیکار
دو پھول گلاب کے ہیں رخسار

نواب صاحب ایک سکتے کے عالم میں تھے اور سوچ رہے تھے کہ جب انسان کی سُنّد صورت دیکھ کر ہماری یہ کیفیت محویت ہے تو اللہ کا جمال اور اس قادر مطلق کا نور دیکھ کر کلیم اللہ کی کوہ سینا پر کیا حالت ہوئی ہوگی۔ پورے دو گھنٹے بھی نہیں بیٹھی اٹھلا کر چلی۔ اس کا اٹھنا تھا کہ نواب کلیجہ پکڑ کر بولے۔ کہاں کہاں ذرا سنیئے تو سہی۔ یہ آپ بھاگی کہاں جاتی ہیں۔ ہم آپ کے پاس آئے اور آپ کی یہ بے اعتنائی۔

قمرن بڑے اصرار کے بعد بیٹھی تو اب کی نواب کے زانوں سے ذرا ذرا زانو بھڑایا۔ اس ادا نے ان کو مار ڈالا۔ ستم ڈھایا۔ قیامت کا سامنا تھا۔ سونے کے چھڑوں کی کیا حقیقت ہے۔ اگر دس بارہ ہزار کا زیور بنوا دیتے تو بھی کم تھا۔ اس شوخ و شنگ رشکِ پری رُخاں فرنگ نے عمداً قصداً اور زانو سے زانو بھڑایا اور معاً الگ۔ اس ادا نے نواب صاحب کے دل میں وہ گدگداہٹ پیدا کی کہ انھیں کا دل اس کے مزے لوٹتا تھا۔ یوں تو از سرتاپا حسن میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مگر نواب صاحب کو اس غیرتِ حور کی پیاری پیاری کلائی اور گوری گوری گردن زیادہ پسند تھی اور ع

اُبھری اُبھری کچوں کا جوبن

سب پر مستزاد تھا۔ ؎

سر دفتر حسن و ناز و انداز
خوش لہجہ و خوش گلو خوش آواز

اتنے میں بی نازو بھی بصد ناز کمرے میں آئیں۔

نواب صاحب نے اس کو بھی سر سے پاؤں تک دیکھا اس پر بھی ایک عالم تھا کہ ہم کو تم سے بھی عشق ہے۔ اور کیوں نہ ہو ہماری سالی ہو۔ سالی کا رشتہ بھی کتنا پیارا رشتہ ہے۔ نازو حاضر جواب عورت بولی ہم کو بھی تم سے بڑی محبت ہو گئی ہے۔ نواب دولہا چہ خوش۔

سوت نہ کپاس کوری سے لٹھم لٹھا۔ نواب دولہا بن گئے۔ نواب صاحب تھوڑی ہی دیر بیٹھے تھے کہ آسمان پر ابر گھر آیا اور کئی بار بجلی کوندی۔ بارش کے آثار صاف نمودار ہوتے۔ قمرن نے اپنی ماں کی طرف مخاطب ہو کر کہا امی جان آج کا دن تو اس قابل ہے کہ کسی باغ میں رہیے اور وہاں خوب اچھے اچھے کھانے پکیں۔ نواب صاحب یہ فقرہ

سن کر کھل گئے ۔ کہا یہ کون بڑی بات ہے تمھارا باغ موجود ہے۔ کہو تو گاڑی منگاؤں ۔ اپنی ماں سے اجازت لے لو ۔ بڑھیا بولی ۔میں تم دونوں کے بیچ میں نہ بولوں گی اب تم جانو اور یہ جانیں ۔قمرن نے کہا اجی تم اپنی بگھی منگواؤ ہم چلیں گے اور ضرور چلیں گے ۔ نواب صاحب نے حسین علی کو بلایا اور علاحدہ لے جاکر یوں سمجھایا ۔سُنو جی تم سیدھے کوٹھی پر جاؤ اور کوچ مین سے کہو فٹن لے کے ابھی ابھی آجائے ۔ سبزی جوڑی جوتے اور بڑی فٹن لاتے اور لالٹین وہ ہوں، جو پرسوں نوروزی کی کوٹھی سے خریدی تھیں ۔ اور علی بخش باورچی کو باغ بھیج دو۔ کہہ دو جو کھانا پکا ہو وہ باغ میں لے چلے اور دو مرغ اور لے چلے اور کچھ انڈے اور جمن اور اختر کو حکم دو کہ فوراً باغ میں جاکر دو تین کمرے صاف کرا دیں اور فرش بچھوا دیں ۔ لمپ روشن کر دیئے جائیں یہ حکم دے کر نواب صاحب آن کے بیٹھے ۔

قمرن نے کہا ہمیں کچھ گل بدن کے تھان بھیج دو نواب صاحب ۔

نواب ۔ جان حاضر ہے تھان کیسے جو کہو بھیج دو ۔

ضعیفہ ۔ (ض، حق تعالے تم ایسے رئیسوں کو سلامت رکھے ۔

ماما ۔ آئین ان کے نگیچ (نزدیک) کون بات ہے بیوی ۔

ض ۔ قمرن کی کوئی بات رائیگاں نہ جائے نواب ۔

ماما ۔ اے نہیں خدا نے ان کو رئیس کیا ہے بیوی ۔

ض ۔ لڑکے کس کے ہیں، یہ تو دیکھو کتنے نامی آدمی کے لڑکے ہیں ۔ اور اللہ کی عنایت سے باپ کیا معنی خود نواب صاحب کے نام سے کون واقف نہیں ہے ۔

نواب ۔ اجی ہم کو تو قمرن کا عشق ازلی ہے ۔

ض ۔ اللہ کرے تمھارے ان کے عمر بھر نبھی چلی جائے ۔

نواب ۔ خدا نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا ۔ انشاء اللہ ۔

نازو ۔ اِس صورت کی چھوکری شہر بھر میں نہ پاؤ گے ۔ اور اگر کوئی ہو تو تم ہی بتا دو ۔ یہ ہماری شہزادی ایک ہے اس شہر میں اللہ نظر بد سے بچائے ۔

نواب ۔ ہم کو تو ان سے زیادہ تم پسند ہو نازو ۔

نازو ۔ بہت چل نکلے ہو ۔ ہم پسند ہیں ۔ ہم میں کیا بات ہے جو پسند آگئی تم کو ۔

نواب ۔ تمھارا حسن، تمھارا جوبن، تمھاری جوانی ۔

نازو ۔ لو اور سنو۔ اے مجھ بڑھیا کوئی کاہے کو پسند کرنے لگا بھلا ۔

نواب ۔ بجا ہے ۔ ابھی کوئی انیس برس کا سن ہو گا ۔

ض ۔ چودھویں میں قمرن ہے اور پانچ برس نازو ہیں اور اس میں چھٹائی بڑائی ہے ۔

نواب ۔ تو وہی انیسواں برس ہوا نا ۔

ض ۔ تمھاری کیا عمر ہو گی بیٹا یہی کوئی تیئس برس ۔

نواب ۔ مجھ کو تیئسواں سال ہے ۔ ایک مہینہ سال گرہ کو باقی ہے بس اور بیس برس کا سن ہماری بیوی کا ہے ۔

ض ۔ ہم کو اپنی بیوی تو دکھا دو کسی دن ۔

نواب ۔ جب ہمارا نکاح قمرن کے ساتھ ہو جائے گا تو تم دیکھ ہی لو گی ۔

نازو ۔ ان کی سی حسین ہیں ۔ گوری چٹی تو ہو ویں ہی گی ۔

نواب ۔ گھر کی مرغی دال برابر ۔ جو رو چاہے حسین ہو چاہے بد قطع پھر جو رو ہی ہے ۔

نازو ۔ ہاں تو جو رو کی یہ بے قدری !

قمرن ۔ بس اب ہم تمھارا ساتھ نہ دیں گے ۔

نازو ۔ اے ہاں جو جو رو کی یہ قدر کرتے ہو تو ۔

نواب ۔ یہ جو رو بن کے نہیں رہیں گی جو رو کیسی

قمرن ۔ (ہنس کر) پھر کیا اما بنا کے رکھو گے ۔

اس فقرے پر قمرن کی ماں بہت برافروختہ ہوئی ۔ کہا جو جو تم بڑھتی جاتی ہو بے عقل ہوتی جاتی ہو ۔ پھوہڑپنے کے سوا اور کوئی بات نہیں ۔ یہ کیا بھونڈی بات کہی تم عقل سے ذرا بھی کام نہیں لیتیں ۔

نواب ۔ اوہ ۔ کچھ پرواہ نہیں ۔ زبان سے نکل گئی ایک بات گکڑی کے چور کی گردن نہ مارنی چاہیے ۔

نازو ۔ یہ بھونڈی بات زبان پر نہ لانی چاہیے ۔

ماما ۔ روز بروز دن بدن وہ ہی ہوتی جاتی ہیں ۔

ض ۔ لاکھ سمجھاؤ بجھاؤ ۔ ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتی ہے بات ۔ اب یہ ناسمجھ تھوڑی ہی ہیں ۔

نازو ۔ اور اوپر سے ہنستی ہے بے حیا ۔

ق ۔ اچھا ہم نے جو کچھ کہا اپنے نواب صاحب کو کہا ۔

ض ۔ بیٹا کسی کو نہ کہنا چاہیے کوئی ہو چاہے ۔

ق ۔ کیا نواب تم بُرا مان گئے سچ سچ بتاؤ ہم سے ۔

ض ۔ وہ کبھی نہ کہیں گے اپنے منہ سے ۔ مگر عقل کیا کہتی ہے ۔

ق ۔ تو پھر تم کون ہو ہمارے ان کے بیچ میں بولنے والی ۔ لو اور سنو، جب سے جان کھا رکھی ہے ۔

ض ۔ اچھا تم جانو یہ جانیں ۔ اب باغ میں جا کے مالیوں سے نہ جھگڑ لڑنا وہاں نچلی بیٹھنا ۔

نواب ۔ آپ خاطر جمع رکھیے ہم تو ساتھ ہیں ۔

ق ۔ جانے کے ساتھ ہی مالیوں کے چودھری کے ایک چپت رسید کروں گی تڑ سے ۔

ض ۔ وہاں رات کو درختوں کو نہ چھونا ۔

ق ۔ کون میں! نواب کوئی مولسری کا درخت بھی ہے ۔ بس اسی درخت کی پھنگی پر چڑھ جاؤں گی ۔

نواب ۔ اچھا وہ تم سب کچھ کرنا چلو تو سہی ۔

ق ۔ (نواب کے کان میں) ہمیں چھیڑنا نہیں وہاں ۔

نواب ۔ نہیں ہرگز نہ چھیڑیں گے کیا مجال ۔!!!

ق ۔ ارے تم مردوؤں کی بات کا ٹھکانا نہیں ہے ۔ دیکھو ہم کہے دیتے ہیں خبردار ۔ ایسا نہ ہو کہ اکیلا پا کے چھیڑو ۔

نواب ۔ نہیں تم بڑی بدظن و بدگمان ہو ۔

ق ۔ اور چھیڑو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے ۔

نواب ۔ ہاں اس میں کیا شک ہے ۔ وہ ہم چھیڑنے ہی کیوں لگے کیا ہمارا سر پھرا ہے ۔

ضعیفہ نے اپنے تجمل اور ثروت کے اظہار کے لیے وہ نوٹ نکال کر نواب صاحب کو دیا جو مہراج بلی نے بوسہ کے عوض میں بی نازو کو دیا تھا۔

نواب صاحب نے نوٹ دیکھ کر کہا پانچ روپے کا ہے اس پر وہ سب متحیر ہوئیں کہ یہ پانچ روپے کا کیسا ہم سے تو بیس روپے کہے تھے کہا ذری غور کر کے پڑھو۔

نواب صاحب نے کہا پانچ روپے میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ اور طرہ یہ کہ آدھا نوٹ ۱۲۷۹۹ نمبر کا ہے اور آدھے کا نمبر ۱۲۷۹۸ ہے دو ٹکڑے الگ الگ نوٹوں کے ہیں۔ یہ نوٹ چل نہیں سکتا۔ یہ کسی شخص نے دھروا دینے کی فکر کی ہے نواب صاحب کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ نوٹ قمرن کے کسی چاہنے والے نے دیا ہے۔ لہٰذا انھوں نے پیش بندی کی کہ اس کی جڑ کھودیں۔

ضعیفہ نے نازو سے کہا بہت بڑا بے ایمان ہے، وہ ہندوا جڑا نوٹ دیا ہے کہ ہمارے جعل میں پھنسانے کی تدبیر کی ہے۔

بیس کا کہا اور پانچ کا دیا۔ اور وہ بھی جعلی۔ وہ تو نگوڑا بات کرنے کے قابل نہیں ہے۔ صورت نہ دیکھے ایسے مونڈی کاٹے کی، موا بے ایمان زمانے بھر کا۔ اور سنو کوئی اس کی خوشامد کرتا تھا۔

ق۔ اب اس کو پھاڑ کے پھینک دو۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ وہی مہری آئی۔ اور نازو کو علاحدہ بلا لے گئی اور کہا منشی مہراج بلی آتے ہیں۔

نازو نے اشارے سے اپنی دادی کو بلایا اور کہا وہ آیا ہوا ہے ضعیفہ نے کہا جا کے نوٹ اس کے منہ پر پٹک دے اور کہہ دے دور ہو یہاں سے۔

نازو جلی بھنی تو تھی ہی نوٹ دے کر کہا کیا آنکھوں کے اندھے ہو۔ یہ بیس کا نوٹ ہے کہ پانچ کا۔ اور وہ بھی اُجڑا جعلی، لے بس ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا تو کھائیے۔

منشی مہراج بلی بڑے کاذب دروغ گو جھوٹ بولنے والے آدمی تھے۔ اور بخیل اس درجہ کہ جس روز گھر میں کسی کو بدہضمی ہوتی تو خوش ہوتے کہ آج ایک آدمی کا کھانا بچ رہا۔ لیکن اگر گلاب یا سکنجبین منگوانی پڑی تو بس غضب کا سامنا ہے۔ جھانسے جھانسے میں بوسہ لے لیا اور جان بوجھ کر مختلف نمبروں کے نوٹ دے دیئے کہ پھر واپس مل

جائیں گے۔ اور بوسہ بازی گھاتے ہیں۔ اگر ضعیفہ نوٹ کے نمبر نواب صاحب سے نہ پڑھواتے تو مہراج بلی کا چکما کارگر ہو جاتے نوٹ لے کر کہا اُفوّہ بڑی غلطی ہو گئی مگر تم نے کیوں نہ دیکھ لیا۔

نازو جھلّائی ہوئی تو تھی ہی اس خرافات بات پر اس کو اور بھی غصّہ آ گیا۔ جھلّا کے زور سے ایک ٹیپ رسید کی کہ مہراج بلی کی کھوپڑی ہی جانتی ہو گی۔ اور ٹیپ لگا کر کہا مونڈی کاٹے تیرا منہ جھلسوں میں کیا پڑھی لکھی ہوں، میں کیا جانوں کہ نوٹ کس کھیت کی مولی ہے۔ دور ہو یہاں سے۔ جا موئے بے ایمان۔ جا ہمنے اپنی خیرات میں بوسہ دے دیا۔

اب مہراج بلی کے ہوش پرّاں ہوتے کہ آئے تھے مٹھار نے اس کے عوض میں چپت کی چپت کھائی، اور ذلیل کے ذلیل ہوتے۔ اِن کا آدمی جوان کے ساتھ تھا اس نے میاں پر ٹیپ پڑتے جو دیکھی تو منہ پھیر کر مسکرایا اور مہری کونے میں کھڑی ہو کر ہنسنے لگی۔

اب سُنیے کہ مہراج بلی کی آواز سُن کر نواب صاحب بھی کوٹھے پر سے جھانک رہے تھے۔ نازو نے جو چپت جمائی تو یہ بے اختیار ہنس دیئے اور کہا ایک اور۔ مہراج بلی نے اس بدحواسی میں آواز تو پہچانی نہیں مگر ایک اور کا جملہ البتہ سُنا۔ اب ٹیپ کھا کر یہ ششدر کھڑے ہیں۔ ہلتے تک نہیں۔

نازو نے ڈانٹ بتائی اب کھڑا کیا سوچ رہا ہے۔ اب جوتا کھانے کا امیدوار ہے کیا! جوتی خورا۔ تماش بیں آشنائی میں آشنا کو کیا کچھ دے دیتے ہیں۔ یہ تماش بینی کرنے چلا ہے۔ اللہ جانتا ہے میرے سامنے سے دور ہو نہیں میں جوتوں سے پیٹوں گی۔

اری ماما۔ ذری دس پناہ (دست پناہ) تو گرم کر کے لانا۔

یہ دست پناہ کا گرم گرم فقرہ جو سنا تو ان کے ہوش اڑ گئے اور نوک دم بھاگے۔ راستے میں خدمت گار سے یوں گفتگو کرنے لگے۔

مہراج۔ (م) معلوم ہوتا ہے اس وقت پیئے ہوئے تھی۔

خدمتگار۔ (خ) ہاں مالوم (معلوم) تو ہوت را ہے ہجور۔

م۔ مگر جیسے ہی اس نے چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر ٹوپی اتارے ویسے ہی سچ کہنا ہم نے کیسی کیلی کی ہے۔

خ۔ ہاں ہجور مدا آواج (آواز) کھوب چٹک دینی بھئی۔

م ۔ ان کا ہاتھ جاکر دروازے پر پڑا اس سے آواز آئی ۔

خ ۔ درواجے پرنا ہیں، وہ پر پڑا۔ بہت تتمبانہ بتا دو ہم تو دیکھت راہیں ۔ کھوپریا پر مارس دو ہنٹر۔

م ۔ جھیپ کر۔ اچھا بس بک نہیں بہت نامعقول۔

خ ۔ ارے ہم کا کا ۔ اوئی تم کا پنہیں سے مارے ہم کا کا کرے کا ہے ۔

مہری ۔ بڑا بے حیا ہے تیں ۔ ملکن سے کو وَ اَس کہت ہے ۔

م ۔ اچھا بس اب یہ گفتگو ختم کرو مضیٰ ما مضیٰ ۔

راوی ۔ مہری اور خدمت گار سے حضور عربی میں گفتگو کرتے ہیں ۔ ع

ماشاء اللہ چشم بندوق

خیر نواب صاحب کی مارے ہنسی کے عجب حالت تھی ۔ بے چین ہو گئے جب چیت یاد آتی تھی بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑتے اور لوٹنے لگتے تھے ۔

نازو کی ماں نازو سے بہت خوش ہوئی کہ ایسے موے کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہئے۔ یاد کرے گا عمر بھر کہ کسی سے پالا پڑا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ مہاراج بلی کبھی ایسی مصیبت میں گرفتار نہ ہوتے تھے کہ ٹیپ کھائیں آج یہ بھی مرحلہ طے ہو گیا۔

حسین علی بموجب حکم نواب صاحب کے گاڑی لایا اور سڑک پر ٹھہرائی۔ نواب صاحب سے آن کر اطلاع دی کہ حضور گاڑی حاضر ہے ۔

نواب صاحب نے کہا کون کون چلے گا ۔ ضعیفہ نے کون کون کیا معنی بس قمرن اور نازو ۔ نواب صاحب انتہا سے زیادہ خوش ہو گئے اور جامے میں پھولے نہ سمائے ۔

ق ۔ مگر نواب دیکھو وہی شرط ہے ہمارے تمھارے ۔

نواب ۔ ہاں ہاں قول جان کے ساتھ ہے ۔

نازو ۔ اور میں نہیں ساتھ ہوں ۔ دل لگی ہے ۔ ؟

نواب ۔ تو کیا ہمارا اتنا بھی اعتبار نہیں ہے ۔

نازو ۔ ناخنوں کے اشارے سے بتا کر اتّا بھی نہیں ۔

ق ۔ آگ پھوس کا ساتھ کیا ۔ تم عورت ہم مرد ۔

نواب ۔ آپ مرد ہیں اور میں عورت ہوں ؟

ق ۔ تم چھوکری اور میں پچھتا مرد

نواب ۔ تو پھر چلو رات زیادہ آگئی ہے ۔ اور مینہ برسا ہی چاہتا ہے ۔ اگر برس پڑا تو رک جانا ہو گا۔

ضعیفہ ۔ اور آؤ گی کتنی دیر میں ۔ کوئی بارہ بجے تک ۔

ق ۔ آنا کیسا اور جانا کیسا امّی جان۔

نازو ۔ اب کل سویرے آئیں گے بس۔

نواب ۔ اور نہیں تو کیا اب آنے کا موقع کہاں ہے ۔

قمرن اور نازو اٹھ کھڑی ہوئیں اور نواب صاحب اٹھے تو ضعیفہ نے کہا نواب صاحب تمھارے سپرد ہیں یہ دونوں ۔ دیکھو ہمیں شکایت کا موقع نہ آنے پائے ۔ یہ یاد رکھنا لڑکیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا امام ضامن کی ضامنی بیٹا ۔ گاڑی پر بیچ میں خود بدولت بیٹھے اور ادھر ادھر نازو اور قمرن ۔

میرے دونوں بیٹھے جیسے ہی فٹن چلی نواب صاحب نے ہاتھ بڑھا کر قمرن کو اپنی طرف کھینچا اور بغل گر ہائی ۔ چلیے ہم آغوشی تو فٹن ہی سے شروع ہوئی ۔

کاوش سے گرا گہر پہ الماس
غنچے نے بجھائی اوس سے پیاس

اب طبع بہت ہے کند ساقی	دے بادۂ تیز و تند ساقی
آتی ہے گھٹا امنڈ کے ہر بار	پانی پڑتا ہے موسلا دھار
ڈیرے لبریز بے سخن ہیں	جھیلیں تالاب موج زن ہیں
دریا کیسے بڑھے ہوتے ہیں	ندی نالے چڑھے ہوتے ہیں
اب قہر ہے انتظار ساقی	دے بادۂ خوش گوار ساقی

پانی برسے تو یوں جھما جھم
محروم رہیں شراب سے ہم

اس وقت تو نواب محمد عسکری صاحب کے دماغ عرش بریں پر ہیں' اور کیوں نہ ہوں دو جوان طنّاز سرمست حسن، محو ناز، پریوں کو اغل بغل بٹھائے فٹن پر ہوا کھاتے جاتے ہیں۔

گھوڑیاں ہوا سے باتیں کرتی ہیں۔ کالی گھٹا امڈی چلی آتی ہے اور بجلی اس چمک کے ساتھ کوندتی ہے کہ الامان۔ رات اندھیری اور اندھیری بھی کون ساون بھادوں کی۔ اور ہوا زنّاٹے سے چل رہی ہے اور میدان میں ہوا کا عالم پتنی سے دور دریا کا کنارہ آدم زاد کا پتہ نہیں۔ جب بجلی لونکتی تو نواب صاحب کی روح محظوظ اور خوش ہو جاتی۔ یہ برابر دعا مانگتے تھے کہ یا خدا بجلی تمام شب چمکتی رہے تو وجہ کیا؟ ادھر بجلی لونکی اور ادھر قمرن ایک جانب سے اور نازو دوسری جانب سے ان کو لپٹ جاتی تھیں۔ ہائے کیا مزے کا وقت تھا۔

ناظرین فسانہ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ محمد عسکری کا دل اس وقت کس قدر خوش ہوگا اس فرخ طالعی کو دیکھیے کہ اغل بغل دو نوخیز معشوق۔ ع

اٹھتی کونپل نئی جوانی

اور بن کہے بار بار از خود لپٹ رہی تھیں۔ دونوں معطر و معنبر۔ دونوں بنی ٹھنی۔ دونوں بناؤ کیے ہوتے جس وقت بجلی کے لونکنے سے ڈر کر یہ دونوں نواب صاحب سے لپٹ جاتی تھیں، خود بدولت بھی زور سے دونوں کو چمٹا لیتے تھے۔

اب منشی مہراج بلی اور نواب محمد عسکری کی قسمت کا تو ذرا مقابلہ کیجیے کہ وہ چپت کھا کر اور ذلیل ہو کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور نواب صاحب کیا مزے اڑا رہے ہیں۔ رعد کے گرجنے کی آواز اور بجلی کی چمک دیکھ کر قمرن بھولے پن کے ساتھ کہتی تھی۔ باجی بڑے پھنسے۔ اس وقت کلیجہ بلیوں اچھلتا ہے۔ اس پر نواب صاحب چمٹا کر بوسہ لے کر تشفی دیتے تھے نہیں جانی گھبراؤ نہیں ڈر کیا ہے۔

قمرن۔ سُنا کالی شے پر بجلی اکثر گرتی ہے۔

نازو۔ ہے ہے ہمارا تو دم فنا ہوتا ہے۔

ق۔ اللہ بچائے تو بچیں آج۔ بڑا سامنا ہے۔

نازو۔ اے اب باغ کتنی دُور ہے نواب۔

نواب۔ پس اب وہ کیا ہے، ذرا دیر میں داخل ہوتے۔

ق۔ (رعد کی گرج پر) یا خدا بچا ئیو میرے اللہ۔

نازو۔ امّی جان اس وقت بہت ہی بے قرار ہوں گی (رعد کی گرج پر کانوں میں

انگلیاں دے کر) ہے ہے۔ کیا ہوگا اب۔ اے باغ کتنی دور رہ گیا ہے۔

نواب۔ بس اب مار لیا ہے۔ داخل ہوئے سمجھو۔

ق۔ (بجلی کی چمک پر نواب سے لپٹ کر) اے کہیں گھوڑیاں نہ بھڑکیں نواب۔

نواب۔ نہیں صاحب گھوڑیاں اصیل اور شائستہ ہیں۔

نازو۔ اب باغ کتنی دور ہے۔ اللہ بری ہوئی۔

نواب۔ قاعدہ ہے۔ جلدی اور مصیبت کے وقت ایک منٹ ایک گھنٹے کے برابر معلوم ہوتا ہے

ق۔ ایک گھنٹے کے برابر نہیں۔ ہماری تو جان پر بن آئی ہے۔

نواب۔ خدا نہ کرے خدا نہ کرے تمھارے دشمنوں کی۔

نازو۔ (نواب صاحب کے پاس گھس کے بیٹھ کر) اب باغ کتنی دور ہے۔

نواب۔ بس اب آگے سامنے دکھائی دیتا ہے۔

ق۔ سامنے تو بڑی دیر سے دکھائی دیتا ہے۔ یا اللہ ہم اب کیا کریں اس لق ودق میدان میں۔

نواب۔ گھبراؤ نہیں جانی: بجلی لونکا ہی کرتی ہے۔

نازو۔ اے ہے لو ان کے نگیچ (نزدیک) کوئی بات ہی نہیں رات اتنی کالی ہے۔ اور کالی ہی چیز پر زیادہ گرتی ہے۔

نواب۔ (ہنسکر) تو کیا رات پر بجلی گر پڑے گی۔ واللہ کتنے بھولے پن کی باتیں کرتی ہو۔

ق۔ ان کو دل لگی سوجھتی ہے۔ یہ ہنسی میں اڑاتے ہیں اور یہاں جان پر بنی جاتی ہے۔

نواب۔ (بوسہ لے کر) تو جانی ہنسیں نہ تو کیا کریں۔ پھر آج ہی تو ہماری مراد پوری ہوئی ہے۔

راوی۔ یہاں پر ہم بھی قائل ہو گئے۔ سچ ہے ہنسیں نہ تو کیا کریں۔ ایک منتی مہراج بلی کم بخت جن کی قسمت پھوٹ گئی کہ ٹیپ کی ٹیپ کھائی اور نکالے کے نکالے گئے۔

الغرض خدا خدا کر کے باغ کا پھاٹک آیا۔ پھاٹک پر گاڑی روک لی گئی اور سائیسوں نے اتر کر پھاٹک کھولا۔ اور گاڑی گھڑ گھڑاتی ہوئی اندر گئی۔ قمرن نے کہا اف وہ جان میں جان آئی۔ نازو بولی دوبارہ زندگی پائی۔

باغبانوں نے جھک جھک کر نواب صاحب کو سلام کیا۔ ممن اور راحت آگے بڑھے۔ بی قمرن اور نازو گاڑی پر سے اُتریں قمرن نے کہا چلو پہلے باغ کی سیر کریں۔ نازو نے کہا واہ ہم تو اسوقت سردی کے وقت باغ میں نہ جانے کے پہلے اندر چل کے بیٹھو جلد بازی بہت آتی ہے۔

ممن اور اختر نے جو قمرن کو دیکھا تو کلیجے پر سانپ لوٹنے لگا ایک نے کہا یار کیا صورت ہے۔ دوسرا بولا صورت! بھئی چھلاوا ہے واللہ۔ سحر ہے جادو ہے سحر بابل کی کیا حقیقت ہے کیا مکھڑا ہے واللہ حوروں کو صدقے کر دے ان پر سے۔

نواب صاحب نے ممن سے کہا کیوں کیسی صورتیں ہیں سچ کہنا۔ ممن نے کہا پیر و مرشد بلائے جانستان ہے۔ صورتیں ہیں کہ بلائے بے درماں۔ زلف چلیپا افعی ہے۔ تو رخ زیبا سانپ کا مل کیا صورت پائی ہے۔ کیا کلائی ہے حضور یہ تو پان کھاتی ہوں گی تو واللہ رنگت نمودار ہو جاتی ہو گی۔ حضور کی پرکھ اور پسند کے ہم بھی قائل ہو گئے۔ واللہ معتقد ہو گئے حضور۔ جی چاہتا ہے دن رات انھیں صورتوں کو دیکھا کریں۔

کیا خداداد حسن پایا ہے آپ اللہ نے بنایا ہے

یہ حسن نہیں ہے خدا کی دین ہے۔

قمرن نے کہا اب زیادہ بناؤ نہیں۔ ہم حسین نہیں بڑے سہی جیسا اللہ نے جس کو بنایا ہے ویسا وہ ہے کسی کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اچھا خیر ایک بات سنو نواب۔

ہمارا دل چاہتا ہے جھولا ڈالو باغ میں۔ بڑی بہار ہوگی میرے اچھے نواب۔

نواب صاحب نے کہا یہ کون بات ہے ابھی ابھی بند و بست ہوا جاتا ہے۔ اسی دم جھولے پڑ گئے۔ اور قمرن اور نازو بصد ناز دلربایانہ جھولنے لگیں ؎

جھولوں پہ برس رہا ہے اک نور ہر ایک حسین ہے غیرت حور
ساون جھولوں پہ گا رہی ہیں ہر تان میں دل اڑا رہی ہیں
برسات کی فصل کیا ہری ہے جو چیز ہے وہ ہری بھری ہے
کرتی تھی جہاں تلک نظر کام تھا دامن باغ سب خضر فام

قمرن نے ایک تان لگائی۔

جھولا کن ڈالوں رے امریاں

ایک تو فراخ میدان۔ دوسرے باغ سنسان۔ گانے والی رشک حور۔ اس پر طرۂ شب دیجور۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ اور بجلی کی چمک اور رعد کی کڑک مستزاد۔ قمریوں کی نازک آوازی

نے لطف طرب کو دو بالا کر دیا۔ نازو نے بھی مست ہو کر گانا شروع کیا۔

ع رہے بجری چمک مورے آنگن میں

دونوں مست تھیں مستی کی بھری ہوئی۔

نازو۔ نواب اب تم آؤ۔ اکیلے جھولنے میں مزہ نہیں۔ مگر خدا کے واسطے پینگ اس سے زیادہ نہ بڑھنے پائیں۔

قمرن۔ دیکھو جو ذرا بھی پینگ بڑھا تو میرا دم ہی فنا ہو جائے گا۔ خدا کے واسطے پینگ نہ بڑھانا۔

نواب۔ میں خود ڈرتا ہوں جی مالش کرنے لگتا ہے۔

نازو۔ نواب صاحب کو گوائیں گے ہم۔

قمرن۔ تم تو گواؤ گی فقط۔ اور ان کو ہم نچائیں گے بھی۔

اختر۔ انگلیوں پر تو نچا رہی ہو۔ اب اور کیا نچاؤ گی۔ حضور اس وقت کی بے ادبی معاف۔

نواب۔ بے ادبی کیسی۔ جو چاہے وہ کہو۔

ممّن۔ ہاں حضور اس وقت بالکل آزادی ہے۔

نواب۔ سب معاف ہے اس وقت۔ بی نازو گاؤ تو۔

نازو۔ آئے بدرا کارے کارے۔ رہے بجری چمک مورے آنگن میں۔ رہے بجری چمک مورے آنگن میں۔

قمرن (کچھ شرما کر)۔

سیاں موری بہیاں پکڑلے رہے۔ ڈوبت ہوں منجھدار۔ سیاں موری بہیاں پکڑلے رہے

نازو۔ نہ بیڑا اندیا گہری۔ مولا لگا دے بیڑا پار۔ اے سیاں موری بہیاں پکڑلے رہے۔

نواب۔ کیا مزے کا وقت ہے۔ ؎

نشے کے پینگ خوب بڑھیں گے بہار میں

بوتل بغل میں ہو گی تو ہم سبزہ زار میں

ممّن۔ حضور آج تو وہ دن ہے کہ دالله کافر ہو جائے۔

اختر۔ ہے تو ایسا ہی کافر کرنے والا دن۔

نواب۔ بھلا تم دونوں میں سے کسی نے کبھی پی بھی ہے۔

قمرن۔ کچھ گھانس تو نہیں کھا گئے ہو۔

نازو۔ بھلا ہم بینا کیا جانیں۔ ہاں پیو تو پلائیں۔

اس فقرے پر قمرن کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اور ممّن اور اختر مسکرانے لگے۔

نواب صاحب نے کہا اب آپ بہت بڑھ چلیں بی نازو صاحب ایک ہوئی۔ ذرا یاد رکھیئے گا۔

نازو بولی بیسیوں ہوں گی ایسی ایسی ایک ردّ کے کیا معنی۔ ایسی ایسی ادھی آؤں کہ یاد کرو میں بڑی طرّار اور حاضر جواب عورت ہوں۔ ممّن نے کہا جی حضور ہیں کس بھروسے کیا کوئی نموہی سمجھے تھے۔ یہ بی نازو جان ہیں۔

نازو نے تنک کر جواب دیا۔ جان پڑی سوتی ہوں گی۔ ہم خالی خولی نازو ہیں۔ نواب صاحب بہت خوش ہوئے کہ ممّن کو بھی ایک جلی کٹی سنادی۔

اتنے میں بوندیں پڑنے لگیں اور کمرے کے اندر سب آن کر بیٹھے۔ نواب صاحب نے میاں اختر سے کہا بھئی اس وقت تو مینھ اور بہار اور باغ اور شراب کے اشعار سناؤ۔

اختر نے کہ شاعر غرّا اور سخن ورِ بے ہمتا تھے کہا بہت خوب حضور۔ کہتا ہے۔ ؎

ساقی بریز بادہ بہ پیمانۂ بلور
فصل بہار آمد وہنگام عیش وسور

راوی۔ نواب صاحب کو یہ شعر بہت پسند آیا مگر سور کے معنی نہیں سمجھے اور نہ میاں ممّن سمجھے۔ ؎

صحنِ چمن زلالہ و ریحان مزیّن ست
گلہا شگفتہ در چمنستان بصد سرور

نواب صاحب نے اس شعر کی بھی تعریف کی۔ ؎

بادِ بہار مے وزدہ و ابر ژالہ بار
مانندِ دُر بعارض گلہا فشاندہ نور

نواب۔ ٹھہر جایئے گا ذرا شعر تو بے نظیر ہوا ہے مگر، ع۔

باد بہار مے وزدہ وابر ژالہ بار

فصل بہار کے لئے تو وزدیدن ٹھیک ہے مگر ابر کے لئے وزیدن کیا معنی ہے۔

اختر۔ حضور ابر ژالہ بار کو دوسرے مصرع میں ملایئے ابر ژالہ بار بعارض گلہاما نند در نور فشاندہ۔

ع۔ مانند در بعارض گلہا فشاندہ نور

قمری بشاخ سرد باہنگ دل ربا
بر عاشقان بے دل محزون فگندہ شور
بلبل بہ نغمہائے دل آویز دل کشش
غلغل فگندہ در ہمہ گلشن چو نفخ حور

حضور یہ شعر ملاحظ فرمائیے گا۔ فرماتے ہیں۔ ؎

ساقی بیار بادہ کہ ماست و سرخوشیم
با عاشقان غمزدہ چندیں مکن غرور

نواب۔ کتنا بے لگاؤ اور صاف ہے۔ خوش گفتہ است۔ ؎

زاں بادۂ کہ از جم دکے ماندہ یادگار
بریز کن کہ چشم بداز عیش ما بدور
ساقی بیار آن مے گلگوں کہ پیر عقل
در شاہراہ خویش ہمی میکند عبور
بریز کن بساغر ما تاکہ در کشیم
زیرا کہ بودہ ایم بہ عشق بتاں عبور

قمرن۔ اے اب یہ آلھا کب تک گایا جائے گا۔
ممن۔ حضور شعر شاعری کو استعفا دیجئے اس وقت۔
نازو۔ ہماری تو سمجھ میں تو خاک نہیں آتا۔
ممن۔ نہیں بس اب دل لگی کی باتیں ہوں۔
نواب۔ قمرن تم تو ہماری بغل میں آن بیٹھو۔
قمرن۔ حاضر حضور (قریب بیٹھ کر) فرمائیے حکم۔
نواب۔ کوئی عمدہ چیز سناؤ۔ جس سے دل پھڑک اٹھے۔
قمرن۔ اے تو کیا میں کوئی ڈومنی یا طائفہ ہوں۔
نواب۔ نہیں تمھاری آواز بڑی پیاری ہے۔
قمرن۔ مورا دن دن بڑھت سہاگ سیاں نہیں آتے رہے۔
نواب۔ ہائے کیا چیز ہے واللہ مست کر دیا۔

ممّن۔ اور سیّاں کی تو بغل میں بیٹھی ہو۔

اتنے میں مینھ خوب زور سے موسلا دھار برسنے لگا۔ اور نواب صاحب نے ساقی نامۂ عیش کے اشعار متفرق لہرا لہرا کر پڑھنے شروع کئے۔ ؎

سُن کر کوئل کی دور سے کوک
اٹھتی ہے میرے جگر میں اک ہوک
آئی ہے گھٹا امنڈ امنڈ کر
نکلی ہے دھنک بھی آسمان پر
ہر ایک پپیہے کی وہ پی پی
لیتی ہے مرے جگر میں چٹکی
موروں کا وہ غل وہ تلملانا
گھر گھر کے وہ بادلوں کا آنا
بجلی کی وہ چمک وہ رعد کا شور
ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کا وہ زور
ساون بھادوں کی ہے اندھیری
کالی شب ہجر جیسے میری
آتی ہے گھٹا اُمنڈ کے ہر بار
پانی پڑتا ہے موسلا دھار

نواب صاحب مثنوی کے اشعار بہت ہی اچھے لہجے میں پڑھتے تھے۔ ان اشعار سے قمرن اور نازو کو بھی لطف حاصل ہوا۔ اور ممّن اور اختر تو وجد کرنے لگے۔

ممّن۔ حضور اس شہر میں تو کوئی آپ کا جواب دینے والا نہیں ہے طبیعت وجد کرنے لگی۔

اختر۔ واللہ حضور اس مثنوی کے پڑھنے میں یکتا ہیں۔ اے سبحان اللہ کیا عمدہ طرز ہے۔

ممّن۔ بس انتہا یہ ہے کہ یہ دو پڑھی لکھی نہیں ہیں مگر ان کو بھی لطف حاصل ہو گیا پڑھنے کی یہ تعریف ہے۔

اتنے میں قمرن نے خوش الحانی کے ساتھ یہ ٹھمری گائی۔

آج اُن بن مَن ترسے۔ آج ان بن من ترسے۔ رین بھئی کاری اندھیاری کوئل کوک رہی

دئی ماری۔ چلت پون دامن دگلے بوندن گھن برسے۔ آج ان بن من ترسے۔

نواب۔(گلے میں ہاتھ ڈال کر) یہ من کس کے واسطے ترستا ہے ہم تو موجود ہیں۔

قمرن۔ (ہاتھ جھٹک کر) واہ ہمیں یہ باتیں نہیں اچھی معلوم ہوتیں۔ لواور سنو۔ خدا راس لائے۔

نواب۔ ہائے اس تیکھے پن کے صدقے۔ واللہ اس وقت مینھ کا جھاجھم برسنا۔ ہوائے سرد کا چلنا۔ مور کا شور پپیہے کی پکار دل بے چین کئے دیتی ہے۔ اس پر تمہارا لہک کر گانا کلیجہ کھینچے لیتا ہے۔ اس وقت اپنے عاشق پر ترس کھانا ضرور ہے۔ ان کا قہر ہے۔ اور انسانیت سے دور ہے (گالوں پر ہاتھ پھیر کر کہا) ؎

بوسہ دو ہمیں بغیر مانگے

اتنی ہمت تمہیں خدا دے

قمرن۔ اللہ جانتا ہے بڑے بے شرم ہو۔ تمھیں کسی کا خیال بھی ہے۔ واہ سبحان اللہ۔

نواب۔ ہونہہ۔ کچھ پرواہ نہیں ہے یہ سب لوگ اپنے ہیں ان سے کوئی پردے کی ضرورت نہیں۔

قمرن۔ واہ تم تو خوب ہو۔ ایسی بے تکی ہنسی دل لگی ہمیں نہیں بھاتی ہے۔

نواب ۔ زور سے گلے لپٹا کر۔ ان بھولی باتوں کے صدقے ہائے انھیں اداؤں نے مار ڈالا ہے۔

نازو ۔ واہ نواب یہی اقرار کر کے وہاں سے لائے تھے کول (قول) کے پورے ہو۔

اختر۔ واللہ۔ اس کول (قول) نے کیا مزہ دیا ہے۔ نواب بھی بے اختیار ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ واہ بی نازو (مکعوب کول) خوب قول بنایا۔

نازو نے جھیپ کر کہا۔ ہم لوگ یہ باتیں کیا جانیں جب تک ابّا زندہ تھے ہم لوگ گھر کے باہر نہیں نکلنے پاتے تھے۔ اب قمرن کی ساس کو اس کا ذری بھر بھی خیال نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اب نہ نکلیں اور دس دن میں نکلیں ہی گی۔ ہمارا تو اب لے یہ کارٹھہرا کب تک پردے میں رہیں گے۔

نازو ابھی اپنی گفتگو ختم بھی نہیں کرنے پائی تھیں کہ حسین علی خدمت گار نے دست بستہ عرض کیا۔ حضور ایک بگھی آئی ہے اس پر زنانی سواریاں ہیں۔ اور گاڑی والا کہتا ہے کہ نواب صاحب کو ذری یہاں تک بھیج دو۔ بیگم صاحب آئی ہیں۔

نواب صاحب یہ سن کر متحیر ہوئے کہا بھئی اندھیری رات مینھ موسلا دھار برس رہا ہے۔ اور اتنی رات آئی ہے۔ اس وقت کون بیگم صاحب تشریف لائی ہیں

اختر۔ بڑے تعجب کا مقام ہے۔

نواب۔ تعجب کا مقام ہی ہے۔

ممّن ۔حضور کہیں نازو اور قمرن کی امّی جان تو نہیں آئیں۔

اختر ۔واللہ خوب سوچے۔ بیشک بہت ٹھیک۔

نواب۔ بھئی ہم کو بھی اس سے اتفاق ہے سوچی ہوں گی کہ اس اندھیری رات میں نہیں معلوم قمرن اور نازو پر کیا کچھ بن گئی ہوگی چل کے خبر لینا چاہئے۔

نازو۔ لو اور سنو۔ امّی جان کو کیا پڑی تھی کہ اس مینھ میں دوڑی آتی۔ نہیں معلوم یہ کون لوگ ہیں۔

قمرن۔ اے باجی امّی جان سے کچھ دور بھی نہ سمجھو۔ ان کا بڑا تنکی مزاج ہے۔

نازو۔ کچھ ہوش کی دوا کرو۔ عقل بھی کوئی شے ہے اب دل لگی سنیئے کہ یہاں بیٹھے ہوئے سب باتیں بنا رہے ہیں اور گاڑی تک کوئی نہیں جاتا۔ اتنے میں گاڑی بان نے چلّا کر کہا۔ حضور مینھ کا دیر ہوت ہے

نواب۔ ممّن ذرا جا کے دیکھو تو کہیں گھر ہی سے تو نہیں آگئیں، مگر یہ امر غیر ممکن ہے۔

ممّن نے لالٹین روشن کرائی اور موم جامے کی چھتری لے کے جیسے ہی صحن باغ میں پہونچے کہ یکایک بادل گرجا اور بجلی اس شدت سے کوندی کہ میاں ممّن کی آنکھیں بند ہوگئیں اور پاؤں جو پھسلتا ہے تو اڑا اڑا اڑا دھم ٹریم۔

نواب۔ ارے میاں یہ کون گرا ممّن۔

ممّن ۔حضور میں۔ آہے رے افوہ بہت چوٹ آگئی (کانکھ کر) یا علی عباس۔

اختر ۔ارے میاں ممّن کیا تم گر پڑے۔

ممّن ۔ یا میرے خدا۔ کس کس سے کہوں۔ افوہ بڑی چوٹ آگئی۔

نواب صاحب اور جمّن جلدی سے دوڑے آکے کیا دیکھتے ہیں کہ میاں ممّن گر پڑے ہیں۔

نواب صاحب اور اختر ممّن کو کمرے میں لائے اور حسین علی سے کہا جا کے دریافت کر کہ آخر ہے کون۔

حسین علی نے گاڑی کے پاس جا کے پوچھا کون صاحب تشریف لائی ہیں۔

کوچمین نے کہا کہ بیگم صاحب فرماتی ہیں جب تک نواب صاحب نہ آئیں گے ہم کسی سے بات نہ کریں گے۔

حسین علی نے پوچھا سواریاں کہاں سے آئی ہیں کہا اٹلی ٹولے سے جو کچی گنج کے پچھواڑے ہے۔

حسین علی نے کہا اچھا گاڑی کو یہیں برآمدے میں ہی روکے رہو۔ میں سمجھا تھا کہ پھاٹک پر کھڑی ہے

ہم نواب صاحب کو اطلاع کرتے ہیں۔ جا کر عرض کیا سرکار ٹلی محلّے سے سواریاں آئی ہیں اور حضور کو بلا رہی ہیں۔ برآمدے میں گاڑی کھڑی ہے۔ نواب صاحب دنگ کہ یا الٰہی اس وقت کون تباہی زدی دوڑی آئی ہے۔ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔

نازو اور قمرن کو بھی حیرت تھی۔ کہا کہیئے تو ہم دوسرے کمرے میں جا کے چھپ رہیں۔

اختر۔ نہیں بیٹھی رہو خدا جانے کون مارا پیٹا آیا ہے۔ جیسے ہی نواب صاحب گاڑی کے قریب گئے اور آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں ویسے ہی ایک قہقہہ پڑا اور گاڑی سے آغا محمد اطہر اور نواب چھٹن صاحب اترے۔ پھر ایک قہقہہ پڑا۔ اختر نے کہا میں جا کے دیکھوں تو ذرا کون لوگ ہیں۔ اتنے میں سب صاحب اس کمرے میں خود ہی آ گئے۔

قمرن کہ چوتھی کی دلھن بنی بیٹھی تھی ان لوگوں کو دیکھ کر ذرا لجائی۔ تو نواب چھٹن صاحب نے قریب جا کر کہا۔ ارے ظالم مار ڈالا۔ ایک عسکری پر کیا فرض ہے۔ ہم سب لٹو ہیں۔ مگر بھائی عسکری یار تم نے بڑا کمپا مارا۔ اچھا خیر۔ جی۔ ان کا کیا نام ہے۔

ممّن کہ ان لوگوں کے سامنے اپنے گر پڑنے کا حال کھل جانے کے لحاظ سے کچھ پہن پہنا کر بن سنور کے بیٹھے تھے کہنے لگے حضور ان کا نام نازو ہے۔

راوی۔ مگر میاں ممّن کے دل کا حال خدا ہی پر روشن تھا جو سختی اور تکلیف گذر رہی تھی۔

چھٹن صاحب نے کہا بی نازو صاحب آپ ادھر ہماری بغل میں آن کے بیٹھیے۔

آغا محمد اطہر بولے۔ اور بھئی ہم کہاں جائیں۔ قمرن ان کی یہ آپ کی بغل گرمائیں۔ ہم کیا کریں۔

چھٹن۔ آغا صاحب آپ ان کی بوڑھیا کو بھانسیئے ـــ

راوی۔ اس پر بڑا فرمائشی قہقہہ پڑا۔ اور دیر تک رہا۔

نازو۔ ماشاء اللہ سے آپ کتنے بھلے مانس ہیں۔

قمرن۔ اے امّی جان کو کہتے ہیں! واہ وا واہ۔ یہ بھی قمرن کی شوخی تھی۔ یہ پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ بڑھیا کس سے مراد ہے۔ مگر جب نازو نے تنک کر جواب دیا تو کس بھولے پن کے ساتھ پوچھتی ہیں۔ اے امّی جان کو کہتے ہیں، جی اور آپ کیا سمجھتی تھیں۔ قمرن نخرہ کر کے اور ناک بھوں چڑھا کر اٹھی، اور کہا گاڑی منگوایئے ہم اب گھر جائیں گے۔ کوئی اپنے ماں باپ کو گالیاں کھلوائے تو تمھاری صحبت میں بیٹھے۔

نازو۔ ہم جانتے کہ یہاں اس قدر شہد پن ہوتا ہے تو ہرگز ہرگز نہ بیٹھتے۔

قمرن ۔ سب بچے ہی بچے بھرے ہیں یہاں ۔
چھٹن ۔ اللہ اللہ ۔ یہ خفگی ۔معشوق ہی تو ہین ۔ لے آپ بیٹھئے ہم جاتے ہیں ۔
نواب ۔ آیں ! یہ کیا ۔ نواب ۔ نواب ۔ میاں سنو تو ۔
چھٹن ۔ (برآمدے میں ٹھہر کر) واللہ میں نہ ٹھہروں گا ۔

اتنے میں آغا محمد اطہر اور ممتن اور اختر بھی باہر آ ئے ۔

نواب ۔ اور سُنا آپ نے چھٹن صاحب بگڑ گئے ۔
ممتن ۔ اے حضور یہ تو معشوق لوگ ہیں ۔
اختر ۔ معشوق لوگ کیا خوب واہ صاحب واہ ۔
نواب ۔ بھئی از برائے خدا بیٹھو ورنہ بڑی بدمزگی ہو جائے گی بھائی جان ۔
ممتن ۔ حضور اب جانے بھی دیجئے ۔ ان کی بات کا برا کیا ماننا ۔
چھٹن ۔ منہارن چوڑی والی اور یہ گفتگو ۔

ع گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقے

نواب ۔ بھئی چوڑی والی کی چھوکریاں ادب اور تمیز اور گفتگو کیا جانیں ۔ ممکن ہے بھلا ۔ ان کے گھر جو گیا تو کل چیزیں بے جوڑ پائیں ۔ گلوری میں زعفران کھاتے سنا ہے کسی نے ۔ یہ صرف اظہار تجمل کے لئے مشک کے عوض زعفران ۔ پان کیا کھلایا گویا پان پلاؤ ایجاد کیا ۔
ممتن ۔ حضور سلونے کے ساتھ زعفران اور میٹھے کے ساتھ مشک کا میل ہے اور اس کا پسادُ ۔
نواب ۔ اجی اب پساؤ اور مزعفر کا ذکر چھوڑو ۔ ان کو مناؤ کہیں ۔ ان کا روٹھنا غضب ہے ۔
چھٹن ۔ یار سچ کہوں ۔ واللہ وہ صورت ان دونوں نے پائی ہے کہ جی چاہتا ہے صبح سے شام تک چھیاں لیا کروں ۔ مگر یہ ہم سے کیا حماقت ہوئی کہ ہم خواہ مخواہ تنک کر چلے آتے اب جاتے ہیں جھیپتے ہیں اور نہیں جاتے تو محمد عسکری صاحب کے خلاف ہوتا ہے ۔

الغرض بڑے اصرار کے بعد نواب چھٹن صاحب کمرے میں تشریف لائے تو قمرن نے شوخی کے ساتھ کہا اے باجی سچ کہنا اللہ نے ہمیں کیسی صورت دی ہے کہ اچھے اچھے شہزادے ہم پر عاشق ہیں ۔

نازو بولی ۔ بہن تم کو اپنی قدر ہی نہیں ہے ۔ اے خالی خولی شہزادے ہی نہیں ۔ بلکن اونچے اونچے گھروں کی شہزادیاں تک تم پر عاشق اور فریفتہ ہیں ۔

ایک نواب چھٹن صاحب ہیں۔ ان ہی کی بیوی تم پر جان دیتی ہیں چھٹن صاحب اس فقرے پر مسکرائے۔

محمد عسکری نے مسکرا کر کہا۔ جی۔ یہ تو آج معلوم ہوا۔ نواب چھٹن صاحب کی محبوبہ بھی تماش بین ہیں۔

اس لطیفے پر بڑا قہقہہ پڑا۔ نازو اور قمرن اس قدر کھلکھلا کر ہنسیں کہ لوٹنے لگیں۔ اور محمد عسکری کی بڑی تعریف کی۔

اتنے میں چھٹن صاحب نے کہا بھئی سردی معلوم ہوتی ہے نازو ذرا اپنا چادرا تو ہمکو اڑھا دو۔

نازو نے کہا چہ خوش اچھی کہی۔ اور ہم سردی کھائیں۔ کہا ہم تم دونوں اسی میں دبک رہیں۔

وہ فوراً راضی ہو گئی اور نصف انھوں نے اور نصف اس پری جمال نے اوڑھا اور زانو بزانو بھڑ کے بیٹھے چھٹن صاحب نے کہا۔ ؎

ہم نشیں جب مرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے وہ مرے گھر میں چلے آئیں گے

نواب۔ آپ کے ایام۔ ہاں کیسے ایام ہیں۔

اختر (مسکرا کر) حضور کی بذلہ سنجی کی واللہ دھوم ہے۔

نواب۔ قمرن آج بڑی خنکی ہے۔ ذرا کھسک تو آؤ۔

قمرن۔ تم خود ہی نہ کھسک آؤ کیا پاؤں کی منہدی چھٹ جائے گی۔ ہم تو نہ آئیں گے۔

نواب محمد عسکری نے اپنے معشوق برق دم کو اپنی جانب کھینچ کر چاہا کہ گود میں لیں تو قمرن فوراً تڑپ کر وہ ہو رہی اور کہا بڑے مزے میں آ گئے۔

محمد عسکری جھیپ کر یہ شعر پڑھنے لگے۔ ؎

اے کہ در شوخی نداری ہمسری
می نمائی ہر دمی از منظری

چھٹن۔ بی قمرن۔ کیوں راضی کیوں نہیں ہو جاتی ہو۔ نواب محمد عسکری تم کو گود بٹھانا چاہتے ہیں۔

گود بٹھانے کے فقرے پر سب ہنس پڑے چھٹن صاحب نے کہا کیوں اس وقت کا کیسا بدلا لیا۔ نہ کہو گے ہم سے اور مذاق ہم سے اور فقرہ بازی کیا دلگی ہے۔ ہونھ۔

اتنے میں قمرن جھپ سے آن کے محمد عسکری کی گود میں بیٹھ گئی اور قریب تھا کہ یہ کسی قسم کی دست

درازی کریں کہ وہ چمک کر پھر الگ ہو گئی۔میاں اختر نے کہا۔الٰہی خیر۔عورت ہے یا چھلاوا۔ اللہ رے پھرتی۔ان سے شوخی رگ و پا میں خون کے ساتھ ساتھ شوخی بھی دوڑتی ہے۔

محمد عسکری نے کہا خون کے ساتھ ساتھ نہیں بلکہ یوں کہو کہ خون کے عوض شوخی ہی رگ و پے میں دوڑتی ہے۔

اِس عرصہ میں قمرن دو تین بار تو برآمدے میں ہو آئی دو ایک مرتبہ شیشے کے دروازے سے باغ کی بہار لوٹ آئی اور ایک بار نواب صاحب کے رخساروں پر بھی سب کے سامنے بے جھجک بے دھڑک ہاتھ پھیر آئی۔

نواب صاحب نے کہا برآمدے میں نہ جاؤ خدا کے لئے کہیں بجلی نہ شرما جائے۔چھٹن صاحب بولے بی نازو تم جب سے باغ میں آئی ہو پھول مارے غیرت کے عرق عرق ہو گئے ہیں۔اب ان دونوں میں تکرار ہونے لگی۔وہ کہیں ہمارا معشوق اچھا ہے اور یہ کہیں ہمارا معشوق اچھا ہے۔

چھٹن صاحب نے کہا ایک یہ دن کلکتہ سے لکھنؤ صرف بی نازو کو دیکھنے کو آئی تھی۔اور کون یہو دن وہ یہو دن جو تمام کلکتہ کی ناک تھی۔محمد عسکری نے کہا۔بس۔اور بی قمرن وہ حسین ہیں جن کا جواب تمام فرنگستان میں نہیں ہے ایک مرتبہ دریانا میں حسن کی نمائش ہوئی تھی اور ہماری ملکہ معظمہ کے ولی عہد حضور شہزادہ ویلز حکم بدے گئے تھے اور انھیں کی جانچ پر کل امور کا دارومدار تھا کہ جس کو وہ منتخب کریں وہ پہلا انعام پائے۔اس نمائش میں بی قمرن کی تصویر بھی گئی تھی اور اوّل انعام ہماری بیوی قمرن ہی نے پایا تھا۔

اختر۔اس میں کیا فرق ہے خداوند بیوی ہے کہ پری۔

ممن ۔بچہ حور ہے۔واہ رے شکل۔اہو ہو ہو۔

چھٹن ۔بی نازو جان صاحب۔نواب نازو بہو صاحب۔

نواب۔حضور نواب قمرالنساء بیگم صاحب مزاج شریف۔

اختر ۔حضور منشی مہراج بلی صاحب سے اور نواب چھٹن صاحب بہادر سے اب تیغ چلے گی ان کی نازو پر جان جاتی ہے۔

نازو۔ایک ان پر کیا فرض ہے ہم پر آدھا لکھنؤ مرتا ہے۔

قمرن۔بس ہم پر سارا ملک جان دیتا ہے۔

نازو۔گھر کی ٹیکی باسی ساگ ذری صورت تو بنواؤ۔

قمرن ۔ اے باجی ہماری تمہاری شکل میں فرق ہے۔
نازو ۔ اے کیوں نہیں ایسی ہی صورت ہے ۔ ماشے اللہ۔

قمرن آکے نواب صاحب کے بغل میں بیٹھی۔ اور بی نازو دکشتۂ ناز چھٹن صاحب کی زیب آغوش تھیں کچھ دیر تک محفل طرب گرم رہی کوئی ایک بجے کے وقت مینھ ذرا تھما تو آغا محمد اطہر اور نواب چھٹن صاحب اور میاں اختر اسی گاڑی پر سوار ہو کر اپنے اپنے گھر گئے۔ اور ممن شاگرد پیشے میں سو رہا۔ بی نازو نے کہا۔ اور ہم کہاں سوئیں گے۔ نواب صاحب نے شہ نشین کی طرف اشارہ کر کے کہا تم اس میں آرام کرو۔ وہ بولی اوئی میں تو ڈر ڈر کے مر جاؤں گی اس میں اکیلی۔ نیا مکان اندھیاری رات۔ اکیلی کیوں کر سو سکوں گی۔ انھوں نے مالی کی بیوی کو بلوایا اور حکم دیا کہ تم ان کے قریب سو رہو۔

نواب فلک رکاب کے بخت رسا نے یہ رسائی دکھائی۔ منہ مانگی مراد پائی صنم آرزو سے ہم آغوش ہوئے جب کمرہ بالکل خالی ہو گیا تو قمرن نے نواب صاحب سے کہا کہ بس اب نیچے بیٹھے رہیے گا اور اگر ذرا بھی تم نے چھیڑ چھاڑ کی تو میں بھاگ ہی جاؤں گی۔

نواب صاحب نے کہ اس وقت شراب محبت سے نشے میں چور تھے بہت چست آغوش میں لیکر ایک بوسہ لیا مگر منہ ذرا ڈھیلا تھا کہ قمرن تڑپ کر ان سے نکل بھاگی۔ وہ فوراً ایک دروازہ کھول کر باہر سو رہی ہائے اس وقت نواب صاحب کی بے تابی اور بیقراری اور قمرن کی شرارت اور شوخی قابل دید تھی۔ نواب صاحب کے کلیجے پر سانپ لوٹنے لگے۔ ؎

میرے آغوش سے کیا ہی وہ تڑپ کر نکلے
ان کا جانا تھا الٰہی یہ کہ جانا دل کا

نواب۔ دیکھو قمرن عاشق کا دل دکھانا اچھا نہیں۔
ق ۔ اوئی عشق کرنے چلے ہو۔ اور اتنا بھی نہیں جانتے ۔
نواب ۔ عاشق نواز ہونا چاہیے نہ کہ عاشق کش ۔
ق ۔ پانچ سو کے سونے کے چھڑوں پر پھسلائے لیتے ہو۔
نواب۔ (ہاتھ جوڑ کر) کیوں ستاتی ہو۔
ق ۔ ستانا تو نہ چاہیے (مسکرا کر) دل دکھانا برا ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ کبھی کسی کا دل نہ دکھائے۔
نواب۔ آپ ہی تو قتل پر کمر باندھے ہوئے ہو، اور آپ ہی کہتی ہو قتل کرنا برا ہے۔ ؎

جور بھی کرتے ہو اور کہتے ہو یہ بھی ہنس کر
سچ ہے اچھا نہیں ہوتا ہے دُکھانا دل کا
اور پھر اس کا دل دُکھاؤ جو یہ دل تمہاری نذر کر چکا ہے۔

ق ۔ اپنے مطلب کی بات نہیں چھوڑتے۔ اور ہم نے جو کہا اُس کو کیسا اُڑا دیا۔

نواب۔ ایک سونے کے چھڑوں کی کیا حقیقت ہے۔ جان من جان تک حاضر ہے واللہ۔ مال کیا شے ہے۔ اگر جان سے دریغ کروں تو سزا دو۔

ق ۔ لاؤ اچھا لاؤ اس وقت کیا دیتے ہو۔ لاؤ۔

نواب۔ اب اس وقت بھلا کیا ہے ہمارے پاس جانی۔

ق ۔ واہ نہ ہونا کیسا کسی بات کی کمی ہے۔

نواب۔ وہ کہتی نہ ہی اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مگر سر دست میں کیا کر سکتا ہوں یہاں پر۔ گھر پر آدمی بھیجوں تو خزانہ کون کھولے۔ گھر میں بدنامی ہوگی۔

ق ۔ اچھا ایک بات بتا دیں تمہارے پاس یہاں ہی موجود ہے یہ باغ ہمارے نام لکھ دو (قریب آن کر ایک بوسہ لیا)

نواب صاحب پکڑنے ہی کو تھے کہ وہ طرارہ بھر کر مولسری کے درخت کے پاس پہونچی۔

نواب۔ خدا گواہ ہے۔ یہ باغ ہمارے گھر کے لوگوں کے نام ہے۔ یہ بیگم کے نام ہے۔ انکے باپ نے جہیز میں دیا ہے۔ اور ملکیت بھی انہیں کی ہے۔

راوی۔ واہ قمرن کیوں نہ ہو اچھا کمپا مارا تھا۔ اور کمپا مارنا کیا معنی باغ گھوم جاتا۔ مگر نواب صاحب مجبور تھے ورنہ ایک بوسے پر بی قمرن باغ گھما لیتیں۔

ایک مہاراجہ صاحب نے ایک بائی جی کو صرف ایک بوسہ پر پانچ ہزار چہرہ شاہی کھنا کھن گنوا دیئے تھے۔ نواب صاحب کی ریاست کب اس کی مقتضی ہوتی کہ باغ کی فرمائش سے منہ موڑیں مال ہاتھ کا میل ہے۔ رخسار شاہد گلعذار کا بوسۂ روح پرور کہاں ملے۔

ق ۔ اچھا نواب سنو ادھر آؤ۔ مگر جھبر جھاڑے میں بہت گھبراتی ہوں۔

نواب۔ (قریب جا کر) یہاں خنکی ہے۔ اندر چلو جانی۔

ق ۔ ہمیں تو گرمی معلوم ہوتی ہے۔ نواب سردی کیسی۔

نواب۔ ہائے یہ جوانی بھی کیا شے ہے۔ اور پھر اٹھتی کوپل۔

ق ۔(ہاتھ میں ہاتھ دے کر ٹہلنے لگی) اچھا نواب ایک بات کہیں مانوگے۔
نواب۔ جو چاہو وہ کہو۔ مگر ایک بات نہ کہو بس۔
ق ۔ اچھا ہم میں اور تم میں ایک شریط (شرط) ہو جائے۔
نواب۔ تم سے شرط یہی ہے کہ جو ہم کہیں۔ اس کے جواب میں تم نہیں نہ کرو۔ اور تم کہو اس کے جواب میں ہم نہیں نہ کریں۔
ق ۔(ہاتھ پر ہاتھ مار کر) منظور ہے کہہ ڈالو۔
نواب ۔ تم ہمارے دل کی خواہش پوری کرو۔(ہاتھ جوڑ کر)

ع دل بہت بے قرار ہے اس وقت

قمرن نے نواب صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کہا چلو کمرے میں اب ہمیں نیند آتی ہے۔ اور ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گئی۔ مولسری کے درخت سے کمرے تک جاتے جاتے کوئی بیس جگہ بدکرنے بل کھایا۔ اور بیس ہی دفعہ اس طرح کا جھونکا دے کے چلی کہ نواب صاحب کو سنبھالنا پڑا۔

اتنے میں کمرے کے دروازے بند ہو گئے۔

صبح کو جب شاہ خاور تخت زرنگار سپہر جلوہ گر ہوا۔ تو عروس چاردہ سالی بی قمرن صاحب خواب ناز سے بیدار ہوئیں اور منہ ہاتھ دھو کر جانے کے لئے تیار ہوئیں آنکھیں نیچی کر کے لجاتی ہوئی نواب صاحب سے کہا نواب قول پورا کرو گے۔

نواب صاحب نے کہ شربت وصال کا ذائقہ جان بخش چکھ چکے تھے۔ اور لٹو ہو گئے۔ ؎

وصال یار سے دونا ہوا عشق
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

پیشتر کی نسبت صنم عربدہ جو د شاہد قوس ابرو کی تیغ محبت کے اور بھی گھائل ہو گئے تھے۔ کہا قول جان کے ساتھ ہے۔

قمرن نے گلے میں باہیں ڈال کر ایک بوسہ لیا اور کہا یہ باغ ہمارے نام لکھ دو میرے اچھے نواب۔

نواب صاحب نے بوسہ لے کر کہا (ہمارے نام لکھ دو) کیا معنی ہم وہ تدبیر سوچ رہے ہیں کہ باغ تمہارا ہو جائے اور صرف باغ ہی نہیں بلکہ ہماری جائداد کی تم قابض ہو جاؤ۔ باغ کون بڑی کائنات ہے۔ قمرن بددماغ ہو گئی اور بولی جاؤ بس دیکھ لیا۔ دمڑی کی ہنڈیا گئی کتے کی ذات پہچان لی۔

نواب صاحب نے بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور کہا بس دمڑی کی ہنڈیا ہی کا نقصان ہوا نا۔
اس فقرے پر قمرن اس قدر جھینپی کہ سیدھی نازو کے کمرے میں بھاگ گئی اور دروازے بند کر لیے اب نواب صاحب لاکھ لاکھ منتیں کرتے ہیں وہ ایک نہیں سنتی ہے۔
اتنے میں نازو نے قریب آن کر ایک سوال کیا واللہ اعلم کیا پوچھا جس کے جواب میں قمرن نے گردن نیچی کر لی اور خاموش ہو رہی نازو نے گدگدانا شروع کیا۔ کہا بتاؤ بہن۔ بولو۔ بولو قمرن اوئی یہ نگوڑی حیا کا یہاں کون کام ہے۔ پھر وہی سوال کیا تو قمرن نے کہا (نہیں مانتی باجی تم) نازو نے پھر وہی امر دریافت کیا تو قمرن نے کہا یا میرے اللہ وہاں سے بھاگ کر یہاں آئی یہاں انھوں نے ناک میں دم کر دیا۔
نازو نے کہا اچھا تم اتنا بتا دو کہ ہاں یا نہیں۔ قمرن بولی ہم نہیں جانتے۔ بن ناحق کو چھیڑتی ہو باجی۔
بڑی دیر کے بعد نازو نے دروازہ کھول دیا تو نواب صاحب نے نازو کو سلام کیا۔ اور کہا اب تمھارا لحاظ کیا کریں گے تم ہماری بڑی سالی ہو۔

لیے دیئے

نازو اور قمرن اور نواب صاحب کو تو ابھی باغ ہی میں مزے لوٹنے دیجیے۔ اور اب منشی مہراج بلی صاحب کی حالت زار کا حال سنئے کہ گھر کے رہے نہ گھاٹ کے۔ بوڑھو تی وقت یہ بڑ بس لگا کہ پہلے نازو چوڑی والی سے اختلاط کرنے۔ عشق چرایا کہ اس نوخیز منہارن سے بغل گرم کریں، اور یہ خبر نہ تھی کہ کوچۂ عشق کی راہیں کیسی ٹیڑھی ہیں۔ عاشقی معشوقی کھیل اور خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔
محمد عسکری اوّل تو جوان آدمی، دوسرے دولت مند، تیسرے دس کی جگہ بیس خرچنے میں بند نہیں۔ پھر حسین اور خوش پوش، پھر ان سب پر طرہ یہ کہ پانچ سو چہرہ شاہی ذرا سی بات میں گن دیئے۔ اب قمرن ان پر ہزار جان سے عاشق ہو یا نہ ہو۔ آپ اوّل تو خیر سے پیر فرتوت خضاب کے بھروے عاشق ہوئے دوسرے پیسے دو پیسے کے بخیل۔ ٹکا خرچ جانہ چاہیں۔ تیسرے جعلساز فریبئے۔ دھوکے میں کام نکالا۔ اور دھتا بتائی اور سب پر مستزاد یہ کہ گول آدمی اور بید قطع ہاتھ پانوں کھدر کا واک۔ بھونڈے بھونڈے توند بے ایمان کی قبر، نازو پر عاشق ہوگئے، تو دیتے وقت نوٹ کی وہ چھپا لیدرکی کہ توبہ ہی بھلی۔ مگر واہ رے نازو۔ جلا کر وہ زناٹے کی ٹیپ رسید کی

کہ عمر بھر نہ بھولیں گے چوبے جی چھبے ہونے گئے تھے دوبے ہی رہ گئے. بوس و کنار کے عوض کھوپڑی ہی پلپلی ہو گئی۔ راہ میں ان کے خدمتگار نے کہ ایک ہی اُجڈ آدمی تھا خوب ہی جلی کٹی سنائیں اس پر اور بھی جھلائے مگر قہر درویش بر جان درویش چپت کھانے سے ان کا عشق اور بھی بڑھ گیا۔ سے

پیری کہ دم زعشق زند بس غنیمت ست

۔ دز شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت ست

چپت کھا کر خود بدولت تو ایک دوست کے یہاں چلے گئے اور خدمتگار اور مہری کو رخصت کر دیا۔

اب سنیے کہ ان کا خدمتگار ایک بڑا اجڈ اور جھلا. بوڑھا آدمی تھا۔ اور بے لے سرے کا دشمن عقل اُس نے گھر جا کر ایک باندی سے جو اندر آتی جاتی تھی کچا چٹھا کہ سنایا کہ آج منسی منہارن کی بھری گئے رہین تو وہ ساس آوَ دیکھیں نہ تاؤ جاتے ہی کھبر لہس اور ایک دہس کھپڑی پر اَس چٹا کا بھوا کہ کا کہی تم سے۔ ہم کا تون ہنسی چھوٹی بھائی کر یا مدا چپائی مار رہیون۔

بارن نے چپ چاپ سب حال سنا اور گھر میں جا کر مہراج بلی کی بیوی سے بیان کر دیا ان سے اور مہراج بلی سے نہیں بنتی تھی اب قدرت خدا سے موقع ہاتھ لگا تو بھلا کب چوکتی۔ دھروا دیا۔ مہراج بلی کی بیوی نے اس مہری کو بلایا جو بیاہبر تھی اور جو ناز دکو جہانسا دے کر مٹھار کے لائی تھی۔ اس سے پوچھا کہ یہ کس چوڑی والی کے ہاں گئے تھے۔ وہ ایک ہی کلان کار سوچی کہ اگر صاف صاف کہے دیتی ہوں تو ان کے ہاں آنا جانا موقوف ہو جائے گا صاف مکر گئی۔ کیسی منہارن کون چوڑی والی کوئی پہیلی بجھوا وت ہو میں کا جانوں ہکا بکا کھبر۔ لگی ہوا بتائے۔

مہراج بلی کی بیوی نے کہا اگر صاف صاف کہدے تو چار آنے انعام کے دوں۔

اللہ اللہ۔ چار آنے یہ لمبی رقم۔ اب کیوں نہ بتا دے گی مگر وہ غریب عورت بے چاری مکھے گی کہاں۔ اب تو ضرور ہی بتا دے گی۔ کیونکہ عمر بھر کے کھانے کا سہارا ہوا جاتا ہے انھوں نے مہراج بلی کے بھی کان کاٹے۔ چار آنے انعام کی کیا کہی ہے۔

سہری نے چھاؤں تک نہ دی۔ اور لگی اڑان گھائیاں بتانے مہراج بلی کی بیوی کو یقین نہیں آتا کہ یہ چوڑی والی کے ہاں گئے ہوں۔ وہ سوچتی تھیں کہ جوانی میں تو انھوں نے یہ حرکتیں کبھی کی نہیں بڑھاپے میں بھلا کیا کرتے۔ اور پھر چوڑی والی اور ان کو مارے۔ یہ کہیں ہو سکتا ہے بھلا۔

لیکن بارن نے کہا کہ میں نہ سنوادوں تو ٹکڑے ٹکڑے نکال دی جاؤں۔ اور تدبیر یہ کی کہ مہری کو اشارہ کر دیا کہ خبردار بتانا نہیں۔ اور جب مہراج بلی کی بیوی کسی کام کو اٹھ گئیں، تو خود بھی ان کے پیچھے پیچھے گئی۔ اور کہا تم آڑ میں سے سنو میں سب اس سے قبولوائے دیتی ہوں جب وہ آڑ میں بیٹھ گئیں تو اس نے مہری سے کہا خبردار بتائیو دتائیو ناہیں۔ مدا یہ ان کا سوجھی کا۔ کوؤ اس ناہیں کر سکتا ہے۔

مہری سمجھی کہ یہ بھی مہراج بلی کی ہمدرد ہے۔ کہا جوں بدا ہوت ہے توں ہوت ہے۔ بوڑھے منئی اور پھر رئیس اور منہارن ان کا مارے۔ رام رام۔

بارن کا مطلب تو پورا ہو گیا۔ اب بیوی کو یقین کامل ہو گیا کہ میاں پر چوڑی والی خوب ہی برس پڑی۔ مہری نے کہا بھلا سو للکارن کہ ناہیں کہ سسری یہ کا ذکر کرت ہے اس نے کہا اے ہوں سے نہی چھوڑ کر بھاگ آئے۔

مہراج بلی کی بیوی بھی یہ سب سن کر یہاں آکے بیٹھی مہری کی صورت سے نفرت تھی۔ کہا اچھا تو جاب بس کام نکل گیا۔ رہا اب آج سے لاگر آئی تو منہ جھلس دوں گی تیرا۔ مہری تو چمپت ہوئی۔ اور بارن نے اور بھی چمکانا شروع کیا۔ گجب ہوئی گوا۔ بڑا گجب ہوئے گوا۔ منہارن سے بیاہ کرے گئے راہین۔

مہراج بلی کو کیا خبر کہ گھر میں خبر ہو گئی۔ یہ اپنے ایک دوست کے پاس گئے اور ان سے کہا بھئی ہمیں ایک امر میں مشورہ لینا ہے۔ ہم ایک عورت پر عاشق ہوئے ہیں اور وہ بے اعتنائی کرتی ہے۔ کوئی تدبیر بتا دو۔

ان کے دوست نے اول جلول تقریر سن کر کہا آپ پاگل ہو گئے ہیں۔ یہ سن اور عشق عقل کے ناخن لو صاحب۔ ؎

شوہر ہزار بو لی گیتی نے چٹ کئے
عقد نکاح باندھنے اس بیوہ زن کیساتھ

مہراج بلی نے اپنے دوست میاں عاقل سے کہا۔ یار ہنسی دل لگی کی سند نہیں ہے تدبیر بتاؤ۔ ابتک تائب رہے مگر اب تائب نہیں رہا جاتا۔ دل ناداں ایک پری پر آگیا۔ ؎

مے سے تائب تھا و لیکن آج بلی
ہاتھ لگ جائے تو چھوڑوں کس طرح

عاقل ۔ اے تو بھئی اس سن میں اور عشق و معشوق۔

مہراج۔ اس میں بندے کا کیا بس ہے عجیب صورت ہے۔ ہائے کیا آنکھیں پائی ہیں۔ ؎

مرے ہوئے تری آنکھوں پہ یار ہم بھی ہیں
شہید گردش لیل و نہار ہم بھی ہیں

واللہ اس وقت تصویر آنکھوں کے نیچے پھر گئی۔

ع؎ کسی معشوق کا بوٹا سا قد آنکھوں میں پھرتا ہے

عاقل ۔ ہم کو دکھا تو دو۔ یہاں بلواؤ ایک روز۔

مہراج ۔ بھئی تم کسی تدبیر سے بلواؤ میرے بلانے سے نہ آئے گی۔ ؎

ہے ظلم اس کو پیار کیا ہم نے کیا کیا
کیا جبر اختیار کیا ہم نے کیا کیا

عاقل ۔ اور آپ کے معشوق کا سن شریف کیا ہے۔

مہراج۔ کوئی انیس برس کا سن ہوگا بس۔ اے یار۔ آنکھیں لڑتے ہی تیر سا کلیجے میں لگا۔ ؎

گئی آنکھوں تلے بجلی سی اک کوند
سمند ناز نے ڈالا اسے روند
کہا دل نے مرے دیکھی جو وہ مانگ
کہ ہے یہ رات آدمی کچھ دعا مانگ
بہم آنکھوں سے آنکھیں لڑ گئیں خیر
عجائب نرگستان کی ہوئی سیر

ع ۔ خیر یہ تو شاعرانہ خیالات ہیں اب۔

م ۔ شاعرانہ خیالات نہیں بخدا۔ اس سے بڑھ کر ہے۔ بس میں اور تعریف کر سکوں۔

جان لکھنؤ ہے۔ سارے لکھنؤ کی ناک ہے۔ بینی شہر لکھنؤ گفتہ شدن مبالغہ۔ مبالغہ۔ نمودن نتواند۔ خصوصاً داستان وے واہ واہ۔ چہ گفتم۔ وکسے چہ گفتہ شود۔ کہ ہر دو دست وے چو رستہ ہر شاخ مرداربد۔ سرخ و سفید۔ دید نہ شنید از عقل بعید۔ ؎

جبکہ یاد آتا ہے ڈیل اُس کا وہ گدرایا ہوا
ہر طرف پھرتا ہوں میں اے دوست گھبرایا ہوا

ع ۔ منشی مہراج علی صاحب اب تو آپ اُبج کی لینے لگے فارسی کتنی اچھی بولتے ہیں آپ۔

م ۔ من فارسی بیان گفت۔ صاحب ایران۔

راوی۔ اے سبحان اللہ۔ خراسان کے ہو یا نہیں اور اب ہم فارسی بولتے ہیں۔ دست دی کہ حوراست بر شاخ مرواید۔

ع بزن ٹیپے کہ کوہستان بلرزد

فہمیدی بابائے شما۔ بر فرقدان عاشق خود کہ عبارت از مہراج بلی گول مول ست آن زدکہ از نام اور روٹی مشہور ست چیت کہ چپاتی ازو بفے زائد۔

م ۔ مگر یار اس ظالم ستم شعار کی جانب سے ہمیں مایوسی ہوتی جاتی ہے۔

ع ۔ نہیں نہیں مایوس نہ ہونا چاہئے۔ ؎

روپا برسائیں گے روپہلے بادل
سونا برسائیں گے سنہلے بادل
امید نہ توڑ حق سے انشاء اللہ
آپہونچے وہ دیکھ اہلے گہلے بادل

یہ دو رباعیاں روز بستر سے اٹھنے کے بعد پڑھ لیا کرو ایک یہ اور ایک اور۔ ؎

یا بار الٰہ مصطفٰے کا صدقہ
اولاد بتول و مرتضٰی کا صدقہ
برسا دے مینہ ہری بھری ہو خلقت
یارب شہدائے کربلا کا صدقہ

م ۔ یہ رباعیاں لکھ دو۔ مگر بھائی خالی خولی رباعیوں سے کیا مطلب نکلے گا ہائے۔

وہ ظالم کی مسی آلودہ رنگ
جھلک میں موتیوں سے بھی دو چند
لگا کر ناخن پا سے وہ تا فرق
سراسر حسن کے دریا میں تھی غرق

تو بھائی صاحب کوئی تدبیر سوچئے۔

مہراج بلی کو ان کے دوست اور ان کے احباب نے خوب چنگیوں پہ اڑایا اور بنایا۔

ا ۔ کہئے بی نازو سے کیسی نبٹی۔ ہو خوش قسمت یار۔

۲۔ کہئے منشی مہراج بلی صاحب خوب مزے رہے۔

۳۔ اس وقت تو آپ کا دماغ ہی نہیں ملتا جناب۔

۴۔ واللہ کیا خوش نصیب آدمی ہے ہمارا یار مہراج بلی۔

م ۔(اپنے دل میں) خدا تم کو بھی خوش نصیبی دکھائے۔

۵۔ اجی حضرت زبان سے کچھ تو ارشاد فرمایئے؟

۶۔ (وہی شیدی) میں نے کہا میں بھی آداب عرض کرتا ہوں۔ اجی مہراج صاحب۔

اس کے آتے ہی حاضرین جلسہ اس قدر ہنسے کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔

مہراج بلی نے صدہا مغلظہ گالیاں دیں۔ اور انتہا سے زیادہ جھلائے۔ جس قدر یہ زیادہ جھلاتے تھے اسی قدر ان کے دوست ان کو بناتے تھے اور اس پر یہ اور بھی جھلاتے تھے۔

الغرض ان سب سے بگڑ کر مہراج بلی گھر پہونچے۔

تو اب دروازہ نہیں کھلتا۔ کھولو۔ دروازہ کھولو۔

(دھم دھما کر) ارے دروازہ کھول دو کوئی ہے۔؟

(کنڈی کو بجا کر) "ارے رامد نوا (رام دین) او مہری۔ گبرے کی مہرا رو۔ یہ کیا ماجرا ہے بھئی سب کے سب مر گئے۔ ایک سرے سے سب کو سانپ سونگھ گیا (دروازے کو زور سے ہلا کر) توڑ ڈالوں گا۔ ارے کھولو۔

صدائے بر نخاست۔ کوئی جواب ہی نہیں دیتا۔ بالکل سناٹا۔ یا مرے اللہ۔

مہراج بلی اس قدر جھلائے کہ سڑک پر سے ڈھیلے چن چن کر کے پھینک نے شروع کئے۔ دو چار ڈھیلے ادھر ادھر کے مکانوں میں پہونچے انھوں نے ڈپٹنا شروع کیا۔

ابے یہ کون ڈھیلے پھینکتا ہے۔ سر توڑ ڈالوں گا آکے۔ نامعقول بھلا اب تو پھینک۔

آخر کار دروازہ کھلا اور گھر میں تشریف لائے۔ تو بیوی منہ پھلائے ہوئے۔ بارن بات نہیں کرتی۔ گھر کی مہری چپ، سب کے بشرے سے خفگی اور ناراضی کے آثار نمودار تھے۔ ابھی ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ کہ اس کا سبب اصلی کیا ہے۔

مہراج۔ کتے بجے ہوں گے بارن اس وقت۔؟

بارن۔ ہم کا جانی جی بجے ہوں۔

مہراج۔ مہری بھر سنا تو نہیں کے بجے ہوں۔

مہری۔ ہمرے پاس کا کچھ گھڑی رہت ہے

بیوی۔ گھڑیالی سے پوچھو جاے کے کے بجے ہیں۔

مہراج۔ (جورو کی طرف دیکھ کر) یہ آج سست کیوں بیٹھی ہیں۔ ؟

بارن۔ ہم کا ناہیں معلوم۔ انہیں سے پوچھو جاے کے

مہری۔ ارے ہاں لے ہم پنچ کا جانی کاہے سست (سست) ہیں۔

بارن۔ منہارن کے بلواے بلواے بھیجیا (فضیحتا) اڑادت ہو۔

راوی۔ یہ سنتے ہی

ع کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

مہراج کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ۔ مارے شرم کے گردن نیچی ۔ غصے کو ضبط کر کے کہا منہارن کیسی۔ بس ان پر اس کی بیوی نے ڈانٹ بتائی۔

منہارن وہ جوں کھچڑی سہلائس رہے۔ اب بھیو کہ کون منہارن کرا بھیوناہیں سمجھیو۔ تمکا سرم نہیں آوت ہے۔ کہ لڑکا کی لڑکی۔ پوتا پوتی۔ ناتی نواسی موجود۔ اور حرکتیں اس کرت ہو۔

الغرض اپنی زبان میں ایک گھنٹے تک وہ وہ بے نقط سنائیں کہ مہراج بلی عرق عرق ہو گئے۔ مہری اور بارن کے سامنے کبھی ایسے کاہے کو ذلیل ہوئے تھے۔ اس نے کہا اگر تم کو ایسا ہی کرنا ہے تو مجھے زہر دیدو۔ یہ تمہاری عمر اور یہ لچر حرکتیں۔ تم رئیس آدمی، اور چوڑی والی کے گھر جاؤ۔ جو ہمرے پھرس (فرش) پر نہیں بیٹھ سکتا ہے۔ ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ بڑی گیرت (غیرت) کا کام ہے۔ یہ تم کا ہوے کا گولما اور یہ بڑھوتی وخت (وقت)۔ تمرے پوتی پوتا نتیا ناتن سنہیں تو کا کہئیں۔

مہراج بلی نے جھیپتی ہوئی آواز میں کہا۔ یہ سب غلط ہے۔ خدا جانے تم سے کس نے جھوٹی باتیں آکے کہہ دیں۔ اور تم کو یقین آگیا۔ میں تو جانتا بھی نہیں کہ کون منہارن۔ اور کیسی منہارن۔ یہ سب غلط اور جھوٹ ہے۔

بارن ۔ تو کھمت دار (خدمتگار) جھوٹ بولت ہے۔

مہراج۔ خدمت گار کون میرا تو سامنا کراؤ۔

بارن ۔ وہی کہت راہے ہم کا جانی۔

مہراج بلی نے دروازے کے پاس سے جھلا کر خدمتگار کو بلایا۔ کہا کیوں بے وہ منہارن کون ہے۔ اور یہ تو نے یہاں آن کے کیا آگ لگادی۔ طوفان باندھتا پھرتا ہے۔

خدمتگار۔ اے اب جون ہوا تون ہوا۔

بارن۔ بے سُنت ہو۔ جون ہوا تون ہوا۔

مہراج۔ (جھلّا کر) اب تو جوتے کھائے گا۔

خ۔ ارے صاحب جب تم پیٹو تو ہم کو آئیں۔

مہراج۔ دو تین گھونسے لگا کر) اور لے گا۔

خ۔ منہارن کا گستا (غصہ) ہم پر نکاست ہیں۔

مہراج۔ (اور پیٹ کر) اب تو ہٹ جا ہمارے سامنے سے۔

خ۔ اب ہم نوکری نہ کرب۔ بس اب جائت ہے۔

مہراج۔ دور ہو مردود نمک حرام۔ دور ہو یہاں سے۔

راوی۔ بارن اور اس خدمتگار میں بھی چشمک تھی۔ اس ترکیب سے اس نے اس کو بھی نکلوایا۔

اس دن سے مہراج جی اور ان کی بیوی میں نفاق شروع ہو گیا۔ یہ بات بات پر ان کی لے دے کرنے لگیں۔ اور روز جوتی پیزار ہونے لگی۔ بارن شیر ہو گئی۔ مہری ان کو بھونی مونگ کے برابر نہیں سمجھتی تھی۔ ان کا اختیار بالکل جاتا رہا۔ با ایں ہمہ نازو کا عشق ان کے دل میں اس قدر جاگزیں تھا کہ ہر دم اسی کی یاد میں سر دھنتے تھے۔ اور اسی کے عشق کے جنون میں تنکے چنتے تھے۔

دوسرے روز جب مہراج بلی اپنے اسی دوست کے ہاں پھر گئے تو ان کے دوست نے ان کو دیکھتے ہی مسکرانا شروع کیا کہا بھئی لاکھ ضبط کیا مگر ہنسی ضبط نہ ہو سکی۔

مہراج بلی بگڑ گئے کہا آپ دوستی یارانے کے قابل ہرگز نہیں ہیں لاحول ولا قوۃ ہم دردِ دل سُنائیں اور آپ سے اس کے علاج کی تدبیر دریافت کریں اور آپ اس کے جواب میں ہنسیں اور ہم کو بنائیں واہ کیا دوستی ہے۔ بس جاؤ بھی اب آج سے تمہارے یہاں آئے تو اس پر لعنت ان کے دوست نے ان کو للو پتو کر کے بٹھایا اور یہ مژدہ سنایا کہ بی نازو اب تھوڑی دیر میں آیا ہی چاہتی ہیں۔ ہم چاہے تم سے لاکھ دل لگی مذاق کریں، مگر تمہارے شریک حال تو ضرور رہوں گے لیکن بھائی صاحب ایک ٹیڑھی کھیر ہے پوچھئے وہ کیا۔ وہ یہ کہ نازو کا قول ہے کہ بغیر ایک شرط کے میں کسی ہندو کو صورت نہ دکھاؤں گی اور وہ شرط بڑی کڑی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ جس شخص کو میں نے ایک دفعہ چپت لگا دی اس کو نہال کر دیا۔ اور اگر دو بار چپتیایا تو پھر تمام عمر اس کو نہیں چھوڑتی۔ تو ہماری صلاح یہ ہے کہ آپ ایک چپت اور کھا جائیے۔ اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔

عاشقانِ کشتگانِ معشوق اند
برنیاید زکشتگاں آواز

مہراج بلی دل میں بڑے ہی خوش ہوئے کہ مار لیا ہے خدا کرے ایک مرتبہ اور چپت جمادے۔ بلکہ اب کی اس زور سے لگائے کہ بڑی ہی چوٹ آئے تو پھر کیا پوچھنا ہے۔

مہراج بلی نے کہا یار آج ہی بلواؤ تو لطف ہے۔ انھوں نے کہا آج ہی بلکہ ابھی ابھی گھر میں چوڑیاں پہنانے گئی ہے۔ آئے مگر شرط یہ ہے کہ آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھی جائے گی اور اندھیری چڑھائی جائے گی۔ اور ایک یا دو دھپیں لگا کر چلی جائے گی۔ کل تم اور وہ ہم بستر ہوگے۔ مگر اس میں بھی یہ شرط ہے۔ کہ کل بارہ بجے تک رہے گی۔ تب تک تم مست مارے پڑے رہنا جب اندھیری ہو جائے تو بس گھر۔

ع قرص مہتاب در سیاہی شد

اس کے بعد تھوڑی دیر میں منشی مہراج بلی کی آنکھوں میں پٹی باندھی گئی اور کہا اب تھوڑی دیر میں بی نازو آنے والی ہیں۔ ان کے دوست احباب بھی دو چار جمع تھے اور سب کے سب چپ چپ کر ہنستے تھے کہ اچھا گاودی پھنسا ہے۔

غرض جب مہراج بلی صاحب کی آنکھوں میں پٹی بندھ چکی تو سب نے کہا بھئی واللہ اس وقت تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محل سرائے میں ایک اور آفتاب جلوہ فگن ہے۔ رخ زیبا کا یہ نور ہے۔ اے سبحان اللہ۔

مہراج بلی آہ سرد کھینچ کر بولے۔ ؎

بھول کر اے چاند کے ٹکڑے ادھر آجا کبھی
میرے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی

اتنے میں ان کے دوست نے کہا (ہشیار می آید) چوڑیاں جھنکیں اور ان کی چندیا پر ایک ٹیپ پڑی تو حضرت فرماتے ہیں۔

منہدی مالیدہ ہاتھ کے دھپ سے
درد کافور ہو گیا سر کا

راوی۔ ایک چپت کی ابھی کسر ہے۔ رہا سہا درد بھی کافور ہو جائے چاہو جتنی ہو۔

مہراج بلی نے پھر دوسرا شعر موزوں فرمایا۔

کھاکے چپتیں ہوا وصال نصیب
خیر لکھا مرے مقدر کا

دوست۔ میاں بوسہ تو اب اس کے عوض مانگو، محنت کی راحت تو ملے۔

مہراج۔ (آہ سرد بھر کر) بس اس سے بڑھ کر بوسے کا مزہ بھی نہ ہوگا۔ ؎

نہ خنجر گلا رکھا ہے خود شوقِ شہادت میں
بھلا کس منہ سے مانگیں خوں بہا ہم اپنے قاتل سے

دوست۔ اب شب کو آپ یہاں ہی آرام فرمائیے گا۔

مہراج۔ ہزار کام چھوڑ کر۔ لے اب آنکھیں تو کھولو۔ واللہ دم گھبرا رہا ہے۔ افوہ۔

ان کی آنکھیں کھول دی گئیں تو یہ رخصت ہوئے۔ اور اپنے دوست کا شکریہ ادا کیا۔

دوست۔ تو میں تمہارا انتظار کروں ناضرور آنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم نہ آؤ۔

مہراج۔ نہ آنے کی ایک ہی کہی۔ چاہے طوفان آئے۔ چاہے آندھی۔ چاہے بھونچال آئے۔ زمین اور آسمان ایک ہو جائے۔ آفتاب سوا نیزے پر آجائے۔ قیامت آجائے بندہ ضرور آئے گا۔ گھر جاکے بیوی سے کہا آج شب کو ہمیں ایک موقع کی تحقیقات کو جانا ہے۔ ذرا دیر کرکے آئیں گے۔ اور سرِ شام ہی سے اپنے دوست کے ہاں جا بیٹھے۔ نو بجے کے قریب ایک کمرے میں بھیجے گئے۔ جہاں پلنگ بچھا تھا اور روشنی کا نام ہی نہ تھا۔ مگر ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ جب چاندنی چھپ جائے تب آپ نازو سے بات کیجئے گا۔ کمرے میں جاکر پلنگ پر لیٹے اور ذرا ٹٹولا کہا نازو۔ ؎

بت تو مجھ کو کہ بے واسطہ خفا کیوں ہے
یہ اختلاط میں اے کج ادا جفا کیوں ہے

بولو نازو میں ہاتھ نہ لگانے کا۔ مگر۔ ؎

شب وصال میں کیا وجہ منہ چھپانے کی
جو ساتھ سوئے تو عاشق سے پھر حیا کیا ہے

ارے جانی بولنے نے کیا گناہ کیا ہے۔ باتیں تو کرو۔ یا خدا چاندنی کمین جلد غائب ہو تو میں اپنے چاند کی صورت دیکھوں۔ اس چاند کی کیا حقیقت ہے میرے چاند کے مقابل میں اس چاند کی بھی کوئی اصل و حقیقت ہے۔

جب انھوں نے دیکھا کہ نازو خرّاٹے لینے لگی تو آہستہ آہستہ ڈرتے ڈرتے پانوں دبانے

لگے۔ اور بار بار یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔ ؎

وہ سوتے بے حجابانہ رہے رات
نگاہ شوق کام اپنا کیا کی

جب چاندنی چھپ گئی تو ان کی بے قراری اور بھی بڑھی کہ اتنے میں ایک شخص نے آواز دی حضور لمپ گل ہو گیا ہے۔ لمپ جلادوں۔ انھوں نے کہا ہاں۔ اندھیرے میں جی الجھتا ہے۔ آدمی نے آن کر لمپ جلا دیا منشی مہراج بلی نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

تمام رات گئی کر گیا کنارا چاند
لو اتر د بام سے تم جیتے اور ہارا چاند

یہ کہہ کر انھوں نے نازو کو آہستہ سے جگایا اور آہ سرد بھر کر پھر یہ شعر پڑھا۔ ؎

گھونگھٹ کو اٹھا کر مری چھاتی سے لپٹ جا
عاشق سے شب وصل میں پردا نہیں کرتے

شانہ پکڑ کر چاہتے تھے کہ اپنے نازک بدن نازک اندام نازک کمر معشوق کو اپنی جانب کھینچیں مگر شانے میں اور جسم میں وہ نزاکت، وہ ملائمت نہیں پاتے، پہلوانوں کے سے پٹھے، پھر انھوں نے زور کیا۔ اور کہا جانی دیکھو، دستِ نازک میں چوٹ نہ لگ جائے، شانے کی طرف جو انھوں نے ہاتھ بڑھایا۔ تو نازو نے ہاتھ پکڑ لیا۔ اب دھر دھر کے زور کرتے ہیں نازو ہاتھ نہیں چھوڑتیں مگر چادر سے اپنے کو اس طرح لپیٹے ہوئے کہ مہراج بلی کو کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ ایک دفعہ ان کا ہاتھ اس زور سے دبایا کہ یہ چیخ اٹھے۔ ان کے چیختے ہی نازو نے ہاتھ ڈھیلا کر دیا۔ اٹھ کر چادر ہٹاتے ہیں، تو چیخ کر بھاگے۔

مہراج بلی سمجھے تھے کہ چاند کے چھپتے ہی، اس پلنگ پر ایک چاند نکل آئے گا اور حسن عالم افروز نظر آئے گا۔ مگر حسن عالم افروز خرد سوز کے عوض کالا بھجنگ ہفتے کا روز نظر آیا۔ اس ڈنڈ پیل گراں ڈیل پہلوان کشتی گیر حبشی کی صورت دیکھتے ہی فوراً غل مچایا۔ اور مارے ڈر کے کانپتے ہوئے بھاگے کہ کہیں ایسا نہ ہو پکڑ لے۔ باہر آئے تو وہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ ان کے ہوش اڑ گئے اور احباب نے چٹکیوں پر اڑایا۔

(۱) کہیے بی نازو سے کیسی نبٹی۔
(۲) کہیے منشی مہراج بلی صاحب خوب مزے رہے۔

اتنے میں اس نشیدی نے آکے کہا میں بھی آداب عرض کرتا ہوں۔ اس کے آتے ہی حاضرین جلسہ اس قدر ہنسے کہ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ مہراج بلی نے صدہا مغلظہ گالیاں دیں۔ اور انتہا سے زیادہ جھلائے۔

الغرض ان سب سے بگڑ کر مہراج بلی گھر پہونچے تو اب دروازہ نہیں کھلتا۔ دروازہ کھولو۔ (دھمدھما کر) ارے کھولو کوئی ہے۔ ؟

صدائے برنخاست۔ کوئی جواب ہی نہیں دیتا۔ بالکل سناٹا۔ اور لطف یہ کہ ان کی بیوی اور مہری میں کوٹھے پر یہ بلند آواز باتیں ہوتی جاتی ہیں۔ اور جواب ندارد۔ اس پر یہ اور بھی جھلائے

اب ان کی بیوی اور مہری کی باتیں سنئے۔

بیوی۔ کوئی کہانی سناؤ مہری۔

مہراج۔ ارے کہانی گئی چولھے میں دروازہ تو کھول او مہری۔

مہری۔ ایک گاؤں میں ایک سارس رہا ہے۔

مہراج۔ (جھلا کر) ارے او سارس کی نانی دروازہ تو کھول۔

مہری۔ جیسے کوئی کواڑ کھٹکھٹاوت ہے۔

بیوی۔ ارے کوئی متوارا ہوئی۔

مہراج۔ ارے متوالا نہیں میں ہوں۔

مہری۔ ارے بھائی کو آئے منسی گھر ماناہیں ہیں۔

مہراج۔ اری منسی تو میں ہی کمبخت ہوں۔

یہ کہہ کر مہراج بلی دبک رہے۔ پڑوس میں ایک دفتری رہتا تھا۔ اس کی جورو کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اپنی پڑوسن کو پکارا اور یوں کہنے لگی۔

اے ممتاز دلھن۔ اے ممتاز دلھن۔ اے بی ہمسائی (ڈھیلا پھینک کر کہا) کواڑے کے پاس چارپائی پر پیر پھیلائے سو رہی ہیں۔ بے غافل۔ اے اٹھ کے ذری ان منشی کے گھر میں پکار دو۔ وہ بے چارے بڑی دیر سے کھڑے ہیں۔ ہمارے مکان سے آواز وہاں تک نہیں جاتی۔

مہراج۔ ارے یہ مہری بڑی حرام زادی ہوگئی۔ سنتی ہے اور دروازہ آکے نہیں کھولتی۔

مہری۔ ارے صاحب ہمار کون کسور (قصور) ہے بنا چینھے کیسا کس کس کھول دیئی۔

مہراج۔ تو مجھ کو نہیں چینھتی۔ اچھا ٹھہر جا۔

۔(چڑاکر) ٹھہر جا۔ ٹھہر جا۔ جا نو یل جہئیں۔

مہراج بلی کی بیوی بھی کوٹھے کے کمرے میں دروازے کے پاس کھڑی تھیں۔ انھوں نے کسی قدر بلند آواز سے کہا (پوچھو کہاں سے آئے ہو) مہراج کھڑے سن رہے تھے اور ان کے سننے کے لئے تو کہا ہی گیا تھا۔

مہراج۔ ایں ایک سرے سے سبکے سب دوانے ہو گئے۔ یہ معاملہ کیا ہے۔

بارن ۔کہاں سے آئے ہو منسی ناہیں ہیں۔

مہراج ۔کیا مر گئے منسی۔ ہیضہ کیا۔ ڈوب گئے۔

بارن ۔ ناہیں۔ ڈگر ماں بیٹھے چیرت راہین۔ توں سپاہی پکڑ کے کانجی ہوس لے گوا۔

اس فقرے پر کانسٹبل ہنس پڑا۔ اور وہاں سے چل دیا۔ مہراج بلی اس کے سامنے بہت خفیف ہوئے۔ لیکن قہر درویش بر جان درویش۔

مہراز: ـ کانجی ہوس بھیجے گئے۔ آخر تم ان کی کون ہو پہلے یہ بتاؤ۔ ؟۔

مہراج بلی نے کئی بار اصرار کیا کہ اب دروازہ کھول دو۔ مگر ان کی بیوی اور مہری نے ایسی سیٹ ماری کہ جواب ندارد آخر کار تڑکے حسب معمول دروازہ کھولا گیا ڈیوڑھی میں جوتا اتار کر آدمی کی طرف دوڑے۔

آدمی دروازہ سے باہر یہ جا وہ جا۔

اندر گئے تو بارن کے پیچھے جھاڑو لے کر دوڑے وہ جا کے کوٹھری میں چھپ رہی۔

مہری کی طرف جھلا کے چلے تو اس نے ان کی بیوی کی پناہ لی یہ آگ بھبوکا تھیں۔

بیوی ۔ رات تھے کہاں۔ دو بجے آئے۔

مہراج۔ کہہ تو گئے تھے صاحب نے پیشی میں بلایا تھا وہاں تھے۔ پھر پوچھتی ہو کہاں گئے تھے۔

بیوی۔ بس ہمکا چلتر با جی نہ بہت بتاؤ۔ رانو کا کیتی ہوت ہے۔

مہراج۔ لے سچ سچ کہہ دوں۔ ایک جگہ مشاعرہ تھا۔

بیوی ۔مسارہ کا۔ ناچ تھا پتریا ناچت رہاہے اور تم مجے (مزے) لوٹت رہا ہو۔ مشاعرہ تھا۔

مہراج۔ نہیں مشاعرہ مشاعرہ۔ یہی مشاعرہ جو ہوتا ہے۔ بھلا تم سے جھوٹ کہیں گے۔ یقین مانو مشاعرہ تھا۔

راوی ۔معقول! کہیں گے۔ کس آسانی سے مطلب سمجھاتے ہیں۔ آپ مشاعرہ مشاعرہ یہی مشاعرہ

جو ہوتا ہے۔
بیوی ۔ تم جھوٹن کے سردار ہو۔ تلنگے سے کہیو صاحب کے یہاں سے آدت ہوں۔ اور ہم سے کہیو کمٹیا تھا۔ (کمیٹی تھی) اب کہت ہو مشاعرہ تھا۔
مہراج ۔ تمہارے سر کی قسم مشاعرہ تھا۔ یقین سمجھو ہم جھوٹ ہے سچ کہت ہیں۔
بیوی ۔ دیکھو نا حال کھل گوا۔ زبان سے نکس گوا کہ ہم جھوٹ بولت ہیں۔ ارے ہم تو پہلے ہی کہت رہی ۔
مہراج ۔ مگر تمہار اس حرکت ہم کا نیک ناہیں لاگت ہے محلہ بھر جاگ اٹھا اور تم نہ بولیو۔
بیوی ۔ (ڈانٹ کر) کا ہے کا بولی (انگوٹھا دکھا کر) ہمار یو بولت ہے۔ جہہ کے پاس حرام جادی کے رات رہیو۔ وہی سے کھلواؤ۔ بس ہمار جبان نہ کھلواؤ اب۔
بارن ۔ دوئی بجے آئے منسی جی تم۔
راوی ۔ ناظرین سمجھے ہوں گے کہ منشی مہراج بلی گھر میں بیوی پر خفا ہوں گے کہ رات بھر غل مچایا کئے اور کسی نے نہیں سنا مگر اس کے برعکس الٹا ان کی مخدومہ ہی نے ڈپٹنا شروع کیا۔

بی قمرن خدا جانے کہاں غائب ہوگئیں

باغ سے صبح دم بی نازو صاحب گاڑی پر سوار ہو کر اپنے میکے آئیں۔ اور آتے ہی بہ آواز بلند کہا۔ امی جان لو مبارک جو بات چاہتے تھے وہ حاصل ہو گئی۔ یہ نواب تو بڑا امیر آدمی ہے۔ کیا باغ ہے۔ کیا بیان کروں۔ جی نہیں چاہتا تھا کہ باغ سے قدم باہر رکھوں۔ کئی اور نواب زادے تھے۔ بڑی دل لگی رہی۔ ایک نواب نے ہم کو اپنی بغل میں بٹھایا تھا۔ مینھ برستے وقت کیا مزہ آتا تھا کہ کیا کہوں۔ اللہ قسم امی جان بڑا بھولا نواب ہے۔
ضعیفہ نے کہا اس وقت بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ چلو محنت ٹھکانے لگی، اب چین ہی چین ہے۔ اتنے میں ماما نے جو نیچے کھانا پکا رہی تھی۔ کسی سے کہا آیئے آیئے۔ نازو نے دیکھا تو کہا قادر ہیں ۔
میاں قادر کوٹھے پر آئے۔ دریافت کیا وہ کہاں ہے۔ نازو نے پوچھا کون۔ کہا تمہاری بہن۔ نازو نے بے اعتنائی کے ساتھ کہا کیوں۔ یہ کیا۔ قادر نے کہا برسوں سے یہاں ہو یہاں کیا چھاؤنی ڈالے گی کیا۔ نازو بولی اے کون۔ تم کہتے کیا ہو۔ قادر نے کہا وہ برسوں سے یہاں آئی

ہے۔ نازو نے کہا کچھ خبر ہے یہاں سے تو کل ہی چلی گئی۔ قادر کو حیرت ہوئی مگر سمجھا کہ دل لگی کرتی ہے کہا بس اب دل لگی ہو چکی بتاؤ ہیں کہاں۔

نازو نے قادر کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اس سر کی قسم یہاں سے کل ہی چلی گئی۔ کیا سچ مچ وہاں نہیں ہے۔ یا اللہ خیر کرنا۔ بڑا غضب ہوا۔

ضعیفہ بولی اے یہ کس کی باتیں ہو رہی ہیں۔ نازو نے اٹھ کر کہا ہے ہے امی جان قمرن کا پتہ نہیں ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ پرسوں سے غائب ہے۔ اور یہاں کا کہہ کے آئی تھی کہ وہاں جاتی ہوں۔ ہے ہے امی جان یہ کیا ہوا۔ ضعیفہ لگی دو ہتڑ پیٹنے۔ اور رونا شروع کیا۔ نازو بھی روئی۔ اور قادر کی آنکھوں سے بھی اشک جاری ہو گئے۔

نازو نے کہا کوئی بھلا تو نہیں لے گیا۔ ہائے کیا جانے کس کے پالے پڑی ہے۔ کوئی جل دے کے لے گیا ہوگا۔ وہ تو ایسی تھی نہیں۔ کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی تو تھی نہیں۔ مگر میں جانتی ہوں کسی کٹنی کے دم میں آ گئی۔ اب کہاں جا کے تلاش کروں۔

ضعیفہ ۔ ہے ہے میری بچی۔ اور میں کہتی تھی کہ اس بچی کی کوئی غور نہیں کرتا۔

قادر ۔(ق) ہم سمجھتے تھے کہ یہاں ہے۔ بڑا دھوکہ ہو گیا۔

نازو ۔ کیا جانے تم لوگوں نے کیا کر دیا اس کو۔

ق ۔ اب تم یہ مخت محت (مفت) میں لڑائی مول لیتی ہو۔

ض ۔ اے لڑائی کیسی میری لڑکی کو کیا کر دیا۔

ق ۔ تمہاری تو لڑکی تھی مگر میری بھی تو کوئی تھی۔

ض ۔ تیری کون تھی۔ تو ہی اس قابل ہوتا تو وہ بھاگ کیوں جاتی۔ وہ روز کہا کرتی تھی کہ امی جان اس سے تو بہتر تھا کہ ہمارا کسی میاں صاحب کے یہاں نکاح کیا ہوتا کہ روپیہ تو ہوتا۔

ق ۔ ہاں تو یہ تمہارا ہم پر ہے۔ ہاں۔

نازو ۔ اے تو نکھٹو ایسا نہ ہوتا تو جورو بھاگ کیوں جاتی۔ مردوے شرماتا نہیں اور اوپر سے آنکھیں دکھاتا ہے۔

ض ۔ میری بچی کو جیسا تم نے تباہ کیا اللہ تم کو تباہ کرے۔ ہائے اب میں اس کو کہاں پاؤں گی۔

نازو ۔ (روکر) یہ کیا معلوم تھا امی جان کر۔

ق ۔ اب کہاں جا کے ڈھونڈوں اللہ۔

ض ۔ یہ قمرن کو ہوا کیا۔ ارے وہ تو ایسی تھی نہیں۔

نازو ۔ امّی جان ہائے ۔ یہ ہوا کیا۔ جوان جہان۔ اٹھتی کو پل۔ میاں مونڈی کاٹا نکھٹو۔ پھر کیا کرے۔

ض ۔ ارے ایسا ہی بھاگ جانا تھا تو ہم سے تو کہہ جاتی۔

ق ۔ اب میں جا کے تھانے پہ رپٹ لکھوائے دیتا ہوں۔

ض ۔ اچھا یہ آخر کل کہاں رہی۔ پرسوں کہاں رہی۔

ق ۔ وہاں سے تو کہہ کے آئی تھی کہ میکے جاتی ہوں۔

نازو ۔ امّی جان۔ آپ پوچھتی کیا ہیں۔ وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی بس۔ کوئی جوان پٹھا مل گیا ہوگا۔ چھوکری تو ہئی ہے آ گئی دم میں۔

ض ۔ تو اب قمرن کی شکل ہم نہ دیکھیں گے نازو۔؟

نازو ۔ اللہ مالک ہے۔ ہمارے گھرانے کا نام بدکر گئی۔

ق ۔ میں تو اب سنکھیا کھا کے سو رہوں گا۔

ض ۔ ایک اٹھوارے تک راستہ دیکھو شاید کوئی بھسلا لے گیا ہو کون تعجب ہے۔ مگر قمرن تو ایسی تھی نہیں۔

ق ۔ تھی نہیں ہونہہ۔ وہ پڑوس کا جو لونڈا ہے۔۔ پان والے کا لونڈا اس سے دن بھر ہنسی دا لگی ہوا کرتی تھی۔ کہنے لگیں ایسی تو تھی نہیں۔

ض ۔ اور تو دیکھا کرتا تھا۔ شاباش ہے تیرے جگر کو۔

نازو ۔ اسی کے کرتوتوں تو وہ خراب گئی امّی جان۔

ض ۔ ہماری قسمت ہی میں یہ لکھا تھا۔ ہائے۔

ق ۔ کیا جانے کہاں چلدی اور ہم اس دھوکے میں تھے کہ یہاں ہے دو دن تک مسٹ مارے بیٹھے رہے۔

نازو ۔ اب یہ دریافت کرو کہ جاتی آتی کہاں تھی اور مردوں میں کس کس سے ملاقات تھی تو شاید پتہ لگ جائے۔

ق ۔ مردوں میں بس اسی پان والے کے لونڈے سے ہنستی بولتی تھی۔ کیا جانے کیا ہوا۔

نازو قادر کو علیحدہ کمرے میں لے گئی، اور پوچھا کہ کیا اس لونڈے سے۔

قادر نے کہا یہ تو نہیں معلوم مگر سانٹھ گانٹھ کچھ تھی ضرور۔ پوچھا اس لونڈے کی عمر کیا ہے۔ کہا۔ ہوگا یہی کوئی سترہ اٹھارہ برس کا۔ پوچھا کیا کچھ خوبصورت ہے۔ کہا نمکین لونڈا ہے۔ اور ہاتھ پاؤں بھی اچھے ہیں. نازو نے کہا بھائی پھر کوئی صورت سے اس کی خوشامد کرو۔ اور قدموں پر گر کر کہا خدا واسطے ہماری بہن کو کہیں سے ڈھونڈ نکالو۔ قادر کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور رو کر کہا۔ میری تو آبرو گئی. کہیں کا نہ رہا نازو نے کہا بھائی دیکھو اب یہاں ہم اس وقت ہیں اور تم ہو۔ کوئی غیر نہیں۔ کیا تم سے وہ سچ مچ خوش نہ تھی۔ قادر یہ سن کر اور بھی رویا، اور کہا مجھ سے تو وہ کہا کرتی تھی کہ میں تم پر جان دیتی ہوں۔ میری جان جاتی ہے اور یہ وہ اور اب کیا جانے کیا ہو گیا۔ اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ گئی اسی لونڈے کے پھیر میں۔ اس سے بدنام بھی ہو گئی تھی۔ اب میں جا کے چوکی پر رپٹ لکھا دوں۔ اور ڈھونڈھوں۔ ابا سنیں گے تو کیا حال کریں گے ۔ بڑی بدنامی ہوئی گئی آبرو۔ خاک میں مل گئی. مگر ایسی تو تھی نہیں۔ ایک فقط پان والے کے چھوکرے سے تو ہنستے ہوئے دیکھا۔ بس باقی کسی اور سے نہیں۔ اب میں سوچتا ہوں کہ میں کروں تو کیا۔ اگر کسی سے کہتا ہوں تو شرم آتی ہے ۔ اور نہیں کہتا ہوں تو شرم آتی ہے۔ اور نہ کہوں تو کیا بات چھپی رہے گی۔ توبہ کر بندے محلّے بھر میں معلوم ہو جائے گا۔ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ بڑا جبر کر گئی ــــ ہم پر۔ مگر کیا کریں۔ اب کوئی چارہ ہی نہیں۔ اللہ مالک ہے۔ اس پر محلّے بھر کا دانت تھا۔ مگر دیکھو اس کا پیٹھ پیچھا ہے۔ کیسی سے پھنسی نہیں۔

قادر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

نازو نے بڑی ہمدردی کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے آنسو پونچھے۔ اور سمجھانے لگی کہ بھائی اب یہ فکر کرنی چاہیئے۔ کہ کسی طرح قمرن کا پتہ لگے۔ نہیں تمہاری عزّت جائے گی اور اتی جان کی جان وہ زہر کھالیں گی مگر لوگوں کے یہ طعنے نہ سنیں گی کہ ان کی لڑکی کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔ بدکارہ تھی آوارہ تھی۔ تم اس موئے پان والے کے لونڈے سے ٹوہ لگاؤ۔

ایک دن مجھ سے بھی کہتی تھی کہ باجی ہماری سُسرال کے سامنے ایک دوکان ہے اس میں ایک پری زاد لونڈا رہتا ہے۔ نِنبولی جو مگر گھورنے اور چومنے کے قابل اور ہم سے اس سے دل لگی ہوا کرتی ہے۔ میں نے رکھائی کے ساتھ ڈپٹ بتائی کہ چل چپ لونڈا گیا اپنی ایسی تیسی میں۔ خبردار یہ پھر نہ کہنا تجھے شرم نہیں آتی۔ شرم حیا سب بھون کھائی. بس چپ ہو رہی۔ میں جانتی ہوں اسی لونڈے کے سب کرتوت ہیں اس پر قمرن بہت ریجھی ہوئی تھی اسی سے پتہ لگے گا۔

قادر نے کہا اچھا جاکر ٹوہ لیتا ہوں۔ اگر محلّے میں ہو گی تو کہاں چھپ سکتی ہے۔ مگر ہماری آبرو میں اب فرق آگیا۔ اب کسی کو صورت دکھانے کے قابل نہ رہے۔ جی چاہتا ہے جا کے کنوئیں میں ڈوب مروں۔ اور جان دے دوں۔ ہمارے گھرانے میں کبھی ایسا فضیحتا نہ ہوا تھا۔ مگر اللہ کی مرضی اس کو کوئی کیا کرے۔ واہ قمرن واہ۔ اچھا جل دے کے چل دیں عمر بھر داغ رہے گا۔ یہ کہہ کے رونے لگا۔ نازو نے پھر سمجھانا شروع کیا۔ ابھی دیکھو تو اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ سائیں کے سو کھیل۔ گھبراؤ نہ اتنا۔ نہیں تو ہاتھ پیر بھول جائیں گے۔ پھر کچھ نہ ہو سکے گا۔ کام انسان وہ کرے جس سے کچھ مطلب حانصل (حاصل) ہو۔ اور جو کام ہی بگڑ گیا تو کیا فائدہ نکلا بھلا۔

قادر نے کہا اچھا تو میں اب جا کے تھانے پر رپٹ کرتا ہوں آگے پھر دیکھا جائے گا۔ جو مرضی خدا کی۔

نازو ۔ بھائی ذری سمجھ بوجھ کے کام کرنا چاہئے۔ تھانے کا معاملہ۔ اور تم ابھی کم سن ہو۔

قادر ۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) ہائے قمرن نے بڑی دغا دی۔ مجھ کو جب ان کی باتیں یاد آتی ہیں تو بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ چیخیں مار کر رو دوں۔ ابھی تھوڑے ہی دن کی بات ہے کہ گلے میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگی۔ کہ ہمیں جڑاؤ کرن پھول بنوا دو۔ ہمارا بہت جی چاہتا ہے۔ ہائے قمرن یا یہ باتیں یا ایکا ایکی ایسا دل سخت کر لیا۔ ارے ظالم کوئی ایسا بھی کرتا ہے۔ اب کبھی کاہے کو وہ نظر آئے گی۔ یہ کہکر بے قرار ہو کے رونے لگا۔

نازو ۔ بھائی خدا کے واسطے ایسی باتیں نہ کرو۔ میرا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہائے میرے اللہ۔

قادر ۔ یا میرے اللہ۔ یا تو قمرن کو مجھ سے ملا دے۔ یا زمین پھٹ جائے اور میں سما جاؤں۔ سینے پر زور سے ہاتھ مار کر) ہائے کیا کروں ؟ ۔

نازو ۔ (ہاتھ روک کر) ہاہیں ہاہیں خدا کے لئے یہ کیا بچپن کرتے ہو۔ گھبراؤ نہیں۔ قمرن سے خدا تم کو ملائے گا۔ وہ ایسی تو نہیں ہے۔ خدا جانے کیا بجوگ پڑا۔

قادر ۔ ہائے میرے اللہ۔ قمرن تو ایسی آنکھوں کے نیچے سے غائب ہو جائے اور میں زندہ رہوں۔

راوی ۔ نازو کی ماں تو ایک شستہ تھی اس نے جو دیکھا کہ اس قدر دیر تک نازو اور قادر میں باتیں ہوئیں تو گھبرائی کہ ایسا نہ ہو نازو کی زبان سے کوئی امر خلاف مصلحت نکل جائے تو لینے کے دینے پڑیں۔

پکار کر کہا نازو یہاں آؤ بیٹا میری تو بری حالت ہے۔ اور تم وہاں جا کے بیٹھ رہیں۔ میں

اب کسی کو کیا منہ دکھاؤں۔ میرا بڑھاپا جیسا خراب ہوا۔ اللہ نہ کرے کسی کا ہو۔ لڑکپن میں وہ چین کئے کہ اللہ سب کو نصیب کرائے۔ اور جوانی میں ہاتھی ہمارے دروازے پر جھومتا تھا۔ اب اس بڑھاپے میں بھی اللہ کی عنایت سے روٹی مل جاتی تھی سو قمرن نے یہ گل کھلایا۔

قادر ۔ اماں سنیں گی تو بہت برا حال کریں گی۔

نازو ۔ اے ہے وہ بات ہی ایسی۔

ق ۔ میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہا۔

نازو ۔ ہے ہے قمرن یہ کیا کر گئی تو۔

ص ۔ ایسی اولاد سے تو بے اولاد ہونا اچھا۔

نازو ۔ ہئے ہے اتی جان خدا نہ دے اولاد۔ مگر دے تو ہونہار دے۔

ق ۔ بات چیت شکل صورت سے تو نہ معلوم ہوتا تھا کہ ایسی بد ہے۔

نازو ۔ وہ گئی اسی پان والے کے پھیر میں۔

ق ۔ ہاں میں جاتا ہوں نہ اب۔

نازو ۔ ہر طرح سے یقین ہے کہ اسی موے کی استادی ہے۔ اللہ اسکو غارت کرے۔ اور کہیں کا نہ رکھے۔ بیٹھے بٹھائے زہر کھانے کا وقت پہونچا دیا۔

ق ۔ گھر میں سمجھتے ہوں گے کہ میاں بیوی دونوں ساتھ ہی ساتھ آتے ہوں گے۔

قادر کے دل پر نازو نے جما دی۔ کہ یہ کل کارروائی اور ساری کارستانی اسی تنبولی کے لونڈے کی ہے۔ لونڈا ہے گھبرو، اور گورا چٹا، اور بھٹا اور ہاتھ پانوں کا اچھا ہے۔ وہ لونڈیا تو تھی ہی پھنس گئی۔ نازو نے اس طرح پر پٹی پڑھائی۔ اور ایسے ایسے سبز باغ دکھائے، کہ قادر کے دل پر نقش ہو گیا۔ کہا جاتے ہی سالے کے پٹے پکڑ کے پیٹنا شروع کردوں گا۔

نازو نے کہا بس یہی تو بے وقوفی ہے۔ پہلے ٹوہ لو جب خوب اچھی طرح سے دریافت ہو جائے تو چوکی پر رپٹ لکھاؤ۔ اس کے گھر کی تلاشی لو۔ اگر گھر میں نہ ہوگی تو کوئی اور گھر لے گیا ہو۔ جو اس کے یار دوست ہوں ان سے کہو کہ تلاشی لیں۔ اپنے طور پر پوچھیں اور دریافت کریں، کیا بات چھپی رہ سکتی۔ توبہ کر بندے۔ بات پھوٹے گی ضرور۔ اور میری جان میں قمرن کو دم دیا ہے۔ دم جھانسے میں اڑا لے گیا۔ وہ بے چاری ان کٹھنوں کو کیا جانے پان لینے کبھی گئی ہو گی، ہنسی بولی ہو گی لونڈا گھبرو ہے۔ مگر تمہاری ماں کو بھی عقل سے دشمنا گی ہے۔ لے بھلا اس سن کی چھوکری کو اس

طرح کوئی چھٹے سانڈ کی طرح چھوڑ دیتا ہے۔ اور پھر ایسی گوری چٹی قبول صورت عورت کیا معنی چھوکری تم نے تو اپنے آپ اس کو سکھایا کر تو ایسی ہو جا اب بگٹو بس۔ اب پچھتانے سے کیا ہو گا بھلا۔ مگر ہاں تلاش کرو۔ اور ہم بھی اِدھر اُدھر پتہ لگائیں گے کوشش کریں گے۔

ماما۔ اے ماما۔ ذری یہاں آؤ۔ بھلا قمرن کو کسی سے ہنستے بولتے تم نے دیکھا تھا کبھی۔ سچ سچ بولنا۔ کبھی یہاں پر یا سسرال میں یا کہیں اور۔ یا بازار میں۔

ماما نے کہا نہیں بیوی ہم نے تو ہمیشاں یہی دیکھا کہ گردن نیچی کئے ہوئے چلی جاتی تھیں۔ اور چلی آتی تھیں۔ مداہاں ایک دن ان کی سسرال کے محلّے میں جو پنواڑی رہتا ہے وہ ان کی دکان پر بیٹھا تھا۔ اور اس سے کچھ اشارے ہو رہے تھے۔

نازو نے کہا تمھارا بیٹا جیسے میاں میں کہتی تھی کہ اسی لونڈے کے پھیر میں ہوا یہ سب دیکھو دگانا کو تو بلائیں ماما جا کے ذری۔ دگانا کو تو بلا لاؤ، کہو ذری میرے ساتھ ہی چلی چلو۔ دگانا آئیں تو نازو نے نیچے جا کر کوئی آدھ گھنٹے تک گفتگو کی۔ اور جب اوپر چھت پر دونوں آئیں تو دگانا نے ضعیفہ کو سلام کیا اور بیٹھی اور بیٹھتے ہی پوچھا اے قمرن کہاں ہیں ذری بلاؤ تو۔ کئی ایک دن سے نظر نہیں آئیں۔

نازو ۔ ہوں ہنھ تم کو بلایا کس کام کے لئے ہے۔

دگانا ۔ کیا پھر روٹھی ہوئی ہیں۔ اے قمرن۔ اے قمرن۔

نازو ۔ اِبن کیسی پگلی ہو۔ پہلے سن تو لو ہم سے۔

ض ۔ بیٹا غضب ہو گیا۔ اب کیا کریں۔ (رو رو کر)

دگانا ۔ خیریت تو ہے۔ اے نازو یہ کیا معاملہ ہے۔

نازو ۔ پرسوں قمرن آئی تھی۔ کل سسرال گئی۔ آج یہ آئے۔ (قادر کی طرف اشارہ کر کے) کہتے ہیں پرسوں سے وہاں نہیں ہے۔ پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی۔

دگانا ۔ اے تو یہ کیا پتہ ہی نہیں ہے کہیں۔ ہے ہے یہ کیا ہوا۔

ض ۔ (رو کر) بیٹا بڑھوتی وقت کر کھا لگا۔ ہائے!۔

قادر ۔ آج تیسرا دن ہے نہ یہاں ہیں نہ وہاں ہیں۔

دگانا ۔ تھانے پر رپٹ لکھوائی محلّے میں تو کسو پر شک نہیں ہے۔ کسو سے ہنسی دل لگی تو بیجا نہیں ہوتی تھی۔ یہ تو سسرال کے لوگوں کو معلوم ہو گا، یا تم لوگوں کو۔

ماما ۔بس اسی تنبولی کے لونڈے سے سانٹھ گانٹھ تھی۔

دگانا ۔ارے سچ کہا۔ وہ جو قادر کے مکان کے سامنے رہتا ہے۔ کیا کٹیلی آنکھیں ہیں ظالم کی بس بس ہو نہ ہو وہی ہو۔

نازو ۔تم کو کہاں سے معلوم ہو گیا یہ۔ کیا تمہارے سامنے کوئی کبھی ایسی بات ہوئی تھی۔

دگانا ۔بہن پہلے تو قمرن بڑی بھولی بھالی سیدھی سادی چھوکریا تھی۔ تین پانچ نہیں کچھ جانتی تھی۔ گردن جھکائی اور راہ راہ چلی گئی مگر تم لوگوں نے بہت ہی چھوٹی عمر میں اس کو نکلنے دیا۔ اب کچھ دن سے میں دیکھتی تھی کہ راہ چلتے بوٹی بوٹی پھڑکاتی جاتی تھی۔ اور اگر کسی نے آواز کسا تو (حاضر جواب تو تھی ہی) جواب دیا اور پھکڑ لڑنے لگی۔

اسٹین آباد میں ایک دن کوئی آٹھ دس جگہ رک کے چہکی اور جھگڑا کرنے لگی۔ اور ہاتھ پھیلا پھیلا کے۔ کرتی اٹھا اٹھا کے۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ ایک تنبولی کے لونڈے پر اس کا دل آیا ہے۔

ایک دن میں نے اپنی آنکھوں دیکھا کہ اس لونڈے نے اشارہ کیا اور اس کے سنکارتے ہی قمرن کمر کو لچکاتی ہوئی اس کی دکان پر گئی۔ تو اس نے ایک گلوری بنائی۔ ادھر ادھر دیکھ کر جیب سے اپنے ہاتھ سے کھلائی اور جب قمرن چلنے لگی تو پھر ادھر ادھر دیکھ کے گال پر ہاتھ پھیرا اور قمرن شوخی کے ساتھ مسکراتی ہوئی چلی آئی۔

نازو ۔بس اب چاہے کوئی کہے ہم کو پورا یقین ہے کہ اسی موے کے پھیر میں ہے قمرن۔

دگانا ۔اس میں کیا تاجب (تعجب) کی بات ہے۔ بہن ہزار بسوے تو اسی کے پھیر میں ہے۔

قادر ۔تو میں جا کر ٹوہ لگاؤں نا؟ پہلے ٹوہ لگاؤں پھر تو ہم ہیں اور وہ ہے۔ گھر میں رہنا مشکل نہ کر دوں تو سہی۔ سارا محلہ میری طرف ہو جائے گا ایسی بات ہے بھلا۔

دگانا کی یہ گفتگو سن کر ضعیفہ اور نازو بہت ہی خوش ہوئیں، اور قادر کو کامل یقین ہو گیا کہ قمرن اسی تنبولی کے لونڈے کے ساتھ بھاگ گئی۔ یہاں سے رخصت ہوئے تو سیدھے گھر گئے، وہاں جا کر پانی پیا اور اپنی ماں سے کہا اماں بڑا ستم ہو گیا۔ ان کا پتا نہیں ہے۔ کہیں کچھ سراغ نہیں لگتا۔ میکے سے کل رخصت ہو گئی۔ خدا جانے بیچ میں کہاں رہ گئی۔ اس کی ماں نے جو سنا بدحواس ہو گئی کہاں کہیں بھاگ گئی۔ ارے اب میں کیا کروں۔ ہائے یہ بدنامی بھی قسمت میں لکھی ہوئی تھی۔ ارے یہ ہوا کیا۔ قادر اور کہیں تلاش کرو۔ ہائے قمرن دغا دے گئیں۔ قادر نے کہا اماں اب وہ نہ ملے گی بڑے افسوس کا مکام (مقام) ہے کیا کیا جائے۔ ہماری تو آجت (عزت) گئی ہم تو اب کسو کو منہ نہیں

دکھا سکتے مدا اتنا سنا ہے کہ یہ جو سامنے تنبولی کا لونڈا رہتا ہے اس سے پھنسی ہوئی تھی اور اسی کے ساتھ بھاگ گئی ہوگی۔ اس کی ماں نے بھی اس کے کلام کی تائید کی، کہا کئی مرتبہ میں نے بھی اس لونڈے سے ہنستے بولتے دیکھا تھا۔ بیشک اسی کے پھیر میں چل دی۔ اس کے بعد قادر کی ماں اٹھی۔ اور کہا تم بیٹھو بیٹا میں جا کے پتہ لگاتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تنبولی کی دکان پر گئی۔ دیکھا تو تنبولن اور اس کی لڑکی بیٹھی ہے۔ کہا چھ دام کے بنگلے پان تو دے دو کلو۔ کلو نے دمڑی کے بنگلے پان دے کر کہا اب تم بڑی کنجوس ہو گئی ہو دمڑی کے پان لینے لگی۔ کہا نہیں اس دخت (اس وقت) پیسہ نہ تھا اور پان کھانے کی لت ہم نے کہا چھ دام ہی کے سہی۔ دو گلوریاں تو بنیں گی۔ تمہارا لڑکا آج نظر نہیں آئی دیا۔ کلو نے کہا کانپور گیا ہے۔ پوچھا کب آئے گا۔ کہا دس بارہ دن میں۔ پوچھا کیوں گیا ہے۔ کہا بھی رجگار (روزگار) کرانے۔ اس کے دل میں کھب گئی کہ بس وہی لونڈا قمرن کو لے اڑا۔ پان لے کر واپس آئی تو لڑکے سے کہا بیٹا بس یہی لونڈا پھسلا لے گیا اس کی ماں نے کہا وہ کانپور رجگار کرنے گیا ہے دس بارہ دن میں آئے گا اب تم دو تین اپنے سٹنڈے مسٹنڈے دوستوں کو لے کر کانپور جاؤ۔ اور وہاں اس کو گرپتار (گرفتار) کر لو۔ میں نے کئی مراتبے اس چھوکری کو ٹوکا تھا کہ تو اس لونڈے کے پاس نہ جایا کر۔ مگر اس نے نہ مانا اور یہ گل کھلایا اور ہماری آبرو مٹی میں ملا دی اور دو کوڑی کی کر دی کسی کو صورت دکھانے کے کابل (قابل) نہ رکھا۔

خیر قادر نے اپنے دوستوں سے بھی ذکر کیا۔ ان سب کو افسوس ہوا اور خصوصاً ان دوستوں کو جو دو گھڑی جا کے آنکھیں سینکتے تھے۔ اور قمرن سے ہنس بول آتے تھے سب کی صلاح ہوئی کہ کانپور جا کے اس لونڈے کو مع قمرن گرفتار کریں اور قید کرا دیں۔

قادر ۔ یار اب اس وقت ہم کو اچھی اچھی صلاح بتاؤ۔

دوست۔ اجی چلو ہم ساتھ ہیں ایسی تیسی اس کی۔

قادر ۔ دل لگی ہو جو پکڑا جاوے یاد کرے عمر بھر۔

دوست۔ کون استاد کی قسم اتنا ٹھوکوں کہ تنبولی پنا سارا بھول جائے دل لگی نہیں ہے۔

قادر ۔ یار تم اپنے اکھاڑے کے بھی کچھ لوگ لے چلو۔

دوست۔ ہاں ہاں لے چلیں گے جتنے کہو۔

قادر ۔ تو پھر اب کی ریل پر چلیں گے شام کو۔

دوست۔ تو دوست ہم جاتے ہیں۔ ریل آٹھ بجے جاتی ہے۔ ہم سرے شام ٹے شن (اسٹیشن)

پر ڈٹیں جا کے۔ امین آباد میں گوری سافن کی دکان پر دم لگائیں گے۔ اور سید صاحب تشریف پر جائیں گے بس۔ تم ہم کو وہیں ملنا۔

۔ مگر خنگلے خنگلے ے چلنا ساتھ۔ مرصیل آدمی نہ ہوں ذری اتنا کھیال (خیال) رہے۔

۔ ابے واہی ہوا ہے۔ ہمارے اکھاڑے کے آدمی اور مرصیل۔ ایسے ایسے تگڑے جوان ہیں۔ اور روجنے دھرے ہوئے ہیں کہ آدمی دیکھ کے ڈر جائے۔

ا ۔ واللہ ایک پہاڑیے کی صورت دیکھ کے تو تنبولی کے لونڈے کا دم نکل جائے گا۔

۲ ۔ واللہ بڑا اکھڑا جوان ہے اور پٹھیں تو اس کی ایسی ہیں کہ اکھاڑے پر ایک کی بھی نہیں ہیں۔

۳ ۔ ارے یاد ہی تو نہیں ہیں جنھوں نے کانپور کے دنگل میں روم گھوم کے سکر سمیٹے پر سنتے پنجابی کو مارا تھا۔

۴ ۔ ہاں ہاں وہی۔ کیوں کتنی پیاری کشتی نکالی ہے اور داؤں (داؤ) کتنا صاف اور پھرتی کے ساتھ کیا ہے۔

قادر ۔ ہاں بس جو ہو شیدی لندھور کا بھائی ہو۔ واللہ دوست بڑا احسان ہو گا۔

دوست۔ شیدی لندھور کا بھائی نہیں بلکہ چچا ہے تو دیکھ تو سہی کیسا مجا (مزا) ہوتا ہے۔

کانپور میں تلاش

الغرض قادر اسی روز ریل پر سوار ہو کر کانپور گیا۔ اور اس کے ساتھ اکھاڑے کے تین ۳ ڈنڈ پیل لڑنیتے جوان بھی گئے یہ تینوں قادر کے دوست اور قمرن کے چاہنے والے تھے۔

بلبلیا چوبے اور شیدی قاسم اور آغا اور قدو کو کچھ کام ہو گیا اس سے قادر کے ہمراہ نہ گیا۔

بلبلیا۔ (ب) وہ تنبولی والا لونڈا کچھ ڈنڈ پیل ہے۔

شیدی۔ (ش) ارے نہیں ایک چپت کا آدمی ہے۔

ب ۔ تو پھر اب ہماری ایک ڈانٹ میں آجائے گا۔

آغا ۔ وہ ڈنڈ پیل کا باپ ہو تو کیا ڈر ہے۔

ب ۔ ایک رگڑ میں بول جائے گا جی۔

آغا ۔ سب کے پہلے ہم ہی کو بھڑوا دینا۔

ب ۔ اچھا جا کہاں سکتا ہے۔ کوئی بھڑے۔

شیدی۔ اور چاہے ہماری شکل دکھادو۔

ب ۔ مدا بھائی بڑا غجب (غضب) کرگوا یہ بھواکس کس۔

قادر ۔ بھواکس کس۔ ہم تودن بھر نوکری پر جاتے تھے۔ اور وہ یہاں اس سے ہنسا بولا کرتی تھی۔ بس کیاجانے کیونکر پھسلا لیا۔ بھائی بڑا ستم کرگیا۔

ش ۔ تو یہاں تو ڈھونڈھا ہوتا مردآدمی۔

ب ۔ ارے یاں کیا ضرور ہے کہ وہی رے گیا۔

ق ۔ اے بھائی لوگوں نے آن اُن کے بیان کیا ہم کو تو اچھی طرح معلوم بھی نہ تھا۔ ہماری سالی نے ہم سے کہا۔

ب ۔ وہ ناجو (نازو) وہ بھی اچھی عورت ہے۔

ق ۔ ملے تو بس پھر دل لگی ہے۔ میرا جوتا اور اس کا سر اور دھڑا دھڑ وہ بھرمار کی مار دھاڑ ہو کہ یاد کرے کبھی کبھی کو۔ جیسا کیا دیسا بھگتے۔

ش ۔ اجی بس میرے سپرد کردینا سمجھے۔

ق ۔ پہلے تو ہم ہی لگا لگائیں گے بھائی صاحب۔

کانپور پہونچ کر ایک سرا میں اترے اور تھوڑی دیر بعد تلاش کو چلے تو ایک اور سرا میں معلوم ہوا کہ لکھنؤ سے ایک تنبولی آن کے ٹکا ہے۔ اور اکا کرایہ کے اپنی عورت کو لے کر کے شہر کی سیر کو گیا ہے۔ اس قدر پتہ پایا تو سب کو شک کے عوض یقین ہو گیا کہ وہی لونڈا ہے اور یہ عورت قمرن ہے۔ بھٹیاری نے پوچھا میاں یہ تم لوگ کانا پھوسی کیوں کرتے ہو۔ کیا وہ چور ہے۔ وہ کل سے یہاں آیا ہے اور بڑا اجلا کھرچ ہے۔ اور ایک عورت اس کے ساتھ ہے۔ پوچھا عورت کیسی ہے کہا گوری گوری ہے اور ابھی کم عمر ہے۔ اور دُبلے دُبلے ہاتھ پاؤں ہیں۔ پوچھا اور لونڈے کی قطع کیا ہے۔ کہا اس عورت سے بھی عمر میں کم معلوم ہوتا ہے۔ اور بڑا نمکین لونڈا ہے۔ اس پر شیدی نے کہا تم تو نہیں رِجھی ہو اس لونڈے پر۔ کیا لونڈا بڑا مزے دار ہے۔ بھٹیاری چمک کر بولی میاں میں بھی لکھنؤ کی رہنے والی ہوں کمیوں کی چھاؤنی کی نہیں ہوں میں۔ اس پر نہ رجھی ہوں گی تو کیا تم پر رجھی ہوں گی۔ سنیچر کی سی صورت کیا جانے کہاں پر عذاب کئے گئے تھے، جو صورت ہی پر سے پھٹکار برستی ہے۔ منہ ہی اللہ نے کالا کر دیا۔

شیدی بہت جھینپا اور اب یہ ہم ہنڈیا پکنے لگی کہ جب تک وہ لونڈا نہ آئے تب تک یہاں ہی

رہنا چاہئے۔

ببلیا نے کہا ایک آدمی جا کے چوکی پر رپٹ تو لکھا دو۔ قادر اور شیدی چوکی پر گئے۔ اور وہاں پر رپٹ لکھائی کہ للتو تنبولی ساکن لکھنو قمرن نامی ایک چوڑی والی کو کہ منکوحہ زوجہ قادر ہے دم دے کر پھسلا لایا اور سرا میں آن کر ٹکا ہے۔

تھانے سے ایک کانسٹبل سرا میں گیا اور للکار کر کہا کاہے رے اب تم پرائی بہو بیٹین کا پھسلاوت ہو بدماش۔ ٹکا ہے آئے کے۔ بھٹیاری نے کہا اب ہم کو کیا معلوم کہ بدماس ہے یا نیک ماس۔ دو دن سے ٹکا ہے۔ ہم نے تو کوئی بدمعاشی نہیں دیکھی۔ ایک عورت البتہ ساتھ ہے۔ سو یہ کوئی بدمعاشی کی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی واردات ہو جائے تو چالان کر دو۔ ابھی سے کیوں دھمکاتے ہو۔

کانسٹبل نے کہا اچھا جیسے ہی آئے ویسے ہی ہم کو اطلاع دو۔ للتو تنبولی کی گرفتاری کیلئے اس قدر آدمی سرا میں جمع تھے اور سب منتظر کہ آئے تو پھانس لیں۔

قادر نے کانسٹبل کو دو روپیہ بھی دیئے تھے کہ مع عورت اس کو گرفتار کر لو ہیڈ کانسٹبل سے بھی وعدہ تھا کہ آپ کو بھی کچھ نذر دیں گے اس نے کہا یہ جو دو تین پہلوان تمہارے ساتھ ہیں ان کو ہماری چوکی پر بٹھا دو۔ بہت بھیڑ کر دو گے تو بلوے میں دھر لئے جاؤ گے۔ بلکہ ہماری صلاح اگر مانو تو تم سب چوکی ہی پر رہو۔ راستہ تو یہی ہے جائے گا کدھر سے۔ چوکی عین سرائے کے پھاٹک پر تھی لہٰذا ہیڈ کانسٹبل کی صلاح کے مطابق یہ سب چوکی پر بیٹھے۔ للتو کے آنے کے منتظر تھے۔ قادر دل میں بہت ہی خوش تھا کہ بے محنت مشقت پتا لگ گیا۔ خوب ہی درست ہو گا جاتا کہاں ہے۔

ہیڈ کانسٹبل۔ اور جورو کس کی ہے۔ تمہاری ہے۔ قادر سے مخاطب ہو کر۔

قادر ۔ جی ہاں میری بیاہتا جورو ہے۔

ہیڈ۔ بھلا اب اس کو رکھو گے یا طلاق دو گے۔

ببلیا۔ اب جیسی صلاح ہو گی ویسا کرے گا۔

ہیڈ۔ ایسی عورت کا رکھنا کیا۔ سن کیا ہے۔

ق ۔ کوئی چودہ پندرہ برس کا ہو گا بس۔

ہیڈ۔ اور وہ تنبولی کا لونڈا کیونکر لے بھاگا۔

ق ۔ محلے ہی میں اس کی بھی دکان ہے۔ ہنسا بولا کرتی تھی، وہاں آجایا کرتی تھی، وہ لونڈا ذرا نمکین ہے، عورت

ذات اور پھر کم عمر۔ بس اس کے بس میں آ گئی۔ دم دیکر یہاں بھگا لایا۔ اصل اصل بات یہ ہے۔
ہیڈ۔ میاں دل ملنا عجب بات ہے۔

جب ملے دو دل مخل پھر کون ہے
بیٹھ جاؤ خود حیا اٹھ جائے گی

مگر جاتے کہاں ہیں چچا۔ دو برس کی ٹھونک دی جائے گی لیکن یہ یقین ہے کہ وہی بھگا لایا ہے۔

ق ۔ کئی آدمیوں نے ان دونوں کو ہنستے بولتے دیکھا تھا اور دو ایک نے یہ بھی کہا کہ وہ بھاگنے والی تھی اس کی ماں سے جو پوچھا تو تنبولن نے کہا کانپور گیا ہے۔ یہاں سُنا کہ وہ ہے اور ایک عورت ساتھ ہے۔

شیدی اور قادر دونوں تلے ہوئے بیٹھے تھے کہ للتو تنبولی آئے تو شکار ہاتھ آئے بلبلیا اپنے ایک پہلوان دوست کو لے کر بازار کی سیر کو گیا۔ اور راستے میں باہم یہ گفتگو ہوئی۔

ب ۔ یار وہ کمرن (قمرن) تھی بری عورت۔

د ۔ وہ بری ہو یا بھلی مگر وہ تنبولی والا لونڈا کیسا ہے کہ جس پر قمرن جان دیتی ہے۔ بس موقع پا کے بھاگ آئی۔ بھائی بری صحبت میں یہی ہوتا ہے۔ ہم کو دیکھو پڑھے لکھے بھی ہیں کچھ کچھ بھلے مانس بھی ہیں مگر محبت بری تھی کسی کام کے نہ رہے۔

ب ۔ آج للتو بھیج دیا جائے گا دو برس کو۔

د ۔ یہ نہ کہو وہ بڑا کوہ لونڈا ہے۔ ایسا ویسا نہیں ہے۔

ب ۔ ہم کو دس روپیہ دے تو ہم اسی کی سی گواہی دے دیں اور مجے (مزے) سے ڈنڈ پیلیں اور دودھ پییں۔

د ۔ ہم کو پانچ روپئے دے تو ہم گواہی دیں۔

ب ۔ جو رستے (راستے) میں مل جائے تو بڑی سیر ہو یار۔

د ۔ اور وہ روپیے والا بھی ہے دے نکلے گا۔

ب ۔ پھر ڈھونڈھو بھی کانپور سے کچھ کما ہی کر کھانے جائیں۔ ارے ہاں اتنی دور آن کے کچھ تو ہاتھ آئے۔

د ۔ جو پکڑا گیا تو بس گیا گذرا پھر کہیں کا نہ رہے گا۔ مگر بگڑا ضرور جائے گا۔ وہ چھوکری بھی ستم ہے بھیا۔

ب ۔ یہ کدرا (قادر) بھی الو ہی رہا۔

د ۔ الو نہ ہوتا تو جورو کیوں بھاگ جاتی۔

ب ۔ یار کہیں چل کے دم تو لگاؤ۔ ہے کوئی دکان۔

د ۔ ہاں ہاں۔ اتا بڑا شہر ہے تو چھاؤنی ہے بھائی مگر وہ لکھنؤ کی سی ساقنیں یہاں کہاں۔ وہ بات کہاں پایئے۔ یار وہ لکھنؤ ہی پر ختم ہے۔ نہ وہ بات چیت وہ بناؤ چناو۔

ایک ساقن کی دکان پر دم لگاکر یہ دونوں سرا کی چوکی گئے وہاں سُنا کہ ابھی تک للتو تنبولی نہیں آیا ہے شام تک یہ سب کے سب اس کا راستہ دیکھا کئے۔ شام کو کانسٹبل نے وہ بھٹیاری بلوائی جس کے وہاں للتو اٹکا تھا اور بلاکر پوچھا کہ وہ کب باہر جاتا ہے اور کب آتا ہے۔ اسنے کہا میاں اب آتا ہی ہوگا۔ شرابی آدمی اس کا کیا ٹھیک ہے مگر ہے روپیہ والا۔ یہاں بہت روپیہ لٹا چکا ہے۔ اور وہ جو عورت اس کے ساتھ ہے۔ وہ اس لونڈے پر جان دیتی ہے۔ وہ اس کو مارتا ہے گالیاں بھی دیتا ہے۔ مگر وہ سب سہتی ہے۔ قادر نے یہ جو فقرہ سنا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ مگر مہر درویش بر جان درویش۔ خاموش چپ چاپ بیٹھا رہا۔ ہیڈ کانسٹبل نے کہا اس عورت کی عمر کیا ہوگی کہا عمر ہوگی برس سترہ اٹھارہ ایک کی۔ مگر ہے اچھی۔ دونوں نمکین ہیں۔ اور وہ تو بڑی گوری چٹی ہے۔ اور آنکھیں تو اس غضب کی ہیں کہ حضور میں کیا عرض کروں۔

قادر دل میں اور بھی کھٹکا۔ کیونکہ قمرن کی آنکھیں واقعی ایسی ہی تھیں۔ بھٹیاری نے کہا کل شام کو نشے میں کوئی بیس پچیس مچھیاں تو اس نے اس عورت کی آنکھوں ہی کی لیں۔ مگر وہ نہیں پیتی ہے۔

قادر کو اب شک کے عوض کلی یقین ہوگیا کہ قمرن ہی ہے دل ہی دل میں جھلاتا تھا۔ مگر خاموش اس کا علاج ہی کیا تھا۔ درد دل کہے تو کس سے کہے۔

اتنے میں ایک تنبولی سرا سے باہر جانے لگا تو بھٹیاری نے کہا یہ اس کا بڑا دوست ہے۔ اس سے ٹوہ لو۔ ہیڈ کانسٹبل نے اس کو بلایا۔ اور یوں تحقیقات کی۔

ہیڈ کانسٹبل۔ (ہ) تمھارا مکان کہاں ہے میاں تنبولی۔

تنبولی۔ (ت) ہمارا مکان یہاں ہے۔ کمپو میں۔

ہ ۔ اس وقت یہاں کہاں آئے تھے سرا میں۔

ت ۔ ہمارا ایک بھائی یہاں ٹکا ہے۔

ہ ۔للتوا تنبولی۔ وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔

ت ۔وہ لکھنؤ میں رہتا ہے۔آج کل یہاں آیا ہوا ہے۔اور ایک عورت بھی ساتھ ہے۔

ہ ۔وہ اس کے ساتھ عورت کون ہے۔

ت ۔(ہنسکر) اب ے کیا جانے کون ہے۔ ہم کو دوست کی دوستی سے کام اور گرج (غرض) کہ اس کی باتوں سے۔وہ جانے اور اس کا کام جانے۔

ہ ۔ہم تم سے پوچھتے ہیں۔کوئی مقدمہ تو ہے نہیں۔تم نے کل اس عورت کو دیکھا تھا۔

ت ۔ہجور (حضور) وہ بڑے جلم (ظلم) کی چھوکری ہے۔اور اسی محلّے میں رہتی ہے۔اس پر اس کی جان جاتی ہے۔اسی کے ساتھ یہاں بھی چلی آئی۔وہ تو کھراب (خراب) عورت ہے۔لکھنؤ بھر اس کو جانتا ہے۔اور کیا۔

ہ ۔تو تمھارا یار ہے کہاں اس وقت ؟ کیا چل دیا۔؟

ت ۔نہیں ہجور (حضور) ابھی تو کل اسباب ہی یہاں رکھا ہے اس کا کیا اسباب چھوڑ دیگا۔

ہ ۔بھلا ہم سے اور اس سے یارانہ کرا دو گے۔

ت ۔(ہنسکر) ہجور تو دل لگی کرتے ہیں صاحب۔

ہ ۔اے بھئی اس میں دل لگی کی کون بات ہے۔

ت ۔وہ عورت ہجور (حضور) اس لونڈے پر جان دیتی ہے۔وہ ناہیں مل سکتی ہے۔

ہ ۔اور سنو۔ارے عورت سے کیا بحث ہے۔بھئی۔

ت ۔تو ہجور اب میں جاؤں نا۔دیر ہوتی ہے۔

ہ ۔ذرا دیر بیٹھو چلے جانا۔جلدی کیا پڑی ہے۔بھئی ان کو چلم تو پلاؤ ذرا۔

ت ۔ہجور کا بھی کیا مجاز ہے۔

ہ ۔یار یہی رہ جائے گا بس۔دو گھڑی ہنس بول لئے۔

غنیمت جان اس پل بیٹھنے کو

جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

بھلا کیوں جی اس عورت کا میاں بھی ہے یا نہیں۔یہ بھی کچھ جانتے ہو کہ نہیں۔

ت ۔ہاں ہجور ہے میاں۔کیا جانے ہے کہ نہیں۔

ہ ۔بھئی یہ کیا پہلے کہا کہ میاں ہے۔اب کہتے ہو کیا جانے میاں ہے کہ نہیں ہے۔

ت ۔ ہجور کچھ معلوم نہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اب تو للتوا کے پاس ہے بس۔

ہ ۔ مگر اچھی صورت ہے۔

ع ہے وہ بت نازک ادا نازک بدن نازک کمر

سیدی۔ کیا تنبولن ہے میاں یا کوئی اور قوم۔

ت ۔ تنبولن نہیں ہے کبڑن یا شاید منہارن۔

راوی ۔ اس منہارن کے لفظ پر قادر آگ ہوگیا۔ اور مارے شرم کے ماتھے پر پسینہ آگیا۔

سیدی۔ بھئی اب ہم کو بھی تنبولی کی دکان رکھنی پڑی۔ چین لکھتا ہے۔ مہریاں تو سب اپنے بس میں ہو جاتی ہیں۔ واللہ گھنٹوں بیٹھی مصاحبت کیا کرتی ہیں۔ اب ہم تنبولی کی دکان کھول دیں گے جا کے۔

ہ ۔ یہاں کانپور میں کھولو تو ہمارا بھی مطلب نکلے۔

ت ۔ اے ہجور آپ کی حکومت کیا کم ہے۔

سیدی۔ یہاں وہ بات کہا۔ یہاں مہریاں کہاں۔ وہ لجت (لذت) ہی اور ہے۔

ہ ۔ مہریوں کی فکر ہے یا منہارن کی۔

سیدی۔ منہارن تو ایک تاکی ہے ہم نے واللہ بڑی مزیدار نازو۔

ہ ۔ نازو کون ہے بھئی۔ اس بے چارے کی ماں تو نہیں ہے۔ اب بچی کبھی بھی نہ چھوڑو گے۔

راوی ۔ قادر چپ چاپ پھبتیاں سُنا کیا۔

ہ ۔ میاں قادر یہ تمھارے یار دوست کیسے ہیں۔

قادر ۔ تھانے دار صاحب۔ اللہ نہ کرے کسو پر برا وقت پڑے۔ اب ہم کو سب سننا پڑتا ہے۔

سیدی۔ تھانہ دار صاحب تو لڑواتے ہیں ہم کو تم کو اور تم تو ہو پاگل۔ اب دو گھڑی ہنستے بولتے ہیں۔

ہ ۔ اور کیا میاں یہی تو دنیا میں ہے یا کچھ اور۔

ق ۔ ہماری تو جان پر بنی ہے اور آپ لوگوں کو دل لگی سوجھتی ہے اپنے اوپر پڑے تو معلوم ہو۔

سیدی۔ تم تو ہو پاگل۔ ارے ۔ ؎

دنیا دورنگی مکارہ سرائے
کہیں کھوب کھویا کہیں ہائے ہائے

اتنے میں ایک اکا سرا کی جانب جانے لگا۔ اور قادر اور بھٹیاری نے کہا یہی للتوا ہے۔

ہیڈ کانسٹبل نے للکارا۔ اکّا روک دے۔ اکّے والے نے اکّا روک لیا۔ ہیڈ کانسٹبل آگے بڑھے دیکھا کہ پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور پردے کے باہر للتوا بیٹھا ہے سفید لٹھے کے پرکی سی دھوتی بہت قیمتی ولایتی ساری۔ اور شربتی کا گلابی رنگا ہوا انگرکھا۔ اور جالی لوٹ کا کرتا اور کامدانی کی نکّے دار ٹوپی۔ اور جھوٹے پنجے کا ٹاٹ بانی بوٹ، اور عطر میں ڈوبا ہوا۔ گلوری منہ میں دبائے ہوئے۔

کانسٹبل نے کہا تم کون ہو، اور کہاں سے آئے ہو، للتوا لونڈا تو تھا ہی ڈر گیا۔ کہا ہجور (حضور) ہم منبولی ہیں اور لکھنؤ سے آئے ہیں ہمارا کسور (قصور) کیا ہے۔

ک۔ یہ تمھارے پاس اور کون بیٹھا ہے۔ مرد ہے یا کوئی عورت ذات۔

للتوا ۔ (گھبرا کر) ہجور کس کے پاس۔ میرے پاس مرد بیٹھا ہے۔

کانسٹبل نے کہا تو کیوں پردہ پڑا ہے۔ مرد ہے تو پردہ اٹھا دے کہا ہجور مرد نہیں ہے۔

ایک اور کانسٹبل بولا۔ اُس جھوٹ بولت ہے سارے۔ دیکھو اب معلوم ہوت ہے۔

للتوا کانپنے لگا۔ مگر دل کو قابو میں کر کے کہا۔ تو معلوم کیا ہوگا۔ کیا کچھ کسی کو مار ڈالا ہے۔ یا ڈاکہ مار کے آئے ہیں۔

ہیڈ کانسٹبل نے مسکرا کر کہا نہیں بھئی گھبرو خفا نہ ہو بگڑتے کیوں ہو۔ اتنا بتا دو کہ عورت کون ہے۔

۔ ہجور یہ عورت ہماری آسناؤ ہے۔

آسناؤ کے لفظ پر ہیڈ کانسٹبل ہنسا۔ پوچھا اس کا میاں کہاں ہے۔ کہا ہم ہی اب تو میاں ہیں اس کے۔

ہیڈ کانسٹبل نے کہا اچھا اکّا ادھر بڑھاؤ ان کا چالان ہوگا۔ اب یہ نہ بچیں گے۔ چوکی کے بائیں طرف ایک درخت کے نیچے اکّا کھڑا کیا گیا۔ اور ہیڈ کانسٹبل نے ایک اور کانسٹبل کو تعینات کیا۔ کہ اکّے والا بھاگ نہ جائے۔ اور نہ سواریاں اترنے پائیں۔

کانسٹبل نے للتوا کو پٹی پڑھانی شروع کی کہ اب تم بہت ہی بُرے پھنسے بھیج دیئے جاؤ گے کالے پانی۔

للتوا کے ہاتھ پانوں پھولے تو تھے ہی خوشامد کرنے لگا بھیّا ہم کو بچا لو۔ دو روپے جیب سے نکال کر اس کو دیئے۔ انھوں نے ہاتھ گرمائے دو چہرے شاہی پائے۔

اب سنیئے اس عورت نے للتوا کو ڈانٹ کر کہا ڈرتا کیوں ہے کہہ کیوں نہیں دیتا کہ ہاں

ہمارے ساتھ بھاگ آئی ہے۔ جو میں جانتی کہ اس قدر ڈرپوک ہے تو ہرگز ہرگز تیرے ساتھ نہ آتی۔ میں ہمیشہ بانکوں کے ساتھ رہی ہوں۔ جو بات پیچھے کرتے پتڑ پہلے جماتے ہیں۔ کیا کیا ہے کسو کے یہاں چوری کی۔ ڈاکہ مارا۔ کسو کو مار ڈالا۔ کچھ جعل کر کے بھاگے۔ پھر آخر ڈر کا ہے کا ہے۔

ہیڈ کانسٹبل نے للتوا سے آن کے کہا کہ بچہ پرائی جورو کو بھگا لائے ہو۔ سیدھے کالے پانی بھیجے جاؤ گے۔

للتوا ہاتھ جوڑ کے کہنے لگا۔ صوبے دار صاحب مالک ہیں آپ۔ اب تو میری کھتا (خطا) کو معاف کیجئے۔

ہ - تو بھئی اس میں میرا بس کیا ہے۔ یہ ہے کس کی جورو۔

ل - اجی ہجور اب تو ہماری ہے اور کس کی ہے۔

ہ - اس عورت سے پوچھو اس لونڈے سے خوش ہے۔

عورت۔ (ع) میں خوش میرا خدا خوش۔ یہ مجھے چاہے جوتوں سے مارے میں اس سے خوش ہوں۔ اور میرا میاں چاہے سونے کا لقمہ کھائے پر انکھٹو منڈی کاٹے کی صورت نہ دیکھوں گی وہ موا ہے کس مرض کی دوا۔

ہ - واہ بھئی گھر و۔ خوب رنگ جمایا ہے تم نے۔ اور تمہارا میاں تو یہاں آیا ہے کانپور میں ہے۔

ع - اللہ کرے اس پر بجلی گرے۔ جنازہ نکلے اس کا۔

للتوا - ہجور ہمارے پاس یہ پانچ روپئے ہیں۔

ہ - (روپئے لے کر) اس سے کیا ہو گا۔ پانچ تو سپاہیوں ہی میں بٹ جائیں گے۔ اس عورت کے پاس کچھ زیور ہے۔

ع - اجی ہاں ہے۔ اس لونڈے کے دم کے لئے سب کچھ موجود ہے جان تک حاضر ہے۔

عورت نے پھر للتوا کو ڈانٹ بتائی کہ تو بڑا احمق ہے رے تو آخر ڈرتا کیا ہے۔ میں روبکاری کر لونگی۔ جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں سے کا ہے کا ڈر ہے۔ تھانہ دار کو میں بلوا کر سمجھا دوں گی۔

ہیڈ کانسٹبل اکے کے پاس آیا تو ذرا سا پردہ اٹھا کر اس پری جمال نے اپنا جمال مبین دکھایا دیکھتے ہی کانسٹبل ارٹ ہو گیا۔ اس حسین نے شوخی کے ساتھ تیکھی چتوں کر کے کہا کیا کوئی شہر شملہ ہے یا کوئی بنوہی مقرر کیا ہے۔ کیا ہمارے منہ میں زبان نہیں ہے۔ ہم روبکاری کر لیں گے۔ کانسٹبل نے کہا۔ مگر یہ بتاؤ تمھارا میاں آیا ہے۔ اس کو کیونکر ٹال دیں کوئی تدبیر بتاؤ۔

عورت نے گلوری دے کر کانسٹبل سے کہا میاں اجڑا کون ہے کہا ایک شخص آیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس شخص کی بیوی کو للتوا بھگا لایا ہے۔ اس نے کہا۔ (جھوٹا ہے موا)

للتوا ۔ بجور پیسے مرتے ہیں مجھ کو۔ بن نا ہک (نا حق)

عورت ۔ ہم رو بکاری کر لیں گے جی ۔ واہ واہ ۔

ک ۔ اور اس لونڈے کے پاس کب سے ہو تم ۔

ع ۔ میری اس پر جان جاتی ہے ۔ میرا دل آیا ہے اس پر ۔ میں نے ساری دنیا کو اس کے پیچھے چھوڑ دیا ہے یہ بھلا اب مجھ سے چھوٹ سکتا ہے۔ چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے۔

ک ۔ تم اس کو کھلاتی ہو کہ یہ تم کو کھلاتا ہے ۔

ع ۔ یہ بھڑوا بھلا کیا کھلائے گا ہم کو۔ منہ تو بنوائے پہلے ۔ ہم ہی اس کو کھلاتے ہیں ۔

ک ۔ تو اب کچھ ہاتھ تو گرمائیں ۔ پانچ روپے تو فقط سپاہی لے لیں گے اور ہم ۔

للتوا ۔ پہلے ہمارا پیچھا تو چھڑواؤ ۔

ک ۔ تم کو کھائے کون جاتا ہے میاں ۔

ل ۔ تو گرفتار تو ہیں چور کی طرح ۔

ک ۔ پرائی بہو بیٹی بھگا لاؤ اور اوپر سے غراؤ اچھا انصاف ہے جانتے ہو کیا سزا ہے سیدھے جہنم کو بھیج دیئے جاؤ گے بڑا سنگین جرم ہے ۔

ع ۔ اب تو کسی طرح للتوا کو بچا دیجئے۔ اللہ جانتا ہے بڑا احسان مانیں گے ۔ اگر چہ بچ جائے ۔

ک ۔ (ہنسکر) کچھ مطلب بھی نکلے گا ۔ یا خالی خولی فقط احسان ہی مانو گی ۔

ع ۔ یا میرے خدا اس گھبراہٹ کے صدقے مطلب کی پہلے ہی فکر پڑ گئی ۔

ک ۔ مقدم تو یہی ہے پہلے ہم سے مضبوط وعدہ کر لو پھر کام نہ ہو تو ہمارا ذمہ ۔

ع ۔ (ذرا پردہ اٹھا کر اور حسن گلو سوز دکھا کر) اچھا گھبراتے کیوں ہو للتوا کسی طرح بچ جائے ۔

خوش گپی

ایک روز نواب عسکری صاحب مع رفقا و مصاحبین کے کوٹھی میں بیٹھے تھے کہ منشی مہراج بلی صاحب تشریف لائے ۔ اور ہانپتے ہوئے کمرے میں جا کر کہا ۔ یار نواب ارے بھئی کچھ سنا بھائی صاحب غضب ہو گیا ۔ اور تم سنو گے تو تم کو بھی رنج ہو گا ۔ اور عجب نہیں کہ تم سن چکے ہو ۔

بڑا ہی ستم ہوگیا۔ واللہ۔ کان میں کہوں گا کان میں۔ یار قمرن ایک تنبولی کے لونڈے کے ساتھ نکل گئی۔ نواب صاحب نے کہا غلط ہے آپ سے کس نے کہا ابھی پرسوں تک تو تھی۔ اور تنبولی کے لونڈے کے ساتھ نکل جانے کی وجہ کیا۔ میاں ممن ذرا یہاں آؤ۔ منشی مہراج بلی خبر لائے ہیں کہ قمرن کسی کے ساتھ نکل گئی۔ ممن کو بھی استعجاب ہوا۔ اور افسوس کے ساتھ کہا حضور بد تو تھی ہی۔ مگر تعجب یہ ہے کہ حضور سے چاہنے والے کو چھوڑ کر بھاگ گئی۔ ہمیں یہ خبر صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ دریافت کرائیے۔ نواب صاحب نے حسین علی کو بلایا، اور حکم دیا کہ جاکر دریافت کرو کہ قمرن اس وقت کہاں ہیں۔ حسین علی نے تھوڑی دیر میں آن کر کہا خداوند میں اس کی دادی کے پاس گیا تھا بس مجھ کو دیکھ کر رونے لگی قمرن پرسوں یا نرسوں کسی تنبولی کے لونڈے کے ساتھ بھاگ گئیں سُنا اس لونڈے کو چاہتی ہیں۔ اور اس پر جان دیتی ہیں۔ نواب صاحب نے یہ بات سنی اور اور جب سن چکے تو کہا چلو خس کم جہاں پاک۔

بلبل بر داشت آشیاں را
گل گفت کہ خس کم و جہاں پاک

اگر ہماری ہو کے رہتی تو ہم مالا مال کر دیتے۔ تنبولی کا لونڈا بھلا کیا دیگا۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ آغا محمد اطہر اور رونق جنگ تشریف لے آئے۔ رونق جنگ نے آتے ہی کہا، میاں جاؤ بس دیکھ لیا تم کو بھی۔ وہ آپ کی معشوقہ ایک لونڈے کے ساتھ بھاگ گئیں، بی قمرن۔ اس کے گھر میں ماتم ہو رہا ہے۔ اور اس کا میاں قادر کانپور گیا ہے نواب صاحب نے کہا اب اس خبر کی اور بھی تصدیق ہو گئی۔ منشی مہراج بلی نے ہم کو خبر دی تھی۔ یار جو صدمہ گذرا اس کا حال بس دل ہی جانتا ہے۔ قمرن عورت نہیں پری ہے۔ بلکہ پریوں سے بھی بڑھ کر، سن دن، نک سک، چال ڈھال، آنکھیں، کمر، شانے، بازو، دانت، رخسار، سراپا سانچے کا ڈھلا ہوا۔ شوخی ہائے رے شوخی، شوخی بھی اس کی شوخی کی قسم کھاتی ہے۔ ؎

اے کہ از شوخی نداری ہمسری
می نمائی ہر دمی از منظری

مگر واللہ تنبولی والا لونڈا بڑا خوش نصیب ہے ؎

وہ پری لے کے ساتھ سوتا ہے
حور جس کا پلنگ کستی ہے

آغا محمد اطہر نے کہا کہ بھئی ہم کو جو یہ معلوم ہو کہ وہ بھاگ جائے گی تو ہم زبردستی گھر ڈال لیتے۔ واللہ کیسی حاضر جواب ہے۔ بھائی محمد عسکری نے جب چھیڑ خانی کی کہ ہمارے ہاتھ کی چوڑیاں بھی ہیں، تو کس شوخی کے ساتھ جواب دیا کہ آپ کے ہاتھ کی چوڑیاں پولیس والوں کے پاس ہیں۔ مگر واللہ ہم اس تنبولی کے لونڈے کو دیکھنا چاہتے ہیں۔

اتنے میں مسخرہ بھی آیا آداب عرض ہے حضور۔ کورنش عرض کرتا ہوں حضور۔ غلام نے کل رات کو ایک خواب دیکھا تھا بیان کرنے کے قابل ہے۔ اگر حکم ہو تو عرض کروں۔ حکم ہوا کہ بے تکلف بیان کرو۔ مسخرے نے خواب بیان کیا کہ خداوند میں نے یہ خواب دیکھا۔ خواب کیا دیکھا کہ یہ خواب دیکھا۔ دیکھتا کیا ہوں خواب میں کہ میں ایک خواب دیکھ رہا ہوں۔ اور وہ خواب وہی خواب جو غلام نے کل شام کو دیکھا تھا کہ غلام ایک خواب دیکھ رہا ہے خداوند — تو اس خواب کے بیچ میں بلکہ اس خواب کے درمیان کے بھیتر کے بیچوں بیچ میں میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ اور وہ خواب وہی خواب کہ جو میں دیکھتا تھا۔

مہراج ۔ آخر وہ خواب معلوم ہو تو کچھ۔ کیا خواب دیکھا بیان کرو —

ممّن ۔ بس یہی خواب دیکھا کہ خواب میں خواب دیکھا۔

مہراج ۔ (سوچ کر) خواب میں خواب دیکھا! یہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا خواب میں خواب دیکھنا کیا معنی۔

مسخرہ ۔ ہاں صاحب تو کل آپ نے خواب میں خواب دیکھا۔

مسخرہ ۔ یعنی وہ خواب جو آپ نے دیکھا تو کیا دیکھا آپ نے یعنی میں نے حضور کے غلام بلکہ غلام کے غلام نے کیا خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک خواب ہے اور خواب میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ۔

مہراج بلی اُٹھ کھڑے ہوئے کہا بھائی یہاں فشار بگڑا جاتا ہے۔ مجھے الجھن ہوتی ہے اور کس مردود کی سمجھ میں آیا ہو کہ یہ کیا بک رہے ہیں۔

ممّن ۔ اے حضور صاف تو ہے اس میں مشکل کیا ہے۔

اختر ۔ مطلب یہ ہے کہ شب کو خواب کو دیکھا۔ بس۔

مہلراج۔ اے تو کیا خواب دیکھا معلوم تو ہو۔

نواب ۔ تو بھئی کہتے کہتے کہیں گے۔

مسخرہ ۔ ہاں پیرو مرشد۔ تو میں کیا کہتا تھا۔ ہاں یاد آیا۔ میں نے ایک خواب دیکھا۔ اور اس خواب

میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خواب دیکھ رہا ہوں اور وہ خواب یہ تھا۔

آغا ۔آپ ہو گئے ہیں پاگل۔اور اب میں چپتیا چلوں گا۔ واللہ میں دھپ لگاؤں گا۔ اور زناٹے کے دھپ لگاؤں گا۔

مسخرہ ۔ تو حضور بس۔ میں خواب دیکھ چکا جائیے نہیں دیکھتے بس خواب دیکھا کہ ایک خواب ہے۔

مہراج ۔ (جھلاکر) ارے تو وہ خواب کیا ہے۔خواب کا حال تو کچھ معلوم ہو۔

مسخرہ ۔ خواب دیکھا کہ ہم ایک عورت پر عاشق ہیں۔اور عاشق کیا معنی بس اس پر لٹو ہیں جان دیتے ہیں۔اس پر اس نے ہم کو اپنے یہاں بلوایا۔مگر دہلیز پر قدم بھی نہ رکھنے پائے تھے کہ اس نے زناٹے سے ایک چپت جمائی۔اور چٹاخے کی آواز کوس بھر تک گئی۔اور حضور ایک دفعہ یار لوگوں نے اسی کے دھوکے میں ایک شیدی کے پاس لٹادیا۔اب ہم چومتے بھی ہیں اور بوس وکنار اور پیار بھی کرتے ہیں۔مگر یہ معلوم ہی نہیں کہ یار لوگوں کا گہرا چکمہ چل گیا اور ہم الو بن گئے۔

مہراج بلی کا رنگ فق ہو گیا۔سخت حیرت تھی کہ یا خدا یہ اس کو کہاں سے معلوم ہو گیا۔ مگر اور لوگ نہ سمجھ سکے کہ یہ کس پر ہوئی۔ نواب محمد عسکری بولے۔یار یہ ملّا جی کچھ سمجھ میں نہ آئی۔ یہ چپت بازی اور شیدی اس کے معنی۔مسخرے نے مہراج بلی کی طرف دیکھ کر کہا حضور ان سے دریافت کریں۔کیوں منشی مہراج بلی صاحب آپ کو کچھ اس کی اصلیت معلوم ہے۔مہراج بلی نے کہا جی نہیں مجھے نہیں معلوم۔ لوگ چتون سے تاڑ گئے کہ یہ انھیں کی سرگذشت ہے۔ نواب صاحب نے بڑا اصرار کیا اور مسخرے کو علیحدہ لے جاکر کہا کہ صاف صاف بتادو۔

مسخرے نے ان کی قلعی کھولی تو محمد عسکری کھلکھلا کر ہنس پڑے۔اور فوراً رونق جنگ اور محمد اطہر اور کل حاضرین سے کہا۔اور وہ قہقہہ پڑا کہ مکان گونج اٹھا۔

ممتن ۔لاحول ولا قوۃ کیا خاک اڑا ہے۔

مسخرہ ۔حضور وہ شیدی والا لطیفہ خوب ہوا۔

نواب۔ منشی مہراج بلی صاحب مزاج اقدس حضور کا۔

مسخرہ ۔ میں بھی آداب عرض کرتا ہوں حضور والا۔

مہراج ۔(جھلاکر) آپ جھک مارتے ہیں بس اب زیادہ مسخراپن اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

اصل بد از خطا خطا نہ کند ؏

مسخرہ ۔ سرکار ایک ہوئی۔

مہراج ۔ ایاز قدر خود بشناس۔ یہ نواب صاحب نے گستاخ کر دیا ہے

مسخرہ ۔ ع کرمہائے تو مارا کرد گستاخ

ممتن ۔ (ہنس کر) ؎

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں شو

رندی و ہوسناکی در عہد شباب اَولیٰ

آغا ۔ آخر شیدی والا مضمون کیا ہے بھئی۔ ہم بھی تو سنیں یہ معاملہ کیا ہے۔

نواب بھئی اس کی اصلیت کیا ہے آخر وہ شیدی کون تھا اور تمھاری آنکھیں کہاں چلی گئی تھیں۔

مہراج ۔ اجی سب لغو ہے۔ اور محض جھوٹ۔ آپ بھی مسخرے کی باتوں پر جاتے ہیں۔

نواب ۔ یار تو تم جھینپتے کیوں ہو۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

ع آنکھیں نہیں ملاتے ہیں شرمائے جاتے ہیں۔

مسخرہ ۔ حضور اتنا بتا دیجیے کہ ناز و نے چپت کیوں لگائی کیا قصور کیا ہوا تھا۔

نواب ۔ ناز و تو لڑنے بھڑنے والی نہیں ہے۔ اس کا تو مزاج بہت ہی اچھا ہے۔

مسخرہ ۔ حضور غالب کہہ گئے ہیں۔

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہ تھا

ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیش دستی ایکدن

نواب صاحب نے مہراج بلی کو ہزار ہا قسمیں دیں کہ اب صاف صاف بتا دو۔ تم کو ناز و کے سر کی قسم۔

مہراج بلی کو مجبور ہو کر اصل حال کہنا پڑا اور اس انداز او ربے ساختہ پن کے ساتھ بیان کیا کہ سامعین بے اختیار ان کی حماقت پر ہنس پڑے۔

انھوں نے اپنی پوری سرگذشت کا نقشہ کھینچ دیا۔ اور سامعین کو سب سے زیادہ لطف ان کی شعر خوانی میں آیا کہ شیدی کے گالوں پر ہاتھ پھیر کر فرماتے تھے۔ ؎

بھول کر اے چاند کے ٹکڑے ادھر آجا کبھی — شب وصال میں کیا وجہ منھ چھپانے کی

میرے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی — جو سامنے سوئے تو عاشق سے پھر حیا کیا ہے

مہراج بلی نے کہا بھائی صاحب چاہے بناؤ چاہے الّو سمجھو ہم تو بن گئے۔

اتنے میں میاں اختر آگئے اور کہا خداوند آج ایک خبر مشہور ہوئی ہے خدا کرے غلط ہو۔

نواب ۔ ارے باخیریت تو ہے خدا خیر کرے آج جو صاحب آتے ہیں ایک نئی بات بیان کرتے ہیں۔

مہراج ۔ میاں اختر صاحب خدا کا واسطہ جلدی کہو طبیعت کو وحشت ہوتی ہے۔

اختر ۔ سنا ہے کہ وہ چوڑی والی کسی کے ساتھ بھاگ گئی اور بہت معتبر ذریعے سے سنا ہے۔

نواب صاحب نے ایک آہ سرد کھینچی۔ افسوس ۔ مگر از برائے خدا یہ ذکر نہ کرو۔ کچھ شعر شاعری کا چرچا ہو بھئی۔

اختر نے کہا حضور تبرکاً ایک شعر سناتا ہوں خواجہ وزیر کا شعر ہے یہ شیخ صاحب مرحوم کے ارشد تلامذہ میں سے تھے فرماتے ہیں ؎

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دل گیر کو

کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

اتنے میں حسین علی نے عرض کیا۔ خداوندا ایک بوڑھی چوڑی والی آئی ہے۔ نواب رونق جنگ بہادر سے کچھ عرض کرنا ہے۔ انھوں نے کہا بلا لو۔ اس نے سامنے آکے آداب عرض کیا۔ اور کہا خداوند ہم لوگ شہر چھوڑے دیتے ہیں۔ حضور کے زیر سایہ پشتینوں سے رہتے ہیں۔ کبھی آدھی بات کسو نے نہیں کہی۔ اب ہماری بہو بیٹیوں پر لوگ تہمت صاف کرنے لگے۔ وہ جو ہماری دودھ شرکت کی بہن ہے۔ اسی ہی نے یہ گل کھلایا۔ کہ میری بہو کو اس تنبولی کے لونڈے سے اللہ اس کو غارت کرے ملا کے بھگوا دیا۔ اب زہر کھا کے سو رہیں گے۔ سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ عزت گئی آبرو گئی کہیں کے نہ رہے۔

رونق ۔ اس لونڈے کو گرفتار کروا دو۔

بوڑھی ۔ اے تو سرکار گیا تو ہے کانپور۔

رونق ۔ چھوکری وہ شریر اور حسین بھی ہے۔

بوڑھی ۔ آفت کا پرکالہ ہے سرکار۔ مگر ہماری تو عزت آبرو تو سب خاک میں مل گئی۔ اب ہم زہر کھا کے سو رہیں گے ۔ حضور مہربانی کریں ہمارے حال پر۔

نواب رونق جنگ نے للتو اتنبولی کے باپ کو بلوایا۔ اور قمرن کی ساس سے کہا۔ تم بیٹھو ہم ابھی ابھی فیصلہ کئے دیتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں حسین علی خدمتگار نے آکے کہا حضور وہ اس لونڈے کا باپ آیا ہے کہا سامنے بلاؤ۔ دیبی تنبولی نے جھک کر سلام کیا اور کہا حضور غلام حاضر ہے۔

رونق ۔ ارے تیرا لڑکا للتوا کہاں گیا ہے۔

دبی ۔ ہجور وہ تو کھراب (خراب) ہو گیا اب میں کیا کروں ہجور بس وہ اس کے پیچھے پڑا ہے۔

رونق ۔ کیا اس کو لے کے بھاگ گیا کہیں ؟

دبی ۔ سرکار وہ اس پر لٹو ہے اور وہ اس پر۔

رونق ۔ اور اس چھوکری کا میاں کہاں ہے۔

دبی ۔ اس کا میاں کانپور گیا ہے۔ اور لونڈا بھی پکڑ جائے گا۔ جو اس کے کرموں کا بدا ہوگا۔ وہ ادا ہوگا ہجور (حضور) اب لے اس کو گلام (غلام) کیا کرے بھلا۔

رونق ۔ اچھا اب للتوا ہے کہاں کانپور میں۔

دبی ۔ ہجور کوئی کہتا ہے کانپور کوئی کہتا ہے دلّی۔ اب لے ہم کیا کہیں سرکار کچھ بنائے نہیں بنتی۔

رونق ۔ کچھ پتا معلوم ہو تو ہم تدارک کریں۔ اچھا تم جاؤ محلّے میں ایسا نہ ہونا چاہئے۔

دبی رخصت ہوا تو رونق جنگ نے قمرن کی ساس کو بلوایا۔ اور کہا ٹھنڈا کر کے کھانا اچھا جلدی میں کام بگڑ جاتا ہے۔ اب میں اس وقت دو سو جوتے اس تنبولی پر پڑوا سکتا تھا مگر فائدہ کیا۔ اس کا کیا قصور ہے۔ قادر کو کانپور سے آلے نے دو۔ اگر کانپور میں مل گیا تو سبحان اللہ۔ قمرن بھی مل جائے گی اور وہ بھی گرفتار ہو جائے گا۔ اور اگر نہ ملا تو پھر کوئی تدبیر کی جائے گی۔

قمرن کی ساس نے ان کو دعائیں دیں، اور رخصت ہوئی۔ آغا محمد اطہر نے محمد عسکری سے کہا یار تمہارا دو گھڑی کا شغل گیا مگر دل کا مل جانا بھی کیا بری بلا ہے۔ لے غضب خدا کا تم ایسے سے ملاقات ہو اور ایک تنبولی کے ساتھ بھاگ جائے۔

نواب محمد عسکری جواب دینے کو تھے کہ حسین علی نے تین بار سلام کر کے عرض کیا سرکار ایک ڈولی آئی ہے، اور وہ عورت کہتی ہے کہ سرکار سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ اور کچھ عرض کرنا ہے۔ بہت ضروری بات ہے۔

نواب ۔ ایک ڈولی آئی ہے کون ہے بھئی۔ ؟

ممّن ۔ خدا کرے قمرن ہو۔ یا خدا قمرن ہی ہو۔

اختر ۔ حضور بسوے بسوے قمرن ہی ہے۔

آغا ۔ اچھا بلواؤ نا۔ کہو تشریف لا ئیے۔

نواب ۔ بلالو مگر ذرا پردہ کر دو۔ اور اس کمرے میں لے جاؤ۔ کہو نواب صاحب آتے ہیں۔
آغا ۔ اجی یہاں ہی بلواؤ۔ تم تو واہی ہو۔

حسین علی نے دروازے کے پاس ڈولی لگائی، ایک پری ڈولی سے اتری اور چھاچھم کی آواز نے کل حاضرین کو از خود رفتہ کر دیا۔ رونق جنگ کے منہ سے یہ کلمہ بے ساختہ نکل گیا (آنے والی) جماعت کو دیکھ کر ذرا جھجکی تو محمد عسکری نے کہا یہ سب بے تکلف دوست اور راز دار ہیں آپ کچھ خوف نہ کیجئے بے تامل تشریف لایئے۔

یہ پری پیکر منہ کو ڈوپٹے سے چھپائے ہوئے اٹھلاتی ہوئی شوخی کے ساتھ ایک کمرے میں چلی گئی۔ اور وہاں جاکر دروازہ بند کر لیا۔ اب سب حیران کہ یاالٰہی یہ کون ہے۔ حسین علی سے نواب صاحب نے کہا ارے یہ کون ہے۔ اس نے کہا سرکار میں نے صورت بھی نہیں دیکھی کیا جانے کون ہیں۔ مگر ہاتھ پاؤں البتہ دیکھے کوئی بری جیم قبول صورت ہے عورت، اور ابھی بہت کم سن معلوم ہوتی ہے۔

محمد عسکری کو شوق دیدار چرّایا۔ آغا محمد اطہر اور محمد عسکری اٹھے اور دوسرے راستے سے کمرے میں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک چاند کا ٹکڑا جلوہ افگن ہے۔ نواب کو دیکھ کر کہا کیوں حضور یہ بے ہوشی، اس قدر کا بے غافل ہونا آپ کو زیبا نہیں ہے۔ پان کے لاکھے نے ان دونوں کا خون کیا۔

محمد عسکری نے کہا صاحب اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ یہ سب تم لوگوں کی سمجھ کا قصور ہے وہ رشک پری بولی بس بس خاموش رہئے۔ قیل و قال بے سود ہے۔ اپنی اس سمجھ پر رائی نون اتروا ڈالئے۔ آپ بھی ماشاء اللہ سے کتنے سمجھدار ہیں۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ آخر کچھ معلوم بھی تو ہو۔ آغا محمد اطہر کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا گفتگو ہو رہی ہے۔ اور یہ بلائے بے درمان، آفت جاں آشوب دوران کون ہے۔ کان میں کہا نواب یار یہ کون ہے؟ اس کا نام تو بتاؤ۔ انھوں نے کہا یار (ٹھنڈی سانس بھر کر) نام نہ پوچھو۔ ؎

کسی کی محرم آب رواں کی یاد آئی ہے
حباب کے جو برابر کوئی حباب آیا

ہائے کل رات کو کسی مردود ہی کو کل آئی ہوگی۔ واللہ تمام شب جاگتا اور تڑپتا رہا۔ ؎

شب فراق میں مجھ کو سلانے آیا تھا   جگایا میں نے جو افسانہ گو کو خواب آیا

آغا محمد اطہر نے اس رنگ حور سے پوچھا حضور کا نام کیا ہے۔ اس نے تیکھی چتون کر کے کہا ہم نامحرم سے بات کرنا حرام سمجھتے ہیں۔ نواب کے لحاظ سے ہم نے یہ گوارہ کیا کہ آپ یہاں بیٹھیں ورنہ ہم بہو بیٹیاں کہیں نامحرم کو صورت دکھاتے ہیں۔ مگر آپ بھی ماشاء اللہ سے کس قدر کے بے باک ہیں کہ جان نہ پہچان خالہ جی سلام۔ یہ خالہ جی کا لفظ سن کر محمد عسکری کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ پڑ گئے۔ آغا محمد اطہر بہت ہی جھینپے۔

نواب صاحب نے کہا بھئی یہ فقرہ بندہ پورے جلسہ کے سامنے کہے گا چاہے آپ بگڑ ہی کیوں نہ جائیے کچھ پرواہ نہیں کیا کہی ہے واللہ۔

آغا محمد اطہر بہت جھینپے۔ کہا کیوں بی صاحب بے وجہ بے سبب کسی بھلے مانس پر پھبتی کہنا کون سی بھل منسی ہے۔ اس رنگ حور نے قہقہہ لگا کر جواب دیا جب سے انگریزی ہوئی جسے دیکھو بھلے مانس بنا جاتا ہے۔ نائی بھی اپنے آپ کو بھلے مانس کہتا ہے اور چمار بھی۔

نواب صاحب نے کہا یہ دوسری ہوئی بھئی تم ان سے جیت نہ پاؤ گے یہ بڑی طرار ہیں۔ یہ نوک جھونک میں کیا جانے کیا کیا کہہ جائیں گی۔

آغا ۔ بھائی صاحب ہم تو اچھی صورت کے عاشق ہیں۔ ان کی دو گالیاں بھی سہہ لیں گے۔

عورت ۔ جی ہاں دودھاری گائے کی دو لاتیں بھی انسان سہہ لیتا ہے کہ دو لاتیں کھا کے دودھ تو پینے میں آئے گا۔

نواب ۔ (قہقہہ لگا کر) لو اور تیسری ہوئی۔

ع ۔ اب ذری خاموش ہوئے آپ ۔

آغا ۔ بھئی واللہ قافیہ تنگ کر دیا اس عورت نے۔

نواب ۔ ابھی تم نے سنا ہی کیا ہے۔ یہ بڑی زبان دراز ہیں۔ جواب میں تو کبھی چوکتی ہی نہیں ہیں

نواب رونق جنگ اور مہراج بلی اور حاضرین جلسہ دنگ تھے کہ یہ کون عورت ہے اور یہاں کیا کرنے آئی ہے۔ اور یہ اتنی دیر تک محمد عسکری اور آغا کیا کر رہے ہیں۔

مہراج بلی نے دروازے کے پاس جا کر کہا ارے میاں کیا سور ہے ہے۔ بھلا یہ کون بھل منسی ہے۔ کہ دو چار رئیسوں کو چھوڑ کر چلا جائے۔

ع طاقت مہمان نداشت خانہ بمہمان گذاشت

نواب صاحب نے کہا بھئی عجیب قسم کے آدمی ہو۔ زنانے میں چلے آتے ہو۔

مہراج بلی نے ہنسکر جواب دیا کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کے یہاں کی عورتیں ڈولی پر چڑھ چڑھ کر اس آزادی کے ساتھ گھوما کرتی ہیں۔

نواب صاحب نے اس پری پیکر سے کہا اب تم گھر میں جا کے ٹھہرو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔ اس نے کان میں کہا تم بھی کتنے سیدھے آدمی ہو۔ میں یہاں اس وقت کیا تم سے چہل کرنے آئی تھی۔ میں اس لئے آئی ہوں کہ سب کے سامنے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ (یہ کہہ کر کچھ کان میں چپکے سے کہا) نواب صاحب نے کہا میں سمجھ گیا۔ کیوں جی مہراج بلی آغا اور رونق جنگ سے کیا پردہ ہے۔ بلا بھی لو۔ آغا محمد اطہر نے ان دونوں کو بلایا۔ رونق جنگ تو اس قمر طلعت کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ مہراج بلی کا خون خشک ہو گیا۔

نواب۔ ارے ہاں واللہ خوب یاد آیا (قہقہہ لگا کر) منشی مہراج بلی صاحب حضور ان سے واقف ہیں۔

مہراج۔ جی نہیں مجھ سے ان سے کبھی کی ملاقات نہیں ہے۔ میں ان کی صورت سے بھی واقف نہیں۔

عورت۔ کیا منو میاں بلائی بنے بیٹھے ہیں۔ موا دغا باز۔

رونق۔ بھئی یہ تو کچھ اور ہی گفتگو ہونے لگی۔ واللہ یہ تو کچھ اور ہی معاملہ ہے۔

نواب۔ ارے میاں ذرا گل خیرو کو تو بلاؤ۔

آغا ۔ (دروازہ کھول کر) چڑا گل خیرو یہاں آؤ۔

مسخرہ ۔ حاضر ہوا خداوند۔ آداب عرض کرتا ہوں۔

نواب۔ میاں اس عورت کو بھی پہچانتے ہو۔ بی نازو یہی ہیں۔

مسخرہ۔ (ذرا غور سے دیکھ کر) اخاہ ہمارے منشی مہراج بلی صاحب کی زوجہ کرمہ۔

نواب۔ جی ہاں منشی مہراج بلی صاحب کی بیوی ہیں۔

نازو ۔ میں صدقے کروں اس کی جورو کو اپنے اوپر سے۔

راوی۔ اس فقرے پر محمد عسکری اور آغا محمد اطہر اور رونق جنگ اپنے اپنے دل میں سوچنے لگے کہ ہم لوگوں کی آوارگی اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ یہ بازاری عورتیں اس گستاخی اور توہین سے ہماری بیوی کی نسبت بیہودہ بکتی ھیں۔ اور ہم سنتے ہیں بڑی شرم کی بات ہے۔

نازو نے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھ کو انھوں نے اپنے مکان پر بلایا تھا۔ اور وہاں ایک

بوسے کے عوض میں مجھے بیس روپے کا نوٹ دیا۔ مگر وہ نوٹ جعلی تھا بس میں جھلائی ہوئی تو تھی ہی بیٹے دوسرے دن آئے میں نے وہ ٹیپ جمائی کہ یاد ہی کرتے ہوں گے۔

مہراج بلی انتہا سے زیادہ جھینپے مگر چپ۔ قہر درویش بر جان درویش۔

اختر نے کہا سرکار حضور کو یاد ہوگا کہ کچھ شعر منشی مہراج بلی کی شان میں موزوں کیے گئے تھے۔

ٹیپ لگا کر نازو بولی بیاہ اب کچھ کھیل نہیں
میں ہوں جوان اور تو ہے بوڑھا میرا تیرا میل نہیں

اب نہ کہیے گا کہ شعرا تلا مذ الرحمٰن نہیں ہیں جو کہا وہی ہوا ٹیپ پڑہی گئی۔
مسخرے نے کہا خداوند ٹیپ تک تو خیریت ہے شعر ہوا تھا۔ ؎

جوتا لے کر نازو بولی بیاہ اب کچھ کھیل نہیں
میں ہوں جوان اور تو ہے بوڑھا میرا تیرا میل نہیں

مہراج۔ نہیں۔ ع

دور ہو نگوڑے بوڑھے نکھٹو تیرا میرا میل نہیں

راوی۔ اے سبحان اللہ واللہ بے غیرت ہو تو ایسا۔ اپنے آپ بتاتے ہیں کہ ایں جانب کی شان میں یہ کہا گیا تھا بے وقوفی اور بے غیرتی کی انتہا ہو گئی۔

رونق جنگ نے مہراج بلی کو بنانا شروع کیا کہ ہم تو ایسے ہی دوستوں سے خوش ہوتے ہیں جیسے یہ مہراج بلی ہیں کہ صاف صاف کل حال بیان کر دیا۔ دوستوں سے چھپانا کیا معنی۔ اب ہم کو لازم آیا کہ نازو کو اور ان کو میاں بیوی کرا دیں۔

مہراج بلی نے رونق جنگ کے قدموں پر ٹوپی رکھ دی یار جو کہے خرچیں ۔ اس سے اقرار نامہ لکھوالو اور ہم بھی اقرار نامہ لکھ دیں گے کہ عمر بھر ہم نباہیں گے ۔ یہ ہم سے بے وجہ بے سبب ناراض ہیں (نازو کے قدموں پر ٹوپی رکھ کر) پیاری جانی ذرا تو رحم کر۔ نازو نے ٹوپی کو ٹھوکر دی چل ہٹ موا جعلیہ فیل کرنا بہت آتا ہے ۔ کیا دودھ پیتے بچوں کی طرح مچل گیا ۔ روئی نہ کپڑا ۔ سنیت میت کا بھترا ۔ میں آئی تھی اپنا درد دکھ کہنے اس مونڈی کاٹے کو کس نے بلایا ۔ نواب صاحب اب ہم کیا کریں قمرن کو کسی طرح ڈھونڈوائیے ، ہماری تو ناک کٹ گئی ۔ عزت آبرو گئی ۔ کہیں کے نہ رہے ۔ تمام برادری بھر میں بدنامی ہوئی ۔ یہ بھی تقدیر میں بدا تھا ۔

رونق ۔ اس لونڈیا کی جوتون ہی سے آدمی تاڑ جائے کہ بد وضع اور خراب ہے ۔

نازو ۔ حضور کہنے کو جس کا جو جی چاہے کہے مگر آج تک کبھی کسی کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا ۔ مگر اس تنبولی والے لونڈے سے اللہ سمجھے ۔

آغا ۔ کیا کچھ خوب صورت لونڈا ہے ۔ ہوگا حسین ضرور ۔

نازو ۔ حضور نمکین بہت ہے ۔ اور ابھی کبھرو ہے گا ۔

آغا ۔ تمھاری بھی اس پر نظر پڑی تھی کبھی ۔ کیوں نازو ؟ ۔

نازو ۔ (تنک کر) آپ تو دل لگی کرتے ہیں ۔

آغا ۔ اچھا اس بات کا جواب دیدو تو پھر دل لگی نہ کریں گے ۔ بولو کیا گونگی ہو ۔

مہراج ۔ ان لوگوں سے کیا ہنستی بولتی ہیں مگر ہم سے ہمیشہ خفا ہی رہتی ہیں، اس کا کیا سبب ہے ۔

نازو ۔ تم اسی قابل ہو ۔ موا جعلیا ۔

نواب ۔ بھئی یہ آخر تم نے نوٹ بدل کے کیوں دیا ۔

مہراج ۔ بھائی صاحب میں انگریزی وانگریزی تو جانتا نہیں بس دھوکا کھا گیا ۔

نواب ۔ ایسے نادان بھی نہیں ہو بھولا کیا معنی ۔

مہراج : بھئی واللہ بھولے سے اور دھوکے سے دے دیا۔ ان ہی کے سر کی قسم۔

نازو : اے چل جھوٹے موئے جیلیے۔ اپنے نتھے ہیں بھولے سے سوکا نہ دے دیا۔ ہم سے اڑتے ہو۔

نواب : تریا چلتر سنتے تھے۔ مگر یہ مردوں کا چلتر آپ ہی کا حصہ تھا۔ ع

زنان راکید ہا ی بس عظیم است

مسخرہ : خداوندیہ نازو ہی سی سیدھی سادی عورت تحمل کر سکتی ہے، ورنہ دوسری ہوتی تو معاذاللہ توبہ ہی بھلی۔ سے کے جوتا ایک بیس لگاتی۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ نازو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ نواب محمد عسکری نے آنسو پونچھے اور کہا گھبراؤ نہیں ہم کوئی ایسی تدبیر بتادیں گے کہ تیر بہدف ہوگی۔ قمرن کے بھاگ جانے اور نکل جانے کا ہم کو بھی بڑا رنج ہے۔ قادر کا پنور سے آجائے تو پھر ہم اپنے طور پر کوشش کریں۔ بڑا غضب کر گیا ظالم۔ اور قمرن کی عقل پر یہ کیا پتھر پڑ گئے کہ تنبولی کے لونڈے پیچ قوم پر ریجھی اور ایسا ریجھی کہ گھر بار، عزیز اقارب میاں تک کو چھوڑا۔ اور دھتا بولا یا۔ عورت کی عقل کیا۔ جھانسے میں آگئی۔ ہم تو اس فکر میں تھے کہ اس کے واسطے کوئی عمدہ فکر کریں سنتے ہیں کہ آپ چلدیں دشمن عقل اچھا تم جاؤ ہم فکر سے غافل نہیں ہیں۔ مگر ایک شرط سے جانے دیتے ہیں مہراج بلی سے ذرا ہنس بول لو نازو نے انگوٹھا دکھایا اور ڈولی بلوا کر سوار ہو گئی۔

مسٹر فریزر اور ہندی

اس سین کو یہاں ہی پر چھوڑیے۔ اب سنیے کہ نواب قمر رکاب، محمد عسکری صاحب بہادر، صولت جنگ فرحان و شادان، خانہ باغ میں صبح کے وقت ٹہلتے تھے، اور مصاحبوں میں صرف داروغہ ساتھ تھا اور کوئی نہ تھا۔

اتنے میں ممّن آیا۔ آداب عرض کیا۔ کہا حضور نینی تال سے میرے ایک دوست آئے ہیں ان کی زبانی معلوم ہوا کہ مسٹر فریزر صاحب نے حضور کے دشمنوں کا بڑا خاکہ اڑایا ہے۔ اور سب صاحب لوگوں سے ہجو کرتے تھے، اور کئی ہندوستانیوں سے آپ کا نام لے کر شکایت کی۔

حضور غلام کو بڑا رنج بلکہ صدمہ ہوا، خداوند! مگر قہر درویش برجان درویش۔

ان لوگوں کے سامنے کسی کی کا ہے کو چلنے پاوے گی۔ یہ تو بڑے غضب کی بات ہے۔

نواب صاحب کو یہ خبر سن کر بڑا رنج ہوا۔ کہا اپنے دوست کو ذرا یہاں لا سکتے ہو ہم ان سے کچھ پوچھیں گے۔

ممّن : حضور ابھی بڑے معقول آدمی ہیں۔

یہ کہہ کر ممّن جا کے اپنے دوست شیخ مبارک علی کو بُلا لایا۔

انھوں نے نواب صاحب کو سلام کیا، اور کہا حضور کے دیکھنے کو بہت جی چاہتا تھا۔ نینی تال میں حضور کا نام سُنا تھا اور حضور کے گھوڑوں پر فریزر صاحب کو سوار دیکھا تھا مگر بڑا خاکہ اڑاتے ہیں۔ تو یہ ہی بھلی ہے۔

ایک اخبار نے بھی حضور کے خلاف ایک مضمون لکھا تھا وہ اخبار بندہ لیتا آیا ہے۔ اخبار نکال کر دیا۔

نواب صاحب نے داروغہ کو دیا اور کہا پڑھ کر سناؤ۔

مضمون اخبار سننے کے قابل ہے۔ وہ ہنسا۔

ہندوستان اور یوروپین

چو از قومے یکے بیدانشی کرد نہ کہہ را منزلت ماند نہ مہ را
نمی بینی کہ گادی در علف زار بیالاید ہمہ گاواں دہ را

یہ سچ مگر انسان کو افراط و تفریط کا خیال رکھنا چاہیے۔ ماحصل اس تمہید کا یہ ہے کہ آج کل مسٹر فریزر صاحب ایک یوروپین جنٹلمین یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں، اور وہ اعلانیہ فرماتے ہیں کہ ان کو اب ہندیوں کے قول و فعل اور وعدے، اور عہد وپیماں کا بالکل اعتبار نہیں ہے، اس کا سبب صاحب بہادر یہ بتاتے ہیں کہ محمد عسکری نامے کسی نواب صاحب نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ صاحب کے ہمراہ نینی تال آئیں گے اور یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ اپنے دوست کی کوٹھی صاحب بہادر کے لیے سجوا دیں گے چنانچہ اسی قول پر بھروسہ کر کے، صاحب بہادر نے اپنے قیام نینی تال کا بندوبست نہیں کیا۔ مگر جب شام کو روانہ ہوئے تو نواب صاحب مسٹر فریزر صاحب سے نہ ملے، اور نہ مکان کا کچھ انتظام کیا۔ اس سے صاحب بہادر کو نینی تال میں پہلے روز ذرا تکلیف

ہوئی اسی بنیاد پر صاحب بہادر کو کل ہندوستانیوں کے قول کا بھروسہ جاتا رہا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ امر کہاں تک صحیح کہ نواب صاحب نے ان کو دھوکا دیا۔ مگر کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ نواب صاحب اسی روز علیل ہو گئے ہوں، یا کوئی خاص سبب مانع روانگی ہوا ہو اور اگر واقعی ان سے غلطی بھی ہوئی تو کیا، اس سے کل ہندوستانیوں کے چال چلن پر دھبّا لگتا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ نینی تال کے ایک ہوٹل میں مسٹر فریزر صاحب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اتفاق سے ایک بنگالی بابو صاحب بھی وہاں پہنچے، اور حکم فرمایا کہ ہمارے واسطے مرغ کے کٹلس تیار ہوں۔ اس پر صاحب ممدوح نے ہوٹل کے منیجر کو کہ وہ بھی یوروپین ہیں بلوایا۔ اور کہا کہ اگر ہم جانتے کہ اس ہوٹل میں ہندوستانی بھی آتے ہیں تو ہم ہرگز نہ آتے۔ یا تو ان کو اٹھا دو، یا ہم کو۔ منیجر نے کہا۔ آپ خود انصاف فرمائیے کہ ہم دکاندار آدمی بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ایک شریف رئیس جنٹلمین آئے۔ اور ہم اس کو کہیں کہ تو یہاں سے نکل جا۔ یہ غیر ممکن ہے۔ ہمارے نزدیک آپ اور وہ دونوں برابر ہیں۔ یہ بابو بڑا نامی وکیل ہے۔ اور ہزار بارہ سو روپے کی آمدنی ہے۔ ہم کو جو شخص روپیہ دے گا اس کو ہم کھانا پینا، شراب برف، جو مانگے گا وہ دیں گے مگر ہاں ایک تو میلے کچیلے آدمی کو نہیں آنے دے سکتے دوسرے کسبی اور فاحشہ بازاری عورت کو۔

یہ گفتگو بابو صاحب نے سنی اور منیجر سے مسکرا کر کہا کہ میں کلکتے میں برابر ہوٹلوں میں کھاتا ہوں۔ اسپینز کے ہوٹل اور ہوٹل دی یورپ اور گریٹ ایسٹرن ہوٹل اور فرنچ ہوٹل بڑے بڑے نامی ہوٹلوں میں ٹکا ہوں۔ اور کھانا کھایا ہے، اور بڑے بڑے جلیل القدر عہدے داروں کے ساتھ کھانا کھایا ہے۔ مگر یہ اعتراض کسی نے نہیں جمایا تھا۔

فریزر صاحب نے کہا ول بابو ہم ہندوستانیوں کا بہت بڑا دوست تھا اور ان سے ملتا جلتا بہت تھا۔ مگر اب ہم کو معلوم ہو گیا کہ ہندوستانی اس قابل نہیں ہے کہ ہم ان سے ملے ہم نے بڑا دھوکا کھایا ہے۔

بابو : میں جانتا ہوں آپ کو تربیت یافتہ ہندیوں سے سابقہ نہیں پڑا ہے۔

ف : ہمیں خود نہیں منظور ہے کس واسطے کہ تربیت یافتہ ہندی ذرا سرکش ہوتے ہیں۔

ب : کیا آپ بھی اعلادرجہ کی تعلیم کے خلاف ہیں۔

ف : بالکل آپ لوگ تعلیم پاکر گالیاں دینے لگتے ہیں۔ البرٹ مل اور لوکل سلف گورنمنٹ کے لیے جھگڑتے ہیں۔

ب : ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ آپ کنسرویٹو ہیں۔ اس وجہ سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم نہیں پسند کرتے۔

ف : بیشک ہم گلیڈ اسٹون کی جماعت کے نہیں ہیں ہم لبرل فرقہ کو بہت بُرا سمجھتے ہیں۔

ب : میں گلیڈ اسٹون نہیں ہوں، وہ ہمارے ہندوستاں کے بڑے ہی خواہ ہیں۔

ف : ہندوستان کا نام بھی ہم لوگ کبھی پارلیمنٹ میں نہیں لیتے تھے۔ مگر اس بوڑھے برائیٹ اور فاسٹ نے ہندوستان، ہندوستان، ہندوستان، غل مچانا شروع کیا۔

ب : اب تو مسٹر گھوش پارلیمنٹ کی ممبری کی کوشش کر رہے ہیں۔

ف : یہ پاگل پنا ہے کبھی نہیں ہو سکتا۔

ب : ہاں ابھی تو نہیں ممکن ہے۔ مگر ہوگا ضرور۔

ف : ہزار برس تک نہیں ممکن ہے۔ ہرگز نہیں۔

ب : راجہ رامپال سنگھ صاحب کالے کانکڑ والے بھی کوشش کرتے ہیں۔ اور مسٹر گھوش بھی کوشش کرتے ہیں۔

ب : جب آپ جلال الدین اکبر شاہ ہونے کی درخواست دیں گے تب ہم بھی پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کی کوشش کریں گے۔

ف : دیکھو صاحب یہ کلمہ آپ نے بہت سخت کہا لیکن اگر انگریزی خواں نہ ہوتے تو کبھی آپ کو اس قدر جرأت نہ ہوتی۔ آپ ایم۔ اے۔ ہیں ؟۔

ب : میں۔ بی۔ اے بی۔ ایل ہوں۔ کلکتہ یونیورسٹی کا۔

ف : ہم سمجھ گئے تھے۔ جو اعلا تعلیم آپ نے نہ پائی ہوتی، تو ہرگز آپ اس قدر سخت جواب نہ دیتے۔

ب : تو اسی سبب سے آپ نے یہ رائے قایم کی کہ ہندوستانیوں کو اعلادرجہ کی تعلیم نہ دی جائے۔

ف : بیشک۔ بس آپ لوگوں کو ریڈر نمبر ۳ تک پڑھنا کافی ہے۔ زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ بس کرانی خانے کا کام۔

ب : اگر آپ کا اختیار ہو تو ہندوستانیوں کے ساتھ یہی برتاؤ کریں!۔ افسوس۔

ف : بھلا آپ ریل کے کس درجہ میں سفر کرتے ہیں۔؟

ب : فرسٹ کلاس میں۔ یہ کیوں پوچھا آپ نے۔؟

ف : اچھا آپ ہی انصاف سے کہیں کہ یوروپین اگر آپ کے درجہ میں بیٹھا ہو تو آپ کو کس قدر تکلیف ہو۔

ب : میں اُس درجے سے بھاگ جاؤں۔ مجھے خوف ہو کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں شراب پی کے بگڑ جائے۔

ف : (ہنس کر) آپ لوگ ڈرپوک ہوتے ہیں۔

ب : ڈرپوک نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ وجہ ہے کہ حرامزادے سے سب ڈرتے ہیں۔

ف : (قہقہہ لگا کر) اُردو خواں آدمی، یا پرانے فیشن کا آدمی، کبھی اس بے تکلفی سے بات نہ کرتا۔

ب : مجھے ہمیشہ ہی انگریزوں ہی سے صحبت رہی ہے، اور میں بالکل مثل یورپین کے بسر کرتا ہوں۔

مسٹر فریڈر نے اور بھی کئی باتیں ہندوستانیوں کے خلاف بیان کیں، اور کہا ہمارے ان احباب کی رائے واقعی صحیح تھی جنھوں نے ہم سے کہا تھا کہ ہندی اور اہل یورپین کا میل جول ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ممکن نہیں کہ ہندوستانی آدمی اور یورپین باہم مل کر رہ سکیں۔ ممکن نہیں جس بنگلے یا کوٹھی میں انگریز رہتا ہو اس میں ہندی رہے، اور یورپین کے خلاف نہ گزرے۔ آپ لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ایک شخص اخبار خریدے گا تو سو آدمی اس کو پڑھیں گے اور ہم اگر تین انگریز ایک کوٹھی میں رہتے ہوں گے تو تینوں کے پاس علاحدہ علاحدہ پرچہ آئے گا۔

بابو صاحب نے جواب دیا کہ ہم لوگوں کو اخبار بینی کا اس قدر شوق نہیں ہے جس قدر آپ لوگوں کو ہے۔ لیکن تربیت یافتہ ہندیوں میں البتہ مطالعۂ اخبار کا چرچا ہے۔ کوئی ہندوستانی ایسا نہیں جو اخبار نہ پڑھتا ہو۔ ہر شہر اور اکثر قصبوں میں ایسے ایسے جلسے قایم ہوئے ہیں۔ جن میں اخبار آتے ہیں۔ اور لوگ جمع ہوتے ہیں، اور بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ ان لوگوں میں ابھی بہت چرچا نہیں ہے، جو انگریزی نہیں پڑھے ہیں۔ ورنہ انگریزی خوان جتنے ہیں وہ سب پڑھتے ہیں۔ شاذ ہی ایسے ہوں گے جو نہ پڑھے

ہوں گے۔ مگر آپ نے تو ایک نواب صاحب کے حرکات پر سب کو قیاس کر لیا۔ اور یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر میں آپ کی کوٹھی پر رہوں تو آپ کو ذرا فرق نہ معلوم ہو کہ ہندی رہتا ہے یا انگریز۔ ممکن نہیں اگر تربیت یافتہ ہندیوں سے ملاقات ہو تو یہ خیال دور ہو جائے۔

مسٹر فریزر صاحب نے کہا کہ ایک روز بدقسمتی سے ہمارا اور ایک ہندو کا ریل گاڑی میں ساتھ ہوا۔ امیر آدمی تھا۔ مگر ہمارا جی چاہتا تھا کہ ہم گاڑی سے پھاند پڑے۔ ان کے کپڑوں سے بو آتی تھی۔ اس نے عطر لگایا تھا۔ مگر چھچھوندر کی سی بو آتی تھی۔ شاید حنا کا عطر تھا۔ ہماری طبیعت بہت گھبرائی۔ بابو صاحب اس فقرے پر بہت ہنسے کہا، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ ہندوستانی عطر کو اس قدر برا کیوں سمجھتے ہیں۔ آپ کے عطر کی بھلا اس عطر کے سامنے کیا حقیقت ہے۔ مگر کیا معلوم کیا سبب ہے کہ آپ لوگ عموماً اس عطر سے نفرت کرتے ہیں۔

ف : اور کھٹمل کا بو آتی ہے۔ سر گھومنے لگتا ہے۔ بڑی بری چیز ہے، بالکل خراب۔ چکنائی ہوتی ہے۔

ب : جی ہاں کھٹمل سے بھی بری بو آتی ہو۔

ف : بابو ہم نے چنبیلی اور حنا اور برگِ حنا اور موتیے کا عطر سونگھا۔ کوئی عطر باقی نہیں رہا۔ لیکن سب بدبودار۔ کسی میں اچھا بو نہیں آیا۔

ب : آپ اپنی قوت شامہ کا علاج کریں۔

ف : ول ہم نہیں جانتے کہ عطر کا قصور ہے یا ہماری قوت شامہ کا قصور ہے۔

ب نہیں عطر ہی کا قصور ہے۔ افسوس ہے کہ آپ لوگوں کی قوت شامہ ہم لوگوں کی قوتِ شامہ سے بالکل مختلف ہے۔ ہم جب کبھی اپنے یہاں کا عطر سونگھتے ہیں تو جی خوش ہو ہو جاتا ہے۔ اور طبیعت بشاش ہو جاتی ہے۔

ف : بابو صاحب ہم کو اگر کوئی لاکھ روپیہ بھی دے تو بھی ہم نہیں سونگھ سکتے۔

ب : (دل میں ہنس کر) بھولے سے بھی نہ سونگھئے گا۔ بدبودار چیز ہے۔

ف : آپ نے کبھی پنیر کا استعمال کیا ہے کس قدر عمدہ اور خوشبودار شے ہے۔

ب : اے ہے۔ اس سے بڑھ کر بدبو کی چیز کوئی نہیں۔ ہم ہوٹلوں میں برسوں سے کھاتے آئے ہیں۔ مگر پنیر سے بھی بدبودار شے کبھی نہیں دیکھی۔

ف : پنیر اور بدبودار شے۔ بس انتہا ہے۔ آپ کے حقے کی خوشبو کتنی اچھی ہوتی ہے۔

ب : ہاں! اب آپ کو حقّے پر بھی اعتراض ہے۔ آپ کے چرٹ میں خوشبو آتی ہے۔ اور ہمارا حقّہ بدبودار چیز ہے۔ آپ نے یہاں کا تمبا کو سونگھا ہی نہیں۔ بڑے بڑے علماء کی رائے ہے کہ تمباکو فی نفسہ سنکھیا ہے مگر استعمال کے سبب سے نہیں معلوم ہوتا اور چرٹ کو حقّے پر ترجیح ہے۔

ف : ہم اس گفتگو کو ہرگز نہیں سمجھ سکتے نہیں معلوم آپ یہ کون سی تقریر کرتے ہیں۔

بابو صاحب نے کہا افسوس ہے کہ آپ کو کسی تربیت یافتہ ہندوستانی کی صحبت نہیں ہوئی ورنہ آپ ہم لوگوں کو اس قدر ذلیل و خوار ہرگز ہرگز نہ سمجھتے۔ آپ کے نزدیک تو کوئی ہندی اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ مگر یہ آپ کی غلطی ہے۔ ہندوستانیوں میں ایسے آدمی بھی بہت سے پائیے گا جو انگریزی داب و آداب سے بخوبی واقف ہیں۔

فریزر صاحب مسکرائے اور منھ بنا کر بولے۔ ول ہم سے اور نواب محمد عسکری سے بہت دن کی ملاقات ہے۔ اور ہم اس کو بہت اچھا سمجھتے تھے۔ مگر اب ہم نے اپنی رائے بدل دی۔ ہندوستانی اپنے وعدے کو کوئی چیز نہ سمجھتے، ہم سے وعدہ کیا کہ ہم ساتھ چلیں گے۔ اور اصرار کیا کہ ہمارے دوست ہی کی کوٹھی میں ٹکنا۔ ہم نے دس گیارہ بجے دریافت کیا کہ آپ کس وقت جائیں گے۔ آپ ہمارے یہاں آئیں گے یا ہم آپ سے ملیں یا ریل کے اسٹیشن پر ملاقات ہوگی۔ کہلا بھیجا کہ راستہ اسی طرف سے ہے آپ آیئے تو ہم اور آپ دونوں ساتھ چلیں، ہم عین وقت پر گئے بلکہ وقت کے آدھ گھنٹہ پہلے کیوں کہ ہم خوب جانتے تھے کہ ہندوستانی آدمی کا ساتھ ہے۔ وہاں لوگوں نے کہا کہ نواب صاحب نے آج کھانا دیر میں کھایا۔ اس سبب سے طبیعت ذرا السمت ہو گئی ہے۔ حکم ہے کہ ہرگز ہرگز نہ جگاؤ۔ ہم آگ بھبھوکا ہو گئے۔ اور ان کے آدمیوں نے آن کے ہم کو گھیر لیا۔ اس وقت ہمارے مزاج میں بڑا غصّہ تھا۔ مگر ہم نے بڑا ضبط کیا۔ نہیں تو ہم دو چار کو مار بیٹھتے۔ ہم نے کہا وہ تو آج جانے والے تھے۔ ان کا قصد تو مینی تال جانے کا تھا۔ کہا حضور سامان تو سب تیار ہے۔ مگر سرکار کی طبیعت بے لطف ہے۔ ہم نے پوچھا کیا بیماری ہے۔ ہیضہ ہوا ہے۔ کہا کھانا دیر کر کے کھایا تھا۔ اس سبب سے بیمار ہو گئے۔ مگر یہ سب واہیات بات ہے۔ فقط ہندوستانی پن ہے۔ بالکل

ہندوستانی ہیں۔ صاحب آپ لوگ لاکھ پڑھ لکھ لیں ۔ پھر ہندوستانی ہیں۔ آپ ابھی وہ طرز معاشرت سیکھے ہی نہیں جو انسان کو سیکھنا چاہیے۔

ب : ہم لوگ آپ کے نزدیک مثل جانوروں کے ہیں۔ مگر !۔ افسوس ہزار افسوس !

ف : آپ لوگوں نے۔ آپ لوگوں سے میرا مطلب صرف بنگالیوں سے ہے۔ آپ لوگوں نے بیشک بڑی ترقی کی ہے۔ واقعی آپ لوگ بہت اچھی اچھی اسپیچیں دیتے ہیں۔ مگر خط لکھنا نہیں جانتے ہیں۔ اس میں بالکل کورے۔

ب : وجہ یہ کہ انگریزی غیر زبان ہے۔

ف : آپ کا زعم خط میں ذرا بھی نہیں چل سکتا۔

ب : عرض کیا نہ کہ غیر زبان ہے۔ اہل زبان اور ہم میں ضرور فرق ہوگا۔ آپ اردو کیسی بولتے ہیں اکثر ایسے یوروپین ملے ہیں جو برسوں سے اس ملک میں رہتے ہیں اور اس ملک کی زبان نہیں بول سکتے۔

ف : ہم سچ کہتے ہیں کہ آپ لوگوں کا طرز معاشرت بہت ہی خراب ہے۔

ب : مگر یہ یقین جانیے کہ تربیت یافتہ ہندوستانی اس سے بالکل بری ہے۔

ف : تربیت یافتہ، اور غیر تربیت یافتہ دونوں یکساں ہیں۔ میز ہے تو کرسی نہیں اور کرسی ہے تو میز نہیں، اور مکان ایسا کہ شاید ہم اپنا باورچی خانہ بھی نہ بنائیں۔ کرایہ تو آپ لوگ کبھی پانچ چھ روپیہ سے زیادہ نہ دیں گے۔ آپ غور کریں ہم شاید نوسو اسی روپیہ سب ملاکر پاتے ہیں، اور ایک سو روپیہ کی کوٹھی میں رہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم جس کوٹھی میں رہتے ہیں اس کا کرایہ سو روپیہ ہے بھلا کبھی ہندوستانی جس کی آمدنی آٹھ نوسو روپیہ ہو۔ سو روپے کے کرائے کی کوٹھی میں رہے گا۔

ب : ہرگز نہ رہے گا سو کیا پچاس بھی نہ دے گا۔ مگر تربیت یافتہ ہندوستانی اگر جج ہو جاتے یا اسسٹنٹ کمشنر تو ضرور عمدہ سے عمدہ کوٹھی میں رہے گا۔ ہم لوگ بھی اب آدمی بنتے جا رہے ہیں، آپ کیا فرماتے ہیں۔

ف : صاحب انگریزی لباس سے آدمی نہیں بن سکتا ہے۔ انگریزی کپڑے پہن

ہے تو وہ بات کہاں۔

ب :- میں تو خود تسلیم کرتا ہوں۔ مجھے کب انکار ہے۔

ف :- پھر بھلا آپ لوگ اپنے ملک کا انتظام اپنے آپ کیا کر سکتے ہیں، اور اسی پر لڑتے ہو کہ ہم لوکل سلف گورنمنٹ ہوں، اور ہم میونسپل کا انتظام اپنے آپ کریں کچھ نہیں کر سکتے۔

میرے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی

دوسرے روز نواب قمر رکاب، محمد عسکری صاحب بہادر صولت جنگ اور ان کے رفقا و مصاحبین چانڈو کے شغل سے فارغ ہو کر خوش گپیاں اڑا رہے تھے۔ کہ نواب چھٹن صاحب اور رونق جنگ اور آغا محمد اطہر آئے۔ اور نواب صاحب سے کہا کہ منشی مہراج بلی کو بلوایئے۔ اتفاق سے منشی مہراج بلی بھی اکے پر لدے ہوے تشریف لائے۔ آغا محمد اطہر نے ان کو اکے پر دیکھا تو ہنس کر کہا (لدا ہے) اس فقرے پر رونق جنگ اور نواب محمد عسکری نے جھانک کر دیکھا تو منشی مہراج بلی سے علیک سلیک ہوئی۔ آپ کوٹھے پر جہاں نواب صاحب بیٹھے تھے تشریف لائے اور نواب صاحب سے ڈیڑھ آنہ اکے والے کے لیے طلب کیا۔ داروغہ نے فوراً ڈیڑھ آنہ دے دیا۔

منشی مہراج بلی نے بیٹھتے ہی قہقہہ لگایا اور کہا یار تم لوگ خواہ مخواہ ہم کو دق کرتے ہو۔ بھائی ہم نے آخر تمھارا کیا بگاڑا ہے اے یار میں لڑکپن سے تیرا دوست ہوں۔ نواب مگر واللہ تو مجھے ذلیل کرتا ہے۔ محمد عسکری نہیں سمجھے کہ ان کا مطلب کیا ہے۔ پوچھا آخر آپ فرماتے کیا ہیں، مجھ سے کون سی خطا سرزد ہوئی، کہا یار اب اڑو نہ بہت۔ یہ کیا حرکت تھی آپ کی۔ ایک دفعہ تو ہم پر چپت پڑوائی۔ خیر اس میں تو کچھ ہرج نہیں ہے۔ دوسری دفعہ اس شیدی سے مڈبھیڑ ہوئی۔ اب کی آپ نے ایک اور گل کھلایا محمد عسکری واقعی نہیں سمجھا کہ اس شخص کا کیا مطلب ہے۔ کہا بھائی کے سر کی قسم (سر پر ہاتھ رکھ کر) واللہ جو میں ذرا بھی سمجھا ہوں کہ تم کہتے کیا ہو۔ کس مردود کو معلوم ہو کہ نازو نے آپ کو چپت لگائی تھی، یا شیدی کے پاس آپ آرام کرنے گئے تھے۔ اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں آتا تو مجبوری ہے۔ بس اب میں زیادہ نہیں کہوں گا۔

مہراج بلی نواب صاحب کی خوشامد کرنے لگے۔ یار مجھے اب یقین آگیا، مگر یہ کل کس کی شرارت تھی۔ میں آپ سے صاف صاف عرض کروں گا۔ میرے پاس ایک عورت آئی۔ اس نے کہا آپ مجھے جانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں جانتا ہوں کیوں؟ کہا حضور میرے گھر تک چلے چلیں۔ میں نازو کو بلالاؤں گی، اور اس سے کہوں گی کہ ایک بیگم کو چل کے چوڑیاں پہنادے مگر وہ اس قدر پردہ نشین ہیں کہ عورتوں تک کو بے جانے بوجھے اندر نہیں جانے دیتیں۔ میں بھی راضی ہوگیا، اور اس کے گھر گیا۔ وہاں ایک کوٹھڑی میں بیٹھا تو چوڑی والی آئی۔ اور مجھ سے اس عورت نے کہا لیجیے لیجیے آپ کی نازو آگئی۔ (آپ کی نازو) اس فقرے نے وہ مزہ دیا کہ ؎

دلِ من داند و من دانم و داند دل من

بھڑک گیا۔ ہائے آپ کی نازو۔

نواب: ہائے ریشہ خطمی ہوگئے مہراج بلی۔

آغا: یہ کیا گفتگو ہو رہی ہے نواب صاحب؟

مہراج: دیکھو نواب یار کسی سے ذکر نہ کرنا بھائی جان۔

نواب: آپ پاگل ہیں کچھ بے وقوف ہوں۔

مہراج: بس بھائی صاحب مجھے ایک کوٹھڑی میں بٹھایا اور کہا بیگم صاحب کے واسطے چوڑیاں نکالو اور مجھ سے کہا حضور ہاتھ نکالیے۔

نازو بولی حضور میں تو عورت ہوں، مجھ سے آپ کیوں پردہ کرتی ہیں۔ مگر اس عورت نے اشارہ کیا کہ ہرگز ہرگز باہر نہ جانا۔ خبردار۔ اب میں کیوں کر باہر جاسکوں۔ میں دروازے کے پاس جاکر بیٹھا، اور ہاتھ باہر نکال دیا نازو جان نے چوڑیاں نکال کر پہنائیں۔ میں نے ایک روپیہ اس عورت کو دیا اور آہستہ سے کہا۔ کہ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ ہم اور نازو پاس بیٹھیں اور ہنسیں بولیں۔ اس نے کہا جب سیٹی کی آواز آئے تو آپ باہر نکل آئیے گا۔ تھوڑی دیر میں کسی نے سیٹی بجائی اور تب وہ فوراً باہر آیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بوڑھی عورت آصف الدولہ کے وقت کی چوڑیوں کا ٹوکرا لیے بیٹھی ہے۔ ارے لَاحَولَ وَلَاقُوۃَ! اور اس پر طرہ یہ کہ کانی۔ پوچھا کہ تم ہی نے چوڑیاں پہنائی تھیں۔ اس نے پوپلے منھ سے کہا جی ہاں، ابھی دام بھی نہیں ملے، اور اس عورت کا کہیں پتہ

نہیں. گھر بھر میں کہیں نہیں - میں نے جوتا پہنا اور چلا - چلا کیا معنی بھاگا-

نواب: بھئی واللہ جو مجھے اس امر کا ذرا بھی علم ہو - یہ آخر کون شخص آپ کے پیچھے پڑا ہے۔

آغا: ارے یار اب یہ بحث ختم بھی ہوگی یا نہیں -

نواب: ابھی آئے - ذرا تخلیے میں اِن سے باتیں ہو لیں -

مہراج: ابھی سنیے تو اس سے بڑھ کر دل لگی ہوئی - وہ کیا ؟ وہ یہ کہ ہم ٹپ ٹٹ بھاگے تو بوکھلائے ہوئے گلی سے نکل کر جب بازار - یعنی سڑک پر پہنچے تو داروغہ پرمٹ ملے. اخاہ منشی مہراج بلی صاحب ہیں - مزاج اقدس - ایں ! پیارے میاں یہ کیا بات ہے ؟ -

مہراج: بات کیسی - کیا بات کیا - میں سمجھا نہیں -

داروغہ: آپ اس وقت اپنے ہوش میں ہیں - بھئی واہ -

مہراج: یہ کیوں - کیا بے ہوشی کی کیا بات ہے -

داروغہ: تم بالکل مسخ ہو گئے - واللہ مسخ ہو گئے - بڑے افسوس کی بات ہے

مہراج: آخر یہ کاہے سے کچھ کہو گے بھی -

داروغہ: بس اب کیا کہیں - بڑے رنج کا مقام ہے. تم کو آخر یہ ہو کیا گیا ہے -

مہراج: ارے بھئی کیا ہوا کیا - رنج کاہے کا ہے -

داروغہ: ارے کمبخت تجھ کو یہ ہو کیا گیا ہے - یہ آپ کے ہاتھوں میں کیا ہے -

مہراج: ہاتھوں میں - ارے لاحول ولا قوۃ -

مہراج بلی نے اپنی یہ سرگذشت اپنے آپ بیان کی کہ چوڑیاں پہنکر مکان کے باہر نکل آئے - یہ ہوش نہیں کہ چوڑیاں ہاتھ میں پہنے ہوئے ہیں -

نواب صاحب کو اس قدر ہنسی آئی کہ لوٹنے لگے - آغا محمد اطہر اور رونق جنگ اور کل حاضرین جلسہ سے کہہ دیا، اور سب کی لوٹن کبوتر کی سی حالت ہوگئی - مگر یہ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ یہ کن حضرات کی کارستانی تھی - مہراج بلی نے کہا بھئی میں واللہ یہ سمجھے ہوئے تھا کہ نازو ہی ہے، اور میں اس قدر خوش تھا کہ بیان سے باہر - مگر باہر آتا ہوں تو بوڑھی کھوسٹ عورت اور یہ اس پر بھی طرہ ہوا کہ وہی چوڑیاں پہنے ہوئے باہر نکل آیا - اب سنیئے کہ میں داروغہ پرمٹ سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ پیشکار صاحب اور مولوی محمد نور صاحب، اور لالہ گور سہائے، اور وہ وکیل نام لیجیے ان کا - خیر - یہ

گاڑی پر سوار اُدھر سے جاتے تھے۔ انھوں نے گاڑی روک لی اور اُترے اور کہا ایں! یہ رنگ بدلا اب آپ سکھی بنتے ہیں۔ میاں یہ چوڑیاں کیسی۔ کیا معاملہ کیا ہے۔

پیشکار: بھئی کمال کیا واللہ۔ ؎

ہے حکم شہنشہ کوئی تلوار نہ باندھے سب اوڑھنی اوڑھیں کوئی دستار باندھے

مولوی: واللہ۔ اس شخص کو خبط ہو گیا ہے۔ خدا کی قسم۔

لالہ: اب اس سے بڑھ کر خبط کیا ہو گا۔ آپ ملاحظہ تو فرمائیں لاحول ولا قوۃ۔

مولوی: ارے آخر یہ کیا جنون ہے۔ چوڑیاں پہنے ہوئے۔ بازار میں کھڑے ہو۔ یہ تم کو ہو کیا گیا ہے۔

پیشکار: میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ معاملہ کیا ہے۔

اتنے میں ایک چوبدار نے آن کر عرض کیا کہ خداوند پار سے ایک منشی جی تشریف لائے ہیں۔ گاڑی پر سوار ہیں۔

نواب صاحب نے ممن سے کہا جا کے لاؤ۔ ممن کے ساتھ منشی فیض صاحب تشریف لائے۔ شاعر غرّا سخنور یگانہ۔ نواب صاحب نے بڑے تپاک سے استقبال کیا اور کہا آیئے منشی صاحب! حضرت یہ آپ کہاں غائب ہو جایا کرتے ہیں۔ کوئی ایک صدی کے بعد آج دیدار نصیب ہوئے۔ کہا حضرت مجھ سے اور آپ سے پکالن کے نیلام میں ملاقات ہوئی تھی۔ اس کو کوئی دو ڈھائی مہینے ہوئے۔ ۱۵۔ تاریخ کو میرے ہاں مشاعرہ ہونے والا ہے۔ اور طرح کا مصرع یہ ہے۔ ع

میرے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی

اختر نے کہا حضور یہ خواجہ صاحب کا شعر ہے۔ ہائے آتش وائے آتش۔ خواجہ صاحب خدائے سخن تھے پیغمبر سخن نہیں۔ خدائے سخن۔ یہ انھیں کا شعر ہے۔ ؎

بھول کر اے چاند کے ٹکڑے اِدھر آجا کبھی میرے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی

نواب: اہاہا۔ نور کے مصرعے ہیں، سبحان اللہ۔

اختر: حضور کوئی کہہ تو دے بھلا کیا مجال۔

مسخرہ: حضور آپ لوگ نام کی قدر کرتے ہیں کلام کی قدر نہیں کرتے۔ سن لیا

کہ خواجہ صاحب کا شعر ہے۔ بس تعریف کے پل باندھ دیے؟۔

ممن : ہاں تو کیا آپ کو خواجہ صاحب کے۔ صاحبِ سخن ہونے میں شک ہے۔ آپ پاگل ہیں۔

مسخرہ : مجھے معلوم ہے کہ آپ کے والد بھی شاعر تھے، اور جاں صاحب تخلص کرتے تھے۔

ممن : چپ۔ تمہارے والد ہوں گے نامعقول۔

نواب : (ہنس کر) اخاہ تو آپ بڑے شخص کے لڑکے ہیں۔

ممن : حضور یہ مسخرے ہیں۔ گالیاں بکتا ہے نالائق بس اور کیا کہوں۔ بے ہودہ ہے۔

مسخرہ : حضور ایک مطلع غلام نے بھی عرض کیا ہے۔ بڑے معرکہ کا مطلع ہے۔

نواب : فرمائیے فرمائیے مگر آتش کے مطلع سے کم نہ ہو۔

مسخرہ : حضور بس اب نہ پڑھوں گا۔ آتش اور میرا مقابلہ کہنے لگے۔ ؎

احباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا

اختر : بارک اللہ دوسرا شعر ہوا ہی نہیں ایسا۔

مسخرہ : ہاں اپنی اپنی رائے ہے۔ ورنہ اس شعر میں غلطی ہے۔

رونق : بھئی وہ اپنا مطلع تو سناؤ۔ اس جھگڑے سے کیا فائدہ ہے بھلا۔؟

مسخرہ : حضور ذرا غور سے سنیے گا۔ سب صاحب میری طرف متوجہ ہوں۔ خواجہ صاحب نے فرمایا ہے ؎

بھول کر اے چاند کے ٹکڑے ادھر آجا کبھی میرے ویرانے میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی

اور غلام نے عرض کیا ہے۔ ؎

یہ عجب اندھیر ہے جیتی ہے مر کر چاندنی ہے کوئی سب جج کوئی ڈپٹی کلکٹر چاندنی

کل حاضرین دربار لوٹنے لگے۔ محفل الٹ گئی۔ پورے ایک گھنٹہ تک قہقہہ رہا۔ ڈپٹی کلکٹر چاندنی۔ کیا قافیہ چمکا ہے۔ خواجہ صاحب ڈپٹی کلکٹر کا لفظ کہاں سے لاتے ان کے وقت میں ڈپٹی کلکٹر تھے کہاں۔ اور (جیتی ہے مر کر چاندنی) اس تلاش کو تو ملاحظہ فرمائیے۔ یعنی ایک رات چاندنی ہے۔ کل اندھیری رات ہے، تو چاندنی مر گئی اور مر کے پھر زندہ۔ مسخرے نے کہا خدا اور للہ انصاف شرط ہے۔ سب جج اور ڈپٹی کلکٹر دونوں ایک ہی مصرعے

ہیں آگئے۔

اختر : اور حضور ردیف اور قافیے میں کس قدر مناسبت ہے ذرا یہ تو ملاحظ فرمائیے : ؎

ہے کوئی سب جج کوئی ڈپٹی کلکٹر چاندنی

کوئی سب جج ہے اور کوئی ڈپٹی کلکٹر اس کے بعد چاندنی کا لفظ خیر سے کس قدر موزوں ہے۔

مسخرہ : بس قابلیتِ عالم بالا معلوم شد۔ میاں وہ شعر کیا جس میں ردیف اور قافیے میں لگاؤ ہو۔ نہیں بالکل الگ کوئی بحث ہے نہیں اور شعر سنیئے گا۔

اختر : فرمائیے فرمائیے۔

مسخرہ : سنیئے کہتے ہیں ؎

جھیپ جاتے دن میں گر ہو سامنے اُس مہر کے
رات کو آئی تو کیا آئی نکھر کر چاندنی

اختر : بھئی اس شعر نے تو واللہ لطف دیا گو کچھ ترمیم کی ضرورت ہے۔ مگر۔

راوی : مگر کے بعد کچھ کہنے کو تھے، کہ مسخرہ بگڑ گیا۔ اور کہا اگر دنیا میں کوئی اس شعر کا جواب دے سکے تو ٹانگ کی راہ نکلجاؤں۔ دل لگی ہے۔ اس کوچے میں کوئی قدم دھر سکتا ہے؟ دن کو چاندنی نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ ظاہر ہے۔ اچھا اور مہر یعنی آفتاب یعنی یہی (ہاتھ کے اشارے سے) آفتاب دن ہی کو نکلتا ہے۔ اچھا چاندنی اگر رات کو نکھر آئی تو کیا۔ قاعدہ ہے کہ صورت اور حسن کا اصلی حال دن کو معلوم ہوتا ہے۔ چاندنی کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ دن کو اس مہر یعنی معشوق کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لہٰذا رات کو آتی ہے۔ اور چاندنی کا نکھرنا خاص محاورہ ہے۔ خداوند غرض کیا ہے۔ ؎

اُس پری کو کیا غرض ہے اُبٹن اور صابون سے
بھونڈی صورت پے جبھی ملتی ہے پوڈر چاندنی

(powder)

ممن : یہ پوڈر کیا شے ہے۔ یہ نیا لغتا ہے کوئی۔

نواب : پوڈر میمین لگاتی ہیں۔ مشہور لفظ ہے۔

ممن : اور ہم سمجھے تو خداوند پوڈر لگانا محاورہ ہے۔ پوڈر ملنا محاورہ نہیں ہے۔

مسخرہ : (بہت بگڑ کر) آپ کی ایسی تیسی محاورہ ہے۔ تو کیا جا۔ سنے محاورہ۔ تو جا صدر بازار میں۔ انڈے بیچ۔ حضور غلام نے ایک شعر عرض کیا ہے۔ (انڈے کے بھیتر چاندنی) کہ بہت مشکل ہے۔

نواب : ایں! کہاں۔ انڈے کے بھیتر چاندنی؟۔

مسخرہ : جی حضور کوئی کہے تو خون تھوکنے لگے۔

رونق : انڈے کے بھیتر چاندنی۔ (ہنس کر) معقول۔

مسخرہ : حضور سنیں تو۔ ابھی سے اعتراض جڑنے لگے ؎

ساتھ زردی کے سفیدی بھی ہے اس میں جلوہ گر
یا خدا کیوں کر گھسی انڈے کے بھیتر چاندنی

آدھ گھنٹہ تک پھر قہقہہ رہا۔ بھئی یہ کمال کیا ہے۔ انڈے کے بھیتر چاندنی۔ بڑی اپج کی لینے لگے۔ اور ثبوت کیسا اچھا ہے۔

نواب : بھئی کہاں جا کے چاندنی کو گھسا دیا۔

ممن : انڈے کے بھیتر چاندنی۔ واہ استاد واہ۔

رونق : واللہ نمبر اوّل کا مسخرہ ہے فرسٹ کلاس۔

مسخرہ : غلام تو ننگ خاندان پیدا ہوا ہے۔ چچا صاحب جس مشاعرے میں گئے الٹا دیا۔ محفل کی محفل الٹ گئی۔ لوگ اس قدر ہنسے کہ دو دو دن تک پیٹ میں درد رہا، اور ایک شاعر کے پیٹ میں حمل رہ گیا۔

اس پر اور بھی زور سے قہقہہ پڑا۔ اور نواب صاحب ہنستے ہنستے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مسخرے نے کہا حضور عرض کیا ہے۔ ؎

وہ پری خواجہ ہے اور یہ ہے غلامانِ غلام
اُس کے گھر کی ہے کنیزک اور قنبر چاندنی

اور خداوند ایک شعر اور عرض کروں گا۔ دیوان آتش اور کلیات مرزا نوشہ اس پر نثار کر دیجئے۔ ؎

اُوس میں سوتا نہیں ہرگز ہوں وہ عالی دماغ
میری تربت پر تنی رہتی ہے چھپّر چاندنی

اِس چھپتر کے لفظ نے بھڑکا دیا۔ عالی دماغ کا ثبوت کتنا اچھا ہے۔ چاندنی
بلندی سے آتی ہے نا۔ پھر اب عالی دماغ کا اور کیا ثبوت ہوگا۔

مسخرہ : ہائے کیا شعر عرض کیا ہے۔ نہ کہیے گا۔ خداوند ؎

چودھویں کا چاند بھی ہے ماند کیا صورت ہے واہ
اس کے مکھڑے کے مقابل ہے دُلِدّر چاندنی

اور حضور ملاحظہ فرمایئے گا ؎

ایک بھی چلنے نہیں پائی کیے لاکھوں جتن
گو ہزاروں سال سے آتی ہے گھکر چاندنی

ممتن : یہ گھکر کیا معنی یہ کون لعنت ہے۔

اختر : ہاں ہاں لفظ صحیح ہے۔ بن گہا چاند مشہور ہے۔ ؎

نکھروں جس طرح کہ گہکر مہ انور چھوٹے

ممتن : اخاہ یہ گہن سے چھٹنے سے مراد ہے۔

اختر : میاں ممتن کا نام بھی فہرست میں داخل کر لیجیے حمقا کی فہرست میں ان کو
بھی شامل کر لیجیے۔

رونق : شامل! پہلا نمبر ان کا ہونا چاہیے۔

نواب : جی ہاں۔ آپ شاعرانہ اعتراض کرتے ہیں۔

داروغہ : حضور کوئی فارسی شعر نہیں، فرمایا انھوں نے۔

مسخرہ : دو ہزار کہوں دو ہزار اور چٹکیوں میں لے سنیے گا ؎

ساقیا ابر ست و برقے جلوہ گر شد واہ واہ
جام اُور جام اُور جام ــــــ دختر چاندنی

اس تکرار نے اس شعر میں جان ڈال دی جام اُور۔ جام اُور جام۔ یہ بیتابی۔
لا شراب۔ جام۔ مکیفی۔

داروغہ : واہ وا۔ خاص ایرانی محاورہ ہے۔

نواب : جی ہاں قاآنی کے ہاں بھی آیا ہے۔

اختر : یہ دری زبان کا لفظ ہے خداوند (مسکرا کر)

مسخرہ : دری نہیں پہلوی کہو پہلے وہاں سے دری زبان ہے۔ تمھاری دُم میں نمدا باندھ دیا کہ نہیں۔

ممن : بھئی یہ دری کے لیے نمدا اچھالایا ۔

رونق : اور دختر کا لفظ کس قسم کا ہے۔ اور بالکل بے لگاؤ شعر کے الفاظ سے کوئی سروکار ہی نہیں ۔

ممن : الفاظ بھی موزونیت میں بے مثل ہیں ۔ مگر کس قدر جلد فرماتے ہیں۔ ان صنعت مہملہ میں تو ان کا جواب نہیں ہے حضور۔

مسخرہ : جواب کیا میں اپنے وقت کا کمندے ہوا ہوں ۔

نواب : یہ کیا خوب۔ آپ نے اپنے وقت کے کمندے ہوا ہیں، بلکہ ان سے بھی بڑھ کے ۔

مہراج : کون کمندے ہوا کوئی آدمی تھے ۔

مسخرہ : اور سنیے کا۔ اور اس پر دعوا یہ کہ میں فارسی بولتا ہوں جس شخص کو خواجہ کمندے ہوا کا نام نہیں معلوم، وہ شعر کیا سمجھے گا خاک ۔

مہراج : خواجہ کمندے ہوا۔ !!! کیا کوئی شاعر تھے۔

نواب : کوئی کی ایک ہی کہی۔ ارے میاں بڑے نامی شاعر تھے۔ دیوان کمندے ہوا۔ چھپ گیا ہے۔ منشی نول کشور صاحب کے مطبع سے منگوا لیجیے جناب۔

مہراج بلی گول آدمی تو تھے ہی سوچے کہ یہ دیوان ضرور منگوایا چاہیے۔ قلم دوات کاغذ منگواکر مطبع کے نام خط لکھا ۔

جناب مخدومی بندہ سلامت باشد - دعائے خیر است اور باداز راہ مہربانی قدیم، دیوان خواجہ کمندے ہوا بہ قیمت ہر آنچہ کہ صحیح صحیح باشد از خادم گرفتہ نمودہ آید۔ اور دیوان محتشم الیہ زود زود بفرستند شود۔ زیادہ چہ برطرازد و چہ قلبند نمودہ آید فقط راقمہ منشی مہراج بلی متوطن کوری۔ والے کی دوکان کے پاس ۔ اندرون جوہری ٹولہ۔ عفی عنہ۔ فقط ۔

— اہو ہو ہو۔ کیا فارسی لکھی ہے۔ خط کیا لکھا کہ شیخ سعدی کی روح کو شرما دیا۔ گلستاں، بوستاں دونوں گزر، اوّل تو مخدومی کے بعد لفظ (بندہ) کس قدر با محاورہ

ہے ۔ اور سلامت کے بعد باشد کی اشد ضرورت تھی، اور دعا کے بعد ہمزہ اور یے ایجاد بندہ ہے ۔ مگر ان سب سے یہ فقرہ بڑھ گیا۔ خیر دست اور باد) (اور) کا لفظ بھی فارسی ہے ۔ یہ سب صاحب یاد رکھیں ۔ اور دیوان کے لیے لفظ محتشم الیہ نے کیا جوبن دیا ہے، اور زور زور تاکیداً لکھا گیا ہے ۔ یعنی بہت ہی جلد بعز ستدر کے بعد شو د خاص محاورۂ شیرازی ہے ۔ متوطن کچوری والے کی دوکان کے پاس) اے سبحان اللہ عرب اور عجم دونوں کو اس کے صدقے کر دے ۔ یہ کچوری والے کی دکان بھی رشک شیراز ہے ۔ جہاں ایسے بلغاؤں رہتے ہیں ۔

غرض کہ خط کا خط مرصع ہے ۔ خط کیا زعفران زار ہے ۔ ہم تو منشی مہراج بلی کے انکسار کے قائل ہیں کہ مرد ہو کر، اپنے کو عورت ہی سمجھتے ہیں ۔ جب کہ لکھیں گے ۔ راقمہ ۔ راقم نہیں ۔ راقمہ ۔ اور اپنے آپ میاں مٹھو بنتے ہیں ۔ مہراج بلی کے ساتھ منشی ضرور لکھیں گے ۔ خالی مہراج بلی کیا معنی ۔ مہراج بلی کون بھکوا ہے ۔ نہیں منشی مہراج بلی واللہ حضرت کا بھی عجیب دم ہے ۔

نواب : یہ کیا لکھ رہے ہو بھئی ۔ نازو کے نام خط ۔

مہراج : خدا کرے وہ دن بھی آئے ازیں چہ بہتر ۔ اور اگر خدا نے چاہا تو بہت جلد وہ دن آیا ہی چاہتا ہے ۔ آیا داخل ۔

یہ خط مہراج بلی نے نواب صاحب کے آدمی کو دیا اور چپکے سے کہا منشی نولکشور صاحب کے مطبع جاؤ اور یہ دو روپے لو جو کتاب کے دام ہوں وہ دو، اور کتاب لے آؤ ۔ ہم نے کتاب کا نام لکھ دیا ہے ۔ خدمت گار نے ایک سپاہی کو خط دیا ۔

ادھر مسخرے نے اپنے چچا کی تعریف کرنی شروع کر دی ۔ کہ جناب چچا صاحب فن شعر گوئی میں بے بدل تھے اور جس مشاعرے میں گئے وہاں محفل کو اٹھا دیا ۔

ایک مرتبہ رائے دلارام کی بارہ دری میں مشاعرہ ہوا تھا ۔ اور بڑے معرکے کا مشاعرہ تھا ۔ تمام شہر کے نامی نامی اساتذہ موجود تھے ۔ اور طرح تھی ۔ نوڑا سانپ کا ۔ اور جوڑا سانپ کا جھنور سنگ لاخ ہے واللہ ۔ کوئی کہے تو بھلا ۔ خواجہ صاحب کا دھوم دھامی شعر مجھے یاد ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

دو نوں زلفیں اُن کی ہلتی ہیں میرے نالوں پہ آج
وجد کرتا ہے صدائے نئے پہ جوڑا سانپ کا ؎

مصرعہ اولیٰ اچھّی طرح نہیں یاد ہے۔ لیکن جناب چچا صاحب کا اس سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

زلف کو اس کی بنایا ہم نے کوڑا سانپ کا
ہے بپستان فارسی ہندی لسوڑا سانپ کا

نواب: کیا خوب ردیف اور قافیے میں کس قدر مناسبت ہے۔ واہ ہے بپستان فارسی، ہندی لسوڑا۔ اس کے بعد سانپ کا۔

ممّن: وہ ان کے بھی چچا تھے۔ حضور کیا لطیفہ ہوا ہے۔

رونق: بھئی خوب کہا ہے واللہ اور بے ساختہ۔

اختر: وہ ان کے بھی چچا تھے۔ خوب سوجھی۔

مسخرہ: خداوند! پشتینی شاعر، اور استاد اور بے مثل استاد۔ ایسا ویسا نہیں ہوں، جی دل لگی ہے مجھ سے مقابلہ کرنا کیا کھا کے کوئی مقابلہ کرے گا۔ ؎

ہے بپستاں فارسی ہندی لسوڑا سانپ کا

خواجہ صاحب کا رنگ فق ہو گیا۔

اب سنیے کہ نواب صاحب کا خدمت گار رقعہ لے کر مطبع پہنچا۔ وہاں دفتر میں جو لوگوں نے پڑھا۔ تو قہقہہ لگایا۔ بھئی یہ دیوان کمندرے ہوا، کہاں چھپا ہے۔ سب متحیر کہ دیوان کمندرے ہوا چہ معنی دارد، اور خالی کمندرے ہوا بھی نہیں۔ خواجہ کمندرے ہوا۔ ایک ظریف نے اس کا جواب لکھ کر خدمت گار کو دیا۔ جب خدمت گار نواب صاحب کی کوٹھی میں داخل ہوا تو منشی مہراج بلی صاحب کو خط دینے ہی کو تھا کہ نواب عسکری نے اُس سے خط چھین لیا۔ اور پڑھا تو کھل کھلا کر ہنسے کہا۔ بھئی کچھ اور بھی سنا منشی مہراج بلی صاحب نے دیوان خواجہ کمندرے ہوا۔ منشی نول کشور صاحب کے مطبع سے منگوایا تھا۔ اُس پر یہ جواب آیا ہے۔ جواب سننے کے قابل ہے۔ لوگوں نے قہقہہ لگایا۔ اور منشی مہراج بلی صاحب جیسے جواب خط سنیے۔

مکرم خاکسار۔ تسلیم۔ دیوان خواجہ کمندرے ہوا۔ مطبع کریمائی۔ واقع رفو چکر نگر

میں طبع ہوا ہے۔ وہاں سے طلب فرمائیے۔

مسخرہ : بھئی واللہ کوئی ظریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ جی خوش ہوگیا اس وقت۔

نواب : مطبع کریمائی نے بھٹر کا دیا اور محلّے کا نام بھی خوب لکھا ہے۔ تو اب مطبع کریمائی کی تلاش کیجیے۔ اور یہ رفو چکر نگر کہاں پر ہے۔ پہلے یہ دریافت کرنا چاہیے۔

ممتن : حضور ففرّو بازار کے پچھواڑے ہے۔

مسخرہ : ہاں ہاں جی۔ رفو چکر نگری میں تو ہماری نال گڑی ہے۔ ایں جانب کی پیدائش وہیں کی ہے۔

منشی مہراج بلی پہلے توان لوگوں کے قہقہہ لگانے سے سمجھے تھے کہ ان کو دھوکا ہوا۔ مگر اب ان کو یقین ہوگیا کہ نہیں اس کی کچھ اصلیت ہے۔ رفو چکر نگر میں مطبع کریمائی کوئی ضرور ہے۔ اور ففرّو بازار کا نام بھی انھوں نے یاد رکھا۔

مسخرہ : یہ بہت پرانی کتاب ہے۔ مگر کیا دیوان ہے۔

مہراج : ہم نے تو آج تک نام بھی نہ سُنا تھا واللہ۔

مسخرہ : آپ نے ابھی سُنا ہی کیا ہے۔

ع بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے۔ کے آمدی و کے پیر شدی۔ دیوان کمندے ہوا پڑھ کر تو میر اُستاد ہوگیا۔ یہ بڑے مرتبہ کا آدمی تھا شعرا کان پکڑتے ہیں۔ اس کا نام سن کر۔

منشی مہراج بلی صاحب اپنے دل میں سوچے کہ ان لوگوں سے کہنا تو بیکار ہے۔ مگر رفو چکر نگر کا پتہ لگا کر مطبع کریمائی سے خواجہ کمندے ہوا کا دیوان ضرور لینا چاہیے۔ نواب صاحب سے رخصت ہو کر رکاب گنج پہنچے اور وہاں دکانداروں سے پوچھنے لگے کہ رفو چکر نگر کہاں ہے۔ ان سب کو ایک دل لگی ہاتھ آئی۔ بوڑھے اور متین اور سیدھے سادے دُکانداروں نے تو کہا ہم کو نہیں معلوم مگر ظریف طبع دُکاندار ان کو گول آدمی سمجھ کر دل لگی کرنے لگے۔ رفو چکر نگر تو گھسیاری منڈی کے پاس ہے۔ نہیں نہیں ہم سے پوچھیے گھسیاری منڈی کے پاس نہیں نوبستے کے پل کے پاس ہے۔ منشی مہراج بلی نے یہاں سے نوبستے کی راہ لی۔ اور دل میں سوچتے

جاتے تھے کہ اب چل کر نواب صاحب کے سامنے دیوان خواجہ کمندے ہوا کے اشعار پڑھوں گا تو سب کے سب جھینپ جائیں گے۔ نوبستہ ایک مشہور محلّہ ہے۔ ع

پل نوبستہ بزیرِ قدم پاکِ رسولؐ

کسی نے نوبستہ پل کی اچھی تاریخ کہی ہے۔

حضرات ناظرین اس مصرعے کا لطف صرف اہل لکھنؤ ہی کو حاصل ہوتا۔ لہٰذا یہ عرض کرنا لازم آیا کہ نوبستہ لکھنؤ کے ایک محلّے کا نام ہے۔ جو اشرف آباد کے پاس ہے۔ اس محلّے میں ایک پل بنایا گیا تھا، اور پل کے قریب قدم رسولؐ ہیں۔ ایک شاعر نے اس کی تاریخ کہی ہے۔ ع

پل نوبستہ بزیر قدم پاکِ رسولؐ

غالباً یہ تاریخ اسی شاعر کی ہے جس نے میاں مٹھو نامے ایک شخص کی وفات کی یہ تاریخ کہی تھی۔ ے

میاں مٹھو جو ذاکرِ حق تھے　　رات دن نام حق رٹا کرتے
گربۂ موت نے جو آدابا　　کچھ نہ بولے سوائے ٹے ٹے ٹے

ٹے ٹے ٹے تاریخ ہے۔ ۱۲۳۰ھ ہجری

منشی مہراج بل صاحب اپنے دل میں بڑے خوش تھے۔ کہ نوبستے میں رفو چکر نگر کا پتہ پوچھ کر دیوان خواجہ کمندے ہوا، لیں گے۔ اور اس کے اشعار نواب صاحب کے دربار میں پڑھیں گے۔ اور سب کو جھپائیں گے کہ آپ لوگ تو دل لگی کرتے تھے، اور ہم کو دیوان مل گیا۔ خدا خدا کر کے نوبستے پہنچے۔ اب ایک ایک سے پوچھتے ہیں کہ رفو چکر نگر کون محلّہ ہے۔ اور ففڑو بازار کہاں ہے۔ ففڑو بازار تو لوگ نہیں سمجھے مگر، رفو چکر نگر سن کر اپنے اپنے دل میں سب سمجھ گئے یہ سیدھے اور گول آدمی ہیں، اور کسی نے ان کو بہکا دیا ہے۔ ایک لالہ نے ان کو بلایا اور کہا آپ کس کی تلاش میں ہیں۔ انھوں نے کہا میں کسی کی تلاش میں نہیں ہوں، مجھے آپ صرف اتنا بتا دیجیے کہ رفو چکر نگر کون محلّہ ہے۔ اور کہاں ہے؟ پوچھا آپ وہاں جا کے کیا کیجیے گا۔ کہا مجھے ایک دیوان مطبع سے خریدنا ہے۔

لالہ　:　کون مطبع؟ مطبع کریمائی!!!۔

مہراج : ہم لوگوں نے فرمائش کی ہے کہ دیوان خواجہ کمندے ہوا جو مطبع کریمائی واقع رفوچکر نگر میں طبع ہوا ہے۔ اُس کے اشعار سُنائیں سو اگر آپ کی مہربانی سے ملجائے تو سبحان اللہ۔

راوی : لالہ صاحب سمجھ گئے کہ یہ کوئی پاگل آدمی ہیں۔ عقل سے ان کو بہرہ نہیں ہے۔ خواجہ کمندے ہوا کا دیوان اور محلے کا نام رفو چکر نگر۔ بولے حضرت مطبع کریمائی تو رہن ہو گیا، اور رفو چکر نگر رفو چکر ہو گیا۔

مہراج : رفوچکر نگر رفو چکر ہو گیا۔ اس کے کیا معنی۔ میں سمجھا نہیں بتائیے تو ؟

لالہ : اب اس کے معنی میں کیا سمجھاؤں۔ آپ عقلمند آدمی ہیں۔ خود ہی سمجھ گئے ہوں گے۔

مہراج : خدا کے واسطے بتا دیجیے۔ میں آپ کا نہایت درجہ ممنون اور شکر گزار ہوں گا۔

راوی : آپ کی سمجھ کے قربان کہنے لگے میں سمجھا نہیں۔

مہراج : تو دیوان خواجہ کمندے ہوا کے کچھ شعر یاد ہیں۔ یاد ہوں تو بتاؤ۔

لالہ : ایک شعر یاد ہے کیا کہا ہے واللہ۔ ے

فطامہ ماما کیسی ہے خالہ یزید کی پہنچی جو کربلا میں تو بجھی شہید کی

مہراج جی یہ شعر سُن کر بھڑک گئے۔ کہا اگر تکلیف نہ ہو تو قلم اور دوات کاغذ دیجیے میں اس کو ٹانک لوں گا۔

لالہ : (مسکرا کر) ٹانک لیجیے گا۔ ٹانکا تو جوتا جاتا ہے۔ شعر کا ٹانکنا نئی بات ہے۔ قلم دوات کاغذ حاضر ہے۔

مہراج جی نے وہ شعر لکھ کر جیب میں رکھ لیا۔ اور راستے بھر میں بار بار جیب سے کاغذ نکال کر پڑھتے جاتے تھے دل میں بہت خوش کہ پالا جیت گئے۔ اب چل کے نواب صاحب کو خوب بنائیں گے۔ کہ خواجہ کمندے ہوا کا دیوان مل گیا اور شعر بھی پڑھ دیں گے۔ مگر شام ہو گئی تھی۔ اور نواب صاحب کا مکان دور تھا۔ جی کڑا کر کے انھوں نے اکا کرایہ کیا، اور اس پر سوار ہو کر چلے۔ تو دو چار لونڈوں نے جو کھیل رہے تھے آوازہ کسا (لدا ہے بھئی لدا ہے) نواب صاحب کے مکان پر جا کر

ان کے خدمت گار سے دو آنے پیسے اکّے والے کو دلوائے اور کوٹھی میں داخل ہوئے۔

نواب : ہیلو۔ کہاں گئے کہاں تھے یار۔

آغا : ارے میاں تم بڑے وحشی ہو۔

ممتن : حضور گئے کیا اور آئے کیا۔ بی نازو بلا گئی تھیں۔

آغا : اخاہ۔ یہ شوق چرّایا ہوا ہے۔ خدا خیر کرے۔

مہراج : آپ لوگ تو ہم کو سمجھتے ہیں پاگل، اور ہم آپ کو پاگل سمجھتے ہیں۔ دیوان خواجہ کمندے ہوا۔ ہم کو مل گیا۔ اور ہم نے پڑھا بھی۔ بے نظیر شعر ہیں جو غزل ہے مرصع ہے۔

مسخرہ : جی کہیں ملاتے ہو۔ دل لگی نہیں ہے، ذرا دیوان کمندے ہوا کا ملنا آسان نہیں ہے۔

مہراج : ارے میں بڑا کھوجی ہوں بڑا ٹوہی۔

مسخرہ : وہ دیوان ٹوہی کے باپ کو بھی نہیں ملے گا۔ آپ ہیں کس خیال میں۔ ہونھ۔

مہراج : (ہنس کر) اور اگر شعر پڑھ دوں۔ بھئی تم کو معلوم نہیں ہے کہ میں کس قماش کا آدمی ہوں، میں بہت دور ہوں، مجھ سے سیانا سو ددانا۔ جی۔ بندہ یہاں سے سیدھا رکاب گنج گیا وہاں دکانداروں سے پوچھا کہ رفو چکر نگر کہاں ہے۔ معلوم ہوا نوبستے کے پاس ہے۔ نوبستے گیا۔ وہاں ایک لالہ صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ رفو چکر نگر اب کوئی محلہ باقی نہیں رہا۔ اور مطبع کریمائی کا نام و نشان باقی نہیں مگر دیوان خواجہ کمندے ہوا کتب فروشوں کے پاس ہے تلاش کیے سے ملے گا۔ ایک شعر اُنھوں نے سُنایا۔

نواب : ہاں وہ شعر ہم بھی سنیں گے۔ بھئی ضرور سناؤ۔

رونق : ہم مشتاق ہیں دیوان خواجہ کمندے ہوا اب چھپتا نہیں ورنہ ہم ضرور خرید لیتے۔

ممتن : ہاں حضور وہ شعر تو سنایئے۔ ہم بھی مشتاق ہیں۔ بس اب دیر نہ

کیجیے ہاں بسم اللہ۔

مہراج : بھئی واللہ شعر کیا کچھ عجیب دل لگی کا شعر ہے۔ خواجہ گندے ہوا فرماتے ہیں۔ ؎

قطعہ ما ما کیسی ہے خالہ یزید کی پہنچی جو کربلا میں تو جھجری شہید کی

نواب : ایں واہ ہنستے ہنستے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

مسخرہ : حضور کیا مطلع ہوا ہے کوئی کہہ تو دے۔

گھر کی مرغی دال برابر

ایک روز نواب محمد عسکری، اور رونق جنگ، مہراج بلی، اور آغا محمد اطہر، کو ساتھ لے کر نواب چھٹن صاحب کے ہاں گئے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ قمرن کا بھی تذکرہ آیا۔

چھٹن صاحب نے پوچھا آخر وہ چھوکری غائب کہاں ہوگئی۔ اور اس تنبولی والے لونڈے کا حشر ہوا کیا۔ محمد عسکری نے کہا بھئی تم لوگ بھی بڑے پھوہڑ ہو تم کو خوب معلوم ہے کہ میری اس پر جان جاتی ہے۔ اور وہ اس لونڈے کے ساتھ بھاگ گئی۔ اور آپ لوگ میرے سامنے اُس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مجھے رنج ہو یا نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ قمرن کو دل سے بھلا دوں، بالکل اور آپ لوگوں کے نزدیک ایک دل لگی ہے۔ اور یہاں جان پر بنی ہوئی ہے۔ بھائی صاحب خیر۔ سب صاحبوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ میرے سامنے قمرن کا نام بھی نہ لیجیے۔ بس آئندہ آپ کو اختیار ہے۔ واللہ میرے دل پر عجیب صدمہ گزرتا ہے۔

چھٹن صاحب نے اِن کو سمجھانا شروع کیا۔ بھائی ہم اِس فکر میں ہیں، کہ وہ تمھارے گھر پڑ جائے اور تم ہم سے بگڑتے ہو خواہ مخواہ۔

نواب محمد عسکری نے آہ سرد کھینچی، اور کہا بھائی جان ہم لوگ آوارہ اور بدکار ہیں۔ ورنہ خیال تو کرو کہ یہ بازاری عورتیں، اور ہماری بیبیوں کو ہمارے روبرو بُرا بھلا کہیں۔ اور ہم سنیں، یہ ہمارے ادبار کی دلیل ہے۔ عین دلیل۔ واللہ۔ ذرا خیال تو کرو کہ جو محبت اور دلی محبت بیاہتا جورو کو ہوگی، وہ ان

مالزادیوں کو ہو سکتی ہے۔ ممکن نہیں بھئی۔ یہ لوٹنا جانتی ہیں۔ ان کو محبّت سے
کیا سروکار ہے۔ اُس دن نازو نے یہ کلمہ کہا کہ واللہ عبرت ہوتی ہے۔ بڑے افسوس
کی بات ہے۔ چھٹّن صاحب نے کہا منشی مہراج بلی صاحب یاد ہے آپ کو وہ کلمہ
میں عمر بھر نہ بھولوں گا۔

مہراج بلی نے بھی آہ سرد بھر کر کہا۔ نواب میرے دل پر وہ فقرہ نقش ہو گیا
ہے۔ کس حقارت کے ساتھ کہا ہے۔ کہ میں کیا گھر کی جورو ہوں۔ ہے ہے واقعی ہم
لوگ بڑے نالائق ہیں۔ کہ ان بازاری عورتوں کے ایسے ایسے کلمے سنتے اور سہتے
ہیں۔ اب ملاحظہ فرمایئے کہ نازو نے صرف اس خطا پر لوٹ دھوکے سے بدل گیا۔
تھا کس بے رحمی کے ساتھ چپت رسید کی کہ میری کھوپڑی جاتی ہے۔ واللہ بھنّا گئی۔
اچھا اب سینئے کہ کل میں حقّہ پی رہا تھا اور بیوی سامنے بیٹھی کچھ سی رہی تھیں۔ کوئلے
چٹخے۔ سچے کوئلے تھے اور ایک چنگاری میرے انگرکھے پر گری، بیوی نے فوراً اپنے
ہاتھ سے بجھائی اور اصرار کر کے مجھ سے انگرکھا اُتروایا کہ کہیں کرتے پر وہ چنگاری
نہ پہنچی ہو اب اس محبّت کو دیکھیے۔ بھائی ہم لوگ واللہ بڑے ناشکرے ہیں۔ نازو صرف
روپے کی طالب ہے۔ اگر اُس کو یہ معلوم ہو جائے کہ ایک چمار مجھے ہزار روپیہ دیدے گا۔
تو چاہے مہراج بلی ہوں چاہے محمد عسکری، وہ اس کو مُنھ لگائے گی۔ ہم کو اور آپ کو
دونوں کو دھتا بتائے گی۔

چھٹّن صاحب نے مہراج بلی کی رائے سے اتفاق کیا۔ کہ واقع میں سب لوگوں
کی عورتوں کی حالت افسوس بلکہ رحم کے قابل ہے کہ ہم لوگ ان کی ذرا قدر نہیں
کرتے۔ اور یا انیمہ وہ ہماری اطاعت کرتی ہیں۔ میرا ایک یار ہے ٹھاکر دیوی سنگھ
پنجابی آدمی ہے۔ اور ان پڑھ۔ بالکل لٹھ۔ وہ ایک عورت پر عاشق ہوا مگر تھوڑے
دن کے بعد ان میں کھٹ پٹ ہو گئی۔ ایک روز مجھ سے ٹھاکر صاحب نے کہا
کہ بھئی اس جلسے میں وہ ہے بھی۔ ذرا اس کو مناؤ۔ میں نے اس سے کہا تم تو
بڑی ظالم ہو۔ کہ ایک شخص تم کو چاہتا ہے۔ اور پیار کرتا ہے۔ اور تم اس پر ظلم
ڈھاتی ہو۔ میرا کہنا مانو۔ ٹھاکر کے پاس جا کر بیٹھ جاؤ۔ اور اس کو مناؤ۔ بس یہ
سنتے ہی بگڑ گئی۔ اور معاً جواب دیا کہ منائے میری پیزار۔ منائے گی گھر کی جورو ا

ان کی۔ جورو اُن کی پابند ہے۔ میری جوتی کو کیا غرض ہے۔ جو میں منانے جاؤں۔ گھر کی جورو کو تو وہی وہ ہیں اور میرے ہاں ان کے سے سیکڑوں روز جھک مارا کرتے ہیں۔ یہ نکتوڑے بیاہتا جورو اہی سہیگی۔ ہم کو کیا غرض ہے۔ ہم ان کی اصل حقیقت کیا سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں اور سہی یہ رہیں کیا بچارے (بے چارے) یہ فقرہ بھائی صاحب میں تو عمر بھر نہ بھولوں گا۔ واللہ اس کا نقش میرے دل پر مرتسم ہوگیا۔

ممّن : ہے ہے کیا غضب کا فقرہ کہا ہے۔ سمجھنے کے قابل ہے۔

رونق : ہم تو حضرت اسی سبب سے اس فرقے سے الگ الگ رہتے ہیں۔

ؒ زردادن و درد سر خریدن

نواب : اچھا اب یہ سوچنا چاہیے کہ ہماری حالت کیوں کر ترقی کرسکتی ہے۔ آوارگی مزاج میں بڑھی ہوئی۔ چوڑی والی کو دیکھا اسی پر لٹّو ہو گئے۔ گھسیاری آئی ذرا جوان سی گدبدی اسی پر ڈورے ڈالنے لگے۔ مہری کوئی طرّارسی آئی اسی پر عاشق ہو گئے۔ یہ ہماری وارستگی اور حماقت ہے، بلکہ بجوڑاپن۔

چھٹّن : بجوڑاپن واللہ بجوڑاپن ہے مگر ہم کم بخت نہیں سنبھلتے اور جورو کو گھر کی مرغی کے برابر نہیں سمجھتے۔ افسوس صد افسوس۔

رونق : وہ ہم پر جان دیتی ہے۔ جاں نثار ہے۔

مہراج : وہ چاہے مرجائے۔ اس کو اپنے مرنے کا رنج اس قدر نہ ہوگا۔ جس قدر میاں کے مرنے کا صدمہ ہو گا۔

نواب : اور ادھر ہم لوگوں کی یہ حالت ہے۔

مہراج : ہمارے رشتے کی ایک ہیں، وہ اتفاق سے دیوانی ہوگئیں۔ کوئی علاج کارگر نہ ہوا، اور دوا کے نام سے نفرت تھی۔ کسی طرح پیتی ہی نہ تھیں۔ ڈاکٹر ہوشیار آدمی تھا اس نے کہا میاں کا پلنگ بھی یہاں ہی بچھوا دو۔ اور ان کے میاں سے کہا کہ تم بیمار بن جاؤ، اور یہ ظاہر کرو کہ سر سے پاؤں تک پھنکے جاتے ہیں مارے بخار کے واللہ اس مجنونہ کی یہ کیفیت تھی، کہ اٹھ کر ہاتھ پاؤں دباتی تھی، اور برف کے ٹکڑے سر پر رکھتی تھی اور چوں کہ دماغ میں خلل ہوگیا تھا شرم وغیرہ کجا۔ چھپا لیتی تھی۔ اور جب میاں بے قرار ہوتے تو وہ بھی بے چین ہو جاتی۔ گھنٹوں اسی

فکر اور تشویش میں بیٹھی رہتی اور میاں کی صورت دیکھا کرتی تھی۔ اور میاں کی تیمارداری اس طرح کرتی تھی، گویا وہ دیوانی ہی نہ تھی، جب میاں بیماری کے صدمہ اور درد اور تکلیف سے کراہتے تھے۔ تو روتی تھی۔ دوسرے روز ڈاکٹر صاحب آئے تو اسی حالت میں پایا۔ کہا ان کے میاں سے کہو کہ دوا اپنے ہاتھ سے پلائیں اور ان کی کیفیت یہ کہ دوا کا نام لیا اور بگڑ کھڑی ہوئیں۔ بس ان کے میاں نے دوا گلاس میں انڈیل کر اپنی طرف اشارے سے بلایا فوراً پی لی۔

ممّن : جی خوش ہو گیا۔ واللہ کیا بات ہے۔

رونق : یار اب ہم لوگوں کو راہ راست پر آنا چاہیے۔

نواب : آ چکے واللہ اگر ابھی ادھر کوئی جوان اور پری چہم دھوبن بھی نکل جائے۔ تو ضرور جی چاہے کہ دو گال ہنس بول لیں۔ پھر کسی بات کا خیال نہ رہے۔

رونق : اور کچھ نہیں تو مچھی ہی لے لیں، ہائے ستم۔

نواب : اب یہ پاجی پنا نہیں تو کیا ہے۔

مہراج : پاجی پنا۔ ارے اصل پاجی پنا اس کا نام ہے۔

چھٹن صاحب نے کہا یار اب اس وقت سے عہد کر لو سب کے سب کہ اب آج سے ان باتوں سے اجتناب کریں گے۔ ہم نے تو قسم کھا لی بس۔ اب آپ لوگوں کو اپنے فعل کا اختیار ہے۔

ممّن : خداوندا اوّل تو حضور اس چکر میں کبھی آئے نہیں۔ دوسرے اس کوچے کی ہوا نہیں لگی۔ میں سرکار سے کیا عرض کروں۔ میرے ایک دوست ہیں ان کے لڑکے کی پارسال شادی ہوئی تھی دُلھن واللہ پری چاند کا ٹکڑا۔

ع۔ مکھڑا ہے چاند کا ٹکڑا کہ پری کا ٹکڑا

واللہ گھورنے کے قابل سن دن۔ قد قامت، بات چیت، چال ڈھال، بانکپن اور اس کے ساتھ ہی بھولا پن کروڑوں میں ایک، لاکھوں میں ایک۔ اس کے میاں کا حال سنیے وہ بھی کم سن آدمی جوان مگر بیوی کے نام سے نفرت۔ محلّے میں ایک چڑیل رہتی ہے۔ اس پر آپ عاشق ہوئے اور بیوی کو یہ کہنا چاہیے کہ طلاق دے دیا۔ بیوی سے کوئی بحث کوئی سروکار ہی نہیں۔ واللہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ وہ پنڈلی

ہے کہ باید و شاید، زبان نہیں کہ تعریف کی جائے۔ ؎

ہوا ہے جب سے کہ ساقین یار کا سودا
زیادہ تر مجھے ہیرے سے ہے بلور پسند

ہائے حضور دنیا میں ایک ہی عورت ہے۔ حسن کا تو اس پر خاتمہ ہو گیا ہے۔ اور نیک پارسا، جسے عورتیں کہتی ہیں۔ اگر ایک دفعہ صورت دیکھ لیجیے تو ناز و ادا قمرن کو بھول جائیے ہائے کیا کروں ہے قدرت خدا النظر آتی ہے۔ ؎

کیوں کر نہ جھکے آگے ترے حور کی گردن
بجلی کی کمر شعلہ کا منھ نور کی گردن

اور واللہ ہونٹھ ہائے میں کیا عرض کروں۔ ؎

لب ہیں تمھارے وسط رخ لاجواب میں
دو لعل ہیں بندھے کمر آفتاب میں

اور ہاں پلکیں ہیں کیا عرض کروں حضور۔ پری کی کیا اصل اور حقیقت ہے وہ صورت پائی ہے۔ ؎

کب کسی کے قتل کو نکلی تری تیغ نگاہ
ایک جنبش دی اگر پلکوں کو سو خنجر چلے

میرے محلے کی چھوکری ہے۔ مگر غضب کی لونڈیا ہے۔ واللہ میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میں نے ایسی پری پیکر اپنے ہوش میں نہیں دیکھی اور مجھے اس سے ایک قسم کا عشق ہے۔ میں اس کی صورت دیکھنے کے لیے بیقرار رہتا ہوں اور سچا اور پاک عشق ہے۔، بدی کا مطلق خیال نہیں، وہ بچپنے سے میرے ہاں آتی تھی اور میری لڑکیوں سے کھیلتی تھی۔ اب اپنی سسرال کے ڈر سے علانیہ سامنے نہیں ہوتی۔ مگر مجھے مثل اپنے بزرگوں کے سمجھتی ہے ہائے ہائے کیا شکل ہے۔ ؎

قابل دید پری رو ترے رخسارے ہیں
جس پہ آنکھوں کو میں سینکوں یہ وہ انگارے ہیں

اور خداوند گال پر ایک خال ہے۔ میں کیا عرض کروں کہ وہ خال

کیا مزہ دیتا ہے۔ ؎

چہرۂ محبوب پھیکا ہے جو خال اس میں نہ ہو
خوانِ نعمت پر مقرر اک نمک دان چاہیے

جب مجھے اس کا میاں یاد آتا ہے۔ تو واللہ جی چاہتا ہے کہ چور نگ کر دوں۔ جیتے جی چنوا دیں۔ ایسی پری پیکر بیوی پاکر اور بے اعتنائی۔ پری بھی اگر دیکھ پائے تو قربان ہو جائے۔ حوریں گھوریں۔ واللہ اِندر کے اکھاڑے کی پریاں اُس کے حسن کی تعریف کریں، اور ہائے ہائے زلف چلیپا میں کیا عرض کروں خداوند۔ ؎

وہ زلف ہوا سے مجھے برہم نظر آئی
اڑتی ہوئی ناگن قدِ آدم نظر آئی

اور حضور افشاں کی بڑی شائق ہے۔ حالانکہ افشاں کے باپ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ وہ مکھڑا پایا ہے۔ ؎

میں بھی تو دیکھوں چاند میں تارے جڑے ہوئے
افشاں چھڑک کے یار دکھا تا جبیں مجھے

نواب : یار ممن بھئی صورت تو دکھا دو خدا کے لیے۔ واللہ تم نے تو اس وقت طبیعت بے چین کر دی۔

ممن : حضور یہ ٹیڑھی کھیر ہے۔ بہو بیٹیوں کی حرمت اور ہے۔ وہ محلّے کی چھوکری ہے۔

اختر : ارے تو صورت دکھانے میں کیا عیب ہے، یار عجب طرح کے آدمی ہو۔

آغا : بھئی ہم بھی دیکھیں گے۔ تنہا خوری اچھی نہیں۔

اختر : لیجیے اور سنیے۔ بھینس نہ کودے کودے گون۔ یہ تماشا دیکھے کون۔

نواب : اجی جناب پہلے مجھ کم بخت کو تو دیکھ لینے دیجیے۔ پھر آپ سب صاحب تو دیکھا ہی کریں گے۔

ممن : خداوند میں نہ دکھاؤں گا۔ یاد آگیا۔

نواب : کیا یاد آگیا۔ یاد کیا آگیا؟ تم تو مجذوبوں کی سی باتیں کرتے ہو۔

ممن : حضور وہ یہاں آ نہیں سکتی۔ اور آپ جا نہیں سکتے۔ اور بازاری

عورت وہ ہے نہیں۔ پھر بھلا کیوں کر ملاقات ممکن ہے۔ ہاں ایک بات ہے خداوند۔
نواب : وہ کیا۔ بھئی خرچنے کو تو ہم تیار ہیں۔
ممّن : سرکار خرچنے کا کیا ذکر کر رہے ہیں حضور کا سا فیاض آدمی اب شہر میں دوسرا نہیں ہے۔ فرد ہیں حضور۔
اختر : اس میں کیا فرق ہے۔ ہر کہ شک آورد کافر گردد۔ واللہ ثانی نہیں رکھتے۔
ممّن : خداوند حضور کی فیاضی روم و روس تک مشہور ہے۔
نواب : ارے میاں جو دم گزرتا ہے۔ غنیمت ہے۔
اختر : حق ہے۔ ع

ہر وقتِ خوش کہ دست دہد مغتنم شمار
کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

نواب : اب میں کیا کہوں یارو۔ ریاست لٹ گئی۔ ہماری روپیہ ہمارے پاس نہیں۔ مگر اب بھی اپنا وہ دل ہے کہ اچھے اچھے والیان ملک کا نہ ہو گا۔
اختر : حق ہے واللہ صحیح ہے۔ اچھے اچھے بادشاہ مقابلہ نہیں کر سکتے حضور کے سامنے۔
ممّن : بھئی یہ بھی تو شہنشاہ ہیں۔ ہائے یہ دل کہاں۔
نواب : میاں ہم کس قابل ہیں یہ سب تم لوگوں کی عنایت اور مہر بانی ہے۔ دوست ہو ہمارے۔
رونق : اس میں شک نہیں کہ نواب بڑے حوصلے کے آدمی ہیں اور بڑے فیاض۔
چھٹّن : یہ تو سب کچھ ہے مگر بھائی صاحب اب یہ بتایئے کہ وہ چھوکری کب دکھایئے گا۔ میاں ممّن صاحب۔
ممّن : حضور اب ایک چھوکری اور دس گاہک، بات بنے تو کیوں کر بنے۔ وہ بازاری عورت تو ہے نہیں۔
نواب : یہ سب بکتے ہیں۔ تم مجھ کو دکھا دو بس۔
ممن : حضور اب اس امر کی نسبت غلام پھر عرض کرے گا۔ اب اس وقت

اس تذکرے کو تہ کر رکھیے۔

رونق : بھائی ہم کو بھی ایک جھلکی دکھا دینا ہم بھی مشتاق ہیں۔ واللہ بڑا احسان مانیں گے۔

نواب : جی بجا ہے۔ یہ بھی خوب ہوئی۔ آپ پاگل ہو گئے ہیں۔ ان کو بھی دکھا دینا۔ کیا خوب۔

چھٹن : بھئی وہ چھوکری ہمیں نہ دکھائی تو واللہ۔ عمر بھر شکایت رہے گی۔

ممن : خداوند سب سے پہلے۔ ایسی بات ہے بھلا کر حضور ہی نہ دیکھیں۔ مگر۔

چھٹن : یہ اگر مگر میں نہیں جانتا۔ آپ کو وہ چھوکری دکھانی پڑے گی۔ ارے یار ایسی تعریف کی کہ بغیر دیکھے دل ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ اور آنکھوں کی تعریف جب سے سنی ہے دل بیقرار ہو رہا ہے۔ کیوں میاں ممن وہ کون دن ہوگا اور کب آئے گا۔ کہ ہم بھی اُن آنکھوں کو دیکھیں گے اور کہیں گے۔ ؎

مرے ہوئے تری آنکھوں پریار ہم بھی ہیں
شہید گردش لیل و نہار ہم بھی ہیں

آغا : میں کہتا ہوں یہ تم کو ہو کیا گیا ہے تمھارا تو شوق دید ہم سب سے بڑھ گیا ہے۔

رونق جنگ نے ہنس کر چھٹن صاحب کے ڈنڈ مل دیے۔ اور کہا ماشاءاللہ ہمت مردان مدد خدا۔

چھٹن صاحب نے کہا بھئی یہ ڈنڈ ملنا کیا معنی ہم سے کونسا ایسا کارنمایاں سرزد ہوا کہ تم نے ہمارے ڈنڈ مل دیے۔

رونق جنگ نے کہا یار تم ہی تو سب کے ناصح مشفق بنتے تھے۔ اور تم ہی نے وہ ذکر پھر چھیڑا۔ بڑے بھلے مانس آدمی ہو۔ واللہ ارے ظالم ابھی تو نصیحت کر رہا تھا۔ کہ ہم لوگ بڑے پاجی ہیں۔ کہ بیوی کے ہوتے ساتھی بدمعاشیاں کرتے ہیں۔ اور ابھی یہ اصرار ہے کہ وہ چھوکری دیکھنے میں آئے۔

چھٹن : ہائے ارے بھئی اس دل کو کیا کریں تم ہی بتاؤ کہ دل پر کس کا اختیار ہے۔

رونق : جاؤ بھی۔ ناصح بنے ہیں چوٹے زمانے بھر کے۔
نواب : جی ہاں تہذیب کا بڑا دعوا تھا آپ کو۔
چھٹن : ارے تو اب زبانی داخلے سے بھی گئے گزرے بڑے بیوقوف آدمی ہو واللہ۔
مہراج : تو حضرت سنیے یہ ہر دیگی چمچا ہونا ٹھیک نہیں، یا تو قمرن کو پیار کیجیے یا نازو کو، یا اس ممتن والی لونڈیا کو۔
مسخرہ : (قہقہہ لگا کر) یہ ممتن والی لونڈیا کی کیا کہی ہے۔
ممتن : میں ایک پخنی بتاؤں گا، اب اور کینیے گا ہم سے اور مسخرہ پن منشی مہراج بلی صاحب نے جو کہا وہ ہمارے سر آنکھوں پر وہ مالک ہیں۔ جیسے سرکار ویسے وہ، مگر آپ کی باتیں ہم نہ سہیں گے۔
مسخرہ : درست۔ آپ اور پخنی بتائیں۔ شان خدا۔
ممتن : اٹھوں پھر۔
مسخرہ : ہاں اگر شامت آئی ہو تو بسم اللہ۔
چھٹن : کون ممتن تم سے کرارا ہے۔ بھئی گل خیرو۔
مسخرہ : لڑوا کے دیکھ لیجیے نا۔ بسا دیجیے ایک اشرفی۔
نواب : اچھا ہم ممتن کی طرف سے بساتے ہیں۔
چھٹن : ہم بھی ممتن کی طرف ہیں۔
مہراج : ہم گل خیرو کی جانب ہیں۔ یہ دے مارے گا۔
نواب : اچھا آئیے ہاتھ پر ہاتھ ماریئے۔
مہراج : اٹھو میاں چڈا گل خیرو۔ بس اب اٹھیے۔
راوی : ممتن اٹھ کھڑا ہوا تو گل خیرو کیا کہتے ہیں۔
مسخرہ : ابے یا کیوں قضا کے منھ میں جاتا ہے۔ ایک پہونے میں تو تیرا کام تمام ہو جائے گا چلا ہے لڑنے چور اٹھائی گیرا۔
نواب : وہ مارا۔ (مہراج بلی سے) بس ہار گئے۔
مہراج : اٹھو میاں خم ٹھوک کے سامنے کھڑے ہو۔
مسخرہ : حضور یہ بالائی۔ اور دودھ اور انڈے کھا کھا کے اس لیے ڈنڑ

نہیں تیار کیے تھے۔ جی اور ممن تو کیا شے ہے۔ ممن کے باپ سے لڑ پڑوں۔ مگر میرے بچے کے برابر ہے۔ ممن اس سے کیا لڑوں۔

نواب : ابے جا۔ بس۔ رہ گیا لڑنے چلے ہیں۔

مسخرہ : حضور اگر حکم دیں تو ایک لپوٹے میں ہاتھی کو بٹھا دوں کیا کوئی وہ سمجھا ہے۔

نواب : اجی وہ ہاتھی تو در کنار رہا۔ ممن سے کیوں نہیں لڑتے۔

مسخرہ : تو حضور کوئی برابر والا ہو تو اس سے لڑوں ان ہیچ قوم دھبو۔ جلاہوں کے منہ کون لگے۔

نواب محمد عسکری نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا حضرت یہ باتیں تو ہوا ہی کریں گی اب کوئی معاملے کی بات کیجیے، وہ کیا کہ آج سے ہم، اور آپ سب صاحب یہ عہد کریں کہ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے ہم لوگ کبھی بھولے سے بھی کسی عورت سے رسم نہ کریں گے۔ سوا اپنی منکوحہ بیوی کے۔ ارے وہ ہمارے رنج اور غم اور افلاس اور بیماری سب میں شریک ہیں۔ بازاری عورت مردار آج آپ کی بغل میں ہے۔ کل دوسرے کی بغل میں ہوگی۔ جو دو پیسے زیادہ دے گا اس کی بغل میں ہوگی۔ اگر دیجیے تو آپ کی ہے ورنہ دھتا بتائے گی۔ ؎

چوں در برِ دیگرے شنید   خواہد کہ ترا دیگر نہ بنید

ہم لوگوں کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑے ہیں ارے غضب خدا کا جورو کو برسوں صورت دیکھنے کو ترسائیں۔ اور ان مال زادیوں پر لٹو ہو جائیں عمر بھر اس کا خیال ہی نہیں آتا۔ جب سوجھتی ہے یہی سوجھتی ہے کہ۔ ؎

زنِ نو کن اے دوست در ہر بہار   کہ تقویم پارینہ تاید بکار

نت نئی ہو۔ اور گھر کی جورو کو طلاق۔ اور دیکھتے جاتے ہیں اور تجربہ کرتے جاتے ہیں کہ اس پلید فرقے سے وفا کی امید فضول ہے مگر پھر بھی کچھ نہیں۔ اتنے میں چلا اگلیز دکہ باہر کسی کام کے لیے گئے تھے تشریف لائے اور فرمایا خداوند قطع کلام تو ہوگا، لیکن (چقندر) چاندنی بھی لگے ہاتھوں سن لیجیے کہاں کا جھگڑا۔ ع۔

کس کی رہی اور رہے گی کس کی

لوگوں نے قہقہہ لگایا کہ یہ چقندر چاندنی خوب ڈھونڈ کے نکالا بھئی، بندر، اور مچھندر اور جلندھر تو ہو چکے قافیے۔ بس چقندر باقی رہ گیا تھا۔

مسخرے نے کہا۔ ؎

جب مزہ کھانے کا حاصل ہو کہ اپنے ہاتھ سے ہ کھیت میں مہتاب کے توڑے چقندر چاندنی

نواب۔ واہ بھئی واہ چقندر چاندنی نے اور بھی قافیہ کو چمکا دیا۔ کیا خوب۔ کیا خوب سبحان اللہ

ممّن۔ حضور چقندر توڑے نہیں جاتے چقندر کھودے جاتے ہیں چقندر توڑنا محاورہ نہیں ہے۔

رونق۔ ہاں بھئی اعتراض تو صحیح ہے کیوں گل خیر دے

مسخرہ۔ حضور میں شاعر آدمی۔ شعر کہنا جانوں۔ کبڑیا نہ کبڑیے کا پڑوسی۔ اب مجھے کیا معلوم کہ چقندر توڑتے ہیں یا کھودتے ہیں۔

نواب۔ بھئی یہ جواب بہت ہی بڑھ گیا کبڑیے کی ایک ہی کہی جھیپے میاں ممّن کہ نہیں۔

ممّن۔ حضور یہ کبڑیا ہم کو لاکھ دفعہ کہہ لیں ہم کبڑیے کے کہے کا برا نہیں مانتے۔

داروغہ۔ جنگلی کبوتر چاندنی ابھی باقی ہے حضور۔

مسخرہ۔ ابھی تو کیا کہیں ڈھونڈنے یا لینے جانا ہے۔ ؎

اڑتی پھرتی ہے در و دیوار و سقف و بام پر بن گئی ہے کب سے یہ جنگلی کبوتر چاندنی

رونق۔ اچھا رہبر چاندنی تو لاؤ مگر ثبوت ہو۔

مسخرہ۔ ہائے ہائے ابھی آپ لوگوں نے مجھے پہچانا نہیں رہبر کا باپ لیجیے۔ لہبر چاندنی۔ لہبر طوطا ہوتا ہے۔

نواب۔ واللہ کیا سوجھی ہے لہبر کا لفظ بہت دور کی سوجھی ٹوئیاں کا بھائی لہبر۔

مسخرہ۔ بلا کی طبیعت پائی ہے مجھ شخص نے سیلے ؎

داغ دل پہنچائے گا ہم کو درِ دلدار تک ہے مسافر کی شب غربت میں رہبر چاندنی

اور اب لگے ہاتھوں لہبر بھی سن لیجیے۔

آغا۔ بھئی اب دوسری طرح ہونی چاہیے چاندنی کو تو خوب چمکایا آپ نے اب بہت سے قافیوں کا قافیہ تنگ کر چکے۔ کہاں تک زور طبع دکھائیے گا۔

اتنے میں داروغہ نے عرض کیا حضور جمال الدین کی ایک عرضداشت آئی ہے۔ بڑا غضب ہو گیا اس کے جوان بھائی کو کسی نے زہر دے دیا۔ اور کل شب کو وہ نوجوان چل بسا۔ نواب صاحب نے انا للہ و انا الیہ راجعون کہہ کر بڑا افسوس ظاہر کیا۔ نواب

چھٹن صاحب اور رونق جنگ اور مہراج بل کو بھی بڑا رنج ہوا۔ حکم ہوا کہ جو آدمی عرضداشت لایا ہے اس کو بلاؤ۔ اس نے جھک کر آداب عرض کیا اور کہا پیرو مرشد غلام سید ہے اور میاں جمال الدین کے مکان میں رہتا ہے۔ یہ بڑا سانحہ ہو گیا اور مفت میں اس بیچارے کی جان گئی۔ نواب صاحب نے کہا آخر زہر دینے کا سبب۔ کیا کوئی کسی کو بے وجہ تو مار نہیں ڈالتا۔ کہا خداوند اس نوجوان گبھرو کو ایک دیہاتن پیار کرتی تھی۔ اور بھی کئی آدمیوں سے اس سے رسم تھا اُن کو ناگوار گزرتا تھا۔ اور ایک ہی شہر کے رہنے والے۔ بس کل دو بجے اس بیچارے نے نہا کے کپڑے پہنے اور اس عورت کے ہاں گیا۔ وہاں خدا جانے کیا ہوا بس بے ہوش ہو گیا ڈولی پر لاد کے اس کے گھر لائے، زہر کی سب علامتیں پائی گئیں ان کے ہاں کوئی دوڑنے دھوپنے والا نہ تھا۔ جمال الدین نواب صاحب کے ہاں تھے جب تک ان کو خبر ہو اور وہ آئیں یہاں اس بیچارے کا کام تمام ہو گیا۔

نواب۔ داروغہ یہاں آؤ (کان میں کچھ کہا) اور ممن تم بھی جاؤ اور تکیے تک ساتھ جاؤ۔

ممن۔ بہت خوب حضور۔ کہاں دفنائے جائیں گے کیوں؟

میر صاحب۔ حضرت حاجی نعمت کے تکیے میں جائیں گے۔

چھٹن۔ واللہ عبرت کا مقام ہے ہم لوگ عیاشی کے پیچھے کیسی کیسی زکیں اٹھاتے ہیں مگر نہیں چھوڑتے۔ اگر وہ عیاش نہ ہوتا تو اس درجے کو کاہے کو پہنچتا۔

نواب۔ واللہ سچ کہتے ہو کیا غضب کا پردہ پڑا ہے۔ کوئی اس کمبخت تماش بینی کے پیچھے اپنی جان اور عزت کا بھی خیال نہیں کرتا۔ افسوس ہزار افسوس۔

آغا۔ اس کا انجام ہی یہ ہے۔ برا کام ہے نا۔

نواب۔ کبھی کان پکڑتے ہیں اب سے آئے گھر سے آئے اب کبھی نام بھی نہ لیں گے۔

آغا۔ جی یہ سب باتیں ہیں۔ تھوڑی دیر تو عبرت ہوتی ہے اور بس اس کے بعد سناٹا۔

اختر۔ گھر کی مرغی دال برابر۔ مگر واللہ ہم لوگ دال برابر بھی گھر کی جورو کو نہیں سمجھتے

چھٹن۔ بھلا کبھی کسی نے یہ بھی سنا ہے کہ جورو کے سبب سے زہر دیا گیا جورو کی کیا

بات۔ لیکن ابھی کوئی شخص اپنی بیاہتا بیوی کا کہنا مانے، اور جو دور اندیشی کی بات وہ سکھائے اس کا تتبع کرے تو زن مرید کہلائے۔

اختر۔ میں کہتے ہی کو تھا یہ تو عقل کا حال ہے۔

نواب۔ عقل کا حال کیا بس مسخ ہو گئے ہیں ہم لوگ۔

چھکّن۔ لیجیے اک ذرا سی دیر میں کسی رقیب نے زہر دے دیا دم نکل گیا۔ اب چاہے اس عورت کو گرفتار کرو چاہے اس کے ہاں آنے جانے والوں کو۔ اس بیچارے کی تو جان گئی۔ اور مفت میں۔ ؎

بجرم عشق تو ام می کشند و غوغائست ۔۔۔ تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

اور دلگی اس میں یہ ہے کہ اگر وہ عورت بچ گئی اور اس پر کوئی آنچ نہ آئی تو وہ مشہور ہو جائے گی۔ ایک شخص کی جان گئی اور اس کی شہرت ہوئی۔

نواب صاحب نے کہا کہ بھئی اب اس بارے میں ایک کمیٹی ہونی چاہیے کہ اس کا تدارک کیا جائے۔ اب یہ ضروری اور لازمی ہے۔ دو چیزوں کا تدارک چاہیے۔ ایک بادہ خواری کہ کیسے کیسے نوجیز اس کی بدولت مر رہے ہیں اور یہ مردار دختر زر کیا کیا ستم ڈھا رہی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ اور دوسرے یہ آوارگی۔ اس سے بڑھ کر گناہ اور کیا ہوگا کہ بیوی کے ہوتے ہم لوگ اس کی چھاتی پر کودوں دلیں اور اس کو جلائیں۔ اور پھر فخریہ یہ کہتے پھریں کہ ہم کچھ جورو کے غلام نہیں ہیں۔ یہ بات تو انگریزوں میں خوب ہے کہ اگر کسی متاہل انگریز سے کوئی اس قسم کا عیب سرزد ہوتا ہے تو وہ سوسائٹی سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ دیکھو منیجر صاحب جو اب پنشن پاتے ہیں۔ انھوں نے بیوی کو ولایت بھیج دیا اور یہاں ایک عورت کو نوکر رکھ لیا۔ بس اب کسی صاحب لوگ کے یہاں کھانے اور دعوت میں شریک نہیں ہونے پاتے۔ کوئی ان سے ملتا ہی نہیں بالکل علیحدہ کر دیے گئے اور ہم لوگوں میں فخریہ بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں نواب صاحب اور فلاں عورت سے رسم ہے اور ان سے اس سے آشنائی ہے۔ یہ انتہا کی بے حیائی ہے اور ہم لوگ بعوض اس کے کہ اس نقص کو دور کریں اور اس کی اصلاح کی جانب توجہ کریں اسی کو سرمایہ فخر سمجھتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔ اور یہ ایک آدمی پر

کیا فرض ہے سب کا یہی حال ہے۔ سب ایک ہی فشن کے ہیں صلاحیت مزاج سے منزلوں دور، ورنہ اگر غور کر کے دیکھیے تو بیوی سے بڑھ کر اور کون عزیز ہو۔ کوئی نہیں مگر باتیں کرنے کو کہیے ساری خدائی کی باتیں کر ڈالیں۔ اور اصل میں کرنا کرانا کچھ نہیں۔ زبانی داخلے سے بھلا کیا مطلب نکلے گا، خاک نہیں۔ ایک کمیٹی ہونی چاہیے اور اس میں سب سے حلف لینا چاہیے اور جو اس میں شریک ہوں ان کو مجبور کرنا چاہیے، ان کے چال چلن پر غور کرنا چاہیے۔ اگر خلاف معاہدہ ان سے کوئی کارروائی ظہور پذیر ہو تو سرزنش کرنی چاہیے۔ سوسائٹی پر فرض ہے کہ ان کو تنبیہہ کرے اور سمجھا دے۔ اگر ایسا ایک جلسہ قرار پائے تو فہوالمراد۔ ازیں چہ بہتر۔ یہ جلسہ واللہ ادیب اور اتالیق کا کام دے۔

حضرات ناظرین! نواب محمد عسکری صاحب کے خیالات فی نفسہٖ بُرے نہیں، مگر صحبت بُری پائی اور لڑکپن سے خراب صحبت میں رہے کہ ترقی دماغی کے عوض اور دماغ خراب ہو گیا۔ اکثر حضرات نے ان کو ایسا شکنجے میں کیا تھا کہ ان کے قابو میں ہو گئے اب جدھر کل موڑتے ہیں اسی طرف یہ مڑ جاتے ہیں۔ تعریف کر دی کہ حضور کا سا مخیّر کوئی نہیں۔ اب نواب صاحب بھول گئے کہ حاتم کے بعد اب ہم اس صدی میں پیدا ہوئے اور چار نے آ کے کہہ دیا کہ خداوند فلاں نواب صاحب کا کوئی صبح کو نام نہیں لیتا۔ وہ بڑے کنجوس ہیں۔ چلیے نواب صاحب اکڑ گئے کہ ہم شہر میں فیاض اور حاتم مشہور ہیں۔ اگر ایک شخص کو ایک روپیہ دینا ہو گا تو آنکھ بند کر کے دس دیں گے۔ ورنہ فیاضی میں بٹہ لگتا ہے۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ لوگ اپنے مطلب کے یار ہیں۔ کھایا پیا اور الگ کیا۔ آج آپ کے دسترخوان پر کھاتے ہیں، آپ کی سی کہتے ہیں۔ کل اور کے ہاں گئے سب کے پہلے آپ ہی کی ہجو کرنے لگے۔ ان سے بڑھ کر دشمن اور کون ہو گا۔ اگر محمد عسکری کو اچھے لوگوں کی صحبت ملی ہوتی تو سبحان اللہ یہ بھی کچھ کر دکھاتے۔

ابھی تک تو نواب صاحب تہذیب اور شائستگی اور صلاحیت کی باتیں کرتے تھے ایک دفعہ کچھ خیال آیا تو حسین علی کو بلایا اور حکم دیا کہ جا کر دیکھو تو کہ قمرن کا میاں وہ لونڈا جو کدرا کدرا (قدرا) مشہور ہے آیا ہے کہ نہیں۔ اور قمرن کہاں ہے اس کا کچھ پتا لگا کہ نہیں۔ حسین علی حکم کے مطابق گیا۔ اور واپس آ کے عرض کیا خداوند قمرن اور

کدرا اور للتوا کا تو ابھی کچھ حال نہیں معلوم ہوا مگر اتنا سننے میں آیا ہے کہ للتوا کو کانپور میں کدرا اور اس کے اکھاڑے کے لوگوں نے بڑی بودی مار دی۔ دروغہ (داروغہ) صاحب کے اس آدمی کے گھر میں کوئی آیا ہے اس کو بلا کے دریافت کرلیں حضور۔ اسی وقت داروغہ صاحب کا آدمی آیا اور یوں نواب صاحب نے حال دریافت کیا۔

نواب ۔ کیا تم کانپور سے آئے ہو۔ کب آئے۔ وہاں سے کچھ کیفیت کدرا کی جانتے ہو۔

آدمی ۔ ہجور (حضور) کل آیا۔ وہاں تو بڑے گجب (غضب) کی مار پیٹ ہوئی۔

نواب ۔ ہاں ہاں حال تو بیان کرو کون کون تھا؟

آدمی ۔ سرکار کدرا کو لوگوں نے بہکا دیا کہ تیری عورت کو للتوا بھگا لے گیا اور تو کھڑا دیکھتا ہے۔ ہم ایسے ہوتے تو آؤ دیکھتے نہ تاؤ ٹھونک چلتے۔ بلا سے جریمانہ (جرمانہ) ہو جاتا۔ بس ہجور کدرا کو بھی گسا (غصہ) آگیا۔ ایک تو لڑنیتا، دوسرے جوان آدمی، تیسرے یہ آپنخ بری ہوتی ہے۔ بس کدرا نے لپک کے ایک لپوٹا جمایا وہ لونڈا ابھلا پہلوان کا مکابلہ (مقابلہ) کیا کرسکتا مگر جھلا کے وہ بھی چمٹ گیا۔ کدرا نے اٹھا کے دے مارا۔ پولیس والوں نے دونوں کو ڈانٹا۔ مگر ہجور وہ عورت اس پر ایسی لٹو ہے کہ کچھ پوچھیے نہیں۔ جان دیتی ہے جان۔ اکّے میں سے دھاروں دھار روتی تھی۔ اور اس سے کہتی جاتی تھی تو جلدی سے اکّے میں بھاگ کے آجا اسی کے سبب برقندازوں نے کدرا کو للکارا اور کہا ہم چالان کردیں گے تیرا۔

ہے سویرے سے مرے جی میں گنڈیری کھائی
مر گئے کیا یہ موئے آج گنڈیری والے

ایک محل سرائے فلک رفعت، سپہر تواماں میں ایک خاتون مہ لقا، اور محبوب پری چہرہ، لب بام کھڑی ابر کے لکّوں کی سیر کر رہی تھیں۔ ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ درختوں کے پتّے قدرتی پنکھا جھل رہے تھے۔ جلو میں کنیزانِ قمر طلعت، رشکِ حور، ہر پیش خدمت، نشہ جوانی سے معمور، مغلانیاں، طرحدار مہریاں،

حاضر جواب وطرار خواصیں، گلبن ریاض حسن وجمال قلماقنیں پری تمثال۔ سہ

خلد گو ہندوستان سے دور ہو لیکن اس میں شک نہیں تم حور ہو

اور لطف یہ کہ سب کم سن جوانیں، خوش گلو، خوش آواز، مجسم خوبی، سراپا ناز گو سب مہر سپہر حسن اور پری پیکر عورتیں تھیں مگر خاتون یاقوت لب، ان سب میں کالبدر فی النجوم تھیں، اور آس پاس ارد گرد ادھر ادھر دہنے بائیں جو یہ کھڑی تھیں بعینہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاند اور یہ ستارے ہیں۔

خاتوں ماہ طلعت سے کسی قدر دور فاصلے پر ایک بوڑھی مغلانی نے ایک اجڈ مہری کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ مہری! یہ سب تو ابھی کم سنیں جوانیں ہیں ان کو کیا معلوم کہ اچھا کسے کہتے ہیں اور برا کس کو کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو وہی نیک ہے جو ان سے ہنسے بولے۔ اس طرح پر ان کے ساتھ چلے کہ ان کو معلوم جیسے گرا پڑتا ہے۔ چاہے مرد ہو چاہے عورت ہنسی دل لگی میں ڈوبا ہوا ہو۔ مگر ہم تم سمجھ سکتے ہیں کہ ان کی بات چیت اور چھچھورے پن سے پایا جاتا ہے کہ یہ کوئی ہیچ قوم کی چھوکری ہے۔ اول تو گفتگو کی قطع ہی محل خانے کی سی نہیں، اور پھر اتنا چھچھورا پنا بھی اچھا نہیں ہوتا۔ ہر شے کی حد ہوتی ہے۔

ادھر یہ گفتگو ہو رہی تھی اُدھر خاتون سیم جان نے ایک ذقند جو بھری تو دونوں ہاتھ دیوار پر رکھا اور گردن کسی قدر باہر نکلی ہوئی مغلانیاں خواصیں غل مچانے لگیں ایں ایں اے حضور یہ کیا اندھیر ہے۔ سرکار اگر سن لیں گے تو مہنا متھ مچا دیں گے۔ یہ بے پردگی کیسی خاتون سیمیں ساق نے زور سے قہقہہ لگایا اور ان سب کو چٹکیوں میں اڑا دیا۔

اب سنیے کہ اس محل سرا کے پچھواڑے ایک تکیہ تھا۔ آصف الدولہ کے وقت سے بھی پیشتر کا۔ پندرہ بیس قبریں اس میں باقی رہ گئی تھیں۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح اور وہ بھی بوسیدہ اور دھنسی ہوئیں، اور ٹوٹی پھوٹی۔ اس تکیے میں باغ کی دیوار وں سے ایک ایسی آڑ ہو گئی تھی کہ بجائے خود ایک قلعہ بن گیا تھا اور اس میں جواری جمع ہو کے جوا کھیلا کرتے تھے۔ ان جواریوں میں شہدے زیادہ تر تھے اور دو چار چور اور نامی ٹھگ بھی کھیلا کرتے تھے۔ ایک شخص اشتہاری مجرم بھی تھا ایک قید خانے سے بلا اختتام میعاد بھاگ آیا تھا اور ایک اس درجہ باتی کار تھا کہ کالے پانی سے بھاگ

نکلا تھا۔ ان چھٹے ہوئے بدمعاشوں نے اور خونیوں اور جواریوں اور شہدوں کا تو مجمع اور یہ بے تکلف سر کھولے ہوئے کھڑی ہیں اور چونکہ کالی کالی گھٹا خوب گھر کے آئی تھی اور طبیعت بشاش بھی تھی لہذا لہرا لہرا کے گانے لگیں۔

مورا دن دن بڑھت سہاگ سیاں نہیں آئے رے

ان لوگوں نے پہلے تو قہقہے کی آواز سنی۔ پھر دن دن بڑھت سہاگ، کی آواز آئی لٹو ہو گئے۔ چند جواریوں کے سوا کہ انھوں نے سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اور سب کے سب گھورنے لگے۔ ادھر گھر کی خواصیں اور عورتیں سٹپٹتی ہیں کہ یہ حضور کیا غضب ڈھا رہی ہیں بہو، بیٹی کے لیے یہ بڑا عیب ہے سرکار۔

اتنے میں آواز آئی (گنڈیریاں پونڈے کی) یہ صدا سنتے ہی وہی خاتون لالہ رخ اس درجہ بے قرار ہو گئی کہ کوٹھے سے دھم دھم کرتی ہوئی دوڑی اور زینوں پر سے اچھلتی اور دو دو زینے پھاندتی ہوئی نیچے آئی، یہاں سے طرارا بھرا تو ڈیوڑھی میں داخل، ڈیوڑھی سے ذ قند بھرتی ہے تو بازار میں پہنچی، اور غل مچاتی جاتی تھی کہ گنڈیری والے او گنڈیری والے موا سنتا ہی نہیں۔

گنڈیری والے نے پیچھے پھر کر دیکھا اور آیا۔ انھوں نے ڈیوڑھی پر گنڈیریاں خریدیں اور مہری سے کہا لے چل۔ گنڈیری والے نے دل لگی سے گنڈیریوں کے ساتھ گھٹائیں بھی تول دیں۔

اب سنیے کہ گنڈیریاں تو کم کھاتی ہیں گانٹھیں چن چن کے زیادہ کھاتی ہیں اور مہری ہنستی جاتی ہے۔ بوڑھی مغلانی اور ایک مہری میں باہم یوں گفتگو ہونے لگی۔

مغلانی۔ یہ تو بہن کوئی ساقن یا کٹرن ہے۔ دیکھو تو کس قسم کی حرکتیں ہیں۔

مہری۔ باتیں تو بالکل بھنگیڑنوں کی سی ہیں۔

مغلانی۔ پہرے والے کس قدر خوش ہوئے ہوں گے۔

مہری۔ ہم تو نواب صاحب سے آج کہیں گے بہن۔

مغلانی۔ اے ہاں دہنسکر، جیسی ان کی بدنامی ویسی ہماری بدنامی، بہت سی نوکریاں کیں، مگر ایسی بیگم صاحب نہیں ملیں۔ اچھا تو ہے کام کاج نہ کرنا پڑے گا

مہری۔ جب یہ ڈیوڑھی پر کسی کام کو گئی تو وہاں پہرے والے اور چوبدار اور آدمی بھی یہی باتیں کرتے تھے۔ چوبدار نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ مہری یہ کون ہیں۔ ہم لوگ سب کٹ گئے۔ چھم چھم چھم چھم کرتی ہوئی بازار تک لپک گئیں۔ اور گنڈیری والے کو کس مزے سے پکارا۔ او گنڈیری والے! او گنڈیری والے! ڈیوڑھی پر بڑا قہقہہ پڑا۔

مہری نے کہا اور گنڈیریاں کم کھاتی ہیں۔ گانٹھیں چن چن کر بہت کھاتی ہیں۔ نہ معلوم کون ہیں۔

سپاہی بولا گانٹھیں تو بہت لے گئی تھیں۔ جب مہری نے پیشتر کے واقعے سے اطلاع دی کہ دیوار پر ہاتھ رکھ کے تکیے کی طرف جھانکنے لگیں، اور لہرا لہرا کر گاتی تھیں۔

(موراد ن دن بڑھت سہاگ سیاں نہیں آئے رے)

اس پر اور بھی زور سے قہقہہ پڑا۔

مہری اندر آئی تو اس خاتون ماہ وش نے حکم دیا کہ باہر جو کھانا پکے اس میں ہمارے واسطے گجئی کی روٹی، اور دھلی ہوئی ماش کی دال مصالح دار ضرور پکے، ہاں مٹھا منگوالو اور سالن میں چچینڈے کی ترکاری ہو۔ جتنی خادمائیں وہاں اس وقت موجود تھیں بے اختیار مسکرا دیں۔ کہ پلاؤ، زردے، شیرمال اور باقر خانی کا نام ہی نہیں یاد ہے۔ گجئی کی روٹی اور مٹھے کی ایک ہی کہی۔ ماشاء اللہ۔

ادھر انھوں نے مغلانی کو حکم دیا کہ آڑی بیل کے نینوں کے دو دوپٹے ہمیں کل تک تیار کر دو یہ سب حیران تھیں کہ یا اللہ یہ کون ہیں۔ شکل صورت تو اللہ نے ایسی دی ہے کہ واہ وا، سراپا سانچے میں ڈھلا ہوا۔ مگر حرکتیں ایسی اور گنڈیریوں کی خریداری سے تو یہ اور بھی نظروں سے گر گئیں۔ یہ تو ایسی خفیف حرکت سرزد ہوئی کہ توبہ ہی بھلی۔

اتنے میں پہرے کے سپاہی نے مہری کو آواز دی اور کہا کہ سرکار نے بھیجا ہے کہ جا کے خیر صلاّ (خیر صلاح) پوچھ آؤ۔

مہری نے اوپر جا کے عرض کیا۔ حضور سرکار نے آدمی بھیجا ہے کہا ہے کہ خیر صلاح دریافت کر آؤ۔

بیگم صاحب نے کہا آدمی کو بلالو۔
مہری۔ اے حضور کہاں بلالوں محل خانے میں۔
مغلانی۔ حضور کیا فرماتی ہیں سرکار سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ وہ بھلا یہاں آسکتا ہے
خاتون (خ) اچھا اچھا تو ہم خود آتے ہیں نیچے۔
مہری۔ اوئی یہ ہو کیا گیا ہے حضور۔
خ۔ اس نگوڑے پردے سے تو ہمیشاں (ہمیشہ) سے ہمیں نفرت رہی ہے۔ اچھا کہدو کہ نواب کو بلایا ہے کہا ہے جو نہ آئیں گے تو ہم خفا ہو جائیں گے۔
مہری نے جا کے کہا میاں سرکار سے عرض کر دینا کہ آپ کو اسی وقت بلایا ہے اور کہا ہے کہ ہمارا بہت جی چاہتا ہے کہ آپ کو دیکھیں۔ آنکھیں ترستی ہیں۔ ضرور ضرور آئیے۔
آدمی نے جا کر عرض کیا کہ پیر و مرشد حضور کو یاد کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ میں بہت تڑپتی ہوں جلد آئیے۔
جھٹپٹے وقت نواب صاحب چلے، پیچھے خدمتگار آگے دستی روشن۔ ڈیوڑھی پر پہنچے۔ لوگ کھڑے ہو گئے اور جھک جھک کر آداب عرض کیا۔ اور مودب کھڑے رہے۔ نواب صاحب محل سرا میں تشریف لے گئے اب مہریاں اور مغلانیاں وغیرہ آپس میں کہنے لگیں کہ بیگم صاحب کو ذرا بیٹھنے تک کا سلیقہ نہیں ہے۔
مہری۔ اے بالکل پھوہڑ ہیں۔ ذرا بیگم صاحب کی قطاں (قطع) تو دیکھیے۔ اتنے میں خاتون نے پانی مانگا ایک خادمہ نے پانی دیا۔
مغلانی۔ اب یہ کل تک پانی ہی پیا کریں گی۔
راوی۔ پانی پی کر بیگم صاحب یوں مخاطب ہوئیں۔
خ۔ (ہنسکر) یہ اب تک تم غائب کہاں رہے۔ کیا کہیں اور دل لگا لیا۔
نواب۔ ہم آزماتے تھے کہ تم کو ہماری محبت ہے کہ نہیں۔ واللہ اور کہیں دل لگنے کی ایک ہوئی۔
خ۔ اے سنا اللتوا کی بڑی لے دے ہوئی بیچارے کی، تم نے بھی کچھ سنا کیا خبر

ٹھیک ہے۔

ن ۔ اب تم اس تذکرے کو جانے دو مشہور نہ ہونے پائے۔

خ ۔ اور اس موے کا کیا حشر ہوا۔اس موئے کمبخت قدرا کو خدا غارت کرے۔

ن ۔ خدائی خوار کو لوگوں نے کانپور دوڑا دیا۔

خ ۔ اب تم اس لونڈے کو نوکر رکھ لو للتوا کو۔

ن ۔ (چہرہ سرخ ہو گیا) یہ کیوں للتوا کیا کرے گا۔

خ ۔ (مسکرا کر) ہمارے محلّے کا ہے۔ساتھ کھیلا ہوا ہے چھوکرا۔ جانا بوجھا۔

ن ۔ بھلا تمھارے محلّے والوں پر ہم یہ ظاہر کر سکتے ہیں کہ تم یہاں ہو۔کبھی نہیں۔

خ ۔ اے تو وہ کیا کہتا پھرے گا۔ یہ ہمارا ذمّہ۔

ن ۔ تو اس کے نوکر رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

خ ۔ اچھا ہماری ڈیوڑھی کا دروغہ (داروغہ) کر دو۔اس کو میرے اچھے نواب۔

ن ۔ واہ! ہندو اتنبولی اور داروغہ!

خ ۔ مجاز تو اچھا ہے آپ کا، یہ روز روز غرہ دے جانا کیا معنی اسی لیے لائے تھے۔

نواب ۔ (گلے میں ہاتھ ڈال کے) کیا مجال ہم تو یہاں ہی رہا کریں گے۔غرہ کرنا کیا معنی۔

خ ۔ ہاں! جھوٹے! یہ اِتنے (اتنے) دن تک کیوں غائب رہے جھوٹوں کے بادشاہ۔

ن ۔ بتا ہی دوں مگر دیکھو کسی سے کہنا نہ خبردار۔ دو باتیں یاد رکھو جانی۔ایک یہ کہ کوئی بھولے سے بھی تم کو دیکھنے نہ پائے۔یہ بات پھوٹنے نہ پائے۔دوسرے یہ کہ ان نوکروں میں کسی کو نہ بتانا کہ تم کون ہو، خبردار نہیں وہ نالش مغاجرط دے گا پھر تم کو اسی کے پاس رہنا ہوگا۔اور ہماری عزت میں فرق آئے گا اور فوراً ہم پر جرمانہ ہو جائے گا۔

خ ۔ جرمانہ ہو جائے گا یہ کاہے سے۔ہم کہہ دیں گے اس نگوڑے سے راضی نہیں ہیں۔بس۔

نواب ۔ (مسکرا کر) ارے نہیں تم سمجھتی تو ہو نہیں۔کچھ اور خواہی نخواہی بجتنی ہو۔

خ ۔ اچھا اچھا جو کہو گے کریں گے۔ مگر اتنے (اتنے) دن تک کیوں غائب رہے۔

ن ۔ اب ہم تم سے کاہے کو چھپائیں۔ہم سے لوگوں نے کہا کہ ابھی ذرا الگ رہو۔ دیکھو اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔بس یہ بات ہے اور کچھ نہیں۔

خ۔ اوئی تو اب کیا ایسا مگوڑا ڈر پڑا ہے۔

ل۔ بہت سنبھل کے چلنا چاہیے۔ مجھ سے تو لوگوں نے کہا تھا کہ ایک مہینے تک خاموش رہنا چاہیے (بوسہ لے کر) ہم سے نہ رہا گیا۔ اب آج شب کو یہاں نہیں رہیں گے۔ ابھی ذرا بہت سمجھ کے کام کرنا چاہیے۔

خ۔ کیا! آج شب کو! اب میں جانے بھی دوں گی۔ ذرا مجھ سے نخرے کی نہ لینا (ران کو ران سے دبا کر) واہ اب میں نہ جانے دوں گی۔

نواب۔ ہائے اس وقت کا مزہ عمر بھر نہ بھولوں گا۔ جانی سچ کہتا ہوں تڑپتا تھا۔

راوی۔ اتنے میں وہ شوخ مہ لقا ران ہٹا کر اٹھی اور دوسری چھت پر ہو رہی اور نواب صاحب نے ہنسکر کہا ؎

اے کہ در شوخی ندار ی ہمسری   می نمائی ہر دمے از منظری

اب سنیے! بیگم صاحبہ چھت پر سے نیچے اتریں۔ نواب صاحب پکارتے جاتے ہیں۔ ہم اتنے دن کے بعد ملے ہیں، تم یہ بھاگی کہاں جاتی ہو، یہاں آ کے بیٹھو۔ وہ ڈیوڑھی پر پہنچیں اور خاص ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر پہرے کے سپاہی سے کہا جا کے فالودے والے کو تو بلا لا۔ اس نے کہا سرکار اب شام ہوئی اس وقت نہ ملے گا۔ جھلا کر کہا (تو جا) اس نے کہا سرکار اس وقت کوئی اور آدمی نہیں ہے، اور میں پہرے پر ہوں۔

اتنے میں ایک مہری اور ایک خواص حسب الحکم نواب صاحب ڈیوڑھی میں آن کر کھڑی ہو گئیں۔ جیسے ہی سپاہی نے کہا کہ میں ڈیوڑھی پر پہرا دیتا ہوں۔ خاتون مہ لقا نے کہا۔ (اچھا تو جا۔ ہم پہرہ دیں گے) سپاہی دنگ ہو گیا۔ اور مہری اور خواص نے گو لاکھ ضبط کیا مگر ہنسی آ ہی گئی۔ نہ ضبط ہو سکی۔ اس پر یہ بد دماغ ہو کر کوٹھے پر گئیں اور کہا نواب اس پہرے والے سپاہی کو نکال دو نہیں تو ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔ چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے نواب صاحب نے سبب خفگی دریافت کیا۔ کہا اے کچھ بھی

نہیں۔ موئے سے میں نے کہا ذری فالودے والے کو جا کر بلالا۔ پہلے تو یوں ٹالا کہ اس وقت شام ہو گئی ہے اب نہ ملے گا۔ میں نے کہا تو جا آکا دکا شام کو بھی پھیری دینے نکلتے ہیں، کہنے لگا میں پہرے پر ہوں۔ میں نے کہا اچھا تو جا میں پہرا دوں گی۔

یہ فقرہ سنتے ہی نواب اور مہری اور خواص سب کے سب نے زور سے قہقہہ لگایا اور نواب صاحب نے علیحدہ لے جا کر کہا قمرن تم ہماری ہنسی کراؤ گی۔ ارے غضب خدا کا ہم تو تم کو رئیس زادی اور بہو بیٹی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں اور تم کہتی ہو کہ ہم نے جا کے سپاہی سے کہا کہ پہرا ہم دیں گے تو جا کے گلاب فالودے والے کو بلا لا۔ اے سبحان اللہ۔ اوّل تو یہ شام کے وقت گلاب فالودے کھانے کے کیا معنی۔ یوں ہی خنکی ہوتی ہے اور پھر تمہارا جا کر پہرا دینا۔ ہنسی ضبط کر کے آخر ہو نہ منہارنی۔ وہ چوڑی والی کی بو کہاں جائے۔ قمرن نواب کی اس تقریر پر بہت ہی ٹھنکی۔ کہا اچھا امّی جان کو بلوا دو ذری۔ نواب صاحب تو خود ہی چاہتے تھے کہ ان کی والدہ مکرّمہ آن کے اپنی ہونہار لڑکی کی حرکتیں دیکھیں۔ کہا اچھا منظور۔ ہم جو کہتے ہیں جنیا تمہارے ہی بھلے کے لیے کہتے ہیں۔ اوّل تو ان سب کے روبرو تم خفیف ہوئیں۔ دوسرے اگر کوئی پہچان جائے تو تمہارا میاں ہم پر نالش داغ دے۔ ہم کو مجبور ہو کر تم سے جدا ہونا پڑے۔ ہمارا کچھ نہ بگڑے گا اور تم پھر اس کے پالے پڑ جاؤ گی۔ اب کی وہ اور اس کی ماں تم کو سخت قید میں رکھیں گے۔ اور محلّے والے نام رکھیں گے کہ کیسی خراب عورت ہے۔ یہ کہہ کر نواب صاحب نے حسین علی کو بلوایا اور حکم دیا کہ جا کر نازو اور قمرن کی ماں کو بلا لا۔ مگر سمجھا دینا کہ چوڑی والیاں بن کے دم نا۔ حسین علی نے چپکے سے نواب صاحب کے کان میں کہا۔ سرکار ایک بات غلام عرض نہیں کر سکتا۔ مگر بے عرض کیے رہا بھی نہیں جاتا۔ سنا حضور قمرن بازار میں نکل کے کھڑی ہوتی ہیں اور گنڈیریاں والوں سے گنڈیریاں چکاتی ہیں۔ اس میں تو حضور بدنام ہو جائیں گے۔ نیکی برباد۔ گناہ لازم۔ نواب صاحب نے سر نیچے لٹکا لیا۔ کہا بھئی اس کی صورت ایسی قیامت کی ہے اور وہ حسن پایا ہے کہ میں اس پر واقعی لٹّو ہوں۔ اور اب تم سے کیا کہوں کچھ تو جی چاہتا ہے اور کچھ افسوس ہوتا ہے۔ ابھی ابھی ڈیوڑھی میں جا کر پہرے والے سپاہی کو حکم دیا کہ گلاب فالودے والے کو بلالا۔ تو جا ہم پہرہ دے لیں گے۔ حسین علی منہ پھیر کر مسکرانے لگا اور آداب عرض کر کے رخصت ہوا۔ تھوڑی دیر میں دو ڈولیاں آئیں۔ نواب صاحب نے اور سب عورتوں کو ہٹایا

اور نازو اور ضعیفہ کو علیحدہ لے جاکر کل سرگزشت بیان کی۔ ضعیفہ خاموش سنتی جاتی تھیں اور دانت کٹکٹاتی تھی اور اکثر کہتی جاتی تھی کہ ہائے مجھ بختوں والی کے کرم نہ پھوٹ جاتے تو یہ دن کاہے کو دیکھتی بلاؤ تو قمرن کو۔

قمرن۔ (ق) اے کیا اتی دیر سے کاناپھوسی ہو رہی ہے۔

ضعیفہ۔ (ض) تیرا سر۔ مردار بلّی۔ ادھر تو آ۔

ق۔ امّی جان تم تو بن ناحق کو کوسنے کاٹنے لگتی ہو۔ بڑی کانوں کی کچّی ہو۔ اللہ جانتا ہے۔

ض۔ اور اوپر سے آنکھیں دکھاتی ہے۔ شرماتی نہیں۔

ق۔ شرمائیں کیوں کیا کسی کا باپ مارا ہے، یا مال مارا ہے کسو کا۔ تم بھی آئیں تو ہمیں ڈانٹتی ہوئی۔

ض۔ یہ چھوکری ایک ہی جھاڑ کا کانٹا ہے۔ ادھر آ۔

ق۔ (پاس جاکر) لو آئی۔ جانو کھا ہی تو جائیں گی۔

ض۔ (کان میں کچھ سمجھا کر) بڑے شرم کی بات ہے قمرن۔

ق۔ امّی جان یہ سب جھوٹ ہے۔ یہ اس گھر کی نوکریں بڑی لتری ہیں۔ اِدھر کی اُدھر اور اُدھر کی اِدھر لگائی بجھائی میں استاد ہیں۔

یہ بُری بات ہے بیٹا (نواب صاحب کی طرف پھر کر) منہ پر کچھ بیٹھ پیچھے کچھ، میں اس کو ڈانٹے دیتی ہوں۔ تم ان کو ڈانٹ دو۔ یہ حرکتیں بری ہیں۔

ن۔ میں نے تو اپنی آنکھوں دیکھا مجھ سے خود انھوں نے کہا کہ سپاہی سے ہم نے کہا تھا کہ تو جا ہم پہرا دے لیں گے۔

ق۔ اے تو ہم نے یہ کہا تھا امّی جان کہ پہرے پر مہری کو بٹھا دیں گے۔ اچھا الزام ہے۔

ن۔ یہ لیجیے اور سنیئے پہرے پر کہیں مہریاں بھی بیٹھتی ہیں۔ اور پھر محل میں نہیں ڈیوڑھی پر جو کوئی گورا شرابی گھس آئے تو مہری کیا بنالے گی۔ سوائے چیخ کے بھاگنے کے۔

ق۔ گورا نہیں ایک وہ گھس آئے گا۔ (کھڑی ہو کر اور چمک کر) اچھا ہم کو پہرے پر بٹھا دو۔ دیکھیں تو گورا کیسے گھس آتا ہے۔ مجال ہے مونڈی کاٹے کی۔

ض۔ چل بیٹھ ادھر۔ اِتی بڑی ہوئے آئی سلیقے کی بات نہ سیکھی۔ چلی ہیں گورے سے کشتی

لڑنے۔ بھینس نہ کودے کود۔ کون یہ تماشا دیکھے کون ہنسواتی ہے اپنے تئیں۔

ق ۔ امّی جان سنا نہیں۔ آپ نے کہ ہنستے ہی گھر بستے ہیں۔ (ذرا جھک کر) اور کیا۔

ض ۔ اللہ کرے تم آباد رہو، سلامت رہو، پھلو پھولو۔

ق ۔ یہ چُنی ہوئی چپڑ قناتیاں ان کے ہاں بھری ہیں۔ سب آغور کی بھری۔ من میں دغا بغل میں فریب۔ چھوٹی سے لے کے بڑی تک حقاقہ دقاقہ۔

ضعیفہ نے نواب صاحب، کو علیحدہ لے جاکر کہا بیٹا تم کو طرح دینی چاہیے۔ بن ماں کی لڑکی ہے اس پر ترس کھاؤ میں اس کو سمجھا دوں گی۔ مگر اپنے گھر کی کسی بوڑھی جہاندیدہ عورت کو بلاؤ تو میں اس کو سمجھا دوں۔ نواب صاحب نے مغلانی کو بلوایا اور کہا یہ ہماری خوشدامن ہیں۔ مغلانی زمانہ دیکھے ہوئے تھی۔ بہت جھک کے آداب عرض کیا۔ تو ضعیفہ نے کہا بی مغلانی ہماری بیٹی بڑی نازوں کی پلی ہے۔ اس کو آج تک کسو نے آدھی بات نہیں کہی۔ پچھلے پہرے مچل گئی کہ مونگ کے لڈو کھاؤں گی۔ اسی وقت مونگ کے لڈو حلوائی کو جگا کر بنوائے گئے۔ اور ابھی بچّہ ہے اللہ رکھے عقل تو آتے آتے ہی آئے گی۔ کوئی ماں کے پیٹ سے تو لے کر آتا نہیں ہے۔ اور ہمارے لاڈ کا یہ سب قصور ہے۔ نہ ہم لاڈ کرتے نہ یہ اِتی بے ادب ہوتی۔ مگر میری یہ عادت ہے ہی کمبخت کی ہے۔ میں بچّوں کو گھڑکتی جھڑکتی نہیں ہوں۔ بس بیوی لاڈ کا منہ ٹیڑھا۔

نواب ۔ بی مغلانی گنڈیریوں والا حال تو کہہ چلو۔

مغلانی ۔ اے حضور اب اس کے دُہرانے سے کیا فائدہ اور پھر پوچ بات۔

ض ۔ نہیں نہیں ضرور کہو چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم کو ہمارے نمک کی قسم۔

مغلانی ۔ اے حضور پونڈے کی گنڈیری کا نام سن کے زینے پر سے پھاندی پڑتی تھیں۔

نواب ۔ یہ پھاند کیا خوب۔ ضلع جگت میں آج تمہارا بھی نام ہے۔ جواب نہیں رکھتی ہو۔

مغلانی ۔ (جھک کر آداب عرض کر کے) حضور کی قدر دانی ہے اور حضور زیور سے گوندنی کی طرح بیگم صاحب ماشاء اللہ لدی ہوئیں۔ حق تعالے اور اس سے زیادہ دے۔ دشمنوں کی آنکھوں میں خاک۔ جو ان کی طرف دیکھ نہ سکیں۔ پور پور چھلّے، اور گنڈیریاں چکانے گئیں۔

راوی ۔ نواب صاحب پھڑک اٹھے۔ واللہ اس پور کے لفظ نے کیا مزہ دیا ہے۔ پونڈے کے لیے پور۔

مغلانی۔ (پھر آداب عرض کرکے) یہ حضور ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے کہ دو باتیں کرنا سیکھ گئی۔
ض۔ نہیں بی مغلانی تو بادشاہوں اور بادشاہ زادیوں کی صحبت اٹھائے معلوم ہوتی ہیں۔
مغلانی۔ لونڈی نے تو حضور سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا مگر یہ مہری ایک ہی بس کی گانٹھ ہے۔
نواب۔ اہا ہاہا۔ پونڈے کے لیے گانٹھ۔ اے سبحان اللہ۔
مغلانی۔ یہ جتنی (جتنی) خدمتی عورتیں یہاں ہیں۔ مچھ چھٹ سب چربانک ہیں۔
نواب۔ (کھڑے ہوکر) واہ وا واہ۔ بانک چربانک!!!
راوی۔ گنڈیری والے چاقو سے پونڈا نہیں چھیلتے بانک سے چھیلتے ہیں۔ چربانک کا تلازمہ قابل تعریف ہے۔ جگت لڑنے میں مغلانی جگت استاد ہے۔
نواب۔ تم نے تو اس وقت قلم توڑ دیے واللہ جی خوش ہوگیا۔
قمرن۔ اے امی جان اے امی جان لے اب یہاں آؤ کب تک وہاں بیٹھی رہو گی۔
ض۔ آئی بیٹا آئی۔ ذری دو دو باتیں کرلوں۔
قمرن۔ اتنے دنوں پیچھے تو ملی ہو۔ اور جا کے بیٹھ رہیں ذری یہاں تو آؤ۔
ن۔ آتی ہیں۔ آتی ہیں۔ یاالٰہی یہ گھبراہٹ توبہ توبہ میرے اللہ۔
ق۔ اب تمھارے مارے کوئی اپنے ماں باپوں کو چھوڑ دے۔ یہ نئی زبردستی ہے
مغلانی۔ حضور لونڈی کی طرف سے نشان خاطر رہیے۔
ض۔ اے لو مجھ سے کیا کہتی ہو، بڑی بوڑھی ہو تم۔ مجھے تمھارا بڑا اعتبار ہے۔
نواب۔ اس پر ہم کو بڑا بھروسہ ہے واللہ۔
ض۔ کیوں نہیں کیوں نہیں ضرور ہونا چاہیے۔
مغلانی۔ میری گودوں کے کھلائے ہوئے ہیں۔
ض۔ کیوں نہیں۔ کیوں نہیں بچے ہیں ابھی ماشاء اللہ
مغلانی۔ میں نے بڑے نواب صاحب سرکار کے باپ کو گود میں کھلایا ہے۔
ض۔ کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ گھر ہے تمہارا۔ تم بڑی نیک ہو اور دیرینہ عورت۔

قمرن سے ضعیفہ نے تخلیے میں کہا بیٹا تم سے بڑھ کر پھوہڑ کوئی نہ ہوگا۔ ایسے گھر میں پہنچکر بھی جو تم سے چلنے ڈھب پڑے تو بس حد ہو گئی۔ ہا!!! بڑی شرم کی بات ہے۔ پونڈے

کی گنڈیریاں لینے کے لیے بازار میں نکل جانا اس سے بڑھ کے چھچھورا پن اور کیا ہوگا بچپنے سے محلوں میں جاتی ہے کبھی کسی بیگم یا شریف زادی کو سر بازار نکلتے دیکھا تھا اور تو اتا نہ سوچی کہ اس محل سرا کی تو میں مالک ہوں۔ اور اتی عورتیں میری خدمت کو ہیں اور دروازے پر پہرا اور سپاہی، اور چوبدار رئیسوں کی ڈیوڑھی ہے۔ مجھے یہ زیبا ہے۔ بھلا کہیں باہر نکلوں وہی اپنی اصلیت پر آگئی اور گنڈیری ایسی کونسی نعمت ہے۔ پھر اگر جی چاہتا تھا تو مہری سے کہنا تھا۔ یہ اپنے آپ جانا کیا معنی، تجھے عقل نہ آئے گی۔ ایسی تو نوکھی نہیں مگر دولت دیکھ کر تو اپنے آپ کو بھول گئی۔ ہم سمجھتے تھے کہ بوڑھوں ی وقت قسمت کھل گئی۔ نواب تجھے گھر ڈال لیں گے مگر یہ قسمت کہاں جو ایسی ہی حرکتیں رہیں تو بس رہ گئی کپڑے کے سوا اور کچھ نہ دیں گے۔ بسم اللہ ہی غلط ہوئی تا۔ اور میں نے سمجھا دیا تھا کہ دیکھ قمرن ایسے اونچے گھر میں پہنچکر باری دیکھ بھال کے اور سنبھل کے چلنا۔ مگر قمرن کس کی سنتی ہے لے اب ایک کام کرو۔ نازو کا میاں تو گیا کلکتے اور نازو کی ساس آج کسمنڈی جاتی ہے۔ وہاں سے کوئی مہینے سوا مہینے میں آئے گی۔ تب تک نازو یہاں ہی رہے گی۔ قمرن بڑی خوش ہوئی کہ باجی یہاں ہی رہیں گی۔ ضعیفہ تو ڈولی پر سوار ہو کر چلی گئی مگر نازو کو یہاں ہی چھوڑ گئی کہ قمرن کو ڈانٹتی رہے۔

نواب صاحب نے نازو کو پاس بلا کر بٹھایا اور کہا خدا کے لیے ان کو سمجھاؤ۔ یہ ان کو ہو کیا گیا ہے۔ پہرے والے سے کہتی ہیں کہ تو جا ہم پہرہ دے لیں گے۔ خیر یہاں تک بھی خیریت تھی۔ گھر ہی میں بات رہی۔ گنڈیری والے کے پیچھے پیچھے بازار تک دوڑا جانا یہ سب سے بڑھ گیا مجھے رہ رہ کے خیال آتا ہے کہ بازار والوں نے کیا کہا ہوگا کہ یہ کون ٹہروں گی ہے۔

قمرن نے کہا نواب اب ہم بگڑ جائیں گے بس۔ ایک بات آ گئی گئی ہو گئی۔ تم کو تو رٹ لگ گئی ہے بس۔ اور بازار والوں نے دیکھا تو کیا ہوا۔ ان نگوڑوں کی بہو بیٹیاں نہیں ہیں۔ وہ نگوڑے ٹالتے ہیں۔ ایک بات کے پیچھے پڑ گئے کہہ تو دیا کہ خطا ہوئی۔ تقصیر ہوئی، گناہ ہوا۔ اب ایسا نہ ہوگا۔ اب ہمارا سایہ تک ہم کو نہ دیکھ سکے گا۔ بس اب کیوں بک بک لگاتی ہے حق ناحق کو اور نہیں تو کیا ٹر ٹر ٹر ٹر۔

نواب کو یہ ادا پسند آگئی بس کھب گئی دل میں۔ کہا اے اچھا ذرا ادھر کھسک آؤ۔ اور بڑی گرما گرمی کے ساتھ پیار کیا۔ کہا از برائے خدا ایک مچھی دو اور ایک لو۔

قمرن نے کسی قدر رکاوٹ کے ساتھ کہا بس بس الگ رہیے گا یہ دکھانے کی محبت ہمیں نہیں بھاتی۔ یہ ٹھنڈی گرمیاں رہنے دو۔

نواب صاحب نے اپنے ہاتھ سے ایک گلوری قمرن کو کھلائی اور ایک نازو کو۔ اور رخسارِ تاباں کا بوسہ لے کر کہا خفا نہ ہو جایا کرو۔ ہم تو تم پر جان دیں اور تم ہم سے کشیدہ رہو۔ یہ کیا۔

ق ۔ اور تم باجی کے سامنے چمیاں لیتے ہو۔ ذرا شرم نہیں آتی۔ بڑے وہ ہو۔

نواب۔ شرم کاہے کی۔ نازو کی تو خود چمیاں لیں گے ہم یہ عیب نہیں ہے۔

نازو بڑے مزے میں آئے ایک بہن تو تمھارے سپرد کر دی ہم نے۔

نواب۔ اے تو آدھی جورو تو تم بھی ہو صاحب کہ نہیں یا اس میں انکار ہے۔

ق ۔ تو اس وقت تمھاری اغل بغل میں ڈیڑھ جورو بیٹھی ہے۔

نواب۔ اس میں کیا شک ہے۔ ایک تم اور آدھی یہ (نازو کی طرف اشارہ کر کے) کیوں نازو؟

نازو۔ اجی تم ہم دونوں بہنوں کو گھر ڈال لو بس۔

نواب۔ شرع کی رو سے حرام ہے۔ ہو نہیں سکتا۔ (ذرا) پھر کیا تھا چھیڑی اور دو دو۔

نازو (قہقہہ لگا کر) ہاں ہاں (پہلی ہاں کو بڑھا کر) اور کسی کی بیاہتا جورو کو بھگا کر لانا، یہ تو حلال ہے۔ کیوں بولو اب نہ جواب دو گے۔

نواب۔ (مسکرا کر) اس کا تو کہیں شرع میں ذکر نہیں ہے۔

نازو۔ (گال میں آہستہ سے چٹکی لے کر) ہاں کیا من مانی باتیں ہیں۔ کیوں نہ ہو،

نواب۔ اس وقت چٹکی نے کیا مزہ دیا ہے۔ واللہ جلا لیا۔ قمرن کی تیکھی چتونوں نے تو مار ہی دیا تھا مگر ان کی اس ادائے شیریں نے جلا لیا۔

نازو۔ تو ایک بہن ملک الموت اور دوسری مسیحا۔

نواب۔ نہیں دونوں ملک الموت اور دونوں مسیحا۔

نازو۔ یہ تمھارے یہاں کی عورتیں تو ہم سے جلتی ہوں گی۔

ق۔ اے باجی بڑی دقاقہ ہیں اور ہمیں چاہتی ہیں کہ چٹکیوں میں اڑا دیں۔ بھلا ہم کب ان کی باتوں میں آنے والے تھے۔ ہمیں بنانا کیا دل لگی ہے۔ ہم خود سینکڑوں اور ہزاروں کو بنا ڈالیں۔

نازو۔ نہیں نہیں قمرن تم نے بڑی زیادتیاں کیں یہاں۔ گنڈیری لینے باہر دوڑی گئیں۔ توبہ توبہ!!!۔

ق۔ اب آج سے گنڈیریاں کھانی ہی چھوڑ دیں۔ جاؤ نہ کھائیں گے۔

نواب صاحب کے ساتھ بی نازو اور قمرن نے کھانا کھانے بیٹھیں۔ مہریاں دل ہی دل میں ہنستی تھیں، ان بیچاری منہارنوں کو یہ کیا معلوم تھا کہ امیرزادیوں کے کھانے کا کیا طریقہ ہے۔ جب میٹھا دسترخوان پر آیا تو نواب صاحب نے گھر کی ماما اور خواصوں کی جانب نظر قہر سے دیکھا مگر ان کے خاموش کھڑے رہنے سے اور بشرے کی قطع سے سمجھ گئے کہ بی قمرن کی فرمائش ہو گی۔ بوڑھی مغلانی کہ جہاں دیدہ اور خرانٹ تھی تاڑ گئی کہ نواب صاحب بدماغ ہو گئے تو ان کا دل خوش کرنے کے لیے دور ہی سے کہتی ہے کیا ہے کہ حضور جب میں ٹمیا برج میں تھی تو ایک دن جہاں پناہ[1] ٹہلتے ٹہلتے پری منزل کے قریب جو پہنچے تو ایک سپاہی اس وقت ماش کی دال بگھار رہا تھا۔ اس کی خوشبو سے بادشاہ ایسے خوش ہوئے کہ فوراً حکم دیا کہ دسترخوان پر یہ ہنڈیا بھی چُن دی جائے۔ جب طعام تناول فرمانے لگے اور خاصہ چنا گیا تو حکم ہوا کہ اس سپاہی کو پلاؤ کی یہ قاب دے دو۔ سپاہی اپنے دل میں دعا مانگنے لگا کہ خدا کرے روز جہاں پناہ کی سواری ادھر سے اسی وقت نکلے، جب میں دال بگھار رہا ہوں تو چین ہی چین لکھتا ہے۔ حضور کھانا طبیعت پر ہے۔ اکثر رئیسوں کو ہم نے دیکھا ہے کہ پلاؤ کے ایک دو نوالے کھائے مگر نلی اروریوں پر جان دیتے ہیں۔ سیم کے بیج کھانے کا عشق ہے کھائیے من بھاتا۔ اور پہنئے جگ بھاتا۔ نواب صاحب کو اس سے ڈھارس ہوئی اور نازو بھی سیر ہو گئی۔ کیونکہ قمرن میٹھے ہی کی طرف زیادہ جھکتی تھیں۔ کھانا کھانے کے بعد نواب صاحب اپنے آرام گاہ میں تشریف لے گئے اور نازو دوسرے کمرے میں گئیں۔

ادھر مہریاں وغیرہ نے میدان خالی پا کر قہقہے لگانے شروع کیے۔

مہری۔ وہ تو کہیے گجئی کی روٹی نہیں پکوائی تھی۔

---

[1] جہاں پناہ سے مراد، واجد علی شاہ ہیں۔ اودھ کے آخری بادشاہ۔ جن کو ۱۸۵۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے حکومت سے معزول کر کے ٹمیا برج کلکتہ میں نظر بند کر دیا تھا۔

مغلانی ۔ یہ ساری شرارت اسی کی تھی۔ (ہنسکر)

ماما ۔ میرا کیا قصور ہے اس میں۔ باہر سے جو کھانا پک کے آیا اس میں میٹھا۔ کبھی نہ تھا۔ اب میں چکھنے اور سونگھنے تو بیٹھتی نہیں ہوں جو پک کے آیا چن دیا۔ گھر میں پکا ہو خواہ باہر۔

مہری ۔ نواب صاحب کو بہت ہی بُرا معلوم ہوا۔

مغلانی ۔ مگر سچ کہنا ہم نے کیسی بات ٹالی ہے۔ کیوں۔ نہ کہو گی۔؟

خواص ۔ ہاں اللہ گواہ ہے۔ تو وجہ کیا سرکار کو اب اگر خیال ہے تو یہ خیال ہے کہ ہم لوگ ہنسیں گے۔

مغلانی ۔ بس بس۔ بس تم سمجھ گئیں۔ اب تنہائی میں بیگم صاحب جھاڑو دیں یا چلمیں بھریں۔

مہری ۔ اے آخر ش یہ ہیں کون۔ مگر میں جانتی ہوں شہر بھرے میں تو ایسی عورت دوسری نہ ہو گی۔ کیا شکل پائی ہے۔

مغلانی ۔ جب تو سرکار ریجھے، چاند کا ٹکڑا ہے۔

مہری ۔ نفی کتنی اچھی ہے۔ نواب بدھن صاحب نے جو وہ عورت گھر میں ڈال لی تھی نام لو۔ یہی بڈھن صاحب۔ نو بستے والے سرا کے پاس جن کی ڈیوڑھی ہے۔ یا ان کی ہنسی دیکھی، یا اس کی۔ مگر وہ بھی مگر یہ بات کہاں۔ یہ چیز ہی اور ہے۔ اتنی گوری چٹی نہیں ہیں۔ ہے خبصورت (خوبصورت)

مغلانی ۔ اور کتنا چلبلا پن ہے کہ اف وہ نچلی تو بیٹھتی ہی نہیں ایک جگہ۔ اور اسی کا نام معشوق پنا ہے بس۔

خواص ۔ گات کتنی پیاری ہے۔ کلائیاں کتنی گوری گوری ہیں۔ ہم نے تو اتنی عمر میں ایسی عورت نہیں دیکھی۔

مغلانی ۔ ہم نے بھی نہیں دیکھی۔ دیکھو ہم جھوٹ کیوں بولیں۔

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اس خلفشار میں اُدھر آغا محمد اطہر اور رونق اور چھٹن صاحب نے باہم صلاح کی کہ نواب عسکری کا حال دریافت کرنا چاہیے۔ داروغہ اور ممن کو بلا کر سمجھایا کہ دیکھو زمانہ بیڈھب ہے اگر اس کے میاں نے نالش کر دیا تو غضب ہو جائے گا۔ ٹھنڈی کر کے کھانا اچھا ہوتا ہے۔ محمد عسکری کو سمجھا دو کہ ہاتھ پاؤں بچائے رہیں ہم دوست ہیں ان کے۔ حق دوستی کا ادا کر دیا۔ آئندہ ان کو اختیار ہے۔ ان کو لازم تھا کہ بالکل الگ رہتے۔

آخر سوچو تو کہ وہ اس کا نتیجہ کیا سمجھے ہیں۔ اور ہم سے پردہ۔ غضب خدا کا۔ ارے انہیں کیا نہیں معلوم ہے۔ آوارگی بہتوں کی دیکھی، مگر یہ آوارگی بھی نرالی آوارگی ہے۔ ان کو خوب سمجھا دو کہ ظالم اس میں بدنامی کے سوا ہتک عزت بھی ہے۔

ممّن اور داروغہ چپ چاپ سنتے گئے اور دونوں اپنے اپنے دل میں سوچتے تھے کہ کوئی تدبیر ایسی ہو کہ یہ دونوں صاحب یہاں نہ آنے پائیں۔ اگر یہ آئے تو ہماری دال ان کے سامنے نہ گلنے پائے گی اور ہمارا رنگ پھیکا پڑ جائے گا۔ آغا محمد اطہر نے کہا کہ بھئی رونق جنگ تم تو ابھی ابھی آئے ہو، ہم اور چھٹّن صاحب گھنٹوں سے یہاں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ مگر ہم دونوں سے زیادہ تم کو فکر ہونی چاہیے۔ واللہ نواب ہاتھ سے جاتا ہے اس کی فکر کیجیے۔

حضرات ناظرین! چھٹّن صاحب اور آغا محمد اطہر اور رونق جنگ گو سب آوارہ مزاج تھے۔ مگر محمد عسکری ان سب کے گرو گھنٹال نکلے۔ مہراج بلی نے جوان لوگوں کی تقریر سنی تو جھلّا اٹھے۔ کہا خدا جانے تم لوگ کیوں اس قدر نواب کے خلاف ہو۔ وہ رئیس کیا جو مردہ دل ہو۔ ریاست کے معنی ہی یہ ہیں کہ کھائیے اچھا۔ پہنیے اچھا۔ معشوق اچھے اچھے ہوں۔ اگر گھر میں گھس کے دال چپاتی کھالی تو رئیس کیا، ہمارے نزدیک سائیس ہے۔ رئیس وہ جو دل چلا ہو۔

ع کس کی رہی ہے اور رہے گی کس کی۔

آغا محمد اطہر ان پر بہت ہی جھلائے۔ آپ تو اپنی فصد کھلوائیے۔ آپ کو ہو گیا ہے خبط۔ آپ پاگل ہیں۔ ریاست کے یہی معنی ہیں کہ دو دو دن گھر سے غائب رہے۔ واہ اچھی ریاست ہے۔ ایسے رئیس کی ایسی تیسی، ہم تین حرف بھیجتے ہیں ایسے رئیس پر۔

رونق۔ تم ان سے الجھتے کیوں ہو آغا صاحب۔

آغا ۔ ان کے پاگل پنے کی گفتگو سنی آپ نے۔

رونق۔ جی خوب سنی یہ تو لاعلاج ہیں بھائی۔

چھٹّن ۔ لاعلاج کیا معنی۔ مسخ ہو گئے ہیں۔

مہراج ۔ جب دل آتا ہے بھائی صاحب تو پھر قابو نہیں چلتا۔ آپ لوگ کیا جانیں ؎

لیے جاتا ہے دل کوئے بتاں میں مری تقدیر میں ہے اے خدا کیا

آغا۔ آپ کی تقدیر میں نازو کی جوتیاں کھانا ہے۔

اس پر تینوں آدمی ہنس پڑے اور تینوں نے مہراج بلی کو بنانا شروع کیا۔ اس زمانے کے جعفر زٹلی میاں مہراج بلی ہیں۔ جعفر زٹلی نہیں بھئی یہ اپنے وقت کے مجنوں ہیں۔ ناز و پر عاشق ہوئے ہیں اور وہ ان کو بھوتی مونگ کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔

مہراج بلی نے کہا سنیے،

در دلم عشق زلیلی کافی ست　　　خواہش وصل زنا انصافی ست

آغا۔ جی۔ خواہش وصل زنا انصافی ست۔ اگر بوڑھے نہ ہوتے تو یہ شعر نہ پڑھتے۔ مگر۔ ع

از شاخ کہنہ میوۂ نورس غنیمت ست

داروغہ نے کہ فہمیدہ اور شایستہ آدمی تھا آغا محمد اطہر کی بڑی تعریف کی۔ حضور آپ نواب صاحب کے بڑے دوست ہیں۔ واللہ اور جتنے آتے ہیں سب مخرب ہیں۔ ایک آپ اور دو صاحب یہ ان کے دوست ہیں، باقی یاران نامی ہیں۔

روٹی کے ٹکڑے کے لیے خوشامد کرتے ہیں۔ مگر حضور پوتڑوں کے رئیس ہیں، ناز و نعم پروردہ۔ آپ کا کیا کہنا۔ نواب صاحب نے بیشک بُرا کیا۔ کوئی اس طرح کھل کھیلتا ہے بھلا۔ کچھ تو بدنامی نیک نامی کا پاس چاہیے۔ اب سارے شہر میں بدنام ہوں گے۔ ایسا فعل کیا۔ پھر یہ کوئی اچھی بات ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔ مگر ہم لوگوں کے سمجھانے سے سمجھ سکتے ہیں بھلا۔

یہ گفتگو ہوتی ہی تھی کہ ایک رونا آیا۔ اور سلام کر کے داروغہ کو ایک رقعہ دیا۔ داروغہ نے پڑھا اور پڑھ کر چھٹن صاحب کو دے دیا۔ رقعے کا مطلب یہ تھا۔

داروغہ صاحب۔ دو بینڈھے کانپور سے بکنے آئے ہیں۔ گھوڑے کے سوداگر کے پاس ہیں جو آغا میر کی سرائے میں ٹکا ہے۔ اس سے دونوں بینڈھے خرید لو۔ یہ بڑے نامی بینڈھے ہیں۔ جو دام مانگے دے دو۔ عسکری۔

چھٹن۔ (رونق جنگ سے) خوش ہوئے آپ۔

رونق۔ (رقعہ لے کر) ایں!۔ اب یہ شوق چرایا ہے۔ بھئی جو سوجھتی ہے انوکھی۔

آغا۔ کیا۔ کیا شوق چرایا ہے ہم کو تو بتاؤ۔

چھٹن۔ جی بینڈھے لڑانے کا شوق ہے۔

آغا۔ ایں!۔ نہیں نہیں۔ سچی سچی بتاؤ بھئی۔

چھٹن۔ یہ رقعہ پڑھ لونا۔ موجود ہی ہے۔

آغا۔ (پڑھ کر) اب ان سے کہیے کہ انڈے لڑائیں۔

چھٹن۔ جی یہ سب کچھ کریں گے۔ نمبر بڑھ گیا ان کا۔ یہ سب سے بڑھ گئے بھائی۔

آغا۔ بینڈھے لڑانے کی کیا دور کی سوجھی ہے۔ داروغہ صاحب قلم دوات کاغذ منگواؤ۔

راوی۔ آغا محمد اطہر نے نواب صاحب کے نام خط لکھا۔

اے نامعقول تیری ایسی تیسی کروں۔ مردک تجھے خبط ہو گیا ہے، جنون ہو گیا ہے۔ دو دن سے آپ غائب کہاں ہیں۔ بڑے پاجی ہو، اور اب آپ جوتے کھائیں گے۔ ان لوگوں نے تم کو بالکل خراب کر دیا ہے۔ افسوس ہے، واللہ افسوس کا مقام ہے۔ مگر یہ وہی مثل ہے کہ بارہ برس کے کو قید کیا اور اٹھارہ برس کے کو قید کیا۔ تم کو سمجھائے کون۔ ارے کمبخت تجھ کو یہ کیا ہوا۔ ہم لوگوں سے صلاح تو لے لیا کر بھائی یار یاد رکھو پچھتاؤ گے اور اگر ایسی ہی آوارگی رہی تو بچہ خراب ہو جاؤ گے۔ اور ہو جاؤ گے کیا معنی اب تم ہمارے ہاتھ سے گئے۔

بُرا کہے جسے عالم اسے بُرا سمجھو   زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

مہراج بلی کا سا گول آدمی، اگر ایسا ہو جیسے تم اب ہو گئے ہو تو مقام حیرت نہیں۔ مگر تم کو ایسا نہ ہونا چاہیے۔ یہ بڑے عیب کی بات ہے بھائی۔ ارے تم میں کچھ بھی انسانیت باقی ہے تو ہم سے ملو، اور قسم لے لو کہ تمھارے منھ پر ان امور کا تذکرہ بھی نہ کریں گے۔ کیونکہ بھائی ناصح کو لوگ اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ایسے پردے آنکھوں پر پڑ جاتے ہیں کہ دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست سمجھنے لگتا ہے انسان۔ ہے ہے واللہ ستم کا سامنا ہے۔

اب اگر آج تم ہم سے نہ ملو گے تو واللہ ہم لوگ تمھاری صورت پھر نہ دیکھیں گے۔ بس اس کو یاد رکھنا۔ اب تم کو اختیار ہے بھائی۔ ارے ہم تیرے بھلے کے لیے کہتے ہیں۔ اور تو ہم سے دور دور رہتا ہے۔ اب یہ تو بتاؤ کہ بی قمرن کہاں ہیں۔ یار صورت تو دکھا دے ظالم ہم تو ترس گئے واللہ۔ ہائے قمرن۔ وائے قمرن۔ بھائی کہو تمھارے قدموں پر ٹوپی رکھوں۔ ایک دفعہ تو صورت دکھا دے۔ واللہ تم کو نصیحت کرتے کرتے خود ہی مبتلائے مرض ہو گئے۔

تو بھی اے ناصح کسی پر جان دے   ہاتھ لا اُستاد کیوں کیسی کہی

یہ داغ کا شعر ہے مگر میرے حسب حال، بڑے ناصح بنے تھے۔ مجھے قمرن اس وقت یاد آئی،

صرف دور دور کی بات چیت چاہتا ہوں اور بس۔ دل قابو میں نہیں ہے ؎

سنبھلتا ہی نہیں، دل کو ہوا کیا   خدا جانے کہ ہے یہ ماجرا کیا
نئے آزار کا ہے سامنا روز   مریضِ عشق کو ہوگی شفا کیا

راقم محمد اطہر عفی عنہٗ

رونق۔ ہم کو بھی خط سنا دو کیا لکھا ہے بھئی۔؟

آغا۔ آپ کوئی قاضی ہیں، جو جی چاہا وہ لکھا۔

رونق۔ (خط چھین کر) اب کہو، اچھا نہ سناؤ۔

آغا۔ بھئی چھینا جھپٹی اچھی نہیں۔ دیکھو استاد۔

رونق۔ (خط پڑھ کر) ہاں!!! یہ کہیے۔ ؏

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔

چھلّن۔ یار ہم بھی دیکھیں۔ یہ خوب گزرے گی کیا معنی۔ کیا آغا بھی لٹّو ہوئے کسی پر۔

رونق۔ (خط دے کر) پڑھیے تو اسے۔ یہ نئے بگڑے۔

چھلّن۔ بہت ہی خاصے۔ اچھے ناصح ملے یک نہ شد دو شد۔

داروغہ۔ حضور یہ خط بھیجیے گا کس طرح۔ پتا تو ہے ہی نہیں۔

رونق۔ (جھلّا کر) میاں بوڑھے ہونے کو آئے اور جھوٹ بولنا نہیں چھوڑتے۔ کشمیری ہو نہ آخر۔

داروغہ۔ حضور جو چاہیں کہہ لیں مگر کشمیری ہونا بھی اگر کوئی عیب ہے تو مجبوری ہے۔ خدا گواہ ہے جو مجھ کو یہ معلوم ہو کہ اس وقت نواب صاحب کہاں ہیں۔

رونق۔ پھر کشمیری پیچ چلا۔ اس وقت کی ایک ہی کہی۔

داروغہ۔ حضور تو نہ ہاری مانتے ہیں نہ جیتی۔

رونق۔ ارے کاشو۔ میں خوب سمجھتا ہوں ؏

برائے پختن شلجم گریختہ کاشو

یا یوں کہیے کہ ؏

کاشو برائے پختن شلجم گریختہ

داروغہ۔ حضور شلجم تو نعمت ہے۔ واللہ۔ ع

شلجم پختہ ہو کہ نقرہ خام

شلجم تو وہ ترکاری ہے کہ گوشت کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہے شبدیگ سے بڑھ کر اور کیا ہے۔

داروغہ۔ بھئی واللہ شبدیگی تو ہم نے ایک دفعہ کھائی تھی۔ باریک استعمال چاولوں کے ساتھ، ہمارے ایک دوست ہیں عبدالستار کشمیری ہیں اور نینی تال میں رہتے ہیں۔ پہاڑ کی چوٹی پر جلسہ تھا۔ میں کیا کہوں۔ حضور ہم لوگوں سے بڑھ کر شبدیگی نہیں پک سکتی۔ کوئی پکا تو دے۔

چھٹن۔ یہ تو صحیح ہے بھئی کشمیری ہوتے خوش خور ہیں۔

داروغہ۔ خوش خور۔ جو غذا کشمیری کھاتے ہیں۔ وہ آپ کہاں سے لا سکتے ہیں۔ دنبہ کہاں پائیے زعفران یہاں کہاں۔ بکری کے گوشت میں وہ لطف کہاں جو دنبے کے گوشت میں ہوتا ہے۔

یہ خط آغا محمد اطہر نے داروغہ کو دیا، اور کہا کہ بھئی کشمیری پنے کی تو ہم سے لو نہیں۔ داروغہ ہنسا۔ حضور تو ہر بات میں کشمیری پنے کی ہی بھبتیاں کہتے ہیں۔ عالمگیر تمام عمر اسی فکر اور تلاش میں رہا کہ اچھا آدمی اس کو ملے لائق آدمی مگر نہ ملا۔ اگر کسی قوم کو مانتا تھا تو کشمیریوں کو۔ آدم خوب بدست نمی آید کشمیری، دریں صوبہ ہست کہ مانظر میکنم۔ حضور ہیں کس گھمنڈ میں، کشمیر کا سا ملک روئے زمین پر نہیں ہے۔ طغرائے کشمیری نے جو تعریف کی ہے از سرتا پا صحیح ہے حافظ کہہ گیا ہے۔ ع

سیہ چشمان کشمیری و ترکانِ سمرقندی

حسن، آب و ہوا، فضا، سبزہ زار، چشمہ سار، مروّت، اخلاق کشمیریوں پر ختم ہے۔ کیسے کیسے خوش رو جوان ہوتے ہیں۔ دیدہ رو کہ واہ وا۔ آپ کشمیریوں کے خلاف کیوں ہیں اس قدر۔

آغا نے کہا میں دل لگی کرتا تھا ورنہ اکثر کشمیری میرے دوست ہیں، اور دلی دوست۔ یار تم لوگ گھمنڈ کی تو ضرور لیتے ہو۔ داروغہ نے کہا اجی ہم دنیا بھر سے بدتر سہی، اک دو ہزار ہندوستانی جعل کی علّت میں کالے پانی بھیج دیے گئے۔ کسی کشمیری کا تو نام بتائیے اور یوں

زبردستی کی اور بات ہے۔

اتنے میں داروغہ کو ایک شخص نے رقعہ دیا، اور انھوں نے مسکرا کر نواب رونق جنگ کو وہ رقعہ دے دیا۔

رقعہ۔ بھائی صاحب آپ لوگ تو ہو گئے ہیں پاگل۔ اس وجیہہ (وجہ) سے کی (کہ) آپ لوگ سمجھتے ہیں گے کہ عسکری قمرن پر لٹّو ہے۔ قمرن تو للتوا تنبولی کے ساتھ بھاگ گئی اور آپ لوگوں کو یعقین (یقین) ہی نہیں آتا۔ پھر لے اس کو کوئی کیا کرے۔ بھئی اگر قمرن کا پتہ لگے تو ہم کو ضرور اطلاع دینا۔ ہم اُس کے جمال کے مشتاق ہیں۔ کس غضب کی چال ہے۔ کبک دری کی کیا مجال ہے کہ اس کا مقابلہ کرسکے۔ دل لگی ہے۔ سارے لکھنؤ کی ناک ہے۔

کہیے بی نازو اور مہاراج بلی ہیں میل ہوا یا نہیں۔ واقعہ بڑا خوش نصیب آدمی ہے۔ بھئی میرا حال کیا پوچھتے ہو۔ ؎

وہ پری سا تھ لے کے سوتا ہوں　　حور جس کا پلنگ کستی ہے

میں نے چلّہ کھینچا ہے۔ چالیس دن کے بعد ملون گا۔ آغا صاحب اور مہراج بلی اور ان کی والدۂ مکرمہ، بی نازو اور رونق جنگ اور سب کو سلام۔ محمد عسکری عفی عنہو (عنہ)

رونق۔ اس کو بھی لکھنا کبھی نہ آئے گا۔ واللہ۔ عفی عنہ کو نون اور واو سے لکھتے ہیں۔

چھٹّن۔ دیکھوں۔ لاحول ولا قوۃ۔ پاگل ہی رہا۔

آغا۔ اور رونق جنگ ہی کے نام خط اور انھیں کو سلام۔

رونق۔ جی ہاں اس سے کیا بحث ہے یقین کو یعقین لکھتے ہیں۔ عین سے۔

آغا۔ لاحول ولا قوۃ۔ بد املا بھی ہو تو اس قدر۔ واللہ۔

چھٹّن۔ (قہقہہ لگا کر) اور کاف بیانیہ یعنی (کہ) کو آپ کی لکھتے ہیں۔

آغا۔ اور شاعری کا دعویٰ۔ داغؔ اور میرؔ کو اصلاح دیتے ہیں، جو ذوقؔ اور اسیرؔ کے سرمایۂ ناز ہیں۔

رونق۔ تو اب اس سے ثابت ہو گیا کہ کہیں قریب ہی چھپے ہوئے ہیں۔ یار تلاش کرنی چاہیے۔ میاں مہراج بلی آپ بھی واللہ کہیں گے کہ میں بھی آدمی ہوں۔ میونسپل کے کمشنر بنے ہیں۔ ایسے ایسے کمشنر بہت دیکھے ہیں۔ ذرا پتا نہیں لگا سکتے کہ نواب

صاحب کہاں ہیں۔

مہراج۔ یہ کون بڑی بات ہے۔ ابھی ابھی لو۔

آغا۔ آپ کا رعب نہیں ہے کچھ۔ واللہ ذرا رعب نہیں۔

مہراج۔ کون۔ چالان کرا دوں آپ کا۔؟

آغا۔ جی چالان کرا دوں گا۔ بس دوستوں ہی پر شیر ہیں۔ بی نارو سے ایک نہ چلی۔

برف کے کوزے جو شب انشا کو بھیجے یار نے

اس کے یہ معنی کہ لو نقشہ تمہارا جم گیا

ایک روز سرِ شام معشوقۂ گلبدن، بی قمرن، صاحب نام محل سرائے پر ی منزل پر اٹھلا رہی تھیں۔ اور بی مغلانی کو بتاتی جاتی تھیں کہ دیکھو ہم کو ڈھیلی آستینوں کی کرتی سے نفرت ہے۔ پھنسی آستینوں کی کرتی سیؤ اور لچکے اور گوٹے اور بنت اور پٹھے سے لدھڑ نہ کر دیا کرو۔ سادگی عجب شے ہے مغلانی۔ مغلانی ہاں میں ہاں ملاتی جاتی تھی۔ اے حضور جو لطف سادگی میں ہے وہ اس لدھڑ پنے میں بھلا کہاں ہو سکتا ہے۔ توبہ کیجیے۔ جوبن سادگی ہی میں ہے۔ حضور لونڈی سات پیڑھیوں سے یہ کام کرتی ہے اور ایسی ویسی کبھی بھولے سے بھی نوکری نہیں کی۔ جب کی اونچے گھر ہیں۔ ع

خاک از تودۂ کلاں بردار

اپنی سوکھی چپاتی نمک کے ساتھ کھا کے سو رہنا اچھا ہے اور نیچ قوم کی بات سننا نہیں اچھا۔ آبرو عزت کے ساتھ جَو کی روٹی مل جائے۔ للو اور جگدھر جائیں اپنی ایسی تیسی میں۔

قمرن کی بڑی خواہش تھی کہ ان کی دوگانا ان کے ہاں آئیں اور ان کے ٹھاٹھ دیکھیں۔ مگر نازو چونکہ ان سے سن میں زیادہ تھیں۔ سمجھاتی جاتی تھیں کہ دیکھو

قمرن ایسی کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا کہ یہ گھر چھوڑ کر پھر وہی چوڑی والی۔ موچی کی موچی بن جاؤ۔ انھوں نے نازو کی چوری سے مغلانی سے کہا۔ بی مغلانی ایک بات کہیں کسو سے کہو گی تو نہیں۔ ہماری دُوگانا کو ذری بلا لاؤ۔ یا بلوا لو۔ ہم نے انھوں دوہریا بادام توڑ کر ایک انھوں نے ایک ہم نے کھایا ہے۔ ان کے دیکھنے کو ہمارا بہت جی چاہتا ہے۔ اس اجڑے پردے کو خدا غارت کرے، پردہ کیا قید خانہ ہے۔ کہیں جاؤ نہیں۔ کہیں آؤ نہیں۔ واہ قیدی بنے رہو۔ جیسے اچھے خاصے بندھوے ہوتے ہیں۔ ان کے بے دیکھے جی نڈھال رہتا ہے۔ باجی آج گھر جائیں گی۔ یہاں میدان خالی ہو گا۔ تم ڈولی پڑ چڑھ کے چل جانا۔ ہم پتا بتا دیں گے۔

مغلانی۔ اے حضور دم مارنے کی تو مہلت نہیں ملتی۔

قمرن۔ اچھا جاؤ ہم نے چھٹی دے دی۔ بس۔

مغلانی۔ حضور تو سلی سلائی کو ادھیڑ ڈالتی ہیں۔

قمرن۔ اور جو ہمارے بدن پر ٹھیک نہ ہو تو کیا کریں۔

مغلانی۔ کیسے ٹھیک نہ ہو حضور۔ مجال ہے ٹھیک نہ ہو۔

قمرن۔ اوئی تو اچھا اس میں کیا تکرار ہے ادھیڑ ڈالا ادھیڑ ڈالا جی کی خوشی ہمارے تمھارا کیا حرج ہے۔

مغلانی : کس محلے میں رہتی ہیں وہ حضور کی دوگانا۔

قمرن : ایلچ خاں کے میدان میں۔ اے ایلچ خان کون ہیں۔

مغلانی : حضور بادشاہی میں رسالدار تھے بڑی نمود کے آدمی۔

قمرن : لکھنؤ کے بعض بعض محلّے بھی اجڑے نئے نام کے ہیں۔ گاما کا پُل۔ سرکٹا نالہ۔ ایلچ خاں کا میدان۔ گھنٹا بیگ کی گڑھیا۔ دوگوّان۔ اٹکی محلّہ۔ دھنیہ مہری کا پل۔ نوبستہ۔

مغلانی : سرکار دھنیا مہری نے بڑے لطف بڑے چلین کیے ہیں۔ بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخل تھا اور اب تلک اس کا نام مشہور ہے۔ اور راجہ مہرا۔ مہرا کو بادشاہ نے خطاب دیا تھا۔ قسمت ہے اپنی۔ بہت سے مر گئے۔ کوئی جانتا بھی نہیں کہ کون تھے کون نہ تھے دھنیا مہری کا نام تب تلک رہے گا جب تلک لکھنؤ

باقی رہے گا۔

قمرن : اس شہر کا نام لکھنؤ ہے یا نکھلؤ۔

مغلانی : (ہنس کر) لکھنؤ حضور، نکھلؤ گنوار کہتے ہیں۔

قمرن : اللہ کرے باجی جلدی جائیں کہیں تو دوگانا کو بلوائیں ہم اور جشن رہے۔ آج کھانا اچھا پکوانا ابھی سے حکم دے دو کہ جس میں پک کر تیار رہے۔

کوئی پانچ کے عمل میں نازو ڈولی پر سوار ہو کر اپنے میکے گئی تو قمرن نے دوسری ڈولی منگوا کر بی مغلانی کو اپنی دُگانا کے ہاں بھیجا اور کہا ساتھ ہی سوار کرا لاؤ اینچ خان کے میدان میں اس کی دُکان ہے۔ دُکان کے لفظ پر مغلانی کو حیرت ہوئی۔ پوچھا کا ہے کی دُکان ہے۔ کہا کبڑن کی۔ مغلانی مسکرائی۔ حضور کبڑن اور حضور کی دوگانا۔ یہاں اگر میں اس کو لاؤں گی تو سب حضور کو ہنسیں گے۔ ایک کام کیجیے میں اُس کو بلوائے دیتی ہوں۔ مگر اس کے کان میں کہہ دیجیے گا کہ سب کے سامنے برابری کا دعوا نہ کرے سمجھیں حضور۔ یہ کہہ کر مغلانی نے محل کی ایک عورت کو جس پر اس کو بڑا اعتبار تھا بلوایا اور کہا کہ تم اینچ خاں کے میدان میں جا کے کلّو کبڑن کا مکان پوچھو۔ مکان پر نہ ہوگی تو دکان پر ہوگی۔ تو کہنا کہ آپ کی دُگانا نے بلایا ہے۔ ڈولی پر سوار کرا لاؤ۔ مگر یہاں کسی سے ذکر نہ کرنا خبردار

تھوڑی دیر کے بعد ڈولی آئی تو قمرن نے مہریوں وغیرہ کو اندر کام کو بھیج دیا، اور خواصوں کو نیچے بیٹھنے کا حکم دیا۔ کلّو کبڑن آئی۔ تو دنگ۔ عالی شان مکان۔ کمرے آراستہ۔ خدمت کے لیے خواصیں پیش خدمتیں۔ کام کاج کے لیے مہریاں۔ اور قمرن فوق ابھڑک کپڑے پہنے ہوئے کھڑی ہیں۔ اور زیور سر سے پاؤں تک اس کو دیکھتے ہی قمرن لپٹ گئی۔

قمرن : دُگانا آنکھیں ڈھونڈھتی تھیں تم کو۔

دُگانا : بہن تمھارے بھاگنے کا ہلّڑ مچا ہوا ہے۔

قمرن : اچھا بتاؤ ہم نے اچھا کیا یا بُرا کیا۔

دگانا : خوب کیا۔ بُرا وہ جو بُرا کہے۔

قمرن : وہاں اچھے تھے یا یہاں۔

دگانا : توبہ کرو بہن وہاں کی لاکھ کی چڑیاں۔

قمرن : اور یہاں اچھے سے اچھا کھانا۔ اچھے سے اچھا گہنا۔ اچھے سے اچھا کپڑا۔ خدمت کے لیے آدمی۔

دگانا : بڑی خوش نصیب ہو بہن۔ اچھے گھر آئیں۔

قمرن : اور نواب ہم پر جان دیتا ہے۔ دُگانا۔

دگانا : تمھاری صورت ہی ایسی ہے بہن۔ تم بادشاہوں وزیروں کے محل کے قابل ہی تھیں۔ چوڑی والے موئے کا یہ منھ کہاں۔

قمرن : روز ہمارے ہاتھ جوڑتا ہے اور غلام بنا ہوا ہے۔

دگانا : لوٹو لوٹو۔ دونوں ہاتھوں سے لوٹو جانے نہ پائے۔

قمرن : لوٹوں کیا سب میرا ہی مال ہے۔ یا کسی اور کا۔

دگانا : ہاں ہاں۔ تمھارا تو ہے ہی۔ مزے کرو بس۔

قمرن : میں تڑپتی تھی تمھارے دیکھنے کو دُگانا۔

دگانا : جب ہم نے خبر پائی کہ قمرن بھاگ گئیں تو بڑا رنج ہوا یہاں تو خبر تھی کہ للتوا تنبولی بھگا لے گیا مجھے افسوس ہوتا تھا کہ یہ کیا سوجھی۔ مگر اب کلیجے میں ٹھنڈک پڑی کہ اچھے گھر آئی ہو۔ یہ چین کہاں نصیب ہو سکتے ہیں۔ کیا تمھاری ماں کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ یہاں ہو۔

قمرن : اے ابھی تو باجی گئی ہیں یہاں سے۔

دگانا : شہر بھر میں ہُلڑ ہو گیا کہ قمرن چوڑی والی کو للتوا تنبولی بھگا لے گیا۔ اور اس کا میاں کا نپور گیا ہے یہ خبر کیوں کر مشہور ہوئی۔

قمرن : اے جتے (جتنے) منھ آتی (آتنی) باتیں۔

اتنے میں ایک ملائی کی برف والے نے آواز دی۔ اور قمرن نے فوراً مہری کو دوڑایا کہ جا کے ملائی کی برف والے کو بلا لے۔ وہ دو کٹوروں میں دو قفلیاں لائی اور کہا حضور یہ قفلے برف والا ہے۔ شہر بھر میں اس کی برف کی دھوم ہے۔ بیگم صاحب نے برف کھائی اور اپنی دگانا کو کھلائی اُس نے کہا بہن تم اس کو جانتی نہیں ہو۔ میں خوب جانتی ہوں۔ اگر اس کی صورت دیکھ لو تو غش آجائے۔ قمرن کو اس برف والے کو دیکھنے کا اشتیاق ہوا۔ پوچھا کیا للتوا سے اچھا ہے اس نے کہا للتوا کی کیا

اصل وحقیقت ہے اس کے سامنے۔ چیتے کی سی کمر اور ہرن کی سی آنکھیں ہیں کیا کہوں بہن اب تم سے تو کوئی پردہ نہیں ہے میں اسی کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ قمرن نے کہا آغاہ وہ جو ان دنوں میں مشہور ہوا تھا تو یہی ہے کیا بہت خوبصورت ہے۔ ان کی دُگانا نے اُس برف والے کی اس قدر تعریف کی کہ قمرن اس کے دیکھنے کے لیے تڑپنے لگی۔ کہا بہن ہم کیوں کر دیکھیں اس نے صلاح دی کہ تم ایک ایسی عورت نوکر رکھو جو راز داں ہو۔ اس وقت جو اتنی عورتیں بھری ہیں۔ ان میں سے ایک کو راز داں کر لو۔ قمرن نے ایک جوان سی مہری کو اشارے سے بلایا۔ اور ملا حدہ لے گئی اور وعدہ کیا کہ اگر تم کسی ترکیب سے اس برف والے کو یہاں بلا دو تو ہم تم کو بہت کچھ انعام دیں گے۔ وہ بولی بیگم صاحب یہاں آنا دشوار ہے سب پر بات کھل جائے گی۔ ایک کام کیجیے پچھواڑے کے دروازے کی طرف اس کو بلائے لیتی ہوں۔ ادھر تکیہ ہے اور گلی ہے۔ راستہ بھی نہیں چلتا۔ کوئی کانوں کان باخبر بھی نہ ہوگا۔ قمرن نے بڑی خوشی سے یہ بات منظور کرلی۔ مہری نے برف والے کو قفلیوں کے دام دے دیئے۔ اور رخصت کیا۔ اور خود بھی کسی بہانے سے بازار گئی۔ تھوڑی ہی دور گیا ہوگا کہ مہری نے اشارہ کیا۔ برف والا رک گیا۔

مہری : تمھارا کیا نام ہے میاں گھبرو۔

برف والا : ہمارا نام قفلے ہے۔ کیوں۔

مہری : یوں ہی پوچھا۔ چلو ہم تمھاری برف بکوا دیں۔ تمھارا کہار مارے بوجھ کے مرا جاتا ہے۔

برف والا : واہ اس سے کیا بہتر ہے بڑا احسان کروگی۔

مہری : مگر ایک شریط (شرط) کریں گے ہم۔ ایک گنڈا روپیہ ہمارا ابھی ہوگا۔

برف والا : دیں گے۔ اگر زیادہ بکوا دو تو مفت میں برف کھلواؤں۔

مہری : ارے ہم تو وہ لوگ ہیں کہ تم یوں مفت کھلاؤ فقط خالی خولی باتوں یا توں میں۔

برف والا : (مسکرا کر) اس میں کیا فرق ہے ایک تو نک ٹمک سے درست دوسرے جوان۔ پھٹی پڑتی ہے جوانی۔

مہری : ایں! بڑے مزے میں آ گئے۔ ہم جوان ہیں تو واہ بڑھیا۔ اپنے میاں کے لیے تم کون ہو۔

برف والا : دور دور سے جوبن لوٹنے والے ہم بھی ہیں۔

مہری : ایسے مفت خورے، جوبن لُوٹنے والے، بہت سے مارے مارے پھرتے ہیں۔

مہری نے پچھواڑے کے دروازے کے پاس ملائی کی برف والے کو روکا۔ اور کہا ٹھہر جا میں آتی ہوں۔ محل سرا میں جاکر دیکھا تو مغلانی اور دو مہریاں نیچے باورچی خانے کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی ہیں۔ اور خواصوں کو قمرن نے حکم کچھ دیا ہے۔ وہ اس کے بجالانے میں مصروف ہیں۔ چھپ کو کوٹھے پر گئی اور قمرن کو دوسرے زینے سے اس دروازے کی جانب لے گئی۔ اور کہا آپ بے کھٹکے رہیں۔ ادھر کوئی نہ آئے گا۔ پچھواڑے کا دروازہ کھولا اس دروازے میں لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ شمع لائی اور کہا اب آپ برف والے سے باتیں کیجیے۔

قمرن نے جو برف والے کو دیکھا تو للتوا کو بھی بھول گئی۔ کوئی سترہ برس کا سن۔ سبزہ آغاز۔ گھونگھر والے بال۔ اور گال سرخ و سفید۔ دیکھتے ہی عاشق ہو گئی۔ اور اُدھر فیضلے کی یہ کیفیت کہ اُس مہ پارہ کا حُسن گلوسوز دیکھ کر دنگ کہ یا الٰہی یہ انسان ہے یا پری۔ اس کو شک کی جگہ یقین تھا کہ میں یہ سب باتیں خواب میں دیکھ رہا ہوں۔ ورنہ ایسی پری چہرہ امیر زادی اور اس طرح بے حجاب میرے سامنے آکھڑی ہو۔

قمرن : ارے برف والے تیرے پاس شربت کی برف بھی ہے۔

برف والا : ہاں سرکار ہے نکالوں۔

قمرن : اچھا دو قلفیاں نکال۔ مگر شربت کی ہوں۔

برف والا : حضور ہمارے پاس کلپھی (قلفی) نہیں کلپھے ہیں۔

قمرن : قلفی قلفے کیسے۔ دل لگی کرتا ہے۔ موئے شامتیں آئی ہیں تیری۔

مہری : نہیں حضور دل لگی نہیں کرتا۔ دل لگی کیا کرے گا۔ مجال ہے اس کی۔ یہ سچ کہتا ہے۔ قلفی چھوٹی ہوتی ہے۔ اور قلفا بڑا ہوتا ہے۔

برف والا : حضور یہ دیکھیے۔ یہ ٹکے کی کلپھی ہے۔ اور یہ اس سے بہت بڑی ہے۔ یہ دو آنے کا کلپھا ہے۔

قمرن : اسی میں سے دیدے ایک الگ ایک الگ۔

برف والا : میرے تو ہوش اُڑ گئے حضور نے ڈانٹ بتائی میں نے کہا امیروں کی

ڈیوڑھی ہے۔ کہیں پٹ نہ جاؤں۔ اور سب لینے کے دینے پڑیں۔

قمرن : ارے برف والے تیری مونچھیں نہیں نکلیں ابھی تک۔

برف والا : حضور ابھی کہاں سے نکلیں کچھ کچھ نکل چلی ہیں۔

قمرن : اور تیری شادی ہو گئی ہے جورو کہاں ہے۔؟

برف والا : حضور کئی لڑکیاں مجھے پیار کرتی ہیں مگر مجھے کوئی جنچتی نہیں۔

راوی : واہ میاں برف والے کیوں نہ ہو۔ سرے سے رنگت جماتی شروع کی بی قمرن کی گفتگو سے سمجھ گیا کہ رنگین طبیعت ہیں۔ لہٰذا خود بھی اسی ڈھرے پر چلنے لگا۔

قمرن : کئی لڑکیاں پیار کرتی ہیں تجھ کو گھر کی ٹیکی اور باسی ساگ۔

برف والا : اب حضور میں حضور سے بجتا تو ہوں نہیں۔ رہا۔ میری صورت کا ایک جوان تو دکھا دیجیے شہر بھر میں۔

قمرن : اے دُر موے۔ نگوڑا۔ کلمہا۔

برف والا : حضور۔ ابھی اِس چھ مہینے کے اندر دو عورتیں میرے ساتھ بھاگ چکی ہیں۔

قمرن : بھاگی ہوں گی۔ ہوں گی کوئی موئی کھڑ گنجیاں۔

برف والا : دُر گنجیاں۔ کھڑ گنجیاں نہیں۔ وہ قبول صورت کہ آدمی کی بھوک پیاس بند ہو جائے۔

قمرن : (قریب آن کر) ذری ادھر سامنے آ۔

برف والا : (قریب جا کر) اللہ کرے حضور بھی آسک (عاشق) ہو جائیں۔ اے میرے یا اللہ میری سُن لے۔

قمرن : (سلاخوں میں سے ہاتھ نکال کر اور برف والے کے گال پر آہستہ سے تھپڑ لگا کر) موتاڑی کا ٹا۔

برف والا : ایک اور۔ اور بھی جانی مار ڈالو۔

قمرن : ایں! اب تو یہاں سے کچھ لے کے جائے گا۔

برف والا : بہت کچھ لے کے جاؤں گا۔ اور اللہ نے چاہا تو تمھیں کو لے کے جاؤں گا۔

قمرن : منھ دھوا گرھیا میں۔ بھلا۔ اس کو بھی پہچانتا ہے۔

برف والا : (غور سے دیکھ کر) کون ارے کلّو۔ یہ کٹرن یہاں کہاں۔

کلّو : اللہ تجھے گارت کرے۔ اللہ کرے میرا صبر پڑے۔

قمرن : نہ بہن۔ کیوں کسی کو کوستی ہو۔ کوسا نہ کرو۔

کلّو : جیسا اس نے مجھے کھراب کیا ویسا ہی یہ بھی کھراب ہو۔

قمرن : (اپنے دل میں) اللہ نہ کرے۔ تراب ہوں اس کے دشمن۔ اس کے بُرا چاہنے والے۔

کلّو : اللہ کرے اس پر بجلی گر پڑے۔ جل بھُن کے کھاک ہو جائے

قمرن : (کلّو کے منھ پر ہاتھ رکھ کر) کیوں کوستی ہو بہن۔

کلّو : جو میں جانتی کہ اس کی برف ہے تو ہرگز ہرگز نہ چھوتی۔

قمرن : (ہنس کر) چلو اچھا ہوا دھوکے میں کھائی۔

برف والا : پاجی اور بھلے مانس میں بس یہی فرق ہے۔

کلّو : پاجی تو تیری سات پیڑھی۔ اب کچھ سنے گا تو۔

قمرن : اے کاہے کو لڑی پڑتی ہو بن ناحق۔

مہری : اور جو کہیں گھر کی ان عورتوں کو خبر ہو گئی تو بس کیا کرایا سب برباد ہو جائے گا۔

مہری نے کہ چالاک عورت تھی کہا اچھا اب ادھر آئیے۔ یہ کہہ کر کلّو کا ہاتھ پکڑا اور کہا کیا ان کو یہاں سے نکلواؤگی۔ اگر اس برف والے نے تمھیں جُل دیا تو تم اس کی صورت نہ دیکھو۔ باتیں کرتی ہوئی اس کو کوٹھے پر لے گئی۔ بوڑھی مغلانی نے کہا سرکار کہاں ہیں۔ کلّو نے کہا کہ کمرے میں دروازے اندر سے بند کر کے وظیفہ پڑھ رہی ہیں۔

اب ادھر کا حال سنیے۔ مہری اور کلّو کا جانا تھا کہ قمرن نے سلاخوں میں سے ہاتھ نکال کر اور برف والے کو اپنی طرف گھسیٹا اور گال ملنے شروع کیے۔ لونڈے نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ بھی شیر ہو گیا۔ اب قمرن کی بے قراری کا یہ حال تھا کہ لوہے کی سلاخوں کو توڑے ڈالتی تھی اور اگر قابو ہوتا اور بس چلتا تو توڑ ہی ڈالتی۔ کہا اللہ رے تو چاہے مجھ سے آٹا پسوا مگر کسی ترکیب سے مجھے لے چل۔ اب تیرے بغیر میری زندگی تلخ ہو جائے گی۔ دگانا نے بیٹھے بٹھائے میری جان کس عذاب میں مبتلا کر دی۔ مجھے کہیں

کا نہیں رکھا۔ برف والے کے گالوں پر ہاتھ پھیر کر کہا اب تو ایک کام کر لونڈے، چاہے ہم ہوں چاہے نہ ہوں۔ تو ایک پھیرا روز کر جایا کر۔ اور بس اسی جگہ پر چپکے کھڑا رہا کر تو ہم کسی بہانے سے آجایا کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ روز روز کا آنا تو مشکل ہے کیوں کہ اور بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو مجھ پر جان دیتی ہیں، باری باری آیا کروں گا ٹکیا باری۔ اے تو کیا اتنی عورتیں تجھ پر فریفتہ ہیں کہ تو باری باری آئے گا۔ اوئی اللہ سب کو تو نے چٹیل کر دیا ہے۔ تو سلامت رہ مری جان۔ مگر ایک دفعہ ہر روز پھیرا کر جایا کر۔"

اس لونڈے نے کئی بار دست اندازی کی اور اپنے دل میں سوچا کہ آج قسمت کھل گئی۔ سونے کی چڑیا ہاتھ آئی۔ خوب گلچھڑے اڑاؤں گا۔ اس چھوکری کا دل اس قدر آیا ہوا ہے کہ یہ میرے ساتھ نکل آئے گی۔ اور اس کا سارا زیور رہتے چڑھے گا چین لکھتا ہے۔ قمرن نے کچھ سوچ کر کہا اچھا ایک بات سن (گالوں پر ہاتھ پھیر کر) ہم نے تیرے دو روپے روز مقرر کر دیے جس روز آئے گا۔ اس روز دو روپے پائے گا۔ ہائے میں اس وقت اس موئے جنگلے کو کیوں کر ہٹاؤں۔ اب کل اس کی تدبیر کروں گی۔ نواب سے کہوں گی کہ لوہے کی سلاخیں بدقطع معلوم ہوتی ہیں ان کی جگہ پر دروازہ ہی دروازہ رہے تو بہتر ہوگا۔ میری بات کو وہ ٹال سکیں گے نہیں بس اپنا مطلب نکل آئے گا بے خطر۔

مہری : سرکار بس اب چلیے۔ نہیں بات پھوٹے گی۔

قمرن : مہری میں تو چھوکرے پر جان دیتی ہوں

مہری : (مسکرا کر) کس کام کا ہے موا۔

برف والا : ہاں! اور ابھی تو کہہ رہی تھی کہ ہم کو برف مفت کھلایا کر تو یہ بیہودہ ہو۔

مہری : اٹھ! اٹھ۔ آئے بڑے وہ بن کے۔

قمرن : ہٹ دھرمی نہ کر مہری ہٹ دھرمی اچھی نہیں ہوتی ایمان سے کہو۔ ایسی صورت کا کوئی لونڈا اور بھی لکھنؤ میں ہے۔ عورت کا حسن بھی گرد ہے اس کے سامنے۔

مہری : حضور تو اس کا دماغ اور آسمان پر چڑھائے دیتی ہیں۔

قمرن : ارے میری تو جان اس پر سے صدقے ہو جائے تو کون مردار دریغ کرے۔

مہری : اے حضور یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔
قمرن : اللہ جانتا ہے جان تک تو حاضر ہے۔
برف والا : مہری لو ایک کلپھا تم کو بھی کھلائے دیتا ہوں۔
مہری : نا صاحب ہم قفلا وقلا نہیں کھاتے۔ آپ اپنا قفلا اپنی ہنڈیا میں رہنے دیں۔
قمرن : وہ تو بچارہ (بے چارہ) نیکی کرتا ہے۔ اور مہری بدی سمجھتی ہے کیا ہرج کیا ہے۔
مہری : اے حضور ہم اس موئے کا کیوں احسان لینے لگے۔ ہم کو تواہش ہوگی تو آپ سے نہ مانگ لیں گے۔

برف والے کو قمرن نے زبردستی رخصت کیا کہا کہ ایسا تو نہ ہو کوئی دیکھ لے۔ اب تو کل آنا جب وہ لونڈا چلا گیا تو باہر جا کے مہری سے کہا ہم نے ایسی صورت دیکھی ہی نہیں تھی۔

بی قمرن جان

نواب عسکری صاحب کے یار دوست احباب آشنا، رفقا، ملاقاتی محلے والے صبح سے اپنے اپنے معمول کے وقت آنے لگے۔ مگر جو آتا ہے یہی سنتا ہے کہ نواب صاحب تو سوار ہو گئے۔ ارے بھئی کہاں گئے ہیں۔ صاحب ہم کو یہ نہیں معلوم۔ سب سے پہلے داروغہ نے پہرے کے سپاہی سے پوچھا شیر محمد خان۔ سرکار برآمد ہوئے۔ اس نے کہا حضور سوار ہو گئے، سوار ہو گئے!۔ یہ آج خلاف معمول سوار ہو جانا کیسا۔

"اب لے یہ تو انھیں سے پوچھیے ہم پیادے ہیں کیا جانیں۔ اے ہاں" اس وقت تو وہ کبھی سوار ہوتے ہی نہیں۔ وہ آج کچھ دل میں آگئی۔ رئیس آدمی تو ہیں ہی یہ

ان کے بعد میاں ممتن آئے۔ داروغہ صاحب بندگی۔ داروغہ صاحب نے کہا بندگی (دبن کو بڑھا کر) آج تو یار کتاؤ ہے تم پر۔ ہم پر روز ہی کتاؤ رہتا ہے جوان آدمی ہیں کہ نہیں کیا کچھ تمھارے سے بوڑھے ہیں۔ کہو سرکار کہاں ہیں۔ سرکار تو سنتا ہوں سوار ہو گئے ہیں "کیا! سوار ہو گئے ابھی نہیں ہنستے ہو۔ بھلا اس وقت اور وہ سوار ہوں۔ استغفر اللہ۔ کوئی اودھ کی بادشاہت بھی دے تو بے چانڈو پیئے ہوئے وہ گھر سے باہر نہ نکلیں گے۔ آپ دل لگی کرتے ہیں۔ کہاں ہیں کہاں۔ بتاؤ میاں۔

"جناب امیر[1] کی قسم سپاہی کہتا ہے سوار ہو گئے۔" ممن نے سپاہی سے پوچھا۔ شیر خاں سرکار کہاں ہیں۔" جی وہ تو ابھی ابھی سوار ہو گئے" ہاں کس سواری پر گئے بھئی، کہا حضور عربی پر گئے ہیں۔ داروغہ کو یقین نہیں آیا۔ انھوں نے جا کے اصطبل میں دیکھا تو واقعی عربی نہیں تھا۔ سائیسوں سے دریافت کیا۔ ارے اس عربی پر سوار ہو کر کس وقت گئے تھے کہا حضور وہ تو کال سے ناہیں ہیں۔ تب تو داروغہ بھی چکرائے کہا بھئی کچھ دال میں کالا کالا ہے۔ ممن نے کہا ہو گا آتے ہوں گے۔

تھوڑی دیر میں میاں اختر آن موجود ہوے۔ کیوں کیوں بھئی یہاں کیوں جماؤ ہے "سرکار کہیں سوار ہو گئے" اختر ہنسا۔ ہاں ضرور سوار ہو گئے ہوں گے۔ آپ نے کہا اور ہمیں یقین آیا۔ مجھ سے اُڑتے ہو۔ بکائے گئے ہو تم دونوں۔ آج جب ہی۔ میں بھی کہوں یا اللہ یہ ماجرا کیا ہے۔ داروغہ نے اختر کو یقین دلایا۔ کہ نواب صاحب کا واقعی کہیں پتا نہیں ہے جو ہاں کہاں چل دیے۔ آج سویرے سویرے" اس میں یار کچھ بجوگ ہے ضرور۔ دیکھو ہم کھوج لگائیں گے۔ ارے میں بڑا کھوجی ہوں جتنا نیچے ہوں اتنا ہی اوپر ہوں۔ یہ کسی پھیر میں ہیں۔ میاں ہاں خوب یاد آیا ممن سنو تو وہ جن دو چھوکریوں کو تم کہتے تھے وہ دراصل صحیح بلت ہے۔ یا دل لگی بازی تھی" دل لگی بازی کیسی۔ آپ واہی ہیں" وہ صورتیں ہیں۔ کہ بھوک پیاس بند ہو جائے آدمی کی۔ جی۔ دل لگی نہیں ہے قبلہ۔ اتنے میں دس بج گئے۔ گیارہ بج گئے بارہ بج گئے۔ بارہ بجے منشی مہاراج بلی کاتی دار اکّے پر آئے۔ کانکھتے ہوئے اترے۔ داروغہ اور ممن آداب بجالائے۔ کیا کرتے ہیں آپ کے نواب صاحب شغل کر چکے یا ابھی چھینٹے ہی اُڑ رہے ہیں۔

ممن : حضور وہ تو سوار ہو گئے۔

مہراج : سوار ہو گئے۔ وہ مہین آدمی اور یہ کڑاکے کی دھوپ۔ بتاؤ تو آخر کیا ہو رہا ہے۔

ممن : اے حضور اللہ جانتا ہے نہیں ہیں۔

---

[1] جناب امیر سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ لکھنؤ کے شیعہ عموماً اس نام کی قسم کھاتے ہیں۔

داروغہ: آپ چل کے خود دیکھ لیں نا۔

ع ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

مہراج جی کو بڑی مایوسی ہوئی۔ لاحول ولا قوۃ۔ اچھا پھر کوٹھی کھلواؤ۔ دو گھڑی گپ شپ ہی سہی اب تو اس دھوپ میں واپس نہ جایا جائے گا۔

داروغہ نے خدمتگار کو حکم دیا کہ کوٹھی کھول دو۔ سب صاحب وہاں جا کے بیٹھے تو ممّن نے پوچھا، بھئی کچھ کھانے والے کی بھی فکر ہے، یا سرکار جو سوار ہو گئے تو اب سب بھوکے ہی پڑے رہیں گے داروغہ نے اسی وقت کھانا نکلوایا۔ ممّن اور اختر اور داروغہ نے مزے سے چکھا۔ جب کھانا بڑھایا گیا تو اب دور کی سوجھی، اور باہم زٹل قافیہ اُڑانے لگے۔

داروغہ: بھئی یہ کیا سبب ہے کہ جو آج دیر کر دی سرکار نے۔

ممّن: ہم جانتے ہیں کسی دوست کے ہاں کھانا کھا لیا۔

داروغہ: ہاں ہے کچھ ایسا ہی۔ ورنہ بڑی دیر ہو گئی۔

مہراج: نہیں نہیں ہم سے نہ اُڑو۔ اتنا ہم بھی سمجھتے ہیں۔

اختر: بے وجہ نہیں ہے کوئی سبب ضرور ہے۔

داروغہ: حسین علی ارے میاں سرکار کہاں ہیں۔

حسین علی۔ اللہ جانے ہم تو حلوان خریدنے گئے تھے۔

اختر۔ پھر کس سے پوچھیں آخر نہ تم جانو نہ یہ جانیں پھر کس سے دریافت کریں۔

مہراج۔ ایک کام کرو جی کسی سائیس کو بلاؤ مگر تمیز دار ہو بدتمیز نہ ہو کہ دریافت کچھ کریں جواب کچھ ملے۔

سائیس۔ سلام ہجور۔ ہاں گریب پرور کا ہے طلبی بھئی۔

مہراج۔ ارے نواب صاحب کہاں ہیں کب سوار ہو گئے۔

سائیس۔ اسوار تو ناہیں بھئے مدا حکم آوا کہ عربی گھوڑا اور دو سائیس پٹھے دیو۔

مہراج۔ تو کہاں پٹھے دیو۔ کوئی ٹھکانا ہے۔

سائیس ۔ ئو حال ناہیں معلوم ہے صاحب ۔
مہراج ۔ ہے بڈھا مسخرہ ۔ مسخرہ ہے تم
سائیس ۔ ارے ہجور میں تو یہ بولی کا جانوں بھلا ۔
مہراج ۔ اچھا اور سائیس کو بلا لاؤ اس سے ہم دریافت کریں گے ۔
سائیس ۔ (سلام کر کے چپ چاپ کھڑا رہا ۔)
مہراج ۔ ارے اب ران سواری کے گھوڑے ہیں ۔
سائیس ۔ کا ہجور ناہیں جانت ہیں ۔
مہراج ۔ نواب صاحب کے ساتھ کون گھوڑا گیا ہے ۔
سائیس ۔ ہجور عربی کل سام سے گیا ہے ۔ مدا سرکار سوار ناہیں بھئے تھے منگوائے کے تون کہیں بندھوائے دہن را ہے ۔
مہراج ۔ بس لو کھل گیا نا ۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ کل جو شام سے غائب ہو گئے اور ہم لوگوں کو جھانسا دیا کہ طبیعت کسلمند ہے تو طبیعت کا بہانہ ہی بہانہ تھا کل شب کو کہیں پہنچے ضرور ہیں یا شاید آغا محمد اطہر اور رونق جنگ کی سانٹھ گانٹھ میں کہیں الگ ہی الگ جشن ہوئے ہوں ۔ ہے کچھ ضرور ۔
ممن ۔ نہیں حضور گھوڑا منگوایا ہے تو سمجھ جائیے کہ کہیں لمبے گئے ۔ دُور کا سفر کیا ہے ۔
داروغہ ۔ ہاں ورنہ گھوڑا کیوں خواہ مخواہ منگواتے ۔
اختر ۔ تو بھئی ہم لوگوں سے چھپانے اور اخفا کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔ ہم نہی خواہ ہیں بدخواہ نہیں ہیں ۔
داروغہ ۔ پاگل ہو ۔ رئیس ہیں یا آپ کے باپ کے نوکر یہ تنکتے کیا ہو ۔
ممن ۔ ارے میاں ہاں ۔ کہیں گئے تم کون ہو ۔
اختر ۔ اچھا صاحب بہتر ہے اب نہ بولیں گے ہم ۔
مہراج ۔ اچھا جی اس جھگڑے کو اب طے رکھو ۔ کچھ اشعار سناؤ

دو گھڑی غم غلط ہو۔

اختر۔ بہت دن ہوئے کہ ہم سے اور ہمارے ایک دوست سے جو نواب گنج میں رہتے تھے۔ ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا تو ایک روز ان کا خط آیا جس میں صرف یہ شعر تھا۔ ؎

خدا کی شان ہم تم ایک ہی بستی میں بستے ہیں
ستم یہ ہے کہ صورت دیکھنے کو بھی ترستے ہیں

خیر میں نے اس کا جواب لکھ کر بھیج دیا۔ دوسرے روز میں ان کے ہاں گیا تو ایک معشوق کے ساتھ بیٹھے شراب پی رہے تھے جب ذرا نشہ تیز ہوا تو بوسے کے طالب ہوئے مگر اس نے مجھ کو اجنبی اور غیر آدمی سمجھ کر ہاتھ سے تھپکی دی اور ذرا الگ ہو بیٹھا تو میرے شفیق نے ایک مصرع پڑھا۔ ع

سوال وصل پر ہر مرتبہ کیوں آپ ہنستے ہیں

میں نے برجستہ جواب عرض کیا۔ ع

مثل مشہور ہے دنیا میں گھر ہنستے ہی بستے ہیں

ممتن : سبحان اللہ دونوں مصرعوں کو ملا کر پڑھیے ؎

سوال وصل پر ہر مرتبہ کیوں آپ ہنستے ہیں
مثل مشہور ہے دنیا میں گھر ہنستے ہی بستے ہیں

داروغہ : کیا پوری مثال ایک مصرع میں آتی ہیں۔

ممتن : کیا اچھا کلام ہے۔ واللہ کیا شستہ ہے۔

اختر : اب شعر شاعری کا چرچا نہیں ہے۔

ممتن : یاد ہے جب وہ مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ دھڑتے کے اللہ اللہ کیسے کیسے اساتذہ جمع ہوا کرتے تھے۔

داروغہ : وہ بات اب کہاں۔ قمر اس کا ہے اور گھر اس کا ہے۔ طرح ہو ئی تھی۔ اس پر ایک کم سن سے آدمی نے کیا خوب کہا تھا۔ ؎

سینہ اس کا ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے
تیر مژگاں نے بدھر رُخ کیا گھر اس کا ہے

روح کو فرحت حاصل ہوئی واللہ۔

ممتن : اس میں کیا کلام ہے خداوند۔ استاد تھے۔

اختر : اب وہ لوگ پیدا ہو سکتے ہیں بھلا۔ خواجہ حیدر علی آتش اور شیخ ناسخ اور منشی مظفر علی اسیر اور امیر وزیر علی صبا اور خواجہ وزیر اور دوست علی خاں خلیل اور مرزا عباس سلیم اور نواب رند اور نسیم لکھنوی اور میر کلو عرش ہائے وہ زمانہ جب یاد آتا ہے کہ شاعری کا فن کس زوروں پر تھا۔ تو رونا آتا ہے۔ اب تو واللہ ایسے پوچ گو بڑھتے جاتے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ اختر کے قافیے کے ساتھ ماہر اور ظاہر اور طائر لاتے ہیں۔ اب اس اندھیر کو ملاحظہ فرمائیے اور ابھی کیا ہے اس سے بدتر زمانہ آنے والا ہے کہ جب ہم سب بمبئی کلکتہ حیدر آباد کی بولی بولنے لگیں گے۔

کلکتے والے جب زباندانی کی لیتے ہیں تو واللہ غصہ آتا ہے۔ پوچھیے آپ بنگالی آدمی اُردو سے آپ کو کیا سروکار۔

ممتن : بھلا جان صاحب کے بھی کچھ اشعار یاد ہیں۔

اختر : جی ہاں۔ مگر صاحب وہ بھی اپنے فن کا ایک تھا۔

ممتن : ان کی دو سوتین تو اب بھی ہیں۔ ہدایت اور عصمت۔

اختر : جی ہاں مجھ سے ملاقات ہے اچھے ہیں۔

ممتن : حضور اور جان صاحب کی وضع بڑی مہذب و ضع تھی اور مقطع۔ مگر شعر پڑھنے کے لیے تیار ہوئے اور بس پھر کیا تھا۔

اختر : وہ جس مشاعرے میں پڑھتے تھے اس میں مہذب لوگوں اور شاعروں کو ان کا پڑھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ مگر واللہ جس مشاعرے میں گیا پالا اسی کے ہاتھ رہا۔ اور شعر اچھلاتے تھے۔ کہ ہم تو خون جگر کھا کے غزل کہا لاتے ہیں۔ اور اہل مشاعرہ اسی کے منتظر رہتے ہیں کہ جان صاحب کی غزل سنیں جو قہقہہ اُن کے کلام پر پڑتا ہے۔ وہ ہم لوگوں کی غزل سن کر کہاں۔

اتنے میں پانچ بج گئے۔ ایں! ارے یار پانچ بج گئے۔ مہراج بلی نے گھڑی دیکھ کر کہا ہمارے یہاں دو منٹ زیادہ آتے ہیں۔ وہ ایک ہی بات ہے۔ باتوں

میں معلوم نہ ہوا۔ اور شام ہو گئی۔ مہراج بلی گھر جانے ہی کو تھے کہ نواب چھٹن صاحب اور آغا محمد اطہر صاحب ایک فٹن پر تشریف لائے۔ ہیلو مہراج بلی۔ ول مہراج بلی تم اچھا ہے" اجی اچھا ہاں بُرا عرض کیا جائے گا۔ یہ فرمایئے کہ نواب محمد عسکری کو کہاں گم کر دیا۔ یار دتم لوگ جو چاہو سو کرو کل سے ان کا پتہ نہیں ہے" کل سے! اجی نہیں دل لگی کرتے ہو۔ کل تو شام تک بیٹھے تھے۔ طبیعت ذرا کسلمند تھی۔ دربار جلد برخاست ہو گیا" تو بندہ آپ صاحبان سے عرض کرتا ہے۔ بخدا ان کا کل سے پتا ہی نہیں ہے" بھلا ممن کا پتا ہے یا اس کا بھی پتا نہیں" وہ بھی غائب ہے۔ ممن نے آداب عرض کیا سرکار غلام تو حاضر ہے "اور نواب صاحب" ان کا حال غلام کو کیا معلوم" کہیں اس چھوکری پر تو نہیں لٹو ہوتے جس کی تعریف کے آپ نے پل باندھ دیئے تھے۔ ہے یہی کچھ پھیر استاد۔ واللہ میں نہ مانوں گا" خداوند جیسی چاہیے قسم لے لیجئے جو غلام کو ذرا بھی معلوم ہو کہ نواب صاحب کہاں ہیں۔ میں خود صبح سے ڈھونڈ رہا ہوں کہ کہاں ہیں"

آغا محمد اطہر نے غور کرکے یہ بات پیدا کی کہ یار یہ للتوا تنبولی والا فقرہ محض افترا ہی ہے اور (کان میں) قمرن ہے نواب صاحب ہی کے پھیر میں۔ مگر واللہ اس کدرا کو اچھا دوڑادیا اور سنا للتوا کی اس نے مرمت بھی خوب کر دی ہے۔ ممن مسکرا کر خاموش ہو رہا سرکار میں جیسا حضور کا تابعدار ویسا نواب صاحب کا۔ محمد اطہر اور چھٹن صاحب گاڑی پر سے اتر پڑے اور ممن کو ہاتھ پکڑ کر باغ کی طرف لے گئے" اب سچ سچ بتاؤ۔ یہ تو کھل ہی گیا کہ قمرن باغ سے سیدھی نواب صاحب کے ہاں داخل ہوئیں مگر اپنے مکان میں نہیں لے گئے۔ نواب صاحب نے کسی اور مکان یا کوٹھی میں اتارا ہے۔ ممن نے قہقہہ لگایا حضور میں اور مجھ میں فرق یہی ہے کہ حضور نواب صاحب کے دوست ہیں اور فدوی ملازم جب حضور ہی کو اطلاع نہ کی تو میں کس کھیت کی مولی ہوں ہاں داروغہ صاحب سے دریافت کیجئے یہ تو داروغہ صاحب ہیں ان سے بڑھ کر اور کون نفس ناطقہ ہے۔

داروغہ ۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ حضور کل کس وقت تشریف لے گئے ۔
آغا ۔ ارے یار تم دونوں کی ملی بھگت ہے ۔
داروغہ ۔ ملی بھگت ! حضور سے جھوٹ بولتا ۔
آغا ۔ اچھا خیر نہ بتاؤ کچھ پروا نہیں ہے ۔ ہم بھی آج سے یہاں آنے والے کو کچھ کہتے ہیں بس ۔
داروغہ ۔ تو خداوند ہم لوگ کیا کریں جو بات معلوم ہی نہیں اس کو کیوں کر بتائیں ۔
آغا محمد اطہر اور رونق جنگ سوار ہی ہونے کو تھے کہ ایک شخص لہراتا ہوا گاتا جاتا تھا ۔ ؎

بے ادب پا منہ اینجا کہ عجب درگاہ است
سجدہ گاہِ ملک وروضۂ شہنشاہ است

رونق جنگ نے کہا بھئی ذرا اس کو بلانا کیا خوش گلو آدمی ہے وہ بیٹھ کے گانے لگا ۔ ؎

تا بعرش از دریں روضۂ عالی راہ است
عرش قندیل در وحلقۂ بابش ماہ است
پرورش ہر ملک از سجدۂ ترقی خواہ است
مرقد و محرم مشہد والا جاہ است
بے ادب پامنہ اینجا کہ عجب درگاہ است
سجدہ گاہ ملک وروضۂ شہنشاہ است

رونق ۔ واللہ کیا مصرعے لگاتے ہیں اور کس دبدبے کے شعر ہیں ۔ اے سبحان اللہ ۔
چھٹن ۔ بھئی یہ تو لکھ لینے کے قابل ہیں ۔ داروغہ ۔
داروغہ ۔ حضور مجھے یاد ہے میں لکھے دیتا ہوں ۔
قوال ۔ خداوند آگے چل کے اس سے اچھا کہا ہے کہتے ہیں ۔ ؎

موسیٰؑ اینجا بعصا آمد و دربانی کرد — جبرئیل از پر خود مروحہ جنبانی کرد
چشمِ یعقوب ازیں مقبـرہ نورانی کرد — ایزد از آیۂ تطہیر ثنا خوانی کرد
بے ادب پا منہ اینجا کہ عجب درگاہ است
سجدہ گاہِ ملک وروضۂ شہنشاہ است

آغا ۔ ایزداز آیۂ تطہیر ثنا خوانی کرد ۔
رونق ۔ جبرئیل از پرِ خود مروحہ جنبانی کرد ۔

داروغہ ۔اب اس سے بڑھ کر دبدبہ اور کیا ہوگا ۔موسیٰ عصالیکرآئے اور دربانی کی جبرئیل نے پروں کو مورچھل بنا دیا ۔یعقوب کی آنکھیں اس مقبرے کے نور سے منوّر ہوگئیں ۔خدا نے آیۂ تطہیر اس کی شان میں نازل کی ۔یہ مرزا دبیر صاحب کا خمسہ ہے خوب فرمایا ہے ۔

رونق : اے سبحان اللہ پھر کیوں نہ اس قدر بلاغت ہو نجف اشرف میں کسی خوشخط نے بڑے کمال کے ساتھ یہ شعر ایک وصلی پر لکھا ہے ۔اور تختی لٹکادی گئی ہے ۔جیسا شعر ہے ویساہی لکھا ہوابھی ہے ۔ اور ادب کی یہ ہے تو ہم نے عمر بھر ایسی لکھی ہوئی کہیں نہیں دیکھی ۔

اتنے میں ایک سانڈنی سوار آیا ۔اور اس نے حاضرین کی طرف سلام کرکے ایک خط داروغہ کو دیا ۔اور کہا کمسریٹ کے صاحب نے دیا ہے اور جواب مانگا ہے ۔

آغا محمد اطہر اور رونق جنگ میں صلاح ہوئی کہ یہی موقع اچھا ہے ،ایک سائیس سے کہہ دو کہ یہ خط لے کر جہاں داروغہ جائے وہ بھی پیچھے پیچھے جائے ۔یہ سب تو سوار ہوگئے اور داروغہ نواب کے پاس وہ خط لے کر گئے ۔اور کسی انگریزی خواں سے اس کا ترجمہ بھی کرائے گئے ۔

سائیس نے مکان دیکھ لیا اور گھر واپس گیا ۔شام کو رونق جنگ اور چھٹن صاحب اور آغا محمد اطہر اور مہراج بل غول کا غول بی قمرن کے در دولت پر داخل ہوا ۔دربان ان سب کو پہچانتا تھا کہا خداوند زنانہ ہے ۔اے حضور وہاں عورتیں ہیں ۔خداوند ۔یہ کیا غضب کررہے ہیں آپ ۔ سنتا کون ہے ۔ یہ بکا ہی کیا ،اور سب کے سب بھڑ بھڑا کر اندر گھس گئے ۔قمرن تو چمک کر جلدی سے کمرے میں ہوگئی ۔

نواب : ایں : ارے یارو یہ کیا اندھیر ہے ۔نکلو یہاں سے ۔

رونق : کیوں بچہ چھپے تھے یہاں اُن کے۔ روپوش ہوئے تھے بڑے خراب آدمی ہو۔
نواب : یہ پتا کس نے بتایا۔ دیکھو ایک ایک کو موقوف کروں گا یہ سب لوگ نالائق ہیں کمبخت۔
مہراج : بی نازو جان صاحب۔ اللہ اللہ مزاج شریف حضور کے۔ اب کیوں مزاج ملنے لگے۔
نازو : چولھے بھاڑ میں جا مونڈی کاٹے مواجلیا زمانے بھر کا مجھے تیری صورت دیکھ کے غصّہ آتا ہے۔
مہراج : یا الٰہی تو اب یہ طعنہ کب تک دیا کروگی۔
نازو : جب تک تیری کھٹیا مچھاتی نہ نکلے گی۔ مرتو۔
نواب : کیوں اس بے رحمی سے کوستی ہو میرے دوست کو۔
نازو : یہ مواجلیا اسی قائبل (قابل) ہے۔
نواب : اب آپ لوگ جاتے ہیں کہ میں پولیس والوں کو بلاؤں پھر۔ اس شہد بن کے کیا معنی۔ بہو بیٹیوں میں دڑائے ہوئے گھس آئے۔ واہ۔ اس میں۔ انسان جوتیاں کھاتا ہے۔ قمرن تم بڑی ڈھیٹ ہوگئی ہو۔ کہ جھانکتی ہو کمرے میں سے۔
آغا : اخاہ اب بی قمرن پردہ کرتی ہیں۔
نواب : ضرور۔ باہر نہ نکلنا۔ ان شہدوں سے راہ رسم بڑھانا اچھا نہیں ہے۔ ان کا اعتبار کیا۔
آغا : اب آپ پٹینگے۔ ذرسنبھلے ہوئے رہیئے گا۔
نواب : ارے پہرے پر کون ہے۔ پہرے والے کو نکال دو۔ ان شہدوں کو کیوں آنے دیا۔
مہری : (پہرے والے سے) دل لگی کرتے ہیں۔ مگر یہ لوگ بھی بڑے بیباک ہیں۔ واقعی زنانے گھر میں گھس پڑے۔ بھلا یہ کام اشراف مرد آدمیوں کے ہیں۔
سپاہی : کچھ کھلتا نہیں کہ یہ کون ہیں ؟۔
مہری : مجاز کی بہت اچھی ہیں ہنس مکھ۔ ملنسار۔ گھمنڈ نہیں۔ اور شاہ خرچ بھی ہیں۔ یہ بھی نہیں کہ کنجوس ہوں نہیں۔ بہت بڑی خرّاچ۔ اور فیاض۔

سپاہی : میں نے اس دن دیکھا سورت شکل سے ریاست برستی ہے۔ مگر کیا بے دھڑک چھم چھم کرتی ہوئی آئی ہیں۔ پہلے تو میں دنگ ہو گیا کہ یہ کون ہیں۔ اور بڑی ہنسی آئی کہ بازار تک دوڑی چلی جاتی ہیں۔ گنڈیری والے۔ اور گنڈیری والے وہ بھی بھونچکا ہو گیا کہ یہ کون ہیں۔

اب سینئے کہ بی قمرن کے چھپنے سے سب کے سب بھرّا اٹھے۔ آغا محمد اطہر نے کہا یار قمرن کو بلائیے۔ یہ نخرے کیسے یاروں سے پردہ کیسا۔ رونق جنگ نے بھی اٹھتیں کی سی کہی۔ یہ وجہ کیا کہ وہ چمک کے کمرے میں چلی گئیں۔ اور دروازے بند کر لیے۔

مہراج بلی ہنس کر بولے مگر دیکھئے ہماری نازو کیسی باوفا ہیں کہ ڈٹی بیٹھی ہیں۔

نازو : اخاہ۔ پہنچا دبتے ہی ہاتھ پکڑ لیا۔ ہماری نازو منہ بنواؤ جاکے پہلے۔

مہراج : (ہاتھ جوڑ کر) میں صدقے ذرا تو شیریں کلامی سے بولو۔ ؎

اپنے عاشق پر ترس کھانا ستمگر چاہیے

نازو : اچھا۔ بس الگ ہی بیٹھے رہو پرے دور۔

مہراج : کیا مصیبت ہے واللہ۔ ان کے عشق میں جو جو آفتیں ہم نے پائیں خدا کسی کو نہ دکھائے۔ نوکروں چاکروں کے سامنے ذلیل ہوئے۔ یاروں۔ دوستوں میں خوار ہوئے۔ بیوی نے الگ منہ پھلایا۔

نازو : منہ پھلایا کہ پیٹ پھلایا۔

راوی : اس لطیفے پر قہقہہ پڑا۔ اور آغا محمد اطہر نے کہا ایک لفظ پر آپ لوگوں نے غور نہیں کیا۔ منشی مہراج بلی صاحب فرماتے ہیں کہ (آفتیں پائیں) کیا محاورہ ہے۔

مہراج : آپ لوگ بڑے نکتہ چین ہیں۔

آغا : خیر یہ تو ہوا ہی کرے گا۔ بھئی نواب قمرن کو بلاؤ۔ واللہ ہم دروازے کو توڑ ڈالیں گے۔

قمرن : بڑے دروازے توڑنے والے۔ یہ کون بھلے منسی کی بات ہے کہ کسی کے زنانے میں چلا جائے پردے والیوں میں اس طرح دھس جانا کون سی بھل منسی ہے۔

آغا : اخاہ۔ اب آپ پردے والی ہوئیں۔

نواب : ارے چُپ یہ عورتیں سنیں گی تو کیا کہیں گی۔

آغا : بی قمرن صاحب تشریف لائیے میں ایک نہ مانوں گا۔

قمرن : جو کہیں کا یہ دستور ہو تو ہم بھی آئیں۔

نواب : تو تم باتیں کیوں کرتی ہو نا محرم سے۔

آغا : نا محرم تیری ایسی تیسی کروں۔

یہ کہہ کر نواب محمد عسکری صاحب نے قمرن سے کہا اچھا اب لوگوں کی یہی مرضی ہے تو دروازہ کھول دو۔ مگر دور دور رہیے گا۔ حضرت۔ قمرن بولی اے واہ۔ ان کے بھڑوں میں آ گئے آپ بھی یہ دروازہ کھولنا کیا معنی۔ کیوں کھولیں دروازہ۔ کسی بہو بیٹی سے آج تک کسی نے یہ کہا ہے۔ تم کو چاہیے کہ تم ان کو للکار دو کہ یہاں کیوں چلے آئے یہ سب تو درکنار اور اُلٹا ہم ہی کو بے وقوف بناتے ہو۔ کہنے لگے دروازہ کھول دو۔

آغا محمد اطہر ہنس پڑے۔ بھئی واللہ بڑی طرار اور حاضر جواب چھوکری ہے۔ اگر ہم یہ جانتے تو (دروازہ کے پاس جا کر) ہرگز ہرگز تم کو گھرڈالے بغیر نہ چھوڑتے۔ خیر اب جو ہوا وہ ہوا۔ ہشتے کم بعد از جنگ باد آید کا نقشہ ہے۔ اب ہم ایسے گئے گزرے ہوئے، اور سب کے پہلے ہم ہی سے گفتگو ہوئی تھی۔ ہنکڑی ہمارے ہی لیے تجویز کی گئی تھی۔ اور اب ہم سے پردہ کرتی ہو۔ یہ ساری شرارت نواب کی ہے۔ ہم کو رنج ہوا ان کی طرف سے اور تم تو خیر نخرہ کیا ہی چاہو۔ مگر محمد عسکری کی عقل کو کیا ہو گیا۔ ہمیں یہ حیرت ہے۔ یاروں کا دل دکھانا کیا معنی۔ بالکل یہ خلاف عقل ہے۔

قمرن ان کی تقریر سنا کی۔ جب یہ خاموش ہوئے اس نے کہا اچھا ہم کنواڑے کھولے دیتے ہیں۔ مگر ایک شرط سے قسم کھالو کہ ہم اندر نہ آئیں گے۔ دیکھو اب ہم علانیہ ہر ایک کے آگے نہیں آ سکتے۔ یہ کہہ کر دروازہ کھولا تو محمد اطہر دَن سے کمرے کے اندر۔ رونق جنگ اور محمد عسکری بھی پہنچے۔

میدان خالی پاکر مہراج بی نازو کی خوشامد کرنے لگے۔ دیکھو تم کس قدر ہم پر ظلم ڈھاتی ہو۔ اور ہماری تم پر جان جاتی ہے۔ اور تمھیں اس کی ذرا شرم نہیں آتی ہے۔ یہ کیا کچھ اچھی بات ہے۔ مگر تمھاری سمجھ۔ ع۔

سمجھ اپنی اپنی ہے بوجھ اپنی اپنی

راوی : واہ کیا مصرع تصنیف کیا ہے کہ واہی واہ۔ اور نکبندی تو آپ کا حصہ ہے۔

نازو : عشق بھی چرایا ہے اور کنجوسی بھی نہیں چھوڑتا۔ عشق بازی کو کنجوسی سے کیا سروکار۔

مہراج : اچھا اب تم یہ انصاف کرو کہ اگر ہم کو کنجوسی کا خیال ہوتا تو ہم کاہے کو تم سے دل لگاتے۔ اور نوٹ جو ہم نے دیا تھا خدا گواہ ہے کہ دھوکے سے دیا تھا۔ جان بوجھ کر نہیں دیا تھا اگر تم کو یقین نہیں آتا تو مجبوری ہے۔ تم ناحق ہم سے بگاڑتی ہو ہم بڑے کام کے آدمی ہیں۔ جس طرح قمرن اس ٹھاٹھ سے رہتی ہیں اسی طرح تم بھی رہو گی، اور چین کرو گی۔ مگر خدا جانے تم ہم سے اس قدر کیوں خلاف ہو، اور بے وجہ اور بے سبب لینا ایک نہ دینا دو۔ افسوس کا مقام ہے۔ یہ بھی ہماری قسمت کی خوبی ہے، اور کیا کہیں اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم راضی کیوں کر ہو گی۔ کوئی صورت بناؤ کی ہے، یا کسی صورت سے بھی موافقت نہیں ہو سکتی۔

نازو : ہم ایک تو تم سے جھڑک کھا گئے۔ اب ہم کسی طرح کی بات چیت تم سے نہیں کرنا چاہتے بس۔ جو تم نے اس دفعہ ہمیں جل نہ دیا ہوتا۔ تو ہم تم کو خود چاہنے لگتے۔ اب نہیں اب کسی طرح نہیں ہو سکتا چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔ تم بڑے جھلیے ہو تم سے خدا بچائے۔

مہراج : اچھا لو اب سے ضمانت دلوادیں۔

نازو : ضمانت کیسی۔ ہم سے اب مت بک بک کرو۔

مہراج : ہماری بھی کیا قسمت ہے۔ ہم جان دیتے ہیں۔ تم پر نازو اور تم جلاتی ہو ہم کو۔

نازو : تو اسی قابل ہے۔ تو باتوں کا آدمی نہیں ہے، لاتوں کا آدمی باتوں سے نہیں مانتا۔

مہراج : اب لاتیں ہی تو ہاں باقی رہ گئی ہیں۔ ہاتھ سے تو تم کھوپڑی سہلا چکی ہو۔

نازو : (مسکرا کر) ارے اس دن تو تو بچ گیا نہیں تو قسم خدا کی عمر بھر یاد کرتا۔

مہراج : اور اب بھی عمر بھر یاد کروں گا۔ میں بھولنے والا نہیں ہوں اور

پھر ایسی بات۔

نازو : اب بک بک کے جان نہ کھاؤ ہماری۔ مغز کھائے جاتا ہے، اور بے ہودہ خرافات بکتا ہے۔

مہراج : ہم تو درد دل کہتے ہیں، وہ اس کو بک بک سمجھتی ہیں کس مصیبت میں جان ہے۔

نازو : ایسوں کی یہی سزا ہے۔ موے پر سو دُرّے۔

ادھر یہ گفتگو ہوتی تھی اور ادھر بی قمرن سے چہل ہو رہی تھی۔ رونق جنگ دل لگی کر رہے تھے۔ کہ تم ہماری سالی ہو ہمیں تم سے دل لگی کا رشتہ ہے۔ قریب آ کے بیٹھو ہم چھیڑیں گے نہیں نواب کے سامنے محمد عسکری نے منھ بنا کر کہا چہ خوش بھائی صاحب۔ بس اب آپ تشریف لے جائیے ٹھنڈے ٹھنڈے سدھاریے۔ کہنے لگے قریب آن کے بیٹھو۔ بجا۔ اور طرہ اس پر یہ کہ نواب کے سامنے نہیں چھیڑیں گے۔ نواب اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نواب کی غیبت میں چھیڑیں گے۔ ایسے بدمعاشوں کے آنے جانے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ آج سے ڈیوڑھی پر ڈبل پہرہ رہے گا۔

قمرن نواب رونق جنگ کے پاس جا کے بیٹھی اور محمد عسکری نے للکارنا شروع کیا خبردار۔ ارے یہ کیا ظلم ڈھاتی ہے سنتی ہی نہیں۔

قمرن نے کہا کہ ایک روز ہم بیگم صاحب کو چوڑیاں پہنانے گئے تھے تو نواب رونق جنگ نے ہم پر ایک کنکری پھینکی تھی اور اشارے سے شہ نشین کی طرف بلاتے تھے جو ذری اور چھیڑ خانی کرتے تو ہم بیگم صاحب سے کہہ دیتے۔ مگر میں نے جو خفا ہو کے آنکھیں دکھائیں تو دبک رہے۔ گھر سے ڈیوڑھی تک کوئی پچاس ساٹھ آدمی سسکارتے تھے، اور آوازے کستے تھے۔ اور میں اس طرح جاتی تھی جیسے تیر جاتا ہے۔ زن سے نکل گئی۔ بازار والوں کی یہ کیفیت کہ جیسے بدر سانپ لوٹتا تھا۔ تلملاتے تھے۔ بہانے سے مجھے بلوا بلوا بھیجتے تھے۔ مگر میں تاڑ جاتی تھی اور امی جان کو چوڑیاں لے کے بھجوا دیتی تھی۔ ہاں نواب صاحب کے یہاں تو البتہ جاتی تھی اور کہیں جو گئی ہوں تو کوئی بتا دے بھلا بیگم صاحب نے جب سنا ہوگا کہ قمرن بھاگ گئی تو بڑا افسوس ہوا ہوگا۔ ہم کو تو بہت چاہتی ہیں۔ کچھ ذکر ہوا تھا نواب صاحب رونق جنگ نے کہا گھر گھر یہی

چرچا ہے مگر آج تک لوگوں کو نہیں معلوم ہے کہ نواب محمد عسکری کے گھر پڑ گئی ہیں۔
الغرض تھوڑی دیر چہل کر کے یہ سب روانہ ہوئے اور کہہ گئے کہ کل شب کو یہیں نشست ہوگی۔ مہراج بلی نے بی نازو سے اجازت چاہی کہ اگر حکم ہو تو روانہ ہوں۔ رونق جنگ نے کہا یار لیتے تو بہت دن کی ہو، مگر بات کرنے کا سلیقہ نہ آیا۔ روانہ ہوں کیا معنی رخصت ہوں یا روانہ ہوں۔ نازو جھنک کر بولی تجھے بلایا کن نے تھا۔ کہ پوچھتا ہے۔ ہمیں تو تیری صورت سے نفرت ہے۔ شکل ایسی جیسے چڑی مار۔ صورت پر پھٹکار برستی ہے۔ مہراج بلی ہاتھ جوڑ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اے نواب یہ سب خفگیاں ہم ہی پر ہو رہی ہیں۔ ایک آدھ ادھی۔ رونق جنگ پر آجاؤ۔ ایک آدھ بھبتی آغا محمد اطہر پر کہو۔ اس نے کہا کاہے کو کسی پر ادھی آئیں نواب رونق جنگ بہادر تو ہمارے مالک ہیں جن کی بدولت روٹیاں کھاتے ہیں۔ ان پر کون ادھی آیا کرتا ہے۔ اور آغا صاحب نے کیا بگاڑا ہے ہمارا۔ تو تو جعلیا ہے۔ موا دغاباز سارے زمانے کا اٹھائی گیرا بڑا نکما آدمی ہے۔ جو تیرا اعتبار کرے۔ وہ خود ذلیل ہو۔ ساکھ جاتی رہی تیری۔ ایک دفعہ بھڑک کھا گئی ہیں۔ بس۔ اب یار نہیں۔ اب سے آئے گھر سے آئے۔
مہراج بلی نے لاکھ لاکھ خوشامد کی کہ غصے کو دور کرو۔ اب ہم سے ایسی ناشائستہ حرکت نہ سرزد ہوگی۔ مگر اس نے ایک نہ مانی۔ کہا تیری شکل دیکھتی ہوں تو آگ لگ جاتی ہے۔ آگ بھبھوکا ہو جاتی ہوں۔ (دانت کٹکٹا کر) یہ جی چاہتا ہے کہ بوٹیاں نوچوں مہراج بلی اور بھی قریب جا کھڑے ہوتے اور بولے "جانی یہ تو ہم چاہتے ہی تھے کہ تم بوٹیاں نوچو" نازو جانی کے لفظ پر آگ ہو گئی۔ جانی تیری جانی پر آگ لگے جو روا کو جانی بنا۔ جا کے تیری جانی تنگوڑی اپلے پاتھتی ہوگی۔ تو جا کے کنڈے بیچ۔ اس پر بڑا قہقہہ پڑا۔
رونق جنگ اور آغا محمد اطہر اور نواب محمد عسکری نے نازو کو زبردستی گود میں اٹھایا تو وہ مارے گدگدی کے لوٹنے لگی۔ کہا نواب اللہ جانتا ہے مارے گدگدی کے برا حال ہے۔ کہا کچھ پروا نہیں۔ مہراج بلی ارے بیٹھ جا ظالم۔ تو بیٹھ تو ہم لوگ ان کو تیری گود میں بٹھا دیں۔ مہراج بلی ان لوگوں کے ہاتھ جوڑ کے کہتے تھے کہ یار ان کی تکلیف ہم کو گوارا نہیں ہے۔ از برائے خدا اب ان کو دق نہ کرو۔ ہم ایسے

ملنے سے درگزر رے۔ لوگوں نے نازو کو زبردستی ان کی گود میں بٹھادیا۔ مگر ہاتھ سے چھوٹنے ہی کی دیر تھی کہ معاً نکل بھاگی اور گود سے اس طرح دوڑ کے دور چلی گئی جیسے گولہ توپ سے نکلتا ہے۔

رونق : لاحول ولا قوۃ آپ بھی کہیں گے ہم مردد ے ہیں۔

آغا : ارے میاں اس دھان پان نازک عورت سے نہ جیت سکے۔

مہراج : بھائی مجھے ان کی تکلیف کا خیال تھا۔ ؎

در دلم درد زیلی کافی ست
خواہش وصل زنا اتفاقی ست

اپنی اپنی طبیعت ہے حضرت۔

رونق : بس ایک شعر یاد کرلیا۔

الغرض تھوڑی دیر بعد یہ سب اپنے اپنے گھر رخصت ہوئے۔

سیاں بھئے کتوال اب ڈر کا ہے کا

دیکھو اگر یہ گلی گلی آج ہی صاف نہ ہو جائے گی تو ہم تم لوگوں کو پھانسی دلوا دیں گے۔ خبردار بڑے شرم کی بات ہے تم سور لوگ کچھ نہیں کرتا۔ کاہے واسطے یہ کوڑا پڑا ہے۔ کاہے واسطے یہ کرکٹ ہے۔ یہ جالا کاہے واسطے ہے۔ سور لوگ تم دارو غہ کو سلام دو۔ اور بولو ابھی حاضر ہو۔ اور بیس بائیس قلی جمع کرکے اس کا انتظام کرو۔ اور گلی کو بالکل صاف کردو۔ کہ سونا اچھالتا آدمی چلا جائے، اگر کوئی صاحب ادھر سے نکلے گا تو کیا کہے گا۔ کہ شہر کی میونسپلٹی کا انتظام خراب ہے۔ اور جس میونسپلٹی میں ہم شریک ہو۔ اس کو ایسا نہیں ہوتے مانگتا۔

اتنے میں داروغہ صفائی ایک ڈگے اور مریل گھوڑے پر سوار آئے گھوڑے کی ہڈی ہڈی گن لیجیے۔ ؎

لیکن مجھے زروئے تواریخ یاد ہے
شیطان اسی پہ نکلا تھا جنّت سے ہو سوار

گھوڑے سے اترے اور صاحب سلامت ہوئی کیوں جی۔ داروغہ ارے یہ گلی

اتنی میلی رکھتے ہو ابھی صاف کراؤ۔

"ایں برزن بسیار گندہ یدگی۔ بماند اگر اچیاتاً کسی صاحب لوگ از قسم ولایتی نزا آمدن کند و دید کر ایں گندیدگی است او خیلے ناراض نمو دو شود و خیلے (اول) و خیلے (اول) (ماتھا ٹھونک کر) فلہٰذا الازمۂ سعادت آنست کہ ایں گلی کوچک را صفائی نمودہ آید۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

داروغہ: جی ابھی صفائی ہوئی جاتی ہے چٹکیوں میں۔

"درزباں آں ملک کہ سعدی تولد گاہ است چرا گفتگو ے نمودہ نمی شود۔ بعد ادا ئے کو دوں خوندن کردہ۔

راوی: اہو ہو ہو۔ بعد ادائے کودوں خوندن کردہ۔ ناظرین اس کا مطلب بخوبی سمجھ گئے ہوں گے۔ یعنی کیا کودوں دے کے پڑھے ہو۔ اور (درزباں آں ملک کہ سعدی تولد گاہ است) اس کو بھی شاذ ہی لوگ سمجھے ہوں گے۔ مطلب یہ کہ جس ملک میں کہ شیخ سعدی پیدا ہوئے تھے یعنی ایران اس ملک کی زبان میں کیوں گفتگو نہیں کرتے۔

دیکھو یہ مہتر لوگ۔ فول۔ ڈیم۔ تم لوگ نے اگر آج صفائی نہ کیا تو ہم تم کو پھانسی دے دیگا۔ اور یو سور کالا بھیجے کا تجھ پر چار آنہ جرمانہ۔ یو سور سست آدمی۔ کام چور تو الہ حاضر اچھا کچھ ہمارے بیٹھنے کے لیے لاؤ۔ ایک بوڑھی ماما ان کے بیٹھنے کے لیے ایک کھٹیا لائی۔ اور کہا ہجور (حضور) ہمارے محلّے میں آئے ہیں ہم کو ہجور کی کھاتر (خاطر) کرنی چاہیے۔ یہ صاحب ایک مکان کے دروازے پر کھٹیا پر بیٹھے۔ مگر مہتروں کو بے وجہ بے سبب اس قدر ڈپٹتے تھے کہ الاماں۔

ماما بازار گئی اور ایک ہندو تنبولی کے ہاتھ سے ایک پیسے کی چار گلوریاں بنوا لائی۔ عظیم اللہ تحانی حقہ لائی۔ برہمن سے انھیں کے سامنے تازہ کرادیا چلم بھرلائی۔ آپ مزے سے حقہ پیتے جاتے تھے اور مہتروں کو ڈانٹتے جاتے تھے۔

داروغہ: حضور اب کیوں تکلیف کرتے ہیں۔

"ول۔ آپ اب دوسری سڑک پر جائیں۔ ہم یہاں ہی بیٹھیں گے اور صفائی کرا کے جائیں گے

داروغہ: تو آداب عرض کرتا ہوں پھر حاضر ہوں گا۔" یہ گلی اگر صاحب لوگ دیکھ

لیتے تو ستم ڈھاتے۔"

داروغہ: حضور پھر اب کہاں تک دوڑوں۔ فرمائیے۔

"یہ ان جمعداروں کا قصور ہے کاہل آدمی۔"

داروغہ: دیکھو دوپہر میں یہ گلی صاف ہو جائے اور سڑک کی صفائی اس کے مقابل میں شرما جائے۔

جمعدار: حضور نشان خاطر رہیں سب ہو جائے گا۔

" کاہے کے واسطے ابھی تک نہیں ہوا۔ شتراں لی بسخرہ می گیرند کسی ایں بگوید کہ ایں ہم بچۂ شتر ست۔"

راوی: کیا برجستہ پھبتی کہی ہے کر واہ۔ جی خوش ہو گیا اس میں تو حضور برق ہیں واللہ۔

دوپہر کے وقت مہتروں نے جمع ہو کر کہا حضور اب تو توپ دغ گئی۔ اک دو گھنٹے کی مہلت ملتی تو کھا پی لیتے قیدیوں تک کو چھٹی ملتی ہے۔ حکم ہوا کہ اچھا اب کل آؤ۔ آج کھانا دانا کھا کر اپنے کام کو جاؤ۔ مگر اس کالے سور کو بلاؤ تو برابر حاضر رہ۔ یو کالا سور۔

ایک کالے کالے مہتر پر ان کا بڑا عتاب تھا، اور عتاب بے وجہ تھا۔ اس نے کہا، بجور سویرے سے ایک دانہ تلک پیٹ میں نہیں گیا۔ ایسی جبردتی (زبردستی) حاکم لوگوں کو نہ چہیے (چاہیے)۔

اتنے میں ماما نے دروازے کے پاس آن کر کچھ اشارہ کیا اور یہ بزرگوار مکان کے اندر داخل ہوئے تو ایک بوڑھی عورت نے کہا بیٹا اب اس کی خطا معاف کرو۔ اپنے کیے کو پہنچ گیا۔ پیٹ کی مار بڑی بری مار ہوتی ہے۔ اس ضعیفہ نے تو ترس کھا کر اس مہتر کی سفارش کی مگر ایک کم سن نازنین اور خوبرو زن جادو جمال جو اس کے قریب بیٹھی تھی، وہ اس مہتر کی بڑی دشمن تھی۔ کہا ہمارے لہو کی قسم جو تم اس موئے کلوٹے پر رحم کرو۔ کولھو کی طرح جوتو۔ یاد تو کرے۔ مو اکر کسی سے بدزبانی کرنا کیسا ہوتا ہے۔

ضعیفہ تھوڑی دیر بیٹھ کر کہیں چلی گئی اور کہہ گئی کہ اب ہم شام کو آئیں گے

ہمارے ایک منھ بولی بہن کے ہاں پوتا ہوا تھا اس کی کھیر چٹائی ہے۔ یہ کہہ کر ضعیفہ رخصت ہوئی۔ تو ان بزرگوار اور اس نوجوان عورت میں یوں میٹھی میٹھی باتیں ہونے لگیں۔

عورت : میرے کلیجے میں اس وقت ٹھنڈک پڑی کہ اس موے مہتر کو تم نے اس قدر ذلیل کیا۔

"جان من تمھارے لیے جان تک حاضر ہے۔ مگر تم کو ایسی کچھ نفرت اور دشمنی ہم سے ہے جس کی انتہا نہیں۔"

عورت : (گلے لگا کر) نہیں اللہ جانتا ہے۔ یہ سب ہمارے غمزے اور نخرے تھے۔

"اس وقت اگر قارون کا خزانہ بھی ملتا تو واللہ اس قدر خوشی نہ ہوتی تم نے جلایا نازو۔"

نازو : اب دیکھو مہراج۔ ہلی ایک بات یاد رکھو ہم کو تین پانچ نہیں آتا جو کہو وہ کر دکھاؤ بس۔ ہاں۔

مہراج : دیکھو جیسے ہی تمھارے آدمی نے آواز دی اور کان میں کہا کہ نازو نے بلوایا ہے۔ ویسے ہی میں لپکا۔

نازو : نواب صاحب کے سامنے تمھاری وہ تعریفیں کروں کہ خوش ہو جاؤ اب آج ہم تم کو جانے نہ دیں گے۔

مہراج : اور سنیے گا اس کے یہ معنی کہ اب ٹھنڈے ٹھنڈے راہ لیجیے۔ چہ خوش چراں باشد۔ اور بندہ جانے والے کو کچھ کہتا ہے۔

نازو : ایک دن اپنی جورو اکو دکھا دو۔

مہراج : میں جورو سے ڈرتا ہوں۔ صاف تو یوں ہے۔

نازو : اے ہے۔ کیا وہ بھی چپتیاتی ہیں۔ چل جوتی خورے۔ مہتروں کے ساتھ خوب بڑھ بڑھ کے باتیں بناتا ہے۔

مہراج : کیوں صاحب یہ عین اختلاط میں گالی گلوج۔

نازو : (گال پر آہستہ سے لپڑ لگا کر) تیری ایسی تیسی چلا ہے ہم سے یہی باتیں بنانے۔

مہراج : آج کا دن بھی کیا مبارک دن ہے کہ نازو اور ہم کو خود بلوا بھیجیں۔

نازو : ہم نے اس مونڈی کاٹے مہتر سے اتنا ہی کہا تھا کہ تو سارے محلّے کا کوڑا ہمارے دروازے پر لگا دیتا ہے۔ الگ ہٹا کر کیوں نہیں رکھتا۔ بس اتی سی بات پر ماما سے اُلجھ پڑا تم کیا کوئی حاکم ہو، کون ہو کون تم۔ یہ ہم کو تو ماما نے بتایا کہ ان کو بلواؤ صفائی انھیں سے ہے۔ جب ہم نے تم کو بلایا۔ اب محلّے بھر میں کوئی چوں تو کر نہیں سکتا۔

ماما : سیّاں بھئے کتوال اب ڈر کا ہے کا۔

نازو : ہے ہی۔ اب اتنے کام کے بھی نہ ہوں تو کیا چولھے میں کوئی جھونکے اِن کو۔

مہراج : لے اور سنو۔ کہاں تو محبّت کی باتیں ہوتی تھیں کہاں چولھے میں جھونکنے لگیں۔

نازو : ہمارا کام ہی یہ ہے۔ معشوق ہیں کہ نہیں۔

ماما نے الائچیاں دے کر کہا کیوں حضور یہ خبر تو گھر گھر مشہور ہو گئی ہے کہ قمرن بھاگ گئی۔ تنبولی والے لونڈے کا حال تو اب سب کو معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے محلّے کی ایک خراب عورت کو بھگا لایا تھا۔ قمرن کا دھوکا ہی دھوکا تھا۔ مگر اب کیا ہوگا۔ جو یہ کھل گیا کہ نواب صاحب کے ہاں ہیں۔ تو اس کا میاں نالش جڑ دے گا۔ یہ تو سوچو اور آپ سے کہتی ہوں کسی سے ذکر نہ کیجیے گا۔ بات پھیل چکی ہے۔ اور نواب صاحب نے یہ بُرا کیا کہ اسی شہر میں رکھا۔ ان کو چاہیئے تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ کرتے اور چھپاتے کانپور یا فیض آباد میں ایک مکان کرایے کا لیتے۔ اور کسی کے نام سے اس کے میاں سے فرخطی (فارغخطی) دلوا دیتے۔ اب جو وہ نالش کر دے تو نواب صاحب بندھ جائیں۔ کہ نہیں بندھ جائیں۔ پھر ایسا کام کیوں کرے۔ انسان کو سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہیئے۔ ابھی وہ گنڈیری والا کل ہم سے کہتا تھا کہ فلانے محل سے ایک عورت آج نکلی بالکل تمھاری قمرن کی سی صورت ہے وہ تو کہو اس نے اچھی طرح پہچانا نہیں اللہ نے کچھ ایسا کیا کہ وہ یہی سمجھا کہ قمرن کی اور اس کی صورت۔ محل سے گنڈیری لینے کے لیے نکلی تھی۔ بالکل ہی ملتی ہے۔ بڑا فضیحتا ہوگا۔

گنڈیری والے کی طرح اور لوگوں نے بھی دیکھا ہوگا۔ اور وہ لونڈیا ایسی چلبلی ہے کہ کچھ نہ پوچھو۔ کہو تیرے محل میں مہریاں مامائیں نوکر چاکر سب ہی ہیں تو اب اپنے آپ بازار میں نکل کر سودا کیوں خریدتی ہے۔ تم تو کبھی کبھی جاتی ہو بی بی ذری سمجھا دیا کرو۔ یہ جو بات کھل گئی تو سب سے بُرا اثر انھیں کے حق میں ہوگا۔ ہم بتائے دیتے ہیں۔

نازو اس سحر طویل سے گھبرا گئی۔ کہا تم جا کے کھانا پکاؤ تم کو اس سے کیا مطلب ہے تم ہی ایک بڑی عقلمند ہو بڑی وہ بن کے آئی ہیں۔ ماما کو بُرا معلوم ہوا اور چل دی۔

نازو : اب بتاؤ تمھاری کیا خاطر کریں مہراج جی۔

مہراج : بس ہم کو پیار کرتی جاؤ اور کچھ نہیں بس اس سے بڑھ کر ہماری خاطر اور کیا ہوگی۔

نازو : پیار کرنے میں دام صرف ہوتے ہیں۔

مہراج : کیا پروا ہے جان تک حاضر ہے جانی۔

نازو : بس سب زبانی داخلہ منھ پر خوشامد۔

مہراج : اچھا تم کو کیا چاہیئے۔ کہا ے بتا چلو۔

راوی : معلوم ہوتا ہے گھر بھر دیں گے۔ اور لینا دینا خیر صلاح سب زبانی جمع خرچ۔

مہراج : بولو کچھ کھانے کو منگوائیں۔ کیا کھاؤ گی۔ پوریاں اور تکوتے منگوا لو۔ بس۔ اور منھ میٹھا کرنے کے لیے رابڑی بولو جانی کیں خفا ہو گئیں۔

نازو : وہی اپنی اصلیت پر آ گیا نا۔ کیا دو چار آتے میں ٹالتے چلا ہے۔ مگر ہم کب ماننے والے ہیں۔ لے وہ بیس روپے والا نوٹ تو لاؤ۔

مہراج : (گلے میں ہاتھ ڈال کر) آج بھیج دیں گے۔

نازو : بھیج دیں گے! جب باوا مریں گے۔ تب بیل بٹیں گے ابھی ابھی لاؤ جہاں سے بنے۔

مہراج : تو کیا میں نوٹ باندھے پھرتا ہوں۔

نازو : اچھا گھر سے منگوا دو۔ ہم ایک نہ مانیں گے۔ منگوا دو۔ ہمیں ہم ہرگز ہرگز تو مانیں گے نہیں۔

مہراج : اچھا ہم خود جا کے لے آئیں گے۔ ذرا تامل کرو۔ تم تو جان مارے ڈالتی ہو
نازو : کون واہ۔ یہ چکمے بازی۔ پھر چکمہ کیا جانے کون دیتا ہے۔ بے لیے ہم نہ جانے دیں گے۔ کسی مہاجن دوست آشنا کسی کے ہاں سے منگوالو۔ کیا بیس روپے کے لیے تم مہنگے ہو۔ اتنے امیر۔ ہماراجی چاہتا ہے عمدہ بنی ہوئی برفی کھائیں جس پر چاندی کے ورق لگے ہوں۔ ایک روپے کی برفی گھر میں رکھیں گے اور ایک روپے کی اپنی دگانا کو ضرور ضرور بھیجیں گے۔ ہمیں اس کی بڑی چاہ ہے۔ اور وہ ہمیں دل سے چاہتی ہیں۔ بڑی محبت کی ہماری دگانا ہے اور پھر جوان اور خوبصورت۔

مہراج بلی گوٹکا دوال نہ تھے۔ مگر نازو نے اس قدر عاجز کیا کہ مجبور ہو کر انھوں نے صفائی کے جمعدار کو بلوایا اور کہا ایک روپے کی تازی تازی برفی جلد بنوا کر لاؤ۔ مگر چاندی کے ورق ضرور لگے ہوں نازو نے کہا اور ساڑھے چار گز اطلس بھی منگوا دو۔ پھولدار اطلس۔ ہم دگلا بنوائیں گے۔ مہراج بلی نے حکم دیا کہ (ساڑھے چار گز پھولدار اطلس بھی لیتے آنا) مگر اشارے سے کہہ دیا کہ نہ لانا۔ نازو نے آنکھ کا اشارہ دیکھ لیا۔ اور بگڑ کر چٹاخ سے ایک چپت جمائی۔ موئے کنجوس مکھی چوس۔ تماش بینی کرنے چلا ہے، اور خرچتے ہوئے دم نکلتا ہے۔ ہمارے سامنے آنکھ کا اشارہ کیا۔ بس چل دور ہو میرے سامنے سے، تیری صورت نہ دیکھوں گی۔ اگر کبھی مجھے جو دو گھڑی کی بھی حکومت ہو جاتی تو کھڑا اچنوا دیتی تجھ کو۔ موا بے ایمان کہیں کا۔ مہراج بلی نے فوراً جمعدار کو پکارا بھئی مرزا کام چھوڑ کر تم پہلے ساڑھے چار گز اطلس لاؤ۔ لپکتے جاؤ اور لپکتے آؤ۔ دیکھو نازو تم بے کار کے لیے ہم سے جھگڑتی ہو۔ حق ناحق کو فساد مول لیتی ہو۔ ہمیں بڑا رنج ہوتا ہے۔ اللہ جانتا ہے اور تمھاری سمجھ ہی میں نہیں آتا بھلا میں اشارہ کیوں کر دیتا آخر مجھے کیا مل جاتا اور ساڑھے چار گز اطلس کی کیا حقیقت ہے تم پر سے بزازے کا بزازہ صدقے کر دوں۔ تم تو کلیجے میں رکھنے کے قابل ہو۔ نازو مسکرائی۔" اس طرح کی باتیں کرتا ہے کہ کوئی جانے گھر ہی تو بھر دے گا۔
مہراج : کیا تقریر ہے آپ کی۔ اس طرح کی باتیں کرتا ہے یہ (کرتا ہے) کیا معنی ہم چمار یا بھنگی ہوں یا کوئی نفر ا مجھے مقرر کیا ہے (باتیں کرتے

ہیں) کہنا چاہیے۔

نازو: (آہستہ سے چپت جما کر) باتیں کرتے ہیں تو کیا آپ میرے بابا جان ہیں۔

ماما: (ہنس کر) نا۔ نابیوی گالیاں بکتی ہو۔

نازو: اے ہاں کیا جھوٹ کہتی ہوں۔

مہراج: ہماری محبّت کو دیکھو۔ فوراً اطلس منگوادی۔ فوراً برقی کو حکم دے دیا اور تم اب تک تنکتی اور خفا ہی ہوتی ہو۔

نازو کی ماں نے ایک شخص سے جھوٹ موٹ خط لکھوار کھا تھا۔ تاکہ مہراج بلی سمجھیں کہ نازو اپنی میاں کی چوری سے ان سے ملتی ہے ماما سے کہا ماماجی خط لے جاؤ ماماجی خط لائی اور مہراج بلی کو دیا کہ پڑھو۔

لفافہ: یا خدا یہ لفافہ ہذا در بلدۂ لکھنؤ صوبۂ لکھنؤ ضلع اودھ۔ دران شہر رسیدہ پاس ساس صاحب۔ اس جنّو کی جورو صاحب کے پاس برسّار۔ مراسلہ از برگڑھ سنبھل پور مقام خدّو۔

لفافہ کھولا۔ تو جوتے باندھنے کے کاغذ پر خط لکھا ہوا تھا۔

خط: ساس صاحب مشفقہ من سلامت۔ بعد دعا آداب کے ارمن (عرض) حال کمترین کا ہے کہ قمرن کا حال کچھ سنا سنایا ہو تو موتلا (مطلع) کرو اور ان کی یعنی ہماری قبیلہ یعنی نازو کی ذرا دیکھ بھال رکھو کہ وہ ہرگز نہ کسو کے ساتھ بھاگ جاتے پائیں ہماری بدقسمتی سے آپ کی دونوں لڑکیاں ایسی ہی نکلی ہیں گی۔ اور ہم ایک مہینے کے واسطے یہاں پر آئے ہیں گے اور تم نازو پر دیکھ بھال رکھنا اور ان کی یعنی نازو کو ہماری دوا (دعا) کہنا۔

راقم۔ خدّو۔ از برگڑھ سے بھیجا ہے گا۔

نازو: موا در گور خدّو پدرِ فدّو۔

مہراج: یہ خدّو کون شخص ہیں۔ میاں تمھارے مگر جاہل معلوم ہوتے ہیں۔

نازو: میں اپنے میاں پر صدقے کروں اس موئے کو ہمارے میاں تو تم ہو۔ ہو کہ نہیں۔

مہراج: دل وجان سے جانی۔ مگر جورو کو دعا لکھتے واللہ آج ہی دیکھا۔ دعا

کی بھی ایک ہی ہوئی۔

نازو : اے وہ کیا کچھ پڑھا لکھا تھوڑا ہی ہے۔ کسو سے (کسی سے) لکھوائے لیا ہوگا۔

مہراج : مگر وہ لکھنے والا بھی عجیب چو بچ تھا کہ جو اُس نے بتایا وہی لکھ دیا کوئی احمق ہوگا۔

نازو : اگر احمق نہ ہوتا تو جروا کو دعا لکھواتا۔

مہراج : ارے صاحب میں لکھنے والے کو کہتا ہوں اور تم الٹا سمجھتی ہو۔ واللہ عورتوں کی عقل بھی گدّی کے پیچھے ہوتی ہے۔ بزرگوں کا کہنا خلاف تھوڑی ہو سکتا ہے۔

اتنے میں جمعدار نے آواز دی۔ میں حاضر ہوں۔ نازو نے جھانک کے دیکھا کہ اطلس لایا ہے یا نہیں لایا ہے۔ ماما دھم دھم کرتی ہوئی باہر گئی۔ اور اطلس لے کر اوپر آئی۔

نازو : ہاں ایسی ہی چاہیے تھی۔ یہی کہی تھی۔

مہراج : تمھارے دم کے لیے سب ہی کچھ حاضر ہے۔

نازو : جو تم ہماری بات مانو تو ہم تمھاری بات مانیں۔ ہے کہ نہیں۔ بولو۔؟

مہراج : واجبی بات ہے۔ ہم نے اس سے انکار کب کیا۔ تم نے ذرا اشارہ کیا اور ہم نے فوراً اطلس منگادی۔

نازو : اب اس کی گوٹ اور استر تو منگواؤ۔

مہراج : ہاں ہاں منگوائے دیتے ہیں دیکھو ذرا سے اشارے میں اطلس منگوا دی کہ نہیں۔

نازو : گرنٹ کا گوٹ منگوانا اور شابیاف کا استر۔

مہراج : سب آجائے گا۔ تمھارے کہنے کی دیر تھی کہ اطلس فوراً منگوا دی تمھارے واسطے جان حاضر ہے۔

نازو : اور وہ برفی کہاں ہے پوچھو تو۔

مہراج : جمعدار ے وہ برفی کہاں ہے۔

نازو : اے لو وہ چمپت ہوا۔ سکھائے پڑھائے آدمی ہیں ارے میں تیری

باتیں خوب سمجھتی ہوں۔

مہراج : نہیں نہیں۔جا سکتا ہے بھلا۔کیا مجال۔

ماما : اے حضور کہہ گیا ہے کہ برفی لے کے ابھی ابھی آتا ہوں۔

نازو : ماما جی محلّے والے کچھ آج کہتے تو نہیں تھے۔

ماما : مجھ سے دو ایک آدمیوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ میں نے کہا ان سے اور ہماری بیوی کے میاں سے یارانہ تھا۔

نازو : تب تو چونکے ہوں گے۔

ماما : حضور آج محلّے بھر میں رعاب (رعب) جم گیا۔

مہراج : اجی کہہ تو دیا کہ جہاں ہم ہوں گے شہر بھر تمھارا غلام ہے اک ذرا سی بات پر ہم نے تم کو اطلس منگوا دی۔

نازو : اب ذری لوگ مانیں گے ہمیں۔

ماما : سیّاں بھئے کتوال اب ڈر کا ہے کا۔

نازو : (مسکرا کر) چلو آج رات تمھارے یہاں رہیں۔

مہراج : ہاں ہاں چشم ما روشن دل ما شاد۔

نازو : مگر جورو اتو نہیں چپتیائے گی کہ موئے یہ کس کو لا یا چھاتی پر کودوں دلتا ہے۔

مہراج : کیا کچھ جورو کے غلام ہیں ہم۔

نازو : کیا عمر ہے تیری جورو کی۔بتا۔

مہراج : تم کوئی قاضی ہو چا ہے جو ہو۔

مہراج بلی نے کہا تم کو ہماری جورو کی عمر سے کیا غرض ہے۔مگر اتنا تو ہم ضرور کہیں گے کہ ہم کو نیک بخت بیوی ملی ہیں، اور یہ ہزار غنیمت ہے۔آج اگر تم کو ہمارے ساتھ چلنا ہے تو ایک کام کرو ہم اپنا باغ تم کو دکھا دیں۔باغ ہی میں ہم تم رہیں۔تڑکے تم اپنے گھر آ جاؤ ہم اپنے گھر۔نازو نے پوچھا باغ کتنی دور ہے۔اس میں کچھ املاک بھی ہے۔کہا اب اس سے کیا مطلب چل کے دیکھ ہی لوگی۔اور کچھ دور بھی نہیں ہے کوئی بہت ہو گا تو دو میل بس اس سے زیادہ نہیں ہے۔

نازو کو تو بارغ کا چسکا پڑا ہی تھا۔ سوچی آج مہراج بلی کا بھی کہنا کر دو، جو اپنے سے محبت کرے اس کے ساتھ محبت کرنی چاہیے۔ نوٹ دھوکے سے بدل گیا ہو گا۔ کہا اچھا آج ہم تمھارے ساتھ چلیں گے۔ تو اب تم شام تک یہاں بیٹھو۔

مہراج بلی کو اس کی سادگی پر ہنسی آئی کہ ہم تو چاہتے ہیں تمام عمر ساتھ نہ چھوٹے یہ کہتی ہیں شام تک بیٹھو اور بھاگا کون جاتا ہے ہم سے کہو ہم شام کیا معنی تمام عمر بیٹھے رہیں۔

نازو نے ان سے فرمائش کر کچھ گاؤ۔ یہ گانا کیا جانیں صاف صاف کہہ دیا کہ گانے کے حق میں ہم بالکل کوڑھ مغز ہیں ہاں تم گاؤ تو ہم بڑی خوشی سے سنیں۔

نازو : اچھا تم بھی کیا یاد کرو گے کہ ہمارا کہنا نہ کیا کوئی عمدہ چیز گائیں۔ کیا گائیں۔

مہراج : جو جی چاہے۔ کوئی چوتالا ہو۔

نازو : اخاہ۔ یہ کے فاقوں میں سیکھا تھا۔

مہراج : نہیں اتنا جانتے ہیں۔ ہم فارسی خوب بولتے ہیں، دریں شہر کہ او برائے نام لکھنؤ مردماں۔ منت مر خدائے را عزوجل کہ طاقتش موجب قربت است و بشکر اندرش مزید نعمت ہر نفسے کہ فرو میرود ممد حیات ست و چوں برمے آید مفرح ذات۔

ای کریمے کہ از خزانہ غیب — گبرو ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم — تو کہ با دشمنان نظر داری

راوی : ناظرین سمجھے ہوں گے کہ منشی مہراج بلی کے دماغ میں خلل ہو گیا۔ مگر یہ غلطی ہے۔

ع دیوانہ بکار خویش ہشیار

نازو سے فارسی بولنے لگے تو ایک مقام پر اٹکے مگر پھر یاد آگیا کہ نازو فارسی کیا جانے لہٰذا شیخ سعدی کی روح پر حضرت نے احسان کیا۔

جب فارسی بول چکے تو نازو کو بغل میں بٹھا کر کہا کہ اب آج ہمیں معلوم ہوا کہ دعا میں اثر ضرور ہوتا ہے۔ دیکھو ہماری دعا نے اثر دکھایا کہ نہیں۔ ہم کو تم سے سچا عشق ہے واللہ۔ جس کو عشق صادق کہتے ہیں۔ ؎

عشق وہ شے کہ انسان کو کرے ہے اندھا

ٹک سمجھ پیارے کہ آدم کا نتیجہ ہے عدم

راوی : اے سبحان اللہ ٹیسو ہمارا جھگڑا کرے گا۔

مہراج : عشق صادق ہے ہمیں جب تو اطلس فوراً ہی منگوا دی بس حکم کی دیر تھی۔

نازو : (اطلس کو دور پھینک کر) چولھے میں گئی تیری اطلس موا اوچھا۔ جب سے سو ہی دفاں (دفعہ) تو کہہ چکا ہوگا کہ اطلس دی اطلس منگوا دی۔ فوراً ہی تو اطلس منگوا دی۔ ایسے تیرے دینے پر نالت (لعنت) خدا ایسے اوچھے سے کوئی چیز نہ دلوائے۔

مہراج : تمھاری دوستی شیر کی دوستی ہے۔ بس۔

نازو : اچھا کوئی دے کے دُلکتا ہے بھلا۔

مہراج : جب دل مل گیا تو پھر کیا خفگی۔

نازو : دل مل گیا تو ہمارا تمھارا مال اسباب ایک ہوگیا۔ جب دل ہی ایک ہے تو مال کی کیا حقیقت ہے۔

مہراج : خدا تم کو نیکی دے نازو جانی۔ خفا نہ ہوا کرو بس تمھارا خفا ہونا غضب ہے۔

نازو : تو تو باتیں ایسی کیوں کرتا ہے۔ ملونڈی کاٹے۔

مہراج : اچھا تم مار لیا کرو گالیاں دے لیا کرو، مگر بگڑا نہ کرو ذرا ہی سے میں توتے کی طرح آنکھیں پھیر لیتی ہو۔

نازو : انسان جو کسی کو کچھ دیتا ہے اس کے سامنے پھر اس کا نام نہیں لیتا۔ ارے آشنائی میں تو لوگوں نے سلطنتیں بخش دی ہیں تو اس نگوڑی چار گز اطلس پر اتراتا ہے۔

مہراج : اچھا گوٹ کس رنگ کی لوگی۔ بولو اب۔

نازو : بس معاف فرمائیے بندی درگزری مجھے گوٹ دوٹ نہیں چاہیے۔

مہراج : (پاؤں دبا کر) میں صدقے میں قربان خفا نہ ہو۔ ہائے کسی پر دل کا آنا بھی بُری بلا ہے۔

نازو : ظاہرداری بہت آتی ہے دنیا ساز!۔

مہراج : یہ مانا۔ گالیاں دے لو۔ بُرا بھلا کہہ لو۔ ؎

معشوق جو گالی بھی ہمیں دے تو مزہ ہے
کیا جانے کوئی ذائقہ اس گالی کا کیا ہے

گالی بھی سہانی ہے مگر بس یہ تمھارا خفا ہو جانا اور بے مروتی کرنا۔ بس یہ کلیجے پر تیر کا کام کرتا ہے۔

اتنے میں جمعدار نے آواز دی حضور برفی لایا ہوں۔ ماما دوڑی ہوئی گئی۔ اور برفی لے کر کوٹھے پر آئی۔ کہا اوئی یہ کپڑا کن نے پھینک دیا ہے۔ اے بیوی تم کو تو چیز کی بالکل قدر ہی نہیں ہے۔ لو یہ قیمتی چیز اور کس طرح خاک دھول میں ڈال دیا (اطلس کو اٹھا کر اور جھاڑ کر) لے اب نہ پھینک دینا نہیں تو اس کا رنگ روپ سب جاتا رہے گا۔ مگر برفی اچھی بنوا کر لایا ہے۔

مہراج علی نے ایک برفی کی ڈلی اٹھا کر نازو کو دی نازو نے مسکرا کر لے لی۔ اب نازو اسرار کرنے لگی کہ برائے خدا تم بھی کھاؤ اور ان کی جان عذاب میں کہ ہندو آدمی ہوں۔ برفی کیوں کر کھاؤں۔ اوّل تو جمعدار لایا ہے۔ پھر ماما وہاں سے یہاں تک لائی۔ لیکن اب کریں تو کیا کریں۔

نازو نے کہا ہم ایک نہ مانیں گے۔ ادھر کی دنیا چاہے ادھر ہو جائے برفی کھانی پڑے گی۔ میں مانوں گی نہیں واہ۔ بس یہی کہتے تھے کہ دل مل گیا۔ دل ملتا تو فوراً برفی کھا لیتے۔ یہ انکار کرنا کیا معنی۔

مہراج : ارے ظالم یہ کونسی ہٹ ہے۔

نازو : ارے آخر گلوری کھاتے ہو کہ نہیں کھاتے ہو پھر برفی کھانے میں کیا بات ہے۔

مہراج : پاگل ہو۔ گلوری کھا سکتے ہیں بھلا۔

نازو : (چپت لگا کر) پاگل تو تیرا کنبہ بھر ہے۔

مہراج : یہ تو اب ہم سر گئے چپت تو بات بات پر پڑنے لگی۔ یہ عشق بھی کیا بری بلا ہے۔

نازو : اب بات کو ٹالو نہیں۔ کھاؤ۔ کھاتا ہے کہ نہیں۔ یا زبردستی کھلا دوں۔

مہراج : جانی تم سوچو تو کہ یہ کیا ستم ڈھا رہی ہو۔

نازو : اچھا چاہے جو ہو میں کھڑے کھڑے نکلوا دوں گی ے اب کھالو۔ ہمارے سر کی قسم۔

مہراج : ماماجی۔ذری تم ہی سمجھا دو۔

نازو : ماما۔میری اچھی ماما۔اللہ کا واسطہ ان کو اک دو کھلا دو ہماری خاطر سے۔

ماما : اے بیوی یہ کیوں کر کھا سکتے ہیں۔

نازو : تم بھی انھیں کی طرف ہو گئیں۔جاؤ ہم نہیں بولتے۔

ماما : کسی کو اپنا ایمان دینا ہے کہ جھوٹ بولے۔ہم سے ہرگز ہرگز جھوٹ نہ بولا جائے گا۔

نازو : اچھا اللہ جانتا ہے جو ہم اب تم سے بولیں۔

نازو منہ پھلا کر اور بھویں چڑھا کر بیٹھی اور مہراج بلی کی طرف پیٹھ کر کے کہا اب ہم سے بولے گا تو توہی جانے گا۔ہم ایسے بے مروتوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتے مہراج بلی ہیں کہ ہاتھ بھی جوڑتے ہیں، پاؤں بھی پڑتے ہیں۔ٹوپی بھی قدموں پر رکھتے ہیں۔پاؤں بھی دباتے ہیں۔ہزار ہزار طرح سے خوشامد کرتے ہیں مگر نازو ایک نہیں مانتی۔انھوں نے ٹوپی قدموں پر رکھی، اس نے اٹھا کر وہ پٹک دی، پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔اور اس نے ایک جھٹکا دیا۔جب انھوں نے بہت دق کیا تو نازو جھلا کر اٹھی۔اور سامنے پانی کی جھجھری جو رکھی تھی اس کو اٹھا کر سب پانی ان پر ڈال دیا۔اب یہ لاکھ غل مچاتے ہیں ہائیں ہائیں۔ارے یہ کیا غضب ہے۔سنتا کون ہے۔از سرتا پا تر۔کپڑے اتارے لنگی پہنی۔انگرکھا پائجامہ، کرتا، رومال، ٹوپی، دھوپ میں سوکھنے کو رکھا۔اور نازو کو سمجھانے لگے دیکھو نازو ہم تمھارے بھلے کے لیے کہتے ہیں۔اور تم ذرا نہیں سمجھتیں یہ چھچھوڑپنے کی باتیں کہلاتی ہیں۔نازو اس وقت ڈلی کتر رہی تھی۔غصے میں بھری ہوئی تو تھی ہی، سروتہ زور سے ہاتھ پر مارا تو مہراج بلی پندرہ منٹ تک ہائے ہائے کیا کیے۔

ماما : اے بیوی یہ ہٹ دھرمی پن اچھا نہیں ہوتا۔

نازو : تو چپ رہ تو کون ہے۔ موئے بولنے والی۔

ماما : میں آپ ہی کے بھلے کے لیے کہتی ہوں۔

نازو : تمھاری بلا سے ہم اپنا فائدہ نہیں چاہتے۔

مہراج : پچھتاؤ گی نازو۔ بہت پچھتاؤ گی۔

نازو : تو پھر بولا بے حیا موئے بے شرم۔

مہراج : ایں ہم فتور باعث اصل ست کہ گفتہ اند۔ ؎

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

اے کس پرتے پر تتا پانی

چاند نی رات ہے۔ جمعرات پیروں کی کرامات ہے۔ ایک پُرانے فیشن کی منجھولی پر جس میں دو ناگوری بیل جتے ہوئے تھے۔ عاشق و معشوق گلے میں ہاتھ ڈالے مزے مزے باتیں اور چہل کرتے اور چھیّاں لیتے چلے جاتے ہیں۔ چلتے چلتے گاڑی بان نے ایک دفعہ ہی گاڑی روک لی، تو اس کے آقا نے پوچھا ہر بھجن یہ گاڑی کیوں روک لی۔ کہا مہراج فوج آتی ہے۔ میں نے کہا ایک کونے میں روک لوں۔ فوج کا نام سن کر ایک بزرگوار گاڑی پر سے اُترے، اور ایک زن جادو جمال سے کہ ان کے ساتھ منجھولی میں سوار آتی تھی کہا جان من گوروں کا رسالہ ہے ذرا تاک جھانک نہ کرنا۔ یہ بڑے ظالم ہوتے ہیں۔ اس نے اسرار کیا کہ ہم کو بھی دکھا دو ادھر رسالہ قریب آیا اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز کانوں میں آنے لگی۔ اور ادھر قریب تھا کہ یہ مرزا چھو ہا تھر تھرا کر گر پڑیں۔ مگر واہ ری عورت اس نے منجھولی کا پردہ الٹ دیا۔ اور ڈٹی بیٹھی رہی۔ اور سیر دیکھا کی جب رسالہ منجھولی کے قریب سے نکلا تو سواروں نے اس رشک بدر، غیرت حور کو گھورنا شروع کیا۔ تب تو یہ چکرائے کہ ہمارا معشوق تو پردے کے اندر بیٹھا ہے۔ یہ لوگ خواہ مخواہ کے لیے کس کو گھور رہے ہیں۔ منجھولی کی جانب جو نظر ڈالتے ہیں تو پردہ ندارد اور وہ بے حجاب تنی ہوئی بیٹھی ہیں۔ دیکھتے ہی ہوش اُڑ گئے،

حواس باختہ ہو گئے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ہاتھ پاؤں میں کپی تھارکپکپاہٹ' یا الٰہی بڑے غضب کا سامنا ہے۔ بیڑا غرق ہوئی۔ معشوق ہاتھ سے گیا۔ یا خدا اگر آج بچ گئے تو بیس کے لڈو تقسیم کریں گے اب عزت تیرے ہی ہاتھ ہے یا معبود۔ ایک سوار نے ذرا زیادہ گھور کر دیکھا۔ تو ان کی جان نکل گئی۔ مگر واہ ری عورت۔ ممکن کیا کہ آنکھ جھپکے۔ جب رسالہ نکل گیا۔ تو انھوں نے پہلے گاڑی بان کو ڈانٹ بتائی کہ جان بوجھ کے سڑک کے اس قدر کیوں قریب کھڑا ہو گیا اور جو کوئی گورا ایک گھونسا لگا بیٹھتا تو کیسی ہوتی۔ پھر لڑنے بیٹھتا۔ اس سے گاڑی بان بولا اجی مہراج جی آپ بھی کیسی کہتے ہیں۔ دس برس کی عمر میں کمسریٹ کی نوکری کی۔ چھ برس لال کرتی میں رہا۔ مؤ کی چھاؤنی میں رہا۔ گورکھا کی پلٹن میں رہا۔ گورا مارتا تو میں بھی ایک جماتا۔ اس پر بہت بگڑے سور کا بچہ پاجی بدبخت بڑا پلٹن کا سالا بنا ہے۔ جتنا تو بوڑھا ہوتا جاتا ہے اتنا ہی بے وقوف ہوتا جاتا ہے۔

گاڑی بان کو ڈپٹ کر آپ منجھولی پر سوار ہوئے، اور اپنے معشوق کا بوسہ لے کر کہا۔ جانی آج تو تم نے ستم ہی ڈھایا تھا۔ بڑا غضب کیا تھا۔ اور وہ جو بگڑ جاتے تو میں کیا بنا لیتا۔ اس نے کہا واہ وا۔ بگڑ جانے کی ایک ہی کہی۔ بگڑ جانا کیا دل لگی ہے۔ مگر سچ کہنا کیسے کیسے خوبصورت جوان تھے۔ ہاتھ پاؤں کتنے خوبصورت اور سڈول۔ دمادہ و جوان جسے کہتے ہیں، اور دو تو بس ہائے کلیجے پر سانپ لوٹنے لگا۔ دونوں پر میں عاشق ہو گئی۔ اگر پرستان میں چھوڑ دو تو پریاں ان کے قدم لیں۔

یہ تو ان دونوں سواروں کی تعریف کرتی تھی، اور اُدھر ان کے عاشق زار جو بغل میں بٹھائے لیے جاتے تھے جل بھن کے خاک ہو گئے۔ کہ عجیب بیباک عورت ہے ہماری بغل میں تو بیٹھی ہے، اور ان سواروں کی تعریف کر رہی ہے۔ مگر اتنا ہم سمجھ گئے کہ یہ ایک جوان اور مست عورت ہے۔

عورت : اب یہاں سے کتنی دور ہے اوئی۔

مرد : وہ سامنے بس اب مار لیا ہے۔ گھبراتی کیوں ہو کیا کسی کا ڈر پڑا ہے۔

عورت : یہ موئی منجھولی ہے کہ چھکڑا ہے۔ مارے ہچکولوں کے کمر ٹوٹ گئی۔

مرد : گاڑی بان تیز ہانکو چلو جلد۔

راوی : گاڑی بان نے جو اپنے مالک کی یہ شہ پائی تو بیلوں کی دم دبائی تاگوری بیل اس طرح سے بھاگے جیسے اچھی ویلر کی جوڑی یہ جا وہ جا۔ راستے میں ایک کانسٹبل نے ڈانٹ بتائی روک لے، روک لے۔ او گاڑی والے روک لے۔

گاڑی بان نے اپنے مالک سے پوچھا۔ حضور روک لوں؟ کہا روک لے کچھ پرواہ نہیں۔ اس نے گاڑی روک لی کانسٹبل نے کہا یہ کس کی گاڑی ہے۔ اس کا چالان ہوگا۔ یہ سنتے ہی گاڑی سے ایک صاحب اتر پڑے۔ ول کیا ہے۔ کاہے واسطے تم گاڑی روکنے مانگتا ہے۔ ہم تمھارا چالان بولے گا۔ تم کون ہے گا۔ کانسٹبل نے عرض کیا خداوند اب لے ہم کو کیا معلوم تھا کہ حضور ہیں۔ گاڑی بان گاڑی ہانک دے۔ الغرض خدا خدا کر کے گاڑی بان نے کہا، بجوراب پہنچ گئے۔ کہا بھئی جان میں جان آئی۔ دو تین منٹ میں منجھولی باغ میں داخل ہوگئی۔ وہ باغ شہر سے کوئی دو میل کے فاصلے پر ایک سنسان میدان میں واقع تھا۔ اردگرد بستی کا نام نہیں۔ ہو کا عالم۔ چوطرفہ سناٹا جن لوگوں نے اس قسم کی طبیعت پائی ہے کہ بنی نوع انسان سے دور دور رہنا چاہتے ہیں ان کو یہ مقام رشک بہشت معلوم ہوتا ہے آدھ میل تک ادھر اُدھر کوئی پوداتک نہ تھا صرف باغوں کی قطار ہی قطار چلی گئی تھی، اور باغ میں سرسبز و شاداب نہیں، ویران ٹوٹے پھوٹے۔ مگر اس کل سمان کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی زمانے میں یہ مقام بھی رہنے کے قابل ہوگا۔ اور یہ باغ جو اب ویران اور اداس پڑے ہوئے ہیں ان میں بڑی دل لگی رہتی ہوگی۔ اور ان کے مالک بڑے متموّل آدمی ہوں گے مگر زمانے کے انقلاب سے اب ان کے ورثا تباہ حال اور پریشان روزگار ہو گئے۔ اس باغ کے محاذی ایک جھیل تھی۔ یہ جھیل عہد شاہی میں بڑی مشہور جھیل تھی۔ اور خود جہاں پناہ بجرے پر سوار ہو کر اور کسی خوبرو اور قوس ابرو بیگم کو ساتھ بٹھا کر اس میں ہوا کھایا کرتے تھے۔ اس زمانے میں اس جھیل کا پانی اس قدر صاف شفاف تھا کہ اگر سوئی بھی اس کی تہ پہ ہوتی تو نصف اللیل دیجور کو صاف نظر آتی ہے مگر اب اس میں کھیتی ہوتی ہے۔ اس کے آگے ایک ٹیلہ تھا۔ بعینہ پہاڑی کے طرز کا جہاں پناہ نے خاص اسی غرض سے بنوایا تھا کہ پہاڑ کا نمونہ بھی اس شہر میں رہے۔ اس زمانے میں مہینے میں ایک بار خاندان شاہی کی یہاں دعوت ہوا

کرتی تھی، اور ظل سبحانی خود بنفس نفیس قدم رنجہ فرماتے تھے۔ کل بیگمات اور کل محل اور شہزادیاں، اور شہزادے جمع ہوتے تھے۔ بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ اب وہاں بھٹی ہے اور شہر بھر کی شراب وہیں کشید ہوتی ہے۔ بیشتر عطر و عنبر کی خوشبو دور تک مہکتی تھی۔ اب دور ہی سے مہوے اور دیسی شراب کی بو آتی ہے۔ باغ کے اتر کی جانب ایک بہت بڑا اور وسیع باغ تھا۔ عہد شاہی میں تین مہینے برابر اس میں میلاد ہوتا تھا۔ ہر جمعہ اور جمعرات کے دن میلا جمتا تھا۔ اور شہر بھر کی ساقنیں اور طوائف اور رقاصہ اور حسینان بے بدل بناؤ چناؤ کر کے آتی تھیں۔ جس شامیانہ میں جائیے ایک پری چہم ساقن بیٹھی چلمیں پلا رہی ہے۔ تماش بینوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگے ہوئے ہیں۔

بی بی ساقن، دموں کی خیر رہے

خصوصاً اچھے صاحب نامے ایک گوری گوری ساقن کی دکان پر تو وہ بھیڑ رہتی تھی اور اس قدر دھکم دھکا ہوتا تھا کہ الاماں۔ آدھا شہر اس قتالۂ عالم پر جان دیتا تھا۔ اس نے اپنے شامیانے کے پاس ایک تختی لٹکائی تھی اور اس پر یہ شعر کندہ کرایا تھا۔

ہر گھڑی سرشار رہتی ہوں بڑی بیباک ہوں
ساقنوں میں میں امین آباد بھر کی ناک ہوں

امین آباد لکھنؤ کے ایک محلّے کا نام ہے۔ گو عہد شاہی میں یہ محلہ مشہور محلّوں میں نہ تھا۔ مگر اس ساقن کا وہاں ہی مکان تھا۔ چوکیوں پر جا بجا تنبولنیں سنگار کر کے بیٹھی تھیں ان پر بھی عالم تھا۔

مکھیتے کا مُنھ کالا۔ مہو باگر دکر ڈالا۔ عشاق زار کا ہجوم ہے اور بی تنبولن کی یہ کیفیت کہ غرور حسن سے کسی طرف آنکھ بھر کر نہیں دیکھتیں۔ ابرو کے اشارے سے باتیں کرتی ہیں۔

درختوں میں جا بجا جھولے پڑے رہتے ہیں۔ اپنے اپنے معشوقوں کو پاس بٹھا کر بے فکرے، بگڑے دل، دن دن بھر جھولے سے اترتے ہی نہ تھے۔ آکا بھائی ادھر اُدھر اکڑتے پھرتے تھے، ہر وقت اسی فکر میں کسی سے لڑائی ہو۔ کہیں خانہ جنگی ہو، تو جوہر دیکھیں۔ ہر میلے میں تلوار دو ایک جگہ ضرور کھنچتی تھی۔ ذرا سی بات ہوئی اور میان سے دو انگل باہر، دو ایک کے خون ضرور

ہوتے تھے۔

اب اس باغ میں اگلے وقت کی نشانی اور یادگار صرف بندر ہی بندر رہ گئے تھے۔ وہ چہل پہل اب کہاں باغ کی جس مقام پر یہ دونوں عاشق و معشوق جا کے بیٹھے یہ وہ مقام ہے جہاں جہاں پناہ اور بادشاہ بیگم اکثر چاندنی رات میں ہاتھ میں ہاتھ دے کر چہل قدمی کیا کرتے تھے اور جس مقام پر یہ تنجولی سے اترے تھے وہاں خواصین زرق برق بباس سے آراستہ ہو کر بڑے ٹھسّے سے خاصدان لیے کھڑی رہتی تھیں۔

اب زمانے کے انقلاب سے جہاں پناہ کے عوض منشی مہراج بلی صاحب اور بادشاہ بیگم کی عوض بی نازو۔ اور خواصوں کی جگہ پر گاڑی بان، اور خدمت گار اور دو ناگوری بیل اور خاصدان کی جگہ پر بیلوں کا گوبر ہے۔ واللہ عبرت کا مقام ہے۔

نازو : اے یہ کس ہو کے عالم میں آئے ہو، جس سے کلیجے میں ہوک اٹھتی ہے۔ چو طرفہ سناٹا ہی پڑا ہے۔ خدا جانے کس جنگل میں لاکے ڈال دیا۔

مہراج : واللہ جنگل کی ایک ہوئی۔ جانی یہ وہ جگہ ہے جہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔

نازو : وہ جب کہا میرے نزدیک تو اب بھی پرندہ پر نہیں مارتا۔ یہاں کیسا سناٹا ہے۔ اُف۔

مہراج : یہاں بادشاہ رہا کرتے تھے۔ اس زمانے میں اس پر بھی ایک عالم تھا۔ اس وقت کم سے کم دو سو خواصیں تو خاصدان لیے کھڑی ہوتیں۔ عطر اور پھولوں کے گہنے میں بسی ہوئی، بڑی دور تک خوشبو آتی تھی۔ واللہ تمھارے سر کی قسم آدھا شہر بس جاتا تھا۔

نازو : مگر اس وقت تو کچھ عجیب طرح کی بو آتی ہے کہ دماغ پھٹا جاتا ہے۔ الٰہی توبہ۔

مہراج : آبکاری یہاں سے پاس ہے۔ اس کی بو آتی ہے۔

نازو : آبکاری کیا چیز ہے۔ اے عجب طرح کی بو ہے۔

مہراج : آبکاری اسے کہتے ہیں جہاں شراب کھینچی جاتی ہے۔ سڑائی جاتی

ہے۔ اسی سے بو آتی ہے۔

نازو : اسی کا نام دنیا ہے۔ جہاں شاہزادیوں کے سوا کوئی بھٹکنے نہیں پاتا۔ تھا۔ وہاں چنو کی لڑکی مالک بنی بیٹھی ہے کیا قدرت خدا کی ہے۔

مہراج : چنو کی لڑکی کون۔ چنو کون تھے۔

نازو : اے تمھارے سسر ہمارے ابا تھے۔

مہراج : (گلے لگا کر) جانی دیکھو جو کہا ہے اس کو یاد رکھنا، ہمارے خسر تمھارے ابا۔ تو تم ہماری کون ہوئیں۔

نازو : ہم۔ ہم۔ تمھاری جورو۔ گھر والی۔

مہراج : (زور سے گلے لگا کر) میں صدقے۔ واللہ اس وقت دل ہاتھوں بڑھ گیا۔

مہراج بلی نے مالیوں کے جمعدار کو بلایا۔ پوچھا کوئی شے تیار ہے کہا حضور لکھوٹ ہے۔ کیلا ہے۔ کولا ہے۔ رنگترا ہے۔ حکم دیا کہ ڈالی بنا لاؤ۔ تھوڑی دیر میں جمعدار ڈالی لایا۔

نازو نے ایک رنگترا چھیلا اور کھانے لگی۔ مہراج بلی نے لکھوٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ نازو بولی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس وقت کیا مزہ دے رہے ہیں۔ جو تم روز روز آؤ یہاں تو اللہ جانتا ہے ہم بھی آیا کریں۔ مگر جب وہ موا کھدو آجائے گا تو بڑی مشکل پڑے گی۔ ہم اب اس کو چھوڑ دیں گے۔ نکما آدمی ہے کچھ مال نہیں۔ اب ہم تم کو نہ چھوڑیں گے۔

مہراج بلی تو یہ چاہتے ہی تھے۔ اب بار بار یہ کیوں کہتی ہو۔ یہ تو ہم سے تم سے قول قرار ہو ہی چکا ہے کہ تم ہماری ہو اور ہم تمھارے ہیں۔ تو مرتے دم تک نباہیں گے۔ مگر تم نباہ سکو گی کہ نہیں نازو نے جواب دیا ؎

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

دیکھ لینا گھر کی جورو اتنی خاطر نہ کرے گی جتنی ہم کریں گے۔

راوی : بیشک بیشک۔ اس کا ہم کو بھی یقین ہے۔ آپ ایسی ہی وفادار ہیں۔ کچھ میاں کی سی ہو کے رہیں اور کچھ اب منشی مہراج بلی کی سی ہو کے رہو گی۔

اتنے میں گاڑی بان نے پوچھا۔ سرکار بیلوں کو کھول دوں یا چلیے گا۔ مہراج بلی نے ڈانٹ بتائی۔ کچھ واہی سا معلوم ہوتا ہے۔ ابے رہنے آئے ہیں کہ چلنے۔ آدمی ہے کہ خبط الحواس بیلوں کو کھول ڈال۔ گاڑی بان بڑبڑاتا ہوا چلا، ایک مالی نے پوچھا کیا ہوا چودھری۔ اس نے کہا اجی کیا بتائیں جب سے کچہری میں کمیٹی میں جانے لگے ہیں۔ تب سے جمین (زمین) پر کدم (قدم) نہیں رکھتے۔ بات کرتے ٹیٹوا لیتے ہیں۔ پھاڑ کھاتے ہیں۔ سیدھی بات تو بولتے ہی نہیں۔ اب ہم نوکری ہی نہ کریں گے۔

ادھر مہراج بلی نے گھڑی جو دیکھی تو ایک پر سترہ منٹ آگئے۔ ارے۔! نازو نے کہا۔ اب چل کے سو رہو۔ نیند معلوم ہوتی ہے۔ اتنے میں مہراج بلی نے ایک قصہ چھیڑ دیا۔ مینوسپلٹی میں صاحب ہر سٹے ہماری ہی طرف مخاطب ہوتے ہیں۔ کوئی کام ہو، مہراج بلی کے سپرد۔ آج کل ہم بم پولیس بنوا رہے ہیں۔ پرسوں دن بھر ہم پاگل خانے میں رہے۔ نازو نے مسکرا کے کہا (ہو تو اسی قابل) فرمایا شہر بھر میں کوئی مہتر آنکھ اٹھا کے تو دیکھے۔ ہماری طرف۔ آنکھیں نکال لوں۔ نازو تمھارے سر کی قسم جو ذرا بھی اس میں جھوٹ ہو۔ نازو نے پھر پھبتی کہی۔ اے کیوں نہ ہو مہتروں کے سردار۔ لے اب شہر بھر کی صفائی اور پرگنے بھر کا انتظام اسی وقت ہو گا۔ اور کوئی وقت نہیں ہے۔ اب چل کے سو رہو ذرا طبیعت الکساتی ہے۔ تمام ملک کی صفائی کا بندوبست کیا آج ہی پر منحصر ہے۔ اور کسی دن پر اٹھا رکھو۔ وہ ایسی کب سنتے۔ انھوں نے ڈنڑ پیلنے شروع کر دیے۔ ڈنڑ کیا پیلتے تھے منھ چڑاتے تھے۔ اتنے میں دو بج گئے۔ اب آپ نے ایک درخت کی ٹہنی لے کر پیترے بدل بدل کر پھکیتی دکھاتی شروع کی۔ یہ طمانچہ ہے، اور یہ کڑک، اور یہ پالٹ، اور یہ ہنکٹی۔ یہ پیترے بدل ہی رہے تھے کہ جیسے ہی انھوں نے کہا۔ (یہ ہنکٹی) نازو نے لپک کر خوب چستی و چالاکی سے ایک ٹیپ جمائی۔ اور کہا اس کا نام نہیں جانتے یہ سرکٹی ہے۔ اب یہ پرکٹی اڑائے گا۔ رات بھر! سوئے گا بھی۔ اتنے میں تین بج گئے۔ تین بجے سے چار بجے تک منشی مہراج بلی مناجات پڑھا کیے۔ اور بی نازو جھلا جھلا کر رہ جاتی تھیں۔ بیس دفعہ ٹوکا ہو گا۔ مگر وہ اپنی دھن میں تھے۔ انھوں نے جب تک پوری مناجات ختم نہیں کر لی خاموش نہ ہوئے، اور صرف ایک ہی مناجات نہیں کئی مناجاتیں۔

اتنے میں نازو اٹھ کر پلنگ پر لیٹیں، اور لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ مہراج بلی فرش ہی پر سو گئے۔ چھ بجے ان کی آنکھ کھلی تو انھوں نے نازو کو جگایا۔ نازو انگڑائی لیتی ہوئی اُٹھی۔ تڑکا ہوگیا۔ اے تم نے ابھی سے کیوں جگا دیا۔ رات بھر تو تو نے سونے نہیں دیا۔ اور تڑکے تڑکے جگا دیا۔ مہراج بلی نے کہا لے مُنھ دھو ڈالو۔ نازو نے مُنھ دھویا۔ اور کہا اب ہم جاتے ہیں منجھولی تیار کراؤ۔ منجھولی کی تیاری کا حکم دیا گیا۔ مہراج بلی نے کہا اب ہم شام کو یہاں سے جائیں گے۔ تم جاؤ۔

نازو : یہاں اکیلے کیا کرو گے۔ کیا دن کو اور کسی کو بلاؤ گے۔

مہراج : تمھارے سر کی قسم، تمھارے سوا اگر کسی اور کو ٹیڑھی نگاہ سے دیکھوں تو آنکھیں پھوٹیں۔ ؎

خدا شاہد کسی سے اور الفت ہو تو کافر ہو
تمھیں پر جان جاتی ہے تمھیں پر دم نکلتا ہے

نازو : یہ سب مردوں کی جھوٹی باتیں ہیں۔

القصہ منجھولی پر سوار ہوئیں۔ تو مہراج بلی نے خدمت گار کو حکم دیا کہ (پانی گرم کرو) تو نازو منجھولی میں سے بولی۔ (اے میاں کس برتے پر تتا پانی۔)

یہ مردار بھی شریک صحبت ہوئی

معشوق مہ لقا ہو شب ماہتاب ہو
صحرا ہو چشمہ سار ہو جام شراب ہو

حضرات ناظرین۔ نواب محمد عسکری صاحب کی بربادی کے دن اب قریب آ گئے۔ اب ان کے دربار میں اُس مردار نے بار پایا، جو خانہ بر انداز جمعیت خاطر ہے۔ یہ وہ سبز قدم ہے، جس نے لاکھوں گھر برباد کر دیے۔ کروڑوں آدمیوں کو خاک میں ملایا۔ اس ناپاک مردار کی بدولت بیشمار آدمی پیوند خاک ہوئے۔ اب سنیے کہ ایک روز کوئی دو گھڑی رات گئے بی قمرن کی محل سرا میں نواب صاحب اور ان کے ہم زلف نواب رونق جنگ، اور منشی مہراج بلی اور ممن اور اختر چھت پر بیٹھے گپیں اڑا رہے تھے۔ کہ اتنے میں نواب چھٹن صاحب تشریف لائے۔ صحن میں

آن کر پکارا (ارے میاں ہو۔ ہو کے نہیں ہو؟ اور ہو تو کہاں ہو۔ جاگو جاگو، رات کے سونے والو۔ جاگتے ہو۔ کھنکھارو جاگو)

نواب چھٹن صاحب گو کسی قدر رنگین مزاج آدمی تھے۔ مگر مہذب۔ سب کے سب متحیر کہ یا الٰہی ان کو یہ آج کیا سوجھی۔ ارے میاں ہو، اور ہو تو کہاں ہو اور جاگو۔ یہ کیا حرکتیں ہیں۔ نواب چھٹن صاحب کوٹھے پر دنداتے ہوئے چلے آئے۔ ہیلو محمد عسکری۔ ہیلو۔ کدھر ہیں بی قمرن جان صاحب اخاہ یہ بیٹھی ہیں۔ ادھر آؤ جانی۔ محمد عسکری کی ایسی تیسی۔ ادھر آؤ اچھا اور کچھ نہیں۔ ایک بوسہ دے دو۔ ایک بوسہ ضرور لیں گے۔ چاہے کچھ ہو ؎

بوسہ بدہ بوسہ بدہ جان من

بوسۂ لب دلبر جانا ن من

رونق جنگ نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، اور پلنگ پر بٹھایا اور باتیں کرنے لگے۔ بھئی چھٹن صاحب یہ آج ماجرا کیا ہے۔ ارے میاں قمرن کون ہیں، وہ تو نواب کے گھر پڑ گئیں ہیں۔ اور یہ تم کیا گفتگو کر رہے ہو۔ بوسہ اور جانی اور یہ سب کیا۔ اول جلول بک رہے ہو۔ چھٹن صاحب جھلائے اول جلول ہم اول جلول بکتے ہیں۔ (ہنس کر) اچھا ذرا قمرن کو بلاؤ۔ اگر یہ چرخ چنبری اور آسمان بریں ہزار بار بھی چکر کھائے۔ اور گردون دوں، سفلہ پرور، ہو جائے تو قمرن کی سی پری پیدا نہیں ہو سکتی۔

یہ کہتے کہتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نواب محمد عسکری کے قدموں پر ٹوپی رکھ کر۔ بھائی نواب میں تیرے صدقے، یار ذرا قمرن کی صورت تو دکھا دے ؎

اپنی صورت دکھا دے اے قمرن

جانی برسوں سے ہم ترستے ہیں

محمد عسکری دنگ کہ یا الٰہی یہ آج ان کو ہوا کیا ہے۔ مسکرا کر اصرار کیا کہ بیٹھو، اور اپنا حال تو کہو۔ یہ ماجرا کیا ہے یار۔ ممن نے نواب صاحب کے کان میں چپکے سے کچھ کہا تو محمد عسکری کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ رونق جنگ ممن کو علاحدہ لے گئے۔

رونق : کیا کہا بتاؤ تو آج ان کی کیفیت کیا ہے۔

ممّن : حضور کوئی شک نہیں۔ کہ انھوں نے آج پی ہے۔

رونق : ایں۔ لاحول ولا قوۃ۔ لعنت خدا۔

ممّن : خداوند اب اس وقت اس بات کو پی جائیے۔

رونق : لاحول ولا قوۃ۔ اے میاں سوچو تو۔ ہے ہے۔

ممّن : حضور وہ لڑ پڑیں گے اس وقت ضبط کیجیے۔

رونق : وہ لاکھ لڑ پڑیں۔ میں کب لڑوں گا۔

ممّن : بجا ہے۔ وہ پیے ہوئے ہیں۔ حضور تو نہیں پیے ہیں۔ مگر کیا بُری شے ہے واللہ۔ ہے ہے۔

رونق : ان کی نسبت تو کبھی سنا نہیں تھا۔

ممّن : حضور اتفاق۔ پھنس گئے کہیں۔ ہائے افسوس۔

اتنے میں منشی مہراج بلی صاحب تشریف لائے۔ ارے میاں ہم کو بھئی۔ اب ہم ٹھیک ٹھیک چشم دید تو کہہ نہیں سکتے۔ مگر۔ بھئی انھوں نے جو اٹک اٹک کے تقریر کی تو رونق جنگ جھلا گئے۔ کہا بھئی یہ آخر تم اس قدر جھجکتے کیوں ہو کچھ کہنا ہے تو صاف صاف بیان کرو۔ مہراج بلی نے کچھ سوچ کر کہا۔ بھئی ہماری تو یہ رائے ہے کہ یہ پیے ہوئے ہیں۔ رونق جنگ نے سر کے اشارے سے ان کی رائے سے اتفاق کیا۔ بھئی مہراج بلی افسوس کا مقام ہے کہ ایسا لائق دوست اور آج اس کو ہم اس کیفیت سے دیکھیں افسوس ہے واللہ۔

اُدھر یہ گفتگو ہو رہی تھی اُدھر نواب چھٹن صاحب محمد عسکری کے قدموں پر بار بار ٹوپی رکھ رہے تھے کہ یار خدا کے لیے قمرن کو بلاؤ۔ اور لطف یہ کہ بی قمرن سامنے ہی بیٹھی ہیں۔ مگر ان کو نظر نہیں آتیں۔ قمرن کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ یہ اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ ممّن اور مہراج بلی تو ان کی باتوں ہی سے تاڑ گئے تھے۔ کہ یہ پیے ہوئے ہیں۔ اور رونق جنگ سے ان دونوں نے کہہ دیا تھا۔ مگر محمد عسکری اور قمرن اور نازو وغیرہ خاک نہیں سمجھے کہ نواب چھٹن صاحب اس قدر بے کیف کیوں ہیں۔

جب نواب محمد عسکری نے دیکھا کہ چھٹن صاحب کسی طرح نہیں مانتے۔ اور

گو قمرن سامنے بیٹھی ہے، مگر وہ یہ بکے جاتے ہیں۔ کہ قمرن کو بلاؤ تو ان کو یقین ہوگیا کہ چھٹن صاحب کے دماغ میں خلل ہوگیا ہے، اور ناز و ادا قمرن کو بھی یہی یقین تھا مگر منشی اختر صاحب سب سے زیادہ متحیّر تھے کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔

رونق : بھئی چھٹن صاحب ذرا ادھر تو دیکھو یار چپے

چھٹن : کیوں دیکھیں نہیں دیکھتے۔ قمرن کو بلاؤ۔

نواب : قمرن بھی آتی ہیں۔ تم باتیں تو کرو۔

چھٹن : یار اس وقت طبیعت مزے میں ہے۔ واللہ۔

رونق : بھئی تم اس وقت آتے کہاں سے ہو۔

چھٹن : ارے یار میں اس وقت اپنے قابو میں نہ تھا۔ مگر اتفاق یار تم بھی شریک ہو۔ واللہ شریک ہو۔ مگر بھائی قمرن کو تو بلاؤ۔ ہائے میری قمرن۔

اب رونق جنگ اور منشی مہراج بلی ان کو سمجھا رہے ہیں کہ۔ یار تم اس وقت واللہ اپنے ہوش میں نہیں ہو۔ اور چھٹن صاحب بگڑ رہے ہیں کہ تم لوگ جھک مار تے ہو۔ ہوش میں نہ ہونا کیا معنی۔ تم خود اپنے ہوش میں نہیں ہو۔ محمد عسکری نے کہا بھائی تم اس وقت کیا چاہتے ہو؟ کیا فقط قمرن انھوں نے کہا د تو بھئی اس وقت قمرن کہاں سے آسکتی ہے۔

رونق : اچھا بھئی تم اب سوار ہو چھٹن صاحب۔

چھٹن : اچھا۔ مگر قمرن کو بلاؤ۔ عسکری کون چیز ہے۔ کچھ پروا نہیں۔ مگر قمرن۔ ہائے قمرن۔

تھوڑی دیر کے بعد چھٹن صاحب کا نشہ اتر گیا۔ تو انھوں نے پانی مانگا۔ دو کٹورے بھر کے برف کا پانی پیا۔ اور کہا بھئی آج بڑے بُرے پھنسے تھے۔ مگر خدا کی قسم عجب شے ہے۔ میں کیا کہوں ایک شخص سے بحث ہوگئی ہم نے کہا۔ شراب میں بو ضرور ہوتی ہے، اور وہ کہتے تھے کہ بیسوں قسم کی ولایتی شرابیں ایسی ہیں کہ جن میں بو کا نام نہیں۔ اب اس کا فیصلہ کیوں کر ہو انھوں نے قسم کھائی کہ تین چار قسم کی شراب ایسی بھی ہوتی ہے جن میں سُکر نہیں ہوتا۔ مولوی آدمی اور مومن۔ میں نے کہا آزماؤں تو بس انھوں نے منگوائی۔ خود بھی پی، اور مجھے بھی

پلائی۔ نہایت ہی خوش ذائقہ اور بو کا نام تک نہیں۔ اور نشہ بھی نہیں۔ اک ذرا یوں ہی سا سرور جیسے گرما گرم کافی پی۔ مگر بھائی کھانا کھانے جو بیٹھا تو دونی بھوک۔ اور ڈکاریں جو آتی ہیں تو خوشبو۔

قمرن نے جو اس قدر تعریف سُنی تو مُنھ میں پانی بھر آیا۔ نواب کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا میرے اچھّے نواب ہم کو بھی منگا دو۔ چھٹّن صاحب نے بھی اصرار کیا کہ ہاں منگواؤ یار۔ میاں ممّن کو حکم ہوا کہ جا کے سوداگر کی دکان سے ایک بوتل لاؤ۔ مگر کہنا کہ ایسی شراب دو جس میں نہ شکر ہو اور نہ بو ہو۔ چھٹّن صاحب کو نام یاد تھا۔ فرمایا تم جنجر وائن کہنا۔ ادرک کی شراب۔ میاں ممّن نے ٹمٹم کھنچوایا۔ اور نوروزجی کمپنی کی دکان پر آئے۔ بھئی ایک بوتل ادرک کی شراب کی دو۔ سوداگر نے ہنس کر پوچھا کیا سرکار پئیں گے۔ ممّن نے کہا کوئی تو پیے ہی گا۔ بوتل لے کر میاں ممّن واپس آئے۔ بوتل کھولی گئی تو سب نے سونگھی اور سب کی رائے یہی قرار پائی کہ یہ حرام نہیں ہو سکتی اس کو کون حرام کہہ سکتا ہے۔ بی قمرن نے سب سے پہلے چکھی۔ مگر ڈرتے ڈرتے اور بہت ہی قلیل مقدار میں۔ بعد ازاں نواب کے اصرار سے ممّن نے پی اس کے بعد بی نازو نے بھی ایک چسکی لگائی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد پھر تھوڑی تھوڑی پی۔ کبھی کی عادت تو تھی نہیں نشہ کسی قدر تیز ہو گیا تو یوں گفتگو کرنے لگیں۔

نازو : (قمرن کو گلے لگا کر) یہ دولھنیا ہے ہماری۔ مُنھ ڈھانک کے بیٹھو۔ کس کو صورت دکھائے دیتی ہو۔ لڑائی کراؤ گی۔

قمرن : نواب صاحب کے حقّے پر سے چلم اُتار کے پینے لگی) ہم چلم ہی پئیں گے۔ حُقّے میں جی گھبراتا ہے۔

نازو : نواب صاحب کو اللہ صحیح سلامت رکھے۔ اِن کی بادولت (بدولت) سونے کی رکیبیاں کھاتے ہیں۔

قمرن : (نواب صاحب کی جیب سے چاقو نکال کر) سرکار یہ چقّو لے لیں۔ ہے حکم بتائیے۔ پھر کہیے۔

نواب : تم کیا کرو گی چاقو لے کے۔

قمرن : سرکار چقّو سے چقّو لڑائیں گے بس۔

نواب : اُفوہ بہت دنوں کے بعد ہمیں بھی یاد آیا۔ لڑکپن میں ہم نے بھی چاقو لڑائے ہیں۔

قمرن : کچھ بوھیا تو نہیں ہے۔ ٹوٹ تو نہ جائے گا۔ بولو۔

نواب : کس سے لڑاؤ گی کس سے۔

قمرن : اپنی دوگانا سے۔ مدارو اُن کا نام ہے۔ بیٹرن ہے نٹنی۔ مگر وہ کار اب چھوڑ دیا۔

نواب : ایسی فاحشہ عورتوں کو نہ بلوایا کرو۔

قمرن : اے تو حضور وہ کیا آئے گی۔ خانگی تھوڑا ہی ہے۔

ممّن : اور نہیں تو ہے کون۔ تمھارے سر کی قسم۔

قمرن : اے چپ رہو کیا مفت کا سرپایا ہے۔ کوئی فالتو ہیں ہم اپنے سر کی قسم نہ کھاؤ چلے قسم کھانے۔

رونق جنگ نے چھٹن صاحب کے کان میں کہا استاد کیا شے ہے شراب بھی۔ پیتے ہی اپنی اصلیت پر آگئیں۔ سرکار بھی کہتی ہیں۔ اور حضور بھی کہتی ہیں اور چاقو لڑانا بھی یاد آگیا۔ اور حقّہ چھوڑ کے چلم بھی پینے لگیں۔ چھٹن صاحب نے کہا میں کہنے ہی کو تھا اور نہیں صرف یہی نہیں کہ دھوکے سے یا بھولے سے پی لی ہو۔ بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ حقّے میں جی گھبراتا ہے۔ سنتے جائیے ابھی کیا ہے۔

اتنے میں ایک مہری نے کہا بیگم صاحب بچا! ۔ اس کمرے میں ایک چڑیا کا بچّہ جھونجھ سے گر پڑا ہے۔ چوں چوں کر رہا ہے۔ فوراً قمرن اور نازو دونوں لپکیں۔ اور بچّے کو اٹھا لائیں۔ نازو نے کہا۔ اتّی دور جھونجھ سے گرا اور جیتا جاگتا ہے۔ قمرن بولی باجی اللہ کے کھیل اللہ ہی جانے۔ ارے اللہ تیری شان۔ اور اس میں ہے کیا۔ خون کی بوند۔ اے یہ چڑیا کا بچّہ نہیں ہے مینا کا بچّہ ہے۔ مہراج بلی نے اس کی تردید کی۔ مینا کا جھونجھ یہاں کہاں چڑیا کا بچّہ ہے۔ نازو نے قہقہہ لگایا۔ کاہے کا چڑیا کا بچّہ ہے خاصہ ہے۔ وہ تو کہو یہاں چھت گیریاں لگی ہوئی ہیں نہیں تو بہت سے جھونجھ ہوتے۔ ایک دن سبزی پیو۔ کیوں۔ مہراج بلی۔ ضرور پیو ہم پلائیں گے۔ مہراج بلی نے کہا ہم پئیں گے۔ اور اختر نے

قہقہہ لگایا۔ ضرور پیجیئے۔ جب بی نازو پلائیں تو کیوں نہ پیجیے۔ اس پر اور سب نے بھی قہقہہ لگایا۔ اور بڑی دل لگی ہوئی۔

نازو : سبزی کے نشے میں بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یوں بیٹھے ہو۔ بس ایکا ایکی یہ معلوم ہوا کہ درخت کی پھنگی پر سے دھم سے کسو نے پھینک دیا بچّے کو۔

ممّن : آپ تو سبزی پیتے ہوں گے۔ منشی مہراج صاحب۔

مہراج : ہاں ہاں چوتھے پانچویں پیتے ہیں ہم۔

ممّن : مگر دو کوڑی کا نشہ۔ واللہ کچھ نہیں۔

مہراج : اب شراب کا اور بھنگ کا کیا مقابلہ ہے بھلا۔ شراب تو کل نشوں کی بادشاہ ہے۔ بھنگ بھری کیا۔ اور شراب کیا کچھ دن ہم نے مدک بھی پی ہے۔ چرس کے دم بھی لگائے ہیں، مگر گانجا کبھی نہیں پیا۔

ممّن : گانجا پاجیوں کا نشہ ہے۔ چرس تو شاہی ہیں۔ سب ہی شریف زادے پیتے تھے جتنے شرفا تھے۔

نازو : نواب صاحب ان کے واسطے سبزی منگواؤ بازار سے ہمارے مہراج بلی کے لیے یہ پئیں گے۔

نواب : اخاہ۔ ہمارے مہراج بلی۔ ا۔ یہ کہیے ہاں!۔

نازو : ہمارے ہی ہیں۔ ہمارے میاں ہیں کہ نہیں۔

نواب : اب چپت بازی نہیں ہوتی کہ ہوتی ہے۔

نازو : جب جی چاہتا ہے پیار کرتے کرتے اسی وقت چپت بھی لگا دیتے ہیں۔ آشنائی کچھ ہنسی ٹھٹھا ہے لوہے کے چنے چبانا ہے۔ سب ہی طرح کے مزے ہیں۔

چھٹّن : بھئی نواب تھوڑی سی ہم بھی پئیں گے یار۔

نواب : ہوں ہوں پیو۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ اتنی پیو کہ تمھارا تماشہ دیکھیں۔ ذرا دل لگی ہی سہی دو گھڑی کی۔

چھٹّن : اب ایک دفعہ تو تماشا دیکھ چکے ہیں۔

نواب : نہیں۔ تھوڑا ہی نشہ تھا۔ ہم اور کچھ چاہتے ہیں۔ ذرا بازار میں غل مچاؤ۔

چھٹن : ایسی تیسی آپ کی۔ کوئی دھوبی یا کہار مقرر کیا ہے۔ بازار میں غل مچانے کی اچھی کہی۔

منشی مہراج بلی تو بھنگ پینے پر راضی ہو گئے۔ مگر حضرت چھٹن صاحب نے ضد کی کہ نہیں شراب تم بھی پیو۔

مہراج : معقول میں اپنا دھرم دوں آپ کے لیے۔

چھٹن : آپ کا دھرم گیا۔ ایسی تیسی میں۔ آپ چوٹے ہیں

مہراج : نہیں یہ دل لگی اچھی نہیں ہے بھائی صاحب واہ ذرا کچھ سنبھلے ہوئے۔

نواب : بھئی زبردستی پلائیں گے۔ اٹھو جی چھٹن صاحب۔

چھٹن : بسم اللہ۔ لے منشی مہراج بلی صاحب آئیے۔

مہراج : کچھ واہی ہوئے ہو تم لوگ۔ واہ واہ۔

نواب : ارے چاہے تو آنکھیں دکھا چاہے غل مچا ۔ہم بے پلائے چھوڑیں تو حمار۔ شریف نہیں۔

مہراج : بھئی تم کیوں اصرار کرتے ہو۔ تم خود پیو تو ہم بھی پیتے ہیں۔ لو جام اٹھاؤ پلا سے۔

قمرن نے جھپ سے ایک بلورین جام میں تھوڑی سی شراب انڈیلی اور گلے میں ہاتھ ڈال کر اور ایک بوسہ لے کر کہا آداب۔ ہمارا خون پیے جو یہ نہ پیے محمد عسکری نے چپکے سے جام لے لیا اور پی گئے۔ بھئی واللہ عجیب شے ہے۔ ارے میاں خوشبو اور خوش ذائقہ۔ لے مہراج بلی صاحب اب پیجیے۔

مہراج : پینے والے پر تین حرف بھیجتا ہوں میں اپنے حساب اور کیا کہوں۔

چھٹن : نواب صاحب کو تو پلوا دی۔ آپ نے اور اپنے داؤں (داؤ) کو لیوں۔ کیا خوب۔

نازو : اے پی لو۔ ہماری جان کی قسم پیو پیو۔

مہراج : مذہب میں قسم وسم ایک نہیں چلتی۔ یہ تم سمجھنے باز۔ بڑے ذات شریف ہوتے ہو۔

اتنا کہنا تھا کہ چھٹن صاحب نے ان کو پچھاڑا اور نواب صاحب نے

ان کو مدد دی۔ میاں اختر نے ہاتھ پکڑ لیے۔ ممن نے گردن اور سر تھاما۔ نازو نے گلاس میں شراب اُنڈیلی۔ اب مہراج بلی گالیاں دے رہے ہیں۔ اور غل مچا رہے ہیں۔ ارے کم بختو مسلمان کے گلاس میں دیتے ہو۔ ارے ایسا ہی ہے، تو بازار سے مٹی کا کورا انجورا منگا لو۔ ارے مسلمان کا جھوٹا ہے۔ وہاں سنتی کس کی بلا ہے۔ دو ایک آدمیوں نے منھ چیرا۔ اور نازو نے کوئی چھٹا نک بھر شراب ان کے گلے میں اُتار دی۔ اور اپنے ہاتھ سے ایک گلوری بھی مُنھ میں رکھ دی اور ان کو چھوڑ دیا۔

نواب : سستھنے باز ذات شریف ہوتے ہیں (ہنس کر) پھر کہے گا۔ بے۔

مہراج : دیکھو معلوم ہوئی جاتی ہے۔ قدر و عافیت۔ ٹھوک دوں گا۔ نالش۔

نازو : چلو اب تو دھرم گیا تمھارا۔ اب کیا۔

مہراج : نازو کے ہاتھ سے پینے میں دھرم نہیں جاتا۔

ممن نے کہا حضور یارانہ اور دل مل جانا بھی کیا شے ہے۔ دیکھیے اتنی بڑی بدت (بدعت) کی گئی مگر مہراج ہنس رہے ہیں۔ اگر دوسرا ہندو ہوتا تو ٹیٹوے پر چڑھ بیٹھتا۔ یا زہر کھا کے وہ مر جاتا۔ یہ ہنس رہے ہیں۔ غضب خدا کا میرا جھوٹا اور اس میں ان کو پلائی گئی۔ مگر یارانہ۔

مہراج بلی گو پرانے نشے باز تھے۔ مگر شراب پینے کے عادی نہ تھے۔ نازو نے جو زبردستی ذرا سی پلا دی تو مزے میں آگئے۔ پہلے تو میونسپلٹی کا ذکر چھیڑا۔ اور لگے واہی تباہی بکنے۔ کیا کوئی انتظام کرے گا۔ جو ہم کرتے ہیں۔ اور کاہے واسطے تم لوگ صفائی کا خیال نہیں رکھتا۔ تم لوگ کھراب آدمی۔ بلاؤ مہتروں کو ایک ایک کا جائزہ ہم لینے والا ہے۔

ممن : حضور چڑھ گئی ان کو ذری سنتے جائیے خداوند۔

مہراج : تم مہتر کا بچہ شہر کو صاف رکھے گا۔

نواب : ارے بھئی ہو کہاں اس وقت حضور کہاں ہیں۔

مہراج : کاہے واسطے پوچھتا ہے تم لوگ کا چالان۔

نواب : (ہنس کر) یادحشت۔ ارے بھئی کیوں چالان کیے دیتے ہو،

خواہ مخواہ کچھ دوستی کا بھی خیال ہے۔

مہراج : اور دِل اچھا ممّن کا چالان تم سور

ممّن : حضور ہم کو یہ توقع تھی کہ وقت پر حضور سے مدد ملے گی اور آپ اُلٹا اور چالان کیے دیتے ہیں۔

مہراج : کاہے واسطے تم الٹا پلٹا بولی بولتا ہے۔

رونق : کاہے واسطے بہت کہتے ہیں کوئی بات ہو۔ کاہے واسطے ضرور کہیں گے۔

مہراج : نازو جان ذری سی اور دے دو، ہمارے لہو کی قسم اک ذرا سی۔ اشکِ بلبل۔

نازو : اے نہیں۔ اب نہیں۔ اب تم سٹری ہو جاؤ گے۔

نواب : منشی مہراج بلی۔ یار تم اب ٹھیک نہیں ہو۔

مہراج : چپ رہو۔ کاہے واسطے ٹھیک نہیں ہے۔

قمرن : اے یہ تم کیا بک رہے ہو واہ۔ ذری سی میں تو یہ حال ہو گیا۔ چلّو میں اُلو۔

نازو : تم اتنا بکتے کیوں ہو۔ چپ چاپ بیٹھے رہو۔

مہراج : چپ رہو کاہے واسطے بکتا ہے تم لوگ۔

قمرن : اب نہ ان کو دینا۔ یہ اپنے آپ میں نہیں ہیں۔

ممّن : منشی مہراج بلی صاحب۔ بھلا دو اور چھ کتنے ہوتے ہیں۔ ذرا بتائیے تو آپ تو بڑے حسابی ہیں۔

مہراج : دو اور چھ۔ دو اور چھ بارہ۔ چھ اکن چھ۔ چھ دونی بارہ۔ چھ تیے اٹھارہ۔ چھ چوکے چوبیس۔ چھ پنجے تیس۔ چھ چھکے چھتیس۔ چھ ستے بیالیس۔ چھ دہام ساٹھ۔

محمد عسکری اور رونق جنگ مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گئے۔ اور مہراج بلی غل مچاتے جاتے ہیں، کہ کاہے واسطے تم لوگ سور لوگ ہنستا ہے۔ دانت کھول دیا۔ گدھے کے موافق ہم تمھارا چالان بول دے گا مت ہنسو۔

تم لوگ۔ بس ہم یوں دیا ہے۔

مہراج علی کی اس بوکھلاہٹ پر قہقہہ پڑا۔ مگر خرابی یہ تھی کہ قمرن اور نازو اور ممّن اور چھٹّن صاحب سب نشے میں۔

ممّن : صفائی کیا چیز ہے۔ صفائی ہے کیا چیز۔

مہراج : صفائی کا ہے واسطے ہونے نہیں مانگتا۔

ممّن : صفائی ہے کیا شے۔ صفائی کیا شے ہے۔

مہراج : کاہے واسطے ہونے نہیں مانگتا چپ رہو۔

ممّن : کہنے لگے صفائی۔ صفائی ہے کون جنور۔

مہراج : تم گدھا کیا جانے۔ کاہے واسطے نہیں مانگتا چالان لو سور تمھارا چالان۔

نازو : یہ تو بک کیا رہا ہے۔ کچھ نشہ تو نہیں پی کے آیا ہے۔ اے ہاں آپ ہی آپ بک رہا ہے۔

ممّن : نہیں نہیں۔ ہم سمجھ گئے۔ یہ آج جو اتنی توپیں دغیں تو کوئی لاٹ ضرور آیا ہوگا۔

قمرن : توپیں کہاں دغیں۔ یہ بکتا کیا ہے۔

ممّن : حضور اب ہم نوکری نہ کریں گے بس ہمارا استعفا۔ اس کی یہ مجال کہ ہم سے کہے کہ ممّن تم بکتے کیا ہو۔ بس استعفا۔

نواب : تو کیا ہوا کیا خرابی ہوئی۔

ممّن : حضور اس کی یہ مجال کہ ہم سے کہے کہ ممّن بکتے کیا ہو ؎

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد

میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

چھٹّن : کیا جھک مارتا ہے بے۔ تو اور یہ کلام۔ آپ ہیں کیا۔ اور اس بے چاری نے کہا کیا تھا۔ کہ آپ بگڑ کھڑے ہوئے۔ اے شانِ خدا۔ ماشاءاللہ۔

اختر : یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ہچو من دیگرے نیست۔

ممّن : بات وہ جو بات ہو۔ نہ کہ جو خرافات ہو۔

نواب : (ہنس کر) بھئی اس وقت تو ذہن بڑی جولانی پر ہے، واللہ اور قافیہ بندی کا خیال کتنا ہے۔ واہ میاں ممّن واہ۔

ممّن : میاں کیا معنی ہم کیا کوئی خواجہ سرا ہیں۔ بس اب نہ ستوں خبردار کہہ دیا ہے۔

رونق : (قہقہہ لگا کر) جی دل لگی نہیں ہے۔ میاں ممّن کیا مجھے کوئی خواجہ سرا مقرر کیا ہے۔

ممّن : شاہی میں خدا والد کو بخشے ایسا گولنداز (گولا انداز) کوئی ہو تو ے. وغیرہ مین اسم تھا۔ حکمی آتارتے تھے دس منزل سے ان کا گولا اترتا تھا۔

مہراج : ایسی تیسی تمھاری چپ رہو، بیوقوف۔ گپ اُڑانے والا آدمی۔ بس چپ۔ کا ہے واسطے جھوٹ بولتا ہے۔

مہراج بلی اور ممّن دونوں کو چڑھ گئی۔ نازو کو بھی کسی قدر سرور تھا۔ مگر قمرن کو معلوم بھی نہیں ہوئی کہ پی یا نہیں پی۔

رونق جنگ نے کہا بھئی، اس وقت یہ سب مزے میں ہیں۔ مگر قمرن نے بہت کم پی ہے۔ قمرن بولی اچھا آپ ہم کو پلائیں۔ مگر کوئی ایسی شراب پلائیے جو سب سے بڑھ کر ہو۔

رونق جنگ سوچنے لگے کہ سب سے بڑھ کر کون شراب ہے۔ ایک شخص نے کہا حضور اکشا نمبر ون۔ دوسرا بولا خداوند لاٹھ صاحب لوگوں کی میم اور مسیں تو شامپین پیتی ہیں۔ رونق جنگ نے ممّن کو حکم دیا کہ جا کے ایک بوتل شامپین کی نوروزجی کی دکان سے لاؤ۔ مگر اپنے ہوش میں ہو کہ نہیں ہو۔ ممّن فوراً کھڑا ہوا۔ خداوند نشہ کیسا نشہ پاجیوں کو ہوتا ہے۔ اور اتنی سی میں بھلا کیا معلوم ہوتا۔ لاحول ولا قوۃ۔ یہ بھی کوئی شراب میں شراب ہے۔ خداوند یہاں تو یہ حال ہے کہ برانڈی کا ادّھا مُنھ سے لگایا اور بوتل دن سے زمین پر یہ ادرک کی شراب کچھ تیز نہیں ہے۔ اور واللہ جو ذرا بھی سُکر ہو۔

نواب صاحب کا بھی جی للچایا کہ تھوڑی اور پئیں۔ کہا بھائی رونق جنگ پھر اب تم بھی لہو ملکے شہیدوں میں داخل ہو جاؤ میاں سنا نہیں۔ ے

زاہد کے میں ضرور ڈرانے سے ڈر گیا
جام شراب لائے بھی ساقی کدھر گیا

ساقی ہو اور دنیا ہو واللہ اور ساقی بھی ہو تو قمرن اور نازو۔ واللہ مزہ ہے۔ ایمان کو چھپر پر رکھ دو۔

قمرن : ہم تو ذرا سی اور لیں گے۔ کیا میٹھی چیز ہے۔

نازو : مہراج بلی پلائیں تو ہم پئیں۔ بلا سے۔

مہراج : حاضر ہوں جان من۔ نیکی اور پوچھ پوچھ ؎

وہ رند بادہ کش ہوں کہ تو کیا ہے زاہدا
قاضی نے نذر دی مجھے بوتل شراب کی

نواب : بھئی واللہ کیا شعر پڑھا ہے جی خوش ہو گیا۔

اختر : حضور یہ قدر بلگرامی کا شعر ہے خوب کہتے تھے۔

نواب : اے سبحان اللہ۔ ؎

قاضی نے نذر دی مجھے بوتل شراب کی

اختر : حضور کیا طبیعت پائی تھی مگر افسوس۔

نواب : بھئی اب تو ہم کو بھی ذرا ذرا سرور معلوم ہونے لگا۔

اختر : حضور رنگ ہے واللہ رنگ ہے۔ تھوڑی اور پیجیے۔ اک ذرا سی کیا ہرج ہے۔ جب پی تو پھر اب پرہیز کیا۔

نواب : قمرن۔ کہو جانی کیا رائے ہے۔

قمرن : پیو جی۔ یہ تو بڑی عمدہ شے ہے۔

نازو : امّی جان سے کہیں نہ کہنا از برائے خدا کے لیے۔

راوی : از برائے خدا کے لیے۔ اے سبحان اللہ۔

ممّن : از برائے خدا کے لیے کے واسطے کہو صاحب۔

نواب : کیا بیہودہ بکتا ہے بے۔ ایک لفظ زبان سے نکل گیا پھر کیا مضائقہ ہے۔

ممّن : نکل گیا تو پھر توب شد۔

مہراج بلی اس قدر پی گئے کہ بکنے لگے۔ اور ہمارا ٹم ٹم لاؤ۔ کدھر گیا سائیس

کا بچّہ ٹم ٹم لاؤ۔ کاہے دا سطے لانا نہیں سکتا۔ او کاے سور کا بچّہ۔

رونق : خداوند ٹم ٹم حاضر ہے سوار ہو جیے۔

نواب : حضور کا یہ خدمتگار اچھا آدمی نہیں ہے۔

رونق : خداوند ٹم ٹم بھڑکتا ہے۔

قمرن : ٹم ٹم بھڑکتا ہے۔ ٹم ٹم بھی کوئی جنور ہے۔؟

مہراج : کاہے واسطے بھڑکتا ہے۔؟

نازو : سرکار ہاتھی کو دیکھ کر بھڑکتا ہے۔

مہراج : دل کچھ پرواکا بات نہیں ہے بھڑکنے دو۔

رونق : حضور گر پڑیں گے۔

نواب : (ہنس کر) خداوند حضور کہاں ہیں اس وقت۔

مہراج : کاہے واسطے ـــــــ غیں (پھر چونک کر) اہو ہو ہو۔ کیا اچھی چیز ہے۔ ہوری رنگ بھری بن آئی ہیں چاتر نار۔ واللہ کیا چیز ہے۔

سورداس پربھو تمرے درسن کو۔ نین بنے رتنار بینادی ماتھے لگے۔ بن آئی چاتر نار۔ سچ کہیے گا۔ کہیں سے الگ تو نہیں ہوئے کوئی اس طرح کہے تو ٹانگ کے راستے نکل جاؤں کیا دل لگی ہے ـــــ غیں۔

ممّن : واللہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گدھا سیپوں سیپوں کر رہا ہے، یا مینڈک بول رہا ہے۔

نواب : (قہقہہ لگا کر) مہراج بلی کو تو چڑھ گئی بھئی۔

اختر : مزے میں ہیں، منشی مہراج بلی صاحب۔

نازو : اے اتی کاہے کو پلادی۔

نواب : کیا خوب خود تو پلائی اور اعتراض ہم پر۔

رونق : ارے یار کیا سو رہے۔ ؟

نواب : مہراج بلی۔ مہراج بلی۔ ارے میاں کہاں ہو۔

مہراج : مہتر کو بلاؤ۔ سور کا بچّہ کاہے واسطے غیں۔

ما مقیمانِ کوے دلداریم   رخ بدنیائے دون نمی آریم

کس چہ داند ے کہ من
اوفتادہ جدا ز گلزا ر یم
ہشت حرفت آنکہ اندر فارسی نایدہمی
تا بیاموزی نباشی اندرین معنی معاف
شین ولام وصاد وضاد وعین و غین و فا و قاف

رونق : (قہقہہ لگاکر) اے سبحان اللہ۔

ممن : کیوں منشی مہراج بلی صاحب فارسی میں بسوڑے کو کیا کہتے ہیں۔

مہراج : شما فارسی اندر بندہ را امتحان کردی۔ بندہ چہ امتحان امتحان باعث امتحان ست و نمودہ می آید کہ گفتہ اند ے

ہر کجا چشمۂ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

والا انچہ کرد ہر انچہ بود بقیاس رقت کہ گفتہ اند ے

مرا اورا رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم ست و ذاتش غنی

آنکہ خودی عادت با شد چہ باشد کہ گفتہ اند ے

بندہ ہماں بہ کہ تقصیر خویش عذر بدرگاہِ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

واگر کے را اعتقاد نیست۔ ہر کہ شک را باید کا فربا شد و دانش مندے را یک حرفی کافی ست و بس چنانکہ گفتہ اند۔ ے

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

وامتحان نمودن و کردن کار طفلانست نہ کار خردمنداں آیندہ شما اختیار دارید

محمد عسکری اور رونق جنگ کے پیٹ میں ہنستے ہنستے بل پڑ پڑ گئے۔ دونوں لوٹ رہے تھے ممن کو بھی کسی قدر نشہ ہوگیا تھا۔ مہراج بلی کو ٹوکتے جاتے تھے کہ یہ فارسی

غلط ہے اور نواب صاحب کو اور رونق جنگ کو اور بھی زیادہ لطف حاصل ہوتا تھا۔

رونق : کیوں صاحب شمس تبریز کی غزل بھی کسی کو یاد ہے۔ ان کا کلام بھی سننے کے قابل ہے۔

مہراج : کیوں نہیں یاد ہے۔ ہائے کہتے ہیں ؎

سبھا میں دوستو اندر کی آمد آمد ہے

پری جمالوں کے افسر کی آمد آمد ہے

یہ شعر سنتے ہی سب کے سب لوٹ ہو گئے۔ محفل الٹ گئی۔ ایک گھنٹے تک قہقہہ رہا۔ مہراج بلی نشہ میں تو تھے ہی۔ تھوڑی دیر بعد میاں ممّن کو اور بھی چڑھ گئی۔ یہ زور زور سے گالیاں دینے لگے۔ بادِ ہوائی۔ کسی کی کیا حقیقت ہے۔ کہ ہمارا مقابلہ کرے، ہم کسی کو کیا سمجھتے ہیں۔ ہم سے سیا نا سودوا تا۔ بس اب دوسرا بات نہیں۔ قمرن کی کیا اصل و حقیقت ہے۔ اس کے بعد کچھ اور کہنے کو تھے، کہ نواب محمد عسکری نے ایک پٹر جمایا۔ ممّن آگ ہو گیا۔ اور اٹھ کے قصد کیا کہ نواب صاحب کو چمٹ جائے۔

اختر : ہائیں۔ ہائیں۔ او نمک حرام۔

چھٹّن : خبردار او پاجی آدمی۔

رونق : کیوں بے یہ کیا حرکت تھی۔

ممّن : حرکت کیسی کیا کچھ دبیل ہیں۔ کیا کسی کا دیا کھاتے ہیں۔ حرکت کیسی یہ ہیں کیا۔

داروغہ : یہ کیا ماجرا ہے بھئی ممّن۔ ہوش میں ہو۔

ممّن : تو کیا بکتا ہے بے۔ الگ ہٹ سامنے سے۔

داروغہ : اب تم بہت بڑھ رہے ہو ممّن۔

ممّن : ہم کسی سسرے کے دبیل ہیں کیا۔

رونق : ممّن بس ورنہ تم جوتے کھاؤ گے۔

ممّن : اس جوتے مارنے والے کی ایسی تیسی۔

داروغہ نے ممّن کو ایک پٹر لگایا اور کہا پاجی کہیں کا زبان ملاتا ہے۔ تیرا اور ان رئیسوں کا کیا مقابلہ ہے۔ اپنی اصلیت بھول گیا۔ ممّن اور داروغہ میں

پتاڈکی ہونے لگی۔ اختر نے داروغہ کو مدد دی۔ رونق جنگ نے جو یہ کیفیت دیکھی تو اپنے سپاہی حسین خاں کو بلایا، اور کہا ممّن کو ذرا سمجھاؤ۔ وہ پٹھان آدمی۔ اتنی جو یشہ پائی تو ممّن سے لپٹ پڑا اور تین چار پٹخنیاں دیں۔

قمرن : اوئی۔ اللہ یہ آج ہو کیا رہا ہے۔

نازو : نواب صاحب اب تو ہم جاتے ہیں۔

قمرن : ہمارا تو کلیجہ تک دہل گیا۔

نازو : اب ان لوگوں کو سمجھادو ذری۔

قمرن : باجی بھاگ چلو۔ ارے اسی سے اس کو حرام کر دیا۔

نازو : دیکھو چھٹّن صاحب نے بھی پی ہے اور سرکار نے پی ہے۔ ہم نے تم نے پی ہے۔ منشی مہراج بلی نے پی ہے۔ مگر کم ظرف ان سب میں یہی ممّن ہے کہ نواب صاحب سے لڑنے کا قصد کیا۔

اب سنیے کہ ممّن کشتی میں تو حسین خاں سے ہار گیا۔ اور کئی پٹخنیاں کھائیں۔ مگر وہ وہ مغلظہ گالیاں دیں کہ الاماں۔

رونق : اب تم جوتے کھاؤ گے۔ نمک حرام کہیں کا۔

ممّن : جوتے کوئی اور کھاتے ہوں گے۔

نواب : چپ رہ پاجی۔

ممّن : ذری زبان سنبھال کے باتیں کرنا۔ کہہ دیا ہے ہاں۔

اختر : ممّن اب اس کے یہ معنی ہیں کہ جوتے پڑیں تم پر۔

ممّن : جوتے پڑیں تم پر کھود کے دفن کر دوں گا۔

مہراج : ایں دھینگا مشتی برائے چہ امیشود آید۔

نواب : کیا بکتے ہو۔ آئے وہاں سے شیرازی کے وہ بن کے چوٹٹا مشعلچی کہیں۔

مہراج : بابائے جان من، ایں کلمات۔ سقط چرا گفتی بتو انیست شمادر شان ما۔

زہ سوجھی ہے واللہ کہ کبھی پٹ ہی نہ پڑے

نواب محمد عسکری صاحب بہادر صولت جنگ کے دربار میں دور چل رہا تھا۔ اور زمانہ بھر کی بے فکری کی باتیں ہو رہی تھیں کہ حسین علی خدمت گار نے کچھ جھک کے منشی مہراج بلی کے کان میں کہا، سنتے ہی ان کی باچھیں کھل گئیں۔ اشارے سے کہا اس کو رخصت کر دو، اور کہہ دو اچھا۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا بھئی یہ کیا کانا پھوسی ہے۔ ذرا ہم بھی تو سنیں۔ کوئی بات ایسی سنی ہے کہ چہرہ ارغوانی ہو گیا۔ مہراج بلی نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ کیوں بتائیں۔ آپ کیا کوئی قاضی ہیں۔ کہنے لگے صاحب ہم کو بھی بتا دیجیے کوئی اپنے معشوق کا پیغام کسی سے کہتا پھرتا ہے۔ تب تو لوگوں نے کہا۔ آخاہ یہ حضور معشوق کا پیغام سن کر اس قدر محظوظ ہوئے۔ یہ کہیے تو نازو جان نے کچھ فرمائش کی ہوگی، یا شاید بلایا ہوگا بھئی کہہ ڈالو۔ منشی مہراج بلی اکڑ کر بولے، یاد کیا ہے۔ کہا ہے تمھارے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے۔

مسخرے نے کہا حضور ہم کو یقین نہیں آتا۔ نواب صاحب نے حسین علی کو بلوایا۔ اور پوچھا تم نے اس وقت ان کے کان میں جھک کے کیا کہا تھا۔ پہلے تو حسین علی نے بتانے سے انکار کیا، خداوند کسی کا بھید نہ کہنا چاہیے۔ مگر جب خود مہراج بلی ہی نے اصرار کیا تو اس نے کہا حضور نازو کا آدمی آیا تھا۔ کہ وہ جو مہتر بھیجنے کو کہہ گئے تھے، وہ کیوں نہ بھیجا۔ اس پر بڑا قہقہہ پڑا۔ اور مہراج بلی جامے سے باہر اور حسین علی رفو چکر۔ حاضرین دربار لوٹنے لگے۔ اور مہراج بلی کی وحشت اور بوکھلاہٹ دیکھ کر اور بھی ہنسی آتی تھی انھوں نے جھلا کر پہلے تو حسین علی کو دو چار سنائیں۔ اس کے بعد نواب صاحب کی لے دے کی۔ کہا کہ ایسے بدتمیز آدمی نوکر رکھے ہیں۔

مسخرہ : حضور نواب پنجے جھاڑ کے لڑنے لگے۔

مہراج : چپ رہو یو مسخرہ کا ہے واسطے بکتا ہے۔

مسخرہ : خداوند یہ بدنامی کا ٹوکرہ اٹھاتا تھا حضور کو۔

مہراج : نواب اب یہ بڑھ چلے۔ ہاں!

مسخرہ : خداوند آپ سردار مہتر ہیں ہمارے۔ ہماری اور آپ کی کیا برابری ہے۔

مہراج : بہت سے کتے ایسے بکا کرتے ہیں۔

مسخرہ : آپ بھی نرے لینڈی رہے۔ بکا نہیں بھونکا۔ کہیے، بکتے ہم آپ ہیں۔ کتے بھونکتے ہیں۔ بولنا تک نہیں آتا بس جائیے بھی۔

نواب صاحب نے کہا بھئی اب یہ تحقیقات باقی ہے کہ ناز و نے ان کو بلوایا ہے۔ یا مہتر کی فرمائش کی ہے۔

مسخرہ : حضور یہ غلام نے جاکے حسین علی کو سکھا دیا تھا کہ کہنا مہتر کو بھیج دیجیے۔

مہراج۔ بلی خوش ہو کے بے ایمان مسخرہ۔ میں دل میں کہتا تھا کہ پہلے تو تجھ سے کہا کہ نازو نے بلایا ہے۔ کہا ہے آج ضرور ملیں۔ اور اب کہتا ہے مہتر کو بلوایا ہے۔ یہ کیا؟ اب معلوم ہوا کہ یہ ان مسخرالدولہ کی کارسازی تھی۔ اچھا بچّا ٹھہر تو جاؤ۔ اس نے کہا حضور نہ سکھاتا تو دو گھڑی ہنسی دل لگی کہاں سے ہوتی۔

مہراج۔ بلی بولے بجا ہے تو نقل محفل ہم ہی کو مقرر کیا ہے۔ تیرِ مذاق کے لیے بھی نشانہ تجویز ا ہے۔ ماشاء اللہ۔

مسخرہ : مگر اللہ جانتا ہے کیا مزاج پایا ہے۔ مہراج بلی نے تعریف کرنا فضول ہے۔

نواب : واہ پیدا کہاں ہوتے ہیں ایسے لوگ یہ اپنا مثل نہیں رکھتے۔

مسخرہ : حضور پیدا تو ہوتے ہیں، مگر جو غیرت دار ہوتے ہیں وہ جلد پنجرہ خالی کر دیتے ہیں۔

مہراج : (گھونسا دکھا کر) واللہ سچ کہتا ہوں میرے ہاتھ سے پٹو گے ایک دن۔

مسخرہ : حضور ہمارے مہتر حضور کو اختیار ہے۔

نواب : بھئی اب تو سارے لکھنؤ کے مہتروں کے اور خاکروبوں کے سردار ہو گئے تم۔

مسخرہ : اجی حضور بھلا خاکروب کیا خاک ان کا رعب مانتے ہوں گے۔

محض جھوٹ۔ لغو۔

نواب : کیا خوب۔ واہ صاحب وا۔ اچھا فقرہ ہوا۔

مسخرہ : (اکڑ کر) جو کہوں گا حضور ایسی ہی کہوں گا۔

مہراج : لے اب رات زیادہ آئی۔ خدا حافظ۔

نواب صاحب نے مسکرا کر کہا ہاں بھائی پیغام آیا ہے۔ بیتابی کیوں نہ ہو۔ اور روز اٹھنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ ڈھئی دے کے بیٹھے تھے۔ آج ابھی سے جاوں جاوں پکار رہے ہیں۔ بہت اچھا خدا حافظ۔ کل ملاقات ہوگی۔ مہراج۔ بلی جی ہاں کہہ کر رخصت ہوئے، تو مسخرہ بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ انھوں نے راستے میں کہا۔ یار بیوی ہماری ذرا علیل ہیں۔ اور نازو کے پاس جانا فرض ہے۔ کوئی تدبیر ایسی بتاؤ کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ بیوی بھی ناراض نہ ہوں اور نازو سے بھی ملاقات ہو۔ مسخرے نے کہا وہ تدبیر بتاؤں کہ کبھی پٹ ہی نہ پڑے تھوڑی دیر سوچ کر کہا۔

مسخرہ : بھئی کیا تدبیر سوجھی ہے واللہ نہ کہوگے یار۔

مہراج : کیا بھئی کیا آگیا کچھ ذہن اقارس میں۔

مسخرہ : حضور وہ سوجھی ہے واللہ کہ پٹ پڑ ہی نہ سکے۔

مہراج : بھئی یہاں پیٹ میں چوہے چھوٹے ہوئے ہیں۔ کہہ ڈالو۔ ذرا اگلہ ڈالو۔

مسخرہ : آپ کی زوجۂ مقدسہ کا سن شریف کیا ہے۔

مہراج : ہماری بیوی کا سن۔ اے ہم سے چھوٹی ہیں۔

راوی : مسخرہ اس فقرے پر ان کو بہت بنا تا مگر چونکہ کوئی داد دینے والا نہ تھا دل ہی میں ہنس کر خاموش ہو رہا۔

مسخرہ : وہ آپ سے چھوٹی ہیں۔ مانا۔ مگر آخر کیا سن ہوگا۔

مہراج : یہی چالیس کے پیٹے میں۔ بس اور کیا۔

مسخرہ : چالیس کے پیٹے میں۔ تو ادھیڑ ہیں۔

مہراج : کاٹھی بہت اچھی پائی ہے۔ مگر دو ایک روز سے بخار آتا ہے۔ ذرا علیل ہیں۔

مسخرہ : اچھا اور شکل وصورت کیسی ہے۔

مہراج : گوری چٹی ہیں۔ گول چہرہ۔ بال جیسے کالا بھونرا کمر پتلی۔ نشیلی آنکھیں کمّن ساقن کو دیکھا تو ہوگا۔

مسخرہ : ہاں ہاں۔ ابھی کل کی تو بات ہے۔

مہراج : بس بعینہ کمّن ساقن کی سی ہیں۔ کمّن کو چھپائیے اور ان کو دیکھائیے اور ان کو چھپائیے اور کمّن کو دکھائیے۔

راوی : حضرات ناظرین اب ہنسی ضبط نہیں ہو سکتی۔ بس سادہ لوحی کا خاتمہ کر دیا۔ بیوی کا کل حال مع حلیہ اور سراپا کس صراحت کے ساتھ بتا رہے ہیں۔ جیسے کسی کی لونڈی ال لے کے مفرور ہو جائے اور وہ تھانے پر رپٹ لکھانے جائے اور ٹھیک ٹھیک حلیہ بتائے۔ ایک تو وہ گرما گرم فقرہ ہوا تھا۔ کہ بیوی ہم سے چھوٹی ہیں۔ دوسرا لطیفہ یہ ہوا کہ کمّن ساقی کی ہمشکل اور ہموزن ہیں۔ واللہ عجب آدمی ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔

مسخرہ : اب ایک بات اور دریافت کرنا باقی ہے۔

مہراج : ارے یار کہاں تو تدبیر بتاتے تھے۔ کہاں اب بیوی کا حلیہ دریافت کرتے ہو۔

مسخرہ : حضرت بڑے جلد باز آدمی ہیں، آپ واللہ۔

مہراج : اب تم ہی سوچو کہ معشوق بلوائے اور ہم نہ جائیں تو کیسی معیوب بات ہے۔ ہے کہ نہیں۔

مسخرہ : بیشک۔ مگر جائیے اور بیچ کھیت جائیے۔

مہراج : نازو سے تو یہ کہنے سے رہے کہ جورو کے خوف کے مارے نہیں آسکے پھر کیا کریں۔

مسخرہ : ایک تدبیر سوچی ہے ہم نے۔ پہلے یہ بتائیے کہ آپ کی بیوی نیک پارسا ہیں کہ نہیں۔

مہراج : ان کی نیکی کا کیا کہنا۔ کیا شک بھی ہے۔

مسخرہ : اچھا تو سن تو ان کا ادھیڑ ہے۔ ایک بات یہ خوف نہیں کہ تیرہ چودہ برس کی سن والی ہیں نہیں۔ کہ جوانی پھٹی پڑتی ہو، اور نیک بھی ہیں تیسرے

کمّن ساقن کی سی، پھر اب ان کی جانب سے آپ کو نڈر رہنا چاہیے۔ تو تدبیر یہ سوچا ہوں کہ ـــــ مگر ایک بات اور غور طلب ہے ـــــ اب اس وقت جو دروازہ کھلوائیے گا تو کون کھولے گا۔

مہراج : مہری۔ مگر جوان عورت ہے دروازہ کھولتے ہی بھاگ جائے گی۔ اور ہم دروازہ بند کردیں گے اور جاکے سو رہیں گے۔ بس۔

مسخرہ : نیچے سوتے ہو کر چھت پر۔

مہراج : کوٹھے پر۔ زینہ بالکل سامنے ہے۔ کھٹ کھٹ چڑھ گئے اور بائیں ہاتھ کو راوٹی ہے۔ وہاں پلنگ بچھا ہے۔ گئے اور سو رہے۔ بس۔

مسخرہ : اچھا تو پھر تمھاری بیوی تو نہ آئیں گی وہاں۔

مہراج : نہیں اگر ہم بلائیں تو شاید آجائیں۔

مسخرہ : کیوں کر بلاتے ہو۔ کیا کہہ کے پکارتے ہو۔

مہراج : مہری سے کہہ دیتے ہیں ذرا بھیج دو۔

مسخرہ : لو بھائی صاحب تدبیر یہ ہے کہ آپ تو دروازے پر پکاریے آپ کی آواز مہری بھی پہچان لے گی۔ اور بیوی بھی۔ اندھیری رات۔ ادھر آواز دیجیے اور لمبے ہو جیے۔ مہری کنڈی کھول کے بھاگ جائے گی۔ بندہ راوٹی میں دبک کے پڑ رہے گا۔ اور تڑکے گجردم نکل کے رفو چکّر ہو جائے گا۔ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ کیوں کیسی تدبیر ہے۔ وہ تدبیر سوچی ہے کہ کبھی پٹ ہی نہ پڑے۔

مہراج بلی سادہ لوح دشمن عقل تو تھے ہی۔ مسخرے کی پیٹھ ٹھونک دی۔ بھئی کیا سوجھی ہے۔ مانتا ہوں استاد بس تم راوٹی میں جاکر پڑ رہنا۔ اور تڑکے جب سب سوتے ہوں گے تو چپکے سے چمپت ہونا۔

مسخرے نے ان سے اتفاق کرلیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ باقی رہا یہ امر کہ آپ کی بیوی صاحب تشریف رکھتی ہیں پھر با شد ہم کو کیا ہم ان کو بلائیں ہی گے نہیں۔ اور بلا کے کیا اپنا فضیحتا کرائیں گے۔ وہ غل مچائے گی تو ہم دھر لیے جائیں گے۔

مہراج بلی کو اور بھی تشفی ہوگئی کہ سچ کہتا ہے بے چارہ اوّل تو شریف بھلے

مانس آدمی۔ دوسرے کیا اپنا فضیحت کرائے گا اس صلاح پر راضی ہو گئے اور صرف راضی ہی نہیں ہوئے بلکہ مسخرے کا شکریہ بھی ادا کیا اب راستے میں جٹا گلنجرد کی خوشامد بھی ہوتی جاتی ہے کہ تم ہمارے دلی دوست ہو، اور ہمارے یار ہو۔ اور ہم تم کو آج سے کچھ طلب بھی دیا کریں گے۔ اور تم کو خوش کر دیں گے۔

مسخرہ : آپ کی بیوی افیم تو نہیں کھاتی ہیں۔

مہراج : جی نہیں افیم کیسی۔ چانڈو تک تو پیتی نہیں۔

راوی : ماشاء اللہ کتنا موزوں جواب دیا ہے کہ افیم کیا معنی چانڈو تک نہیں پیتیں۔ جیسے کوئی شخص پوچھے آپ شراب پیتے ہیں۔ اس کے جواب میں کہا جائے کہ شراب کیسی ہم ولایتی پانی تک تو پیتے نہیں۔

مسخرہ : چانڈو تک نہیں پیتیں ! یہ کیسے تعجب ہے۔

مہراج : بھئی چوری چھپے پیتی ہوں تو میں نہیں جانتا۔ مگر میرے سامنے تو کبھی نہیں پیا۔

راوی : یہ لطیفہ اور بھی بڑھ گیا۔ طبیعت داری کی یہی معنی ہیں کہ ایک سے ایک بڑھ کر لطیفہ ہو۔

مسخرہ : کیا تڑکے گجر دم اٹھتی ہیں۔

مہراج : ہاں کوئی چھ ساڑھے چھ بجے تک۔

مسخرہ : اُن کے پاس رات کو کوئی سوتا بھی ہے۔

مہراج : کیا۔ یہ کیا بات۔ اس کے معنی کیا۔

مسخرہ : کیوں اس میں آپ کو تردّد کیا ہوا۔

مہراج : اس میں کوئی تردّد کی بات نہیں ؟۔ درست آپ کی بیوی کے ساتھ رات کو کون سوتا ہے۔

مسخرہ : میری لڑکی میرا نواسا۔ کیوں کیا عجیب ہے۔

مہراج : او۔ ایسا بات ہم اور کچھ سمجھا تھا۔

مسخرہ : اور آپ کیا سمجھے تھے کہ میں پوچھتا ہوں کہ نواب رونق جنگ یا محمد عسکری کی نسبت۔ بات کہتا ہوں۔

مہراج : ہاں ہاں میں سمجھ گیا مگر ——————

راوی : اپنا سر سمجھے۔ دوسرا ہوتا تو گھبرا جاتا۔ یہ آپ بک کیا رہے ہیں۔ دنیا بھر کی باتیں کہہ کر ٹھنڈا کیا کہ (بات کہتا ہوں) اور یہ اسی میں خوش۔

اب سنیے کہ منشی مہراج بلی کا مکان قریب آیا تو انھوں نے مسخرے کو تھوڑی دور سے دکھایا، اور دروازے پر نے جاکر کہا دیکھو یہ ادھر سے زینہ ہے اور یہ ہماری راوٹی ہے۔ بس اسی میں پلنگ بچھا ہوا ہے۔ وہیں جا کے سو رہو۔ مگر گجر دم اٹھنا یہ کہہ کر آپ نے دروازہ دھمدھمایا کون ہے کہا ہم کسی عورت نے دروازہ کھولا اور فوراً کوٹھے پر چلی گئی۔ مسخرے نے جا کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

مسخرالدولہ میاں چڈا گلخیر د کو تو یہاں چھوڑ آئے ان کو وہ تدبیر سوجھی تھی کہ کسی حالت میں پٹ ہی نہ پڑے۔ اب مہراج بلی صاحب بی نازو کے مکان کی طرف خوش جانے لگے۔ بہت ہی بشاش کہ۔ ع

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دکار

ادھر نازو جان سے ملیں گے۔ ادھر بیوی سے بھی کھٹ پٹ نہ ہوگی لڑ ھکتے پڑھکتے خدا خدا کر کے جنو کی جورو کے مکان پر پہنچے۔ پہلے آہستہ سے پکارا پھر دروازے کو تھپکی دی۔ پھر کنڈی ہلائی۔ کوئی ہے۔ ارے کوئی ہے۔ دروازہ کھولو ایک بج گیا۔ کوئی جواب ہی نہیں دیتا۔ آخر کار دو بجے کے وقت آواز آئی کہ (ارے بھئی کون ہے) انھوں نے کہا ذری کھڑکی کھولیے۔ ماما نے کھڑکی کھولی۔ پوچھا نازو ہیں۔ ماما نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور نازو کی چارپائی کے پاس جاکر اس کو جگایا اور کہا بیوی وہ منشی جی آئے ہیں۔ مہراج بلی نام ہے۔ کیا نام ہے۔ نازو انگڑائی لیتی ہوئی اٹھی۔ کون ہے۔ کہا بیوی وہ جو اس دن مہتروں پر کھیپا (خفا) ہوئے تھے۔ مہراج بلی نام ہے۔ کیا نام ہے۔

نازو : (پھر لیٹ کر) موا درگور نیند اُچٹ گئی۔

ماما : تو کیا کہہ دوں۔ وہ بڑی دیر کے کھڑے ہیں۔

نازو : کہہ دو یہاں کوئی نہیں۔ آج۔ اور اتی رات گئے نہ آیا کریں۔

یہی کہہ دو۔
ماما : ہجور آج تو یہاں کوئی نہیں ہے۔ اور اتی رات گئے نہ آیا کیجیے۔ بدنامی ہوگی۔
مہراج : ماماجی ہم کو توبی نازو نے آج بلوایا تھا۔
ماما : اے نہیں میاں سرشام سے تو گئی ہیں۔
مہراج : او ہم بے وقوف ہی ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔
ماما : اور آدمی کون گیا تھا آپ کے پاس۔

مہراج بلی سمجھ گئے کہ یار لوگوں نے چکمہ دیا اور حسین علی کو سکھا دیا کہ کہنا نازو نے بلایا ہے۔ مگر مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلمۂ خود باید زد۔

مہراج بلی بیچارے گرتے پڑتے افتاں وخیزاں وہاں سے چلے۔ مگر ایک تو یوں ہی تھکے ہوئے تھے۔ دوسرے اس مایوسی نے ان کو اور بھی پریشان اور خستہ کر دیا تھا۔ راہ چلنا دوبھر ہو گیا مارے غصّے کے ان کی حالت دگرگوں تھی۔ کہ ناگفتہ بہ۔ نواب صاحب اور ان کے رفقا کو صدہا گالیاں دیتے اور چپکے چپکے کوستے چلے آتے ہیں۔
کانسٹیبل : کون۔ کون کون آتا ہے۔
مہراج : ہم ہیں مہراج بلی صاحب۔

پھر کچھ دور آگے بڑھے اور کانسٹیبل نے للکارا کون۔ کون جاتا ہے۔ "ہم ہیں منشی مہراج بلی صاحب" "کون مہراج۔ بلی کہا۔ کون مہراج۔ بلی کیا معنی۔ اس نے کہا ٹھہر جاؤ کہاں سے آتے ہو۔ اس وقت دو بجے رات کو یہاں کام ہی کیا ہے۔ قریب ان کے لالٹین سے جو دیکھا تو کہا بندگی۔ اس وقت کہاں منشی جی۔ مہراج بلی اب کس کس سے بتائیں کہ کہاں سے آتے ہیں۔ اور کیا کام تھا۔ سخت پریشانی میں گرفتار۔ اپنی زندگی سے بیزار۔ یہ کہتے چلے آتے تھے کہ خدا ان لوگوں سے سمجھے کہ جنھوں نے دھوکا دیا ہم کو۔ ادھر تو یہ ندامت اور صدمہ کہ نازو سے ملاقات نہ ہوئی اور ادھر وہ جھلاہٹ کہ نواب صاحب اور ان کے رفقا نے کیا دھوکا دیا۔

دے کے چل لے گیا تصویر موا یادی چور
برف والے پہ پڑے اوس نگوڑا در گور

معشوقہ، نسرین بدن بی قمرن، دو گھڑی دن رہے سے خوب نکھر کر اور ہر ہفت آرائش سے مزیّن ہو کر مہتابی پر اٹھلا رہی تھیں۔ بوڑھی مغلانی جو بادِ باوصف پیرانہ سالی ابھی تک مستانی تھی۔ ان کو بتا رہی تھی کہ دیکھیے حضور وہ موتی محل کی عمارت کا برج نظر آتا ہے۔ وہ سامنے ناک کی سیدھ پر دریا لہراتا ہے وہ مارکین کی کوٹھی کا مینار ہے۔ وہ بادشاہ باغ کی دیوار ہے۔ وہ بڑا امام باڑہ ہے۔ وہ عہد شاہی کا پرانا اکھاڑا ہے۔ حضور شہر کی ہر گلی اس زمانے میں بہشت کو شرماتی تھی۔ نسیم سحری سیدھی جنّت سے آتی تھی۔ اور سرکار قیصر باغ تو سچ مچ پرستان تھا۔ ہائے کیا سماں تھا۔ حضور دو گھڑی دن رہے ہزار بارہ سو پریاں بناؤ چناؤ کر کے کمروں پر کھڑی رہتی تھیں، کہ جہاں پناہ کی سواری مثل بادِ بہاری ادھر سے گزرے تو نظارہ بازی اور سحر طرازی ہو۔ جدھر سے نکھی نکل گئی آوازیں آنے لگیں۔ جانِ عالم ہم بھی آئیں۔ سلطانِ عالم ہم بھی آئیں کوئی بے باک چست و چالاک بادشاہ سے آنکھیں لڑانے لگی کوئی جہاں پناہ کو دیکھ کر فرطِ محبّت سے مسکرانے لگی۔ ہر پری پیکر کی ایک نئی ہی ادا تھی۔ اور ہر ادا داستان دلربا تھی۔ کسی نے سواری کے قریب آتے ہی ذرا منھ پھیر لیا۔ کسی نے چمک کر آدھا پٹ پھیڑ دیا۔ اور جب جانِ عالم کنھیا بنکے پتوں میں چھپتے تھے اور وہ پریاں ان کو ادھر ادھر ڈھونڈھتی پھرتی تھیں۔ (آہ سرد بھر کے) ہائے وہ دن اب کہاں۔

ع جانِ عالم کو ڈھونڈھن نکلی

ہائے اور جس خوش نصیب کو کہیں نہ خانے میں وہ خانے میں مل گئے۔ بس اس کی رتی بلند ہو گئی۔ ہاتھا پائی ہونے لگی۔ ایک لنکا بھی بنوائی تھی۔ وہ اب تک موجود ہے۔ مگر ادھر کے رجواڑوں کو اللہ جانے کیا سوجھی کہ لنکا کی الٹی کوٹھی مسمار کر کے ایک بد قوارا مکان وہاں بنوا رہے ہیں۔ حضور جن دنوں میں

وہاں میلے ہوتے تھے کیا عرض کروں کہ کیا رنگ اور کیا عالم تھا پرستان کی اصل و حقیقت کیا ہے ۔ اے توبہ اصل پرستان تو یہی تھا ۔ اندر کا اکھاڑا کر دیا تھا ۔ ہر پھاٹک پر حضور بر نجی توپیں لگی رہتی تھیں ۔ اور حبشیوں کا رسالہ اور اختری پلٹن اور قندھاریوں کا رسالہ میں کیا عرض کروں ۔ کیا کوئی شہر اس کے ٹکر کا تھا ۔ اس زمانے میں اے توبہ ۔ اب تو لٹ گیا ہے ۔ مگر وہی مثل ہے کہ ہاتھی لٹے گا تو کہاں تک لٹے گا ۔ ستارے جو لوگ ختنے تھے قیصر باغ میں بس یہ سمجھ لیجیے کہ فیل نشین ہو گئے ۔ گنج اور محلے اور کٹڑے آباد کر لیے تھے جو ایک دفعہ آیا بس پارس کی خاصیت تھی ۔ پارس کی ۔ میں کیا عرض کروں ۔ وہ اور ہی زمانہ تھا ۔ اب قیصر باغ میں کتے لوٹتے ہیں ۔ جب کبھی دربار کے لیے کچھ تعلقدار آ گئے تو ذرا چہل پہل ہو گئی ۔ اور وہ بھی کیا ۔ اف کیا دھما چوکڑی مچا کرتی تھی ۔ ایک پوری پلٹن کی پلٹن تو ان کا فرادائی ہی کی تھی ۔ ذرا خوش ہوئے ۔ اور دولہ کا خطاب دے دیا ۔ اب وہ بات کہاں ۔ افسوس ۔

قمرن : ہم نے آٹھ دس دفاں (دفعہ) قیصر باغ دیکھا ہے ۔

مغلانی : اے سرکار بھلا آپ کہاں سے دیکھ سکیں ۔ اوّل تو ابھی کوئی بہت ہو بہت ہو شاید سولہ برس کا سن ہو ۔ دوسرے پرندہ پر تو مار نہیں سکتا تھا ۔ مگر ایک بات ہے جان بخشی ہو تو عرض کروں ۔ اگر کسی بادشاہ یا وزیر کی آنکھ اس زمانے میں حضور پر پڑتی تو بیشک آپ بھی کسی محل کے نام سے مشہور ہو جاتیں ۔ دشمنوں کی آنکھوں میں خاک ۔ وہ شکل صورت پائی ہے حضور نے ۔

قمرن : اے یہ میری تعریفیں ہو رہی ہیں ۔ اوئی ۔

مغلانی : کیا آپ اس قابل نہیں ہیں خواہ چندے آفتاب چندے مہتاب ۔

قمرن : تم کو محبت سے معلوم ہوتا ہے ۔ ہم ہیں کیا ۔

اتنے میں آواز آئی (ملائی کی برف) (ملائی کی برف کے) قمرن تو خدا ہی سے دعا مانگتی تھیں کہ اس نمکین گبھرو کی صورت دیکھیں ۔ مغلانی کو کسی بہانے سے ٹالا اور نیچے پہنچی، اور اسی مقام پر کھڑی ہو کر برف والے کو دیکھ کر مسکرانے لگیں ۔ آج یہ بھی شربتی کا گلنار رنگا ہوا انگرکھا ڈانٹ کے آتے تھے ۔ گندھی کی دکان پر بیٹھ کر ٹکے کا مصالح کا تیل بھی بالوں میں ڈالا تھا ۔ بگلے دار ٹوپی بھی سر

پر تھی - کامدانی کی - اکّا دکّا بوٹیاں چھوٹے پنچے کا مخملی جوتا بھی پاؤں میں تھا۔ گھٹنا بھی چست کمر سے ایک چادر بھی لپٹا ہوا۔

برف والا : (جھک کر سلام کیا) ہجور۔

قمرن : ارے چپ موئے گنوار۔ ہولے ہولے بول۔

برف والا : بہت کھوب (خوب) آج کی برف توکھائیے۔

قمرن : آواز سنتے ہی میں دوڑی آئی۔

برف والا : ہاں ہجور کو ہم سے محبّت ہے نا۔ ہم بھی اسی کے بھوکے ہیں۔ کھداوند (خداوند)

قمرن : کیا! اورسنو۔ ایڑی چوٹی پر صدقے کروں۔ اب یہ گھمنڈ ہوگیا کہ ہم کو اس موئے ناچیز سے محبّت ہے۔ جا کے گڑھیا میں منھ دھو آ۔

برف والا : اے ہجور (حضور) آدمی ہی سے آدمی محبّت کرتا ہے۔ اللہ جیتا رکھے۔

قمرن : تو تو۔ آدمی ہے۔

ع جیسے دھونسا نگوڑا نوبت کا

برف والا : اچھا تو ہجور پھر دھونسا کیسا گرجتا ہے۔

قمرن : جو گرجتا ہے وہ برستا نہیں ہے۔

برف والا : سرکار کو قلفیاں دوں۔ گھڑا خالی کرا دیجیے کھدا (خدا) ہجور کو سلامت رکھے۔

قمرن : اچھا دے جا۔ مہری دیکھو ایک برف والا آیا ہے۔ اس سے قلفیاں لے لو۔

مہری جو دروازے کے قریب گئی اور برف والے کو سر سے پاؤں تک دیکھا تو آہستہ سے قمرن سے کہا۔ سرکار یہ برف والا کاہے کو ہے یہ تو کوئی۔ ذری آڑ سے دیکھیے تو کیا صورت پائی ہے۔

قمرن نے کہا ہاں ہاں پرسوں ہم دیکھ چکے ہیں۔ وہ دوسری مہری ساتھ تھی۔ اس میں ہے کیا۔ ہاں ذرا لونڈا ہے ابھی۔

مہری بولی سرکار گجب کرتی ہو۔ یہ کہہ کر دروازے کے پاس سے کہا

اد لونڈے۔ برف کی کلفیاں نکال اس نے کہا بہت کھوب مہری صاحب مگر سرکار توگھڑا کا گھڑا پینے کو فرماتی ہیں۔ حکم ہوا ہاں ہاں سب کھائیں گے مل کے ان کی دگانا اوپر سے نہیں اتریں۔ برف والے کا آدمی گھڑا ڈیوڑھی کی طرف سے لے گیا تو اُدھر قمرن اکیلی رہ گئی۔ قریب بلا کر کہا۔ میں صدقے اپنی تصویر تو اتروا کے ہمیں دے دے کسی اچھے مصوّر سے اتروانا۔ دام ہم دیں گے۔ اس نے کہا حجور اپنی تصویر تو مجھے دیں۔ جھپ سے تصویر نکال کر دے دی اس نے کہا اب میں جاؤں گا کوئی دیکھ نہ لے۔ کچھ سوچ کر قمرن نے تصویر واپس لی اور اس کو رخصت کیا۔

تھوڑی دیر میں چاندنی نامے ایک عورت ان کی دگانا کے پاس آئی اور کان میں کچھ کہا۔ دُگانا نے قمرن سے پوچھا۔ اے بہن کیا تم اتی سادی بن گئیں کہ اپنی تصویر اس موے بے ایمان نٹ کھٹ کو دے دی۔ قمرن نے کہا نہیں نہیں دے دینے کو تو میں نے دے دی تھی۔ مگر پھر لے لی۔ یہ کہہ کر دھم دھم کرتی ہوئی دوسرے زینے سے نیچے کے کمرے میں گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ دروازہ کھلا ہوا اور تصویر جہاں رکھی تھی وہاں سے غائب۔ معلوم ہوا کہ دروازے کی کنڈی ڈھیلی ہے۔ اور لوہے کی سلاخوں کی راہ سے تصویر لے کے چل دیا۔ اوپر جاکر انھوں نے بدحواسی کے ساتھ کہا۔ بہن وہ تو چل دے گیا موا کیا جانے کس کس کو دکھائے گا۔

دُگانا : وہ کہتا پھرتا ہے کہ اگر بیگم صاحب دس ہجار (ہزار) روپیہ دیں تو کھیریت (خیریت) ہے نہیں تو ہم نواب صاحب کو دکھائیں گے اور جو جی میں آئے گا کہیں گے۔

قمرن : اب میں کس کے آگے جاکے دکھڑا روؤں مغلانی سے تو ضرور ہی کہوں گی۔ بی مغلانی۔

مغلانی : حاضر ہوئی حضور کیا حکم ہوتا ہے۔

قمرن نے گھبراہٹ کے ساتھ کیفیت بیان کی اور بڑا خوف یہ تھا کہ اگر قادر یا محلّے والوں کے ہاتھ تصویر پڑ جائے گی تو غضب ہی ہو جائے گی۔

اور پھر قادر فوراً فوجداری میں نالش جڑ دے گا۔ ذرا نہیں رکے گا کہ ذرا رکے اور یہ عیش اور چین سب جاتا رہے گا۔ اور کیا کرایا خاک میں مل جائے گا۔

مغلانی : اس برف والے کی عمر کیا ہوگی۔ بیگم صاحب۔

قمرن : اے یہی ہمارا اتنا سن ہوگا۔ سولہ سترہ برس کا۔

مغلانی : اور شکل صورت کیسی ہے۔ کالا ہے گورا ہے۔

قمرن : نہیں سانولا سانولا ہے۔ مگر بہت نمکین ہے۔

مغلانی : تو اب بڑا خیال ہے کہ لوگ بندھوا دیں گے۔

قمرن : اللہ کرے میرا اوبال پڑے نگوڑے پر میرا تو بڑا بیری نکلا۔ اب میں کیا کروں لوگو۔

مغلانی : بڑی بے ڈھب ہوئی۔ مگر گھبرائیے نہیں میں سوچ لوں آپ خاطر جمع رکھیں۔

قمرن : کوئی آتا ہے۔ اب کسی اور کے سامنے کانا پھوسی نہ کرنا جس میں اور لوگ بھی تاڑ جائیں۔

اتنے میں مہری آئی تو مغلانی ہٹ گئی۔ اور مہری سے کہا دیکھو نیچے تہ خانے کے پاس کوڑے کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ اس کو صاف کراؤ جاکے۔ اُدھر قمرن اور ان کی منھ بولی بہن اور چاندنی میں یوں باتیں ہونے لگیں۔

قمرن نے کہا بڑا جل دے گیا دُگانا۔ موا چلتا کس طرح ہے تکلے کی طرح بل کھاتا ہوا۔ خدا سمجھے مونڈی کاٹے سے۔

دگانا : ہم نے تو پہلے ہی دن کہہ دیا تھا بہن۔ تم سمجھیں جلاپے سے کہتی ہیں۔ تم نے ہمارا کہنا نہ مانا۔

قمرن : اے تو ہم یہ اس موے کے ہتکھنڈے کیا جانتے تھے اور سوتیا ڈاہ۔ اور جلاپا یہ سب تمھارا خیال ہی خیال ہے۔

دگانا : ہم نے کیا پھل پایا تھا بہن جو تم پاتیں۔

قمرن : اس کی اجڑی برف کو آگ لگے۔ اللہ کرے کیا جانے کس کس کو دکھاتا پھرے گا۔

دُگانا : (کان میں) کچھ آگا پیچھا بھی سوچتی ہو کہ ہوگا کیا ہے ہے کیسے۔ چین سے نکالی جاؤ گی۔ یہ چین ہر کوئی کو نصیب ہو سکتے ہیں بھلا۔ مگر ایک کام کرو۔ بہت گھبراہٹ نہ کرو دل ہی دل میں رکھو۔ کاہے سے زمانہ بہت بُرا جاتا ہے۔ بہت بُرا وقت آلگا ہے۔ یہی جو نوکر چاکر ہیں اگر ان پر بات کھل جاتے گی تو یہی دبا کے کچھ لے مریں گے بہن۔ ہو کس خیال میں تم۔ ذرا ہنسو بولو جس میں ان پر بات نہ پھوٹے۔

قمرن : کیا ہنسوں بولوں بہن جی تو زور ہا ہے -۔ بی مغلانی یہاں آؤ تمھیں کچھ گانا وانا بھی آتا ہے۔ کچھ گاؤ کہ دو گھڑی دل ہی بہلے۔

مغلانی : حضور بے تالی بے سُری ہوں مگر حکم بجالاتی ہوں۔ ؎

جان تک مجھ سے نہیں کرتے ہو پیاری مرزا کس طرح بھولے یاد تمھاری مرزا

مجھ زلیخا کو خدا نے دیا تم سا یوسف شکر ہے تم پہ میں سو جان سے واری مرزا

لاکھ پریوں پہ شرف رکھتی ہے کہتی سچ ہوں

آپ کے بوچے کی ہر اک کہاری مرزا

قمرن : یہ مرزا کون تھے بی مغلانی (ہنس کر)

مغلانی : سرکار تو دل لگی کرتی ہیں۔ مجھ بوڑھی سے۔

قمرن : وہ چھپیں۔ بس معلوم ہوا کہ کسی مرزا پر دل آیا تھا۔

مغلانی : پھر جوانی میں تو سب کا دل آتا ہے۔ کوئی ایسی ہی موئی پگلی ہو تو نیک پارسا بنی رہے۔

قمرن : کہی تو ہمارے دل کی اللہ جانتا ہے۔

دگانا : تم کیا کم ادماتی مستانی ہو۔ ایک ہی بس کی گانتھ ہو۔ کاٹے کا منتر نہیں۔ کیا جانے کتنے ہی گھر گھالے ہوں گے۔

مغلانی : یہ تو عورت کے لیے فخر ہے۔ حضور۔

راوی : ماشاءاللہ بیگم صاحب کو خوب راہ پر لا رہی ہو۔ قمرن بھی تو اس درجے کو تو پہنچ گئیں۔ اور ابھی دیکھیے کیا جاتے کیا

کیا ہو جائے گا۔ جب ایسے لوگ پٹی پڑھانے والے اور بہکانے والے جمع ہوں تو کس طرح سے عورت نہ بگڑ جائے۔

بی قمرن سوچتی تھی کہ یا اللہ میں کیا کروں اور درد دل کہوں تو کس سے کہوں۔ اُس موئے برف والے سے خدا سمجھے۔ بڑا نٹ کھٹ۔ ایک ہی کائیاں۔ نکما۔ کیا جل دے کے تصویر لے گیا اللہ اُس سے سمجھے۔ اور اس پر ہمارا صبر پڑے مجھے یہ ہو کیا گیا۔ کہ چکمہ کھا گئی۔ اور ایسا چکر دیا ہم سمجھتے تھے کہ تصویر تو ہم نے واپس لے ہی لی ہے۔ اب کا ہے کا ڈر ہے۔ مگر بے عقلی یہ ہوئی کہ لوہے کے سیخوں کا خیال نہیں رہا۔ بس اُس نے ہاتھ ڈال کر تصویر نکال لی اور لمبا ہوا۔ اور اب موا دھمکاتا ہے۔

اپنی منھ بولی بہن کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ دُگانا جان اب بتاؤ تو ہم کیا کریں۔ کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتی ہے۔ گو مگو کا معاملہ ہے۔ مگر پھر جو کچھ ہو گا وہ بھگت لیں گے۔ سنگ آمد و سخت آمد۔ ان کی دگانا نے کہا بہن اب بس ایک ہی تدبیر ہے۔ کچھ لے دے کے وہ تصویر اس موئے پاجی سے واپس لو، وہ بڑا نٹ کھٹ ہے اللہ جانتا ہے اس کے کاٹے کا منتر ہی نہیں۔ وہ خدا جانے کیا کیا جعل فریب کرے گا۔ اور کیا کیا جل دے گا۔ اچھے گھر بینا نہیں دیا ہے۔ اور کیسی چپڑی باتیں کرتا تھا۔ کہ توبہ ہی بھلی۔ کوئی جانے تین پانچ جانتا ہی نہیں ہے۔ مگر بس کی گانٹھ ہے۔ اللہ اس سے بھلے مانس کو سابقہ نہ ڈالے اُفوہ۔ ایک ہی موذی ہے۔

قمرن نے کہا بہن ہمارے جی میں تو آتی ہے کہ ہم نواب صاحب سے صاف صاف کہہ دیں۔ یہ تو کبھی حشر تک نہیں کہیں گے

کہ ہمارا اس پر دل آیا تھا۔ ارے توبہ۔ ہاں یہ کہہ دیں گے کہ وہ سینکوں سے ہاتھ ڈال ہماری تصویر اڑا لے گیا اور دو روپے وہاں رکھے تھے وہ بھی لے گیا۔

دگانا نے کہا کہ بس یہی ترکیب اچھی ہے۔ اگر نواب صاحب چاہیں تو دو سو جوتے اس موئے پر پڑ جائیں۔ وہ ہے کیا۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔ اس کی بھی کچھ اصل اور حقیقت ہے۔ یہ کس کھیت کی مولی۔ تم اگر ذری بھی اشارہ کر دو تو چندیا موے کی گنجی کر دی جائے۔ مگر بہن جو کام کرو ذری سوچ سمجھ کر۔ ہاں دیکھو ایسا فعل انسان کو نہ کرنا چاہیے جس میں بدنامی ہو۔ اور اس سے بڑھ کر بدنامی اور کیا ہوگی۔ اور تم کو تو پھونک پھونک کے قدم رکھنا چاہیے کہ اگر تمھارے میاں کو معلوم ہوا کہ تم یہاں ہو تو بہی بھلی۔ ابھی ابھی تو نالش کرے گا اور تم کو جانا پڑے گا۔ سرکار دربار سے کوئی لڑ سکتا ہے بھلا۔ کس کی مجال اور طاقت ہے۔

قمرن : بہن کھانا پینا حرام ہوگیا۔ میں کیا کہوں اب۔

دگانا : وہ بات ہی ایسی ہوئی۔ مگر بادی چور ہے موا۔

قمرن : دیکھتی کیا ہو، جل دے کے تصویر غائب کر دی۔

دگانا : اللہ اس سے سمجھے۔ اس کا جنازہ نکلے۔ موا کم بخت۔

قمرن : اور اب غرقش بتاتا ہے کہ دس ہزار روپیہ دو۔

دگانا : جوتیاں کھائے گا موا۔ اب اس کا سر کھجلاتا ہے۔

قمرن : اور یوں اگر آتا جاتا تو ہم سے بہت کچھ پاتا۔

دگانا : ہاں ہاں کیا میں جانتی نہیں ہوں۔ یہ تو ہے ہی۔ جب دل دیا تو مال کیا چیز ہے۔

قمرن : اب ہم سے ٹکا نہ ملے گا چاہے جو ہو۔

دگانا : پانچ جوتے اور حقّے کا پانی موا در گور۔

قمرن: ہے ہے نواب اگر سنیں تو کیا حال ہو۔

ڈگانا: حال کیا آگ ہو جائیں بگڑ جائیں۔

قمرن: بی مغلانی کے سوا اور تو کسی کو معلوم نہیں ہے۔ اور ہمیں یقین نہیں آتا کہ بی مغلانی کسی سے ذکر کریں۔ اس موئے برف والے سے اللہ سمجھے اور اس پر ہمارا صبر پڑے۔ کس مزے سے ہم یہاں رہتے تھے اس نے آن کے آن میں یہ گل کھلایا۔ اب کھانا پینا سب حرام ہے۔ نہ کھانا اچھا معلوم ہوتا ہے نہ پینا۔ اب میں کیا کروں۔ میرے اللہ۔

ڈگانا: بہن اللہ پر شاکر رہو۔ بس ہر گھڑی اسی کی یاد ہے۔

قمرن: تم تو وہی بات کہتی ہو جو ...

ڈگانا: اللہ سے بڑھ کر بھی کوئی ہے۔ اوئی تم بھی کیا باتیں کرتی ہو۔ وہی بیڑا پار کرے گا۔ بس۔

قمرن: اگر اس مونڈی کاٹے کو پاؤں تو تکے تکے اڑاؤں۔ بوٹیاں نوچ نوچ کے چیلوں کو دوں۔

ڈگانا: اچھا ذری بی مغلانی کو بلاؤ پکارلو۔

قمرن: اے بی مغلانی ذری یہاں تو آنا۔

ڈگانا: ذرا ضروری کام ہے کچھ کہنا ہے۔

قمرن نے دگانا سے پوچھا کیوں بہن ہم اپنی باجی سے کہیں تو ہرج تو نہیں ہے۔ کہا ضرور کہو واہ ان سے بڑھ کر کون ہے۔ وہ درد دکھ کی جیسی شریک ہوں گی ویسا کوئی اور ہو سکتا ہے۔ ان کو ضرور بلاؤ۔ اور ان سے صلاح لو۔ اتنے میں نازو خود آگئیں۔ ڈولی سے اتریں اور پوچھا کہاں ہیں۔ کوٹھے پر آن کے کہا اے آج یہ کیسا سناٹا پڑا ہے۔ اوئی کوئی بولتا ہی نہیں۔ یہ بی مغلانی کہاں ہیں۔ قمرن نے کہا باجی جان سلام۔ بی مغلانی سو رہی ہیں، ان کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ آؤ آؤ۔ پوچھا نواب کہاں ہیں۔ کہا نواب اپنے یاروں دوستوں میں ہوں گے۔ دگانا کی طرف مخاطب ہو کر نازو مزاج کا حال پوچھنے لگیں وہ بہت محبت سے پیش آئیں۔

نازو: مزاج تو اچھا ہے۔ اے کہاں رہتی ہو۔

دُگانا: کیوں یہ کاہے سے پوچھا تم نے۔

نازو: آج کتنے دنوں بعد دکھائی دی ہو۔

دُگانا: بجا ہے۔ تم کو اپنے مہراج بلی سے کہاں مہلت ملتی ہے جو کسو سے ملو۔ ہم سب سن چکے ہیں۔

نازو: تمھارا سر۔ چلو بس ہم سے یہ باتیں نہ کرو۔

دگانا: (مسکراکر) اے ہے اے ہے۔ ذری سنبھلی ہوئی۔

نازو: جیسی تم آپ ہو ویسا ہی سب کو سمجھتی ہو۔

دگانا: اب تمھارے دروازے پر تو کوڑا نہ رہتا ہوگا۔

نازو: کیا صفائی کے داروغہ کے پاس ہو، ان کے گھر بیٹھی ہو۔ ہم سے یہ باتیں کروگی نا تو ہم ایک کی دس سنائیں گے۔

دگانا: اب منھ نہ کھلواؤ۔ مہراج بلی کو نہیں جانتی ہو۔ کیا ننھّی منّی ہیں۔

نازو: کون! کوئی ہوگا موا' مہراج بلی ہیں اُلی بلی کو کیا جانوں' میری جوتی کی لوک سے۔

دگانا: صورت تو ذری دیکھو اپنی جھینپی ہوئی۔

نازو: اوئی جھینپی ہوئی۔ یہ کاہے سے۔ ارے تو بڑی شتّا ہے۔ میں تجھے خوب جانتی ہوں۔

دگانا: پوریاں اور کچوریاں اور موہن بھوگ تو خوب کھانے میں آتا ہوگا۔ میری سر کی قسم سچ کہنا۔

نازو: اب تم پٹوگی۔ یہ کیا واہی تباہی' اول جلول بکتی ہو۔ تمھیں ہو کیا گیا ہے۔ شرم حیا سب بھون کھائی ہے کیا۔

دگانا: شرماتی نہیں۔ اور اوپر سے غرّاتی ہے۔

نازو: (ہنسکر) یہ بہت ہوئی اور اوپر سے غرّاتی ہے۔

قمرن: اے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے۔ تم لوگوں میں بڑی دیر سے جھائیں جھائیں ہو رہی ہے۔

نازو: دیکھتی ہو اس نے مغز کھا رکھا ہے۔ واہی تباہی بک رہی ہے۔ اسے نہیں معلوم کیا ہو گیا ہے۔

اتنے میں مہری نے عرض کیا حضور سرکار آتے ہیں۔ پوچھا نواب؟ کہا ہاں۔ تھوڑی دیر میں نواب صاحب تشریف لے آئے۔

"بی نازو جان صاحب کو ہمارا سلام ہے۔" اب بُرا نہ مانو تو ایک بات کہوں، تم بھی ہمارے گھر بیٹھ جاؤ۔ کہاں کا جھگڑا۔ نازو نے انگوٹھا دکھا کر کہا۔ اے ہٹو بھی۔ لو اور سنو ایک بہن تو تم کو دے دی اب کیا گھر بھر تمھارے حوالے کر دیں۔ نواب صاحب کو یہ ادا اور تقریر بہت ہی پسند آئی۔ "بی نازو جان صاحب آپ ہمارا مطلب نہیں سمجھیں۔ میں نے یہ کہا کہ آپ بھی ہمارے گھر پڑ جائیں جس میں قمرن کا جی بہلے۔" قمرن تنک کر بولی جاؤ اب ہم نہیں بولتے تم سے۔ ان کو تو کہتے ہو نازو جان، بی نازو جان صاحب، اور ہم کو خالی خولی قمرن۔ جاؤ بس اب ہم نہ بولیں گے۔ ہم کو بی قمرن جان صاحب کیوں نہ کہا۔ کیا ہم مفت کے ہیں۔ نواب صاحب نے گلے لگایا۔ "بی قمرن جان صاحب آپ تو ذری سی بات پر خفا ہو جاتی ہیں۔" اتنے میں آواز آئی (لو ہیرا من توتے کا بچّہ) سنتے ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "مہری اس کو بلا دو۔" "ارے توتے والے او توتے والے۔" اب نواب صاحب ہاں ہاں کہہ رہے ہیں۔ ارے یہ کیا غضب ہے، یہ کیا ستم ڈھاتی ہو۔ از برائے خدا ذرا تو سمجھو یہ اتنی عورتیں جو نوکر ہیں یہ کس لیے ہیں خواہ مخواہ غل مچاتی ہو۔ ایک مہری جا کے توتے کے تین بچّے لائی تو بی قمرن کی باچھیں کھِل گئیں۔ اب ان کو چکانے لگیں چوں چوں چوں چوں۔ مول لے لو۔ چکانا وکانا نہیں آتا بس مول لے لو۔ مہری نے عرض کیا سرکار دام دے دیے گئے۔ حکم ہوا کہ آٹا گھول کر لاؤ توتے کے بچّوں کو آٹا کھلانے لگیں۔ اے مہری دودھ جا کے لاؤ۔ ایک روپے کا دودھ لاؤ جا کے۔ نازو نے ہنسکر کہا ایک روپے کے دودھ میں کیا ہوگا ایک اشرفی کا منگواؤ نا۔

نواب: (ہنسکر) ہاں اور کیا ایک اشرفی کا تو ہو۔

نازو: جی ہاں اور کیا ایک روپیہ کا تھوڑا ہوگا۔

قمرن: بناؤ۔ بناؤ۔ روپیہ خرچتے ہوئے جان نکلتی ہے۔

نازو: ان کے دشمنوں کی۔ کیا بکتی ہو واہیات۔

نواب: کہنے دو ان کی گالیاں سر آنکھوں پر۔

قمرن: یہی کہتے ہو ہم پڑھے لکھے ہیں۔ گالیاں کہ کوسنا۔ گالی گلوچ کی ہم کو عادت نہیں۔

گالی موئی بیسوائیں بکتی ہیں۔

نواب : اہا ہا ہا۔ کیا خوشبو آئی ہے۔ کوئی کیوڑے کا پھول لیے جاتا ہے۔ شاید۔

قمرن : محلہ بھر بس گیا۔ کیا مہک ہے واہ واہ

مہری نے عرض کیا سرکار میاں اختر آئے ہیں۔ کہا بلا لو۔ میاں اختر تشریف لائے۔ مجرا عرض کرتا ہوں حضور۔ مزاج اقدس، یہ اس وقت تو واللہ معلوم ہوتا ہے کہ کیوڑے کے جنگل میں بیٹھے ہیں ؎

اے گل اندام یہ خوشبو جو چلی آئی ہے　　　کہیں عطار کے کیوڑے کا قرابا ٹوٹا

نواب صاحب نے اس شعر کی بڑی تعریف کی۔ بھئی کیا کہا ہے واللہ۔ ہاں کچھ اور شعر پڑھیے مزہ آگیا اس وقت اختر نے عرض کیا۔ ؎

کیا لوں آئینے کا تاوان سکندر بیگم　　　چار آنے کا موا شیشہ تھا ٹوٹا ٹوٹا

قمرن نے مہری کو حکم دیا کہ بوتل لاؤ۔ نواب صاحب مسکرا کر بولے یہ ستم ہے بس۔ اٹھ کر ایک کمرے میں تشریف لے گئے۔ قمرن اور نازو کو بلایا۔ ایک چسکی لے کر قمرن کے لب زور سے چومے۔ اس نے تنک کر کہا اے ہٹو بھی واہ۔ جو بات ہے وہ نری گنوار پنے کی۔ لے کے ہونٹھ چچوڑ لیے۔ پھوہڑ پنے کے سوا اور کوئی بات نہیں۔ نواب صاحب نے ہاتھ جوڑ کر پھر پیش دستی کرنی چاہی، تو وہ چمک کر الگ ہٹ گئی۔ کہا کیا پیٹ سے پانوں نکالے ہیں۔ ذری سنبھلے رہو۔ اتنی بھی حیا نہیں کہ باجی کے سامنے پیار کرتے ہیں۔ پی کے ہوش نہیں رہتا واہ۔ ایک ہی چلو میں الو ہو جاتے ہیں۔ اور اس دن چھٹن صاحب اور مہراج بلی کو ہنستے تھے آج یہ کیفیت ہے۔

نواب صاحب کے دل میں آئی کہ آؤ دو گال ان کی دوگانا سے بھی ہنس بول لیں۔ پوچھا یہ عورت کون پیچھے ہے اس کو ہمارے پاس لاؤ۔ ہم اس کی صورت دیکھنے مانگتا ہے۔ قمرن نے کہا چپ رہو تم چلا جائے یہاں سے۔

"دل اگر یہ صورت نہیں دکھائے گا تو ہم نکال دے گا۔"

"تم کیا بچارا ہے ہم خود تم کو نکال دے گا۔"

"دیکھو ہم نواب صاحب بہادر ہے۔ تم چپ رہے گا۔"

"دیکھو ہم بیگم صاحب ہے۔ نواب قمرن بہو۔"

اس فقرے پر نواب بہت ہنسے۔ کہا قمرن بہو کی ایک ہی ہوئی۔ اب آج سے ہم نے تمہارا نام یہی رکھ دیا۔ قمرن بہو ہی کہا کریں گے۔ اس نے کہا پرائی بہو بیٹیوں کو تکتے ہو تمہیں شرم نہیں آتی۔ دگانا جان تم اندر چلی جاؤ۔ نواب صاحب دل لگی تو چاہتے ہی تھے۔ فرمایا۔ اے دگانا جانی ذری صورت تو دکھاؤ جان من۔ پانوں تو گورے گورے دیکھ لیے۔

دُگانا : صورت دیکھنے میں جمع خرچ ہوتی۔ صورت دیکھنا ایسا ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔

نواب : اچھا دو موٹے دیتے ہیں۔

دُگانا : ککڑیاں کھاؤ دو پیسے کی۔

نواب : اچھا ککڑیاں بھی منگا دیں گے۔

قمرن : (ہنسکر) اے میں کہتی ہوں تم کو ہو کیا گیا ہے۔ وہ بن ناحق کی چھیڑ خانی۔ خدا واسطے کو۔

نواب : دگانا جان۔ آؤ ہم تم کو گھر ڈال لیں گے۔

قمرن : آج یہ سب کو گھر ہی ڈالے لیتے ہیں۔

نواب : بلاؤ اپنی سب گیاں کو سب کو تمہاری سوت بنائیں گے۔

دگانا نے کہا کیا عورتوں کا ہار پہنیے گا۔ دو بہت ہیں اور مردوں کا کیا ٹھکانا۔ نہ دس پر بند نہ بیس پر بند۔ ہر دیگچی چمچے۔ نواب صاحب نے پوچھا اچھا سچ بتاؤ تم پر کون مرتا ہے آج کل کوئی نہ کوئی تو پھنسا ہی ہوگا۔ وہ بولی اے مجھ بڑھیا پر کیا کوئی مرے گا۔ جوان ہوتی تو موئے سینکڑوں مرتے اور مرتے ہی تھے۔ راہ چلنا مشکل کا سامنا ہو جاتا تھا۔ مگر میں بھی خوب گالیاں دیتی اور کوستی اور برا بھلا کہتی تھی مگر مونڈی کاٹے غضب ہوتے ہیں۔

پوچھا بھلا کبھی کسی کو تصویر دینے کا بھی وعدہ کیا تھا کیوں دُگانا سچ کہنا۔

تصویر کا لفظ سننا تھا کہ بس بس سنّم ہو گیا۔ قمرن کے ہوش حواس غائب ہے ہے اب کیا ہوگا۔ نکالی کی نکالی جاؤں گی اور ذلیل کی ذلیل ہوں گی۔

دگانا بی مغلانی کا منھ دیکھنے لگیں اور وہ اس کا منھ۔ تعجب یہ ہوا کہ یہ اس قدر جلد ان کو کیونکر معلوم ہو گیا۔

نواب صاحب اٹھ کر ایک دوسرے کمرے میں گئے اور وہاں بی قمرن بلوائی گئیں۔

مغلانی : یا مرے اللہ۔ رحم کرنا۔ تو ہی مالک ہے۔ اس وقت بیچاری کی آبرو تیرے ہاتھ ہے۔

دگانا : اے بڑی بی کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے تجھیں تو ضرور معلوم ہو گا۔

مغلانی : لو بیوی بھلا مجھے کیوں معلوم ہونے لگا۔ میں بیچاری نوکر آدمی اب مجھ سے کیا دل کا حال کہا کرتے ہیں۔

نازو : یہ ان کو تصویر کا حال کیونکر معلوم ہو گیا۔ دیکھئے اب کیا ہو گا۔ کیوں دگانا۔

دگانا : ہمارے تو ہوش قابو میں نہیں ہیں۔ اس وقت تو میرا کلیجہ دھڑک رہا ہے۔

نازو : مجھے تو رہ رہ کے یہ خیال آتا ہے کہ یہ کیونکر خبر پا گئے اور کس سے سُن لیا۔

قمرن کے دل میں تو چور تھا۔ یقین ہو گیا کہ نواب صاحب نے یہی پوچھنے کو بلایا ہو گا حالانکہ ان کے فرشتے خان کو بھی خبر نہ تھی۔ اصلیت اس کی یہ تھی کہ بی قمرن کی دگانا پر ایک دفعہ نواب صاحب عاشق ہوئے تھے۔ پیغام بھیجا تو اس نے آنے سے انکار کیا۔ مگر اپنی تصویر بھیج دی، اور کہلا بھیجا کہ یہ تصویر دیکھ کر جلا کرو۔ کمرے میں جا کر نواب صاحب نے وہی تصویر قمرن کو دکھلائی اور کہا اب جا کے ذرا چھپاؤ اپنی دگانا کو۔

قمرن : اے یہ تمہارے ہاتھ کہاں سے آگئی۔

نواب : اب اس کا حال تم سے پھر کہیں گے۔

قمرن : تو یہ کہئے آپ ان پر بھی عاشق ہوئے تھے۔ یہ حال ہم کو معلوم ہی نہ تھا۔ (بگڑ کر) اب تمہارا اعتبار ہم کو بالکل نہ رہا۔ یہ جو حضور غائب رہتے ہیں۔ تو شاید کسی اور پر دل آیا ہے۔ ہم تو دن دن بھر صورت دیکھنے کو ترسیں اور آپ اوروں کی بغل گرمائیں۔

نواب : تم سے تو کوئی بات بھی کہنا گناہ ہے لے اب جا کے اپنی دگانا کو چھپاؤ پیار کرکے، پھر ہم پر خفا ہو لینا۔

قمرن ہنستی کھلکھلاتی ہوئی کمرے سے نکلی تو سب کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ ہم تو سمجھے تھے کہ مار پیٹ ہو گی۔ اور یہ ہنستی ہوئی نکلیں۔ آتے ہی دگانا کو تصویر دکھا کر سلام کیا اور کہا بڑی نیک پارسا بنتی تھیں۔ اور جتنی وہاں بیٹھی تھیں سب سے کہہ دیا۔ دُگانا بہت ہی جھینپیں اور نازو نے بنانا شروع کیا۔

قمرن کے میاں قادر

قمرن سی شوخ و شنگ اور چلبلی پری جھم، بیوی کی مفارقت سے اس کے میاں قادر کا بہت بُرا حال تھا۔ جدائی کے صدمے سہے نہیں جاتے تھے۔ کھانا پینا سب ترک، دیوانوں کی طرح تنکے چننے لگا تھا۔ ہر دم مصروف گریہ زاری، ہر وقت بُکا و بین، شیون و شین، ہائے قمرن وائے قمرن۔ دن رات بس یہی غل مچایا کرتا تھا۔ ہر روز اس کی خبر کو جاتا تھا۔ ایک دن دیوار سے سر ٹکرایا تو سر پھٹ گیا اور خون بہنے لگا۔ ایک دن ریل کی سڑک پر جاکر عین پٹڑی پر لیٹ رہا تاکہ ریل کے نیچے دب کے مر جاوے۔ پہلے تو لوگوں نے اس کو یہ بہکایا تھا کہ للتوا تنبولی بھگا کرلے گیا اور یہاں تک اتو بنایا کہ کانپور دوڑا دیا۔ وہاں مار پیٹ بھی ہوئی اور ذلت بھی اٹھائی اور بعد اس کے دو چار آدمیوں نے کہہ دیا کہ وہ تو بھٹیاری ہوگئی۔ سرا میں ٹکی ہے۔ سرا میں بھی گیا ادھر اُدھر تلاش کیا مگر قمرن تو محل سرا میں تشریف رکھتی تھیں۔ سرا سے کیا بحث۔ وہاں سے بھی مایوس آیا۔ اس کے دو ایک دوستوں نے سمجھایا کہ یار وہ تو تجھ کو چھوڑ کے چل دی۔ اب تو کیوں اس کے پیچھے لٹو ہے۔ اب وہ تیرے کام کی کہاں رہی۔ اب اگر وہ آئے بھی تو تو نکال دے۔ تجھ کو چاہیے کہ اس کا نام بھی زبان پر نہ لائے۔ اس نے یہ دغا کی اور تو اس کے واسطے اتنا بے قرار ہے۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ مگر یہ اس قدر لٹو تھا کہ کسی کی نہیں سنتا تھا۔ اگر قمرن اس کو ملتی تو لڑائی جھگڑا کیا معنی آدھی بات تک نہ کہتا۔ اس کو قمرن سے عشق تھا۔ دلی عشق۔ مگر اس بے وفا کو نواب کا سا کہاں ملتا۔ یہاں وہ باتیں کہاں۔ مغلانی اور مہریاں اور پیش خدمتیں اور محلدار اور سپاہی اور جواہرات اور زیور یہاں کہاں۔ یہاں وہی لاکھ اور چوڑی باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔ کدرا کے ایک دوست نے اس سے کہا کہ یار اب ایک کام کرو، نواب رونق جنگ کے گھر میں آتی جاتی تھی ایسا نہ ہو نواب ہی کی آنکھ پڑ گئی ہو۔ کون تاجب (تعجب) ہے۔ کدرا نے کہا یار تم بھی بے پر کی اڑاتے ہو۔ کہاں نواب صاحب اور کہاں کمرن (قمرن)

منے : ہائے ہائے ارے جالم (ظالم) یہ شکل صورت بری چیز ہے یار۔

کدرا : نواب رونک جنگ ایسے آدمی ہی نہیں ہیں یہی تو کہتے ہیں کہ بے وقوف۔

منّے : تم تو پاگل ہو، کہنے لگے ایسے آدمی ہی نہیں ہیں۔ ارے جالم کھُب صورت (خوبصورت)
عورت کے سب گاہک ہوتے ہیں۔

کدرا : تو رونک جنگ (رونق جنگ) کے کیا گھر پڑ گئی۔

منّے : ان کے آدمیوں سے چل کے ٹوہ لو چلو جری (ذری)

کدرا : تو ایک کام کرو۔ اپنے آپ نہ چلو سمجھے۔

منّے : پھر کون جائے گا۔ تم تو پاگل ہو۔ ابے چل کے ٹوہ تو لا سٹری کہیں کا۔

کدرا : ہم امّاں کو چوڑیوں کے بہانے بھیجیں۔ ہے کہ نہیں۔

منّے : اچھا یہ کھوب سوچے یہی ٹھیک ہے۔

کدرا : امّاں چوڑیوں کے بہانے جائیں تو ٹوہ لیں۔

منّے : ان کو سکھا پڑھا کے بھیجنا۔ بلاؤ، ہم سمجھا دیں۔

کدرا : نہیں یار۔ اب ہم عورت کی طرف سے کھٹک گئے۔

منّے : پاگل ہے۔ کون تو اب اپنی ماں کا بھی اعتبار نہیں رہا تجھے، جن کا ساٹھ پینسٹھ برس کا
سن ہونے کو آیا۔

کدرا : عورت کا جو اعتبار کرے وہ سٹری ہے۔ بس۔

منّے : یار تو کہتا سچ ہے۔ مگر پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ عورت، عورت میں بڑا پھرک
(فرق) ہے۔

کدرا : بھیّا یہ چار پیسے کی آشنا ہے، اور کچھ نہیں۔

منّے : تو اب اپنی ماں کو بھیجو دیر نہ کرو۔

کدرا : امّاں امّاں ذری یہاں آؤ۔ آئیں۔

منّے : یہ بوڑھی عورت ہے اس سے کچھ نہ ہو گا

کدرا : اچھا ہم اپنی بھابی کو بلاتے ہیں۔ مہتاب جا کے ہماری سالی ناجو کو تو بلا لاؤ۔

مہتاب : اجی وہ باتیں سناتی ہے۔ برا بھلا کہتی ہے۔

کدرا : تو جا تو کہنا کا در نے ابھی ابھی بلایا ہے۔

مہتاب : جانے کو تو میں جاتی ہوں مل وہ آئے گی نہیں۔

کدرا : آئے اور بیچ کھیت آئے نہ آنا کیا معنی۔

منےّ : ہاں ہاں جی کیوں نہ آئے گی۔آئے اور پھر آئے۔

مہتاب چنّو کی جورو کے مکان پر گئیں کہا کادر نے ناجو کو بلایا ہے۔بوڑھیا نے پوچھا کیوں بلایا ہے۔کہا اب یہ تو ہم کو نہیں معلوم ہے۔مگر بلایا ہے جرور کرکے کہا ہے کہ ہمیں ایک ضروری کام ہے۔پوچھا اسے کچھ قمرن کا بھی حال ملا ہے۔قمرن کہاں ہے۔قمرن ہائے قمرن۔ارے لوگو اب میں کیا کروں۔میری عمر بھر کی کمائی گئی گزری۔اس کدرا سے اللہ سمجھے۔ہائے اری میری بچّی۔ارے میں تیری صورت دیکھنے کو ترستی ہوں۔ہائے اب میں تجھے کہاں پاؤں۔میری بچّی کو کہاں لے گئے لوگو۔اری قمرن تیری امّی جان رو رہی ہے۔ذری صورت تو دکھا دے۔مہتاب نے ان سے ہمدردی کی آخر یہ ہوا کیا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔پہلے للتوا بے چارے پر لوگوں نے تہمت لگائی تھی اب کیا جانے کس کس پر شک ہے۔اللہ جانے کہاں ہیں اور کہاں نہیں۔مگر گئی کسی کے ساتھ ضرور ہے۔للتوا سے تو بڑے پینگ بڑھے ہوئے تھے۔اس کی دکان پر بھی جاتی تھی۔ساس نے ٹوکا مگر اس نے ایک نہ مانی۔لونڈا اچھا ہے۔بڑھیا بولی۔نہیں بہن للتوا کا جھوٹ ہی موٹ نام بد ہے۔اس کو۔کوئی باہر کہیں لے گیا ہے اور کوئی پھسلا کے لے گیا ہے۔ہائے ارے اللہ میں کیا کروں میں تو کہیں کی نہیں رہی، نہ دین کی نہ دنیا کی۔

ماما : ہجور جو لکھا ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔

ضعیفہ : ہائے میری قسمت کیسی پھوٹ گئی لوگو۔

ماما : اور ایسی تو تھی نہیں، یہ کیا ہوا۔

ضعیفہ : ہوا کیا کوئی پھسلا کے لے گیا۔ہائے ہائے۔

ماما : مرد کی صورت دیکھ کے کیکپی اٹھتی تھی۔

مہتاب : کیا ہم نہیں جانتے ہماری تو بہو ہی تھی ؎

دنیا دو رنگی مکانا سرا کہیں کھوب کھوہا کہیں ہائے ہائے

قمرن کی ماں نے مہتاب کو تو باتوں میں لگایا اور ایک آدمی کو بھیج کر نازو کو بلوایا۔نازو جو آئی تو مہتاب کو دیکھا۔مہتاب نے کہا تمھارے بہنوئی نے تم کو بلایا ہے۔کوئی جروری کام ہے۔نازو اور مہتاب روانہ ہوئیں۔قمرن کی سسرال پہنچیں۔تو کدرا نے کہا بہن

یہ ہم پر کیا ظلم ہوا۔ مگر اب منّے کی رائے ہے کہ کمرن شاید نواب صاحب کے گھر بیٹھ گئی ہوں۔

نواب صاحب کا لفظ سُن کر نازو کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔ مگر اپنے تئیں سنبھال کر بولی۔ کون نواب صاحب! نواب صاحب کون؟ کدرا نے کہا نواب رونک جنگ

نازو: تمھاری بھی کیا باتیں ہیں۔ وہ بھلا چوڑی والی کو گھر ڈالتے۔ ایسا ہوسکتا ہے بھلا۔

کدرا: ارے کون تاجب (تعجب) ہے۔

نازو: اے ہٹو بھی۔ کہاں نواب صاحب کہاں قمرن۔

منّے: تم جا کے ٹوہ تو لو۔ جری دیکھ بھال کرو۔

نازو: ہاں ہاں جانے کو میں جاتی ہوں اچھا۔

منّے: جا کے پہلے تم نہ چھیڑنا۔ دیکھو کیا کہتے ہیں۔

نازو: اوئی تو کیا میں نواب صاحب کے پاس جاؤں گی۔ میں تو محل خانے جاؤں گی۔

منّے: کیوں کیا کوئی عیب ہے کوئی حرج ہے۔

نازو: اے نہیں۔ ہم لوگ مردوں میں نہیں جاتے۔ چوڑیاں عورتیں پہنتی ہیں کہ مرد۔

کدرا: پھر ٹوہ کیوں کر لوگی۔ جنانے (زنانے) میں وہ کہاں۔

نازو: تم کو اس سے کیا۔ ہم کو جانے دو۔

نازو چمکتی ہوئی چلیں۔ راستے میں للتو اتنبولی کی دکان ملی۔" نازو یہ کیا گجب ڈھائی ہو۔ ہماری کھرابی میہمت (مفت) ہوئی۔ مجے (مزے) اور لوگ لوٹیں پیٹے جائیں ہم۔ دس بارہ آدمی مل کے لڑنے آئے تھے ہم اکیلے بھلا کیا بنا لیتے۔ کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑی۔ کمرن سے ہم کو محبت تو ہے۔ صل سوا ایک مرتبہ کے اور کبھی جو گاؤں پر بھی ہاتھ پھیرا ہو تو قسم لو۔ تم سب کو حال معلوم ہے۔ بن نایک کو ہم سے بھر پڑے، اور ہم انجان کیا کریں۔ آپنا دلا فتاد (آخر کچھ معلوم ہوا کہا گئی کہاں ہے۔ کدرا سالے سے وہ راضی نہ تھی، یہ گھامڑ ہے۔ وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔ اب تم ایک کام کرو نازو۔ تم سچ مچ ہمارے ساتھ چلو۔ آکھر بدنام تو ہوئے ہی ہیں۔" نازو ہنسنے لگی۔ منھ بنوا جاکے، ہم اور تیرے ساتھ چلیں۔ موا بڈّھا۔ بڈّھے کے لفظ پر للتو ہنس دیا۔ اچھا پان تو کھاتی جاؤ۔ ایک عمدہ گلوری بنا کر للتو نے نازو کو دی اور کہا اس گلوری کا مجا تو چکھو۔ کیوڑے کا بسا ہوا کتھا۔ اور چھوٹی الائچی ہے جو گھڑے کی۔

نازو : للتوا کہیں تو پتا لگا قمرن کا۔

للتوا : کس سے پوچھوں۔ بڑا اَجب ہے۔

نازو : ہم آپ کسی کو صورت دکھانے قابل نہیں رہے۔

للتوا : پھر تم اس کو کیا کرو۔ تمھارا کیا کسور ہے۔ جب عورت ہی بری ہو تو کوئی کیا بنالے گا۔

نازو : اے بُری سے خاک نہیں چل سکتی۔ وہ مثل ہے کہ رہے تو آپ سے، نہیں تو سگے باپ سے، یہ ٹھیک ہے۔ عورت کس کی ہوتی ہے۔ اے توبہ۔ دوسرے توتے کی طرح آنکھیں پھیر لیں، جانو کبھی کی جان پہچان ہی نہ تھی۔ ان تلوں تیل ہی نہ تھا۔ مگر قمرن سے تو یہ امید نہ تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھگا کے لے گیا ہے۔

للتوا نے کہا اب کا در ہم سے بہت جھینپتا ہے۔ آ کے ہمارے ہاتھ جوڑے کہ بھائی لوگوں نے ہمیں بہکا دیا تھا۔ ہمارا اس میں کیا کسور ہے۔ ہم نے کہا مرد آدمی انسان اپنی اکل (عقل) سے بھی کام لیتا ہے کہ نہیں، عجیب آدمی ہو میاں۔ کہنے لگا بھائی اب ہم کیا کہیں تم سے۔ ہم پر تو بڑا اَجب ہو گیا۔ کمرن سی جورو ہاتھ سے گئی گذری۔ اور الّو بھی بنے سو الگ۔

نازو : لے اب ہم جاتے ہیں للتوا دیر ہو گی۔

للتوا : (ہاتھ پکڑ کر) ایک گلوری اور کھائے جاؤ۔ ایک تو مہیت (مفت) میں گلوریاں کھاتی ہو۔

نازو : مفت میں کھاتے ہیں۔ گھورنا نہیں ہے۔

للتوا: گھورنا کیسا۔ ہم کو آپ عورتیں گھورتی ہیں

نازو : اے دُرموئے، درگور۔ ان کو عورتیں گھورتی ہیں۔ تجھ میں ہے کیا۔

للتوا : ہے کیا اچھی کمرن کو بھگا لے گیا تھا۔

نازو : ایڑی چوٹی پر صدقے کر دوں۔

للتوا : اور جی میں تو دعا مانگتی ہو گی کہ اللہ کرے للتوا گھر میں ڈال لے۔

نازو : (دھول لگا کر) چلیں اب پھر آئیں گے۔

للتوا : ایک دھول لگائی ہے یاد رکھنا۔ ایک کے اوج (عوض) دو مچھیاں لوں گا بھولی کس بھروسے پر ہو۔

نازو : (دور سے) کیا لے گا مچھلیاں مچھلیاں کسی مچھلی والی سے لے جا کے ۔ بڑا تنبولی کا وہ بنا ہے ۔ مچھیاں لے گا ۔

نازو چمکتی ہوئی چلیں ۔ تو راستے میں لوگ ان پر آوازیں کسنے لگے ۔ کدھر کدھر آج بھول پڑیں ۔ انھوں نے پیچھے پھر کے دیکھا ۔ ڈُر نگوڑے جان نہ پہچان خالہ جی سلام ، دوسرے نے آوازہ کسا ۔ او چمکو ۔ اے بی چمکو ۔ انھوں نے ادا کے ساتھ جواب دیا ۔ چمکو تیرے گھر میں ہوگی ۔ کسی نے ہاتھ کے اشارے سے بلایا ۔ ادھر ادھر جواب دیا ۔ ہٹ تجھے خدا غارت کرے ۔ موٹدی کاٹے راستہ چلنا مشکل کر دیتے ہیں ۔ اب میں کس کس سے چونکھی لڑتی پھروں ۔ ایک فقیر نے کہا مائی کچھ ہم کو دے جاؤ ۔ کہا سائیں تم جو کچھ لائے ہو ، ہمارے ہاتھ دھرو ۔ ہنسکر جواب دیا مائی ہمارے پاس کیا ہے ایک لنگوٹا ہے ۔ کہو وہ تمھاری نذر کروں ۔

الغرض جس طرف سے نکل گئیں قتل عام کر دیا ۔ اسی طرح چمکتی ہوئی نواب رونق جنگ کے محل میں پہنچیں ، بیگم صاحب نے قمرن کا حال پوچھنا شروع کیا ۔ کہو کہیں پتا و تا لگا ۔ ہمارے بہنوئی صاحب کی بھی اس پر آنکھ پڑی تھی ، مجھ سے پوچھا یہ کون ہے ، میں نے کہا تم کو اس سے کیا غرض ہے میں کیا کہتی ہوں تم کیا کہتے ہو ۔ سوال دیگر جواب دیگر ۔ میں نے ڈانٹ بتائی تو چپ ہو گئے ۔ نازو نے بیگم صاحب سے کہا حضور قمرن نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا ۔ دین دنیا دونوں سے گئے گذرے ۔ باہر کہیں نہیں نکلنے پاتی تھی صرف حضور کے یہاں تو آتی تھی ۔ اور یہاں کبھی نواب نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا ۔ بات تک نہیں کی ۔ بیگم صاحب نے فرمایا ایک دن بس ہمارے بہنوئی صاحب کی نظر تو پڑی تھی ، مگر انھوں نے کبھی نہیں چھیڑا ۔ قمرن کو تو ہم پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ اس کو کوئی رئیس امیر بھگا ئے گا ۔ وہ رہ نہیں سکتی تھی ۔ ہم نے تو ایسی شکل آج تک نہیں دیکھی ۔ آنکھ ، ناک ، گال ، چہرہ ، منھ ، ہونٹھ ہر عضو بدن سانچے کا ڈھلا ہوا ۔ کسی کی آنکھ پڑ گئی بھگا لے گیا ۔ مگر میں نے سنا کہ تم لوگ تلاش بھی نہیں کرتے ہو ، اور نہ تم کو ملال ہوا ۔ لوگ کہتے ہیں سچ جھوٹ اللہ کو معلوم ہے ۔ اور یہ بھی مشہور ہو گیا ہے کہ چنّو کی جورو کا خرچ اب بڑھ گیا ہے ، پہلے سے کہیں زیادہ خرچ ہے ، یہ آخر آیا کہاں سے ۔ کسی کسی کی تو رائے ہے کہ تم لوگوں کے علم میں ہے مگر تم جان بوجھ کے چھپاتے ہو اور بین کرتے ہو ۔

نازو : اے حضور یہ سب جھوٹ ہے ۔

بیگم : جس کا پاپ اس کا پاپ۔
مہری: حضور ایسا نہیں ہو سکتا۔ ماں بھلا لڑکی کا بُرا چاہے گی۔
بیگم : برائی اس میں کیا ہے۔ کسی رئیس کے گھر پڑ گئی تو چین سے بسر کرے گی۔ موئے سنھار کے یہاں کیا دھرا ہے انگارے۔ اگر کسی لکھ پتی کے یہاں ہے تو اچھی ہے اور جو کوئی شہدا لے گیا ہے مفلس قلاچ تو زندگی خراب کی۔ تھوڑے دن رکھ کر نکال باہر کرے گا۔

تھوڑی دیر بیٹھ کر نازو رخصت ہوئی۔ قادر سے جا کے دھڑسے کہہ دیا کہ وہاں کہیں پتا ہی نہیں۔ سارے میں ڈھونڈھ آئی۔ قادر نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ ہائے بڑا غضب ہے۔ اب کہاں جا کے ڈھونڈوں۔ ہائے میری کمرن۔ میں کہاں تلاش کروں۔ اور یہ بھی ہم کہے دیتے ہیں کہ وہ کھد (خود) اپنے آپ نہیں گئی اس کو کوئی جبرًا بھگا لے گیا کوئی اپنے لیے لے گیا ہو۔ کھواہ (خواہ) کوئی رئیس کے لیے۔ اب لے ہم کو کیا معلوم ہے۔ مگر بہن وہ اپنے آپ نہیں گئی۔

نازو بولی اب یہ تو میں اپنے آپ کہتی ہوں۔ اس میں کیا کوئی شک بھی ہو سکتا ہے۔ وہ بڑی پاک پارسا عورت ہے۔ مگر کوئی جُل دے کے لے گیا۔" ہائے میں اب کیا کروں۔"
نازو: اب اس قدر ہلکان نہ ہو۔
قادر: یہاں جان پر بنی ہے اور ان کو دل لگی سوجھتی ہے۔ ہائے میں اب کیا کروں۔
نازو : ارے تو رونے دھونے سے کیا ہوتا ہے۔ ذرا دل کو سنبھالو اور صبر کرو۔
قادر : تو جب دل بھی مانے۔
نازو : ہاں پھر یہ تو ہئی ہے۔ کل امی جان دن بھر رویا کیں۔ کہ ہائے قمرن تم کہاں گئیں۔
قادر : ہائے کمرن بڑا جل دے گئیں تم۔
نازو : اور ہم کو وہ دن تلک معلوم نہیں۔
قادر : ہم تم دونوں دھوکے میں رہے۔
نازو : وہ تو ہونا تھا۔
قادر : بڑے افسوس کا مقام ہے۔

نازو: میرے کھاندان (خاندان) کا نام بدکر گئی۔ اور عزّت اور آبرو کو خاک میں ملا دیا۔
قادر: کیسا کچھ۔ مجھے تو کہیں کا نہیں رکھا۔ نہ اِدھر کا اور نہ اُدھر کا۔ اب میں اپنے ہم جنسوں سے چار آنکھیں برابر نہیں کر سکتا۔ ہائے میرے خدا۔
نازو: اب میں جاتی ہوں۔ دوڑ دھوپ کچھ کرو ہائے ہائے۔

دھر لیے گئے

چور چور، لینا جانے نہ پائے، پکڑ لینا، نکل جانے نہ پائے، چور ہے چور، محلّے بھر میں غل مچ گیا۔ نیند سے لوگ چونک پڑے، ارے کیا ہے۔ ارے کون ہے۔ چور چور۔ کہاں کہاں، دیکھو بھاگنے نہ پائے۔ کسی نے چراغ جلا کر اپنی کوٹھری کو دیکھا۔ کسی نے اپنی چھتوں پر اِدھر اُدھر دیکھ بھال شروع کی۔ کتّے ہیں کہ بھونک رہے ہیں۔ مانتے ہی نہیں۔ تمام محلے میں چل پوں مچی ہوئی ہے۔ ارے میاں خیریت ہے۔ ایک پڑوسی نے کہا۔ ہاں خیریت ہے منشی مہراج بلی کے گھر میں چور کودا تھا۔

پہلے تو حضرات ناظرین متحیّر ہوں گے کہ یہ چور صاحب کس کے ہاں تشریف لے گئے تھے۔ مگر اب سمجھ میں آ گیا کہ منشی مہراج بلی صاحب کے ہاں کیا واردات ہوئی۔ وہ تو مسخرے کو داخل دفتر کرکے نازو کے گھر پہنچے۔ اور یہاں کا حال سنیے۔ کہ اتفاق سے اسی روز منشی مہراج بلی کی صاحبزادی اور داماد آ گئے۔ جیسے ہی میاں مسخرے صاحب زینوں پر گئے لڑکی فوراً بغل گیر ہوئی۔ یہاں تک تو مسخرے صاحب مزے میں رہے۔ داماد نے اٹھ کر بندگی عرض کی۔ یہ تو کوئی اور ہی ہے۔ اتنا کہنا تھا کہ مسخرالدولہ کے ہوش و حواس پیترا ہوئے۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، دوڑ کر بھاگے۔ داماد نے ان کا پیچھا کیا۔ اور زینوں پر جا کر ٹیٹوا لیا۔ چور چور پکڑا گیا۔ گرفتار کر لیا۔ مسخرہ دبلا پتلا آدمی اور لڑنے بھڑنے سے اس کو کیا سروکار۔ پکڑے گئے۔ پہلے تو مہراج بلی کے داماد بجرنگ بلی نے ان کو خوب گدیایا۔ اور بعد ازاں باہر لے گیا۔ برقنداز کو بلایا اور یہ گرفتار ہوئے۔ اب دروازے پر بھیڑ لگ گئی، دو کانسٹیبل آئے محلّے کے لوگ۔ لوگ جمع مگر مسخرے کی صورت سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ چور ہے۔ اب آپس میں ہنڈیا پکنے لگی بھی چور کی سی تو صورت نہیں ہے۔

"یار صورت پر نہ جاؤ چور نہیں تو کیا شاہ ہے۔"

"شاید چور ہو۔ ہم جانتے ہیں آشنائی ہے۔"

"اجی ساٹھ باسٹھ برس کا سن ہوگا اس کا۔"

بھائی صاحب چوری کرنا تو اس کی صورت سے ظاہر نہیں ہوتا، یہ کچھ اور ہی معاملہ ہے۔ سمجھے صاحب۔

کانسٹبل : آپ کیا کرنے آئے تھے رات کو۔

مسخرہ : بھئی فال کھلوانے آئے تھے۔ سچ تو یوں ہے۔

کانسٹبل : کیا فال کھلوانے، یہاں کس سے فال کھلوانے آئے تھے۔ یہ فرماتے کیا ہیں آپ، یہ تو منشی مہراج بلی کا مکان ہے پھر فال کیسی یہاں۔

مسخرہ : بس اتنی ہی چوک ہوگئی ذرا سی۔

کانسٹبل : تو چلو چوکی پر۔

مسخرہ : بھائی صاحب مالک مکان کو آنے دو۔

کانسٹبل : یہ کیا کھڑے ہیں۔ آپ کا کیا بیان ہے۔

بجرنگ : میں لیٹا ہوا اپنی ساس سے باتیں کرتا تھا کہ ایک آواز آئی بعینہ یہ معلوم ہوا کہ میرے خسر کی آواز ہے۔ مہری نے کنڈی کھول دی تو ایک صاحب تشریف لائے، پہلے تو میری —— خیر —— (راوی) (اب اس مقام پر یہ نہیں کہتے کہ ان کی زوجہ مقدسہ مسخرے سے بغل گیر ہوئیں خیر کہہ کے وہ بات چبا گئے) میں نے کہا کون۔ بس مجھے دیکھتے ہی یہ بھاگے تو میں نے زینوں پر جا کر ان کو دبوچا۔

کانسٹبل : اب بعضی بات کہنے کی نہیں ہوتی۔ ان کی یہ جرأت کیوں کر ہوئی کہ پرائے مکان میں بے جانے بوجھے دھس جائیں۔ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔

۱۔ دکان میں، یار معلوم ہوتا ہے مہراج بلی کی جورو۔

۲۔ ہاں ہاں جی مجھ سے کیا کہتے ہو صاف ظاہر ہے۔

۳۔ ہم تو پہلے ہی سمجھ گئے تھے جی۔ ہونہہ۔!!!

۴۔ بھائی صاحب خدا بد عورت سے پالا نہ ڈالے۔

۵۔ ایک نہیں چلتی بھائی صاحب۔ اب دیکھ لیجئے نا۔ بھلا یہ ممکن تھا کہ اگر پہلے سے سانٹھ گانٹھ نہ ہوتی تو یہ اندر چلا جاتا۔ لاحول ولاقوۃ۔

بجرنگ بلی نے مسخرے کو واقعی ایسی بودی ماردی تھی کہ اس بے چارے کا دل جانتا ہوگا۔ مگر قہر درویش برجان درویش۔ اتنے میں منشی مہراج بلی صاحب گرتے پڑتے اور کوستے گالیاں دیتے ہوئے تشریف لائے۔ آئیں! بھئی یہ بھیڑ کیسی ہے۔ ذرا تیز تیز چلے، اور قریب آئے تو دیکھا کہ پولیس کے لوگ بھی کھڑے ہیں۔ اور مسخرہ بھی ہے اور غور سے دیکھتے ہیں تو بجرنگ بلی بھی موجود اب یہ سمجھ گئے کہ بجرنگ نے مسخرے کو گرفتار کر لیا اور پولیس والے موقع واردات پر آگئے۔ یہ الٹے پانوں بھاگے اور دوسرے راستے سے مکان کو گئے۔ ان کی بیوی نے کہا تم خوب وقت پر آگئے، ایک چور آیا تھا۔ وہ تو کہو یہ آگئے تھے۔ بجرنگ بلی نے پکڑ لیا۔ بیوی کی باتوں کا جب انھوں نے جواب نہیں دیا تو وہ جھلائیں۔ کہا یہ کپڑے کیا اتار رہے ہو۔ اے باہر جاؤ وہاں کی چوکی کے سپاہی آئے ہیں ان موئے چور کو دھروا دو، اب وہ دھروا کیا دیں خود ہی تو بھیجا تھا۔ دھروا کس کو دیں۔ مگر واقعی منشی مہراج بلی گدھوں کے قبلہ گاہ، احمقوں کے پشت پناہ تھے۔ غضب خدا کا ایک اجنبی آدمی کو اپنے گھر میں بھیج دیا اور جورو گھر میں موجود اور طرّہ یہ کہ بڑے شکرگزار ہوئے۔ شکریہ بھی ادا کرتے جاتے ہیں کہ بھئی کیا تدبیر بتائی ہے۔ اس نے پوچھا کہ آپ کی بیوی تو افیم نہیں کھاتی ہیں۔ فرمایا افیم کا کیا ذکر ہے کہ چنڈو تک تو پیتی نہیں۔ مگر پھر گریز کی اور کہا کہ بھئی چوری چھپے پیتی ہوں تو ہیں نہیں معلوم اس کا خدا جانے مجھے کیا اس کی فکر رہتی ہے۔ میں ایسی ایسی باتوں کا کبھی غور نہیں کرتا کہ دیکھوں بیوی کیا کرتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ کل بیوی کا چٹھا مہراج بلی صاحب نے چنڈا اگل خیرو سے کہہ سنایا مکان پر پہنچ کر آواز دے کر مہری کو بلوایا خود الگ ہٹ گئے اور مسخرے کو گھر میں بھیج دیا یہاں ان کی اس قدر مرمت ہوئی کہ تمام عمر جیتے زندگی ہر دم، وہر لحظہ کبھی ان کو نہ بھولے گی۔ اور علاوہ بریں پولیس کے سپرد کر دیے گئے۔ مگر خیر چاہے جو ہوا کم سن عورت کو اس کے میاں کے سامنے گلے تو لگا لیا یہ کیا کم ہے۔

خیر اب آپ نیچے نہیں اترتے کچھ سوچ سوچ کے شرمائے جاتے ہیں۔ مہری نے بجرنگ بلی سے کہہ دیا کہ داروغہ جی تو ان آبے گئے، بجرنگ بلی نے ان کو آواز دی۔ اب لامحالہ جانا پڑا۔ کانسٹبل نے بندگی عرض کی اور کہا یہ کون ہیں صاحب ایک بجے کے وقت یہ آپ کے یہاں آئے تھے۔

ساٹھ ستر برس کا سن ہے، اور تو کسی امر کا گمان ہی ہو نہیں سکتا۔ مگر چور بھی ان کو نہیں کہہ سکتے۔

مہراج بلی چھپے ہوئے تو تھے ہی۔ کہنے لگے یہ ایک بجے کا ہے واسطے آئے۔ اور کیونکر آئے۔ کہا دروازہ کھلوایا چلے گئے۔ مہراج بلی بجھ کھڑے ہوئے۔ ہرگز نہیں، ہو نہیں سکتا۔ بالکل غیر ممکن ہے۔ معلوم ہوتا ہے محلّے والوں نے اس پیر مرد سے عداوت اور دلی عناد ہے۔ سب نے مل کر اس پر مقدمہ قائم کر دیا ہے، اور ہم ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کاہے واسطے کو تم لوگ بولا برائے چہ ایں غل غپاڑہ بھیڑ بھڑکا بر در من با بکار روسیاہ خلائق شدہ است خود خود خانہ بردید۔ (یعنی اپنے اپنے گھر جاؤ) کانسٹبل نے کہا یہ کیا اندھیر کرتے ہیں۔ یہ صریح آپ کے مکان میں پکڑا گیا۔ داماد نے آپ کے اس کو گرفتار کیا۔ محلّے والوں سے کیا مطلب ہے۔ یہ چور ہے اس پر رحم کرنا کیسا چلو چوکی پر۔

مسخرے نے کانسٹبل کی خوشامد کی بھائی ہم چور نہیں ہیں بابا۔ از برائے خدا ہم کو چھوڑ دو ہم دھوکے سے اس مکان میں چلے گئے۔ افیم کی پینک میں تھے۔ ہم بوڑھے آدمی ہیں آج مرے کل دوسرا دن۔ ہم پر کیوں جبر کرتے ہو۔ منشی مہراج بلی نے بھی اس کی تائید کی۔ میاں ہم اور یہ دونوں ایک ہی سرکار میں جانے آتے ہیں۔ یہ نواب محمد عسکری صاحب کے دربار میں نوکر ہیں۔ اور میں بھی وہاں آتا جاتا ہوں، یہ میرے پاس اکثر آتے رہتے ہیں، دھوکے سے اندر گھس گئے۔ کانسٹبل نے کہا اچھا جیسی رائے ہو ہم کو کیا۔ ہم کو کہیے تو ہم رات بھر نوان کو چوکی پر رکھیں۔ اور صبح کو چالان کر دیں۔ سزا ہو جائے گی۔ محلّے بھر میں غل سن کر اب اس کا چھوڑ دینا بڑی غلطی ہے آئندہ آپ کو اختیار ہے۔

بجرنگ: اجی تم چوکی پر لے چلو ایک نہ سنو۔

مہراج: نہیں صاحبزادے یہ میرا یار ہے۔

بجرنگ: (اپنے دل میں) اچھے اچھے آپ کے یار ہیں۔ سر کاٹ ڈالوں مردود کا۔

راوی: ان کی بیوی کو گلے لگا چکا ہے نا۔

مسخرہ: ارے بابا میں چور نہ چور کا پڑوسی۔

بجرنگ: مگر یاد ہی تو کرنا ہوگا۔ ہات تیرے کی۔

مسخرہ: تھوڑا سا پانی پیوں گا۔ پیاسا ہوں۔

مہراج : میں لاتا ہوں (مٹی کے ایک آبخورے میں ٹھنڈا پانی لائے) لو بھئی پی لو۔

کانسٹبلوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ محلے والے جا کے سو رہے۔ چڈا گل خیرو نے خدا خدا کر کے نجات پائی۔ اور توبہ کی کہ آیندہ ایسی حرکت نہ ہو۔ اب سنیے کہ مہراج بلی اور ان کی بیوی میں جو ناچلا کہ تم نے کیوں اس چور کو چھوڑ دیا۔ فرمایا یہ ایک قصہ طلب بات ہے۔ کہا معلوم ہوتا ہے اس کی کسی لڑکی وڑکی سے تم سے کچھ ہے جبھی چھوڑ دیا۔ میں تاڑ گئی ہوں، بہت بری حرکتیں ہیں تمھاری تم بھی پچھتاؤ گے۔

مہراج : سب جھوٹ بات ہے بالکل غلط۔ یہ خواب اور خیال ہے تمھارا بس۔ ع

ما را چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت

راوی : اے سبحان اللہ کیوں نہ ہو منشی مہراج بلی صاحب۔

بجرنگ : آخر یہ تھا کون مردود۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔

مہراج : بابائے من۔ فرزند ارجمند من۔ ایں دوست صادق است و یار شاطر نہ بار خاطر فہمیدی آنچہ شد شد۔

اب سنیے کہ دوسری طرف نواب محمد عسکری کے ہاں جو دربار گرم ہوا تو کسی شخص نے کہا خداوند اڑتی سی خبر پائی ہے کہ چڈا گل خیرو کسی علت میں پکڑے گئے ہیں۔ ذری خبر تو منگوائیے۔ روانے کو حکم ہوا۔ جا کے خیر و عافیت تو دریافت کرو وہ تھوڑی دیر میں مسخرے کو ساتھ لے کر آیا۔ مسخرے نے آتے ہی کان پکڑنے شروع کیے۔ توبہ، توبہ۔ حضور توبہ کی ہے ہے خداوند غضب ہی ہو گیا۔ حضور شیر کے منھ سے نکل کے آیا ہوں۔ ستم کا سامنا تھا مگر اللہ نے بڑا فضل کیا اور بچا لیا۔ اف نہیں تو کہیں کا نہ رہتا۔

پوچھا بھئی کچھ کہو گے بھی۔ کہا خداوند لوٹ پوٹ جائیے گا واللہ دربار الٹ جائے گا۔ میں کیا عرض کروں آپ سے بس لوٹن کبوتر بن جائیے گا۔ یہ کیفیت ہو گی۔ خداوند یہاں سے مہراج بلی کے ساتھ غلام بھی شب کو گیا تھا۔ نواب صاحب نے کہا ہاں یاد ہے۔ کہا حضور کہنے لگے نازو نے بلوایا ہے۔ اور بلوایا ولوایا کسی نے نہ تھا۔ آپس ہی فقرہ تھا یاروں کا۔ مجھ سے کہنے لگے کہ اگر نہیں جاتا ہوں تو دل نہیں مانتا اور جاتا ہوں تو بیوی کا خوف ہے۔ کوئی تدبیر ایسی بتاؤ کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔ میں نے بیوی کا سن دریافت کیا تو فرمایا مجھ سے چھوٹی ہے۔ اس فقرے

پر کل حاضرین دربار ہنس پڑے۔

نواب: لاحول ولا قوۃ کیا بے شعور آدمی ہے۔

ممّن: گنوار کا لٹھ۔ عقل سے تو سروکار ہی نہیں ہے۔ واللہ ایسا آدمی کم دیکھنے میں آیا ہوگا۔

داروغہ: مجھ سے چھوٹی ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔

ممّن: تم ہنس دیے ہوگے، تو شرمائے ضرور ہوں گے۔

مسخرہ: آپ بھی نرے چونچ ہیں۔ ارے میاں ہنستے تو معاملہ نہ بھر کھنڈ ہو جاتا۔

نواب: اچھا صاحب پھر کیا ہوا۔ یہ تو بڑے مزے کی دل لگی ہوئی۔ واہ چلا گل خیرو۔

مسخرہ: میں نے پوچھا صورت شکل کیسی ہے۔ فرمایا بس بعینہ جیسی وہ امین آباد کی ساقن۔

اس پر پھر قہقہہ پڑا اور لوگ لوٹنے لگے۔

مسخرہ: پوچھا افیم کا شغل تو نہیں کرتی ہیں۔ آپ کی بیوی۔ فرمایا افیم کا کیا ذکر ہے چنڈو تک تو پیتی نہیں۔ اور کبھی چوری چھپے پیتی ہوں تو کیا معلوم۔

اس پر بڑے زور کا قہقہہ پڑا۔

مسخرہ: میں نے کہا اس وقت جو آپ جائیں گے تو دروازہ کون کھولے گا۔ فرمایا۔ مہری۔ بس کنڈی کھولتے ہی وہ بھاگ جائے گی کیونکہ وہ جوان عورت ہے۔ میں کنڈی بند کر کے اوپر جا کے سو رہوں گا۔ میں نے پوچھا آپ کی بیوی کے ساتھ کون سوتا ہے پہلے تو چراندے ہوئے۔ اور جھلا کر بولے آپ کی بیوی کے ساتھ کون سوتا ہے۔ میں نے کہا میری بیوی کے ساتھ میری لڑکی سوتی ہے۔ اب ذرا ٹھنڈے ہوئے تو میں نے کہا ہماری صلاح تو یہ ہے کہ تم دروازے پر سے آواز دو، اندھیری رات ہے۔ ہم اندر گھس جائیں گے اور تڑکے گجر دم چل دیں گے۔ فوراً راضی ہو گئے۔

نواب: ایں نہیں نہیں۔ ایسا پاگل نہیں ہے۔

داروغہ: خداوند اس سے کچھ بعید نہیں ہے۔

مسخرہ حضور سن تو لیں میں جو کہتا ہوں۔ بڑا فضیحتا ہوا۔ کیا عرض کروں خداوند۔ وہ تو چمت ہوئے اور بندہ درگاہ مکان کے اندر۔ اتفاق سے مہراج بلی کا داماد آیا ہوا تھا۔ ان کی لڑکی اٹھ کر مجھ سے بغل گیر ہوئی۔ وہ سمجھی کہ مہراج بلی ہیں۔ ان کا داماد جو اٹھا کہا کون۔ کون کا

کہنا تھا کہ بندہ بھاگا اور وہ میرے پیچھے زینے پر اس نے مجھے آکے پکڑا۔ اور اس قدر مارا کہ ہڈی پسلی ہی جانتی ہے۔ اور پولیس کو بلایا۔ اب میں چور بنا ہوا کھڑا ہوں، محلّے کے کچھ لوگ بھی جمع ہو گئے۔ چور چور سب نے غل مچانا شروع کیا۔ اب کوئی تو کہتا ہے چور بھئی صورت سے برستا ہے۔ اور کوئی کہتا ہے نہیں۔ چور نہیں ہے۔ یہ کچھ اور ہی بھید ہے۔ معلوم ہوتا ہے آشنائی واشنائی ہے۔ کسی نے کہا نہیں جی چوری کرنے آیا تھا۔ بوڑھا آدمی ہے۔

نواب: لاحول ولاقوۃ بڑا فضیحتا ہوا

ممن: دراصل چور بن گئے گھر میں گرفتار ہوئے۔

نواب: لاحول ولاقوۃ۔ مگر یہ مہراج بلی اس قدر پاگل ہے۔ کیا معنی عقل چھو ہی نہیں گئی ہے۔ توبہ توبہ۔

مسخرہ: حضور میرا بڑا شکر ادا کیا کہ کیا تدبیر بتائی ہے۔ بس خداوند اِدھر تو درد اور چوٹ، اُدھر پولیس کا خوف۔ اتنے میں مہراج بلی آگئے۔ پولیس والے چوکی پر لے جاتے تھے، اور ان کا داماد جلا ہوا کہ جورو لپٹ گئی تھی۔ مگر مہراج بلی نے بچا لیا۔ دل میں تو چور تھا ہی کہ خود کردہ را چہ علاج۔ سمجھا بجھا کر برقندازوں کو رخصت کیا۔ اور بندہ درگاہ بہزار خرابی گھر آئے۔ خداوند اس قدر درد ہو رہا ہے کہ غلام کیا عرض کرے۔ اب سے آئے گھر سے آئے۔

نواب: مگر واللہ یہ مہراج بلی بھی یادگار ہیں۔

ممّن: دوسرا تو ایسا نہیں پیدا ہوا ہے۔

داروغہ: اب کوئی شخص اپنی جورو کے پاس دوسرا مرد کیوں بھیجنے لگا۔

ممّن: لاحول ولاقوہ۔ خیر میاں گلے تو لگا لیا۔ یہ کیا کم ہے۔

مسخرہ: اجی الٹی باہیں گلے پڑیں اور۔

نواب: اور تم کو بیٹھے بٹھائے یہ کیا سوجھی ہنس کر مگر واللہ مانتا ہوں، واہ رے مہراج بلی۔ میاں کسی کو بھیج کر ذرا منشی مہراج بلی کو تو بلواؤ۔ کہو بلایا ہے۔ جلدی چلیے۔ بھئی عجیب قطع کے آدمی ہیں۔

مسخرہ: حضور پہلے آپ نہ ذکر فرمایئے گا۔

ممّن: ہاں دیکھیے کچھ کہتے ہیں یا نہیں۔

مسخرہ: میں جانتا ہوں نہیں کہیں گے آپ سے۔
ممنّ : اجی وہ ایک ہی بے حیا ہیں۔ ضرور کہیں گے۔ بغیر کہے تو ان کو چین نہ پڑے گا

اب سنیے! مہراج بلی صاحب مسکراتے ہوئے نواب صاحب کے دربار میں تشریف لائے۔ نواب صاحب اور حاضرین جلسہ سے صاحب سلامت ہوئی۔ نواب صاحب نے کہا بھئی مسکراتے کیوں آتے ہو۔ فرمایا عرصے کے بعد آپ کو دیکھا، بے اختیار ہنسی آگئی۔" بھئی مہراج بلی ارے یار تمھاری بیوی کا سن کیا ہوگا بھلا" مہراج بلی نے جمائی لی۔ کہا اجی کچھ ہوگا بھئی۔ مگر ہاں خوب یاد آیا۔ ارے یاراں یہ تم لوگوں کو کیا سوجھتی ہے کہ خواہ مخواہ ایک شخص کو پریشان کرتے ہو۔ میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے۔ رے شب کو تم نے مجھے اس قدر حیران کیا کہ الاماں۔ میں دوڑا ہوا نازو کے یہاں گیا۔ اور وہاں مجھے معلوم ہوا کہ نازو نے مجھے نہیں بلوایا تھا۔ یہ سب آپ لوگوں کی شرارت تھی۔ یار اس وقت میں نے تم سب کو گالیاں دیں اور سینکڑوں صلواتیں سنائیں۔ کہ خدا تم کو غارت کرے۔ تم نے مجھے دوڑا کر مار ڈالا۔ ایک ہی شریر النفس ہو۔ نواب صاحب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ کیسی نازو اور کیسے آپ کچھ پاگل ہوئے ہو، یہاں تو نازو کا ذکر بھی نہ تھا۔ مہراج بلی جھلّا گئے۔ آپ کی ایسی تیسی۔ صریح آدمی نے ان کے کان میں کہا کہ نازو کا آدمی آیا ہے۔ آپ کو بلایا ہے۔ تم نے خود کہا کہ لو اب تو چین ہی لکھتا ہے۔ اور ہم جو وہاں جاتے ہیں تو سناٹا۔ اوپر سے کہتے ہو کہ کیسی نازو اور کیسے آپ۔ نواب صاحب مسکرائے۔ یار کچھ یاد تو آتا ہے مگر ہم نے واللہ بھیجا نہیں دیا۔ یہ کسی اور کا فقرہ ہوگا۔ مہراج بلی بگڑے۔ نواب صاحب خدا گواہ ہے میں دوستی کے سبب سے بولتا نہیں ہوں ورنہ واللہ جس کو کہو پولیس کے سپرد کردوں۔ مگر میں صرف بھلمنسی کے لحاظ سے خاموش ہوں۔ ٹکر ٹکر دیدم دم نہ کشیدم۔ کہوں کس سے اور سنوں کس سے سے

گفتہ گفتہ شد دلم بسیار گو　　　　　　　ذرشمانن ہم نہ نشد اسرار جو

راوی: تصرّف اچھا کیا۔ شعر کے بھی پتھر لگاڑ دیے۔
ممنّ : کل رات کو یہ آپ کے دروازے پر بھیڑ کیسی تھی۔
مہراج: (جھینپ کر) بھیڑ! یہ بھیڑ کیسی بھئی۔
ممنّ : بہت سے لوگ جمع تھے اور پولیس کے لوگ بھی تھے۔
مہراج: (گھبرا کر) غلط ہے۔ پولیس سے کیا بحث ہے۔

ممّن : ارے صاحب کل رات کا ذکر ہے۔ میں نے خود دیکھا۔

مہراج: اوہو۔ لاحول ولا قوۃ۔ ہمارے پڑوس میں ایک ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں ان کے ہاں شادی تھی۔ وہی سب لوگ جمع ہوئے تھے۔

نواب: (مسکراکر) ارے یار کل ایک گھر کے ہاں چور کودا تھا معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔

مہراج: (بات کو ٹال کر) بھئی کچھ شعر و شاعری ہو۔

مسخرہ: ہاں حضور غلام کا بھی جی چاہتا ہے ؎

کودا کوئی گھر میں نرے یوں دھم سے نہ ہوگا جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہوگا

اور سب تو ہنسنے لگے، مگر منشی مہراج بلی کہ گول آدمی تھے، ذرا نہ سمجھے کہ یہ شعر کیوں پڑھا گیا۔

نواب: بھئی اچھا شعر کہا ہے۔ دھم سے نہ ہوگا۔

ممّن : حضور سنا کہ کل کسی کے مکان میں چور بیٹھا تھا، اور بڑا جھگڑا ہوا۔ منشی مہراج بلی صاحب آپ نے تو نہیں کچھ سنا یہ کس کے گھر میں کودا تھا۔

مہراج: (سمجھ گئے) ہم نہیں جانتے۔ ہوگا بھئی۔

نواب: ارے یار مہراج بلی تمہاری بیوی کا سن شریف کیا ہے۔ بڑھیا ہوگئی ہوں گی۔

مہراج: بڑھیا! ہوں نہ جی وہ آپ ایسے جوانوں سے ٹانٹھی ہیں۔ کہنے لگے بڑھیا ہوگئی ہوں گی۔ پرسوں ہی کا ذکر ہے کہ ہیزم سوختنی منگوائی تھی۔ سو بھائی صاحب پورا گٹھا اس نے آنگن سے اٹھا کر رسوئی میں رکھ دیا۔

نواب: بھئی بیشک بڑا کام کیا، اور بڑی شہزوری دکھائی۔ مگر سن تو بہت ہوگا کمال کیا۔

ممّن : شریف زادیاں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔

مسخرہ: حضور ایک دفعہ منشی مہراج بلی صاحب کی بیوی نے ہاتھی کا پاٹھا اٹھا لیا تھا۔

مہراج: واللہ! بھئی مجھے نہیں معلوم ہے واللہ۔

نواب: یار ان کی بڑی تعریف سنی ہے کہ بڑی لائق آدمی ہیں، اور سنا ہے کہ خوبصورت بھی ہیں۔

مہراج: (اکڑ کر) ہونہہ! خوبصورت! ارے خدا کی قسم وہ جو آغا میر کی سرا میں مشہور بھٹیاری

ہے۔کیا نام ہے اس کا۔ یاد نہیں آتا۔لاحول ولا قوۃ۔ارے میاں وہی۔توبہ۔وہ مشہور بھٹیاری جی۔بھلا ہی سا نام ہے۔

ممّن : ہاں میں سمجھ گیا مدارو کو کہتے ہیں آپ۔

مہراج : مدارو مدارو۔بس مدارو ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے بالکل ایک۔

ممّن : مدارو تو بیٹرن تھی، اب بھٹیارے کے گھر پڑ گئی ہے۔مگر اچھی صورت ہے واللہ۔

مہراج : اجی وہ مہترانی سہی مطلب تو تشبیہ سے ہے۔

راوی : خدا کی مار تیرے اوپر، پہلے تو تشبیہ دی تھی آمین آباد کی سا قن سے، اب بھٹیاری اور بیٹرن سے۔

نواب : کیوں بھئی تمھارے یہاں افیم کا شغل تو نہیں کرتی ہیں۔یا ہے کچھ شغل تھوڑا تھوڑا۔

مہراج : نہیں بھئی چنڈو ونک تو پیتی نہیں۔

نواب : چال کیسی ہے۔آپ کی بیوی کی بھائی صاحب۔

مہراج : کس سے مثال دوں۔اہاہا۔بھئی خوب یاد آیا۔دیوانی کی کچہری میں ایک چھوکری ہے جو چلمیں بھر بھر کے پلاتی ہے۔بعینہٖ اسی کی سی چال ہے۔فرق فقط اس قدر ہے کہ وہ چھوکری ابھی چال سیکھتی ہے اور ہماری بیوی کھیلی کودی ہیں۔

نواب : یار ہم کیونکر دیکھیں۔بھلا ایک نظر دیکھ سکتے ہیں۔کیوں منشی مہراج بلی صاحب۔

مہراج : بھائی صاحب ہم ذکر کریں گے۔مگر وہ منظور نہ کریں گی۔اور بھئی سوچو تو کیونکر منظور کریں۔

نواب : کیا آدمی ہو بھئی ارے میاں دور سے دکھانے میں بھی بخل ہے۔لاحول ولا قوہ۔

مہراج : اچھا میں دریافت کرلوں بھائی صاحب، یہ عزت آبرو کی بات ہے۔ہاں دیکھو جھوٹ کیوں بولیں۔

ممّن : یہ کیا چپکے چپکے مسکوٹ ہوتی ہے۔

مسخرہ : ہائے مرا۔اف۔حضور درد نے مار ڈالا۔

نواب : یہ درد کیسا۔کیوں خیریت تو ہے۔؟

مسخرہ : خداوند کل بہت پٹا۔خوب ہی مارا گیا۔

ممن: کیا! کیوں کسی کا مال چرایا تھا۔
مہراج: اچھا اب رخصت ہوتا ہوں۔ کل آؤں گا۔

نواب صاحب نے ان کا دامن پکڑ لیا۔ کہاں چلے کہاں۔ آمدن بہ ارادت، رفتن باجازت۔ کیا دل لگی ہے۔ کہنے لگے اب رخصت ہوتا ہوں۔ بیٹھو۔ دو گھڑی دل بہلاتے ہیں۔ باتیں کرتے ہیں۔ بھاگے کہاں جاتے ہو۔ مہراج بلی رسیاں تڑا کے بھاگے جاتے تھے۔ مگر نواب صاحب نے زبردستی بٹھایا، اور کہا آج ہمارے پاس ایک پولیس کے سب انسپکٹر آئے تھے، انھوں نے ہم سے بیان کیا کہ منشی مہراج بلی صاحب کے گھر میں کل ایک چور کود ا تھا۔ نواب صاحب یہ بیان کر رہے تھے کہ مسخرے نے یہ بات کاٹی اور کہا حضور یہ غلط ہے، میں تو کل رات کو کوئی تین بجے تک انھیں کے مکان پر تھا، نہ چور تھا نہ چکار، محض لغو کسی نے کہا ہے۔ تین بجے کے بعد چور آیا ہو تو آیا ہو۔ اس کا حال مجھے نہیں معلوم ہے مگر اتنی رات جا کے چور بھلا کیوں آنا۔ کوئی بات بھی ہے خواہ مخواہ کا ہلڑ غل غپاڑہ کر رکھا ہے۔

منشی مہراج بلی نے مسخرے کی طرف مخاطب ہو کر کہا خوش ہوئے آپ: یار لوگوں نے کیا باندھنو باندھا ہے۔ واللہ میری تو عقل حیران ہے کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ کہنے لگے۔ کل رات کو منشی مہراج بلی کے ہاں چور کودا تھا۔ خدا کرے کہنے والے کے گھر میں چور کودے جب دل لگی ہو۔

ممن نے کہا اے حضور یوں نہ کو ہیے، یوں کہیے کہ راست و دروغ برگردن راوی ۔ اوّل ہم لوگ تو سنی سنائی کہتے ہیں۔ ہم کو کیا معلوم۔ مگر مشہور یہ ہے کہ چور گیا اور آپ کی راب میں عرض نہیں کر سکتا آپ کی بیوی۔ حضور۔ آپ کی بیوی۔ نہ کہوں گا۔ سنتے ہیں کہ آپ کی بیوی سے بغل گیر ہوا۔

مہراج: (بہت ہی چراندھے ہوئے) کیا بکتا ہے سور بے ایمان۔ بد ذات۔ نامعقول اگر ابکی یہ گفتگو کی تو جہنم کو پہنچا دوں گا۔
نواب: بھئی ممن تم بہت بڑھ جاتے ہو۔ ہم کو پسند نہیں ایسی باتیں نہ کیا کرو جس میں رنج ہو۔

ممّن : خداوند تو وہ چور خود انھیں کی قطع بنا کے گیا تھا۔ان کی بیوی کو کیا معلوم کہ کون ہے۔

مہراج تو پھر اب اس میں ان کا کیا قصور ہے بھلا۔(مسخرے کی طرف مخاطب ہو کر) کیوں بے یہ کیا بات تھی۔نامعقول تیری دم میں نمدا باندھوں۔

مسخرہ سب غلط۔بالکل جھوٹ۔محض مہمل، واہیات۔سب بکتے ہیں بکنے دو۔

مہراج بلی کا مسخرے کی طرف مخاطب ہو کر یہ کہنا تھا کہ نواب صاحب اور ممّن کھلکھلا کر ہنس پڑے کہا ارے گدھے یہ تو نے گل خیرو سے کس بات کی شہادت چاہی۔تو تو اپنے آپ دھر لیا گیا۔لاحول ولاقوہ۔واللہ مارے ہنسی کے برا حال ہے۔بھئی خدا کی قسم سیدھے آدمی بہت دیکھے مگر حضور سب کے قبلہ گاہ ہیں۔

مہراج بلی نے جھلا کر کہا۔سیدھے کوئی اور ہوتے ہوں گے۔ہم سے اور مذاق۔ہونہہ۔ع

مجھ کو ناداں نہ سمجھ دور ہوں داناہوں میں

مرا بار بار ہرزہ گز نی توانی کرد بندہ راچہ یارا کہ بگوید یا ہیچ نگوید۔پس چناں می گویند

سہ بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد

ورنہ سزاوار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

کہ گفتہ اند النکاح من سنتی فمن رغب۔لے

نواب : (مسکرا کر) ارے یار تم عربی بھی پڑھے ہو۔

مہراج : ہونہہ! عربی بھی پڑھے ہو۔اَنَا۔انا تعلیم عربیۃ فہو اعراب۔ولاتندخلون معرب فی لسان الغیب۔آپ کے ہاں عربی زبان میں ہے فغلقۃ الابواب یعنی پس بند کرو تم اپنی زبان کو۔

داروغہ : (ہنس کر) کیا ترجمہ کیا ہے۔واللہ۔ابواب کے معنی زبان کے ہیں۔اور لسان عربی میں دروازے کو کہتے ہیں۔

لے یہ صحیح حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔پوری حدیث یہ ہے" اَلنکاحُ من سُنّتِیْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ "(ترجمہ: نکاح کرنا میرا طریقہ ہے، جس نے اس سے روگردانی کی وہ مجھ سے نہیں ہے)۔یہاں مسخرے نے بے موقع استعمال کیا ہے۔

مہراج : ہمیں کیا سکھاتے ہو۔

نواب : پاگل ہیں داروغہ صاحب۔

مہراج : ایک عرب مجھ سے کہنے لگا ہذا انت عرب مقیم۔ یعنی کیا عرب کے باشندے ہو۔

داروغہ : (قہقہہ لگاکر) یہ انت نے کیا مزہ دیا۔

مہراج : مزہ۔! مزہ کیا۔ کیا یہ بھی کوئی پکوڑی ہے۔

نواب : آ گیا اپنی اصلیت پر۔ ہندوا ہے نا۔ آخر پکوڑی یاد آگئی۔ ارے پلاؤ کہا ہوتا کباب کا نام لیا ہوتا۔ ترکاری کہتا۔ یہ پکوڑی کیا معنی۔ بیوقوف۔

مہراج : تم کیا جانو اُردو زبان کسے کہتے ہیں۔

نواب : اس میں کیا شک ہے یہاں پر ہم بھی قائل ہو گئے۔

مہراج : مارا در زبان اردو ملکہ ہست کہ گفتہ اند۔ زبان اردو آں داند کہ زباندان بودہ باشد والا دانستن و ندانستن وے ہیچ و پوچ ست۔ بشہر دا ماند کہ در دیار غربیش بہ نیم جو نخرند والا بندہ را در صرف و نحو حفظ شد۔

نہ پلائم نہ شیر برنجم فقط والم مسورا

راوی : واہ منشی مہراج بلی صاحب۔ اے سبحان اللہ۔

اتنے میں میاں اختر آئے اور نواب صاحب کی خدمت میں جھک کر آداب عرض کیا اور کہا حضور ذرا منشی مہراج بلی کے گھر پر آدمی بھیج دیجیے۔ سنا ان کے یہاں واردات ہو گئی حاضرین جلسہ مسکرانے لگے۔ نواب صاحب نے کہا بھئی کیا گرمی چڑھ گئی ہے دماغ پر صریح سامنے تو تمہارے منشی مہراج بلی صاحب بیٹھے ہیں۔ اختر نے افسوس کیا سنتے ہیں سب لوٹ لے گیا۔ جھاڑو دے گیا۔ افسوس کیوں صاحب کیا کیا لے گیا۔

مہراج : (بہت ہی بگڑ کر) تمہارا اسر یو سور کا بچّہ کا ہے واسطے ہم کو دق کرتا ہے۔ بلڈی فول۔

اختر : ہے ہے غضب ڈھا گیا آخر کچھ تو چھوڑ گیا یا بالکل صفایا کر گیا۔ غضب کیا۔ واللہ۔

نواب : بھئی۔ وہ بگڑتا ہے چوری کے نام سے۔

ممّن : حضور اس زمانے میں یہی ٹھیک ہے۔

اختر : منشی مہراج بلی صاحب ہمیں بڑا افسوس ہوا۔

مہراج : افسوس تو ہونا چاہیے۔ آپ کے باپ مر گئے ہیں نا۔

نواب : بھئی یہ کیا خوب کہا ہے واللہ۔

ممّن : اب تو اچک لینے لگے حضور۔

مہراج : (مسکرا کر) ہم سے اور دل لگی۔

اختر : حضرت اس وقت تو ہم بہت جھینپے۔

مہراج : آپ جھینپنے والے نہیں ہیں۔ آپ محفلوں سے اٹھائے گئے تب تو جھینپے نہیں۔

نواب : یار آج تو خوب خوب آوازے کس رہے ہو۔

مہراج : مگر میاں اختر تو چکنے گھڑے ہیں۔

اختر : حضرت اب یہ سب ہمیں پر تو چھا رہی ہے۔

مہراج : اختر کی بیوی ہماری سلہج ہیں۔

اختر : خداوند غلام اب رخصت ہوتا ہے۔ یہ تو بے طور پھبتیاں کہہ رہے ہیں آج۔

مہراج بلی بڑے ہی خوش کہ آج پالا ہمارے ہاتھ رہا۔ مار لیا ہے۔ کوئی کیا کھا کے مقابلہ کرے گا جو میں کہتا ہوں چھا جاتی ہے۔ واہ رے ہیں۔

اتنے میں مسخرے نے کہا خداوند کل کی سرگزشت سنیئے۔ مہراج بلی کے چہرے کا رنگ فق " حضور ایک دوست نے اپنے گھر آواز دی کنڈی کھولو"

مہراج بلی نے مسخرے کا منھ بند کر دیا۔ اور کہا یہ جھوٹا ہے مردک جھک مارتا ہے۔ کیوں بچّہ ایک تو پچوا دیا اور تم اوپر سے ہمیں کو دھرواتے ہو بھیج دیے گئے ہوتے دو برس کو۔ یہ ہم کو دعا دو کہ۔

مسخرہ : تو بس حضور پھر کیا ہوا کہ۔

مہراج : ابے چپ۔ او ترے مسخرے کی ایسی تیسی دم میں کھٹکھٹا چپ۔ ساری عزّت آبرو خاک میں ملائے دیتا ہے نامعقول۔

نواب : یہ ماجرا کیا ہے۔ یہ آبرو کی لفظ سے تو کچھ دال میں کالا کالا ضرور معلوم ہوتا ہے۔

ممّن : بس حضور وہی بات ہے جو میں نے پہلے کہی تھی کہ چور ان کی بیوی سے بغل گیر ہوا۔

اختر : ایں! توبہ یا میرے اللہ سب کی آبرو بچانا۔ واللہ یہ تو جان دینے اور مر جانے کی بات

ہے۔

ممّن : اور یہ جانتے ہیں کہ منشی مہراج بلی کا سا غیرت دار اور اس کی جورو سے چور گلے ملے اور وہ زندہ رہے۔ ارے یہ اس غم میں گھٹ گھٹ کر مر جائیں گے۔

نواب : واللہ سچ کہتے ہو۔ غیرت دار کے لیے بڑا سامنا ہے۔ اللہ توبہ۔

مہراج : یہ اس مسخرے نامعقول کی شرارت ہے۔ میں نے ناحق بچایا۔ جب دو برس کو بھیج دیا جاتا تو معلوم ہوتا۔

نواب : کیا کیا۔ بھیج دیے گئے ہوتے دو برس کو یہ کیا۔

مسخرہ : حضور سنا نہیں آپ نے

ع جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے۔

شراب کی دعوت

منشی مہراج بلی نے خدا جانے کیا جاتی دنیا دیکھی کہ کل احباب کو اپنے گھر مدعو کیا۔ جب سب احباب جمع ہوئے تو کہا ہم نے آج کئی قسم کی شراب منگوائی ہے۔ خوب پیو۔ پہلے مذاق کی باتیں ہونے لگیں۔

چھٹّن : شراب!! اے لعنت خدا۔

نواب : بھئی ہم کو شراب کی صحبت سے نفرت ہے۔

رونق : بیشک ہم کو بھی علیٰ ہذا۔

داروغہ : اے حضور مسلمان اور بھلا یوں شراب پیے۔ کانسٹھ یا برہمن پیے تو پیے۔

چھٹّن : منشی مہراج بلی صاحب پانی منگوائیے۔

مہراج : اچھا تو کسی مسلمان کے ہاتھ سے پانی آنا چاہیے۔

چھٹّن : اس میں کیا شک ہے۔

رونق : کیا خوب۔ اور نہیں تو کیا آپ کے گھڑے کا پانی پئیں گے۔ سبحان اللہ۔

مہراج : بھئی میں کب کہتا ہوں، مگر واللہ تم لوگوں نے اس دن بڑا ہی جبر کیا کہ ارے ظالم اپنے گلاس میں پلوا دی اور اپنی جھجری کا پانی۔

چھٹّن : اب ہندو بنیے کی نہ لینا کبھی۔

مہراج: ہے ہے واللہ غضب کا سامنا تھا۔

چھٹن: ارے اب کچھ پلاتا ہے یا نہیں؟

مہراج: یاالٰہی آخر یہ گھبراہٹ کیا ہے۔

داروغہ: دیکھیں منشی مہراج بلی صاحب نے کیا کیا سامان کیا ہے۔ بڑا دل کیا واللہ۔

چھٹن: ارے بھئی اب لاتے ہو یا باتیں بناتے ہو۔

اتنے میں منشی مہراج بلی صاحب ایک خوبصورت کنٹر میں ہوسکی لائے۔ لوگوں نے پوچھا بھئی یہ کون شراب ہے۔ کہا ہوسکی۔ اور اللہ کی عنایت سے سب نوسکھیے۔ کہا ہوسکی نہیں، اور کوئی شراب گلاب کی ولایتی منگواؤ۔

مہراج بلی نے سپاہی کو بلایا اور حکم دیا کہ روز شراب جلد جاکے لاؤ۔ مگر یار۔ روز شراب تو عورتوں کے پینے ہے۔ لیڈیاں پیتی ہیں جنٹلمین تو ہوسکی پیتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں روز شراب آئی۔ بالکل گلاب کی خوشبو

مہراج: لے بھئی اب لگا لگاؤ۔

چھٹن: پہلے تو ہم پئیں گے استاد۔ کوئی پیے یا نہ پیے۔

رونق: واللہ اس کی بُو سے نفرت ہے۔ خدا گواہ ہے۔

چھٹن: آپ پاگل ہیں۔ اس کو بو نہیں خوشبو کہتے ہیں۔

رونق: شیطان کی پھٹکار۔

چھٹن: عسکری نواب یار اس کو نکالو یہاں سے۔

آغا: ہاں۔ تو پھر دون کرو نا۔

رونق: قسم خدا کی ایسی بو آتی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ دماغ پھٹا جاتا ہے۔ معاذ اللہ۔

آغا: بھئی تمھیں قسم ہے واللہ ان پر چھڑک دو۔

چھٹن: (ایک چلو چھڑک کر) لے پاک ہو گیا۔

رونق: اُلو۔ سور۔ یہ دل لگی ہمیں پسند نہیں۔

چھٹن: آپ کی ایسی تیسی۔ چوتما اٹھائی گیرا۔

نواب: یار افسوس ہے کہ قمرن اس وقت نہیں ہے۔

مہراج: اور نازو بھی نہیں۔ پھر کیا فکر کریں۔

نواب : بلواؤ بھی دو گھڑی دل لگی رہے گی۔

مہراج : مگر زنانہ مکان قریب ہے۔

نواب : آپ تو پاگل ہیں دو گھڑی بیٹھیں گی۔ پھر چلی جائیں گی۔ اس میں نقصان کیا ہے۔

چھٹن : اپنی بیوی سے کہہ دینا کہ شہدے جمع ہوئے تھے۔

داروغہ : حضور معلوم ہوتا ہے یہ جورو سے ڈرتے بہت ہیں۔ جورو کے مرید ہیں۔

مہراج : کون ہیں نا۔ ہاں بھئی بیشک ڈرتا ہوں۔

نواب : ڈرتے ہوتے تو یہ محفل نہ ہوتی جناب۔

مہراج : ارے یار۔ ع

کس کی رہی اور رہے گی کس کی

چھٹن : بس یہی ٹھیک ہے۔

نواب : دو روزہ زندگی کے لیے کیا فرش اور کیا خاک۔

سب کے پہلے چھٹن صاحب نے پی۔ اہا ہا بھئی بہشت کو دور ہی سے سلام ہے۔ واللہ کیا مزہ آیا ہے۔ اس وقت کہ کیا عرض کروں۔ جی خوش ہو گیا۔ ہائے دنیا ہو، اور شراب ہو۔ مہراج بلی نے ان سے اتفاق کیا۔ یار حق تو یہ ہے کہ بہشت میں جائیں یا دوزخ اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ مگر واللہ شراب بھی کیا نادر شے ہے۔ بے نظیر چیز ہے۔ اس دن یار تم لوگوں نے بڑا ہی غضب ڈھایا۔ ارے ظالم مسلمان کا گلاس اور جھوٹا۔ میرے سامنے کا پیا ہوا گلاس اور پانی مسلمان کا اور مجھے پلا دیا۔ اگر بیوی سن لیں تو واللہ میرے ہاتھ کا پانی نہ پئیں۔

چھٹن : ارے بھئی ہم کیا اپنے مذہب پر قائم ہیں۔

نواب : مسلمان اور شراب۔ لاحول ولا قوۃ۔

مہراج : توبہ تو کر سکتے ہو۔ یہاں تو توبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ ہماری قوم کے لوگوں کو اتنا معلوم ہو جائے کہ اس نے مسلمان کے جھوٹے گلاس میں پانی پی لیا۔ بس فوراً حکم ہو کہ یہ یہ برادری سے خارج۔ اور بھئی سچ کہوں میں اب تک خود جھجکتا تھا۔ مگر اب تم لوگوں سے کوئی پردہ نہیں رہا۔

نواب : میاں ایک حمام میں سب ننگے۔

مہراج : ہے ہے اگر بھائی سن لے تو مار ہی ڈالے۔

آغا۔ کیا آپ کے بڑے بھائی ہیں کوئی۔
نواب۔ کیا خوب۔ یہ بھی کوئی گناہ ہے۔
چھٹن۔ بھئی اب ہمیں کو پلا کے اُلو بناؤ گے۔ تم لوگ کیوں نہیں پیتے۔
نواب۔ (گلاس لےکر) لے انڈیل دے جتنی جی چاہے بس اب تو خوش ہوا۔ ؎

گزک کے واسطے جاکر کباب لا جھٹ پٹ
میں کل سے پیاسا ہوں ساقی شراب لا جھٹ پٹ

مہراج۔ یار پیتے تو تم لوگ ہو نہیں مگر واللہ باتیں بہت بناتے ہو۔ اڑا جاؤ۔
نواب۔ تم تو شروع کرو۔ یہ نہ ہو گا بھئی کہ ہم تو پئیں اور آپ نہ پئیں لے شروع کیجئے۔
مہراج۔ کون (مسکراکر) میں پینے والے کو کچھ کہتا ہوں اور آپ ہیں پاگل ہیں اور شراب۔
نواب۔ اب آپ پئیں گے جناب یہ سمجھ لیجئے کہ اسی دن کا سا حال ہو گا پھر شکایت نہ کیجئے گا۔
مہراج۔ کون۔ مکان پر میرے اور مجھی سے لپاڈگی واللہ یہ دل میں خیال بھی نہ کیجئے۔
نواب۔ پی۔ اے پی۔ (ہاتھ سے گلاس دے کر) پیتا ہے کہ نہیں۔ نامعقول لے پی جاؤ۔ میاں۔

مہراج بلی نے ان کے ہاتھ سے گلاس لیا اور غٹ غٹ کرکے پی گئے۔ کہا افوہ بڑی گرمی معلوم ہوتی ہے۔ خدا جانے کتنی انڈیل دی۔ اب ہم اپنے ہاتھ سے لیں گے۔ بھائی نواب محمد عسکری صاحب بہت دے دی۔ افوہ۔

چھٹن صاحب کو جو کسی قدر چڑھ گئی تو انھوں نے داروغہ کو زبردستی پلادی۔ اس نے ہاتھ جوڑے۔ حضور میں مرجاؤں گا مجھے

نماز پڑھنی ہے ۔ خدا وند کل پر رکھئے ۔ مگر یہ کس کی سنتے ہیں ۔ زبردستی پلادی ۔ اور کہا صحبت میں بیٹھ کر یہ قلا و ذیاپن کیا معنی ۔ تمھارے باپ کو پلائیں ۔ اور دادا کو پلائیں ۔ تم کیا ہو ۔ آپ بھی کوئی شے ہیں ۔ ہمچو من دیگرے نیست ۔ جب محمد عسکری کو پلادی تو پھر تم کس کھیت کی مولی ہو ۔ چلے وہاں سے نہ پیونگا۔

داروغہ کو بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ پی لے پی کر کہا اب حضور ایک شرط ہے ۔ میں گھر نہ جانے کا ۔ جوروا کو اس کی بُو بُری معلوم ہوگی اور آپس میں مفت میں لپا ڈگی ہوگی یہ ٹھیک نہیں ہے ۔ اب بندہ یہیں سوئے گا۔ صبح کو جاکے کہہ دوں گا نواب صاحب کے کام کو یہاں گیا تھا وہاں گیا تھا ۔ آئیں بائیں شائیں بتادوں گا ۔ یہ تو بائیں ہاتھ کا کرتب ہے ۔ لاحول جورو کو کیا معلوم کہ یہ کیا کرتا ہے. اور کہاں رہتا ہے ۔

مہراج ۔ اجی تم مزے سے یہاں سوؤ ۔ تڑکے چلے جانا ۔

داروغہ ۔ کچھ تکلف کی ضرورت نہیں ہے ۔

نواب ۔ تکلف کرتا کون ہے یہ تو وہی مثل ہوگئی کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان ۔

مہراج ۔ تکلف کیا معنی ۔ پلنگ بچھوادیں گے بس ۔

چھٹن ۔ ہاں ۔ جی ۔ بجا ۔ اور نہیں تو کیا ۔

مہراج ۔ خالی خولی پلنگ ہی بس (مسکرا کر)

چھٹن ۔ بھئی اب پوچھنا بھی گناہ ہے ۔ یار ۔

نواب محمد عسکری نے تین بار اپنے ہاتھ سے انڈیل کے پی اور نشے میں چور ہوگئے ۔

نواب ۔ ممن دیکھو جوڑی گاڑی کو بول دو ۔

چھٹن ۔ بول دو ۔ بو بلڈی فول ۔

مہراج ۔ دونوں غین ہیں ۔ دھت ۔
داروغہ ۔ ع
خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو
چھٹن ۔ چپ رہو یو سور بلڈی فول ۔ چپ رہو ۔
مہراج ۔ داروغہ خاموش رہو ۔ کیوں بکتے ہو ۔ خواہ مخواہ جھگڑا مول لینا ۔ اس روز ممن کو سمجھاتے تھے آج خود ہی پاگل ہوگئے ۔
داروغہ ۔ ع
کھل گئی ہے قسمت مسٹر فریزر چاندنی ۔
چھٹن ۔ تیرا سر چاندنی ۔ سور کہیں کا ۔
مہراج ۔ بھئی چھٹن صاحب یار اب تم نہ پیو ۔ اب تم بہکتے ہو یار ۔ اور خاکسار کا مکان ہے ۔ واللہ بڑی بدنامی ہوگی لے غضب ہے ۔ یارو ذرا ہوشیار رہنا ۔
چھٹن ۔ ابے جا ڈرپوک ۔ واہی کہیں کا پوری بوتل پی جائیں واللہ اور نشہ نہ ہو ۔
نواب ۔ کیوں ڈینگ کی لیتے ہو ۔ پاگل کہیں کا ۔ ع
پاگلوں میں بھی فرد ہے چھٹن
داروغہ ۔ خداوند کیا برجستہ فرمایا ہے ۔
چھٹن ۔ اپنی ایسی تیسی فرمایا ہے تم خوشامد کرنے والے سور لوگ ہمارا مزاج درہم برہم کردیتے ہو یو سور ۔
داروغہ ۔ حضور اب زیادہ نہ بڑھیں بندہ بھی شریف زادہ ہے سمجھے ۔ بس اب یار اے ضبط نہیں ہے ۔ اب کی بندہ جواب ترکی بہ ترکی دے گا ۔
چھٹن صاحب کو اس قدر چڑھ گئی کہ پی کے غُل مچانے لگے یو مہراج بلی ۔ تم ادھر حاضر ہو ۔ یو سور ۔ مہراج بلی خود پئے ہوتے تھے ۔ انھوں نے ڈانٹ بتائی ۔

مہراج ۔ کاہے واسطے یو سور بولنے مانگتا ہے ۔ بس چپ رہ پاگل آدمی ۔

چھٹن ۔ تو چپ رہ ۔ نہیں تو اب پٹنے لگے گا ۔ مت بولو کالا سور ۔

مہراج ۔ پٹوگے تم میں اب تک جان بوجھ کے خاموش تھا ۔ اب اگر ذرا تم بولے تو میں پیٹ چلوں گا ۔ ؎

سفلہ جو جاہ آمد وسیم و زرش سیلے خواہد بضرورت سرش
آں نشنیدی کہ افلاطون چہ گفت مور ہماں بہ کہ نباشد پرش

چھٹن ۔ او کالا مین مت بکو ۔ بس ۔ نکال دو ۔ آدمی یوسور کو نکال دو ۔

مہراج ۔ کاہے واسطے بک بک لگانا مانگتا ہے ۔

چھٹن ۔ اب میں چانٹا رسید کرتا ہوں ۔ نہیں تو بس اب چپ رہ پاگل گدھا ۔

داروغہ ۔ حضور اب بات بڑھ جائے گی ۔

مہراج ۔ جی نہیں ۔ میں ان کو راہ پر لے آؤں گا ۔

نواب ۔ بھئی واللہ اس وقت تو ہم بھی بگڑ گئے تھے ۔

مہراج ۔ یار خواہ مخواہ جو گالی دیتا ہے تو بُرا معلوم ہوتا ہے اور طبیعت جھلّا اٹھتی ہے ۔ کہ گفتہ اند ؎

چرا گوید کسے لفظے درشتے
کہ خواہ مخواہ شود ناگوار طبعے

داروغہ ۔ کیا موزوں طبیعت پائی ہے حضور نے ۔

مہراج ۔ ایں ہر ہمہ مہربانیہا ست کہ گفتہ اند ۔ ع

گل چیں بہار تو ز داماں گلہ آید

ایں ہمہ امور از دانی موقوف برآید ندانی ونشانی نمودہ می آید

عاقلاں پیروی نقط نہ کنند

نمودار مارا ز راہِ عطا گذر کن کہ از ناتوانی بجا

کہ مہراج بلی نادر جواب

نگہدار مارا ز راہ خطا خطا درگذاردثوابم نما

داروغہ: کیاخوب۔ کیاخوب۔ تہ مصرعی ہوئی ہے۔

نواب: یہ تہ مصرعی کیا معنی بھئی۔

داروغہ: حضور اور سب دو مصرعوں کا شعر کہتے ہیں حضور نے تین مصرعوں کا شعر کہا ہے۔

نواب: (اشارہ کرکے) بھئی ع

طبع موزوں راعروض وقافیہ درکار نیست

داروغہ: ع قافیے کا بھی قافیہ ہے تنگ۔

نواب: کیاخوب، اس پر مصرعے لگاؤ بھئی مہراج بلی۔

مہراج: ابھی لو صاحب، یہ تو گھر کا علم ہے۔

نواب: یہ حضور کے گھر کا علم ہے۔ ماشاء اللہ۔

مہراج: اجی تم لوگوں کو تو یہ پڑی ہوئی ہے کہ ہندو کیا کہہ سکتا ہے۔ جی اور یہاں خاقانی[1] سے ٹکر لڑانے کو تیار ہیں۔ مگر آپ لوگوں کے نزدیک دل لگی ہے۔

چھٹن: واہ بھئی دھوتیا پرشاد۔ واہ۔

مہراج: یار تم لوگوں کو اب ہم کیا کہیں۔ بڑی نامعقول صحبت ہے۔ واللہ۔

چھٹن: آپ خود نامعقول ہیں قبلہ۔

مہراج: تو ہم دھوتیا پرشاد ہیں۔

چھٹن: اور ہیں کون آپ۔

مہراج: بھلا قتیل[2] کے قائل ہو کہ ان کے بھی قائل نہیں۔؟

---

[1] ایران کا مشہور فارسی شاعر افضل الدین خاقانی، متوفی ۵۹۵ھ بمقام تبریز۔

[2] محمد حسن قتیل فارسی کا بلند پایہ نومسلم عالم وشاعر۔

چھٹن : وہ بھی دُھتیا فرستاد لوٹیا رسید تھے۔ وہ کیا تھے۔ غالب ہمیشہ لالہ قتیل کہا کیے۔
داروغہ : حضور شاعر تو بس غنی[1] تھا۔
نواب : یہ کشمیری تھا نا۔ اپنے ہی والوں کی تعریف کریں گے۔ اور طغرا کیا برا تھا۔
چھٹن : طغرائے کشمیری بھی اچھا تھا۔
نواب : واہ دلی کی کیا تعریف کی ہے۔ اور کشمیر کی کیا تعریف کی ہے قلم توڑ دیے ہیں۔
چھٹن : بھئی خدا اس خطے کو سلامت رکھے، کیا کیا لوگ گذر گئے۔ یادگار زمانہ۔
داروغہ : حضور قدردان ہیں واللہ۔
چھٹن : بھائی ہم تو منصف مزاج آدمی ہیں۔ انصاف کو نہ چھوڑیں گے۔ انصاف مقدم ہے۔

اب سنیے کہ منشی مہراج بلی کو نشے میں جو نازو کا خیال آیا تو محمد عسکری سے اصرار کر کے نازو اور قمرن کو بلوایا۔

تھوڑی دیر میں چھم چھم کی آواز آئی اور سب کے کان کھڑے ہوئے۔

مہراج : می آید آں عروس کہ من برنشان فدا ہنم۔ آمدن میکند و دل وجاں ماراکہ نثار طرہ تابدار دلست پامال خرام ناز کردہ مے آید کہ گفتہ اند۔

ع۔ ہر شبے خوش باد ناخوشہائے دنیائے دلی

واللہ کہ او کافر ہندوکش می آمدہ است۔

بزی قزم رزن[2]

قمرن : ازرززری مزامزا۔

---

[1] غنی کشمیری فارسی کے مشہور شاعر دور مغلیہ کے ملک الشعرا۔ طغرا کشمیر کے فارسی گو شاعر تھے۔

[2] یہ زرزری بولی پرائیویٹ گفتگو کے لیے گزشتہ زمانے میں رائج تھی۔ حرف ز ایک لفظ کے ہر حرف کے بعد آتا ہے۔ اس کو حذف کرنے سے اصل لفظ بن جاتا ہے جیسے 'بزی قزم رزن' تینوں جگہ سے 'ز' ہٹائی تو بی قمرن ہوگیا۔ (نورانی)

باما : حزازمزہزوتزی ہزاں گزی۔

قمرن : تزوتزوجزون کوی سزی چزال چزلتزی ہزے گزی۔

باما : ازاازی سرزکمزار مُحزک کزم۔

قمرن : حزاکزے نزوو زاب صزاجزب کزو بزالزا۔

باما : ازچھزا اجزاتزی ہزوں۔

قمرن : کزہنزا کزہ ازاپ کزو بزمیزا ایزاہزے جزلدزی۔ ازا وزوصزرز زورہ۔

مغلانی : ازاج تزوبزوتزی نزائزی ہزے۔

قمرن : تزم تزوبزدل سزک تزی ہزو۔

مغلانی : مزبیں لزرڑزک پزن سزے بزدل تزی ہزوں۔

قمرن : ٹھزنڈزاپزانزی تزوپزلوزاؤزو۔

مغلانی : ازرزری مزہزی ازاب خزاصزالزا۔

بی قمرن کے سمجھ میں نہیں آیا کہ (ازاب خزاصزالزا) کے کیا معنی۔ مغلانی نے مہری کو حکم دیا آب خاصہ لا۔ قمرن نے آب خاصہ کو نہیں سمجھا۔

قمرن : ازاب خزاصزاکزوں مزانگتزاہزے گزا۔ پزانزی مزانگتزی ہزوں گزی۔ تزم ازاب خزاصزاکزہتزی ہزو۔

مغلانی : مزہزی لزاتزی ہزے۔

بی مغلانی سمجھ گئیں کہ یہ کوئی ہیچ قوم ہیں کہ آب خاصہ تک نہیں سمجھ سکتیں۔ مہری پانی کو ڈھک کر لائی تو قمرن نے کہا یہ چونچلے ہم کو اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ آبخورے سے پہلے برف نکال کر کر کر چبائی۔ اس کے بعد پانی پیا۔ اور گلوری کھائی۔ مغلانی نے بھی برف کا پانی اپنے واسطے منگوایا اور پی کر کہا، پانی تو پیتے ہیں جہاں پناہ۔ اس قدر کا سرد کہ میں کیا عرض کروں۔ کوئی اور وہ پانی نہیں پی سکتا۔ اے وہاں تو گرمی کے دنوں میں اگر کوئی سلطان خانے میں جائے تو کانپ اٹھے۔ اللہ جانتا ہے ٹھٹھر جائے۔ لوگ رزائیاں اوڑھ اوڑھ کے جاتے ہیں، اور تس پر سردی معلوم ہوتی ہے۔

قمرن : بزادخزاہ مزہیں گزے کزابزاتزیں۔

مغلانی : ازورکیسترا۔ بزاد شنزاہ ہزیں۔

قمرن : ازب تنرک مزہرزی نزہ ہزیں ازائزی۔

مغلانی : نزدوزاب صزاحزب کزے پزاس گزئزی ہزے۔

قمرن : ہزان۔ ازآنزی ہزدگزی۔

مغلانی : بزے شزک ازآنزدگزی۔

قمرن : دزہ بزررزف دزالزانزہ ہزیں ازایزا۔

اتنے میں نواب محمد عسکری صاحب مع احباب تشریف لائے۔ آغا محمد اطہر اور چھٹن صاحب اور منشی مہراج بلی اور ممّن ساتھ۔ محمد اطہر نے کہا کہ مزاج شریف بی قمرن بہو صاحب۔

قمرن : عزن نزایزت ازاپ کزی۔

نواب : ایں! یہ زرزری بولی بولنے لگیں۔

قمرن : تزم بزدل سزکتزے ہزو۔

نواب : ہزاں بزدل سزکتزے ہزیں۔ پھرزتزم ازنہزامزطلزب کزہ ہزو۔

ممّن : حضور ایک مرتبہ بڑی دل لگی ہوئی۔ جلسہ ہورہا تھا۔ اور مشتری گا رہی تھیں ایک بنگالی بابو کے ہاں جلسہ تھا۔ تو کسی بنگالی نے شراب کے نشے میں کہا۔ بس اب دو شرابدلو۔ تم بھاگ جاؤ تو بی مشتری کے سازندے نے کہا۔ یزہ بزنگزالزی بزرڑزے اُزلُلزو ہزد تزے ہزیں گزے۔ اس پر ایک بابو صاحب ہنسکر بولے دسزچ کزہتزے ہزو گزیٔے اس کی نانی ہی تو مرگئی۔ وہ سمجھا تھا کہ یہ بھی کوئی معمولی بنگالی ہے ایسا ویسا۔ مگر جب انھوں نے یہ تقریر کی تو وہ بھی چکرایا کہ یہ بابو صاحب بڑے واقف کار ہیں۔

قمرن : نزدوزاب ہزم کزوگزانزا سُزن دزاؤزو۔

نواب : کزدل بزڑزی بزات ہزے۔

قمرن : کزب گزانزا سُزنزاوزدگزے۔

نواب : جزب کزہ ہزو۔

ممّن : حضور اسی جلسہ میں ایک دیہاتن کسبی نے ایک گیت بنگلہ زبان میں گایا تھا حضور میں کیا عرض کروں، کیا سُریلی آواز تھی۔ اور پھر پاٹ دار۔ بس جتنے بنگالی تھے۔ سب

اس پر عاشق ہو گئے اور اس قدر انعام دیا کہ وہ مالا مال ہو گئی۔ مگر واللہ کیا صورت تھی۔ ہائے۔

نواب : بھئی وہ گیت تم کو یاد ہے۔

ممّن : میں نے یہ چالاکی کی کہ پنسل سے لکھتا گیا۔ اور زبانی بھی یاد کر لیا۔ حضور کیا عمدہ گیت ہے۔

نواب : بھئی خدا کا واسطہ جلدی سناؤ۔

ممّن : حضور اس نے گایا تھا کہ

تم دیشی دیشی مت بولو، بنگالہ آمزنام رے۔

آمر باڑی باش بے، مو دو چا بو نا گر پان رے، بوش بور نیشٹپاٹی جو بن ڈوبے، دان رے، بنگالہ آمزنام رے۔

بس اس کو اس مزے سے گایا کہ ساری محفل محو ہو گئی۔

نواب : بھئی کیا عمدہ گیت ہے۔ قمرن تم اس کو گاؤ۔

قمرن : ہمارا کہنا تو کرتے نہیں، پھر ہم تمھارا کہا کیوں مانیں۔

نواب : بھئی ممّن اسی وقت رونے کو حکم دو کہ منے خاں گویے کو بلا لائے۔

ممّن باہر گئے۔ ڈیوڑھی پر حکم دیا کہ ایک رونے کو بلاؤ۔ رونا۔ حاضر ہوا کہا۔ سرکار کا حکم ہے کہ جا کے منے خاں گویے کو بلا لاؤ۔ رونا فوراً روانہ ہوا۔

قمرن : مزن شنزی مزہزاج بزلزی ازاج چزب کزیزوں ہزیں پزو چھزو۔

نواب : یزہ مزت پزو چھزو۔

قمرن : خزیر یزت تزو ہزی۔

نواب : ازن کزی جزو رزو۔

مہراج : بھئی الجھن ہوتی ہے واللہ۔

نواب : میاں تو بات چیت کیوں نہیں کرتے۔

مہراج : بات چیت کس سے کروں، تم لوگ تو بنگالی بول رہے ہو۔ اب ہم کیا بولیں۔

نواب : دھنسکن بنگالی بولنے کی کیا کہی ہے، واللہ۔

ممّن : ایں۔ یہ زرزری بولی ان کے نزدیک بنگالی ہے۔

قمرن : سنری دھنرے ازاد مزی ہزیں۔

نواب : سنری دھنرے ازادمزی نزرہ ہزیں' ہزیں۔گزدھنرے ازادمزی ہزیں۔

اس پر قہقہہ پڑا۔

مہراج : یہ کیا ہنسے کیا بھئی۔

نواب : آپ ہی کی تعریفیں ہورہی ہیں۔

مہراج : جی بندہ ایسی تعریفوں سے درگزرا۔

نواب : بی قمرن نے کہا یہ بے چارے سیلانی سیدھے آدمی ہیں۔

مہراج : جی کیسے کچھ۔ ہم سے سیانا سو دیوانہ

ع مجھ کو ناداں نہ سمجھ دور ہوں دانا ہوں میں۔

نواب : اس میں کیا فرق ہے۔ایک ہی خرانٹ ہو۔

ممن : حضور اس دن تو مجھ پر ایسی ایسی پھبتیاں کہیں کہ میرا دل ہی جانتا ہے۔

نواب : جب کہتے ہیں تو ایسی ہی کہتے ہیں۔

آغا : صاحب بہت ہی خوب سوجھ بوجھ ہے واللہ۔

مہراج : نہیں پہلے تو میں کچھ کہتا نہیں مگر جہاں چلایا بس پھر سنانے لگتا ہوں۔

نواب : بھئی یہ خداداد بات ہے واللہ۔

مہراج : اور نہیں تو کیا سکھانے سے آتی ہے۔

آغا : میاں کیا سچ مچ زرزری نہیں بول سکتے؟

مہراج : زرزری کیا بھئی یہ کس ملک کی زبان ہے۔؟

نواب : جی یہ کامروپ دیس کی زبان ہے۔کبھی ادھر سے گزر نہیں ہوا۔ایک بار

تو ضرور ہو آؤ قابل دید ہے۔

مہراج : نواچھا بی قمرن بولو تو کچھ۔

قمرن : ازاب کزامزراج تزوازچھزا ہزے۔کزیزدن نہزہزاج ضزاضرب۔

مہراج : پوچھتی ہو مزاج اس وقت برہم کیوں ہے۔

ممن : خوب سمجھے طبیعت داری اسی کا نام ہے۔

نواب : پھر کیوں کہتے تھے کہ ہم کو یہ بولی نہیں آتی۔

آغا : بھئی کیا خوب بوجھے ہیں۔

قمرن : (ہنسکر) خزوش ہزے۔

نواب : بزل کزل اُزل لُزو ہزے۔

مہراج : آپ لوگ بالکل گدھا ہی سمجھ لیے ہیں۔

نواب : اے لاحول۔ آپ وا ہی ہیں۔

آغا : اور سنیے گا۔ کہنے لگے آپ لوگ بالکل گدھا ہی اور پاگل سمجھتے ہیں۔

ممّن : بالکل کا لفظ تو حضور یہاں پر صحیح ہے۔

قمرن : عزق قزل تزو چھزو ہزی نزہ ہزیں گزائزی ہزے۔

مہراج : ان نے کہا پان میں چونا زیادہ ہو گیا ہے۔

نواب : (کھڑے ہو کر) تڑپا دیا واللہ۔ مار ڈالا ظالم۔ افوہ کہنے لگے پان میں چونا زیادہ ہو گیا ہے۔

مہراج : نہ کہو گے جی۔

قمرن : اے کیونکر سمجھ گئے۔

آغا : میاں عجب گدھے ہو تم۔ قمرن تک زرزری بول لیتی ہیں اور تم الو کے اُلو ہی بنے ہوتے ہو۔

قمرن : مگر کیا پتے کی کہی ہے واہ وا واہ۔

ممّن : خوب پہونچے۔

چہ خوش گفت ست سعدی درزلیخا الا یا ایہا الساقی اور کا ساونا دلہا
ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ

قمرن : مزہزراج بزل لزی ازل لزو ہزیں گزے۔

مہراج : ہمارا نام لیا اور کہا یہ بڑے دور ہیں کیوں کچھ ایسا ہی کہا۔ میں فوراً تاڑ جاتا ہوں۔ مجھ سے کوئی بھلا کیا اڑے گا۔ اڑ کے جائے گا کہاں۔ ع

اڑ کے جائے گا کہاں مجھ سے کوں

مصرع ہو گیا۔

نواب : کیا موزوں طبیعت پائی ہے۔

ممّن : حضور یہ اپنے آپ ہی نظیر ہیں۔

نواب : ان کے گھر میں چور کودا تھا قمرن۔ ذرا حال تو دریافت کرو۔ بہت بچ گئے بے چارے۔

ممّن : حضور نے ناحق یہ ذکر چھیڑا۔

مہراج بلی بہت ہی جھلائے کہا بڑے لغو لوگ ہیں۔ آپ کاہے واسطے ہمارا خاکہ اڑاتا ہے۔ اور ہمارے دل کو دکھاتا ہے۔ یو بلڈی فول۔

قمرن : بزڑڑزرے بزگ ڑزرے ہزیں گزرے۔

نواب : ہزمزارزرے مزسحرزرزرے کزوگھزبھزیچ وزیزا۔

قمرن : ذری صاف صاف کہو، نواب کیا ہوا تھا؟

نواب صاحب نے ساری سرگزشت کہہ سنائی۔ کہا ہوا کیا تھا، نازو کی طرف سے ہم لوگوں نے ایک آدمی بھیج دیا۔ کہ نازو نے بلایا ہے۔ رسّیاں تڑا کے بھاگے، مگر جورو کا خوف۔ مسخرے سے پوچھا کوئی تدبیر ایسی بتاؤ کہ گھر کی جورو بھی ناراض نہ ہو، اور نازو سے بھی ملیں۔ اس نے کہا اندھیری رات ہے، دروازے پر آواز دو، دروازہ کھولنے کے وقت میں اندر چلا جاؤں گا اور پتا جہاں کا دو وہاں پڑ رہوں گا۔ گھر میں سب یہی سمجھیں گے کہ مہراج بلی ہیں۔ آپ نے منظور کر لیا۔

قمرن : اے ہٹو بھی ایسا تو نہیں ہے۔

نواب : قمرن کے سر کی قسم۔ منظور کر لیا۔

قمرن : اے تو پاگل ہے پھر۔ توبہ توبہ!

نواب : اور پاگل نہیں تو اور ہے کیا۔

قمرن : اتنا سیدھا پن تو پاگل پنا ہے۔

نواب : دوسرا ہوتا تو مار بیٹھتا کہ تو پاگل ہے۔ اور یہ الٹے شکر گزار ہوئے۔ اس نے پوچھا کہ آپ کی بیوی گوری ہیں کہ کالی۔ کہا امین آباد کی سا قن سے بالکل صورت ملتی

ہے۔ ذرا فرق نہیں ہے۔ دونوں جیسے بہنیں بہنیں۔ ایک رنگ، ایک قد، ایک شکل، پوچھا عمر کیا ہے۔ کہا مجھ سے بہت چھوٹی ہے۔

قمرن : این۔ بھائی بہن ہیں (قہقہہ لگا کر)۔

مہراج: ہم جانتے ہیں۔ بس اب نہ بیٹھیں گے۔

قمرن : نہیں نہیں، تمھیں قسم ہے جو جاؤ۔ سنو!

نواب: بھائی بہن کی ایک ہی ہوئی۔

قمرن نے کہا کہ پھر مسخرے کو اندر گھر کے بھیج دیا۔

نواب صاحب نے کہا سنتی جاؤ۔ دروازے پر جاکے آواز دی۔ ان کی آواز نہ مہری اور نہ ان کی بیوی نے پہچانی۔ دروازہ کھولا۔ اندھیری رات۔ مہراج بلی تو چلے نازو کے ہاں اور یہ مکان کے اندر داخل۔ اوپر گئے، اور مہراج بلی کی لڑکی آئی ہوئی تھی۔ ابّا سمجھ کر وہ گلے ملی۔ ان کے داماد نے بندگی عرض کی۔ مگر دیکھا تو کہا کون؟ بس کون کا لفظ سنتے اور مرد کی صورت دیکھتے ہی یہ بھاگے۔ ان کے داماد نے میاں مسخرے کو گرفتار کیا اور خوب ہی بودی ماری۔

قمرن نے کہا مار کھانے کا تو کام ہی کیا تھا۔ وہ تو مہراج بلی ہی اُلّو تھا کہ ایسا ہونے دیا۔ دوسرا ہوتا تو کھا جاتا کچّا۔ اور سنو! کیا سچ ہے۔ تمھیں یقین نہیں آتا۔ نواب صاحب نے کہا اور سنیے گا۔ تمھارے سر کی قسم بھلا میں جھوٹ کھاتا، یہ کیا کہتی ہو۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ برقنداز جمع ہو گئے تھے دروازے پر۔

قمرن : مہراج بلی تمھاری صورت سے نفرت ہوگئی۔

مہراج : تو آخر ہم نے کیا کیا ہے۔

آغا : نواب کاناپھوسی کر رہے ہیں۔ کچھ جڑ دی ہوگی۔

مہراج : ہاں تو حضور قصور تو اپنے بہنوئی کا بتائیں کہ کونسا قصور سرزد ہوا ہے۔

قمرن : اے غضب خدا کا ایک مردوے کو اپنے گھر بھیج دیا کہ جاکے وہاں سو رہے۔

مہراج بلی دبہت ہی چراندے ہوئے، خدا جانتا ہے ہم اس صحبت میں اب نہ بیٹھیں گے۔ بس جو نام بھی لوں تو واللہ پاجی سمجھنا۔ کاہے واسطے تم لوگ جھک مارنے

کا مانگتا ہے۔

نواب : کیوں صاحب یہ قمرن سے بھی ایسے کلام۔

مہراج : شما خر بلکہ از خر بدتر، چرا چغلی من می خورو ندے تم ایں برائے چہ۔کا ہے واسطے۔

آغا -: یہ کا ہے واسطے بہت بولتے ہیں۔

قمرن : ہاں جب غصّے میں ہوتے ہیں۔ مگر اللہ جانتا ہے ان سے بڑھ کر گدھا کوئی نہ ہوگا گدھوں کو بھی انھوں نے مات کردیا۔ یہ وہ گدھے ہیں۔ الّو کا پٹھا

نواب : واللہ خوب ہوئی۔

قمرن : نزم ہزارزی عزق قزل کزوں لزے گزی یزاہزی۔

مہراج : آخر یہ کہاں کی بولی ہے۔ یہ کون زبان ہے بھئی۔

مغلانی : اے حضور لکھنؤ میں رہ کے اور یہ حال ہے۔

قمرن : کیا کابل میں گدھے نہیں ہوتے۔

مہراج : اب آپ بے طرز سخت کلامی کرتے ہیں۔ جی ہاں اب ہم بھی سخت کلامی کریں گے۔آپ سے کہدیا ہے۔

قمرن : مجال ہے سخت کلامی کروگے۔

نواب : سخت کلامی کروگے تو پٹوگے۔

مہراج : دیکھا نہیں کسی کو کیا دل لگی ہے۔

ممتن : اور یہ ہاتھ پانوں تو آپ کے ننھے ننھے ہیں۔آپ اکڑتے کس برتے پر ہیں۔

نواب : یہ بھی اپنے وقت کے خوجی ہیں۔خواجہ من بدیعا۔

ممتن : فسانہ آزاد والے۔ وہ بھی عجیب شخص ہیں۔

نواب : یہ ان کے بھی چچا ہیں۔

آغا : یہ ان کو بھی نہ سوجھی کہ اپنے گھر میں اجنبی کو بھیج دیں، اور جورو گھر میں موجود ہو۔

نواب : ارے میاں مہراج بلی صاحب یہ حضور کو سوجھی کیا۔ ہائے ظالم۔

قمرن : ڈوب مرجا کے بڑے شرم کی بات ہے۔

رانڈ ہو گور کا منھ یا اری کمّن دیکھے
نوج غم سوت کا دنیا میں سہاگن دیکھے

لفافہ انشاء اللہ تعالیٰ لف ہذا در بلدۂ کلکتہ بہ محلہ ٹیا برج متصل کوٹھی شاہی، پری منزل رسیدہ از انجا بہ انامل بندگانِ حضور پرنور، فیض گنجور، نواب نادر جہاں بیگم صاحب شرف پذیرائی یابد۔

لفافے پر تو یہ عبارت درج تھی۔ مگر کلکتہ شہر اس کے پڑھنے میں دقت واقع ہوئی۔ ڈاک خانے کے محرّر اور منشی جھلّانے لگے۔ کہ ہم نہیں جانتا یہ شالا گول مال کیا ہے گا۔ آخر کار ٹیا برج ہی کے ایک باشندۂ لکھنؤ نے لفافہ پڑھ کر پتا بتا دیا کہ فلاں مقام پر لے جاؤ اس کو۔

ڈیوڑھی پر لفافہ دیا گیا۔ مہری کو پہرے والے نے بلایا، اور خط اندر بھیجا گیا۔ بیگم صاحب نے مہری کو حکم دیا، ذری جا کے فرخندہ خانم کو بلا لاؤ۔ مہری جا کے فرخندہ خانم کو بلا لائی۔ سرکار نے یاد کیا ہے۔ حکم۔ یہ اِتنے دنوں کے بعد حضور نے یاد فرمایا۔ کہا ایک خط آیا ہے۔ ذری اس کو پڑھ دو۔ فرخندہ خانم نے لفافہ پڑھ کر کھولا تو خط میں یہ لکھا تھا۔

اے بی دگا نا جان تم تو ٹیا برج میں موجیں لے رہی ہو، مگر یہاں کا حال بھی کچھ معلوم ہے کہ یہاں کیا گل کھلا ہے۔ اے بی بڑی نادان ہو۔ نواب نے پیٹ سے پانوں نکالے ہیں بہت چل نکلے ہیں۔ اوپر والوں نے یہ بس بویا ہے ایک منہارن کی چھوکری پیش کر دی۔ نواب اس پر لٹّو ہو گئے اور اس کو گھر ڈال لیا۔ اب سنتی ہوں کہ نکاح کرنے والے ہیں۔ جھوٹ بولے تو دیدے پٹم ہو جائیں۔ یہ تمھارا پھوہڑ پنا ہے کہ تم وہاں جا کے بیٹھ رہیں۔ اپنے میاں کا حال تو جانتی ہو۔ پھر یہ کیا واہیات حرکت کی۔ بہن ہم تمھارے بھلے کے لیے کہتے ہیں نہیں ہمیں اس میں کیا غرض تھی بھلا۔ مگر تم سے دلی محبت ہے۔ ہم سے یہ دیکھا نہیں جاتا کہ نواب کے گھر میں تمھاری سوت بھی رہے۔ اور موئی چوڑی والی۔ سنتی ہوں کہ بڑی حسین عورت ہے اور ابھی بالکل چھوکری ہے۔ اب تم اس خط کے دیکھتے ہی سیدھی لکھنؤ آؤ۔ جس میں ایسا نہ ہو کہ کہیں گھر ڈال لیں۔ پھر کچھ بنائے نہ بنے گی۔ اس چھوکری کو تم نے دیکھا ہوگا۔ تمھاری بہن کے گھر اکثر آتی تھی۔ قمرن اس کا نام ہے نازو اس کی بہن ہے۔ نواب اس کی بڑی خاطر کرتے ہیں۔ اور کوٹھی میں اتارا ہے اس کو اور

کسی خواصیں اور مغلانیاں اور اُتو اور مہریاں اور نوکر چاکر ہیں. بڑے ٹھاٹھ سے رہتی ہے۔ اور نواب کی تو اس پر جان ہی تو جاتی ہے۔ لٹو ہیں لٹو۔ یار۔ دوست۔ رفیق۔ مصاحب اسی کے گھر میں رہتے ہیں۔ اور وہ موئی منہارن نا۔ کبھی کبھی ڈیوڑھی پر بھی آن کھڑی ہوتی ہے۔ اور کبھی بازار بھی نکل جاتی ہے۔

تم اس خط کو دیکھتے ہی روانہ ہو بہن۔ یہ آنچ بڑی بُری آنچ ہوتی ہے۔ تم تو جانتی ہو ماشاء اللہ شعور دار ہو۔ پڑھی لکھی ہو اور یہاں کے نواب زادوں کا حال تو جانتی ہی ہو۔ گھر کی مرغی دال برابر، جورو چاہے کیسی ہی پاک طینت ہو، دو کوڑی کی ان نگوڑی بیسواؤں، بالزادیوں پر لٹو رہتے ہیں۔ کیا جانے کیسی طبیعتیں ان لوگوں نے پائی ہیں۔ مگر تم کو یہ کیا سوجھی کہ جا کے ککتے میں بیٹھ رہیں۔ اور اگر گئی تھیں تو واپس آنا تھا۔ تم نے وہاں چھاونی چھائی۔ یہاں انھوں نے میدان خالی پا کر گل کھلایا۔

نواب رونق جنگ بھی شریک صحبت ہیں چھٹن صاحب جو بڑے مہذب اور پارسا مشہور تھے وہ بھی جاتے ہیں۔ غرض کہ کوئی سمجھانے والا نہیں ہے۔ سب بگاڑنے والے اور لٹوانے والے ہیں تم اگر ایسے میں آجاؤ تو خیریت ہے ورنہ تمام عمر پچھتاؤ گی۔ اس چھوکری نے ان کو فریفتہ کر لیا ہے۔ اب یہ اس کو حشر تک نہ چھوڑیں گے۔ مگر یہاں آؤ تو ہم کچھ کارستانی کریں. وہاں سے کیا ہو سکتا ہے بھلا۔

یاد رکھو بہن زمانہ بہت نازک جاتا ہے۔ کوئی کسی کا نہیں ہے۔ اپنے اپنے قدمے کی سب خیر مناتے ہیں۔ دنیا اسی کا نام ہے۔ اب نواب عسکری کی صحبت میں ہر قسم کے لوگ بیٹھتے ہیں۔ یار دوست بھی۔ عزیز بھی، بھائی بند بھی، ملازم بھی۔ مگر کوئی سمجھانے والا نہیں ہے۔ سب بگاڑنے والے۔ ولعن جان کو بندگی کہہ دینا۔ لاڈو اب ان کے ہاں نوکر ہے یا نہیں۔

تمھاری پیاری بہن حشمت بہو، از لکھنؤ۔

بیگم : ارے اب میں کیا کروں۔ میرا یہاں آنا بس قیامت کا سامنا ہو گیا۔ بڑا غضب ہوا۔ دیکھیے اب کیا ہو گا۔

دوا حضور ابھی اس خط کا کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ شاید نواب صاحب ہی نے لکھوا کے بھیجا ہو۔ جس میں جلد چلی جائیے۔

بیگم : دوا جی ان سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اب ہمارے قدم یہاں نہیں جمنے۔ ہاں میں سچ کہوں۔

دوا : حضور اس خط کا جواب بھیج کے دریافت کر لیجیے۔ کون بڑی بات ہے۔

بیگم : ہاں یہ سچ کہا دیکھیں اب کیا لکھتی ہیں۔ سچ جھوٹ کا حال دریافت ہو جاتے گا اور ایک اٹھوارے کے اندر ہی جواب آ جائے گا۔

دوا : جی اور کیا۔ اے بلکن چھٹے ہی دن۔

بیگم : نہ ہم یہاں رہتے نہ سوت نگوڑی کا ذکر سنتے۔

دوا : ایسی بات نہیں ہے کہ نواب صاحب آپ کے جانے پر بھی نوتا پشیمی کریں۔

بیگم یہ تو ہم کو تسلی ہے دوا جی۔

دوا : مگر نواب صاحب تو ایسے تھے نہیں پہلے۔

مہری : اے بس اب چپکی رہو۔ اب اور زیادہ کیا ہوگا۔ اب کیا کہوں۔ ایک مرتبہ نہ کہوں گی۔

بیگم : نہیں کہہ کہہ۔ تجھے میرے سر کی قسم کہہ ڈال۔

دوا : اے ہاں چوری کیا ہے اس میں۔ سڑن سی ہے۔

مہری : سرکار ایک دفعہ ڈیوڑھی میں پکڑ لیا اور اس قدر پیار کیا کہ میرے گال سرخ ہو گئے۔

بیگم : تو تم نے ہم سے کیوں نہ کہہ دیا آن کے۔

دوا : سرکار۔ بھلا یہ کیا فرماتی ہیں حضور!!!۔

بیگم : ارے آخر مجھ سے بیان کر دیتی آ کے۔

دوا : حضور کیا آپ کو نواب صاحب سے لڑواتی۔

بیگم اب مجھ سے بہت نہ اڑو میں خوب سمجھتی ہوں۔ یہ اور خوش ہوئی ہوگی کہ نواب صاحب نے پیار کیا۔

دوا : اب حضور جو سمجھیں نوکر پھر نوکر ہے۔

بیگم : تو کیا نوکری کر کے موئی شرم و حیا نہیں رہتی۔

دوا : حضور امیروں اور رئیسوں سے مہریاں اور خدمتی عورتیں بھلا کچھ کہہ سکتی ہیں۔ کیا مجال۔

بیگم : ارے تم سب ملی ہوئی ہو۔ ملی بھگت ہے۔

دوا : اے لو اور سنو۔ اے میں بوڑھیا تو ہو گئی ہوں سر کا نہ قبر میں پانوں لٹکائے بیٹھی ہوں۔

مہری : اور میں کیا کچھ جوان ہوں۔ میں بھی تو بڑھیا ہوں سر ہلنے لگا۔

بیگم : تو بڑھیا ہے۔ مردار بوڑھیا ہی ہے۔

مہری : حضور تو پھر اب مانتی ہی نہیں ہیں، میں کیا کروں اور حضور میری خطا کیا ہے۔

بیگم : اب یہ باتیں تو ہوا ہی کریں گی۔ مگر دل پر اب ہمارا قابو نہ رہا۔ جن لوگوں نے یہ بس بویا ہے اللہ کرے ان پر بجلی گرے، میرا صبر ان پر پڑے، مونڈی کاٹوں پر۔ اچھا مہری جا کے ذری بشیر الدولہ بہادر کو تو بلا لاؤ۔

مہری چمک کر چلی تو بیگم صاحب نے کہا اری جلدی جلدی قدم اٹھا۔ تو نوجوں کی چال چلتی ہے۔ نواب بشیر الدولہ بہادر تھوڑی دیر میں تشریف لائے۔

بیگم : (پردے سے) ذری یہ خط تو پڑھیے۔

بشیر الدولہ : (خط لے کر) لاحول ولا قوۃ۔ بڑا رنج ہوا۔ افسوس بڑے شرم کی بات ہے۔

بیگم : ایں گل دیگر شگفت۔ اب بتائیے۔

بشیر الدولہ : شاید ان کے دشمنوں نے لکھ مارا ہو۔

بیگم : یہ میری بیماری میری جان کی بیری نکلی۔ کل جبھوں نے ہونس ہونس کے بیمار کر دیا نہ بخار آتا نہ میں یہاں اتنے دن رہتی۔ ہائے مجھے کیا معلوم تھا۔

بشیر الدولہ : آپ پریشان نہ ہوں۔ اگر سچ ہے تو ہم فوراً چڑھ دوڑیں گے لکھنؤ۔ اس چوڑی والی کی ایسی تیسی۔ کھڑے کھڑے حرامزادی کو نکال دوں گا۔

بیگم : اے تم سلامت رہو، اب میرا دل شیر ہو گیا۔ بس اس میں ضرور ضرور دوا دوش کرو۔ میں لونڈی ہو جاؤں تمھاری۔ خدا کا واسطہ کوشش کرو۔

بشیر الدولہ : مگر آپ نے بھی تو غضب کیا کہ ایسے ہر دیگی چمچے میاں کو چھوڑ کر یہاں آ کے رہیں

بیگم : اے نواب ماندگی کو کوئی کیا کرے۔

بشیر الدولہ : کوئی سرکا تو یہاں نہیں تھا۔ حضور دوبے دانتوں)

بیگم : اے ہٹو بھی کچھ سبزی پی کے آئے ہو، یا کالا پانی۔ لو اور سنو۔ مزاج تو اچھا ہے۔

بشیر الدولہ : اب اس پردے کی کیا ضرورت ہے۔

بیگم : نہیں نہیں تم ایسے نٹ کھٹ آدمیوں سے ڈرنا چاہیے، خدا بچائے۔
بشیر الدولہ : اب آپ کی کل تو ہمارے ہاتھ ہے۔
بیگم : کل کیسی۔ یہ تم کو آج ہوا کیا ہے۔
بشیر الدولہ : کل یہ کہ نواب محمد عسکری کو لکھ بھیجیں کہ ہم نے سنا ہے کہ تم نے کوئی عورت گھر ڈال لی ہے۔ بھائی صاحب اگر یہ خبر سچ ہے۔ تو اب ایک کام کیجیے کہ نباہیے ورنہ آپ کی بڑی بدنامی ہوگی۔
بیگم : اچھا جاؤ لکھ دو۔ میری جوتی کی نوک سے۔
بشیر : ایک بوسے میں ہم راضی ہو جائیں گے۔ بس۔
بیگم : آین۔ بڑے مرے میں آگئے۔
بشیر : اللہ جانتا ہے ذرا سی جھلک تمہارے گورے گورے مکھڑے کی دیکھ لی ہے۔ بس جی بے قرار ہے۔
بیگم : اے منہ نُواجا کے مردوے۔ چل ہٹ۔
بشیر : اللہ اللہ اب ہم ایسے گئے گزرے ہوئے۔
بیگم : اے تم بھی اپنے تئیں سمجھتے کچھ ہو، کہ من ہم چیزے ہستم۔ شانِ خدا ذری منہ کو تو دیکھو۔
بشیر : دنیا بھر تو ہم پر عاشق ہے۔ آپ ہیں کیا شے۔ نہ تو حسن اور نہ جوانی۔
بیگم : (مسکرا کر) وہ ہم بالکل۔ بدقوارے سہی۔ بوڑھیا کھپٹ سہی۔ آپ سے کیا۔ آپ ہیں کون۔
بشیر : حسن پرست آدمی ہیں۔ حسین عورت دیکھی گھورنے لگے۔ بُرا ماننے کی کیا بات ہے اس میں۔
بیگم : خدا سے ڈرو۔ بڑے پارسا، عصمت دار آدمی ہیں آپ، مگر ہر کسی پر دل آجاتا ہے۔
بشیر : یہ وہ دل نہیں ہے جو کسی پر آجائے۔
بیگم : اوئی۔ سچ کہنا بڑے پاکیزہ مشرب ہیں آپ۔ وہ تو صورت سے ظاہر ہے۔
بشیر : کیوں کیا اس میں کچھ فرق بھی ہے۔

بیگم : اے بس بہت باتیں نہ بناؤ ہم نے تو بلایا اس غرض سے تھا کہ ہمارے درد دکھ میں شریک ہوگے تم آکے ہمیں پر ڈورے ڈالنے لگے۔

بشیر : یہ تو آپ خود اپنے منھ سے کہئے میں تو فقط صورت دیکھنے کا عاشق ہوں۔

بیگم : اے تو صورت میں کیا رکھا ہے۔

بشیر : ذرا دکھا دو۔ وہ کچھ نہیں رکھا ہے۔

بیگم : (پردہ ہٹا کر) اے لو صورت بھی دیکھ لو۔

بشیر : ہائے مار ڈالا ظالم۔

بیگم : اَیُن! اب یہ نخرے کرنے لگے۔

بشیر : قتل کر ڈالا ظالم۔ اب ایک کام کرو ایک گیت ہے۔ سیّاں نے بوئی کاکڑی ہم بوئیں گے پھوٹ۔ سیّاں نے راکھی جاتنی ہم راکھیں رجپوت۔

بیگم : اے واہ دونوں اچھے ملے۔

بشیر : اب آپ ان کا نام بھی نہ لیجیے ہم اور آپ ملکے رہیں۔ انھوں نے تم کو جلایا ہے۔ تم بھی بدلہ لو۔

بیگم : (ہنسکر) یہ! کیوں نہیں! بڑے استاد ہو۔

بشیر : عقل کے تو یہی معنی ہیں۔ ؎

درپردہ تم جلاؤ جلاؤں نہ میں چہ خوش میرا بھی نام داغ ہے گر تم حجاب ہو

بیگم : بس آپ اپنی صلاح اپنے پاس ہی رہنے دیں۔

بشیر الدولہ نے جو جوان اور حسین عورت کو اس قدر بے تکلف پایا تو مٹھارنے لگے۔ اور وہ ایک استاد اپنا مطلب نکالنے کے لیے وہ بھی گھُل گھُل کے باتیں کرنے لگیں اور اس طرح پر پیش آئیں گویا بشیر الدولہ پر فریفتہ ہی ہوگئیں۔ پوچھا اب آخر اس کا کیا بندوبست کرتے ہو۔ بشیر الدولہ نے کہا ہم نواب کے نام خط لکھتے ہیں۔ دیکھو کیسا ذلیل کرتا ہوں۔ قلم دوات کاغذ منگوا کر خط لکھا۔

مائی ڈیر نواب۔ کہتے وہ آپ کی چوڑی والی تو اچھی ہے۔ اے لعنت خدا پھٹے منھ۔ عاشق بھی ہوئے تو چوڑی والی پر، اب یہ پاجی پنا چھوڑ دو، ورنہ ذلیل ہو گے۔ آپ کی بیوی نے یہاں وہ مہنا مخفہ مچائی ہے کہ الاماں۔ کہتی ہیں کہ میں نصیب اعدا زہر کھا

کھاؤں گی۔ کسی طرح مانتی ہی نہیں ہیں اب یہاں انکو کون سمجھائے۔ بھئی خدا کے
لیے بطور خود مجھ کو لکھو کہ یہ ماجرہ کیا ہے۔ وہ چوڑی والی کون ہے جس پر حضور کا دل
آگیا ہے۔ سنا آپ بالکل لٹو ہو گئے ہیں، یار ذرا سنبھلے ہوئے۔ زمانہ بہت نازک ہے
راقم بشیر الدولہ از مٹیا برج۔

دیگر آں کہ دس سیر تمباکو دوسیرا اس کے دیکھتے ہی روانہ کرنا۔ تمباکو ختم ہو چکا ہے۔
اے یار تم نے خربوزے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر اب تک آتے ہیں۔ کیا آدمی ہو واللہ۔
مگر ہاں خوب یاد آیا۔ تم کو اس چوڑی والی سے فرصت کہاں ملتی ہوگی۔ دن بھر اسی
کے پاس رہتے ہو گے۔

بیگم : اچھا خط لکھا ہے۔ اگر تکلیف کر کے ہمارے ساتھ چلے چلو۔ لکھنؤ تک تو
بڑا احسان ہو، عمر بھر احسان مانوں اور لونڈی ہو جاؤں۔

بشیر : ایک بوسے پر فیصلہ ہوتا ہے۔؎

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا　　بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

بیگم : اچھا دیکھا جائے گا۔ جلد بازی کا ہے کی ہے۔

بشیر : اے سلامت رہو، جی خوش ہو گیا ہمارا۔

بیگم : مگر بوسہ اسی حالت میں ملے گا جب ہمارا کام نکلے گا۔ وہ موئی چوڑی
والی نکلے گھر سے۔

بشیر : میں بڑی تگ و دو کروں گا اس میں۔

بیگم : تم کو مانتے بھی ہیں۔ میں کہتی ہوں یہ دولہا بھائی کو کیا ہوا۔ انھوں
نے بھی نہیں سمجھایا۔

بشیر : خود را فضیحت و دیگراں را نصیحت۔

بیگم : کیا وہ خود بھی ایسے ہی ہیں۔

بشیر : ان سے بدتر۔ مگر اب ذرا سدھر گئے ہیں۔

بیگم : یہ نگوڑا مٹن میری دونوں آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ اس کو اڑوا دو
کسی طرح۔

بشیر : میں لکھنؤ جا کے سب کو سیدھا بنا دوں گا۔ مگر اللہ جانتا ہے کیا صورت

خدا نے آپ کو عطا کی ہے۔ چندے مہتاب اور چندے آفتاب۔

بیگم : اب بہت بنایئے نہیں۔

بشیر : دل میں تو کہتی ہو گی اس وقت کہ کیا صورت ہے۔ نکھروں تو جدھر نکل جاؤں تو قتل عام کر دوں۔ من میں کچھ منہ میں کچھ۔ میں تو اس گردن پر عاشق ہو گیا ہوں لو مصرع ہو گیا یہ۔

میں تو اس گردن پہ عاشق ہو گیا۔

بیگم : ماشاء اللہ سے شاعر بھی ہیں آپ۔ بہت خوب کہا۔

بشیر : شاعر تو نہیں ہوں مگر آپ کی ادا اور آپ کے سراپا نے موزوں طبع کر دیا۔

نواب بشیر الدولہ بہادر بیگم صاحب سے رخصت ہوئے اور گھر جا کر اپنی بہن سے کہا، کیا آج نادر جہاں بیگم کو مرثیہ سننے نہ بلواؤ گی۔ انھوں نے کہا، کیوں نہ بلوائیں گے) اور مہری کو حکم دیا کہ نادر جہاں بیگم سے کہو کہ بیگم صاحب نے بلایا ہے۔ یہ فوراً فنس پر سوار ہوئیں، دو سپاہی اور ایک مہری فنس کے ہمراہ۔ فنس پہنچی تو مہریوں نے اٹھا کر اندر پہنچائی اب ان سے اور بشیر الدولہ کی بہن سے باتیں ہونے لگیں

بیگم : بہن تم نے کچھ اور بھی سنا ہے۔

بہن : سُنا۔ سنا کوئی چوڑی والی گھر ڈال لی ہے۔

بیگم : خط تو اسی مضمون کا آیا ہے۔

بہن : کیا تعجب ہے۔ ان لوگوں کا اعتبار کیا۔

بیگم : اب ہم کو کیا صلاح دیتی ہو۔

بہن : چوکو نہ بہن۔ بس یہی موقع ہے۔ چڑھ دوڑو فوراً۔ روانہ ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ موئی منہارن جم جائے۔ تو پھر بنائے نہ بنے گی۔

بیگم : اگر تمھارے بھائی بھی چلتے تو بڑا مطلب نکلتا۔

بہن : لے جاؤ یہاں کیا بنا رہے ہیں۔

بیگم : ذرا تم بھی سفارش کر دو۔

بہن : اسے اس میں سفارش کی ضرورت ہے۔ انھیں نے تو مجھ سے اس وقت کہا کہ نواب نادر جہاں بیگم کو نہ بلاؤ گی۔

راوی : بیگم صاحب سمجھ گئیں کہ بشیر الدولہ بے طور ریجھے ہیں۔ جبھی بلوایا۔ چونکہ بشیر الدولہ کا کہنا محمد عسکری بہت مانتے تھے۔ لہٰذا یہ چاہتی تھیں کہ بشیر الدولہ کو ساتھ لکھنؤ لے جائیں۔ بیگم صاحب کی چچازاد بہن ان کو بیاہی تھیں۔ انھوں نے بڑی خوشامد درآمد کی کہ بشیر الدولہ بھی ساتھ جائیں۔ اپنی چچازاد بہن عسکری بیگم کی بھی خوشامد کی۔ الغرض بشیر الدولہ بلوائے گئے، اور ان کی بہن نے سفارش کی۔ اور بشیر الدولہ راضی ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد مرثیہ شروع ہوا اور کوئی ڈیڑھ گھنٹے میں ختم ہوا۔ اور بڑی رقت ہوئی۔ دو گھنٹے کے بعد نواب بشیر الدولہ بہادر تشریف لائے۔ ان کو چین کہاں۔ وہاں انھوں نے آ کے کہا ہماری رائے یہ ہے کہ نواب رونق جنگ کا خط آ لینے دو۔ اتنے میں رونق جنگ کا خط آ گیا۔ مہری باہر سے چار خط لائی۔ اور ایک اخبار۔ کہا لو خط آ گیا۔ جلدی کھولا۔

خط : جناب برادر صاحب سلامت رہو۔ مدت کے بعد آپ کا خط آیا۔ خیر صلاح دریافت ہوئی طبیعت خوش ہو گئی۔ آپ کے دیکھنے کو بہت دل چاہتا ہے۔

اشتیاقے کہ بدیدار تو دارد دل من
دل من داند و من دانم و داند دل من

آپ نے نواب محمد عسکری کا حال دریافت فرمایا ہے۔ محض غلط کسی نے لکھ مارا۔ آپ اطمینان رکھیے۔ چوڑی والی کی نسبت جو لکھا گیا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ جس نے لکھا وہ ضرور سزا پائے گا۔ خدا کے گھر سے سزا پائے گا۔

خدا کے غضب سے ذرا دل میں کانپ
چغل خور کے منہ کو ڈستے ہیں سانپ

خدا جانے یہ کن صاحب کی عنایت تھی چھٹن صاحب اور پیارے صاحب بندگی عرض کرتے ہیں۔

آپ کا نیاز مند نواب رونق جنگ بہادر

بشیر۔ غلط خبر ہے جی۔ کسی دل لگی باز نے فقرہ کیا ہے بڑا بے ڈھب آدمی ہے۔
بیگم۔ دولہا بھائی جھوٹ کبھی نہ بولتے۔
بہن۔ اے بہن اور اس قدر جھوٹ۔
بیگم۔ چلو اب ذری ڈھارس ہوئی۔ یا اللہ توبہ۔
بہن۔ اللہ نے اپنا بڑا افضل کیا۔ ایک وہی اس علت پہونچے ہوئے تھے۔ اور تو سب کے دو دو چار چار بلائیں لگی ہوئی ہیں۔ خدا جانے یہ موئی چڑیلیں کہاں سے مل جاتی ہیں۔

بشیر الدولہ نے کہا لو مرزا صاحب کا بھی خط آ گیا ان کو بھی میں نے لکھا تھا۔ دیکھوں یہ کیا لکھتے ہیں۔

پیر و مرشد دام اقبالہ بعد عرض میر سانذ۔ پروانہ حضور شرف ورود لایا۔ حضور نے جو امر دریافت فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ قمرن نامے چوڑی والی کہ قتالۂ عالم اور بہت کم سن ہے۔ نواب صاحب کے گھر پڑ گئی ہے۔ ابھی نکاح نہیں ہوا ہے۔ مگر نواب اس پر شیدا ہیں۔ نواب رونق جنگ بہادر کی سرکار میں چوڑیاں لے کر آتی جاتی تھی وہیں ایک تقریب میں نواب صاحب کی اس زاہد فریب پر نظر پڑ گئی بس دل ہاتھ سے جاتا رہا عاشق ہو گئے۔

دل گیا ہاتھ سے لوگوں نے کہا دل آیا

آج کل نواب رونق جنگ اور چھٹن صاحب اور مہراج بلی وغیرہ سے خوب پینگ بڑھے ہوئے ہیں۔ سب وارفتہ مزاج ہیں آراستگی اور اصلاح کسی کے مزاج میں نہیں ہے۔ سب اپنے اپنے رنگ میں مست ہیں۔

آپ کا خادم مرزا عبد الستار

بشیر۔ ایں۔ یہ تو کچھ اور ہی گا رہے ہیں۔
بیگم۔ یہ ہے کون۔ کیوں بشیر الدولہ۔

بشیر۔ یہ ہماری سرکار میں تین پشت سے نوکر ہیں اور بڑے معزز اور معتبر آدمی ہیں۔

بہن۔ اے وہ مرزا تو نہیں ہیں۔ جنھوں نے تمبا کو بھیجا تھا۔ کیوں وہی نا۔ وہ تو بہت سچے ہیں۔

بشیر۔ وہی ہیں۔ بڑے بوڑھے اور معتبر آدمی ہیں۔

عسکری بیگم۔ اب کس کو سچا جانیں۔

بشیر۔ مرزا صاحب تو لکھتے ہیں کہ نواب رونق جنگ بہادر سے خوب پینگ بڑھے ہوئے ہیں۔

رونق جنگ سے تو سانٹھ گانٹھ ہے نا بس۔

بیگم۔ چور کا ساتھی گٹھ کٹا۔

بشیر۔ چلو بہن پھر آج تیاری کرو۔

بیگم۔ ہاں اب قدم نہیں جمتا دل گھبرا رہا ہے۔

بہن۔ اللہ کرے اس موئی قمرن کو ہیضہ ہوا ہو۔

بیگم۔ اللہ کرے ڈنگو بخار آئے۔ اخاہ میں سمجھ گئی۔ افوہ۔ باجی جان کے یہاں جب مبیا کی موچھون کا کونڈا تھا تو قمرن آئی تھی چوڑی والی ہے۔

بہن۔ کیا کچھ خوبصورت ہے۔

بیگم۔ کہاں گرے جا کے منیھارن کو گھر ڈالا۔ واہ واہ اے واہ پھٹے سے منھ۔

راوی۔ وہ پوچھتی کیا ہیں۔ اور یہ جواب کیا دیتی ہیں۔ وہ پوچھتی ہیں کیا کچھ خوبصورت ہے۔ یہ کچھ اور ہی جواب دیتی ہیں۔ سوت کے حسن کی کیا تعریف کریں۔

نادر جہاں بیگم رخصت ہوئیں کہ جا کے ساماں سفر کریں۔ کیوں کہ شب ہی کو جانا تھا اور بشیر الدولہ دل میں محظوظ کہ مار لیا ہے پالا۔ نہایت ہی خوش تھے اور ہر دم دست بدعا کہ یا خدا جلد کام ہو۔

بشیر۔ (خواص سے) رحیم بیگ لکھنؤ کی ریل کے بجے روانہ ہوتی ہے۔ تم کو ٹھیک وقت معلوم ہے۔

خواص۔ اے خداوند۔ یہی بس بارہ پر ایک بجے جاتی ہو گی مجھے ذرا دھوکا ہے حضور۔

بشیر۔ نہیں نہیں کوئی سات بجے۔

خواص۔ سات ہی بجے جاتی ہو گی مجھے کچھ صاف حال نہیں معلوم خداوند۔

بشیر۔ ذرا دریافت تو کرو۔ کسی سے جا کے مگر ٹھیک وقت دریافت کر کے آنا۔

خواص۔ حضور خان صاحب کہتے ہیں نو بجے شب کو جاتی ہے مگر حضور سویرے سے چلنا چاہیے۔
بشیر۔ تو یہاں سے کوئی آٹھ بجے چلنا چاہیے۔
اب سنیئے کہ بشیر الدولہ نے ایک خط مرزا صاحب کے نام لکھ کر بھیج دیا۔

مرزا صاحب آپ کی عرضی آئی۔ جس روز آپ کی عرضی آئی اسی روز اتفاق سے رونق جنگ کا خط بھی آیا وہ فرماتے ہیں۔ کہ محض جھوٹ اور لغو ہے۔ اور ادھر آپ کا خط پڑھا تو آپ صحیح بتاتے ہیں یقین ہو گیا کہ رونق جنگ نے چکمہ دیا تھا۔ لہٰذا آج شب کی گاڑی پر ہم مع نواب نادر جہاں بیگم کے روانہ ہوں گے۔ آپ کوٹھی اور محل سرا صاف کروا رکھیے اور سیج دیجیے اور نئی خس کی دس بارہ ٹٹیاں بنوا رکھیے۔ اور سقے اور پنکھا قلی کو نوکر رکھ لیجیے کم سے کم چار پنکھے والے ہوں ریل پر کرائے کی دو فیٹنن اور چار پالکی گاڑیاں ضرور بھیجیے اور آپ خود بھی آیئے مگر خدا کے لیے ایسا نہ کرنا کہ نواب یار ونق جنگ یا ان کے کسی جلیس و انیس کو خبر ہو۔

بشیر الدولہ بشیر

خدمت گاروں نے ضروری ضروری اسباب باندھا اور اپنے یار دوستوں سے مل آئے۔
خواص۔ حضور کب تک لکھنؤ میں قیام رہے گا۔
بشیر۔ یہی کوئی مہینہ بھر۔ بس اور کیا۔
خواص۔ حضور چودہ برس سے لکھنؤ نہیں دیکھا ہے ترس گئے۔ اب حضور کی بدولت دیکھ لیں گے۔
بشیر۔ اچھا تم بھی ساتھ چلے چلو۔
خواص۔ (آداب بجا لا کر) حق تعالیٰ دلی مرادیں پوری کریں! حضور کو ہم غریبوں کا خیال تو ہے۔
خان صاحب۔ حضور وہ مرثیہ آج اچھا پڑھا تھا۔ اور بڑے بین تھے۔ آج خوب رقت ہوئی۔ مگر پڑھے بھی وہ خوب ہی دل لگا کے ذرا آخر میں آواز پڑ گئی تھی ۔

کہہ کے یہ خوان سکینہ نے جو کھولا جلدی
خون میں ڈوبا نظر آیا سر سبط نبی

ہائے بابا کہا اور خوان پہ اک بار گری
منہ کبھی چومتی تھی سوکھے ہوئے ہونٹھ کبھی
شہ کی پیشانی سے پیشانی لگائی اس نے
ہائے بابا کہا اور جان گنوائی اس نے

بشیر۔ بڑا پرانا مرثیہ ہے۔

خان صاحب۔ حضور منشی دلگیر[1] کا مرثیہ ہے۔

بشیر۔ مرثیہ گوئی کے تو بادشاہ دبیر اور انیس گذر گئے۔ بس ان پر خاتمہ ہو گیا۔ ہاں میر انیس کے بعد ان کے بیٹے میر نفیس نے فن مرثیہ گوئی کو زندہ کر دیا۔

خان صاحب۔ اے سبحان اللہ حضور کیا کہنا ہے۔ واللہ خدائے سخن کہنا چاہیئے، اب دوسرا ہے کون۔

شام کو نواب نادر جہاں بیگم نے ایک آدمی بشیر الدولہ کے یہاں بھیجا کہ جا کے دریافت کرو نواب صاحب تیار ہیں یا نہیں۔ نواب صاحب نے کہلا بھیجا کہ بندہ تو تیار ہے، مگر ایک بات ضروری اس وقت یاد آئی ہے۔ وہ سن لیجئے۔ انھوں نے بلوا بھیجا نواب بشیر الدولہ نے کہا۔ بیگم صاحب ایک عرض خاص ہے، وہ کیا وہ یہ کہ اگر میں حضور کے ساتھ چلا تو مبادا محمد عسکری کو دل میں کوئی شک پیدا ہو۔ انھوں نے تنک کر جواب دیا۔ اسے ہٹو بھی ان کے فرشتے خان کو تو خبر ہوگی نہیں تم وہاں چل کے یہ کیوں کہو کہ ہمارے ساتھ آئے ہو۔ تم الگ چلو ——— ہم الگ چلیں۔ بس چھٹی ہوئی۔ اب تو کوئی خوف نہیں ہے۔

نواب محمد عسکری کا دربار

نواب قمر رکاب پیچوان پی رہے ہیں اور مصاحبین و رفقا کی صحبت گرم ہے۔ کہ اتنے میں منشی مہراج بلی صاحب تشریف لائے ارے یارو کچھ اور بھی سنا بھئی واللہ ہے۔ کچھ پوچھئے نہ واہ واہ واہ۔ اب کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کاہے کی تعریف کر رہے ہیں۔ اور ان کی یہ کیفیت ہے کہ تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ واہ وا کھٹ ارے توبہ۔ واللہ وہ کھٹا کے کی آواز آتی تھی کہ الامان۔ توبہ ہی بھلی حاضرین جلسہ متحیر کہ یہ بک کیا

[1] دلگیر لکھنؤ کے مشہور مرثیہ گو شاعر تھے۔

رہا ہے۔ آخر کار محمد عسکری نے کہا میاں یہ کیا بک رہے ہو۔ فرمایا۔ مہربان میں ناز و کے فراق میں کل بے کل تھا۔

نواب۔ اسے سبحان اللہ کل بے کل تھا کیا خوب۔

آغا۔ واہی واہ بھئی واہی وا۔ کیا اپچ کی لی ہے۔

ممن۔ حضور بڑے بذلہ سنج اور لطیفہ گو ہیں۔

مہراج۔ (بہت اکڑ کر) بھئی میں کہیں پر نہیں چوکتا۔ واللہ کہیں نہیں چوکتا۔ کل کا ذکر سنیے۔ ہماری جورو صاحب نے ہم پر ایک پھبتی کہی۔ کہنے لگیں اب تم کانکھ کے اٹھتے ہو۔ بوڑھے ہو گئے۔ واللہ نے بھی برجستہ جواب دیا کہ تم بھی تو اب ہماری اماں جان کی ساتھی ہو گئیں۔ تم بھی تو بچہ کش ہو اور ہمارے محلے میں ایک کتیا رہتی ہے۔ برفی اس کا نام ہے۔ اور وہ اب بڑھیا ہو گئی ہے۔ مگر کوئی پچاس پلّے جن چکی ہے۔ میں نے کہا تم بھی اب دوسری برفی ہو گئی ہو۔

نواب۔ (قہقہہ لگا کر) بھئی کیا کہی ہے واللہ۔

ممن۔ حضور اب اس سے بڑھ کے اور کیا کوئی کہے گا۔

مہراج۔ بھائی واللہ ہے میری بیوی کی یہ کیفیت تھی کہ جھیپ گئیں۔ اور لطیفہ سنیے ان کا نام امرتا ہے۔ امرتی اور امرتا کے لیے برفی کتنا موزوں لفظ تھا۔

نواب۔ (قہقہہ لگا کر) مار ڈالا ظالم۔ اُفوہ۔

ممن۔ حضور آداب عرض ہے۔ (ہنستے ہوئے) برا حال ہے۔ مارے ہنسی کے۔ امرتا اور برفی کی کیا کہی ہے۔

اختر۔ حضور بی امرتا کی روایت نے منشی مہراج بلی کو نقل محفل بنا دیا۔ واللہ ہنس کر۔

نواب۔ کیا خوب امرتا کے لیے نقلِ محفل سبحان اللہ

اختر۔ حضور مگر کس قدر صاف گو ہیں منشی مہراج بلی صاحب۔

آغا۔ ہاں بھئی اس میں تو شک نہیں صاف گو ضرور ہیں۔

اختر۔ مگر کیا پھبتی کہی ہے واللہ برفی اور امرتا۔

آغا۔ بھئی نواب تمہاری صحبت میں اس قدر صاف گو کوئی نہیں ہے واللہ راست باز آدمی ہے۔ جھوٹ سے سروکار ہی نہیں۔ ایسے لوگ میسر کہاں آتے ہیں۔

مہراج۔ بھئی سن تو لو۔ انھوں نے کیا جواب دیا۔ ہم نے جو کہا کہ تم نواب دوسری برفی ہو تو وہ ہنس کے کیا کہتی ہیں۔ تو تم بھی نواب شیرا ہو گئے ہو۔

ممّن۔ شیرا کسی کتے کا نام ہے کیوں حضور؟

مہراج۔ ہاں ہاں شیرا اندھے کتے کا نام ہے۔ اور کمر بھی ٹوٹی ہوئی ہے۔ اور بوڑھا ہو گیا ہے۔

نواب۔ (لوٹ گئے) بھئی ہنسی کے مارے برا حال ہے۔ افوہ مار ڈالا ظالم۔

اختر۔ بھئی بڑی لطیفہ گو معلوم ہوتی ہیں۔

ممّن۔ خداوند اللہ جانتا ہے مارے ہنسی کے برا حال ہے۔

آغا۔ انھوں نے برفی کُتیا کی ان پر پھبتی کہی تو انھوں نے بھی ان کو شیرا بنایا۔ جی کیا دل لگی ہے کچھ۔

اختر۔ کیا سوجھی ہے واللہ۔ خوب ہی کہی۔

مہراج۔ بھئی وہ برجستہ کہتی ہے۔ یہ جو آغا میر کی سرا میں بھٹیاری نہیں رہتی ہے۔ نام۔ لاحول ولاقوۃ یار بھلا ہی سا نام ہے۔

ممّن۔ بہت سی رہتی ہیں۔ اب کس کا نام لیں۔

اختر۔ لکھن۔ اللہ رکھی۔ چندو۔ منّی۔

نواب۔ اِمامن۔ کسی کا پتہ تو بتاؤ۔

مہراج۔ چندو چندو۔ بڑی حاضر جواب ہے۔ کہیں پر چوکتی ہی نہیں واللہ۔ کہیں پر نہیں چوکتی۔ ایک دن ہمارے گھر کے لوگوں سے بھڑوا دو۔

نواب کیا یہ جیت جائیں گی۔ اے لاحول۔ ہو نہہ۔

مہراج۔ آپ واہی ہیں آپ ایسوں کو وہ راستہ بتائیں۔

اس فقرے پر کُل حاضرین جلسہ لوٹ گئے۔ بھئی بس اب از برائے خدا کوئی اور تذکرہ چھیڑو۔ لٹا دیا۔ قسم خدا کی لٹا دیا۔ میرا اس وقت برا حال ہے۔ کہنے لگے چندو بھٹیاری کی کیا اصل حقیقت ہے۔ واہ۔ آپ بھی کوئی چیز ہیں۔

اختر۔ حضور ایک روز ساقن سے مقابلہ کیا تھا۔

نواب۔ اجی وہ مہترانی سے بھی مقابلہ کریں گی۔

ممّن۔ حضور بڑی حاضر جواب ہیں۔ بھلا ہم سے تو زبان ملائیں۔ جب جانیں ہم۔

مہراج۔ (بڑی سہولت کے ساتھ) مردوں سے نہیں۔

راوی۔ خدا غارت کرے لاحول ولاقوۃ۔ وہ کہتا ہے ہم سے تو زبان ملائیں بھلا۔ اور یہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ مردوں سے نہیں۔ واہ واہ وا۔

نواب۔ واللہ بڑے حاضر جواب آدمی ہو۔

مہراج۔ بھائی بندہ چوکتا نہیں کہیں۔ واللہ نہیں چوکتا۔ کہوں اور ہزاروں میں کہوں۔ جی والد بزرگوار سے بھی نہیں چوکتا تھا۔ ایک مرتبہ باپ صاحب نے کہا۔

ممّن۔ باپ صاحب بھی کیا خوب۔ ماشاء اللہ۔

نواب۔ ارے ٹوکو نہ یار۔ بھئی کہنے تو دو۔

مہراج۔ باپ صاحب ایک ہی حرام زادے۔

نواب۔ (لوٹ گئے) بھئی اب ہنسی ضبط نہیں ہوسکتی۔ لاحول ولاقوۃ باپ صاحب کی کیا کہی، اور اس پر طرّہ یہ کہ حرام زادے۔

مہراج۔ اجی ہم نہ کہیں گے واللہ نہ کہیں گے۔

نواب۔ (ہاتھ جوڑ کر) بھائی خدا کے لیے کہو۔

مہراج۔ باپ صاحب فرمانے لگے ابے تو بڑا گدھا ہے۔ برجستہ جواب دیا۔ کہ حضور تو کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں۔ بڑے تو حضور ہیں بندہ تو خرد ہے۔

نواب۔ (ہنس کر) بھئی واللہ کیا کہی ہے۔ مانتا ہوں۔

ممّن۔ حضور خوب سوجھی بڑے تو آپ ہیں۔

اختر۔ وہ بڑے گدھے، یہ چھوٹے گدھے۔ واہ

نواب۔ پھبتی کے معنی ہی یہ ہیں کہ باپ نہیں دادا پردادا ہو تو نہ چوکے۔ جناب منشی مہراج بلی صاحب بھی اپنے وقت کے ملّا دو پیازہ ہیں۔

مہراج۔ بھئی ملّا دو پیازہ کو اس قدر سوجھ بوجھ نہ تھی۔

ممّن۔ کیا شک ہے اس میں ذرا شک نہیں حضور ما۔

اختر۔ بیشک۔

مہراج۔ ہمارے گھر کے لوگوں کو ہم سے بڑی محبت ہے جناب۔

از من صحبت میکند زد جائے من

اختر۔ اچھا مصرع پڑھا ہے۔

ممن۔ فارسی کا تو خاتمہ ہے۔ واہ حضور منشی مہراج بلی صاحب بہادر، خوش گفتۂ برادر من۔

مہراج۔ از من فارسی بگوئید۔ من اینچہ شرط بلاغ ست با تو میگوئیم تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال۔

اختر۔ کیا طبیعت پائی ہے، واللہ خدا کی دین ہے۔

مہراج۔ ہمارے گھر کے لوگوں کو ہم سے بڑی محبت ہے۔

نواب۔ یا وحشت۔ اس کا اس وقت کیا ذکر تھا۔

ممن۔ حضور وہ لطیفہ واللہ کبھی نہ بھولے گا۔ کہنے لگے افیم کیا چنڈو تک تو پیتی نہیں ہیں، اے سبحان اللہ۔

اختر۔ اے لعنت خدا۔ واہ واہ واہ۔

داروغہ۔ پھر کیا کوئی بری بات کہی انھوں نے۔

اختر۔ جیسے کسی سے کوئی پوچھے کہ آپ شراب پیتے ہیں؟ اور وہ اس کے جواب میں کہے کہ شراب کیا معنی ولایتی پانی تک تو پیتا نہیں ہوں۔ اور عمر کیا خوب بتائی ہے کہ بیوی مجھ سے چھوٹی ہیں۔ مگر (ہنس کر) واللہ گھر میں بھیج دینا یہ سب پر فوق لے گیا خدا کی قسم۔ لاحول ولا قوۃ۔

نواب۔ واللہ عمر بھر نہ بھولے گا۔ یہ سب پر طرّہ ہے ایک نئی بات ہوئی نا۔

اختر۔ مگر حضور چڈا اگلیجز وکا پٹنا ستم ہو گیا۔

ممّن۔ بھئی ہاں ہم کو بھی بڑا رنج ہوا۔ دوسرے دن یہ حال سب کو معلوم ہوا تو بڑی دل لگی ہوئی۔

اختر۔ یہ واقعہ تو تاریخ میں لکھنے کے قابل ہے۔

داروغہ۔ چڈا گلیجز و کی ہڈیاں یاد کرتی ہوں گی۔ وہ بودی مار پڑی کہ توبہ ہی بھلی۔

ممّن۔ تو اس نے بھی تو غضب کیا کہ منشی مہراج بلی۔

اب کیا کہوں گلے سے لگا لیا۔

مہراج۔ (بہت بگڑ کر) اب ہم یہاں نہ بیٹھے گا کا کاہے واسطے یو سور لوگ ہم کو چھیڑنے مانگتا ہے۔ یو شالا لوگ کاہے واسطے ہم کو دق (دق) کرنے مانگتا ہے۔ یو بلڈی فول کاہے واسطے ہم کو چھیڑنے مانگتا ہے۔ تم لوگ سور لوگ۔ برائے چہ من را اون۔ اون برائے چہ۔ من نخواہم گفت۔

بیگم صاحب کی روانگی

نواب نادر جہاں بیگم اور بشیر الدولہ اس قطع سے کلکتے سے چلے کہ ایک پالکی گاڑی پر بیگم صاحب، اور ایک مصاحب، اور مہری سوار ہوئیں اور دوسری پالکی گاڑی پر بی مغلانی اور دو مہریاں، اور دو خواصین، اور ایک پہرے والی چوتھی پالکی پر دو خدمت گار، اور ایک روٹنا اور ایک چپراسی۔ نواب بشیر الدولہ بہادر کے ہمراہ دو خاصہ بردار تھے۔ دو خواص دو چپراسی اور ایک داروغہ۔

تین پہلے درجون کا پہلے ہی سے بندوبست کر لیا تھا۔ ایک درجے میں بیگم صاحب اور ایک خواص اور دوا جی اور ایک مہری۔ باقی درجون میں اور سب بیٹھیں۔ مگر یہ تینوں درجے پاس پاس تھے۔ اور ان دونوں درجوں میں ایک ایک چپراسی بیٹھا تھا۔ نواب صاحب اور ان کے داروغہ ایک درجے میں تھے۔ اور ایک خواص ساتھ تھا باقی سب تیسرے درجے میں۔

ریل گھر پر نواب صاحب نے بیگم صاحب سے کہا۔ اب ہم اور آپ اگر ایک ہی درجے میں بیٹھیں تو بڑا لطف ہو۔ اس میں مل کر تدبیریں سوچیں کہ اب کیا کاروائی کرنا چاہیے۔ بیگم صاحب نے کچھ جواب نہ دیا۔ مگر اتنا کہا ہم پر بڑا احسان کرو، اگر اس موئی چھیتر کو گھر سے نکلوا دو۔ چوڑی والی پر عاشق ہوئے ہیں (پیشانی پر ہاتھ پٹک کر) کیا خوبی قسمت ہے۔ یہ جبھی۔ خیر۔ نہ ہم یہاں آتے، اور نہ یہ گل کھلتا۔ اچھا پھر اب تو جو ہوا سو ہوا۔ اب فقط تمہارا ہی سہارا ہے۔ تم مدد دو تو لونڈی ہو جاؤں۔ نواب بشیر الدولہ نے کہا اچھا۔

خیر اسباب و سباب تلوا کر سوار ہوے پہلے اسٹیشن پر نواب بشیر الدولہ بہادر اتر کر بیگم صاحب کی گاڑی کے پاس آئے خیر صلاح کسی شئے کی ضرورت تو نہیں ہے۔

برن ساتھ ہے۔ کہا۔ ہاں ہاں۔ کیا چاہیے تمہیں؟ برف کا پانی پیو گے۔ فرمایا جی نہیں۔ دس سیر برف میں خود اپنے ساتھ لایا ہوں۔ بیگم صاحب نے خواص سے کہا خاصدان لاؤ۔ خاصدان سے دو گلوریاں نکال کر اپنے ہاتھ سے نواب بشیرالدولہ کو دیں۔ پوچھا تمبا کو کھاتے ہو۔ کہا خوب یہ سوال آپ روز کرتی ہیں۔ اور میں آپ کے تمباکو پر عاشق ہوں۔ یہ خوشبو کسی اور تمباکو میں کہاں۔

بشیر۔ اب ریل کا وقت آگیا۔ بندہ رخصت ہوتا ہے۔

بیگم۔ خدا حافظ۔ ہم بڑے آرام سے ہیں نواب۔

بشیر۔ میں دوسری تیسری چوکی پر ضرور ملا کروں گا۔

بیگم۔ اے اب جاؤ۔ کہیں ریل نہ چل کھڑی ہو۔

بشیر۔ دو گلوریاں اور دے دیجئے تو مہربانی ہے۔

بیگم۔ خاص دان لاؤ۔ (خواص سے) لیجئے گلوریاں۔

بشیر۔ واللہ کس مزے کی گلوریاں بنی ہیں۔

نواب بشیرالدولہ بہادر اپنے درجے میں گئے ہی تھے کہ ریل چلی۔ داروغہ نے کہا خداوند میری اس وقت بُری حالت تھی۔ میں دل میں سوچتا تھا کہ یا الٰہی یہ ہمارے حضور چل کہاں دیے۔ میں سمجھا کہ شاید زنانی گاڑیوں میں سے کسی گاڑی پر بیٹھ گئے ہوں (مسکرا کر) بارے حضور تشریف لا کے۔ نواب صاحب مسکرانے سے مطلب سمجھ گئے۔ کہا بڑے بدمعاش ہو۔ اب ہم کیا اتنا بھی نہیں سمجھتے کوئی پاگل مقرر کیا ہے آپ نے۔

اب وہاں کی کیفیت سنئے کہ ایک خواص نے بیگم صاحب سے کہا حضور نواب بشیرالدولہ کا بھی کتنا اچھا مزاج ہے۔ کہ میں کیا عرض کروں۔ ایسے رجیس (رئیس) پیدا کہاں ہوتے ہیں۔ بات کی بات میں ہزاروں خرچ کر ڈالے۔ اور اُف تک نہ کی بڑے رئیس ہیں ایسے ویسے نہیں ہیں۔ اور حضور شکل صورت بھی اچھی ہے سو دو سو میں ایک۔

بیگم صاحب کہ بڑی طبیعت دار تھیں اس کی تقریر سے سمجھ گئیں۔ کہ یہ کٹناپا کرتی ہے۔ کچھ جواب نہ دیا۔ مگر خواص سے کھٹک گئیں، اور دل ہی دل میں سوچنے

لگیں کہ یہ تو کیا ہے، اگر اس کے سے ہزار آئیں تو بھی ہم اپنی عصمت و آبرو کے خلاف نہ کریں گے۔ اس وقت ہم پر مصیبت پڑی ہے اس سے ہم بشیر الدولہ کی یہ باتیں بھی سنتے ہیں۔ نہیں تو توبہ میں تو کھڑے کھڑے ذلیل کروا دیتی۔ مگر مصلحت کے خلاف ہے۔

چوتھے اسٹیشن پر پھر نواب صاحب تشریف لائے خیر صلاح اُف جب گاڑی رُک جاتی ہے تو بڑا احتباس ہوتا ہے بیگم صاحب نے فرمایا۔ جی ہاں اُمس تو ضرور ہے۔ مگر یہاں پنکھیا چل رہی ہے برابر۔ یہ بچارے تیسرے درجے والے کس مصیبت میں ہوں گے نواب صاحب نے کہا ان کو کیا مصیبت ہے، وہ تو اس بات کے عادی ہیں۔ مصیبت تو ہم لوگوں کو ہے جو خس خانہ و برف آب کے عادی ہیں۔ اور جنھوں نے ناز و نعم میں پرورش پائی ہے۔

بیگم۔ اور تم گھڑی گھڑی آتے ہو کہیں ریل نہ نکل جائے تو پھر معلوم ہو۔ لے اب جاؤ۔

بشیر۔ جی نہیں ریل کہاں جا سکتی ہے۔ کیا مجال۔

بیگم۔ اے مجال کے بھروسے بھی نہ رہنا کہیں، اگر ریل چلی تو پھر کچھ بتائے نہ بنے گی۔

بشیر۔ (گھڑی دیکھ کر) ابھی تین منٹ کی کسر ہے۔ اور اگر کہیے تو یہیں بیٹھوں دو گھڑی دل بہلتا ہے آپ سے۔

بیگم۔ بسم اللہ مگر بدنامی کا ڈر ہے۔

خواص۔ اے نہیں سرکار بدنامی کاہے کی ہے۔

بشیر۔ ہمارے نزدیک تو بدنامی نہیں ہے کچھ۔

بیگم۔ اے تو ضرورت ہی کیا ہے اس کی۔

بشیر۔ وہاں جی نہیں بہلتا باتیں کس سے کریں۔

بیگم۔ (ہنس کر) اچھا تو اس خواص کو لے جاؤ۔

خواص۔ اوئی واہ سرکار لونڈی ایسی نوکری سے درگذری۔ جس میں آبرو جائے۔

بشیر۔ لے چلو بی چاندنی۔ بس اب ہم نہ مانیں گے۔

خواص۔ بجا ہے حضور۔ اے میں وہاں مردوں میں کیا کروں جا کے۔ واہ خداوند واہ۔

بشیر۔ اور کچھ نہیں ایک تو گلوریاں بناؤ دوسرے باتیں کرو بے عورت کے جی

گھبراتا ہے۔ واللہ بہت جی گھبراتا ہے۔

بیگم۔ اے چلی نہیں جاتی، اور یہ اس کا نام تم کو کیوں کر معلوم تھا پہلے یہ تو بتاؤ۔

بشیر۔ میں اس کی ذات بنیاد سے واقف ہوں۔

بیگم۔ جبھی۔ ہوں ہوں!!! سمجھی میں۔

بشیر۔ کہا۔ یہ ادا ہماری سمجھ میں نہ آئی۔

بیگم۔ ارے تو سب سمجھتا ہے۔

ان بے تکلفی کے الفاظ سے نواب بشیر الدولہ بہادر کو یقین ہو گیا کہ بیگم صاحب کا بھی دل ان پر آیا ہے۔ چونکہ ریل چلنے کو تھی، لپک کر اپنے درجے میں ہو رہے۔ تو اسی خواص نے کہا اے حضور کیا اچھا مجاز (مزاج) ہے۔ اللہ جانتا ہے اور دیدہ رو جوان ہیں۔ بیگم صاحب تو پہلے ہی تاڑ گئی تھیں۔ کہا پھر ہم نے تو تمہارا ٹھکانا کرنے کی فکر کر ہی دی تھی۔ اب سہی۔ اب آئیں تو چلی جاؤ۔ گلوری بنا بنا کے کھلاؤ اور باتیں کرو۔ خواص کو بشیر الدولہ ہی نے ان کے ہاں نوکر رکھوایا تھا اور اسی شرط پر کہ بیگم صاحب کو راہ پر لائے، مگر یہ بڑی ہی پارسا عورت تھیں۔ خواص کی بات کو کاٹتی نہ تھیں، لیکن دل ہی دل میں اس کو برا بھلا کہتی تھیں۔ اگر ریل پہ نہ ہوتیں تو فوراً موقوف کر دیتیں۔ خواص نے تھوڑی دیر کے بعد پھر وہی ذکر چھیڑا۔ سرکار اب کی آئیں تو جانے نہ دیجئے۔ ذری پردہ کر لیں گے۔ بس اور کیا اور پھر آپ کے عزیز ہیں۔ کیا غیر تھوڑا ہی ہیں۔ اے ہاں۔ اپنوں سے اتا پردہ کیا۔ اور پھر ان سے اب دیکھئے آپ کے ذری سے اشارے سے لکھنؤ تک ساتھ دیا۔ پھر یہ کوئی کرے گا۔ اور شکل صورت کتنی اچھی پائی ہے۔

نواب بشیر الدولہ بہادر نے داروغہ سے کہا بھئی میری تو اس عورت پر جان جاتی ہے۔ درم ناخریدہ غلام ہوں۔ واللہ کیا تقریر اور کیا ادا ہے۔ واللہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ عجب حسن گلوسوز ہے۔ اہاہا۔ اور اس کے ساتھ شوخی اور بھی مارے ڈالتی ہے۔ کوئی تدبیر ایسی بتاؤ کہ ہتھے چڑھے۔ استاد داروغہ تو یہ چاہتا ہی تھا کہ نواب صاحب بے تکلف ہو جائیں سوچ کر عرض کیا۔ حضور نے تو خواہ مخواہ الگ بٹھایا، بیکار، بے وجہ، اسے ساتھ ہی بٹھانا تھا۔ مزے سے دل لگی ہوتی جاتی۔

اور گلوریاں کھاتے۔ کہا بھئی جب وہ منظور بھی کریں۔ اتنے میں ریل کی چوکی آئی۔
نواب۔ ارے بھئی یہاں کتنی دیر ریل ٹھہرتی ہے۔
سپاہی۔ حضور دس منٹ ابھی بڑی دیر ہے۔
نواب۔ تو ہم لپک کے اس درجے میں باتیں کریں۔
سپاہی۔ ارے حضور ابھی بڑی دیر ہے۔ ہو آیئے۔

نواب صاحب نے دروازہ کھولا، اور بیگم صاحب کی گاڑی کے پاس پہونچے۔

نواب۔ کیا ہو رہا ہے کسی شے کی ضرورت تو نہیں ہے۔
بیگم۔ (خواص کی طرف اشارہ کر کے) کہہ دو سوتی ہیں۔
خواص۔ سرکار آرام میں ہیں۔
نواب۔ اور کوئی جاگتا ہے۔ یا سب سوتے ہیں۔
بیگم۔ (اشارے سے) سب سو گئے۔
خواص۔ حضور سب سو گئے۔
نواب۔ کہو ڈھب پر آنے والی ہیں یا نہیں۔ بھرپور انعام لو۔ مگر۔
راوی۔ نواب صاحب سمجھے کہ اصل میں سب سو گئے ہیں تو میدان خالی پاکر خواص سے پوچھا، کہو ڈھب پر آنے والی ہیں یا نہیں؟ خواص نے اشارے سے کہا خاموش رہیے یہ ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ اور بیگم صاحب سب دیکھ رہی ہیں خواص تو پہلے ہی سے گنتھی ہوئی تھی، لاکھ لاکھ سمجھاتی ہے۔ مگر بشیر الدولہ کو عشق نے اندھا کر دیا تھا اشارہ خاک نہ سمجھے اپنی ہی کہے گئے۔
نواب۔ تم تو بولتی ہی نہیں چاندنی۔ !
خواص۔ اے حضور کیا بولوں کیا۔

نواب سمجھ گئے۔ دانتوں کے تلے انگلی دبا کر۔ ارے!

بیگم۔ اے میں کہتی ہوں کہیں ریل نہ نکل جائے۔
نواب۔ کیا مجال ہے۔ ریل نکل جانے کی ایک ہی ہوئی کیا دل لگی بازی ہے۔

ادھر نواب صاحب نے کہا ایک ہی ہوئی۔ اور ادھر ریل چلی۔ اور یہ دوڑے ریل لین چھوڑ چکی تھی سپاہی نے کہا ریل سے الگ رہیے۔ چلئے تڑ کا ہو گیا۔

اب کیا کریں۔ سر پر ٹوپی تک نہ تھی اور پیاس کے مارے بُرا حال۔ اور کسی شہر کی چوکی نہیں۔ ذرا سا گانوں۔ اسٹیشن ماسٹر نے کہا آپ اتنا بیر رہا کہاں ؟ کیا پساب (پیشاب) کرتا تھا۔ کہا جی نہیں اب کیا بتاؤں کہاں رہا۔ لاحول ولا قوۃ۔ وہ بولا شو ہا ہا اب لاحول بلیا سے مطلب نکلتے نہیں ہوتا۔ کہا صاحب ٹوپی تک تو ہے نہیں۔

بابو۔ بڑا ابسوس (افسوس) ایسے تو ہونے نہیں مانگتا اب اپانے کیا کرنے سکے۔

بشیر۔ اب ہم کو ایک چھپر کھٹ مل جائے تو بیٹھیں۔ نیند تو اب آئے گی نہیں۔ بڑا غضب ہوا ہم سے بڑی بے وقوفی ہوئی مگر مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلمۂ خود باید زد

بابو۔ وہ دیکھ کھلاشی (خلاصی) نواب صاحب کو بیٹھو۔

بشیر۔ بھئی کوئی مسلمان ہو تو ذرا سا پانی پلا دو۔

ایک شخص پانی لیکر آیا تو انھوں نے پوچھا۔ کون ہو۔ کہا پٹھان۔ یہ عادی نفیس نفیس اور صاف ستھرے برتنوں میں آب خاصہ پینے کے چھنا ہوا اور برفاب ہو۔ ولی یہ تکلفات کجا۔ وہ ٹین کے ایک تام لوٹ میں پانی لایا۔ مگر نہایت سرد تھا۔ پی کر اس کو ایک روپیہ انعام دیا۔ اب تو ان کی خاطریں ہونے لگیں۔ پلنگ بھی بچھا اور قالیچہ بھی آیا۔ اور اسٹیشن ماسٹر نے ایک سفید چادر بھی منگوائی' اور ان کے گھر سے تکیے بھی آئے نئے نئے غلاف چڑھے ہوئے۔ ایک کورا گھڑا تپائی پر رکھا گیا۔ اب کیا تھا اب ان کی خاطریں ہونے لگیں، مگر پھر بھی وہ آرام کجا۔

نواب صاحب لیٹے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پینے سے روح کو تازگی ہوئی۔ مگر حقے کے بغیر بیچین تھے اور خاصدان بھی ساتھ نہ تھا کیا کریں اب آپ شعر خوانی کرنے لگے۔

نا امیدی کے سخن کیوں نہ کہے دل ہم سے
تیغ کے ساتھ کشیدہ ہو جو قاتل ہم سے

ایک شخص جو یوں ہی سا لکھا پڑھا کرتا تھا وہ بھی کھڑا ہو گیا اور کہا حضور کچھ فرمائیے ؎

یوں جسم زار اپنا پنہاں ہوا کفن میں
خوشبو چھپی ہے جس طرح سے یوسف کے پیرہن میں

اس نے بڑی تعریف کی۔ انھوں نے نام دریافت کیا۔ اس نے کہا رضا حسین
نواب صاحب نے فرمایا۔ ؎

تمہاری مانگ نے دہشت یہ اپنے دل میں ڈالی ہے
کہ کیوں اس زلف کے حبشی نے تیغ اپنی نکالی ہے

یہاں تو شعر شاعری ہوتی تھی، اور ادھر بیگم صاحب افسوس کر رہی تھیں، کہ نواب بشیر الدولہ بہادر بیچارے رہ گئے، بڑی تکلیف اٹھائیں گے۔ ایک آدھ مرتبہ ہنسی بھی آئی۔ کہ بہت اکڑ کر کہا (یہ ریل چل دینے کی ایک ہی ہوئی) اور بس اتنا کہنا تھا کہ ریل یہ جادہ جا۔ خواص نے کہا کچھ دور دوڑے بھی تو تھے۔ مگر ریل کو پا سکتا ہے کوئی۔ رہ گئے۔

شام کو کھایا دہی رات کو جوڑی آئی
ٹوٹکا ہم کو بتا دو کوئی بی ہمسائی

صبح کو کوئی نو بجے کے وقت معشوق نسرین بدن بی قمرن کی دگانا جان خوب بن ٹھن کے پٹیاں جما کے آنکھوں میں خوب سرمہ لگائے چلبلاہٹ کے ساتھ آئیں۔ اے دگانا جان، اے دگانا جاں بہن کہاں ہو بی مغلانی نے کہا حضور میں ہیں۔ اے جگا دو مغلانی۔ مغلانی نے کہا حضور جگا سکتے ہیں ہم لوگ نوکر چاکروں کی یہ جراُت نہیں ہو سکتی کہ کہیں اٹھو بس اب سو چکیں۔ اور سرکار یہ دن کا اتنی دیر سونا منحوس ہوتا ہے۔

دگانا جان نے قمرن کو جا کے جگانا شروع کیا۔ اے بہن اٹھو۔ اوئی نو بج گئے۔ اب دس کا عمل ہے۔ کیا غافل نیند ہے (شانے ہلا کر) اے اٹھو قمرن، قمرن، ایں جیسے کوئی متوالا ہوتا ہے۔ اے اٹھو بہن۔ کیا رات کو کچھ شغل کیا تھا۔

اتنے میں نازو کی آنکھ کھل گئی۔ کہا تم ہو بہن۔ دگانا بگڑی ہوئی بیٹھی تھی۔ بولی واہ واہ اچھی باتیں ہیں۔ خوب گھرو ندا کر وگی۔ بس بس ایک دن نکالی جاؤگی۔ نواب کو جو معلوم ہوا کہ تم پیتی ہو تو کھڑے کھڑے نکال دیں گے۔ تم تو ناز و اب میں کیا کہوں۔ ارے یہ منہ سے یاد کروگی اور روؤگی۔ چلن کے ساتھ چلو۔ ہائے کیا کر

رہی ہو،" نازو نے کہا تم تو بہن سٹرن ہو۔ نواب سن لیں گے کہ یہ پیتی ہیں تو ہم کو کھڑے کھڑے نکال دیں گے۔ بجا۔ اری بیوقوف انھیں نے تو زبردستی پلائی۔ یہ سننا تھا کہ دُگانا حیرت سے نازو کو دیکھنے لگی۔ کیا! نواب نے پلائی ان کے یہاں شراب آئی کہاں سے۔ کیا پیتے ہیں؟ نازو مسکرائی۔ اور نہیں تو کیا کوئی پارسا یا مولوی ہیں۔ تم بھی کتنی سادہ مزاج ہو۔ دُگانا کو اور بھی حیرت ہوئی۔ اللہ جانتا ہے نازو ہم کو نہیں معلوم تھا۔

قمرن کا پلنگ جو چھت پر بچھا تھا اس پر دھوپ آ گئی تو قمرن انگڑائی لیتی ہوئی اٹھیں۔ کیا دُگانا آئی ہیں۔ اے بہن یہاں آؤ۔ اوئی نگوڑی دھوپ سارے میں پھیل گئی۔ فوراً پلنگ سے اٹھ کر طرارہ بھرا تو کمرے میں ہو رہیں اور دُگانا کو لپٹ کر بوسے لینے شروع کئے۔

دُگانا جان ہم تم پر عاشق ہیں۔ اللہ جانتا ہے ہم تم پر عاشق ہیں ہم کو تم سے عشق ہے۔ دُگانا نے جھک کر کہا اے تو چلی بیٹھو ذری۔ یہ تمہارے منھ سے بھبک کیسی آرہی ہے۔ ہم اب تم سے ملنا ترک کر دیں گے۔ بس۔

قمرن۔ کیوں کیوں بگڑ کیوں گئیں خدا کے واسطے۔

دگانا۔ بہن دیکھو زمانہ برا جاتا ہے۔

قمرن۔ اوئی اس سے کیا مطلب۔ پھر اچھا پھر کیا۔

دُگانا۔ پھیر تو بہن سمجھ کا ہے۔ بس۔

قمرن۔ اوئی دا انگڑائی لے کر، طشت منگوا کر منھ دھونے لگیں۔ (منھ دھو کر کہا دُگانا) تم آج لڑی کیوں بڑتی ہو۔

دُگانا۔ ہمیں بڑا صدمہ ہوا بہن۔ اللہ جانتا ہے۔

قمرن۔ یہ کاہے سے (پلنگ پر پھر لیٹ کر)

دُگانا۔ ایسی نیند کیا۔ نو بجے کے بعد تم اٹھی ہو۔

نازو۔ اے تو آج ایسا ہو گیا بہن۔

دگانا۔ بس چلو منھ نہ کھلواؤ۔

نازو۔ اوئی۔ یہ تو کاٹے کھاتی ہیں جیسے۔

قمرن۔ اے مہری گلوریاں لاؤ۔ خاصدان لاؤ!

مہری۔ سرکار وہ کیا رکھا ہے خاصدان۔ لونڈی نے تو سویرے ہی سے سب سامان

پیس کر دیا تھا۔

قمرن۔ ڈگانا جان کو گلوری دو۔

قمرن پھر پلنگ پر لیٹیں تو خراٹے لینے لگیں۔ نازو نے ان کو جگایا۔ اے اوبی۔ اٹھو بہن ـ واہ اتنا دن چڑھا سارے میں دھوپ پھیل گئی اور تم سو رہی ہو۔

قمرن بڑی خرابی سے اٹھیں۔ منہ دھویا اور بی مغلانی سے کہا اس وقت صفرے کی بڑی شکایت ہے۔ کوئی شے ایسی پلاؤ کہ ذرا طبیعت ٹھکانے لگے۔ مغلانی نے کہ بڑی تجربہ کار عورت تھی دو کھٹے انار توڑے۔ دونوں شاداب اور بڑی صفائی کے ساتھ ان کا افشردہ بنایا اور شاہجہاں پور کی اعلیٰ قسم کی شکر ملا کر چھانا۔ اور برف کا بڑا سا ٹکڑا اس میں ڈالا۔ اور جب افشردہ خوب ٹھنڈا ہو گیا۔ تو کیوڑا ملا کر چاندی کے کٹورے میں لے گئی۔ بی قمرن نے پیا تو کلیجے تک ٹھنڈک پہونچی۔ بڑی تعریف کی۔ کہا اس وقت تم نے جلا لیا۔ باجی جان کو بھی پلاؤ ہم نے تم کو ایک اشرفی انعام دی۔ اس وقت۔ مغلانی نے آداب عرض کیا اور ایک کٹورا اسی طرح بی نازو کو بھی پلایا۔

افشردہ پینے کے بعد قمرن نے کمرے کا ایک دروازہ کھولا جو پچھم کی طرف تھا کھولا تو لو ہے کے سینخچے۔ دیکھا تو ایک مکان ہے اور ایک عورت بیٹھی کچھ سی رہی ہے۔ کہا بی ہم سائی اسلام۔ وہ عورت اٹھ کھڑی ہوئی! کہا بندگی۔ ہم نے تو بہن کئی بار چاہا تھا کہ پکاریں مگر پھر ہم نے کہا کیا جانے کیا کرتی ہوں گی برا مانیں بھلا مانیں کوئی مرد بیٹھا ہو۔ قمرن نے نام پوچھا۔ کہا ہمارا نام شہزادہ بیگم پوچھا کچھ وثیقہ ہے کہا ہاں بہن ستاسی روپے ملتے ہیں۔ پوچھا تمہارے میاں کہاں ہیں بہن۔ کہا ہمارے میاں خدا گنج پہونچے۔ کہا ارے ابھی تمہارا راسن ہی کیا ہے۔ پھر کوئی فکر نہیں کی۔

قمرن اور شہزادہ بیگم میں تھوڑی ہی دیر میں گہری چھننے لگی۔ کہ گویا برسوں کی ملاقات تھی۔ شہزادہ بیگم کی بندریا دیکھ کر قمرن نے کہا بہن ہماری ایک گویاں کی بندریا نے بچہ دیا ہے۔ اس کی صورت ایسی چمکتی ہے جیسے ستارہ چمک رہا ہے۔ اور مانگ تو وہ جوبن دکھاتی ہے۔ کہ میں کیا کہوں۔

اے ہمسائی تمہارے یہاں بھی بہت چوہے ہوں گے ہم کو تو بڑا دق کرتے ہیں۔

شہزادہ بیگم۔ چوہے تو ہمارے یہاں آتے نہیں ہیں۔ بہن مگر کیا کہوں بس کھٹملوں

نے تو ناک میں دم کر دیا ہے بہن۔ رات بھر نیند نہیں آتی ہے۔ عذاب میں جان ہے۔
قمرن۔ اے تو وہ دونوں گھروں کے چوہے ہمارے ہی یہاں آگئے ہیں۔ ادئی۔
شہزادہ۔اور کھٹمل دونوں گھروں کے ہمارے یہاں آگئے اچھی دل لگی ہوئی۔
قمرن۔ تو میں آج آدھے چوہے تمہارے گھر بھیجے دیتی ہوں بہن۔
شہزادہ ۔ (ہنس کر) اچھا تو ہم آدھے کھٹمل تمہارے یہاں بھیجے دیتے ہیں۔ جاؤ یوں ہی سہی۔
قمرن۔ ہمسائی شربت پیوگی۔ اللہ جانتا ہے گڑھل کا شربت ہے برف ڈال کے پیو کٹورے کے ساتھ۔
شہزادہ۔گڑھل تو نہیں کیوڑے کا شربت پلواؤ تو کیا مضائقہ ہے برف کے ساتھ۔ برف تو جان ہے آج کل۔
قمرن ۔ ہاں ہاں برف بھی ہے۔بی مغلانی کیوڑے کا شربت ہماری ہمسائی کو پلاؤ۔
مغلانی نے کیوڑے کے شربت میں برف کا بڑا ٹکڑا ملایا اور پھر کیوڑا ملایا۔جب خوب ٹھنڈا ہو گیا تو کہا حضور حاضر ہے۔ مگر دوں کس طرح سے، کہا اسے اس دیوار کے پاس کھڑی ہو جاؤ۔ اور برآمدے کی طرف سے دے دو۔ کٹورا بھر کے شربت پیا تو جی خوش ہو گیا کہا اب آنکھوں میں تراوٹ آگئی۔
قمرن۔ بہن ہم میں تم میں خوب بنے گی۔ اور اگر خدا نے چاہا تو زندگی بھر نبھ جائے گی۔
شہزادہ ۔کیوں نہ نبھے گی۔ آدمی آدمی سے ملتا ہی ہے ہمیں کیا معلوم تھا کہ تم ایسی خوش مزاج ہو۔ نہیں ہم چھیڑ کے ملتے بہن۔ یہ دو گھڑی کا ہنس بول لینا ہی رہ جاتا ہے۔
اتنے میں شہزادہ بیگم نے کہا ہم نماز پڑھ لیں تو پھر باتیں کریں۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔
— قمرن بولی اخاہ! نماز بھی پڑھتی ہو۔کیا گناہ بہت کیے ہیں۔ستر چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔ کہا بہن ہم بچپنے سے نماز پڑھتے ہیں۔ ناغہ نہیں ہونے پاتی ۔ مجال کیا کہ قضا ہو جائے باقی گناہ کی نسبت گناہگار کون نہیں ہے۔ شرع کے مطابق کون چلتا ہے بہن۔
قمرن نے کہا بی ہمسائی ہم یہ لوہے کے سینخچے نکلوا دیں گے جس میں ہم تم ایک

جگہ بیٹھ کے باتیں کیا کریں مزے مزے سے اے بہن یہ کتا تم نے پالا ہے کیا اچھا کتا ہے۔ ہمارے پاس بھی ایک کتا تھا مر گیا بچارا۔ دن بھر میں پانچ پانچ چھ چھ چوہے مارتا تھا۔

شہزادہ بیگم نے اپنے نوکر عبداللہ خاں کو بلایا اور کہا نیچے سے پاندان لے آ۔ گلوریاں بنا کر قمرن کو سلاخوں میں سے دیں۔ قمرن نے بڑی تعریف کی۔ اللہ جانتا ہے ہم کو یہ گلوریاں بہت پسند آئیں۔ اچھا آج شام کو ہمارے یہاں دعوت ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ کسی سے دل بھی ملا ہے۔

شہزادہ بیگم ہنسنے لگیں۔ کہا بہن دعوت کی ابھی کون جلدی ہے۔ دیکھا جائے گا۔ اب ہم تم ہمسائے ہی ہیں ہیں۔ اور بہن یہ جو تم نے پوچھا اس کا حال یوں ہے کہ ہم کو یہ ہرجائی پنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ ہاں اگر کوئی وضع دار شریف زادہ ہو، سلسلہ، وضع کا پابند، بات کا دھنی، تو خیر کیا مضائقہ ہے۔ پڑوس میں وہ سامنے ایک صاحب رہتے ہیں۔ خوبصورت اور حسین آدمی ہیں۔ اور دل کے چالاک وہ ہم پر ڈورے ڈالتے ہیں۔ مگر ابھی ہم سے اُن سے یکجائی کی نوبت نہیں آئی ہے۔ آدمی اچھے معلوم ہوتے ہیں اتنے میں کوٹھری سے دھماکے کی آواز آئی اور مغلانی نے کہا ان چوہوں کو خدا غارت کرے۔ قمرن نے بہ آواز بلند کہا۔ اے ہم سائی دیکھو دن دہاڑے نگوڑے چوہے اودھم مچاتے ہیں۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک آواز آئی اجی میر صاحب آپ نے مثل نہیں سنی کہ قاضی کے گھر کے چوہے بھی سیانے۔ قمرن جو دیکھتی ہے تو ا دارے۔ اے ہم سائی یہ کون ہے۔ کہا بہن یہی ہیں۔ کیا اچھی صورت ہے۔ گوری گوری۔ بات چیت کتنی اچھی ہے بڑا وضع دار آدمی ہے اور سیر چشم۔

قمرن۔ اللہ جانتا ہے ملاقات کے قابل ہے۔

شہزادہ۔ کیا جوان خوبرو ہے۔ چشم بد دور۔

قمرن۔ ڈورے ڈالتے ہیں معلوم ہوتا ہے۔

شہزادہ۔ ڈورے ڈالتے ہیں کہ ٹٹو ہے مردوا۔

قمرن۔ اچھا پھر خالی خولی تاک جھانک سے کیا فائدہ۔

شہزادہ۔ کچھ دیکھتی بھی ہو ذرا انکھیوں سے دیکھو۔

قمرن۔ ہاتھ جوڑ رہا ہے۔ ہائے لگی بھی کیا بری ہوتی ہے۔ کسی پر دل آنا ستم ہے۔

شہزادہ۔ اب اس وقت یہ گھنٹوں ہمیں کھڑا گھورا کرے گا اور ٹہلے گا اور شعر پڑھے گا اور بار بار ہاتھ جوڑے گا ہمارے۔

قمرن۔ کیوں صاحب یہ اتی لمبی چوڑی تو نماز پڑھتی ہو اور باتیں یہ۔ یا اللہ توبہ۔

شہزادہ۔ ہمیں ایک ہندنی کی بات اس وقت یاد آئی' بنارس میں تھی۔ اور ہم بھی وہیں تھے۔ ہم نے پوچھا کیوں بہن یہ روز تو تم مندر میں جاتی ہو اور وہیں سے اڑ بھی جاتی ہو۔ ادھر ادھر پھر ایسے مندر جانے سے کیا فائدہ۔ کہا بہن ان سے تو اچھے ہیں' جو بدی بھی کرتے ہیں' اور مندر نہیں جاتے ہیں۔

قمرن۔ ہم بھی آج سے نماز پڑھا کریں گے۔

شہزادہ۔ ضرور چاہیئے بہن' چاہے جو فعل کرے مگر نماز روزہ نہ چھوٹنے پائے۔

مغلانی۔ کیا بات ہے۔ اس سے بہتر اور کیا ہے۔

قمرن۔ روزوں میں تو دم الجھتا ہے ہمارا۔

شہزادہ۔ (گلوری بناتے ہوئے) ارے! یہ آج چوڑیاں آپ ہی آپ ٹھنڈی ہوئی جاتی ہیں۔

قمرن۔ اللہ کرے کوکھ مانگ سے ٹھنڈی رہو۔

شہزادہ۔ ہمیں کل جوڑی آگئی۔ کوئی ٹوٹکا تو بتاؤ بہن۔

قمرن۔ ہم بتائیں ہم سے سنو ایک کام کرو۔

مغلانی۔ اے حضور بکھیڑا کاہے کو کرے کوئی۔ برگد یا پیپل کے درخت کو سات سلام کرلو۔ اور جب یہ نیت کرو۔ تو بو بو نہ کسی سے بات نہ کرو۔

شہزادہ۔ تو پیپل کا درخت تو تمہاری بغیا میں ہے ہم سائی' ہ کیوں بو بو بہن۔

قمرن۔ ہاں ہاں آؤ گھر ہے تمہارا۔

شہزادہ بیگم نے عبداللہ خان کو پکارا کہا ذری ڈولی تو جا کے لاؤ۔ پوچھا کہاں تک کے لیے۔ کہا اسے یہی ذرا بی ہمسائی کے یہاں تک۔ ان کی بغیا جائیں گے۔ جوڑی کا ٹوٹکا کرنے۔ اتنے میں نازو اور ان کی دگانا بھی سیخوں کے پاس آئیں۔ یہ کون ہیں۔ قمرن نے کہا یہ بی ہمسائی ہیں۔ شہزادہ بیگم۔ شہزادہ بیگم کی مہری نے دگانا کو دیکھ کر کہا میں نے شاید آپ کو اوپلے خان کے میدان میں دیکھا ہے۔ وہ بولی

نہیں تو ہم تو نوازگنج[1] میں رہتے ہیں۔ ایلچ خان کا میدان تو شاید کشمیری محلے کے پاس ہے کہیں۔ ہم تو اُدھر گئے بھی نہیں۔

عبداللہ خان نے آن کے کہا، حضور ڈولی تو آج کہیں نہیں ملتی۔ کہاروں نے پنچایت کی ہے۔ اس وقت کوئی نہیں آتا۔ کہا اچھا خیر کل سہی بی ہمسائی۔ اتنے میں ایک مہری نے کہا۔ حضور سرکار آتے ہیں۔ نازو اور قمرن نے کہا اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔ بہن اور دروازے بند کرکے کمرے میں آئیں۔

نواب۔ یہ دروازہ کیسا بند کیا۔ (کچھ کھٹکے)

نازو۔ ادھر ایک نواب رہتے ہیں ان سے اور قمرن سے باتیں ہوتی تھی جا کے دیکھ لو۔

نواب۔ (بدظن ہو کر) ہاں ہے تو کچھ ایسا ہی۔

نازو۔ ہم نے انھیں لاکھ لاکھ منع کیا یہ نہیں مانتیں۔

نواب۔ سچ بتاؤ قمرن یہ کیا ماجرا ہے؟

نازو۔ جھپتی ہوئی آنکھ نہیں دیکھتے۔

قمرن۔ ہے کیا ایک مردوے کی صورت پسند آگئی کیا کسی کا اجارہ ہے۔

نواب۔ بی مغلانی یہ ادھر دروازے کے پاس کس سے اشارہ بازی کر رہی تھیں یہ بتاؤ۔

مغلانی۔ حضور یہ تو وہی مثل ہوئی کہ کہوں تو ماں ماری جائے نہ کہوں تو باپ کُتا کھائے۔ گومگو کا معاملہ ہے۔

نواب۔ اچھا ہم خود جا کے دیکھتے ہیں۔

راوی۔ نواب صاحب خود تشریف لے گئے اور دروازہ کھول کر دیکھا تو شہزادہ بیگم بیٹھی کچھ کاڑھ رہی ہیں، سن کوئی بیس اکیس برس کا، شکل صورت بہت اچھی۔ نک سک سے درست۔ اب قمرن ہاتھ جوڑتی ہیں۔ قسمیں دیتی ہیں کہ آج ہی ان سے پہلی ملاقات جان پہچان ہوئی۔ اور آج ہی یہ ستم انھوں نے ڈھایا۔ نواب صاحب نے کہا ہوں نہ سوں شہزادہ بیگم ہیں۔ بس اتنا سننا تھا کہ وہ چونک پڑیں دیکھا تو خود بدولت۔ انھوں نے جلدی سے دروازہ کسی قدر بھیڑ لیا۔ بس اللہ دے اور بندہ لے بیگم صاحب نے خوب خوب سنائیں۔ مہری ذری نیچے جا کے سمجھا دو کہ ہم عصمت دار ہیں۔ کوئی بازاری نہیں ہیں۔

[1] نوازگنج ایلچ خاں کا میدان اور کشمیری محلہ تینوں شہر لکھنؤ کے محلوں کے نام ہیں۔

بہو بیٹیوں کو اس طرح گھورنا کیا معنی۔ کیا ان کے بہو بیٹی نہیں ہیں۔ ہم نے فقط یہ ملاحظہ کیا کہ بی ہمسائی سے اس وقت ملاقات ہو چکی ہے۔ نہیں ساری نوابی دکھاتی۔ میں کوئی ایسی ویسی نہیں ہوں۔ اس کے کیا معنی؟ ہمسایہ ماں کا جایا۔ جو ایسے ہی ایسے شہدے پڑوسی ہوا کریں تو کاہے کو کسی کی عصمت رہے سب اپنے اپنے گھر نہ چھوڑ دیں۔

قمرن نے دروازہ کھول کر کہا اے بہن۔ اتی خفا کیوں ہوتی ہو۔ سن تو لو پہلے

شہزادہ بیگم نے کہا بہن خفا ہونے کی بات نہیں۔ یہ بھلمنسی کے خلاف ہے۔ کیا ہم کوئی بازاری ہیں عورت ہیں ابھی بدنامی ہو جائے تو ڈھیقے کے لالے پڑ جائیں۔ کرنہ پڑیں۔ اور رسوائی گھاتے ہیں ہو۔ دیکھتی ہوں تو داڑھی موچھوں والا اور پٹ کو ذرا بھیڑ کر فٹے کھڑے ہوئے ہیں۔ ماشے اللہ۔ ماشے اللہ۔

نازو۔ اے بہن تم پڑوس کے سبب سے ہماری بہن ہو کہ نہیں پھر وہ ہمارے بہنوئی ہیں تمہارے بہنوئی بھی ہوئے کہ نہیں ہوئے۔ پھر سالی کو دیکھا تو کیا گناہ کیا۔ تم سے تو دل لگی اور ہنسنے کا رشتہ ہے۔

شہزادہ۔ (قمرن کی طرف اشارہ کرکے) چہ خوش ان کے میاں ہیں؟ یہ تو نواب محمد عسکری ہیں۔ صولت جنگ ان کا خطاب ہے۔

نواب۔ اور میں حضور کی تصویر دیکھ چکا ہوں۔

شہزادہ۔ اے ہٹو بھی کیسی تصویر۔

نواب۔ ذری چار آنکھ تو کیجئے۔

شہزادہ۔ دیکھو اوئی۔ پھر دروازے کے پاس آئے (ہٹ کر) اے یہ کیسا مرد ہے۔ کوئی اتنا بھی ڈھیٹ نہیں ہوتا۔ اب ہم کل دروازے میں تیغا چڑھائیں گے۔

قمرن۔ بہن یہ تو کچھ دال میں کالا کالا معلوم ہوتا ہے۔

نازو۔ اور تنکی کسقدر رتھیں پہلے۔

قمرن۔ بس بس قلعی کھل گئی۔

شہزادہ۔ کیا اللہ جانتا ہے جو ہم سے کسی قسم کی گفتگو ہوئی ہو۔ یہ تو میں۔ اب کیا کہوں تمہارے میاں اور ان کے بہنوئی۔

نازو۔ نہیں نہیں کہو شوق سے۔

قمرن۔ کہو کہو پرانی جان پہچان ہے۔
شہزادہ۔ اسے کچھ خبر ہے جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہو۔
قمرن۔ بہن تم کو تو ہم سے سو تیا ڈاہ ہو گی۔
شہزادہ۔ اسے اوئی ذرا سنبھلی ہوئی۔
نازو۔ دہ جھیپیں۔ بڑی پرانی جان پہچان نکلی۔
شہزادہ۔ کیا مجال جو پرندہ پر مار سکے۔
نازو۔ اور ابھی تک بڑھ بڑھ کے ہانک رہی ہیں۔

شہزادہ بیگم نے اس فقرے پر قہقہہ لگایا اور کہا بہن تم بڑی شوخ ہو اور ہم ہیں اللڑھ بللی۔ پھر بھلا ہم میں تم میں کیسے بنے۔ مگر یہ تو ہم نے ٹھان لی ہے۔ کہ جو ہو کل دن کو تیغا ضرور چڑھاؤں گی۔ اسے غضب خدا کا ہمارا تو ٹھہرا امکان کبھی کسی طرح بیٹھے ہیں کبھی دوپٹا سرک گیا۔ کبھی ذرا پائنچا سرک گیا۔ اور تمہارا مزاج ہے ہنسوڑ میاں تمہارے ڈھیٹ دل لگی باز آدمی، اور ہم کو یہ باتیں گوارا نہیں۔ نازو مسکرائی اے تم کو تو سونے کی چڑیا مل گئی بہن یہ باتیں گوارا نہیں (منہ چڑا کر) ایسی بڑی وہ بن کے آئی ہیں بڑی عصمت دار۔

نواب۔ کیوں صاحب آپ نے ہم کو نہیں دیکھا ہے۔
شہزادہ۔ اسے یوں دیکھنے کو سو دفعہ دیکھا ہے۔ محلّے ہی میں رہتے ہو۔ پھر دیکھنے سے کیا ہوتا ہے۔
نازو۔ بہن ہم سمجھ گئے تم جھوٹ بولتی ہو۔
قمرن۔ تمہارے جوہر تو اب کھلے۔
نازو۔ اللہ جانتا ہے بڑا جی خوش ہوا تم سے مل کے آؤ آؤ۔ ادھر آؤ، اب وہ گئے بڑا دل لگی کا مزاج ہے۔
شہزادہ۔ اسے بہن ہنسی دل لگی کا تو ہم بھی برا نہیں مانتے۔ مگر ایکا ایکی نامحرم سے بات کرنا عصمت داروں کو نہ چاہیئے۔ بڑے عیب کی بات ہے۔
قمرن۔ اسے نواب کب تک چھپی رہو گی۔ اوئی ہم سے بھی اب پردہ ہے شہزادہ بیگم چھم چھم کرتی ہوئی سامنے آئیں تو نواب صاحب دروازے کی آڑ ہی سے گھورا کئے

اس کے بعد سامنے آن کھڑے ہوئے۔ تو شہزادہ بیگم چھپ کے بھاگیں۔ اے واہ بہن تم بھی اچھی ملیں۔ اور سنو یہ کہاں کی دل لگی ہے۔ ہم نیچے چلے جاتے ہیں۔ ہیں یہ دل لگی نہیں بھاتی۔

نازو۔ اچھا اچھا ادھر آؤ تمہیں قسم ہے جو نہ آؤ۔

قمرن۔ اے بہن ادھر آؤ ہمسائی اے بی ہمسائی۔

نازو۔ آؤ ہم جوڑی کا ٹوٹکا بتا دیں۔

قمرن۔ اے بہن یہ ٹوٹکا ہی تھا۔

راوی۔ یہ نیا ٹوٹکا ہے۔

قمرن۔ بی ہمسائی دیکھ بگڑ جائے گی۔

شہزادہ۔ بگڑ جانے دو ہم ایک نہ سنیں گے۔

قمرن۔ یہاں رہنا مشکل ہو جائے گا۔

شہزادہ۔ دیکھا نہیں ہے کسی کو۔

قمرن۔ اے اس بھروسے بھی نہ رہنا کھڑے کھڑے نکلوا دوں گی۔

شہزادہ۔ اللہ اللہ اتنی ہوئیں آپ بھی۔

قمرن۔ اے لے اب آتی ہو کہ نہیں، یہ نخرہ الگ چٹخاؤ۔

شہزادہ۔ بس بس رہنے دیجیے۔

قمرن۔ اے ہمسائی یہ ٹوٹکا تھا۔

شہزادہ۔ ٹوٹکا تھا آپ رہنے دیجیے بس۔

قمرن۔ اب ہم یہ لوہے کی سلاخیں توڑ کے چلے آئیں گے۔

شہزادہ۔ آج جو چاہو بدعت کر لو، کل سے تیغا ہو جائے گا۔

قمرن۔ اے میں کہتی ہوں یہ تم گھڑی گھڑی تیغا تیغا کیا کہتی ہو۔ پرائے دروازے میں تم تیغا دینے والی کون۔

شہزادہ۔ ہم! ہم زبردست اور کون۔

قمرن۔ آؤ ہمسائی تمہیں انھیں کی قسم سمجھ جاؤ۔

شہزادہ۔ بھلے کو ہم چلے نہ گئے، وہ تو کہو اچھا ہی ہوا کہ ڈولی نہ ملی۔ ہے ہے نہیں کیا

جانے کیا ہو جاتا۔ ایک آدھ کی جان پر بنتی اچھا ٹوٹکا بتاتی تھیں۔

مہری نے کہا حضور یہ جاڑا نہ آتا۔ یہ اس سبب سے آیا کہ سرکار نے شام کو تو چکا دہی کھایا، اور پھر شب کو کھانے کے ساتھ بورانی کھائی۔ اور پلنگڑی پر پانی چھڑکوایا بس جوڑی آ گئی۔

قمرن۔ اے بی ہمسائی۔ اے وہ گئے۔

نازو۔ گئے گئے اللہ جانتا ہے گئے۔

شہزادہ بیگم چپت پر آئیں۔ کہا بہن تم تو خواہی نخواہی لڑائی مول لیتی ہو۔ ناحق کی ٹھائیں ٹھائیں۔ آخر اس سے فائدہ۔ بیکار لڑائی جھگڑے سے کیا مطلب نکلتا ہے۔ ہمارے تمہارے ہنستی جائے تو کیا کہنا۔ دو گھڑی ہنسنے بولنے کو تو ہو گا۔ اور نہیں کچھ۔ اور جو ٹھائیں ٹھائیں ہوئی تو کیا لطف رہا۔

قمرن اور شہزادہ بیگم میں باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ آواز آئی۔ ملائی کی برف۔ شہزادہ بیگم نے موکھے سے جھانک کر دیکھا اور قمرن نے دروازہ ذرا یوں ہی سا کھول دیا۔ اور دیکھنے لگی شہزادہ بیگم نے پوچھا۔ بہن برف کھاؤ گی کہا نہیں۔ اس وقت خواہش نہیں ہے۔ کہا اچھا تم تو ہمیں ٹوٹکا بتا چکیں، اب ہم تمہیں ایک ٹوٹکا بتاتے ہیں۔ ذری ادھر کے کواڑ کھول کے دیکھو تو۔ قمرن تو اس البیلے برف والے پر جان دیتی تھیں۔ دروازہ کھول کر گھورنے لگیں۔ ملائی کی بروف ہے۔ ملائی کی برف۔ دروازہ کھلنے کی آہٹ جو پائی تو کہا۔ کیا کھلے ہیں آج کے کلیجا ٹھنڈا کرنے والے قمرن کی طرف دیکھ کر۔ ہجور کھولوں۔ شہزادہ بیگم کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے میرے مونکھے سے جھانکنے والے سلامت رہو۔ کھولوں ہجور کیا مجے کے ہیں۔

ش۔ (ہنس کر) بڑا موا مسخرہ ہے۔

ق۔ شکل وصورت تو کچھ ایسی بری نہیں ہے۔

ش۔ بری۔ اے واہ ہے۔ بری کی ایک ہی ہوئی۔

ق۔ اچھی صورت ہے بہن۔

ش۔ اے پری زاد لونڈا ہے بہن۔

راوی۔ قمرن پھر اس ستم گر کے تیر نظر کی گھائل ہوئی۔

ق۔ ہم نے پہلے تم سے چھپایا تھا۔ اب جب تم کھلیں تو ہم بھی کھل پڑے۔ اس میں شک نہیں کہ پری زاد لونڈا ہے۔

مہری سے شہزادہ بیگم نے کہا جا کے دو تفلیاں لے آ۔ اور یہ دونوں یعنی قمرن اور شہزادہ بیگم اس کو گھورنے لگیں۔ اچھا لونڈا ہے۔ ہنسی تو دیکھو کیا ہنسی ہے۔ بڑی خوش نصیب وہ عورت ہے۔ جس کو یہ بیاہ کے لایا ہوگا۔ جو اس کا بیاہ نہ ہوا ہوتا تو تو۔ جھیپ کر قمرن بولی بس اب تو تو نہ کرو۔

مہری تفلیاں لے کر اندر آئی اور چھت پر آن کر بیگم صاحب کو دیں۔ انھوں نے کہا بہن مل جل کے کھانا اچھا۔ جس ترکیب سے شربت دیا تھا۔ اسی ترکیب سے یہ بھی لو۔ برف کھا کر دونوں نے بڑی تعریف کی۔

اتنے میں شہزادہ بیگم نے پوچھا اے بہن تمہاری باجی جان کہاں غائب ہوگئیں۔ اور وہ بی دگانا۔ کہاں ہیں۔ کہا مہری دیکھو باجی جان کیا کرتی ہیں۔ مہری نے عرض کیا۔ حضور نواب صاحب سے گنجفہ کھیلتی ہیں۔ افاہ گنجفہ ہو رہا ہے۔ چکمہ ہو رہا ہے۔ بی ہمسائی آؤ تم بھی آؤ۔ تمہیں قسم ہے اسے ذری دیر کے لیے آجاؤ آؤ ہم ٹوٹکا کریں گے۔

شہزادہ۔ بس تم اپنا ٹوٹکا رہنے دو۔ کچھ عقل گئی ہے۔ پرائے مردوے کے سامنے کوئی ہوتا ہے۔

قمرن نے کہا اچھا بہن ہم رخصت ہوتے ہیں۔ اب کہا اچھا بی ہمسائی خدا حافظ ہے۔

قمرن۔ کیا کیا بدا ہے۔ کیا کیا پتّا ہے۔

نازو۔ آپ مزے میں آگئے تھے۔

قمرن۔ کیا کیا۔ ہم تاڑ گئے بوسہ پتّا کہا ہوگا۔

نازو۔ جی ہاں ایسے مزے میں آئے۔ قمرن سے بد و بوسہ پتّا۔

قمرن۔ ہم سے بدنے کی کیا ضرورت ہے۔

نازو۔ اور وہ ٹوٹکے والی کہاں ہیں۔ بہت چکرائیں۔ مگر دل لگی اچھی ہوئی۔

قمرن۔ وہ نہیں آئیں کہتی ہیں ہم نہ آئیں گے۔

نازو۔ اے بُوا بھی لو کہو بہت نخرے نہ بگھارو۔
نواب۔ لے اب گنجفہ کھیلتی ہو یا باتیں کرتی ہو۔
نازو۔ اے میں نے اشرفیاں لوٹیں تم سے۔
نواب۔ منہ دھو کے آؤ لوٹیں نہ ہوں کہیں۔
نازو۔ اچھا یہ کھیل سر تماش کا۔
نواب۔ یہ ٹیپ لی اور دیکھو اتنے چنگ کے سر کھیلوں گا۔
نازو۔ اوئی ہم سر نہیں کرتے۔
نواب۔ رو دو، رو دو، ہم سر نہیں کرتے۔
نازو۔ اوئی اللہ بڑا غضب ہو گیا ہم سر نہیں کرتے۔ میرے پیارے نواب خدا کے واسطے ہمارا اَیّا ہمیں دے دو نہیں ہم پچ مچ رو دیں گے۔

قمرن نے نواب صاحب کے ہاتھ سے پتّے چھین کر ملا دئے تو نواب بہت ہی جھلائے. کہا قمرن اللہ جانتا ہے ہم یہ تم سے پھر یں گے اس کے کیا معنی۔ واہ وا واہ یہ جوے کا روپیہ نہ لینا گالی ہے۔ ہم گالی نہیں کھانے والے ہیں۔

قمرن۔ اے ہاں ہمارا تو جی الجھتا ہے۔ اس موئے گنجفے سے۔
نازو۔ اے تو تم کو بُرا معلوم ہوتا ہے یا ہر کوئی کو۔
قمرن۔ اے باتیں کرو باتوں میں لطف ہے، یا پتّے چپکانے میں۔
نازو۔ کیا یہ بھی کوئی ٹوٹکا تھا۔ تم بھی بڑی وہ ہو۔
قمرن۔ (ہنس کر) کہنے لگیں۔ اچھا ٹوٹکا تھا۔
نازو۔ نواب دولہا یہ تمہیں سوجھی کیا۔ اوئی کوئی ایسا کرتا ہے سامنے ڈٹے کھڑے ہیں۔
قمرن۔ مگر برا نہیں مانا انھوں نے۔
نازو۔ پہلے تو تنکی تھیں۔ مگر پھر دھیمی ہوئیں۔
قمرن۔ اے باجی وہ برف۔
راوی۔ برف کا لفظ کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ اور چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ جب نواب صاحب کسی ضرورت سے اٹھے تو میدان خالی پا کر یوں دونوں بہنوں میں گفتگو ہونے

لگی۔ اور قمرن اپنے دل میں بہت شرمندہ ہوئی۔

نازو۔ کتنی پھوہڑ ہو قمرن۔

قمرن۔ اے باجی زبان تک نام آگیا تھا۔

نازو۔ وہ تو کہو خیریت ہوئی۔

قمرن۔ ہے ہے مجھے یہ ہوا کیا تھا اس وقت۔

نازو۔ جلد بازی۔ جلد بازی۔ اور کیا ہوا تھا۔ ہوا یا اور کچھ نہ تھا۔

قمرن۔ مگر نواب صاحب ذرا بھی سرنہ ہوئے۔

نازو۔ وہ کیا سمجھیں۔ ہاں تو آج پھر آیا تھا مگر دیکھتا رہ گیا تم نکلی تو نہیں تھیں اس کے سامنے ایسا غضب نہ کرنا۔ خبردار خبردار۔ دیکھو ہم نے جتا دیا ہے۔

قمرن۔ اے باجی اس پر بی ہمسائی بھی عاشق ہیں۔

نازو۔ اوئی وہ کہاں کہاں پہونچتا ہے موا۔

قمرن۔ اس نے تو کہا ہی تھا باجی کہ میں روز روز نہیں آسکتا۔ مگر باجی اب کان اُمیٹھے۔ اتنے میں نواب صاحب آگئے

ہست کلید در گنج حکیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نازو۔ لاؤ کلھاڑا" کاٹو نیم وہ گنجا یہ حکیم۔

نواب۔ ماشاءاللہ بڑی حاضر جواب ہو۔

نازو۔ اے حضور میں کس لائق ہوں یہ آپ اپنی تعریف فرماتے ہیں۔

قمرن۔ یہ اگر امّی جان کی طرح پڑھی لکھی ہوتیں۔

نواب۔ وہ آپ کی امّی جان کیا پڑھی لکھی ہیں۔

نازو۔ واہ تم بھی غضب کرتے ہو۔

نواب۔ غضب نہیں میں سچ کہتا ہوں۔

نازو۔ اے کیا کہتے ہو، اچھے اچھے مولوی ان سے پوچھنے آتے ہیں۔

نواب۔ ایسی تیسی ان کی۔

قمرن۔ د بگڑ کر) تمہاری ایسی تیسی۔ اب سنا۔

نازو۔ کیا واہیات باتیں ہونے لگیں۔

اب سنیے کہ دوسرے روز تڑکے گجر دم، بی قمرن نے شہزادہ بیگم کے مکان کی طرف کا دروازہ کھولا، دیکھا کہ وہ چھت پر غافل سو رہی ہیں۔ اور مہری پنکھا جھلتی ہے۔ کہا ان کو جگا دے مہری۔ بی ہمسائی، اے بی ہمسائی۔ اوئی کیا جبر کی نیند ہے اے اٹھو بہن۔ شہزادہ بیگم کی آنکھ کھل گئی۔ اے ہے اتنے سویرے کاہے کو جگا دیا۔ ہم تو دن چڑھے اٹھتے ہیں۔ مجاز تو اچھے رہے بہن؟ یہ پرچھائیں کس کی پڑتی ہے۔ دیکھو اللہ جانتا ہے جو کوئی مرد ہوا نا تو پھر ہم آج سے نہ بولیں گے۔ بس ہمارے آپ کے کھٹ ہو جائے گی۔ قمرن کسی قدر تنک گئیں۔ اے اوئی۔ ہوا سے لڑتی ہو بہن مرد کا کیا ذکر ہے بچہ تک تو یہاں ہے نہیں۔ جب دیکھ لیا کہ تم خفا ہوئی جاتی ہو، تو کیا خواہی نخواہی لڑائی مول لینی ہے۔ ہم یہ کہنے آئے تھے کہ اس وقت ہمارے یہاں چلی آؤ۔ اور جوڑی کا ٹوٹکا کر لو۔ بغیا میں پیپل کا درخت موجود ہے۔ وہ بولیں بہن آنے میں تو کچھ ہرج نہیں ہے۔ مگر ہمیں خوف ہے کہ مبادا کوئی ایسی بات ہو، جس سے ہمارے آپ کے کچھ رنجش پیدا ہو، اور ہم اس سے ڈرتے ہیں بلکہ منزلوں دور بھاگتے ہیں۔ ہم تمہارے ہاں گئے۔ فرض کرو اور کوئی بات ایسی ہوئی جس سے ہمارے تمہارے درمیان میں کوئی رنج پیدا ہو گیا، یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اب کل ہی ہم تو تم سے باتیں کر رہے ہیں اور تم نے اپنے میاں کو لا کے کھڑا کر دیا۔ اب ہمیں برا معلوم ہو کہ نہ معلوم ہو۔ ایسا کوئی کرتا ہے۔

قمرن نے ہزارہا قسمیں کھائیں، کہ آج ہم ان سے اطلاع بھی نہ کریں گے۔ تم آؤ ہم فنس بھیجتے ہیں۔ فنس پر سوار ہو کر شہزادہ بیگم تشریف لائیں۔ قمرن نے بڑائی تواضع اور خاطر کی بہن خوب ہوا کہ تم ہم کو یہاں مل گئیں۔ ہم میں تم میں خوب بنے گی۔ جیسا ہمارا مجاز ویسا تمہارا مجاز اور کل کی جو کہتی ہو وہ ایسے سادے مجاز کے ہیں کہ ان کو بدی کا خیال ہی کبھی نہیں آتا۔

شہزادہ بیگم بولیں۔ یہ سچ ہے مگر آنکھوں کا لحاظ تو ضرور ہونا چاہیے۔ شرم اور حیا بھی تو نگوڑی کوئی شے ہے۔ یا بالکل بھون کھائی۔ مغلانی نے جھک کر سلام کیا۔ حضور تو باتیں کر رہی ہیں۔ اس ٹوٹکے میں تو سویرے سویرے نہار منہ بس منہ ہاتھ دھو کر سات بار درخت کو برگد ہو یا پیپل سلام کرنا پڑتا ہے۔ شہزادہ بیگم نے کہا نہیں

اب تو ٹوٹکے ووٹکے کی ایسی ضرورت بھی نہیں رہی۔ کل طبیعت اچھی رہی۔حکیم صاحب بھی آئے تھے۔ ٹھنڈائی سویرے پی لی تھی۔

نازو۔ اے بی ہمسائی کیا بالکل خالی ہی خولی رہتی ہو۔

شہزادہ۔ خالی خولی کیا معنی۔ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

ناز و۔ ٹھیک تمہاری سمجھ میں اور نہ آئے۔ ہونھ۔

قمرن۔ کس سے رسم ہے تمہیں ہمارے سر کی قسم۔

نازو۔ اے تو اس میں چوری کیا ہے۔ بتاؤ ہمسائی۔

شہزادہ۔ اے تو کوئی بات ہو تو بتاؤں بہن۔

نازو۔ تو تم سے کسی سے رسم نہیں ہے۔ بجا درست ایسی بڑی نیک بنتی ہیں۔ تمہارا ایں دن تمہاری شکل صورت کہے دیتی ہے۔

شہزادہ۔ اب نگوڑی یہی باتیں رہ گئی ہیں بس یا کچھ اور بھی۔ کچھ اور اچھی اچھی باتیں کرو۔

قمرن۔ دکان میں، سچ کہنا بی ہمسائی وہ برف والا لونڈا کیسا ہے۔ اے کیا آنکھیں ہیں جیسے ہر دم نشے میں ہے۔ اور بے پئے آنکھوں کی یہ کیفیت ہے۔ ہم نے تو ایسا حسین مرد آج تک نہیں دیکھا۔ کیا شکل وصورت ہے کہ واہ وا وا۔ ایک دن تمہارے ہاں اسے بلوائیں۔ یہاں تو اِتّی صورتیں بھری ہوئی ہیں۔

نازو نے کہا یہ رساں رساں کیوں باتیں ہونے لگیں بہن کیا کفر کی باتیں کرتی ہو۔ پھر یہ رساں رساں بولنا کیا معنی۔ شہزادہ بیگم نے کہا۔ تم کو کیا مطلب۔ ہم اپنی گیان سے کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ تم کو کیا بتائیں ایک بات نہیں کہنے کی ہو۔ نازو بولی ہم سمجھ گئے تم نے اڑائی ہیں۔ تو ہم نے بھی بھون بھون کھائی ہیں۔ قمرن نے اصرار کیا۔ اچھا بتاؤ باجی جان ہم کیا باتیں کرتے تھے۔ بتاؤ نہیں نہیں بتاؤ ہم کو دم دھاگا دیتی ہو۔ ہم ان بھرّوں میں آنے والے نہیں ہیں۔ جی کیا دل لگی ہے۔ نازو مسکرائیں کل کی چھوکری اور ہم سے اڑتی ہے۔ ایک دفعہ جل دے گیا ہے اور اب پھر اسی کی چاہ ہے۔ قمرن کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کہاں سے تاڑ گئیں۔ مگر ابھی کھل نہیں پڑی کہ شاید نازو دل لیتی ہو۔ باجی تم غلط سمجھی ہو۔ جل کیسا۔ اوئی

پکھ کہو گی بھی۔ نازو نے کہا کہیں کیا ہم سمجھ گئے بہن۔ تمہارا جی اس وقت برق کھانے کو چاہتا ہے۔ شہزادہ بیگم ہنس دیں۔ خوب سمجھیں۔ بڑی دور رہو۔ دونوں بہنیں آفت کی پرکار بڑی چوٹی دونوں کلاں۔ اتنے میں شعر خوانی ہونے لگی۔

شہزادہ۔ اے کون پڑھتا ہے کیا اچھی آواز ہے۔

نازو۔ نواب صاحب وہ سامنے والے کوٹھے پر بیٹھے ہیں وہیں لوگ جمع ہوئے ہیں۔ شعریں پڑھ رہے ہیں۔

شہزادہ۔ ذری چپ رہو سننے تو دو ہمیں۔ کان لگا کر۔

ٹپکتے ہیں گلابی اشک میری چشم پرنم سے
کوئی رگ دل کی شاید کھل گئی ہو نشترِ غم سے

حضور علی میاں صاحب کامل لکھنوی کا شعر ہے۔ خوب فرماتے ہیں۔ کتنا اچھا مطلع ہے۔

داروغہ۔ مجھے بھی اس غزل کا شعر ایک یاد ہے۔ کہتے ہیں۔

سُنا کرتا ہوں ساری رات لیکن کچھ نہیں کھلتا
دہانِ زخم کیا باتیں کیا کرتے ہیں مرہم سے

نواب۔ دونوں شعر اچھے ہیں۔

دہانِ زخم کیا باتیں کیا کرتے ہیں مرہم سے

بالکل جدید مضمون ہے اور وہ مطلع بھی بے مثل کہا ہے۔

اختر۔ حضور اب انھیں کے کلام میں دوسرے رنگ کو ملاحظہ فرمائیے گا۔ بالکل اس رنگ سے الگ ؎

رات کس کے ہجر میں برہم مزاجِ چنگ تھا
شورِ نغمے کا نمک ریزِ مٹے آہنگ تھا

نواب۔ (سمجھے نہیں) یہ بلاغت ہے اس کو بلند پروازی کہتے ہیں۔ چنگ اور آہنگ۔

راوی۔ ماشاء اللہ کیا خوب داد دی مطلب کو خوب سمجھے حضور فرمانے لگے چنگ اور آہنگ یہ اس شعر کی تعریف ہے۔

داروغہ۔ نمک ریز کے بیے شور کا لفظ کتنا موقع کا ہے۔
نواب۔ بھئی میں اس کی تعریف کر رہا تھا دل میں۔
راوی۔ بجا ارشاد ہوا میں بھی گوش دل سے سن رہا تھا۔
اختر۔ یہ شعر غور سے سنیے گا۔ کیا کہا واللہ۔

کیا طراوت خیز تھی سال گذشتہ کی بہار
تازگی میں بال طوطی آئنے کا رنگ تھا

نواب۔ کیا کہا ہے۔ بال طوطی تو ملاحظہ فرمائیے۔
اختر۔ حضور آئنے پر جب مورچہ آجاتا ہے۔ تو مورچے میں طراوت اور تازگی کہاں۔ تو شاعر کہتا ہے کہ موسم اس قدر تازگی بخش تھا، کہ پارسال آئنے کا رنگ بال طوطی کی طرح تازہ معلوم ہوتا تھا۔ بڑی نازک بات پیدا کی ہے۔
نواب۔ بھئی چڑا گلخیر ریختی میں کچھ شعر عرض کرو۔
مسخرہ۔ حضور ریختی کا رنگ تو واللہ بالکل پھیکا پڑ گیا۔ جیسے لونڈی کی سوت نے قضا کی خوب ہی کہتی تھی حضور۔
نواب۔ لونڈی کی سوت۔ آپ کی لونڈی کی سوت۔
مسخرہ۔ نہیں حضور میری سوت مجھ نابکار کی سوت۔
نواب۔ کیا خوب وہ کون تھیں آپ کی سوت۔
مسخرہ۔ اے صدقے جاؤں۔ جان صاحب میری سوت تھی۔

اس پر بڑا قہقہہ پڑا۔ اور دیر تک دل لگی رہی، نواب صاحب نے فرمائش کی اچھا ریختی میں کچھ اشعار اس پر کہو۔ مگر اچھے ہوں۔ ایسے ویسے نہوں۔

ع خلیل کعبے میں بت پرستی خدا خدا کر خدا خدا کر

مسخرہ۔ حضور دم کی دم میں (ذرا سوچ کر) ؎

نہ سن کہانی ارے گمانی قرآن خوانی تو اب کیا کر
لگی ہے پینے تو کالا پانی مُوا گانا جانی خدا خدا کر

نواب۔ بھئی کتنا اچھا کہا ہے ۔طبیعت دار آدمی ہے۔
مسخرہ۔ حضور کوئی کہے تو ٹانگ کی راہ نکل جاؤں۔ لونڈی نے بڑے بڑے

ریاض کیے ہیں جب جا کے یہ درجہ پایا ہے۔ ہر کوئی کا کام نہیں ہے۔ استادوں کی جوتیاں سیدھی کی ہیں۔ ان نازک نازک ہاتھوں سے چلمیں بھر بھر کے پلائی ہیں۔ بوا ممّن کی طرح ہڑدنگی تھوڑا ہی تھی لونڈی۔

اختر۔ حضور یہ قرآن کیا معنی قرآن کا الف تو ممدوہ ہے۔

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی

ببری رونق مسلمانی

مسخرہ۔ اے ہیں کہتی ہوں اس مردوے کو ہو کیا گیا ہے۔ سبزی پی کے آیا ہے کیا۔ ارے تو ہماری زبان کیا جانے مونڈی کاٹے (ممّن کی طرف مخاطب ہو کر) اے چچی اتا اسے ہوا کیا ہے؟

داروغہ۔ مگر سجع کی تعریف تو کرو کہانی اور گمانی اور قرآن خوانی' اور پانی' اور جانی'۔ اس سجع کو ملاحظہ فرمائیے۔

ممّن۔ حضور یہ جانی کا لفظ فحش ہے بالکل۔

مسخرہ۔ اوئی جانی کا لفظ فحش ہے۔ ارے یہ تو آنکھ کھولتے ہی بچوں کو سکھایا جاتا ہے۔ ابا جانی۔ اماں جنیا۔ پھر فحش کہاں سے رہا چلی ہیں وہاں سے۔

شہزادہ بیگم نے نازو سے کہا بہن قلم دوات۔ کاغذ منگواؤ تو ہم بھی کچھ لکھیں۔ ہم ایک مصرع لکھے دیتے ہیں بس وہ مصرع تم اپنے نام سے نواب کے پاس بھیج دو۔ ایک کاغذ پر لکھا۔

جانی نواب۔ اس طرح پر تم غزل کہلواؤ اس موے مسخرے سے

کبھی کوٹھے پہ تو آیا کرو بی ہمسائی

مگر ذرا عمدہ غزل ہو۔ "قمرن جان"

مہری نے یہ رقعہ نواب صاحب کو دیا تو بہت ہنسے کہا بھئی محل خانے سے فرمائش ہوئی ہے۔ اور رقعہ آیا ہے کہ اس طرح پر شعر کہو۔ ؏

کبھی کوٹھے پہ تو آیا کرو بی ہمسائی

مسخرہ۔ ابھی لیجیے حضور اسی دم تازہ بتازہ۔

ممّن۔ ہاں اس پر کچھ کہو تو جانیں۔

نواب۔ کون۔ یہ کہہ دیں گے۔
داروغہ۔ وہ دُگانا جانی والا شعر خوب ہوا۔
مسخرہ۔ سنیے گا ؎

جان کیوں کھاتی ہو آؤں گی میں آتے آتے
پانی پی لیوں زناخی ارے آئی آئی

اختر۔ یہ لیوں کیا معنی۔ یوں کہو۔
ع پانی پی لوں میں زناخی ارے آئی آئی

نواب۔ اچھی اصلاح دی۔
مسخرہ۔ یہ مونڈی کاٹا، ان پڑھ، مورکھ کاٹھ کا اُلّو، کیا مجھے اصلاح دے گا۔ میں اپنے وقت کی زیب النسا ہوں۔ حضور یہ بھی مصرع ہو گیا۔
ع میں اپنے وقت کی زیب النسا ہوں

اختر۔ کیا خوب کیا موزونیت طبع ہے۔

کہوں کیا تم سے لوگو میں کہ کیا کہوں
میں اپنے وقت کی زیب النسا ہوں

نواب۔ یہ دونوں مصرعوں میں اچھا نہیں ہے۔
اختر۔ حضور بجا ارشاد ہوا۔ یوں سہی۔

کہوں کیا اپنے منھ سے لوگو کیا کہوں
میں اپنے وقت کی زیب النسا ہوں

نواب۔ ماشاء اللہ کتنا صاف مطلع ہوا ہے۔
اختر۔ آداب عرض ہے۔ حضور قدر دان ہیں۔
ممّن۔ اور خوب پہونچتے ہیں۔ ایک دن سرکار نے ذوق کا سارا دیوان کاٹ ڈالا۔
راوی۔ حضور خاقانی کے کلام کی کیا حقیقت سمجھتے ہیں۔
ممّن۔ اللہ نے دولت کے ساتھ عقل بھی دی ہے۔
داروغہ۔ کیا شک ہے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔
ممّن۔ آمین حق تعالے اور روز افزوں کرے۔

ع   ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین شد

راوی۔ اے سبحان اللہ کیا موزوں کر دیا ہے مصرعے کو۔ خوب ہوا یوں نہ کہا۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

نواب۔ ہاں بھئی گلچیز و۔

ع   کبھی کوٹھے پہ تو آیا کرو بی ہمسائی

مسخرہ۔ سنیے گا۔

گورے گورے سے وہ کون آتے ہیں چھپ کر ہر روز۔
بیگماں جان سے کہہ دوں گی میں بی ہمسائی
کل وہ پھبتی جو لگے کہنے دُگانا پہ مری
میں نے لپڑ دیا اور پوچھا کہ۔ منہ کی کھائی؟
تڑکے اٹھ کر کوئی لیتا نہیں نام اس کا بھی
ایسے منحوس پہ ہے ہے مری طبیعت آئی۔

اختر۔ کیا آئی طبیعت۔ طبیت کس بلا کا نام ہے۔ میاں کچھ احمق ہوئے ہو۔ طبیعت لفظ ہے یا طبیّت..

مسخرہ۔ اوئی اس مردوے کی باتوں سے تو دم الجھتا ہے۔ ہمارا ارے ہم بہو بیٹیاں کچھ مُلّا آتھوڑا ہی ہیں۔ اور سنیئے خداوند عالم۔

ایسا ہٹر ذنگا پنا ہم کو نہیں بھاتا ہے
نکلے مردہ ترا مر جا تو موئے ہرجائی

نواب۔ کوئی پھڑکتا ہوا شعر نہیں ہوتا۔

مسخرہ۔ اب سہی۔ ہ

کل زناخی نے مرے ہونٹھ چچوڑے ایسے
خون بہنے لگا اس پیار سے میں باز آئی

نواب۔ یہ خوب کہا ہے۔ صاف۔

مسخرہ۔ ا ہا ہا۔ ذرا سنیئے گا۔

بڑھ گئے ہیں مرے ناخون خلیفہ ممّن
کال ہے شہر میں ملتا نہیں کوئی نائی

ممّن۔ اب یہ بھی پر سب بوچھار ہو گی۔
اختر۔ ناخون غلط۔ ناخن صحیح ہے۔
مسخرہ۔ (جھلاکر) تیرا سر غلط ہے۔ مونڈی کاٹے۔
نواب۔ یہ سر کے لیے مونڈی کاٹے کیا خوب۔
مسخرہ۔ آداب عرض ہے۔ لونڈی چوکنے والی ہے بھلا۔
نواب۔ خلیفہ ممّن۔ کیا ممّن خلیفہ ہے۔
مسخرہ۔ حضور یہ خلیفہ شاکر کا لڑکا ہے۔
ممّن۔ واہی ہے کچھ۔ پاگل کہیں کا۔
مسخرہ۔ اچھا صاحب آپ نواب شیدی لندھور کے لڑکے سہی۔ اب خوش ہوئے۔

اس پر بڑا فرمائشی قہقہہ پڑا۔

نواب۔ یہ نواب شیدی لندھور کون تھے؟
مسخرہ۔ جی انھیں سے پوچھیے۔
ممّن۔ حضور یہ ان کے دادا جان تھے۔
داروغہ۔ (اپنے دل میں) اب بھکڑ ہونے لگی۔
ممّن۔ سوائے پاجی پنے کے اور کوئی بات نہیں۔
داروغہ۔ تم دونوں پاجی ہو۔
ممّن۔ آپ نہ بولیے۔

اگر قحط الرجال افتد ازیں۔ اُنس کم گیری

داروغہ۔ ایسی تیسی آپ کی۔

اتنے میں نواب صاحب نے اس طرح کے کل شعر اختر سے لکھوا کر مہری کے ہاتھ قمرن کے پاس بھیجے مگر حیرت میں تھے کہ قمرن اور شعر و شاعری۔ تعجب ہے۔ تھوڑی دیر میں مہری ایک پرچہ لائی۔

جانی نواب۔ اور شعر تو خیر اچھے ہوئے ہیں۔ مگر خدا خدا کر والا شعر جو ہم سن رہے تھے سب سے بڑھ گیا۔ مگر اس میں ذری اصلاح کی ضرورت ہے۔

نہ سن کہانی اری گمانی قرآن خوانی تواب کیا کر
اگر یوں ہو تو بے عیب ہو جائے ؎
اری گمانی موی دوانی نماز خوانی تواب کیا کر
لگی ہے پینے تو کالا پانی دگانا جانی خدا خدا کر

اختر۔ حضور سبحان اللہ یہ موئی دوانی نے جان ڈال دی۔

نواب۔ اور قرآن خوانی کے عوض میں نماز خوانی بھی کس قدر موزوں ہے۔

موئی دوانی۔ بھئی کیا اصلاح دی۔

اختر۔ حضور یہ کس کی طبیعت داریاں ہیں خداوند؟

نواب۔ (مسکرا کر) واللہ ہے جو میں ذرا بھی سمجھا ہوں خدا گواہ ہے۔ ذرا سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔

اختر۔ بڑی چلبلی طبیعت کی کوئی معلوم ہوتی ہیں۔ ناز و اور قمرن میں یہ مادہ نہیں ہے۔ (آہستہ سے)

نواب۔ اے لاحول۔ یہ بات کہاں۔ خدا خدا کرو۔

ممن۔ کیا خوب۔ خدا خدا کرو، یہاں کتنا موزوں ہے۔

داروغہ۔ مجھے تو اس موئی دوانی کے جملے نے پھڑ کا دیا۔

مسخرہ۔ اوئی کس غضب کی اصلاح دی ہے بی۔ میں صدقے اپنی آتو جی کے۔ مگر استانی جی کو ذری آنکھوں سے میں دیکھ تو لوں۔

نواب۔ پٹو گے بس ذرا سنبھلے ہوئے مار کھاؤ گے اب

مسخرہ۔ اے حضور بغیر استانی کی مار کھائے ہوئے مطلب نکلنا معلوم۔ سنا نہیں حضور نے۔ ؎

بادشاہے پسر بمکتب داد — لوح سیمش در کنار نہاد
بر سر لوح او نبشتہ بزر — جور استاد بہ ز مہر پدر

حضور اب تو بے شعر کہے نہیں رہا جاتا۔

نواب۔ اچھا اب اس طرح پر غزل کہو۔ ع

ع ہر اک شاخ اس شجر کی اب ہری ہے

مسخرہ۔۔ خداوند بے غور کیے عرض کر دوں تو تو سند ہے حضور داد دیجیے گا۔

عجب شوخی و شانِ دلبری ہے ملک ہے یا قمر ہے یا پری ہے

اری نرگس ترا دیدہ ہے چربانک غضب کی آنکھوں میں افسونگری ہے

ممن۔ بھئی بڑے طبیعت دار ہو۔ تمہارا کیا کہنا۔ مگر واللہ فقط دُم کی کسر ہے۔

اب سنیئے کہ نواب صاحب سمجھ گئے کہ کوئی عورت باہر سے گھر میں آئی ہے۔ شوق چرّایا کہ چل کے دیکھیں۔ محل سرا میں آئے، تو سنا کہ بی قمرن اور ناز و بغیا میں ہیں۔ بغیا کے دروازے پر آئے تو بند۔ کھولو۔ محلدار۔ ارے کوئی ہے ہ؟ آواز آئی سرکار یہاں پردہ ہے۔ ایں! پردہ کیسا! ارے ہم سے اور پردہ۔ اس کے کیا معنی! حضور اس کے یہ معنی کہ بیگم صاحب کی گوتیاں آئی ہوئی ہیں " تو ہم سے کیوں پردہ کرتی ہیں۔ ہم نے کیا کیا۔"

نازو دروازے کے پاس آن کر بولیں اسے وہی ٹوٹکے والی ہیں، بی ہم سائی۔ نواب صاحب نے کہا ان سے کہہ دو ہم کو ایک ٹوٹکا بہت اچھا یاد ہے۔ دو گھڑی کسی نامحرم کو بے نقاب ہو کر گھوریں۔ مگر دور سے تو جوڑی عمر بھر نہ آئے۔

شہزادہ بیگم تنک کر بولیں، بہن تمہارے یہاں تو مرد عورت سب بے حیا، بیباک ہیں۔ اور ہم کو شرم آتی ہے۔ تم نے تو شرم نگوڑی بھون کھائی ہے۔ یہ بڑے غضب کی بات ہے کہ اپنے گھر میں بلوا کے مہمان کو ذلیل کرو۔۔ اور اس کی آبرو لو۔ اچھا بس اب سے آئے گھر سے آئے۔ کیا اب نہ بلواؤ گی۔ اس آنے والے پر دو حرف بھیجتی ہوں، اس دِق کرنے سے مطلب کیا ہے۔

نازو نے کہا بھئی یہ تو بڑی تیکھی ہو رہی ہیں۔ اب زیادہ دق نہ کرو ان کو بہت ہی خفا ہو گئیں۔ نواب صاحب نے کہا چڑ اندھے ہونے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔۔ مگر ان کو خدا جانے کیوں آدمیوں اور بھلے مانسوں کی صورت سے نفرت ہے۔۔ ذرا ان سے کوئی پوچھو کہ آخر کیا سبب کیا ہے ؟

شہزادہ بیگم نے مسکرا کر جواب دیا اب اور کیا کہوں مگر یہ لفظ تو نہ استعمال کیا کیجیے۔
اس کا تو آپ پر اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ آپ سے تعجب ہے۔
نواب۔ ایک ہوئی یاد رکھیے گا۔ بی ہمسائی جان صاحب۔
راوی۔ بی ہمسائی جان صاحب کے فقرے پر شہزادہ بیگم بھی مسکرائیں - اور نازو نے کہا وہ ہنسی آئی اب تو ہنس دیں بی ہمسائی۔
نواب۔ تم ہماری بیگم کی گوئیاں ہو اس سے دو گال ہنس بول لیتے ہیں۔ نہیں تو ہم کو کیا پڑی تھی۔ ہمیں غرض کیا کہ ہم خواہ مخواہ آپ کو چھیڑتے۔
شہزادہ۔ حضور دو گال کسی اور سے ہنس بول لیا کریں۔ مجھے معاف ہی رکھیں تو اچھا ہے۔
نواب۔ کیا خوب۔

ع آدمی را آدمیت لازم ست

جو اپنے سے محبت کرے اس سے ضرور محبت کرنی چاہیئے اتنی انسانیت تو ضرور ہونی چاہیے۔
شہزادہ۔ اے وہ ہم انسان نہیں حیوان ہی سہی۔
نازو۔ اچھا اب زیادہ دق نہ کرو بھائی بھلا اس سے کیا فائدہ وہ برا مانتی ہیں۔
نواب صاحب نے دروازے کی درازوں سے شہزادہ بیگم کو خوب گھورا تو مغلانی نے آہستہ سے عرض کیا۔ سرکار کون مشکل بات ہے۔ ایک بھرے میں تو انگلیوں پر نچا دوں، اور صورت کہے دیتی ہے مجھ سے یہ چھوکریاں بھلا کیا اڑیں گی۔ نواب نے مغلانی کی خوشامد کرنی شروع۔ دیکھو بی مغلانی واللہ نہال کر دوں گا۔ اچھی عورت ہے۔ دو باتیں ہم کو اس کی پسند ہیں۔ ایک تو نمکینی، دوسرے آن۔ مغلانی نے نواب صاحب کی پسند اور شناخت کی بڑی تعریف کی۔
نواب صاحب رخصت ہوئے اور دربار میں جا کر بیٹھے۔ تو ادھر نازو نے قمرن کو اشارہ کیا، اور تخلیے میں جا کے یوں باتیں کیں۔
نازو۔ بہن ہم اور تم دونوں بیوقوف بن گیے۔

قمرن۔ یہ کاہے سے باجی جان کیا بیوقوفی کی آخر؟

نازو۔ اے اب اس سے بڑھ کر اور بیوقوفی کیا ہوگی قمرن ے“

قمرن۔ ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بیوقوفی ہوئی ہم سے۔“

نازو۔ ایک تو یہی بیوقوفی ہوئی کہ بی ہمسائی، اور نواب صاحب کا سامنا کرادیا۔ اس سے بڑھ کر اور بیوقوفی کیا ہوگی۔جوان عورت اور حسین بھی ہے۔“

قمرن۔ اوئی تو ہم سے تم سے بڑھ کے ہیں باجی جان۔“

نازو۔ اے ہے تو تو سیدھی سادی چھوکری ہے۔ اری بیوقوف چلبلی تو ہے۔ طرار اور پڑھی لکھی تو ہے۔ شوخ مزاج تو ہے۔ اور ان مردوُں کا حال جانتی ہو۔“

قمرن۔ تو کیا اس کو گھر ڈال لیں گے باجی۔ اے نہیں۔“

نازو۔ کیا تعجب کیا ہے۔ آخر یہ کون تعجب کی بات ہے۔“

قمرن۔ تو پھر اب جو ہوا وہ ہوا اب سے کان پکڑے۔“

نازو۔ اور یہ اس کی جتنی رکاوٹ اور رکھائی ہے سب بناوٹ ہے۔ یہ بڑی استاد عورت ہے اس سے ذرا بچی رہو اس کے کاٹے کا منتر نہیں ہے۔“

اتنے میں شہزادہ بیگم نے کہا اے یہ دونوں کس فراق میں ہیں کہاں چل دیں۔ ع

طاقتِ مہمان نداشت خانہ بمہمان گذاشت

لو خدا حافظ ہم بھی رخصت۔

نازو۔ اے بیٹھو بہن۔ آتے ہیں۔ واہ وا رخست کیسی خفا ہوگئیں بڑی نازک مزاج ہو۔

قمرن۔ کوئی یاد آگیا معلوم ہوتا ہے۔ یا کسی سے وعدہ ہوگا جب ہی یہ جلدی ہے۔

شہزادہ۔ ہاں وہی یاد آگیا دکان میں برف والا۔

نازو۔ ہم نے سن لیا۔ اس موئے کے پھیر میں نہ آنا۔ وہ مونڈی کاٹا بڑے غضب کا ہے آگے تمہیں اختیار ہے۔

شہزادہ بیگم بڑی ہی طرّار عورت تھی۔اگر نازو نہ ہوتیں تو وہ قمرن کو چٹکیوں

پہ ڑائی۔ اور نواب صاحب کو کب کی اسیر طرۂ تابدار کر چکی ہوتی۔ مگر نازو کھٹک گئی۔ اس کا کھٹکنا حق بجانب تھا۔ قمرن تو الڑھ پنے کے سبب سے اب بھی کچھ نہ سمجھی۔ اگر سمجھی تو صرف اس قدر کہ نواب شہزادہ بیگم پر ترجیح نہیں سکتے۔ ہمارے حسن کے مقابل میں کوئی کیا ٹھہر سکتی ہے۔ مگر نازو کو اب یہ فکر پیدا ہوئی کہ کسی طرح ہمسائی کا رنگ پھیکا ہو۔

نازو نے اپنی دُگانا سے مشورہ لیا۔

نازو۔ بہن ایک بات سے ہم اس وقت ذری کھٹک گئے، مگر یہ اپنے ہاتھوں کیا۔

دُگانا۔ ہم پہلے ہی سے کھٹک گئے ہیں۔

نازو۔ اچھا پہلے تم بتاؤ۔ پھر ہم بتا دیں گے۔ مگر ذرا اپنے ہی تک رکھنا۔

دُگانا۔ تم کو ایسا کہنا چاہیے نہیں۔ میں تمہاری بات بھلا کس سے کہوں گی۔

نازو۔ تم سے امید تو یہی ہے۔ اچھا لے پہلے تم بتاؤ۔

دُگانا۔ یہ بی ہمسائی اور نواب صاحب کے دل لگی کیسی بھلا۔

نازو۔ بس بس۔ تم بات کو پہنچ گئیں دُگانا۔

دُگانا۔ ایں اے تم کو تو چاہیے تھا کہ پرچھائیں تک نہ دکھاتیں۔ نہ کہ خود نوب کو لگا لگا کے لے جاتی ہو۔

نازو۔ بڑی بیوقوفی ہوئی۔ یہ سوجھی کیا ہم کو۔

دُگانا۔ قمرن تو خیر چھوکری ہیں، ان باتوں کو کیا جانیں۔ مگر یہ تم کو کیا ہوا۔

نازو۔ بن گئے بیوقوف۔ مگر اب بھی خیر ہے۔

دُگانا۔ اور کیا بن ٹھن کے آئی ہیں۔ ہمسائی اور پاکباز کیسی بنتی ہیں۔

نازو۔ اس پر بھی جوبن ہے۔ اچھی شکل ہے۔ اور بناؤ چناؤ جو کیا تو اور بھی حسن دونا ہو گیا۔

دُگانا۔ اے کیوں نہیں۔ رنگت کتنی اچھی ہے۔

نازو۔ نواب لٹو ہو گئے ہیں۔ بُری ہوئی۔

دُگانا۔ اچھا اب ہم ترکیبیں بتائیں گے۔

نازو۔ اب اس وقت تو اس پر کچھ ظاہر نہ ہونے دو شام کو بات چیت ہوگی۔

ع گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو "

یہ اچھے لینے کے دینے پڑے۔ ٹوٹکے والی ہمسائی صلا نشد بلا شد۔ خود ٹوٹکا پوچھنے آئی تھیں، اور ایسا ٹوٹکا کر دیا کہ نواب صاحب ہی لٹو ہوگئے۔

شہزادہ بیگم ان کی کانا پھوسی سے تاڑ گئیں کہ کچھ دال میں کالا کالا ہے۔ مگر ایک ہی اُستاد تھی۔ ذرا نہ ظاہر ہونے دیا اور قمرن کے دل میں جگہ کر لی سمجھایا بہن دیکھو ایسا کوئی کام نہ کرنا جس سے معاملہ بھربھنڈ ہو جائے پھونک پھونک کے قدم دھرو۔ ارے بڑا نازک زمانہ جانا ہے۔ بہن قمرن اپنے دل میں سوچنے لگیں کہ یہ مُگانا اور نازو کی غلطی ہے۔ یہ تو ہماری خیر خواہی کرتی ہیں۔ اور وہ ان کو سوت بنائے دیتی ہیں۔ نیکی کا زمانہ ہی نہیں ہے۔ نیکی کے عوض بدی ملتی ہے۔ کیا زمانہ ہے۔ شہزادہ بیگم کی محبت ان کو اور بھی زیادہ ہوگئی۔ اور کہا بہن نواب ہم کو اس قدر کا پیار کرتے ہیں کہ کیا کہوں۔ اب ایک دن ہم تمہارے ہاں آئیں گے اور وہاں تم سے ہم سے بات چیت ہوگی۔ ہم کو تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔ اللہ نے چاہا تو ہم تم بہنیں بن کے رہیں گے۔ چاہے سارا زمانہ دشمن ہو جائے اور ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔

شہزادہ۔ اللہ جانتا ہے ہم کو تم سے ایسی محبت ہے کہ اپنی سگی بہن سے بھی نہ ہوگی۔

قمرن۔ اللہ قسم باجی نازو کم اور تم زیادہ۔ ہمیں تم سے وہ محبت ہوگئی ہے کہ کیا کہیں۔ بس خدا خوب جانتا ہے۔ مگر لوگ زبردستی بھی دیکھ کر جلتے ہیں۔

قافلہ داخل لکھنؤ ہوا

اے حضور اٹھیے اسٹیشن آگیا۔ ہم تو سمجھے تھے کہ دن چڑھے پہونچیں گے مگر اچھا ہوا کہ تاروں کی چھاؤں میں ٹھنڈے ٹھنڈے پہونچ گئے۔ حضور اٹھیے منہ دھو ڈالیے پھر ہڑبڑاہٹ میں کچھ نہ ہو سکے گا۔ وہ سیٹی ہوئی۔ اب لکھنؤ یہاں سے کوئی دو کوس ہوگا۔ مارٹین کی کوٹھی وہ سامنے نظر آئی دیتی ہے۔

ہا ہا! کیا جھونکا آیا ہے ٹھنڈی ہوا کا۔ جی خوش ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ جیسے سیدھی بہشت سے ہوا آئی۔ دوسری بولیں اے بوا بہشت یہاں سے کتنی دور ہوگی، کہا بہن ہوگی کوئی ٹکے ڈولی۔ دونوں ہنسیں اس نوک جھونک اور لطیفہ بازی کے بعد انھوں نے نواب نادر جہاں بیگم کو جگایا۔ ان میں ایک تو بی مغلانی تھیں دوسری مہری بیگم صاحب انگڑائی لیتی ہوئی اٹھیں۔ اے ابھی تو تارے چھٹکے ہوئے ہیں ابھی سے کاہے کو جگا دیا۔ آج کا تڑکا تو سونے کے قابل ہے۔ مہری بولی سرکار وہ ٹیشن آگیا۔ ٹیشن کے لفظ پر بیگم صاحب اور بی مغلانی دونوں ہنس پڑیں۔ ٹیشن نہیں اسٹیشن کہا کرو۔ کوئی کوئی تو ٹیشن کہتے ہیں تھوڑی دیر میں اسٹیشن آگیا۔ اور مہریوں نے پردہ کیا۔ اسٹیشن پر مرزا صاحب ایک دوست محمد مرزا کو لے کر آئے تھے ڈھونڈتے ہیں تو بشیر الدولہ بہادر کا پتا نہیں۔ مہری کو دیکھ کر کہا ارے مہری نواب صاحب کہاں ہیں۔ مہری نے کہا اے لو وہ آگئے۔ بندگی حضور نواب صاحب ٹیشن پر اترے تھے۔ وہیں رہ گئے۔

ایں! اسٹیشن پر رہ گئے لاحول ولاقوۃ۔ یہ کس اسٹیشن پر رہ گئے بڑا برا ہوا۔ بیگم صاحب کو کوئی تکلیف تو نصیب اعدا نہیں ہوئی۔ بڑا صدمہ ہوا اس وقت۔"

"نہیں بہت اچھی طرح سے آئیں کوئی ہرج نہیں ہوا۔ مگر نواب صاحب کے رہ جانے سے بڑا ہی ملال ہوا۔ بڑی تکلیف ہوئی ہوگی۔

سرکار سے کہہ دو کہ فنسین بھی غلام لایا ہے، اور دو فٹن ہیں اور پالکی گاڑیاں ہیں۔

سرکار دریافت کرتی ہیں کہ نواب محمد عسکری صاحب کو تو ہمارے آنے کی اطلاع نہیں ہے۔

"اے سرکار کسی کے کان میں بھنک تک تو پڑنے نہیں پائی۔ کانوں کان کسی نے نہیں سنا۔"

سرکار پوچھتی ہیں اب یہاں کے رنگ ڈھنگ کیا ہیں یہ کیا سننے میں آیا۔؟

"غلام نے جو عرض کیا تھا وہ غلط ہو تو جو چور کی سزا وہ ہماری سزا افسوس ہے۔"

بیگم صاحب فنس پر سوار ہوئیں، دو مہریاں ادھر اُدھر ساتھ۔ اس قطع سے فنس پالکی گاڑی کے پاس آئی۔ یہاں پردہ کرایا گیا۔ بیگم صاحب سوار ہوئیں۔ ڈولیوں پر مغلانی اور ساتھ کی خادمہ عورتیں اُتریں، اور دو پالکی گاڑیوں میں سوار ہوئیں تیسرے درجے میں جو لوگ تھے ان کا انتظار نہیں کیا۔ مرزا صاحب نے محمد مرزا وغیرہ کو پلٹیاں دے دیں اور کہا سب کو لے کر پیچھے سے آؤ۔ اب سنیے کہ گاڑیاں ہنڈولے کے ناکے کے پل تک نہ پہونچنے پائی تھیں، کہ حکم ہوا روک لو۔ تین چار بار آواز آئی۔ روک لو۔ روک لو۔ گاڑی رکی تو مرزا صاحب اتر پڑے، کیوں خیریت ہے۔ یہ گاڑی کیوں روکی گئی۔ مہری نے کہا سرکار کچھ دریافت کریں گی۔ ارے سامنے میں گاڑیاں کھڑی کر۔

بیگم صاحب نے مرزا صاحب کو قریب بلایا اور جھلملیاں کسی قدر کھول کے پوچھا، کہ نواب یہاں ہیں یا باہر۔ کل حال کہہ چلو۔ مرزا قریب گئے۔ آداب بجالائے۔ اور دست بستہ عرض کیا۔ حضور کیا عرض کروں، مجھے جس قدر افسوس ہے کسو کو نہ ہوگا۔ جیسے ہی میں نے نواب بشیر الدولہ بہادر کا خط پایا ویسے ہی عرضی بھیجی کہ یہ خبر بالکل صحیح ہے وہ ایک چوڑی والی قمرن اس کا نام ہے۔ بس اسی پر لٹو ہیں۔ گھر ڈال لیا ہے۔ ابھی اس کے میاں کو خبر نہیں ہوئی ہے۔ اگر خبر ہو جائے گی تو بڑا فضیحتا ہوگا۔ دن رات اس کے مکان پر ہو حق ہوا کرتی ہے۔ اور اس کا مکان کیا معنی کیا کچھ اس کے باپ کا مکان ہے، وہ بازار والوں کے حوالی موالی کثرت سے رہتے ہیں۔

بیگم صاحب کو سخت افسوس ہوا۔ ارے یہ دولہا بھائی کو کیا سوجھی۔ وہ تو ایسے نہ تھے اور غضب خدا کا ہم کو لکھتے ہیں کہ یہ خبر غلط ہے۔ اچھا تو اب باجی کے یہاں بھی نہ رہیں گے۔ مرزا صاحب نے کہا حضور نواب سطوت بہو کے ہاں چل کے رہیں گے ان کو کل امور کی خبر ہے۔ پرسون

مجھے بلا کر دو گھنٹے تک یہی گفتگو کیا کیں، ان کو بڑا افسوس ہے۔
بیگم۔ اے افسوس اب ان کو بھی نہ ہو تو حد ہے بس۔
مرزا۔ سرکار بڑی محبت ہے آپ سے واللہ۔
بیگم۔ نواب سطوت بہو کی ڈیوڑھی پر چلو سیدھے۔
مرزا صاحب نے گاڑی بان کو حکم دیا کہ سنتے کانوں چلو راستے میں مغلانی سے بیگم صاحب اپنے افسوس کا اظہار کرتی جاتی تھیں۔ اور کبھی کبھی آنسو بھی ڈبڈبا آتے تھے۔ مغلانی سمجھاتی جاتی تھی کہ سرکار اس سے کیا فائدہ دیکھیے اللہ نے چاہا تو موئی منہیارن کھڑے کھڑے نکال دی جائے گی ایسی بات ہے بھلا۔ نواب بشیر الدولہ بہادر ایسے ویسے آدمی نہیں ہیں بیگم صاحب نے کہا مغلانی یہ آدمی اچھا نہیں ہے۔ بات پیچھے کرتا ہے بوسہ پہلے مانگتا ہے یہ بڑا ستم ہے اس کا کیا جواب دوں بات ہوئی بوسہ لاؤ۔
مغلانی نے بہت سمجھایا کہ حضور ذرا صبر کیجیے دیکھیے تو خدا کو کیا منظور ہے۔
بیگم۔ اللہ مالک ہے۔ مگر آدمی بیڈھب ہے۔
مغلانی۔ دم دھاگے میں رکھو۔ ہاں ہاں کرتی جاؤ۔
بیگم۔ مجھے بڑی ہنسی آتی ہے۔ ذری بوسہ دو۔
مغلانی۔ کہو آج نہیں کل۔ کل نہیں آج کے کل۔
بیگم۔ وہ تو زبردستی ہونٹھ چوسنے پر آمادہ ہے۔
مغلانی۔ اگر ایک آدھ دفعہ چوم بھی لے تو خاموش ہو رہنا زیادہ روکھاپن بھی نہ ظاہر ہو۔
بیگم۔ اے نہیں، پھر تو شیر ہو جائے گا۔ سمجھے گا کھا یدی۔ یہ تم کیا صلاح دیتی ہو۔
مغلانی۔ تو سرکار اگر دو چار بار چوم لیں اور آپ کا جو اصل مطلب ہے کہ وہ موئی چوڑی والی نکال دی جائے وہ حاصل ہو جائے تو پھر ہرج کیا ہے۔

بیگم ۔ واہ ایسا مطلب نکلنا نہیں چاہتے جو ہو ساتھ آبرو کے آبرو ریزی ہوئی تو کیا۔ بوسہ دے کے کام نکلا تو کیا نکلا ہمیں پسند نہیں۔

مغلانی۔ اچھا تو پھر ایک کام کیجئے۔ اب سامنا نہ کیجئے جو گفتگو ہو ہمارے ذریعے سے کہہ دیجئے کہ سطوت بہو کے گھر پر ملنے کا موقع نہیں ہے۔

بیگم ۔ یہ بات وہ بات ۔ بیگم جانی۔ ذرا چومنے دو، ایں! اوئی چومنا کیا دونوں وقت کی روٹی ہو گئی۔

اتنے میں گاڑی رکی ۔ سطوت بہو کی ڈیوڑھی آگئی۔ پردہ ہوا بیگم صاحب اندر تشریف لائیں ان میں اور سطوت بہو میں بڑی محبت تھی۔ اس طرح پر دونوں ملیں جیسے برسوں کے بچھڑے ہوئے ملے۔ نہ خانے میں جاکر دونوں بیٹھیں صرف ایک خواص اور ایک مصاحب حاضر رہی ۔ سطوت بہو نے افسوس کرنا شروع کیا۔ بہن اس بلا سے اک تمہیں دونوں بہنیں بچی تھیں کہ سوت کی آنچ نہیں دیکھی تھی۔ سو تیاڈاہ سے ایک تمہیں ہمارے خاندان میں بچی ہوئی تھیں۔ مگر اب رنگ بدرنگ ہے۔ اے تم نے تو دیکھا ہوگا بہن وہی قمرن ایک ہزار ہی دفعہ دیکھی ہوگی۔ انھوں نے کہا ہاں ہاں خوب یاد ہے گوری گوری چلبلی سی۔ مگر کہتی ہوں یہ دولہا بھائی کو کیا ہوا مجھے اسی کا تعجب ہے دولہا بھائی تو ایسے تھے نہیں۔

خواص۔ حضور وہ کہاں کے بڑے پارسا ہیں۔

مہری۔ اے سرکار ان رئیسوں میں کسی کا اعتبار نہیں۔

خواص۔ اس میں چاہے چوڑی والی ہو چاہے کہاری کے باشد جوان ہو۔

سطوت۔ تو نواب عسکری، اور رونق جنگ سب اسی رنگ میں آگئے۔

مصاحب۔ حضور وہ درزن پیاری نامی۔

خواص۔ اے چپ بھی رہ اس میں بدنامی ہے۔

بیگم۔ اس میں بدنامی کاہے کی ہے۔

سطوت۔ دس ہ میں تم کو سارا حال نہ بتا دوں یہ تین چار آدمیوں کا گٹ

ہے۔ ایک عسکری دولہا۔ دوسرے رونق جنگ تیسرے وہ آغا۔ چوتھے چھٹن صاحب نواب۔

ب۔ نواب رہتے اسی گھر میں ہیں۔

س۔ تمہارے بغیا والے مکان میں رہتے ہیں۔

ب۔ بہن کیا کروں اب یہ سب کے سب ایک ہوگئے۔ ہمارا ساتھ دینے والا کون ہے اب۔ بجز خدا کے کوئی نہیں۔ اسی کی کریمی پر سہارا ہے۔

س۔ بہت بڑا سہارا تو وہی ہے بہن۔

ب۔ کیا شک ہے (آہ سرد بھر کر) میر اکلمتہ کا قیام بس غضب ہوگیا۔ نہ میں بختون چلی جاتی اور نہ یہ دن دیکھتی کہ سوت کے گھر رہتے ہیں ؎

رانڈ ہو گور کا منھ یا اری کمن دیکھے
لو ج منہ سوت کا دنیا میں سہاگن دیکھے

س۔ ہے تو یہی، اور پھر وہ جس کو اس کی عادت نہ ہو۔ ہم تو یہ سب پاپڑ بیلے ہوئے ہیں بہن۔ دونوں بیاہتا بیویاں ہیں میاں کے ہمارے۔ ایک میں، اور ایک اختر محل اور ایک دھوبن گھر ڈال لی ہے۔

ب۔ ہم پر تو بہن یہ نئی مصیبت پڑی ہے۔

س۔ بے شک تم پر نئی نئی مصیبت پڑی ہے۔

ب۔ اچھا بھلا اب وہ ڈائن کیسے چھوٹ سکے گی۔

س۔ یہ اللہ جانے۔ یقین تو نہیں ہے بہن۔

ب۔ سچ کہوں یقین تو مجھ کو بھی نہیں ہے اور یقین کا ہے سے ہو بھلا۔ یقین آنے کی کون بات ہے۔ جو دل آگیا ہے تو کوئی ہزار کوشش کرے کچھ نہ ہونے کا۔ اور جو دل نہیں آیا ہے تو ادھر میں بھی آگئی ہوں، کیا عجب ہے کہ دل اس سے ہٹ جائے اب معلوم ہی ہو جائے گا۔ میں چھپ کے آئی ہوں۔ ذری باجی جان کو بلواؤ۔ ان کو اللہ جانے معلوم ہے یا نہیں۔

مہری کو حکم ہوا اور بموجب حکم وہ نواب رونق جنگ بہادر کی ڈیوڑھی پر آئی محل سرا میں جا کر عرض کیا کہ حضور کو بلایا ہے۔ مگر اس سے کہہ دیا گیا

تھا۔ کہ نواب نادرجہاں بیگم کے آنے کا حال خبردار نہ بتانا۔

بیگم صاحب فنس پر سوار ہوئیں، چار سپاہی اور ایک مہری ساتھ۔ پیچھے ڈولی پر ایک مصاحب۔ جب ڈیوڑھی پر فنس پہونچی تو پردہ کر دیا گیا۔ اور بیگم صاحب داخل ہوئیں۔۔ایں! تم کب آئیں بہن خیریت تو ہے۔ تمہارا کہو چہرہ کیوں اُترا ہے۔ اور یہ تم آئیں کب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کچھ۔ نادر جہاں بیگم ہنسنے لگیں۔ اور سطوت بہو نے کہا واہ عفت واواہ (رونق جنگ کی بیوی) بہن کے اوپر خدانخواستہ چھری پھیری جاتی ہے۔۔ اور تم کانوں میں روئی ڈالے بیٹھی ہو۔ یہ کلکتے سے دوڑی آئیں اور تم کو ذرا خبر نہیں۔ اور تمہارے ہی محلے کی بات ہے۔

عفت آرا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ گھبرا کر استفسار حال کیا۔ اے بہن یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔ اللہ خیر کیجیو، ہمارے پانوں تلے سے مٹی نکل گئی۔ یہ چھری پھیرنا کیا معنی، اب پہیلیاں نہ بجھواؤ صاف صاف کہہ چلو۔

سطوت۔۔ وہ قمرن چوڑی والی کہاں ہے؟

عفت۔ قمرن کہیں بھاگ گئی کسو کے ساتھ۔

سطوت۔ کس کے ساتھ؟ وہ کون ہے۔

عفت۔۔ ہم نے نہیں سُنا۔ سُنا کسو تنبولی کے ساتھ بھاگ گئی۔ پھر سُنا کوئی اور بھگا لے گیا۔

سطوت۔ (جھلا کر) تمہارا سر، وہ تمہاری بہن کی سوت بنی ہوئی ہے اور تم کو خبر نہیں۔

عفت۔۔ اوئی اے یہ تم کیا بکتی ہو۔

سطوت۔ میں سچ کہتی ہوں۔ انھیں کے سر کی قسم۔

عفت۔۔ ہٹو بھی ہمارا سر کیا کدو ہے کچھ۔

سطوت۔ تمہارے سر کی قسم بہن۔ بھیّا کے سر کی قسم۔ کوئی اپنے لعل کی قسم جھوٹی کھاتا ہے۔۔ کچھ سٹرن ہوئی ہو گیا۔

عفت۔ (ہاتھ مل کر) اب کیا ہوگا۔ اے یہ ہوا کیا۔ اور مجھ کمبخت کو اتنے

دنوں تک خبری نہ ہوئی۔ اور دیوار سے دیوار ملی ہوئی ہے۔ یہ کیا ہوا کیوں کر ہوا۔ کچھ کہو تو ہم سے یہ بیٹھے بٹھائے کیا گل کھلا۔

نادر جہاں۔ اور دولہا بھائی کو بھی معلوم ہے۔

عفت آرا بیگم کو اس خبر وحشت اثر کے سننے سے سخت قلق ہوا مگر قلق سے زیادہ حیرت تھی کہ یہ قمرن کیوں کر وہاں پہونچی۔ اب سب کی صلاح یہ ہوئی کہ سطوت بہو کے ہاں چنٹو کی جورو، اور نازو اور قمرن بلوائی جائیں۔ چنانچہ مہری کو حکم دیا گیا اور تاکید کی گئی کہ خبردار خبردار ان کے آنے کا مطلق ذکر نہ کرنا۔ اتفاق سے جس وقت مہری گئی اس وقت نازو بھی وہیں موجود تھی۔ نازو کی ماں نازو کو لے کر چلی مہری نے کہا اور چوڑیوں کا ٹوکرا۔ کہا اب ہم نے یہ کار چھوڑ دیا ہے۔ مگر بیگم صاحب کا نمک کھایا ہے انھوں نے کہو یاد فرمایا ہے۔ نمک حرامی ہے جو نہ جائیں مہری سمجھ گئی کہ وہ خبر صحیح ہے۔ ورنہ چوڑی والی اور اپنا کام چھوڑ دے۔ ہنسوڑا اور ٹھٹول تو تھی ہی۔ پوچھا پھر اب کون کار کروگی تنبولن کی دکان رکھ لو۔ ہمارے بھی خوب مزے سے گلوریاں کھانے میں آئیں گی کہاں کا جھگڑا۔ اور ہاں یاد آیا۔ اے لو بھول ہی گئی تھی۔ قمرن کو تو لے چلو۔ کہا قمرن کا حال تم نے نہیں سُنا۔ اے لو اس کو تو آج اتنے دن ہو گئے مہری کو دل لگی سوجھی حیرت کے ساتھ بولی۔ اے ہے یہ کب جاتی رہی نازو بگڑ کے کچھ جواب دینے ہی کو تھی کہ اس بوڑھی نے کہ خُرانٹ اور تجربہ کار تھی کہا۔ بہن ہمارے نزدیک تو مر جانے سے بھی بدتر ہے۔ کیا جانے کس کے ساتھ بھاگ گئی۔ بڑا غضب ہو گیا مہری۔

مہری نے حیرت کے ساتھ کہا۔ کیا؟! ارے بھاگ گئی ہے ہے۔ یہ بڑا اجب ہو گیا۔ اور بھاگی کس کے ساتھ۔ کہا کیا معلوم کنوؤں میں بانس پڑ پڑ گئے۔ مگر اس کا پتا نہ ملا نہ ملا۔ کیا جانے کون پھُسلا لے گیا اور تم بھی اتنے دن سے اس کو دیکھتی تھیں، کبھی کوئی بات بُری دیکھی؟ کبھی بُری راہ چلتے دیکھا؟ کبھی نہیں۔

واہ اوپر سر اٹھا کے چلتی نہ تھی۔ نیچے نظر کیے آنا، اور نیچی نظر کیے

ہوئے جانا. کسی سے مطلب اور نہ سروکار۔ اور سوا نواب کے اور کوئی بتاتو دے کہ میرے یہاں آئی تھی. مگر ہماری قسمت۔ اس کو ہم کہاں لے جا کے چھوڑیں۔ پھنس گئے۔ اس کو یا تو کوئی زبردستی بھگا لے گیا. یا دم دھاگا دے کے.

مہری نے بڑا افسوس ظاہر کیا۔ پوچھا نازو تم کو کسی پر شک ہے۔ یہ بولی اب ہم کس کا نام بتائیں۔ کس پر شک کریں للتو اپر لوگوں نے تہمت لگائی تھی۔ مگر وہ بھی جھوٹ نکلا۔

مہری۔ کیا جانے بچاری کہاں ہوگی اور کس طرح پر ہوگی۔

نازو ۔ بس کچھ پوچھو نہ بہن. کیا کہیں۔ افسوس۔

مہری ۔ اور شاید کسی امیر کے ہاں چین کر رہی ہو۔

خدا خدا کر کے چنو کی بیوی مع نازو کے سطوت بہو کے ہاں پہونچیں۔ دونوں نے جھک کے سلام کیا۔ اور زمین پر بیٹھ گئیں۔ اور جب سطوت بہو نے اشارہ کیا تو جا کے پائیں بیٹھیں۔ "حضور کو بہت دن بعد دیکھا۔

سطوت۔ قمرن کہاں ہے چنو کی جورو۔

ضعیفہ۔ حضور کیا عرض کرے لونڈی۔

سطوت۔ (اے نازو قمرن کیوں نہ آئی) ۔

نازو۔ حضور ۔۔ (گردن نیچی کر لی)

سطوت ۔ اے چوڑیاں نہ لائیں۔

ض ۔ سرکار میں تو مرتے مرتے بچی۔ میرے بچنے کی کس کو امید تھی. مگر اللہ نے ان بچوں پر رحم کیا۔

سطوت۔ ارے تو چوڑیاں کہاں ہیں۔ کیا بیمار ہونے سے چوڑیاں بھی بیمار ہو گئیں۔

ض ۔ حضور میں اپنا حال کیا بیان کروں (گردن نیچی)

س ۔ کیوں کیوں آخر کچھ کہو تو۔ خیریت تو ہے ۔ یہ ہوا کیا۔ کچھ کہہ کے رک کیوں جاتی ہو۔

ضن۔ حضور کیا عرض کرے لونڈی۔ میرے اوپر تو آسمان پھٹ پڑا۔ ہائے ہائے۔
عفت آرا۔ اے کیا قمرن بھاگ گئی۔
ضن۔ (کانپتی ہوئی) ہاں حضور کئی دن ہوئے۔
عفت۔ یہ کون بھگا لے گیا۔ آخر یہ ہوا کیا۔ کچھ پتا بھی لگا۔ وہ تو ایسی تھی نہیں۔
ضن۔ حضور ایک دن اس کا میاں آیا۔ کہا لینے کو آیا ہوں۔ میں نے کہا وہ یہاں کہاں، وہ تو تمہارے ہی یہاں ہے بیٹا۔ کہا واہ واہ ہمارے یہاں تو پرسوں سے نہیں ہے۔ بس چوطرفہ شہر بھر میں ڈھونڈتے پھرے۔ ہائے ارے قمرن وقار لے گئی۔
نازو۔ حضور کو تو معلوم بھی ہوگا۔
عفت۔ اے ہاں سُنا تو تھا مگر سنتے ہیں کسی نواب کے گھر پڑ گئی ہے۔
ضن۔ (بڑی حیرت کے ساتھ) کیا؟

نازو کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ مگر ضعیفہ خوب سنبھلی۔ قطعی انکار کیا۔ نہ معلوم کس نواب کے ہاں ہے۔ کیا پکی خبر ہے حضور؟ میں تو انگاروں پر لوٹ رہی ہوں۔

عفت آرا نے کھود کھود کے پوچھنا شروع کیا۔ کہ آخر کچھ پتا لگا کہ قمرن کہاں ہے۔ کہیں ٹھکانا ہے۔ کسی پر شک ہے۔ اتنے دنوں میں کچھ تو معلوم ہوا ہوگا۔

چنو کی جورو نے منہ اس طرح بنا لیا کہ گویا بڑی افسوس ناک حالت ہے۔ سرکار جب سے ... سے پتا نہیں ملا۔ اللہ جانے کیا ہو گئی وہ۔ معلوم ہوتا ہے یا تو کسی پر فریفتہ ہوگئی۔ اور یا کوئی جُل دے کے دم دھاگوں میں بھگا لے گیا۔ چھوکری تو ابھی ہے ہی۔ چکمہ چل گیا۔ اس کا نام لیتے ہوئے ہمیں۔ اب کیا عرض کروں۔ خاندان بھر کا نام ڈبو گئی۔ اور ہم کو کہیں کا نہ رکھا اب کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑتی۔

عفت آرا بیگم نے مسکرا کر پوچھا اور یہ افواہ ہے کہ کسی نواب کے گھر پڑ گئی ہے۔ اور چین کرتی ہے۔ اور نازو بھی وہیں رہا کرتی ہے۔

اور کبھی کبھی تم بھی جاتی ہو یہ غلط ہے سب۔ نازو کی ماں کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ سرکار اب خلقِ خدا کی زبان کون روکے۔ کس میں اتنی طاقت ہے۔ مگر ہمارا اللہ ہی جانتا ہے کہ ہم کو اس روز سے آج تک جو خبر بھی ہو کہ جیتی ہے یا مر گئی۔ لکھنؤ میں ہے یا باہر۔

سطوت بہو نے ان سے بڑی ہمدردی کی تم نے کس کس دقتوں سے پالا تھا چنو کی جورو۔ آپ فاقہ گوارا کیا۔ ان دونوں کو سونے کا لقمہ کھلایا آپ پھٹا پرانا پہنا ان کو نیا کپڑا پہنایا آپ دھوپ میں دوڑیں۔ ان کو ٹھنڈے میں رکھا۔ سردی کو سردی گرمی کو گرمی نہیں مانا۔ مگر ان سب کا ثمرہ یہ پایا۔ یہ اپنی قسمت ہے۔ اوس پڑ گئی تم پر۔ اس سے تو مر ہی جاتیں تو اچھا تھا۔ بال بچّہ خدا دے تو نیک چلن دے نہیں تو نہ دے۔

خواصوں میں سے ایک نے کہا حضور میں تو اس کی وضع چال ڈھال، اور چلبلاہٹ ہی دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ یہ چھوکری ٹھیک نہیں ہے۔ سو وہی ہوا۔ نچلی تو بیٹھتی ہی نہ تھی۔ اور بازار میں تو توبہ ہی بھلی۔ بس کیا کہوں مردوں سے خود چھیڑ کے جگت اور پھکڑ لڑتی تھی۔ کوئی چھیڑے یا نہ چھیڑے وہ خود چھیڑنے کو تیار رہتی تھی۔ اور للّو تنبولی سے تو گہری چھنتی تھی۔ گھنٹوں ہنس ہنس کے دونوں میں باتیں ہو رہی ہیں۔ وہ گلوری پر گلوری بنا کے دیتا جاتا ہے۔ اور یہ چکھتی جاتی ہیں۔ اور کھل کھلاتی جاتی ہیں۔ اور وہ موا اس کا میاں دیکھتا ہے اور ٹال جاتا ہے۔ ایسا بے شرم نہ ہوتا تو یہ ہوتا ہی کاہے کو۔ عفّت آرا نازو کو علیٰحدہ کمرے میں لے گئیں اور یوں باتیں کرنے لگیں۔

ارے نازو سچ سچ بتا دے قمرن کہاں ہے۔ اگر اس کو بھاگ ہی جانا تھا میاں پسند نہیں ہے۔ تو ایک کام کرو اس کے میاں سے فارخطی (فارغخطی) دلوا دیں اور کچھ لے دے کے یہ کارروائی ہو جائے۔ پھر اس کے بعد ہمارے بہنوئی نواب محمد عسکری سے نکاح پڑھوا دیں۔ ہماری بہن کے لڑکا پالا نہیں ہوا اور نہ اب کوئی امید باقی رہی ہے۔ شاید قمرن سے کوئی لڑکا ہو جائے نازو دم میں آ گئی۔ کہا اور جو سرکار نواب صاحب نے نکاح نہ منظور کیا

تو اُدھر میاں بھی چھوٹا' اور ادھر سے بھی گئی گذری۔ نہ ادھر کی نہ اِدھر کی۔ یہ بلا کدھر کی۔ عفت آرا بیگم اب اس سے بے تکلفی کی باتیں کرنے لگیں۔ دیکھ نازو اس میں بڑی بات یہ ہے کہ قمرن مل جائے مل جانا شرط ہے۔ بس پھر ہم اس کو سب ٹھیک کر لیں گے اور ہم جانتے ہیں کہ قمرن کو نواب پسند بھی کریں گے نازو کی زبان سے نکل گیا۔ (پسند اسے دیکھتے ہی رکھ جائیں گے ایسی بات ہے بھلا۔ لٹو ہو رہے ہیں۔ وہ۔ (بات بنا کر) میرا مطلب یہ تھا کہ لٹو ہو جائیں۔ اچھا تو میں قمرن کو ڈھونڈ نکالوں پھر۔ مگر اپنے قول پہ پوری رہیے گا۔ بدل نہ جائیے گا۔

عفت آرا نے اور بھی دم دھاگا دیا۔ تمہارے کہنے کی بات ہے۔ قول جان کے ساتھ ہے۔ تم قمرن کو یہاں تک لاؤ۔ تو پھر ہم سب ٹھیک کر لیں گے۔ مگر دیکھو جس کے گھر پڑ گئی ہے۔ اس کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ خوبصورتی اس میں ہے۔

نازو اپنے دل میں ہنسی اور سوچنے لگی کہ یہ ترکیب سب سے اچھی ہے۔ مزے سے کدرا کو روپیہ دے لے کے فارخطی (فارغخطی) ہو جائے اور نواب نکاح پڑھا لیں۔ ان کے مرنے کے بعد آدھی دولت کی یہ مالک ہو گی اور آدھی کی بیگم صاحب۔ چین ہے بس۔

عفت۔ تو اب قمرن کو کب تک لاؤ گی نازو۔

نازو۔ اے حضور یہی دو ایک روز میں بس۔

عفت۔ مگر رات کے وقت لانا۔ دن نہ ہو خبردار

نازو۔ نہیں حضور دن کو کیوں کر آ سکتی ہے بھلا۔

عفت۔ دن کے آنے میں پکڑی جائے گی سمجھیں نا۔

نازو۔ سرکار اب کیا اتنا بھی نہیں سمجھ سکتی ہوں۔

عفت۔ مزے سے شادی ہو جائے گی۔ پرسوں ہی نکاح لو۔ چٹ مری منگنی پٹ مرا بیاہ

نازو۔ اے تم سلامت رہو گاڑھے وقت آڑے آنے والی کیا تدبیر بتائی ہے۔

عفت۔ مگر اس خوبصورتی سے لاؤ کہ کسی کو خبر نہ ہو۔

نازو۔ حضور ڈولی پر سوار کرا کے بس لے آؤں گی۔
عفّت۔ ہاں مگر آفتاب غروب ہو گیا ہو۔ شام کے بعد اس کا ذرا خیال رہے۔
نازو۔ اے یہی کوئی دو گھڑی رات گئے۔ بس اور کیا۔
عفّت۔ دیکھ تو تم کو کیسا مالا مال کر دیتی ہوں۔
نازو۔ حضور ہی کا دیا نمک کھاتے ہیں۔ کسو اور کا۔
عفّت۔ اللہ سب کا دینے والا ہے۔
نازو۔ حضور بس ایسا کریں کہ دو ہی ایک دن میں فارغ خطی بھی ہو جائے اور نکاح بھی ہو جائے جس میں پھر کوئی جھگڑا نہ رہنے پائے۔
عفّت۔ سب ہو جائے گا گھبراؤ نہیں۔
نازو۔ اللہ کرے نکاح کے بعد لڑکا ضرور ہو۔
عفّت۔ انشاء اللہ۔ اس کی کرمی سے کیا بعید ہے اس کو دیتے کچھ دیر لگتی ہے۔

چنو کی جورو کے حواس غائب تھے۔ کہ نازو دیکھئے کیا ستم ڈھاتی ہے۔ عفّت آرا بیگم بے طور اس چھوکری کو علیٰحدہ لے کر گئی ہیں۔ ایسا نہ ہو دم میں آجائے، اور قبول دے تو بس کیا کرایا سب مٹی میں مل جائے۔ اور بدنامی اور جگت ہنسائی ان سب پر طرّہ۔

عفّت آرا بیگم نے اس کا بھی دفع دخل کیا۔ کہا سنو نازو تمہاری بوڑھی دادی اس بات کو نہ مانے گی۔ مگر بیوقوفی ہے بوڑھی عورتوں کے حواس تو ٹھیک رہتے نہیں ہیں اونچ نیچ کچھ نہیں سمجھ سکتیں۔ اور چڑچڑی ہو جاتی ہیں۔ ان سے کہنے میں معاملہ سب بھر بھنڈ ہو جائے گا۔ اور پھر کچھ بھی نہ ہو سکے گا۔

ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

نازو کے دل پر اس امر کا نقش بخوبی منقوش ہو گیا کہ عفّت آرا بیگم قمرن کی خیر طلب ہیں۔ بدخواہ نہیں ہیں اور ضرور ضرور نکاح ہو جائے گا۔ دل میں سوچی کہ امّی جان سے کہنا فضول ہے چپ چپاتے ہی یہ کارروائی کر دو۔

جس میں امی جان بھی پھر خوش ہو جائیں کہ ان چھوکریوں نے اپنی کارستانی سے نکاح بھی کر لیا۔

الغرض عفت آرا بیگم اور ناز و بڑی دیر تک گفتگو کر کے وہاں جا کے بیٹھیں جہاں سب بیٹھے تھے۔

چنو کی جورو چاہتی تھی کہ رسّیاں توڑا کے بھاگے۔ کہا سرکار اب اجازت ہے؟ حکم ہو تو جائیں۔

سطوت بہو نے کہا اچھا۔ مگر کبھی کبھی آیا کرو چنو کی جورو ناز و تو نے تو آنا ہی چھوڑ دیا۔ کہا سرکار اب ضرور کر کے حاضر ہوا کروں گی۔

جب یہ دونوں چلی گئیں تو عفت آرا نے کہا بس اس میں ذرا شک نہیں ہے کہ وہ خبر صحیح ہے۔ ناز و سے صاف قبولوا لیا ہے۔ بس اب دیکھو تو ہوتا کیا ہے۔

اس کے بعد ساری داستان بیان کی اور کہا بے نواب بشیر الدولہ کے آئے کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی ہے۔ اور وہ آج پہونچ بھی جائیں گے کیوں کہ بشیر الدولہ اور عسکری دولہا بھائی بھی چچازاد بھائی ہیں۔ بلکہ ان دونوں میں بڑا یارانہ ہے۔ اور پینگ بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ان کا کہنا بھی مانتے ہیں، مگر واہ ری قمرن کہاں سے کہاں پہونچی۔ بھیّا کی موچھوں کے کونڈے کے دن سے یہ اس پر ریجھے ہوئے تھے۔ میدان خالی پا کر چلو بس خوب کھل کھیلے۔ افسوس۔

نادر جہاں بیگم نے کہا باجی جان کیا ناز و صاف صاف قبول دی کہ نواب کے گھر پڑ گئی۔

عفت آرا بولیں اے تم تو عجب طرح کی باتیں کرتی ہو۔ بھلا وہ کوئی دیوانی ہے کہ قبول دیتی۔ اچھا تم کو اس ٹھائیں ٹھائیں سے کیا مطلب ہے۔ آج کے تیسرے روز نہ میدان خالی کرا دیا ہو تو سہی۔ نادر جہاں بیگم کی جان میں جان آئی کہ مار لیا ہے۔

اب سنئے کہ ناز و کی ماں نے تھوڑی دور جا کر پوچھا کہ بیٹا تم سے

بیگم صاحب کیا دریافت کرتی تھیں اس نے کہا امی جان ہم سے دھڑ دھڑ کے پوچھتی تھیں کہ قمرن کہاں ہے اور ان کو یہ شک ہے کہ قمرن کو نواب رونق جنگ بہادر نے گھر ڈال لیا ہے جبھی تو بیقرار ہیں۔ اور بیقراری آخر کیا ہے ہیں نے لاکھوں قسمیں کھائیں تو ان کو یقین آگیا۔ کہنے لگیں کہ اگر ایسا ہی ہے تو میرے میاں پر رحم کرو۔ عسکری دولہا کے گھر پڑ جاتے ہم اپنی بہن اور بہنوئی کو اس بات پر راضی کر لیں گے بس۔

بڑھیا چکمہ کھا گئی خوش ہو کے بولی اچھا تو ہے۔ اگر نکاح ہو جائے تو پھر کوئی بات ہے۔ مگر۔

نازو نے کہا امی جان اگر مگر رہنے دو۔ نکاح اب ٹل نہیں سکتا۔ ہو اور ہو۔

ضعیفہ۔ یا خدا ہم غریبوں کی سن لے ؎

ندارم غیر از تو فریاد رس

تو ئی عاصیان را خطا بخش و بس

بس اگر نکاح ہو جائے تو کیا کہنا ہے۔ پھر کوئی جھنجھٹ نہ رہے۔ اور پھر کسی کے کرتے دھرتے کچھ نہ بن پڑے گی۔ جیسے بیاہی بیوی ویسے یہ۔ فرق کیا ہے۔ مگر گھر پڑ جانے سے کیا ملے گا۔ جیسے اور بازاری عورتیں ویسے یہ۔ جب چاہیں ہاتھ پکڑ کے نکال دیں۔ داد نہ فریاد۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ مگر نکاح کے بعد پھر سو لہوں آنے کی مالک ہیں۔

ضعیفہ تو مکان گئی اور ناز و قمرن کے پاس پہونچیں۔ راستے سے ڈولی پر سوار ہوئی تھیں، اور ایک جان پہچان عورت کو ساتھ لے لیا تھا۔ ڈیوڑھی پر ڈولی سے اتریں اور چھم چھم کرتی ہوئی کوٹھے پر گئیں۔ دیکھا تو قمرن لیٹی ہوئی مغلانی سے باتیں کرتی ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر مہتابی پر لے گئیں۔ کہا بہن مبارک نواب چین ہی چین ہے۔ نواب کہاں گئے ہیں۔ کہا کیا جانیں کہاں گئے ہیں۔ کہہ گئے تھے کہ ابھی آتا ہوں اور یہ مبارک بادی کا ہے کی ہے۔" نازو مسکرائی۔ مبارکبادی! تمہارا اور نواب صاحب کا نکاح

پرسوں تک ہو جائے گا۔
قمرن ۔(خوش ہو کر) یہ کہاں سے معلوم ہوا۔
نازو۔ مگر نواب سے اس کا ذکر نہ آنے پائے۔
قمرن۔ یہ کیوں۔ اچھا ہم نہ کہیں گے۔
نازو۔ اور جو وہ خود چھیڑیں تو تم بات کو ٹال دینا۔ کہنا نکاح تو اسی دن ہوا جب ہم گھر بار تج کے تمہارے گھر آئے۔ میاں کو چھوڑا۔ عزیزوں کو چھوڑا۔ سارے میں بد نام ہوئے۔ اور اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ اور یہ کہہ کر رونے لگنا۔
قمرن۔ اچھا باجی۔ تم سکھا دو بس پھر ہم سب سمجھ لیں گے۔ میں بھی بڑی وہ ہوں۔ اس طرح بیان کروں کہ نواب کا دل پانی ہو جائے۔
نازو۔ بہن اب جیت ہمارے ہاتھ ہے۔ نادر جہاں بیگم تو کلکتہ میں جا کے بیٹھی ہیں۔ ان کو کیا خبر کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ یہی موقع ہے۔ اصل یوں ہے کہ عفت آرا بیگم کو کسو نے یقین دلا دیا ہے کہ قمرن کو نواب رونق جنگ نے گھر ڈال لیا ہے۔ تو اب وہ کوشش کر رہی ہیں کہ کدرا کو کچھ لے دے کے نواب عسکری کے ساتھ تمہارا نکاح ہو جائے۔
قمرن۔ اور اس کا کچھ خیال نہیں کہ بہن کی سوت آئے۔
نازو۔ زمانہ نازک ہے کس کی بہن اور کس کا بھائی اپنے حلوے مانڈے سے مطلب ہے۔
قمرن۔ بیشک زمانہ تو ایسا ہی جاتا ہے۔
نازو۔ اور دیکھو اغلانی مغلانی کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ خبردار خبردار۔ نہیں تم ہی پچھتاؤ گی۔ میرا کیا ہوگا۔ ہم نے تو اپنی سی کوشش کی اب۔ آگے تمہاری قسمت۔
قمرن۔ تو میں کہنے ہی کیوں بیٹھوں گی۔ کیا مجھے تم نے بالکل بیوقوف ہی سمجھا ہے۔
نازو۔ اس بات پر کیا فرض ہے کوئی بھید کسی سے نہ کہو۔ سمجھ گئیں۔

بس اس بات کو گرہ دے لو۔

قمرن ۔ اچھا عمر بھر یاد رکھوں گی۔

نازو ۔ تم تو اپنا سمجھ کے کہو اور وہی الٹے دشمن اور بیری بن جائے۔

قمرن ۔ نا بہن۔ اب جو کسو سے کہوں باجی جان تو گنہگار تم ہمارے ہی بھلے کے لیے کہتی ہو۔

نازو ۔ اچھا اب یاد رکھنا اس میں فرق نہو۔ عمر بھر چین کروگی اور بیگم بنی رہو گی۔

قمرن ۔ جو کہو سو کروں۔ مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔ مگر ہاں گھُڑکی جھڑکی نہیں سنوگی۔

نازو ۔ (گلے لگا کر) اچھا یہ بھی مانا۔

قمرن ۔ امی جان کو آج بلوائیں گے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے تم اپنے ساتھ کیوں نہ لیتی آئیں۔ اب آج ضرور بلوائیں گے۔

نازو ۔ اب آج نہیں اور کوئی دن۔

قمرن ۔ ہمارا تو اس وقت بہت دم گھبراتا ہے۔

نازو ۔ بس اب یہی تو تم میں عادت خراب ہے۔ کسو کا کہنا بھی آدمی مانتا ہے۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

کدرا ۔ میری پیاری قمرن۔ تم کہاں چلی گئی تھیں۔ جانی اے اللہ تری سان۔ ہم اور رکمرن آج پاس پاس بیٹھے ہیں۔

قمرن ۔ اللہ جانتا ہے جو ہمیں چھوا تو ہم بگڑ جائیں گے بس فوراً الگ ہے۔ الگ رہو۔ تری صورت سے مجھے نفرت ہے۔

کدرا ۔ (ہاتھ جوڑ کر) جانی جان جاتی ہے ارے کمرن تم نے مار ڈالا (پھر ہاتھ جوڑ کر) ارے تو بھاگ کہاں گئی تھی۔ میں تیرے صدکے (صدقے) تو کہے تو میں اپنی جان تک۔ تجھ پر سے صدکے (صدقے) کر دوں۔

قمرن ۔ الگ ہٹ مونڈی کاٹے۔

کدرا۔ ارے تو تو میری جورو ہے۔
قمرن۔ ایڑی چوٹی پر قربان کیا تجھ کو۔
کدرا۔ اچھا کمرن سنو تو۔
قمرن۔ (جھٹک کر) یا میرے اللہ یہ مجھے کیا ہوا۔
کدرا۔ (پانئوں پر سر رکھ کر) مجھے اپنا گلام سمجھ۔
قمرن۔ اچھا ایک بات سن لے۔ ارے جب میں تیرے یہاں سے بھاگ گئی تو پھر اب تو کیوں مجھے چاہتا ہے۔ میں تیری بیاہتا بیوی اور بھاگ گئی تو میں اس قابل ہوں کہ تو مجھے گھر سے نکال دے۔ جو کچھ حمیت اور غیرت ہے۔
راوی۔ حضرات ناظرین! کیا نازک بات ہے۔ بیوی میاں سے کہہ رہی ہے کہ میں تیرے گھر سے نکل گئی۔ اب تو کیوں مجھے بیوی کہتا ہے۔ اور میاں ہاتھ جوڑ کے کہتا ہے کہ میں صدقے میں قربان میں اپنی جان تجھ پر سے نثار کروں۔
کدرا۔ (آنکھوں میں آنسو بھر کر) میں تیرے لیے کپور (کانپور) گیا وہاں لوگوں سے لڑا۔ للتوا کو مارا۔ اور کیا جانے کیا کیا پاپڑ بیلے۔ مگر شکر اللہ کا کہ پھر ہم اور تم ایک جگہ بیٹھے ہیں ہم سے لوگوں نے کہا تھا کہ کسی نواب کے گھر پڑ گئی ہیں مگر تم نے جو چاہا سو کیا۔ اور سب اچھا کیا۔ مگر اب ذرا ہم سے بولو چالو۔ ہم تو تم سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے مگر۔

ع میرے اللہ نے پھر شکل دکھائی تیری

قمرن۔ ارے میری قسمت پھوٹ گئی۔
کدرا۔ میری پیاری کمرن سن لو! اچھا ایک بات سن لو! تم چاہے جاؤ اور چاہے جو کرو۔ مگر۔
قمرن۔ (آہ سرد کھینچ کر) ارے میں کہاں تھی اور اب کہاں ہوں۔ اری مہری۔ ہے ہے۔ بی مغلانی۔ دواجی۔ ارے درو غہ! ایں کوئی بولتا نہیں۔ یہ کیا ماجرا ہے۔
کدرا۔ معلوم ہوتا ہے کسی نواب کے ہاں تھیں تم۔ تم جہاں تھیں جانی

ہم کو اس کی کچھ پروا نہیں۔ مگر میری پیاری ایک بات یاد رکھو کہ (قدموں پر سر رکھ کر) ہم کو چھوڑ نہ دو۔ یہ نہ مشہور ہو کہ تم ہمارے گھر سے نکل گئیں اور دوسرے کے گھر پڑ گئیں۔ بس۔

قمرن۔ سن میں تیرے گھر نہیں رہ سکتی۔ میں تو جہاں ہوں، وہاں ہوں۔ مگر تیرے یہاں بھی آتی جاتی رہوں گی۔ اگر تجھ کو بھی منظور ہو تو خیر۔

کدرا۔ اچھا ہاتھ پر ہاتھ مار وجلدی، تو تو میری جورو ہے میں تو نالش کر سکتا ہوں۔ کیا میں کوئی گدھا ہوں۔ مگر تیری صورت ایسی ہے۔ کہ (صدقے ہو کر) جانی ارے میری تو جان جاتی ہے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ جو تیرا جی چاہے سو کر، مگر مجھے بدنام نہ کر۔ تو میرے گھر میں رہ۔ اب میں اور زیادہ کیا کہوں۔

قمرن۔ ایک تو مجھے تیری صورت پسند نہیں۔

کدرا۔ (پلنگ پر بیٹھ کر) سن لو۔

قمرن۔ ہٹ پلنگ سے۔ تو اور میرے پاس بیٹھے !!

کدرا۔ (زمین پر بیٹھ کر) اچھا جو حکم ہو۔

قمرن۔ حکم یہ ہے کہ برف منگوا۔ اور اولے منگوا۔ اور کیوڑا منگوا اور شربت بنوا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا شربت پلوا۔ جس سے کلیجے کو ذری تراوٹ پہونچے، ہائے میں کہاں تھی، اور کہاں آئی ہے ہے !

کدرا بیچارہ تو ہاتھ جوڑتا ہے، اور یہاں تک اصرار کرتا ہے کہ تو جہاں چاہے جا کے بیٹھ۔ جہاں چاہے جا۔ جو چاہے کر۔ مگر رہ ہمارے گھر میں، جس میں ہماری بدنامی نہ ہو ہم تو تم پر عاشق ہیں۔ ہائے ہم تو آدھے نہیں رہے۔ ہاڑ ہی ہاڑ ہی گل گئی ہے۔ ہڈی ہڈی گن لو۔ مگر تمہارے عشق نے ہم کو مار ڈالا۔ ہائے کمرن ارے تو بھاگ گئی تھی۔

اور قمرن اس سب کے جواب میں کہتی ہے کہ الگ ہٹ... میں کہاں تھی، اور اب کہاں ہوں۔ ہائے مجھے کیا ہو گیا ہار اور پھول اور پھولوں کی بدھیوں اور طوق کی فرمائش کرتی ہیں۔ کدرا بھلا یہ کیا جانے۔

قمرن۔ اچھا گاڑی کرائے کی منگوا۔

کدرا۔ رے اب میں گاڑی کہاں سے منگواؤں۔

اتنے میں قمرن کی ساس آئی۔ اور کدرا الگ جا کے بیٹھا۔ قمرن کو دیکھتے ہی وہ حیرت میں ہوئی۔ کون؟ بہو۔ ارے قمرن ہے؟ کدرا کدرا۔ ارے ادھر آ۔ یہ کہاں سے آگئی۔

قمرن۔ (ساس کے قدموں پر گر کر) میری کھتا (خطا) ماپھ (معاف) کیجئے مجھ سے بڑا کسور (قصور) ہو گیا۔

ساس۔ ارے اللہ تری سان۔

قمرن۔ مجھ سے بڑا کسور (قصور) ہوا۔

ساس۔ ارے میرے اللہ۔ اری تو تھی کہاں یا اللہ میں کیا کھواب (خواب) دیکھ رہی ہوں۔ اور لوگوں نے کیا کیا بدنام کیا ہے۔

قمرن۔ میری کھتا (خطا) کچھ نہیں ہے۔

کدرا۔ ارے اس کو ایک آدمی پھسلا لے گیا تھا۔ کہ کوئی بادشاہ ہیں کیا جانے کہاں کے ان کے پاس تجھے لیجاؤں گا اور تم بیگم ہو جاؤ گی۔ اور یہ اور وہ۔ مگر یہ بچاری موکا (موقع) پا کے بھاگ آئی۔ اس کا کون کسور (قصور) ہے یہ کیا کرے بچاری (بیچاری)

ساس۔ سچ ہے۔

حضرات ناظرین آپ کو سخت حیرت ہو گی کہ قمرن اور کدرا کی گفتگو کیسی۔ قمرن کجا۔ اور کدرا کجا۔ مگر یہ گفتگو بھی قابل سننے کے ہے۔

قمرن۔ ارے تو مجھے فارغخطی لکھ دے۔

کدرا۔ تو پیاری کاہے کی ناراضی ہے۔

قمرن۔ اچھا ارے ہاں۔ ناراضی نہیں۔ بس تو فارغخطی کہتی ہوں مونڈی کاٹے۔

کدرا۔ پھارگ کھتی کیا۔ ارے میں سمجھا نہیں۔

قمرن۔ تو فارغخطی لکھ دے کہ مجھ سے اور قمرن سے اب کوئی واسطہ نہیں ہے بس۔

کدرا۔ جانی ہم نہیں لکھ سکتے۔
قمرن۔ ارے گدھے میں تیری ہی ہو کے رہوں گی۔
کدرا۔ جانی تم جو کرو سوچا ہو مگر۔
قمرن۔ ارے وہ برف اور کیوڑا کہاں ہے؟
کدرا۔ آتا ہے۔ ارے کون گیا ہے۔
قمرن۔ ارے میں جہاں تھی وہاں تیرے واسطے کبھی بدی نہیں کی۔ مگر اب ہم تیرے یہاں نہیں رہ سکتی یہ تو اپنے دل میں خوب سمجھ لے۔
کدرا۔ سنو۔ ارے تو تو میری جورو ہے۔
قمرن۔ الگ ہٹ کیا بکتا ہے۔
کدرا۔ ہائیں۔ ارے تو میری جورو نہیں ہے؟
قمرن۔ ہائے۔ ارے میں تیری جورو نہیں ہوں تو کون ہے مونڈی کاٹے؟ خدا تجھ کو غارت کرے!
کدرا۔ تو پھر تم میری کون ہو؟
قمرن۔ ارے ہم امیروں رئیسوں کے ہاں کے بیٹھنے والے ہیں، تیرے کوئی نہیں۔
کدرا۔ اچھا تو پیاری تم چاہے جہاں بیٹھو۔
قمرن۔ تیرے کپڑوں کی بو مجھے بری معلوم ہوتی ہے۔ ذرا ہٹ کے بیٹھ۔
کدرا۔ اچھا تو اگر حکم ہو تو میں نہا کے آؤں۔
قمرن۔ ارے وہ مغلانی۔ وہ خواص۔ وہ محلدار وہ مہری کہاں ہے؟
محلے میں بھی خبر ہو گئی کہ قمرن اپنی سسرال میں آگئی دو چار آدمی آئے اور سب کے پہلے للتو آیا۔
للتو۔ ارے کدرا۔ کیوں بے ہم کو مبھت (مفت) ہی میں بدنام کیا تھا۔ اور پھر ہم سے لڑا بھی۔
کدرا۔ یار اب ہماری کھتا (خطا) ماپھ (معاف) کرو۔

للتوا۔ کمرن جری بات سنو۔
قمرن۔ دور ہو، موئے نگوڑے۔
للتوا۔ اتنی مار کھائی، تمہاری بدولت کہ ہمیں جانتے ہیں۔ کئی دن تک درد نہیں گیا۔
کدرا۔ یار یہ ہم سے چوک ہوئی۔
للتوا۔ چلو شکر ہے کہ کمرن آتو گئیں۔ تم نے تو روکے اپنی جان دی تھی۔ یہ گئیں کہاں تھیں۔
قمرن۔ اچھا اب اس سے کیا مطلب ہے۔ کچھ اور باتیں کرو۔ ہائے یہ کیا ہوا۔ میرے اللہ۔
للتوا۔ مطلب کیا کہیں جوتیاں ہم نے کھائیں۔ پٹے ہم اور پھر کچھ مطلب ہی نہیں۔
قمرن۔ پھر خوب ہوا۔
کدرا۔ للتوا یار اب اس کو سمجھا دو کہ اب گھر سے کہیں نہ بھاگے گھر میں رہے۔
للتوا۔ اچھا تو جری ہٹ جاؤ۔ ہم پوچھ تو لیں کہ یہ بات کیا تھی آخر (آخر)۔
کدرا۔ اچھا تو ہم چلے جاتے ہیں۔
قمرن۔ یہ تو موا پاگل ہے۔
للتوا۔ اتنا بتا دو پیاری کہ تم تھیں کہاں۔ کیا ہم سے بھی پردہ ہے۔ بولو۔
قمرن۔ (گالوں پر ہاتھ پھیر کے) چل ہٹ۔
للتوا۔ (ہاتھ جھٹک کر) اور ہمارے گالوں پر ہاتھ پھیر و کھدا کی سان۔
قمرن۔ اے دُر ہو مونڈی کاٹے۔ تو ہے کیا۔ کیا اس برف والے سے اچھا ہے۔
للتوا۔ برف والا کون؟ اخاہ۔ وہ پھجلے۔ (فضلے) بھی پھونچا یہ کہو۔

قمرن۔ تیری ایسی تیسی۔۔ ارے تیرے ایسے ایسے تو ہمارے لاکھوں نوکر ہیں۔
للتوا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم تھیں کہاں۔
قمرن۔ زمین کے اوپر آسمان کے نیچے۔
للتوا۔ اے تو کہاں؟
قمرن۔ یہ کیا معلوم ہے۔
للتوا۔ اچھا اب ہمارے ساتھ بھاگنے پر راضی ہو۔ دیکھو تو پھر کیا مجے (مزے) ہوتے ہیں۔
قمرن۔ نہیں آغا صاحب آپ خدا جانے کیا فرماتے ہیں۔ (بے خیالی میں للتوا کو آغا کہنے لگی)
آغا۔ تم یہاں کیوں کر آئیں۔
قمرن۔ میرا خواب کبھی پٹ نہیں پڑتا۔ ذرا یہ خوب یاد رکھو۔ جو دیکھوں وہی ہو۔
آغا۔ اے تو اب وہاں چلو بی قمرن جان۔ چلو نواب محمد عسکری کے ہاں۔
قمرن۔ افوہ۔ تم کو بھی چڑھ گئی۔ اور یہ بتاؤ کہ میں ہوں کہاں آخر۔
آغا۔۔ تم تو اپنے میاں سے باتیں کر رہی ہو۔ اور ہمیں کہتی ہو کہ چڑھ گئی۔
قمرن۔۔ میرا میاں کون۔؟۔
آغا۔ کدرا۔ یہ تم باتیں کس سے کر رہی ہو آخر پہلے یہ بتاؤ۔
قمرن۔ اپنے جی سے۔
آغا۔ نواب وہاں تڑپ رہے ہیں۔
قمرن۔ ارے چپ ظالم کیا غضب کرتا ہے۔
آغا۔ کیوں صاحب یہ باتیں۔
قمرن۔ کیوں کدرا اب ہم وہیں جاتے ہیں۔
کدرا۔ للتوا دیکھو پھر وہی بات نکالی۔ خدا کا واسطہ اور جو چاہو کہو، مگر یہ بات منھ سے نہ نکالو۔
للتوا۔ ارے واہ رے ترے نکھرے (نخرے) کہنے لگیں ہم وہیں جاتے ہیں۔

قمرن۔ دیکھ پھر ہم بھی باتیں سنائیں گے ہزاروں گالیاں دیں گے۔
للتوا۔ سوک (شوق) سے دو۔ ارے یہ گالیاں نصیب کہاں، ان گالیوں سے دل ساد (شاد) ہوجاتا ہے۔
قمرن۔ دُر مونڈی کاٹے۔ خدا تجھے غارت کرے۔
کدرا۔ لے کمرن جانی ذرا ادھر تو آؤ۔ سن لو۔ ارے جالم (ظالم) کیوں دِل دُکھاتی ہے۔ واللہ گلام (غلام) ہوکے رہوں گا تیرے۔
قمرن۔ تیرے منھ کو جھلسا لگے۔ بس نہیں ہے کہ تیرا منھ جھلسا دوں مُوا در گور خدا غارت کرے۔
کدرا۔ ہائے اللہ کیا کروں جو کمرن کا دل پھر جائے۔
قمرن۔ لے اب ہم کو جانے دو۔ ارے میں کہاں آکے پھنس گئی میرے اللہ۔
کدرا۔ (ہاتھ جوڑ کے) ارے تو، کہاں جاؤ گی۔ پہلے ہم کو اپنے ہاتھ سے مار ڈالو۔ پھر جہاں جی چاہے جاؤ۔
قمرن۔ تجھ کو مارے خدا۔ میری جوتی کی نوک کو کیا غرض پڑی ہے موے۔
کدرا۔ دیکھو کمرن ہم تو زہر کھاکے مر ہی جائیں گے۔ مگر جو تمہاری عجت ہمارے ساتھ میں ہے وہ پھر نہ رہے گی۔ اور تمہاری ماں بہنیں تمہارا نام کسی کے سامنے چار آنکھیں کرکے نہ لے سکیں گی۔ تمہاری کہیں عجت نہ ہوگی۔ سب تم کو ہرجائی کہیں گے۔ لے کمرن جانی تیرا عاسک میاں تیرے اوپر سے صدکے ہوکے مرجائے اب راضی ہوجا۔ اور میرا کہنا مان لے۔
قمرن۔ ارے اب یہ امید اپنے دل سے نکال ڈال اب تیرا ساتھ نہ دوں گی۔

قمرن کی ساس نے جو یہ حال دیکھا۔ پہلے تو ذرا خاموش رہی، مگر جب دیکھا کہ کدرا اب بھی جورو پر لٹو ہے تو بہت بگڑی، تیرا مردہ دیکھوں کمرن۔ تیری لاش نکلے اللہ کرے۔ ارے تیری کھاٹ لچکتی نکلے۔ تجھے کھدا گارت کرے۔ تو نے میری آبرو میں بٹا لگایا۔ مجھے کہیں کا نہ رکھا۔

کدرا کہنے لگا اماں اب تو جو ہوا سو ہوا اب چپ رہو اور یہی کہو کچھ نہیں ہوا۔ کہو قمرن کسی رشتہ دار کے یہاں تھی جس میں برادری کو روٹی نہ دینا پڑے۔

ساس۔ ارے موے کدرا یہ تیری ہی ساری کھرابی ہے۔ ناؤ تو کھاجہ کھدر ہی کی ڈبوئی ہوئی ہے[1]۔ اگر تو ایسا جورو کا مرید نہ ہوتا تو یہ دن کاہے کو دیکھتی۔

کدرا۔ (آواز سے رو کر) ارے میں کیا کروں۔ میرے اللہ ہائے اس دل نے بے بس کر دیا۔

کدرا کی ماں نے کدرا کو گلے لگایا اور چیخیں مار مار کے دونوں رونے لگے۔

کدرا کی ماں۔ ارے میں کیا کروں میرے اللہ میرے بچّے کو یہ کیا ہو گیا میرے کھدا (خدا)۔

کدرا۔ ارے میں اب زہر کھا کے مر جاؤں گا۔ ہائے ہائے اللہ۔ اری میری اماں میں کیا کروں۔

للتوا۔ اب لے اس سے کیا پائدہ (فائدہ)

کدرا۔ ارے یار اس حرام جادی (حرام زادی) کے پیچھے مر گئے۔ اور پھر ہماری نہ ہوئی (ٹھنڈا سانس بھر کر) افسوس دنیا میں بس کچھ نہیں ہے۔

للتوا۔ ارے یار عورت کی جات (ذات) تو بے بچھا (بے وفا) ہوتی ہی ہے۔ یہ تو تے چیسم (چشم) لوگ ہوتے ہیں۔

کدرا۔ اور تھی کہاں۔

قمرن۔ ارے اب یہ نہ پوچھ۔

کدرا۔ آکھر (آخر) کہہ تو کچھ ماجرا کیا ہے؟

قمرن۔ مجھ پر جادو کر دیا تھا۔ کسو نے۔

کدرا۔ جادو کس نے کیا تھا۔

قمرن۔ اللہ جانے وہ کون تھا۔

کدرا۔ ارے گجب (غضب)

[1] یعنی کشتی تو خواجہ خضر کی ڈبوئی ہے۔ا

کدرا کی ماں نے جب دیکھا کہ پھر وہی باتیں ہونے لگیں، تو مارے غصہ کے الگ جا کے بیٹھی اور کہا ارے کدرا جو تیری کسمت (قسمت) میں ٹھادہ ہوا۔ تیری موت اسی بہانے ہے۔ ارے میرا بچہ میں کیا کروں میرے اللہ۔

کدرا۔ ارے میری تکدیر (تقدیر) میرا دل نہیں مانتا میں کیا کروں۔ میری پیاری کمرن لے اب مان جا۔ میں تیرے صدکے (صدقے)۔

قمرن۔ ارے میرے کلیجے میں آگ لگی ہے خدا کے لیے برف منگوا دے۔ جلد منگوا!

کدرا۔ ابھی ابھی آئی، جرا (ذرا) ٹھہر تو۔

للتوا۔ اے اللہ تیری سان (شان) عورت بھی کیا چیز ہے۔ نہیں مالوم (معلوم) اس میں کیا شے ہے۔ کہ مجھ سا کھوب صورت جوان اس پر مرتا ہے اور جان دیتا ہے۔ اب دیکھو کدرا ہاتھ جوڑتا ہے اور بی کمرن جان کے پانوں پڑتا ہے مدا مگر، وہ ایک نہیں سنتیں اور کہتی ہیں الگ ہٹ۔

قمرن۔ (بگڑ کر) واہ کیا خوب سبھوں نے مل کے مجھ کو نکو بنا لیا ہے میں غیروں کی تھوڑی سنوں گی۔

کدرا۔ (ہاتھ جوڑ کر) تم کو ہم سے مطلب ہے۔ ان لوگوں سے کیا واسطہ۔ للتوا یار تم ناحق بن ناک بھی بولتے ہو۔

للتوا۔ بڑا پاگل آدمی ہے بے۔ ہم تو تیری طرف سے بولتے ہیں اور تو الٹے ہم ہی سے بگڑتا ہے۔ جورو کا مرید۔ ابے تیری جگہ ہم ہوتے تو ـــــ لے اب کیا کہیں۔

کدرا۔ ہاں بھائی، جو چاہو کہو۔ کھدا نہ کرے کسی پر دل آجائے عورت صورت دار ہے۔ بس۔

للتوا۔ اس سے پوچھو کہ جادو کس نے کیا اس پر۔

کیدرا۔ ہاں کمرن جانی یہ جادو تم پر کس نے کر دیا؟

قمرن۔ خدا جانے لے اب یہ کیا معلوم۔

کدرا۔ (گلے میں ہاتھ ڈال کر) ارے کمرن میں تو تیرا میاں ہوں مجھ سے یہ باتیں۔

قمرن۔ (جھٹک کر) الگ ہٹ۔ دماغ پھٹا جاتا ہے۔ کیا بدبو ہے۔ افوہ جلدی ہٹ۔

کدرا۔ اے کھدا کی سان۔ اب ہم میں بدبو آنے لگی اور پہلے تو ہم میں بدبو نہ تھی۔ کیوں کمرن۔

قمرن۔ (تھپڑ لگا کر) ارے خدا تجھے غارت کرے دور ہو سامنے سے موئے

کدرا۔ کمرن تیرے صدقے۔ ایک مرتبہ اور مار لے۔ اس تھپڑ سے کلیجے میں ٹھنڈک پڑ گئی۔

کدرا کی ماں۔ ارے کمرن تیرے ہاتھ ٹوٹیں یہ کبر (قبر) میں جائیں۔ جیسے میرے بچے کو مارا ہے۔ ویسے تیرے اوپر کھدائی مار (خدا کی مار) پڑے۔

قمرن۔ تیرے اوپر خدا کی مار پڑے موئی چڑیل۔

کدرا۔ لے ماں تم اب نہ بولو نہیں تو میں ابھی ابھی اپنی جان دے دوں گا۔

کدرا کی ماں۔ ارے گجب (غضب) یہ کدرا بھی اسی کا دم بھرنے لگا۔ ارے لوگو میں کیا کروں میرا بچہ مجھ سے چھوٹا جاتا ہے۔ ہائے میرے اللہ۔؟

قمرن۔ ارے واہ ری عورت۔ بڑی نخرے باز ہے۔ کیا قیل مچانے ہیں۔ بڑی وہ ہے۔

کدرا۔ ارہی چپ۔

للتوا۔ (قہقہہ لگا کر) واللہ بڑی دل لگی دیکھنے میں آئی بھئی ہم نے تو کبھی ایسا تماشا نہیں دیکھا۔

قمرن۔ اوئی اللہ کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں۔

للتوا۔ واہ ری عورت۔ ارے کمرن بس اب یہیں رہ جائی ہمارا کہنا مانو۔

کدرا۔ ارے یہ سچ مچ کا خواب ہی ہے۔ مگر واہ رے للتوا کیا کام کیا ہے۔ شاباش پٹھے۔

قمرن۔ ارے وہ فضلے برف والا کہاں ہے۔

کدرا۔ کیا برف کھاؤ گی۔

قمرن۔ (اپنے دل میں) یہاں کلیجے میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اچھا برف کھلواؤ قفلیاں۔ اے بی ہمسائی ہمسائی کہنے کو تھی کہ یاد آگیا کہ یہاں وہ ہمسائی کجا۔ اتنے میں کوئی گانے لگا۔ ؎

برسوں بچے کو نہیں پیار کبھو کرتی ہیں
پیار بھی کرتی ہیں تو کان میں تو کرتی ہیں
ساس ہوں پر میں خدا لگتی کہوں گی بیٹا۔
پاس مرزا اترا امراؤ بہو کرتی ہیں

قمرن۔ ہائے اللہ ارے برف کا پانی لا۔

کدرا۔ ابھی لو۔

ساس۔ انگارے کھا۔ برف کا پانی مانگتی ہے۔ انگارے لے۔ موئی برف کا پانی پیے گی۔

قمرن۔ انگارے تو کھا چڑیل۔

کدرا۔ اری چپ۔

قمرن ساس سے لڑ پڑی۔ ہم تجھے سمجھتے کیا ہیں۔ تو ہی کیا ماں تجھ سے تو اچھی اچھی میرے گھر کی مہریاں اور مغلانیاں۔ خواصیں ہیں۔ تیری سی ہزاروں کو تو میں مول لے لوں۔ تو اپنے تئیں سمجھتی کیا ہے۔

کدرا۔ ارے چپ رہ۔

قمرن۔ تو آپ چپ رہ۔

کدرا۔ اب بن ناہک کو لڑائی مول لیتی ہو۔

قمرن۔ میں تجھ سے راضی ہی نہیں ہوں۔ میں صاحب کے سامنے بیچ کھیت کہہ دوں گی۔

کدرا۔ تمہارے ساتھ نکاح کیا کیا عذاب جان کا ہو گیا۔

ق۔ چھٹے دور، موئے جُل دے کے ڈولی اتروالی۔

ک۔ تو اب تو کہیں جا بھی نہیں سکتی ہے تو۔

ق۔ تو ہے کیا ماں۔
ک۔ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔
ق۔ قسمت جا کے پھوڑ اپنی۔
ک۔ میں تیرا گلام ہو جاؤں کمرن۔
ق۔ غلام نہیں تو اور ہے کیا تو۔
ک۔ ارے میں گلام کے تلام کا چولام ہوں۔
ق۔ ہائے میں کہاں پہو نچ گئی تھی۔ اور اب کہاں ہوں۔
ک۔ تو تھی کہاں پیاری ؟
ق۔ جہاں جی چاہا وہاں رہی۔
ک۔ ارے وہ تو سب اچھا کیا اب یہ تو بتا کہ اب کیوں بھاگوں بھاگوں کرتی ہے۔
ق۔ مجھے تیرے یہاں جی ہی نہیں۔ جی بہلتا ہی نہیں۔
ک۔ جو کہو وہ حاضر کروں۔
ق۔ (کھڑے ہوکر) جی گھبراتا ہے۔
کدرا۔ تجھ میں سب باتیں اچھی ہیں مگر۔
قمرن۔ ارے ہٹ ہوش کے ناخن لے۔
کدرا۔ اچھا ایک بات سنو۔
قمرن۔ اس وقت ہم چاندی کے پایوں کے پلنگ پر لیٹے ہوتے۔ بیس بائیس مشکون سے چھت چھڑکی جاتی۔ خوب تر بتر چھڑکاؤ ہوتا۔ اور پنکھا جھلا جاتا۔ برف کا پانی کیوڑا ڈال کے پیتے، مزے ہوتے۔ کہاں آن کے پھنسے میرے اللہ یہ کیا ہوا باجی جان نے ہمیں اس حالت کو پہونچایا ہے۔
کدرا۔ اچھا اب ایک بات بتاؤ۔
قمرن۔ الگ ہٹ ہم سے نہ بات کر بس۔
کدرا۔ سن تو جانی۔ کہا (خفا) نہ ہو۔
قمرن۔ جانی کو تیری آگ لگے۔

ک۔ کیا گجب ہے۔

قمرن کی ساس بگڑ گئی، اور بگڑ جانے کی بات ہی تھی اس کے لڑکے کو خواہ مخواہ کو سنے لگی۔ تو اس کو برا معلوم ہو یا نہ ہو۔ خواہ مخواہ برا معلوم ہوگا۔ قمرن تو اپنے نزدیک بادشاہ زادی کی بھی اصل وحقیقت نہیں سمجھتی تھی۔ آگ ہوگئی۔ کدرا زن مرید، جورو کا تابع حکم۔

ع ہرچہ جوروجی بفرماید رواست

ساس نے اٹھ کر کہا ارے کمرن بچی تجھے اللہ گارت کرے!

ق۔ (ہاتھ پھیلا کر) تجھے اللہ غارت کرے!

س۔ تو مر اللہ کرے۔

ق۔ تیرا کنبا بھر مرے اور تیرا جنازہ نکلے مردار۔

س۔ ارے لوگو میں نے کیا گناہ کیے تھے کہ اس چڑیل سے سابکا (سابقہ) پڑا۔ اتّے دن گائب گلہ رہی اور اب آن کے لڑتی ہے۔ بے حیا مردار بے شرم۔

ق۔ تو بے شرم تو بے حیا تو مردار۔

ک۔ (ہاتھ جوڑ کر) کمرن جان پیاری۔

س۔ (دوہتّڑ لگا کر) ارے کم بکھت (کمبخت)

ک۔ اب ادھر تم مارو اور اُدھر کمرن بگڑے۔

راوی۔ قمرن ان کی بیوی کیا اماں سے بڑھ کر ہیں۔

س۔ ہائے لوگو میری زندگی۔

ک۔ ارے چپ اماں محلے بھر میں بدنامی ہوگی۔

س۔ ہاں! بڑی نیک نامی ہوئی ہے نا۔

ک۔ یا اللہ میں مر جاؤں۔

ق۔ تیری رسی دراز ہے نگوڑے۔

س۔ (دوہتّڑ لگا کر) ارے عورت ہے کہ ڈائن۔ ارے اپنے مرد کو چٹ چٹ کوس بیٹھتی ہے۔

ق۔ مرد کی پرواہے ہمیں۔ ؟

ک۔ اچھا لے اب جانے دو میں صدکے (صدقے)۔

قمرن بہت ہی بے چین تھی۔ بار بار کہتی تھی کہ ہائے وہ چمن کی ٹھنڈک یہاں کہاں۔ ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے چھڑکا ہوا وہ باغ یہاں کہاں سے لاؤں۔ وہ برف کا پانی کہاں۔ وہ عطر وہ پھولوں کا گہنا کجا۔ یہاں تو صفایا ہے بلکہ صفو۔

ک۔ پیاری دیکھو تو اللہ کیا کرتا ہے۔

ق۔ تیرا سر کرتا ہے۔

ک۔ اچھا برف ہم لا دیں۔

ق۔ ارے دور ہو مونڈی کاٹے۔

ک۔ پھر اب تم پٹوگی۔ لاتوں کا آدمی باتوں سے نہیں مانتا ہے۔ منّتیں کرتے ہیں سنتی ہی نہیں۔

ق۔ ذری زبان سنبھال کے بولنا۔ میں اپنے یہاں کے سئیسوں سے پٹوا دوں گی۔ تو اپنے دل میں سمجھا کیا ہے۔

ک۔ کیا سمجھا کیا ہوں۔ بیاہی عورت کو کوئی بھگا لے جا سکتا ہے۔ دل لگی ہے کچھ۔ واہ کیا خوب۔

ق۔ اور جو عورت آپ ہی سے بھاگ جائے تو پھر کوئی کیا کر سکتا ہے۔

ک۔ لے اب ایسی باتیں نہ کرو۔ اس کا جواب اور ہے۔ اگر تم پر دل نہ آیا ہوتا تو بتا دیتے۔

ق۔ ارے جا کیا بتا دیتا تو ہے کیا۔

ک۔ جورو ہو ہماری کہ اماں۔ ؟

اس پر قمرن بے اختیار ہنس دی، اور سوچنے لگی کہ کجا نواب صاحب اور چھٹن صاحب، اور رونق جنگ، اور کجا یہ۔ یا الٰہی میں خواب دیکھ رہی ہوں۔ یہ مجھے ہوا کیا ہے۔ ابھی تک تو میں نواب صاحب کی محل سرا میں تھی لاکھوں آدمی منتظر تھے کہ دیکھیں کہاں ہیں۔ بی قمرن جان صاحب اور آج

ٰمیں کہاں پڑی ہوئی ہوں۔
ک ۔ کمرن تم نے جو کچھ کیا سب اچھا کیا۔ مگر اب ہمارا کہنا مانو۔ اور ہمارے پاس رہو۔
ق ۔ اب ہم تیرے پاس نہ رہیں گے۔ تیرے ساتھ میں وہ مزے اور عیش کہاں۔
ک۔ کمرن دوسرا مرد ہوتا تو تم کو قتل کر کے دھر دیتا۔
ق ۔ آ آ۔ مارے گا۔ مار ڈالے گا۔ آ سامنے آ۔
ک۔ ہم بات کہتے ہیں جیسے۔
ق ۔ ارے تیری بات کو آگ لگے۔
ک۔ تم کوسنے لگتی ہو۔
ق ۔ تو مر جا ابھی ابھی۔
ساس۔ (کدرا کی ماں) مریں تیرے ہوتے سوتے۔ مردار مر تو چڑیل ہائے کیا ہمارے کھاندان میں ان نے آن کے بٹا لگا دیا۔ کہیں کا ہمیں نہیں رکھا۔
ک۔ اماں تم سو رہو اب جو ہوا سو ہوا۔
س ۔ ارے میں اسے کچا چبا جاؤں گی اب میں سوؤں گی بھلا۔
ق ۔ ذری زبان سنبھال کے بول مردار۔
ک ۔ ارے چپ کمرن۔
ق۔ تو چپ رہ مونڈی کاٹے۔ اللہ تیرا جنازہ نکلے۔ ارے کدرا تو جوان مرے!
ک ۔ لے کمرن جانی اب جانے دو۔ جو کچھ ہوا سو ہوا۔
س۔ (رو کر) ارے کھدا اس عورت کو گارت کرے۔ اس کی میت میں دیکھوں۔ کس طرح میاں کو اپنے کوس رہی ہے۔ مردار۔ ارے یہ عورت ہے یا چڑیل۔
ق ۔ میاں نکھٹو کی کیا مجھے پروا ہے کچھ۔

س۔ تو تو جا کے چوک میں کمرہ لے مُردار۔
ق۔ یوں ہی گی۔ نہ لینا کیا معنی۔
ک۔ ارے چپ رہ۔
س۔ اور یہ لونڈا بے حمیت ہے کدرا۔ دوسرا ہوتا تو زہر دے کے مار ڈالتا۔ اور یہ الٹا جورو کی خوشامد کر رہا ہے۔ زوف ہے تجھ پر۔
ک۔ ارے تو مار ڈالوں۔
ق۔ شامتیں نہ آئیں مونڈھی کاٹے۔ سائیسوں سے پٹوا دوں گی بہت چل نہ نکل۔ اللہ جانتا ہے چر کٹوں سے کہہ دوں تو پیٹ کے دھر دیں۔ تو بھولا کس بھروسے پر ہے مجھے بھی کوئی ایسی ویسی سمجھا ہے۔ ابھی ابھی کہہ تو تجھے دل لگی دکھا دوں، ایک اشارے میں دو سو آدمی جمع ہوتے ہیں۔

جب قمرن اور اس کی ساس میں لڑائی ہونے لگی تو محلے والوں کی نیند اچٹ گئی۔ ایک پڑوسی نے کہا ارے تم بھٹیارے ہو یا کوئی اور ہو۔ بھٹیار نوں کی طرح لڑ رہے ہو محلے والوں کو سونے نہیں دیتے۔ یہ تو بھاگ گئی تھی کسی کے ساتھ، اب یہ چڑیل پھر کہاں سے آگئی۔
قمرن۔ چڑیل تیری اماں ہو گی تیری جورو۔
پڑوسی۔ کیا! زبان داغ دوں گا آکے۔
کدرا۔ کچھ بیدھا ہے بے۔ سر کھجلاتا ہے۔ کیا۔
پڑوسی۔ کیا شامتیں آئی ہیں۔
کدرا۔ اُتر آ بڑا مرد ہے۔
پڑوسی۔ لے آتے ہیں۔
ک۔ آ۔ اور کسی کو لے کے آ ساتھ۔
پڑوسی۔ اپنی قبر کی فکر کر۔

اتنے میں وہ پڑوسی اتر پڑا اور ادھر سے کدرا چلے۔ پڑوسی دبلا پتلا آدمی تھا اور میاں کدرا لڑنتیے پہلوان جانے کے ساتھ ہی ایک لپوٹا دیا۔ اور اٹھا کے دے مارا اتنے میں اسی پڑوسی کے یہاں سے اس کا مہمان نکلا۔ سیدی عنبر

بڑا موٹا تازہ آدمی ۔ کدرا کو ایک پٹڑ دیا ۔ اور دونوں میں کشتی ہونے لگی دو منٹ میں سیّدی نے کدرا کو پٹخنی دی اور اتنا مارا کہ ہوش وحواس غائب ہوگئے ۔

سیّدی ۔کیوں بے پھر لڑے گا پہلوانوں سے ۔

پڑوسی ۔ یہ کیا لڑے گا نامُردا ۔

سیّدی ۔ دو ن ایک گھن ّپٹی اور ۔

پڑوسی ۔ ارے اب جانے دے ۔

سیّدی ۔ یہ ہے کون ۔

پڑوسی ۔اُلّو کا پٹھا ۔ یہ منیہار ہے ۔جورو بھاگ گئی ہے ۔

سیّدی ۔ ہاں : یہ کیسے ۔تو ایسے سے لڑنا ہی بیکار ہے ۔

پڑوسی ۔ اب عمر بھر نہ بولے گا تم سے ۔

کدرا غصے میں تو تھا ہی اور جھلّا گیا پھر سیدی کو لپٹ پڑا اور اب کی جان پر کھیل گیا ۔ سیدی نے خوب پچپیتی کی مگر کدرا نے اٹھاکے دے ہی مارا ۔ گرا تو پٹ ، گدرا چت کرنے کی فکر میں تھا کہ قمرن نے پکار کر کہا ارے گدھے چت کرنے سے کیا ملے گا ۔ کچھ بدی ہوئی کشتی تھوڑا ہی ہے ۔ اکھاڑے کی ۔ بے بس ہے ہی ۔ اوپر سے ڈنڈے مار ذرا سی دیر میں آدھ مرا ہوجائے گا ۔کدرا نے وپر سے ڈنڈے لگانے شروع کیے ۔ اب پڑوسی بھی کدرا سے چمٹ گیا اور ادھر سیدی نے پچپیی کی تو کدرا مغلوب ہوگیا اور سیدی نیچے سے نکلا ۔ نکلتے ہی تان کر ایک پٹڑ رسید کیا پٹاخ سے ، دونوں پھر گتھ گئے ۔ اور داؤ پیچ ہونے لگے دیر تک کشتی رہی ۔ اور دونوں نے خوب پچپتیاں دکھائیں ۔

سیدی ۔ مار ہی ڈالوں گا سالے ۔
کدرا ۔ کھون (خون) نہ پیا ہو تو سہی ۔
پڑوسی ۔ (گال) کا جیتے ۔ گال کا ہارے ۔
کدرا ۔ (ڈنڈا لگا کر) ایک ۔
سیدی ۔ (ڈنڈے کا جواب دے کر) دو ۔
کدرا ۔ (ابکی گھسا دے کر) ٹھہر تو جب ۔
سیدی ۔ کھا ہی جاؤں گا ۔
کدرا ۔ اب کی جیتا تو بچے گا نہیں ۔
سیدی ۔ یا تو نہیں یا ہم نہیں ۔
کدرا ۔ دونوں میں ایک نہ ہوگا ۔
سیدی ۔ ایک منٹ میں پکڑ لاؤں تو سہی تو ہے کس بھروسے میں ۔

سیدی کدرا کو پکڑ لایا تو قمرن دھم دھم کرتی ہوئی اوپر سے اُتری اور مقراض سیدی کے بدن میں بھونک دی تو وہ تڑپ گیا اور اُٹھ کر کدرا نے ایک لسوٹا دیا۔

قمرن ۔ (کدرا کا ہاتھ پکڑ کر) بس اب چل ۔
پڑوسی ۔ اچھا سمجھ لیا جائے گا ۔
سیدی ۔ یہ عورت کے منہ کون لگے ۔
قمرن ۔ لگ جا کے روٹیوں سے ۔
سیدی ۔ اب تم عورت ہو تم سے کون کہے اور کیا کہے ۔
قمرن ۔ چلو اب گھر جا کے سو رہو ۔
کدرا ۔ (گھر میں آکر) دیکھو ہماری ماں چند روز کی مہمان ہیں ان سے کیوں لڑتی ہو جانی۔

قمرن بے چین تھی کھٹیا سے کوئی سو ہی دفعہ اُٹھی اور کدرا سے بار بار کہتی تھی ارے تو میرے ساتھ ذرا ڈیوڑھی تلک چلا چل میں تجھے دو اشرفیاں دوں گی۔ کدرا حیران کہ یا الٰہی یہ ڈیوڑھی کیسی، اور یہ کہتی کیا ہے۔ پاگل تو تھا ہی دروازے میں قفل لگا دیا۔ مگر اس کی ماں نے کئی بار سمجھایا کہ ذری جا کر ڈیوڑھی تو دیکھ آ معلوم تو ہو کہ یہ تھی کہاں۔ مگر کدرا نے بات کو ٹال دیا۔ اس کی یہ رائے تھی کہ چاہے اِدھر کی دنیا اُدھر ہو جائے مگر قمرن ہاتھ سے نہ جائے

اس نے ٹھان لی تھی کہ قمرن کے پانو سے پانو باندھ کر بیٹھوں گا۔ آنکھوں کے سامنے سے علیحدہ نہ کروں گا۔

قمرن ۔ ارے تیرے یہاں پنکھا تک نہیں ہے ظالم۔

کدرا ۔ ہجور پنکھا میں آپ بنا جاتا ہوں بس۔

راوی ۔ میاں بیوی کی باتیں کتنی اچھی ہیں۔

قمرن ۔ یا اللہ یہ کس عذاب میں میں پڑی۔

کدرا ۔ جانی کچھ عجاب (عذاب) نہیں ہے۔ تم کو ہم۔

ساس ۔ ارے اُس موئی ہرجائی کو کنوئیں میں ڈھکیل دے۔

قمرن ۔ اور اُس موئی بڑھیا کی بوٹیاں چیلوں کو دے۔ انڈے بچے والی چیل چلو۔ انڈے بچے والی چیل چلو۔

ساس ۔ بوٹیاں دے چیلوں کو اپنی ماں کی۔

قمرن ۔ تیری۔ تیری۔ تیری بوٹیاں۔

کدرا ۔ اماں تم نہیں مانتیں۔ ایک تو اللہ اللہ اور کھُدا کھُدا کر کے یہ ملی ہیں اور اوپر سے تم اُلٹے لڑتی ہو۔

قمرن ۔ ارے اس زریٹ بڑھیا کی عمر بڑھتی جاتی ہے اور یہ مرتی نہیں۔ اس مونڈی کاٹی کو سنکھیا دے دے۔

کدرا ۔ کمرن دیکھو محلے میں سب لوگ دشمن ہیں۔

قمرن ۔ کیسا محلہ۔ جو بولے تو باندھ کے پٹوا دوں۔

اتنے میں للتوا کی آواز آئی۔ دروازے پر سے اس نے للکارا کدرا کدرا جری (ذری) دروا جا (دروازہ) کھول دے یہ تو میں ہوں للتوا۔ ارے جوف (زوف) ہے تیرے اوپر دو بج گئے اور اب تک تیرے گھر میں گل وغل مچ رہا ہے محلے سے نکالا جائے گا۔ تو کدرا نے دروازہ کھول دیا۔ للتوا اندر آیا۔ پوچھا کمرن کہاں ہیں۔ کہا بھائی کوٹھے پر آؤ۔ للتوا کو لے کر کدرا اوپر آیا للتوا نے کہا کمرن سلام قمرن کسی قدر شرمائی کدرا کو حکم دیا کہ جا کے منشی مہراج بلی کو بلا لاؤ اُس نے پوچھا کہ منشی مہراج بلی کون اُس نے کہا جو صفائی کا ٹھیکہ کئے ہوئے ہیں۔

کدرا۔ سپھائی کا نمیکا کیسا۔

للتوا نے کہا ہم تبا ئیں جی) تم یار محمد کھان (یار محمد خان) کو ساتھ لے جاؤ۔ وہ بھی سپھائی میں نوکر ہے۔

کدرا نے جا کے یار محمد خان کو جگایا اور کہا منشی مہراج بلی سے ہمیں کچھ کہنا ہے ہمارے ساتھ چلو۔ اُس نے کہا کچھ سڑی ہوا ہے بے۔ دو بج گئے اور اس وقت منشی جی کو جگائے گا۔ کہا یہ ضروری کام ہے یہ دونوں تو منشی مہراج بلی کے ہاں گئے۔

اب ادھر کا حال سنئے کہ قمرن للتوا کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کوٹھے کے نیچے اتریں۔ للتوا کو حکم دیا کہ ڈول بھر کر صحن میں چھڑکاؤ کر اس نے کہا مسلمان کا ڈول ہم نہ چھوئیں گے قمرن نے جھلا کر ایک چپت جمائی۔ مونڈی کا ٹے ابھی بھر۔ للتوا نے ڈول بھرا اور چھڑکاؤ کیا۔ چٹائی بچھا کر قمرن بیٹھی اور للتوا کو بھی بٹھایا۔

للتوا۔ اور تو چلی کہاں گئی تھی کون۔ وہ۔

قمرن۔ (گالوں پر ہاتھ پھیر کر) تجھے کیا۔

للتوا۔ ہم پیٹے گئے۔ جوتیاں پڑیں۔ اور۔

قمرن۔ خوب ہوا۔ چلو للتوا بھاگ چلیں۔

للتوا۔ ہم کو کدرا مار ہی ڈالے گا۔ وہ پہلوان ہے اور ہم دُبلے پتلے آدمی۔

قمرن مورا دِن دن بڑھت سہاگ سیاں نہیں آئے رے۔ ارے مورا دن بڑھت سہاگ سیاں نہیں آئے رے۔

للتوا۔ پھجلے کو جانتی ہو۔ برف والا پھجلے (فضلے)

قمرن۔ (گلے لگا کر) میرا للتوا میں تیری لونڈی ہو جاؤں اُس کو بُلا دے۔ میری تو اس پر جان جاتی ہے۔ ہائے میں کیا کروں میں اُس کی لونڈی ہو کے رہوں گی۔

للتوا۔ اچھا اُس کے گھر پڑ جاؤں گی کمرن۔

قمرن۔ ابھی ابھی اسی دم تو اُس کو بُلا تو دے۔

للتوا۔ کدرا کو آ لینے دو تو ہم بُلا لائیں۔

قمرن۔ جب وہ مونڈی کاٹا آئے گا تو پھر کیا ہو سکے گا۔ ارے اب وہ بھڑک کھا چکا ہے۔ دودھ کا جلا مٹھا پھونک پھونک کر پیتا ہے ایسے میں وہ نہیں۔ میں تیرے

صدقے فضلے کو بلا دے۔

للتوا۔ اے ہم تو راجی (راضی) کریں گے۔ کدرا سالا بڑا بے وقوف (بے وقوف) ہے ایک چکمے میں تو آجائے گا۔

قمرن۔ نہیں جانی میں تیرے صدقے ابھی ابھی فضلے کو بلا دے اچھا ایک کام کرو۔ جو ہم کہیں مانو گے۔

للتوا۔ جو کہو ہماری جان تک تم پر سے قربان ہے جانی۔

قمرن۔ اچھا تم اپنے ساتھ ہمیں بھگا لے چلو کانوں کان جو کسی کو معلوم ہو۔

للتوا۔ کدرا سے ڈرتا ہوں جانی میں تو ابھی راجی ہو جاتا۔

قمرن۔ اے جانی دیکھ پچھتائے گا پھر ایسا وقت نہ ملے گا۔ ع

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

اس وقت ہم تمہارے ساتھ چلنے کو راضی ہیں پھر نہیں معلوم دل میں کیا آئے اور ایسا موقع ملے یا نہ ملے۔

للتوا۔ لے اب ہم تو بڑی مشکل میں پڑے ایک دل تو کہتا ہے کہ کمرن سی معسوک (معشوق) کو بھگا لے چلیں اور ایک دل کہتا ہے کہ اب کیوں شامتیں آئی ہیں۔ وہ جوتے کدرا برسائے گا کہ چاند میں ایک بال دیکھ نہ پڑے گا۔

قمرن۔ اس وقت جی گھبرا رہا ہے، ہائے کیا کروں۔

للتوا۔ اے تو جلدی کاہے کی ہے۔ اچھا کمرن یہ بتاؤ کہ تم تھیں کہاں۔ ہم کو اچھا تم نے۔ جلیل (ذلیل) کیا ہے۔

قمرن۔ میری تو تیرے اوپر جان جاتی ہے۔

للتوا۔ پھر ہمارے ساتھ نکل چلو کسی طرح۔

قمرن۔ ہم اب تیار ہیں کسی روز کیا معنی۔

کدرا جا کے مہراج جی کو بلا لایا۔ ایں! قمرن! تم یہاں کہاں۔ یہ کیا ماجرا ہے۔ بھئی۔ کدرا نے کہا۔ جی ہجور ماجرا کیا ہماری عورت ہے، اس میں ماجرا کیا ہے۔ آپ ہی لوگ رئیس سردار لوگ جو ایسا کریں تو ہم گریبوں (غریبوں) کا کہاں ٹھکانا ہے۔

قمرن نے ڈانٹ بتائی۔ تو الگ ہٹ مونڈی کاٹے۔ اللہ کرے تیرا مردہ دیکھوں۔ تیری

کھاٹ لچکتی ہوئی نکلے ۔ تجھ پر بجلی گرے آسمان پھٹ پڑے ۔ کدرا اُتر کر نیچے ہو رہا چلم بھر کر للتوا کو دی اور باتیں کرنے لگا ۔ ادھر منشی مہراج بلی صاحب نے کہا ہاں یہ داستان تو سناؤ کہ تم یہاں کیونکر پہونچیں ۔ قمرن نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کیا کیوں منشی جی ہماری باجی ہماری جان کی دُشمن نکلیں ۔ یہ انہیں کی عقل سے ہم نے یہ بُرا دن دیکھا ۔ نہیں تو کانوں کان کسی کو کوئی خبر بھی نہ ہوتا ۔ انہیں نے کہا کہ نواب رونق جنگ کی بیوی نے کہا ہے کہ قمرن کو ہمارے پاس لاؤ تو ہم محمد عسکری کا اور ان کا نکاح کرا دیں ۔ اُن کی عقل کیا جانے کہاں تھی ۔ منظور کر لیا ایک ڈولی پر ہم سوار ہوئے ایک پر باجی ۔ راستے میں آندھی آئی ڈولی سے اترتی ہوں تو اس مردار کا منہ دیکھا (ساس کی طرف مخاطب ہو کر) اللہ کرے یہ ڈائن کہیں مرے ۔

اتنا کہنا تھا کہ اُس کی ساس گرج کر بولی ۔ ڈائن تو تیری اماں ۔ وہ مردار چینو کی خالہ ڈائن تیرا کنبہ موئی ہر جائی تو تو اس قابل ہے کہ کھڑے کھڑے چنوا دے ۔

قمرن اور اس کی ساس میں آدھ گھنٹے تک گلخپ رہی اُس کے بعد مہراج بلی نے قمرن سے دریافت کیا کہ کیا کدرا کو یہ بھی معلوم ہے کہ نواب محمد عسکری کے گھر پڑ گئی ہو ۔ کہا نہیں مجھ سے دھر دھر کے پوچھتا ہے مگر میں بتاتی نہیں ہوں اور نہ بتاؤں گی ایسی کچی نہیں ہوں ۔

مہراج بلی ۔ تم نے یہ کیا غضب کیا کہ مجھ کو بلوایا اس وقت ۔

قمرن ۔ اب کوئی ترکیب ایسی بتاؤ کہ اس سے چھٹکارا ملے میں تو مر جاؤں گی یہاں ارے (زور سے) برف کا پانی لا جھلا ہوا پانی لا کیوڑا ڈال کے آب خاصہ چھان کے ۔

للتوا ۔ ہاں ! یہ بات ۔ ارے کدرا یہ اب تیرے کابل (قابل) نہیں رہی ۔

کدرا ۔ ہماری تو جان اس پر جاتی ہے ۔ چاہے مارے چاہے کوٹے چاہے گالیاں دے ، چاہے کوسے ، چاہے سو کرے ۔

للتوا ۔ جی اب برف دو ۔ کیوڑا ڈال کے پانی تو لے جاؤ منشی مہراج بلی نے کہا لے اب ہم رخصت ہوتے ہیں مگر جو ہم نے کہا ہے وہ یاد رکھنا ۔ لے خدا حافظ ۔

اب سنئے کہ جس دن شام کو نازو اور قمرن ڈولیوں پر سوار ہو کر چلی تھیں اُس روز نواب محمد عسکری صاحب کے دربار میں مسخرے صاحب اشعار تصنیف کر رہے تھے اور نواب صاحب کے فرشتے خان کو بھی خبر نہیں کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے ۔ عین اس گفتگو اور

شعر خوانی کے وقت قمرن اور نازو خوش خوش ڈولیوں پر سوار ہوئی تھیں۔

خیر اب سنیئے کہ مہراج بلی اور للتو اجو مکان سے گئے تو کدرا نے دروازہ بند کر لیا۔ اور قمرن کے ہاتھ جوڑے اور کہا دیکھو جینا اب نہ بھاگنا۔

کدرا ایک بورئیے پر سو رہا۔ صبح کو جو اُٹھا تو قمرن کو نہ پایا نہایت تشویش ناک ہوا کہ یا اللہ کیا تھا اور کیا ہو گا۔

جلسہ درہم و برہم ہو گیا

نواب محمد عسکری صاحب ہوا کھا کر شام کو جو ڈیوڑی پر آئے تو پہرے کا سپاہی پُرانے سپاہیوں میں سے نہ تھا۔ انہوں نے اس کا چنداں خیال نہ کیا۔ دو ایک اور آدمی ڈیوڑھی پر بیٹھے تھے وہ بھی سب نئے محل سرا میں گئے تو ایک دالان میں نواب بشیر الدولہ اور رونق جنگ کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ ایں! اے! یہ بشیر الدولہ کب آئے محمد عسکری دنگ کہ بشیر الدولہ یہاں کہاں اور لطف یہ کہ قمرن کے ہاں بیٹھے ہیں۔ ان سے دو دو باتیں کر کے کہا میں ذرا کپڑے اتارلوں تو ابھی آتا ہوں کھٹ کھٹ کرتے ہوئے کوٹھے پر گئے تو اور بھی دنگ ہوئے۔ ایں! قمرن نازو۔ ارے یہ دونوں کدھر چل دیں۔ دیکھتے ہیں تو عفت آرا ایں! تم یہاں کہاں بہن۔ وہ مسکرائیں۔ آؤ۔ آؤ اندر آؤ کمرے میں گئے، تو نادر جہاں بیگم۔ ایں! یہ کیا ماجرا ہے بھئی۔ کیا خواب دیکھ رہا ہوں۔ ایں! واللہ میری عقل نہیں کام کرتی۔ عفت آرا بیگم نے کہا یہ تم نے ابھی کس کا نام لیا تھا۔ قمرن اور نازو۔ یہ کون ہیں، قمرن تو چوڑی والی ہے۔ پہلے تو نواب صاحب کا رنگ فق ہو گیا۔ بعد ازاں مارے غصّے کے منہ لال ہو گیا۔ آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ نہ قمرن نہ نازو، نہ وہ مغلانی نہ وہ مہریاں نہ وہ خواصیں۔ سب نیا کارخانہ، نازو کے عوض عفت آرا اور قمرن کی جگہ نادر جہاں بیگم، اللہ اللہ خیر صلاح۔ غصّے میں نیچے اُترے بشیر الدولہ نے چھیڑنا شروع کیا۔ کہیئے حضور بیگم صاحب سے ملاقات ہوئی؟ کہا ہاں۔ مگر ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ آپ کتنی دیر سے یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ رونق جنگ کی طرف مخاطب ہو کر، بھئی میرے پاس ابھی ایک آدمی گیا کہ نواب رونق جنگ صاحب نے بُلایا ہے بڑا ضروری کام ہے جلد چلیئے یہاں جو آیا تو بشیر الدولہ بہادر بیٹھے ہوئے ہیں کوٹھے پر گیا تو آپ کی بیوی اور ہماری بیوی' اب میری سمجھ میں خود نہیں آتا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ یہاں جو لوگ رہتے

تھے، وہ کہاں بھاگ گئے اور ہے کیا ماجرا۔ بشیر الدولہ ہیں اور ہم اور آپ۔

نواب صاحب نے حسین علی خواص کو بلوایا کُل حال اس سے بیان کیا۔ اُس کو بھی حیرت ہوئی کہ یہ کیا اسرار ہے۔ کہا خداوند حکم ہو تو نازو کے میکے جاؤں اور وہاں دریافت کروں کہ یہ کیا طلسم ہے۔ حکم ہوا کہ ضرور جاؤ اور جلد آؤ۔ حسین علی قمرن کے میکے گئے تو دیکھا کہ چنّو کی جورو کھچڑی کھا رہی ہے۔ کہا آؤ کھچڑی کھاؤ۔ بسم اللہ کر کے حسین علی ایک مونڈھے پر بیٹھ گیا۔

ضعیفہ۔ کہاں بھول پڑے آج اتنے وقت حسین علی۔

حسین علی۔ آج خیریت نظر نہیں آتی۔

ض ۔ کیا! یہ کیوں۔ کیوں یہ کاہے سے۔

ح ۔ قمرن اور نازو کہاں ہیں؟

ض ۔ تمہارے یہاں۔ تم آتے کہاں سے ہو۔؟

ح ۔ وہاں تو نہیں ہیں۔

ض ۔ کیا! وہاں نہیں ہیں۔

ح نواب صاحب جو ابھی ہوا کھا کے آئے تو نہ نازو کو پایا نہ قمرن کو۔ نواب صاحب کی بیوی اور سالی اور نواب بشیر الدولہ اور رونق جنگ بیٹھے تھے۔ نواب صاحب کو بڑی حیرت ہوئی اور حیرت کی بات ہی ہے۔

ض۔ ہے ہی۔ ارے لوگو میں اب کیا کروں۔

ح ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ض ۔ میں تو اُسی ڈیوڑھی پر اپنا سر پھوڑوں گی۔ ارے لوگو یہ کیا سنائی سنائی۔ ارے دونوں کی دونوں غائب ہوگئیں ہارے میں کیا کروں۔

ح اب ڈھونڈھیں تو کہاں ڈھونڈھیں۔

ض ۔ آخر گھر میں کوئی اور ہے یا سب مر گئے۔

ح ۔ سب نئے نئے آدمی ہیں پُرانا ایک نہیں۔

ض ۔ یہ ہوا کیا یا اللہ میں خواب دیکھ رہی ہوں ارے یہ کیا ہوا لوگو۔

ح ۔ نواب صاحب خود ہکا بکا ہیں۔

ض ۔ تم جا کے نواب کو ذری یہاں تک تو لے آؤ۔ یہ سب ان کی بیوی اور سالی کا فتور ہے۔ ان ہی

دونوں نے مل کر یہ گل کھلایا ہے۔ ہم سمجھ گئے۔ مگر خدا جانے کہاں غائب کر دیا رو کر کہیں مردا تو نہیں ڈالا۔ کیا تعجب ہے۔ یہ کمبخت سوتیا ڈاہ بُری ہوتی ہے ۔

ح ۔ جی نہیں ۔ ایسا ہو سکتا ہے بھلا ۔

ض ۔ ارے تم کیا جانو یہ سوتیا ڈاہ بُری ہوتی ہے ۔ مثل نہیں سنی کہ سوت چون کی بھی بُری ہوتی ہے ۔

ح ۔ کہتی تو تم سچ ہو ۔ مگر ایسا ہو نہیں سکتا ۔

ض ۔ ارے میں کیا کروں لوگو یہ کیسا غضب ہو گیا ۔ میری بچیاں کہاں غائب ہو گئیں ۔

ح ۔ گھبراؤ نہیں اللہ کو یاد کرو ۔

ض ۔ ارے میرا دل تو اس وقت میرے قابو میں نہیں ہے، ہائے میں کیا کروں میرے اللہ !

ح ۔ مگر بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ غائب کہاں ہو گئیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔

ارے میں سمجھ گئی یہ عفت آرا بیگم کی چالاکیاں ہیں ۔ ہائے میں تو جیتے جی مر گئی ۔

اتنے میں ماما بازار سے آئی تو دیکھتی کیا ہے کہ بیوی پیٹ رہی ہیں ۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں ۔

ماما ۔ ارے بیوی خیریت تو ہے ہے ہے یہ کیا ماجرا ہے ۔ ابھی ابھی تو میں اچھا چھوڑ گئی تھی ۔ یا میرے اللہ خیر کیجیو کچھ طور بے طور ہیں ۔

ض ۔ ہائے نازو و قمرن تم کو کہاں ڈھونڈھوں ۔ ارے یہ چاند سی صورتیں کہاں چھپ گئیں میرے اللہ (سینے پر دو ہتھڑ مار کر) ہائے کیا کروں ۔

ماما ۔ (زمین پر بیٹھ کر) ہے ہے کیا ہو گیا

ض ۔ ارے میرے اوپر آسمان پھٹ پڑا ۔ قمرن اور نازو دونوں غائب ہو گئیں ۔ خدا جانے یہ کیا معاملہ ہے سمجھ میں نہیں آتا ۔

ماما ۔ اے تو کہیں پتا نہیں ملتا، یہ عجب گومگو کا معاملہ ہے ۔ خدا خیر کرے ۔

ض ۔ ارے میں سمجھ گئی، یہ عفت آرا بیگم کا سارا کیا دھرا ہے ۔ مجھے خوف یہ ہے کہ کہیں مردا نہ ڈالا ہو ۔ ہائے میری بچیوں پر کیا بیت گئی ۔

ماما ۔ حضور یہ آپ کا خیال ٹھیک ہے سوتیا ڈاہ بُری ہوتی ہے کون تعجب ہے ۔

حسین علی ۔ ایسا ہو نہیں سکتا ۔

ماما ۔ اے میاں کیا کہتے ہو ۔ ہزاروں سانحے ایسے ہوئے ہیں ۔ یہ آگ بہت بری ہوتی ہے ۔

ان سب نے مل کر لاکھ لاکھ فکر کی کہ کوئی معقول تدبیر نکلے مگر ایک نہ چلی ۔ ضعیفہ نے حسین علی سے کہا کہ اب تم نواب صاحب کو ذرا یہاں بھیجدو تو شاید کوئی تدبیر نکلے ۔ بغیر ان کے آئے کچھ نہ ہو سکے گا ۔

حسین علی نے واپس آن کر نواب صاحب سے عرض کیا کہ خداوند وہاں تو رونا پیٹنا ہو رہا ہے چنّو کی جورو کو ذرا بھی حال نہیں معلوم کہ نازو اور قمرن کہاں ہیں، وہ بچاری ڈاڑھیں مار مار کر رو رہی ہے ۔ مگر حضور یہ ہوا کیا ۔ قمرن اور نازو اور اپنی عورتیں مغلانیاں مہربان ۔ اور وہ سب ندارد اندر سے باہر تک سب نئے نئے آدمی ہیں ۔

اتنے میں چڈا گلجڑو آئے اور کہا حضور سنا قمرن بھاگ گئیں نواب صاحب نے کہا بھئی ہماری عقل تو کام نہیں کرتی کہ یہ کیا معاملہ ہوا ۔ نواب صاحب نے بشیر الدولہ اور رونق جنگ کو یہیں چھوڑا اور مسخرے اور چھٹّن صاحب اور آغا محمد اطہر کو لے کر باغ گئے، اور وہاں مسکوٹ ہونے لگی ۔

مسخرہ ۔ حضور نواب بشیر الدولہ کو للکاریں ۔

نواب ۔ وہ پیٹ جائے گا بڑا ہتھ چھٹ ۔

مسخرہ ۔ تو کیا حضور ڈرتے ہیں ان سے ۔

نواب ۔ میرا لنگوٹیا یار ہے ۔

چھٹّن ۔ وہ ان کے بگڑنے سے کیا ڈر جائے گا ۔

نواب ۔ وہ لپوٹا دے بیٹھے گا بھائی ۔

مسخرہ ۔ اچھا نواب رونق جنگ سے دریافت کرو کہ یہ کیا اسرار نہانی ہے، نہ قمرن نہ نازو نہ کوئی خادمہ اور پہرے والے تک بدلے ہوئے یونان کا تختہ بھی یوں ہی غرق ہو گیا تھا ۔ اچھی دل لگی ہے ۔

نواب ۔ ہماری تو جان پر بنی ہوئی ہے ۔ ان کو دل لگی سوجھتی ہے ۔ یا خدا یہ اتنے آدمی سب کے سب کہاں اڑ گئے طوفان آیا تھا ۔ آندھی آئی ۔ یہ ہوا کیا ۔ ذرا سمجھ میں نہیں آتا واللہ کہ یہ

کیا ماجرا ہے۔

آغا۔ یہ سب کارستانی اُس بوڑھی مغلانی کی ہے واللہ میں سچ کہتا ہوں۔

مسخرہ۔ بس بس ہزار بات کی ایک بات کہی۔ ؎

لوگو میں پہلے ہی سے کہتی تھی ڈنکے کی چوٹ
بوڑھی مغلانی یہ ڈھدو موئی ہے پھَفّن پیری

نواب۔ نہیں یار یہ سب کرتوت اس بشیرالدولہ کے ہیں بڑا وہ ہے۔

مسخرہ۔ ہاں اس میں بھی شک نہیں۔ شرارت تو ان کے چہرے سے برستی ہے۔ ؎

تیرے ہی سب ہیں یہ کرتوت ارے نواب بشیر
سچ زناخی نے کہا تھا تو مرا بیری ہے

نواب۔ بھئی یہ باتیں اس وقت ہمیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں، ہمارا اس وقت دم گھبرا رہا ہے۔

چھٹن۔ یار ممّن اور داروغہ کو بلوایا۔

حسین علی خدمتگار نے ایک مالی کو حکم دیا کہ جاکر داروغہ صاحب اور ممّن کو بلا لاؤ کہو کہ ٹم ٹم میں آئیں۔ مشکی گھوڑا جتوا نا تیز آئے گا۔ مالی کے کہتے ہی ممّن اور داروغہ ٹم ٹم پر سوار ہوئے اور باغ میں آئے۔ نواب صاحب کو اُداس دیکھ کر پوچھا کیوں خیر باشد۔ یہ سناٹا کیسا ہے۔ نازو اور قمرن کہاں ہیں یہ کیا۔ نواب صاحب نے کہا۔ ع

ہر بلائے کز آسمان آید

کیا؟ ہر بلائے؟ بلا دشمنوں کے گھر میں مسخرے نے افسوس کے ساتھ دبے دانتوں کہا غضب ہو گیا۔

کیا؟ غضب! بھئی یہ کیا ماجرا ہے یارو سب کے سب چپ اور قمرن اور نازو ندارد حضور فرمائیں تو آخر یہ کیا بات کیا ہے۔

داروغہ۔ خداوندا تو یارائے ضبط نہیں۔

ممّن۔ آغا صاحب یہ کیا بات کیا ہے خداوند۔

مسخرہ۔ ارے یار قمرن اور نازو کا پتہ نہیں ہے۔

ممن۔ اللہ کیا گھر کے اندر سے بھاگ گئیں۔

نواب۔ نازو اور قمرن کی جگہ ہماری بیوی اور عفت آرا موجود ہیں۔

غرض کہ ان سب نے مل کر لاکھ لاکھ فکر کی مگر کوئی عمدہ تدبیر نہ نکلی۔ اور سب بار بار یہی کہتے تھے کہ یہ ہوا کیا۔

بی قمرن کے حال سے تو ناظرین بخوبی واقف ہیں۔ کہ وہ کدرا کے مکان میں داخل ہوئیں اور وہاں گھنپ ہونے لگی۔ اب بی نازو کا حال سنئے کہ جس وقت زور سے آندھی آئی قمرن کی ڈولی تو کہار کدرا کے ہاں لے گئے سکھائے پڑھائے تو تھے ہی اور کدرا کو بھی یار لوگوں نے خبر کر دی تھی۔ جب ڈولی کدرا کے دروازے پر پہونچی اور قمرن اُتریں تو کدرا نے پکڑ لیا۔ کہار سیدھے چلے ہوئے اور نازو کی ڈولی کہاروں نے سطوت بہو کی ڈیوڑھی پر پہونچائی نازو نے کہاروں کو تاکید کی کہ قمرن کی ڈولی بھی ڈھونڈھ لاؤ۔ دو گھنٹے تو ہوئے تھے ہی سیدھے اڈے پہو نچے کسی نے آن کے کہدیا کہ قمرن آندھی کے سبب سے نواب صاحب کے یہاں لوٹ گئیں ان کو تلاش کروانا بیکار ہے۔

نازو نے کہا تو اچھا اب میں کل حاضر ہوں گی مگر سطوت بہو نے کہا بھلا کون عقل کی بات ہے کہ اس آندھی پانی میں ماری ماری پھرو کیا سرا میں ہو۔ آندھی نکل جائے تو چلی جانا۔

نازو۔ سرکار کام ہے ایک جلدی کا۔

سطوت بہو۔ جھوٹی ہو کوئی کام دام نہیں ہے۔

نازو۔ حضور اللہ جانتا ہے ضروری کام ہے۔

سطوت بہو۔ ذرا آندھی کم ہو جانے دو۔ پھر چلی جانا۔

نازو۔ حضور دیر ہو جائے گی۔

سطوت بہو۔ اے تو ذرا ٹھہر جاؤ۔ آدمی کسی کا کہنا بھی مانتا ہے بڑی وہ ہو۔

نازو۔ لے حضور تو خفا ہوئی جاتی ہیں اللہ قسم بڑی ضروری کام ہے۔

سطوت بہو اچھا لے اب کب آو گی۔

نازو۔ کل پرسوں تک پھر آوں گی حضور۔ اور اگر کسی ضروری کام میں پھنس گئی تو مجبوری ہے۔

سطوت بہو۔ ارے ابھی مینھ برس رہا ہے ذرا ٹھہر جا آخر جلدی کس بات کی ہے۔؟

نازو۔ کچھ نہیں بیگم صاحب مجھے قمرن کی طرف سے تشویش ہوئی تھی مگر اب معلوم ہوا کہ نواب صاحب کے ہاں پہونچ گئیں۔ ابھی بچہ ہے طرح طرح کا ڈر معلوم ہوتا ہے خداوند۔

س۔ نواب لٹو ہیں اُس پر۔ میں سنتی ہوں بہت ریجھے ہوئے ہیں۔ کیوں نازو۔

نازو۔ بات کو ٹال کر سُنا ہے کہ نواب محمد عسکری صاحب کی بیوی ابھی کلکتہ ہی میں رہیں گی۔

س۔ ہاں پارسال آئیں گی۔

نازو۔ (دل میں بہت خوش ہو کر) پارسال آئیں گی۔

س۔ ہاں پارسال آئیں گی۔

نازو دل میں بڑی خوش ہوئیں کہ نادر جہاں بیگم اب ایک سال تک غائب رہیں گی۔ اور یہ خبر ہی نہ تھی کہ محل سرائے میں نادر جہاں بیگم دندنا رہی ہیں۔

دو گھنٹے کے بعد نازو کو سطوت بہو نے رخصت کیا کہاروں نے پوچھا ڈولی کہاں لے چلیں۔

نازو نے کہا تم چلو ہم راستہ بتا دیں گے۔ نواب محمد عسکری صاحب کے مکان پر ڈولی اُتروائی اور دوڑتی ہوئی اندر آئیں۔ تو نواب بشیر الدولہ اور رونق جنگ کو دیکھا کہ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

بشیر الدولہ کو دیکھ کر شرمائیں کہ یہ اجنبی یہاں کون آ گیا رونق جنگ نے کہا کوٹھے پر چلو قمرن اور نواب دونوں بیٹھے ہیں۔ نازو اوپر گئیں تو۔ ع

کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے

قمرن نہ نواب نہ وہ بوڑھی عورت مغلانی نہ وہ مہری بالکل کایا پلٹ ہو گئی۔

جشن۔ اے کس کے پاس آئی ہو اور کون ہو۔؟

نازو۔ قمرن۔ قمرن۔ بی مغلانی۔ ایں!۔

مہری۔ بہن کس کو پوچھتی ہو۔؟

نازو۔ کس کو بتاؤں۔

مہری۔ ایں! یہ عجب تماشا ہے۔

نازو۔ کوئی ہمارے دل سے پوچھے۔

عفت آرا۔ (کمرے میں سے) مہری کون ہے بُلا لو۔

نازو نے جو کمرے کے اندر قدم رکھا تو کٹ گئی۔ جھک کے آداب عرض کیا۔

عفت آرا بیگم نے کہا آؤ آؤ اندر آؤ۔ اس وقت تم یہاں کہاں نازو؟

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

گھبرا گئی حضور ہی کے سلام کو آئی تھی۔ میں نے کہا ذرا جا کے حضور کی زیارت کرا ؤں۔
عفت آرا۔ ہمارے سلام کو آئی تھیں۔ ارے یہ قمرن کہاں چلی گئیں سنتے ہیں کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔ بڑا افسوس ہوا۔

نازو اس کا جواب دینے بھی نہیں پائی تھی کہ نادر جہاں بیگم چھم چھم کرتی ہوئی آئیں۔ نازو انہیں کا نام ہے، اور وہ ہماری سوت بی قمرن کہاں ہیں۔ ہمیں ان کے دیکھنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ یہ اس وقت کہاں بھول پڑیں۔

نازو بہت ہی شرمائی گویا سیکڑوں گھڑے عرق انفعال کے پڑے۔

نادر جہاں۔ کیوں کیوں یہ پسینا کاہے سے آیا۔

نازو۔ سرکار۔ حضور۔

نادر جہاں۔ قمرن کو تو بڑا عروج ہوا۔ لڑکی لے کے پائیں سمیٹتی تھی آن کے۔ بازار کی پھرنے والی عورت دمہنار کی چھوکری۔ اور ہماری سوت! اُس کی کبریائی ہے۔ اب ہے کہاں علیحدہ مکان لیا ہوگا اُس کے لئے۔

نازو مارے شرم کے بھاگی اور سیدھی اپنے گھر پہونچی۔ بڑھیا نے کہا ارے بابا بتاؤ تو یہ ہوا کیا۔ قمرن کہاں ہے نازو رونے لگی۔ امّی جان ہم کو قمرن کا حال کچھ نہیں معلوم ہے خدا جانے کہاں ہے اس وقت ہم تو بُرے پھنسے۔

نازو نے پوری سرگزشت من وعن کر سنائی تو ضعیفہ نے دو ہتڑ پیٹنا شروع کیا ہے میں کہیں کی نہ رہی۔ ارے میں تو اُسی وقت تاڑ گئی تھی جب تجھ سے اور سطوت بہو سے کانا پھوسی ہوئی تھی۔ بس میں سمجھ گئی۔ نادر جہاں بیگم کو کسی نے خط یہاں سے بھیجا ہوگا کہ اس کے دیکھتے ہی تم چلی آؤ۔ وہ وہاں سے چڑھ دوڑیں تم اور قمرن تو ڈولیوں پر سوار ہوئیں اور راستے میں تفرقہ پڑ گیا تو کہیں وہ کہیں۔ اور گھر میں جو عورتیں نوکر تھیں اُن کا بھگا دینا کون بات تھی۔ عفت آرا اور نادر جہاں سب مکان پر آکے قابض ہوگئیں۔ اب نواب کی بھی وہاں دال نہیں گلتی۔ اور جو اُس کے میاں کو معلوم ہوگیا تو ناسٹم نالشا ہوگا۔ فضیحتا ہوگا اور قمرن کو وہ لے جائے گا اور ہماری روٹیاں جائیں گی تیری بدعقلی سے یہ ہوا ہم نے کہا تھا کہ قمرن کم سن ہے تو اس کو عقل سکھائے گی مگر الٹی ہوگئی۔ ہم سمجھے کچھ تھے ہوا کچھ اور۔

نازو۔ امّی جان وہ اب ہوگی کہاں اس وقت۔

حسن۔ وہ سیدھی پہونچی ہو گی اپنی سسرال۔

نازو۔ ہے ہے۔ تو پھر اب وہ کاہے کو آنے دے گا۔

حسن۔ معلوم ہوتا ہے کہ کہاروں کو سکھا دیا تھا کہ قمرن کی ڈولی کدرا کے یہاں لے جانا۔ اچھا تیری ڈولی کہار کہاں لے گئے تھے۔

نازو۔ سطوت ہو کے یہاں۔ اور کہا قمرن آندھی کے مارے پلٹ گئیں۔ دو ڈھائی گھنٹے ہم کو اُٹھنے نہ دیا۔ اس کے بعد جو ہم آتے ہیں تو نادر جہاں بیگم اور نواب رونق جنگ کے گھر کے لوگ ہم سے نادر جہاں بیگم نے پوچھا کہ ہماری سوت بی قمرن کہاں ہیں۔ مجھے بڑی شرم آئی کٹ گئی میں۔

حسن۔ یہ بھی لڑکپن کیا۔

نازو۔ پھر کیا کہتی امی جان۔

حسن۔ اب کل ہم چلیں گے۔

نازو۔ اے ہے۔ کچھ کہہ نہ بیٹھیں۔

حسن۔ وہ کیا کہیں گی۔ کہیں گے ہم۔

نازو۔ میں تو ڈر گئی امی جان۔

حسن۔ ہمیں کوئی شک نہیں کہ قمرن ہیں اپنی سسرال ہی میں۔ اور کہیں اگر ہوں تو ہم کچھ ہارتے ہیں۔ جس کا جی چاہے بدلے ہم سے۔ اور کدرا اب بھلا کہاں بھیجے گا۔ توبہ توبہ۔ یہ دل سے دور رکھو۔

نازو۔ رات کو وہ بھاگ بھی نہیں سکتی۔ کل کی چھوکری۔ دوسرے ڈرپوک۔ تیسرے پہنے اوڑھے چور چکار ملے تو لینے کے دینے پڑیں۔

حسن۔ اب بھاگنا واگنا سب دل سے دور رکھو۔

نازو۔ دیکھئے خدا کیا کرتا ہے۔

کل وہ باجی نے مری جان پہ آفت ڈھائی

مرتے مرتے میں بچی لوگو بہت گھبرائی

باجی اور ہم جو ہوئے ڈولیوں پر جا کے سوار

بس کوئی دو ہی قدم پہونچے کہ اندھی آئی!
کیا بتاؤں میں زنانخی وہ موا اندھیر تھا
ہاتھ کو ہاتھ نہیں دیتا تھا کچھ نظر آئی
اور وہ بہرا موئے درگور گنواروں کے لٹھ
لے کے ڈولی کو جو بھاگے تو نہ پھر ٹھہرائی
گھر بھی چھوٹا مرے نواب بھی مجھ سے چھوٹے!
کس مصیبت میں پڑی ہائے میں بی ہمسائی!

خاتون برق دم پری چھم نواب شہزادہ بیگم غافل سو رہی تھیں نیچی پلنگڑی چاندی کے پائے۔ نواڑ نئی۔ بریلی کی دری، سوتی قالیچہ اور سفید تکیے کے پرکی سی چادر کے اوپر بیلے چنبیلی کے پھول سرھانے پر ایک جھجری کوری، اس پر چاندی کی کٹوری، کیوڑے کا شیشہ کیوڑا منشی نثار حسین نثار کی دکان کا کہ اگر دو بوند ایک گھڑے میں ڈال دیجئے تو ہفتہ بھر تک مہکا کرے ایک حبشن میٹھی پھولوں کی پنکھیا جھل رہی ہے۔ کوئی پانچ بجے ہوں گے کہ دروازے پر کسی نے دستک دی اور شہزادہ بیگم کے ولائتی کتے نے بھونکنا شروع کیا۔ عبداللہ خاں خدمتگار کی آنکھ کھل گئی۔ پوچھا کون ہے آواز تو نہیں آئی مگر پھر کسی نے دستک دی، اور کتے نے اور بھی بھونکنا شروع کیا۔ عبداللہ خاں نے کتے کو للکارا۔ چپ وہ ہائیں! ہائیں۔ ارے چپ۔ پھر کسی نے دستک دی۔ تو عبداللہ خاں دروازے کے پاس گئے۔ کون صاحب ہیں نے دوڑ کے کہا ارے کھولتا نہیں۔ عبداللہ خان پوچھ لو پہلے اتنے میں کسی نے بڑے زور سے دروازے پر تھپکی دی تو عبداللہ خاں نے کہا ارے صاحب کون ہو اتنے میں پانچ بجے تب تو عبداللہ خاں بھی نثیر ہو گئے۔ چٹ دروازہ کھول دیا تو ایک کم سن نو عمر عورت چھم چھم کرتی ہوئی اندر آئی۔ عبداللہ خان نے پہچانا نہیں کہ یہ کون ہیں۔ مگر صورت شکل چال ڈھال لباس نے ایسا رعب جمایا کہ الگ ہٹ گیا اور کہا حضور کس کی تلاش میں ہیں۔ انہوں نے جواب نہیں دیا۔ اور کہا ہم کو زینہ بتا دو۔ عبداللہ خاں نے سات دفعہ سلام کیا۔ حضور یہ زینہ ہے۔ یہ کوٹھے پر گئیں جہاں شہزادہ بیگم آرام کر رہی تھیں حبشن دنگ کہ یا اللہ یہ کون ہیں اور اس وقت کہاں سے آئیں۔

اس پری پیکر غیرت قمر نے جاتے ہی شہزادہ بیگم کا شانہ پکڑ ہلایا تو وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں۔ اخاہ ممولا بیگم ہیں اے بہن اس وقت کہاں، انہوں نے کہا۔ ایں چہ خوش چلی جاؤں

ہو جاتے ہیں۔ جیسے ہی یہ جانے لگیں۔ شہزادہ بیگم نے ہاتھ پکڑ لیا۔

شہزادہ۔ اوئی یہ آتین کیا اور بھاگی کیا جاتی ہو۔

ممولا۔ تم نے بات ہی ایسی کہی اس وقت کہاں ؟

شہزادہ۔ اے توبہن یہ تو بات کہنے میں آتی ہے۔

ممولا۔ ہم کو ذری پانی پلوا دو۔ بڑی پیاس لگی ہے ٹھنڈا ہو۔

شہزادہ۔ اے ٹھنڈا ایسا ہو کر دانتوں میں لگے۔ لو سوسن پانی پلا دو ہماری بہن کو۔

سوسن۔ بہت خوب حضور۔

راوی۔ سوسن نے جھجری سے شیشے کے گلاس میں پانی اُنڈیلا اور دوسرے گلاس میں چھانا اور برف توڑ کر ملائی اور کیوڑا ڈال کر ممولا بیگم کو دیا۔ انہوں نے پیا تو بڑی ہی خوش ہوئیں۔ کہا اللہ جانتا ہے ہمیں بڑی پیاس اس وقت لگی تھی۔ مگر کیا ٹھنڈا پانی ہے لوا سوسن تمہیں ہم انعام دیں گے۔ یہ لو ایک روپیہ۔

سوسن۔ سرکار لونڈی ہرگز نہ لے گی۔ بندی کا فرض نہیں ہے کہ پانی پلائی لے۔ ہندو فنک تو آج کل پوسالہ بٹھاتے ہیں۔ لوگ سبیلیں رکھتے ہیں۔ ہم حضور کو پانی پلائیں اور انعام لیں۔ یہ ہرگز نہ ہوگا۔

شہزادہ۔ کیا اچھی صبح ہے۔ ہاہاہا۔

ممولا۔ ہم اس وقت بڑی دور سے آتے ہیں۔

شہزادہ۔ کیا پیدل۔ نہیں نہیں۔

ممولا۔ تمہارے سر کی قسم پیدل۔

شہزادہ۔ یہ کیوں۔ یہ کاہے سے۔

ممولا۔ ایک ہماری گیان ہیں قمرن۔

شہزادہ۔ رہتی تھیں۔ اب نہیں ہیں یہاں۔

ممولا۔ کیا اب اُٹھ گئیں۔ ابھی کل تک تو ہم سے بات چیت ہوئی۔ اے یہ ہیں کون بہن۔

ممولا۔ بیگم ہیں کوئی نواب محمد عسکری کی بیوی۔

شہزادہ۔ نازو ان کی بہن ہیں۔ دونوں اچھی عورتیں ہیں اور ملنسار ہیں۔ اللہ جانتا ہے۔

ممولا بیگم نے کہا بہن دنیا میں یہی رہ جاتا ہے۔ کوئی دولت کاندھوں پہ لے کے نہیں جاتا۔ بادشاہ ہو چاہے فقیر بہن دل عجیب شے ہے۔ اگر تم ملنسار نہ ہوتیں تو ہم کاہے کو تمہارے گھر اس وقت آتے۔ جیش بولی حضور میں تو لونڈی ہوں، بیگم صاحب کی میں اگر تعریف کروں تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ خوشامد کرتی ہے۔ مگر اللہ جانتا ہے کہ میں نے تو کوئی بیگم ایسی نہیں دیکھی۔ اب حضور میں کیا عرض کروں کس قدر ملنسار ہیں۔ اور اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ ستاسی روپے وثیقے کے ہیں۔ مگر جواہرات اور زیور بیچ بیچ کے کھاتی ہیں۔

شہزادہ۔ بہن تم آخر شش اس وقت آتی کہاں سے ہو۔

ممولا۔ اب صبح کو کہیں گے۔

شہزادہ۔ اوئی ابھی تمہارے نزدیک تڑکا نہیں ہوا۔

سوسن۔ اے حضور تڑکا پھر اب اور کیسا ہوگا۔ اب تو کل تڑکا ہو تو ہو۔ حضور کے نزدیک ابھی رات ہی ہے۔

ممولا۔ اے کوتے تک تو نگوڑے بولتے نہیں۔

شہزادہ۔ بہن بالکل تڑکا ہوگیا۔ وہ دیکھو سپیدۂ صبح نمودار ہے۔

ممولا۔ تم سے اور ان سے یہ جواب آن کے رہی ہیں اسے یہی جو پڑوس میں ہیں۔

شہزادہ۔ ہاں ہاں کہو کیا کہتی ہو۔

ممولا۔ تم سے ان سے ملاقات ہے۔

شہزادہ۔ نہیں بہن ابھی بات چیت بھی نہیں ہوئی

ممولا۔ اور وہ جو پہلے رہتی تھیں۔

شہزادہ۔ وہ تو ہماری گیان تھیں۔

ممولا۔ وہ چلی کہاں گئیں۔

شہزادہ۔ ہم نے ابھی کل تک اُن کو دیکھا تھا اور باتیں ہوئی تھیں مگر کہتی ہو کہ وہ کہیں چل دیں۔

ممولا۔ قمرن۔ ہاں بیشک وہ اب یہاں نہیں ہیں۔

شہزادہ ۔ یہ گئیں کہاں۔ اور اب یہ کون آئی ہیں ۔

ممولا۔ یہ کیا جانیں کون ہیں ۔

شہزادہ۔ نواب تو کوتے بولے۔ اب تو تڑکا ہوا۔ کہ اب بھی رات ہی ہے۔ اب سویرا ہے بہن رات کیسی بالکل تڑکا ہوگیا۔ لو۔ مرغ اذان دے رہا ہے ۔

اتنے میں پڑوس سے آواز آئی۔ اے مغلانی بی مغلانی اوئی یہ نیند موئی کیا موت کی بہن ہے ۔

مغلانی آنکھیں ملتی ہوئی اٹھی۔ "حضور اب اس وقت لونڈی سے کیا کام ہے۔ کہا وہ محرم تیار ہوئی کہ نہیں ۔

مغلانی ہنس کے بولی "سرکار بھلا یہ کون وقت ہے "

بیگم صاحب نے کہا ارے پہرے پر اتنا کہدو کہ وہ موئی چوڑی والی نہ آنے پائے ۔

شہزادہ ۔ سنتی ہو بہن ۔؟

ممولا ۔ ہاں سنتی ہوں ۔

شہزادہ۔ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔؟

ممولا۔ اللہ جانے ۔میں خود حیران ہوں ۔

شہزادہ ۔ اسے یہ کون ہیں۔؟

ممولا ۔ یہ کوئی بیگم ہوں گی ۔ مگر بڑی بیڈھب ہیں ۔

شہزادہ ۔ اچھا تو ہم اسے بہنا پا کریں گے ۔

ممولا ۔ اوئی۔ پہلے سمجھ تو لو کہ یہ ہیں کیسی ۔

شہزادہ ۔ کیسی ہیں! چاہے جیسی ہوں ۔

ممولا ۔ اے تم پڑوس میں رہ کر اتنا بھی دریافت نہیں کر سکتی ہو، کہ وہ کہاں گئیں، اور یہ کون ہیں ۔

شہزادہ ۔ اچھا تو ہم ابھی دریافت کئے دیتے ہیں ۔

ممولا ۔ ارے نہیں۔ نہیں۔ بہن ۔

شہزادہ ۔ (دروازے پر ہاتھ مار کر) اچھا اُن کو بلالیں ۔

ممولا ۔ نہیں۔ نہیں بس تو لو ۔

شہزادہ۔ سُن اکیا کوئی ہم اُن کا دیا کھاتے ہیں۔ ہم کو آخر ڈر کیا ہے۔ اوئی تم تو ناحق ڈری جاتی ہو۔

اتنے میں کسی نے پڑوس کے مکان میں کہا اے حضور وہ موئی قمرن تو نو بجے اُٹھتی تھی۔ بس جہاں سوئی وہیں کی ہو رہی۔ اور اُس کی بہن نازو بھی دونوں مننانی اُدماتی پھر رہی ہیں اور اس قدر کی پینے والی کہ میں کیا عرض کروں حضور بڑی پینے والی۔

ممولا بیگم اور شہزادہ بیگم دونوں نے یہ تقریر سُنی تو شہزادہ بیگم نے کہا بہن سنتی ہو۔ انہوں نے کہا ہاں بہن سنتے ہیں۔ آخر یہ کیا ماجرا کیا ہے۔

اتنے میں شہزادہ بیگم نے دروازہ کھولا اور سلاخوں سے جھانکنے لگیں تو ایک مہری نے نادر جہاں بیگم سے کہا سرکار وہ دیکھئے کون جھانک رہی ہیں۔ انہوں نے جو دیکھا تو اُٹھ بیٹھیں۔ پہلے تو کہا ارے یہی تو کہیں قمرن نہیں ہے اُس نے کہا حضور میں قمرن کو خوب پہچانتی ہوں۔ وہ ان سے زیادہ گوری ہے۔ اور سن دن میں بھی ان سے کم ہو۔

نادر جہاں ۔ یہ کون جھانک رہی ہیں۔

شہزادہ ۔ تمہاری ہمسائی ۔

نادر ۔ (اُٹھ کر) تم اسی مکان میں رہتی ہو بی ہمسائی ۔

شہزادہ ۔ جی ہاں ۔

نادر ۔ کب سے ہو اس مکان میں

شہزادہ ۔ اے کوئی دو برس کے قریب ہوئے ہم تو تم کو پہچانتے ہیں۔ تمہیں نہیں یاد ہے ۔

نادر ۔ ہاں کچھ خیال تو ہے ۔ مگر ذہن سے اتری ہوئی ہے بات کچھ بتا دو ۔

شہزادہ ۔ عفت آرا بیگم کو جانتی ہو ۔

نادر ۔ لو جاننے کی ایک ہی ہوئی ۔

اتنے میں ممولا بیگم دل میں خفا ہو کر چلی گئی اور حبشن سے کہا ذری جا کے شہزادہ بیگم کو بُلا لاؤ ۔ کہو ایک ضروری کام ہے اور جو وہ نہ آئیں تو کہنا وہ چلی جاتی ہیں۔

حبشن فوراً آئی اور کہا حضور وہ بلا رہی ہیں۔ ایک ضروری کام ہے ۔

شہزادہ ۔ کہو آتی ہیں ۔ جلدی کاہے کی ہے ۔

۔ حضور وہ کہتی ہیں میں جاتی ہوں۔

شہزادہ۔ (نادر جہاں بیگم کی طرف مخاطب ہو کر) بہن میں ابھی ابھی آئی۔ ٹھہری رہنا۔ تم تو ہماری جان پہچان نکلیں۔ تم سے ہمارا دل بہت بہلے گا۔

نادر۔ ای کون سا ایسا ضروری کام ہے۔ جو اس قدر گھبرا گئیں۔ ٹھہرو چلی جانا۔

شہزادہ۔ ہماری ایک دوگانا آئی ہوئی ہیں مولا بیگم، وہ اکیلی گھبرا رہی ہیں۔ اُنہوں نے بُلایا ہے میں اُن سے دو دو باتیں کر کے ابھی ابھی آئی۔

نادر۔ اے تو ان کو بھی بلا لو۔

شہزادہ۔ شاید وہ آئیں یا نہ آئیں۔

نادر۔ یہ کیوں۔ نہ آنے کی کیا وجہ۔ اے بلا بھی لو بہن تم بھی کیا باتیں کرتی ہو۔

شہزادہ۔ اے وہ ذرا شرماتی ہیں۔

نادر۔ شرمانے کی کون بات ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اے یہیں بلائیں لو۔ ہم بھی ذرا دیکھیں کیسی ہیں۔

اے بی چمپئی ساری والی میں صدقے ذرا ہمیں بھی مکھڑا دکھا دو

مرے آرام جاں زار ہے ہے — مرے پیارے مرے دلدار ہے ہے
یہ کیا تقدیر نے مجھ کو دکھایا — کہ جینا ہو گیا دشوار ہے ہے
نہ سمجھے تھے کہ پیش آئے گا یہ حال — فلک دے گا مجھے دشوار ہے ہے
یہ مکھڑا جس پہ سو جانیں تصدق — وہ ہو شمشیر سے افگار ہے ہے

یہ آنکھیں جو نہ جھپکیں تیر سے بھی
نہ پہچانیں وہ روئے یار ہے ہے

ایک نوخیز، مہ لقا، لالہ رُخ، کم سن، حسینہ جادو جمال، پری تمثال، لب بام کھڑی ہو کر مثنوی کی دُھن میں اشعار حیرت بار مندرجۂ بالا لہرا لہرا کر گا رہی ہیں۔ چمپئی رنگت اور چمپئی رنگ کی ساری زیب بدن ہے۔ نیچے چمپئی رنگ کی پھنسی ہوئی کرتی آستینوں دار بال بکھرے ہوئے کمر تک لٹکے ہوئے عطر حنا سے از سر تا پا معنبر صورت وہ کہ پریاں گھورا کریں اداؤں کی عالم فریبی وہ کہ ملائکۂ نورانی تک فریفتہ ہو جائیں زہاد کس گنتی میں ہیں۔

نور کا تڑکا تھا چمپئی رنگ اور بھی جوبن دیتا تھا اتنے میں بادل گرجا اور ہوا کا جھونکا چلا

اور بڑے زور سے آندھی آئی

شہزادہ بیگم اور مولا بیگم کمرے کے اندر چلی گئیں اور دروازے بند کر لئے۔ آندھی کے تھمتے ہی مینہ موسلا دھار برسنے لگا اور بجلی برابر لونکنے لگی اور ادھر مولا بیگم نے دروازہ کھولکر تان لگائی۔

مورا دن دن بڑھت سہاگ سیاں نہیں آئے رے یا

اس حسرت سے یہ تان لی کہ شہزادہ بیگم کے دل میں ہوک اٹھنے لگی اور پڑوس میں وہ جو گورے گورے رئیس رہتے تھے وہ بھی ہزار جان سے ان کی خوش الحانی پر عاشق اور فریفتہ ہو گئے۔ ہائے ؎

مزہ دے جائے گی جو دل سے ہو گی

دل سے لگی تھی نہ۔ ایک تو خود خوش الحان دوسرے مینہ جھم جھم برس رہا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے ہیں، اور تڑکے کا وقت۔

اس عندلیب موزوں ترانہ طوطی شیریں فسانہ کے اس نغمۂ دلکش نے پڑوسیوں کے دلوں پر اثر کیا اور ابھی صورت کسی نے نہیں دیکھی تھی۔ ؎

کیا گل ہے ہزارہ دیکھئے تو

سنیے تو ہزار داستاں ہے

شہزادہ بیگم کو کسی قدر حیرت ہوئی کہ مولا بیگم کو یہ آج کیا سوجھی کہ اس بے تکلفی کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھول کر لہرا لہرا کے گانے لگیں اور آواز اس وقت کیوں بدلی ہوئی ہے قریب ان کے دیکھا تو کھکھلا کے ہنس پڑیں۔ اوئی ہم کو اس وقت ہو کیا گیا تھا ایک تو اندھیاری تھی۔ دوسرے نیند کے جھونک تیسرے تمہارے آنے کا سان گمان بھی نہ تھا۔ چوتھے مولا بیگم کبھی کبھی اس طرح پر آیا کرتی ہیں۔ تڑکے تڑکے اکثر آئی ہیں اے لو اچھا ہوا جو نادر جہاں بیگم کے بلانے سے تم سامنے نہ ہوئیں۔

قمرن نے کہا مجھے بڑی ہنسی آتی تھی کہ تم ہمیں مولا بیگم جو کہتی جاتی تھیں، اور میں نے بھی صورت ایسی چھپائی کہ میں کیا کہوں، اور یہ ساری اور کرتی انہیں کی ہے۔ شہزادہ بیگم ہنسنے لگیں ای جب ہی تو دھوکہ ہو گیا۔ یہ آخر ماجرا کیا ہے تمہارا اور نازو کا حال تو ہم کو معلوم ہو گیا کہ نواب محمد عسکری تم پر عاشق ہوئے، اور ایسے لٹو ہوئے کہ تم کو گھر ڈال لیا۔ مگر اب یہ کیا ہوا۔ قمرن نے کہا بہن ذری سستا لیں تو اپنی ساری سرگزشت تم سے بیان کریں۔

مورا دن دن بڑھت سہاگ سیاں نہیں آئے رے

کیسے چین کٹے نواب کی بدولت کہ دل ہی جانتا ہے مگر اب سناٹا ہو گیا۔ ہائے ؎

صراحی ہے نہ بادہ ہے نہ ساغر　　پڑی ہے اوس ساقی میکدے پر
جو یاد آتا ہے مجھ کو خندۂ جام　　ٹپکتے چشم سے ہیں اشک گلفام
دکھایا گریۂ شیشہ نے یہ رنگ　　کہ تیغ موج مے سے دل ہے چو رنگ
مے گلگوں جو تازہ رنگ لائی　　نئی آنکھوں کو کیفیت دکھائی

قمرن نے شہزادہ بیگم سے کہا کیوں بہن ہم کو دو تین گھنٹے اپنے یہاں ٹھہرنے کی اجازت دو گی یا نہیں۔ کہا دو تین گھنٹے نہیں جب تک مرضی ہو۔ گھر ہے تمہارا بہن' اتنی شہ جو پائی تو قمرن نے عبداللہ خان سے کہا اگر ہمارے گھر پہ جا کے ہماری بہن سے چپکے سے کہہ دو کہ قمرن نے بلایا ہے۔ تو بڑا احسان ہو ہم تم کو انعام دیں گے۔

عبداللہ خان نے کہا میں حضور کا نمک کھاتا ہوں، انعام اتنی سی بات کے لئے کیسا۔ مہرا کو بھیجے دیتا ہوں۔ کہا نہیں تم خود ہی جاؤ اور سمجھا کے کہنا۔ پوچھا مکان کا پتا۔ انہوں نے ٹھیک ٹھیک پتا بتا دیا اور تاکید کر دی کہ خبردار کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔

عبداللہ خاں پتا پوچھتے ہوئے مکان پر پہونچے۔ پوچھا نازو کس کا نام ہے نازو سے کہا تمہاری بہن نے بھیجا ہے اور بلایا ہے' نازو نے اس آدمی کو غور سے دیکھا تو کہا اے یہ تو عبداللہ خان ہیں۔ شہزادہ بیگم کے نوکر۔ کہا ہاں حضور فوراً ڈولی منگوائی جان میں جان آئی۔ ضعیفہ بھی خوش ہوئی کہ بخیر گذشت۔ نازو ڈولی پر سوار ہو کر شہزادہ بیگم کے ہاں اُتریں

نازو۔ اُف۔ جان میں جان آئی توبہ توبہ۔

قمرن۔ یہ سب تمہاری عقل کا فتور ہے باجی جان۔

نازو۔ اے تو بہن اب میں کیا کسو کے پیٹ میں بیٹھی ہوں۔ بڑا دم دیا اللہ جانتا ہے۔ بڑی دم باز ہیں۔

قمرن۔ اب نواب کو کیوں کر پتا لگے ہمارا۔

نازو۔۔ ای کون مشکل بات ہے بہن۔ اور تم یہاں کس طرح پہونچیں۔ اپنا حال تو کہو۔ کیا گزری رات کو کہاں رہیں۔ ہے ہے بڑی بے وقوفی ہوئی۔

قمرن۔ اچھا تم کیا سوچتی تھیں۔ ہم کہاں تھے بھلا۔

نازو۔ امی جان کی رائے ہے کہ تم سسرال میں تھیں۔

قمرن۔ اے ایسی بُری پھنسی کہ توبہ۔ مگر پہلے تو میں نے ساس مردار کو خوب سنائیں۔ پھر اُس

مونڈی کاٹے کو رات کو جب سویا تو میں نے دروازے کی کنڈی کھول کے راہ لی۔ مگر اس میں تمہارے مہاراج بلی نے بڑی مدد دی۔ ان کے دو آدمی آئے تھے۔ وہاں سے مولا بیگم کے یہاں گئی وہاں کپڑے بدلے اور ڈولی پر یہاں آئی۔

ادھر تو یہ گفتگو ہوتی تھی۔ اب ذرا کدرا قمرن کے میاں کے یہاں کا حال سنئے۔ کہ جب کدرا صبح کو اُٹھا اور قمرن کو غائب پایا تو بدحواسی کے ساتھ چو طرفہ ڈھونڈنے لگا۔ ڈھونڈ ھتے ڈھونڈتے ہار گیا۔ تو للتوا کے پاس پہونچا کہا یار دیکھو دوستی یارانے میں ایسا نہ چاہئے۔ اب کی جرورر (ضرور) تم نکال لائے ہو۔

للتوا نے کہا ارے کیا پھر بھاگ گئی۔ یار تم بڑے ہی بے گا بھل رہتے ہو۔

کدرا۔ ہمارا دل گواہی دیتا ہے کہ تمہارے ہی پھیر میں گئی ہے اب کی دپھا (دفعہ)

للتوا۔ اچھا بھائی اب کی پھر مار پیٹ کر۔ اور کیا۔

کدرا۔ آکھر (آخر) پھر کہاں گئی۔؟

للتوا۔ ہماری جانے جوتی۔ کہاں گئی۔

کدرا۔ بڑی بدجات عورت ہے۔

للتوا۔ اور تم اپنے تئیں تو کہو۔ یہ نہ ہوا کہ پکڑ کے جھونٹے ایک بیس جوتے لگاتے کہ حرامجادی کہاں گئی تھی تو۔ اور رسّی سے ہاتھ پاؤں باندھتے۔ اور درواجا (دروازہ) کردیتے بند۔ بس چلو سیدھی ہو جاتی تم اُلٹے ہاتھ جوڑتے تھے اور وہ کہتی تھی الگ ہٹ نکوڑے۔ سائیوں سے پٹوادوں گی چرکٹوں سے پٹوادوں گی۔ اُسی وقت پکڑ کے بیس لگانے اور ہمیں ہمارے سپرد کر دیا ہوتا۔ پھر دیکھتے کہ ہم کیسا سیدھا بنا دیتے حرامجادی کو۔

کدرا۔ کیا کہیں یار اب کہاں جا کے ڈھونڈھیں بڑا گجب (غضب) ہو گیا۔

للتوا۔ اس کے میکے جاؤ وہیں آئی ہوگی سمجھے۔

کدرا۔ سچ کہتے ہو یار۔ چلو وہیں چلیں۔

کدرا نے للتوا کو بھی ساتھ لیا۔ وہاں پہونچے تو چھٹّو کی جورو فوراً بھانپ گئی۔ کہ معلوم ہوتا ہے رات کو اسی کے ہاں گئی تھی مگر بھاگ کھڑی ہوئی اور یہ پھر موچی کا موچی ہی رہا کدرا نے کہا وہ کہاں ہے ضعیفہ نے استقلال کے ساتھ جواب دیا اپنی بھاوج کے یہاں گئی ہوئی ہے۔ کہا نازو کو نہیں پوچھتا اس کو پوچھتا ہوں۔ ضعیفہ نے بڑی حیرت کے ساتھ دریافت کیا اُس

لوکس کو قمرن کو۔
کدرا۔ کل تو ہمارے یہاں تھی رات کو۔
ضعیفہ۔ (متحیر ہوکر) ارے قمرن قمرن۔
کدرا۔ ہاں کمرن۔ تمہاری۔
ضعیفہ۔ میں تو اب اُس کی صورت نہ دیکھوں کی سمجھا دینا۔ کہ خبردار میری دہلیز پر قدم نہ رکھے میری دہلیز پر قدم رکھے گی تو کوچے کاٹ ڈالوں گی۔
راوی۔ کدرا پر چکمہ چل گیا۔
کدرا۔ کیا جانے اُس کو کیا ہوگیا ہے۔ کل پھر بھاگ گئی۔
ضعیفہ۔ ے اور سُنو۔ باندھ کیوں نہ رکھا۔
کدرا۔ باندھ کیا رکھتا۔ کچھ بچّہ ہے جو باندھ رکھوں۔
ضعیفہ۔ ارے دروازے میں قفل کیوں نہ لگا دیا۔ بڑا بے وقوف ہے۔
کدرا۔ کلپھ (قفل) تو تھا مگر کنجی بھولے سے وہیں رہ گئی۔
للتوا۔ اُلّو تو ہے ہی۔
کدرا۔ اور کلپھ اور کنجی بھی لے گئی۔
للتوا۔ واہ ہے جب (تعجب) ہے کہ تم کو چھوڑ گئی۔
چنّو کی جورو تے کہ ایک ہی خرانٹ مکّار عورت تھی۔ بڑی دیر تک آنسو بھی بہائے۔
کدرا یہاں سے اُٹھا تو للتوا سے مشورہ کرنا شروع کیا۔ کہ اب کیا کرنا چاہیئے یار۔
للتوا۔ یار چلو چل کے پھال (فال) کھلوائیں۔ یہ دونوں تو فال کھلوانے گئے۔
اب اُدھر کا حال سنئے کہ قمرن جان پھر بدستور لہرا لہرا کر گانے لگیں۔
درد جدا اٹھاری رہوں۔ پیا کے آون کی بھئی بریان درد جدا اٹھاری رہوں ہوں۔
اتنے میں پڑوس سے آواز آئی واہ بی چمپئی ساری والی ہیں صدقے ذری مکھڑا تو دکھا دو
یہ آواز شہزادہ بیگم اور نازو اور قمرن اور لوسن سب نے سنی۔ اور قمرن چمک کر ایک کرسی پر کھڑی ہوگئی تو جس شخص نے آواز دی تھی اُس کو صاف اُس کا چاند سا مکھڑا نظر آیا۔ اور ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "جان جاتی ہے۔ ہائے عورت ہے یا پرستان کی پری۔ کیا شان دلبری ہے اب جان کا خدا ہی حافظ ہے۔"

قمرن کی عادت میں داخل تھا کہ اگر کسی کو دیکھا کہ بہت ہی لٹو ہے تو اُس کو بہت ہی بناتی تھی اور اس طرح پیش آتی تھی کہ گویا یہ بھی اُس پر ریجھی ہوئی ہیں۔ اُس نے جو ہاتھ جوڑے تو انہوں نے بھی گھورنا شروع کیا۔ نازو نے بھی مونڈھے پر کھڑے ہو کر دیکھا اور شہزادہ بیگم نے بھی تو اُس کو یقین ہو گیا کہ یہ پرستان ہے اور یہ سب کی سب خراب عورتیں ہیں اور بہت جلد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ یہ بزرگوار عاشق تخلص کرتے تھے۔

عاشق ۔ میں صدقے۔ کیا صورت پائی ہے، خدا کے واسطے ذرا ہمارے اوپر ترس کھاؤ ایک بوسہ کو دل چاہتا ہے مگر کیونکر لیں۔

قمرن ۔ گڑھیا میں منہ دھو آؤ۔

ع ۔ جو حکم ہو۔ جان جاتی ہے۔

ق ۔ یہ ڈھکوسلے سُنے ہوئے ہیں سب۔

ع ۔ جب جان نکل جائے گی تب تو یقین آئے گا۔ ارے ظالم تیرے اوپر ہمارا خون ہو گا دیکھو پھر پچھتاؤ گی۔

ق ۔ میں سمجھوں گی کہ مکر کئے پڑا ہے۔

ع ۔ اتنی بدگمانی۔ واہ حضور واہ۔

ق ۔ واہ واکی پھلیاں ہوتی ہیں۔

اتنے میں مہری چھوٹی سی گڑگڑی بھر کر لائی تو اس قدر خوشبو آئی کہ کمرہ بھر مہک گیا۔ عاشق نے کہا یہ تمباکو آپ کے منہ کی خوشبو سے کیا مہک رہا ہے کہ تمام محلّہ خوشبو ہو گیا۔ کہا یہ شیخ اعظم علی و محمد علی کی دکان کا ہے لکھنؤ بھر میں اس سے بہتر تمباکو کی دکان نہیں ہے۔ بادشاہوں اور وزیروں کے قابل یہ تمباکو ہے۔

ع ۔ حضور کے پاس جو شے ہے بے نظیر ہے۔

ق ۔ تم بڑے ڈھیٹ ہو جی۔ کیا ڈٹے ہوئے کھڑے ہیں۔ بے حیائی کی کوئی حد ہی نہیں۔ تمہارے بہو بیٹی کوئی نہیں ہے کیا۔ کیا مزے سے پرائی بہو بیٹیوں پر ڈورے ڈال رہے ہیں آپ کی ایسی حرکتوں پر آدمی مار کھاتا ہے۔

ع ۔ آپ یہ گھڑکتی کیا ہیں۔ اگر تلوار سے بوٹیاں اُڑاؤ تو بھی واللہ مزہ ہی آئے۔ ہم تو عاشق تن آدمی ہیں۔ جس سے محبت ہوئی اُس کے غلام ہو گئے۔

میاں عاشق بڑی دیر تک پاگل بنے ہوئے کبھی ہاتھ جوڑتے تھے کبھی صدقے ہونے کا اشارہ کرتے تھے اور ادھر یہ سب کی سب جو اُن کے بنانے کے لئے ہنستی کھکھلاتی تھیں تو وہ سمجھتے تھے کہ رنگ جم گیا اب مار لیا ہے اور یہ خبر ہی نہ تھی کہ دلّی ہنوز دور است۔

نازو خفا ہونے لگی۔ "تم کو تو قمرن دل لگیاں سوجھتی ہیں۔ اور یہاں خون خشک ہو رہا ہے کہ اب کیا ہوگا۔ افوہ کیا چکّر دیا ہے ہم کو۔ ہائیں ایک بہن کو تو سطوت بہو کے یہاں لے گئے اور ایک کو اُس کی سسرال۔ اور گھر پر اپنا قبضہ کر لیا میں جو اندر گئی۔ تو رونق جنگ نے اشارہ کیا اوپر جاؤ۔ وہاں نہ قمرن نہ مغلانی۔ نہ وہ مہری سب نئے نئے آدمی۔ یا اللہ یہ اتنی ہی دیر میں کایا پلٹ کیسی ہوگئی۔ دیکھتی ہوں تو عفت آرا بیگم اور نادر جہاں بیگم مجھے پوچھتی ہیں کہ قمرن کہاں ہے ہماری سوت۔

قمرن۔ ارے! یہاں تک نوبت آگئی۔

نازو۔ ارے اس قدر کی شرمائی۔

شہزادہ۔ شرمانے کی بات ہی ہے۔

قمرن۔ اب خدا کے لئے یہ دروازہ آج نہ کھلنے پائے۔

شہزادہ۔ ہمیں کوئی احمق مقرّر کیا ہے۔

قمرن۔ اچھا اب ایک آدمی بھیج کر نواب کو بلواؤ۔

نازو۔ اوّل تو آدمی کہاں۔ دوسرے بھیجیں کہاں۔

قمرن۔ للتو تنبولی کو بلوا لو۔

نازو۔ ای ہے کہیں ایسی حماقت بھی نہ کرنا چٹ سے موا جا کے کہہ دے گا۔ بس یہ یاد رکھنا چوکنے والا نہیں ہے۔ وہ جاتے ہی جڑ دے گا۔

شہزادہ۔ عبداللہ خاں کو بھیج دو بہت ہوشیار آدمی ہے اور بڑا سمجھ دار۔

نازو۔ ای تو بھیجوں گی کہا اچھّا بلواؤ۔ "عبداللہ خاں تم نواب محمد عسکری کو پہچانتے ہو۔"

جواب۔ جی ہاں خوب پہچانتا ہوں۔

سوال۔ بھلا اُن سے چپکے سے کچھ کہہ سکتے ہو جا کے۔

جواب۔ جی ہاں کہہ کیوں نہیں سکتے کیا ہوا ہیں ہمارا تو بھائی ان کی سرکار میں نوکر ہے۔

سوال۔ کیا نام ہے۔" کہا حسین علی چچا کا لڑکا ہے۔"

نازو۔ لے بس اب بات بنے گی۔ تم جا کے حسین علی کو بلا لاؤ کہو نازو جان نے یاد کیا ہے۔

عبداللہ خان جا کے حسین علی کو بلا لایا۔ آہستہ سے حسین علی نے کہا یہ کیا ہو گیا گیا۔ یہ کیسا تفرقہ پڑ گیا ہے۔ کسی کو کسی کی خبر نہیں یہ ہوا سب کیا۔ ہماری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ راتوں رات ہمیں سرکار نے آپ کے میکے دوڑایا۔ وہاں بھی آپ کا پتا نہیں۔ اور سرکار اس طرح سے تڑپ رہے ہیں، جیسے بن پانی مچھلی میں کیا کہوں جو حال ہو گیا ہے

غم غلط کرنے کی تدبیر

نواب صاحب کو لوگوں نے بھرتوں پر چڑھایا کہ حضور غم غلط کرنے کی تدبیر اس سے بہتر اور کوئی نہیں ہے کہ دور چلے شغل میکشی ہو۔ کیسا ہی درد دکھ کیوں نہ ہو ایک جام درد دور کر دیتا ہے۔ نواب صاحب سیدھے آدمی فوراً حکم دے دیا کہ جا کے لاؤ۔

میاں ممن تو چاہتے ہی تھے کہ شراب کا دور ہو۔ فوراً گاڑی تیار کرائی اور سوار ہو کر نوروزجی کمپنی کی دکان پر پہونچے۔ کہا بھئی دو بوتل تو دو اکشا نمبروں کی اور دو بوتلیں شامپین کی اور آدھی درجن لینڈ اور آدھی سوڈا۔ جھٹ پٹ بوتلیں لے کر گاڑی پر سوار ہوئے مگر کوچمین سے کہا بھئی ذرا روک لینا اُتر پڑے اور کہا بھئی ایک پگ پلا دو۔ برانڈی کا ایک جام ٹھنڈے پانی کے ساتھ پیا۔ اور چلے۔ گاڑی پر سوار ہونے ہی کو تھے کہ پھر کوٹھی میں آئے کہا بھئی یہ تو کچھ معلوم ہی نہیں ہوتی ایک پگ اور دو۔ کہا برانڈی کی بوتل تو خالی نہیں ہے۔ رم ہے۔ کہا رم ہی لاؤ۔ رم کا ایک پگ پیا۔ اسکے بعد ایک اور پگ پیا۔ یہاں سے گاڑی پر سوار ہوئے تو ایک اور کوٹھی میں پہونچے جھنجھر وامین یعنی اور کسی کی شراب پی۔ پھر گاڑی پر سوار ہوئے تو ہوش و حواس ندارد۔ باغ میں پہونچے تو غین۔

سائیس۔ ممن میاں۔ ممن میاں۔

کوچمین۔ اے میاں ممن۔ ایں۔!

سائیس۔ ممن میاں۔ ممن میاں۔

کوچمین۔ ارے تو گنوار ہے یار۔ ممن میاں کون ہیں۔ ممن میاں۔

اتنے میں چھٹن صاحب آواز سن کر آئے۔

چھٹن۔ ممن۔ ارے یہ ممن کہاں ہیں۔ کیا کہیں اور چلے گئے یہ ہیں کہاں۔

کوچبین ۔ حضور یہاں آ کے ملاحظہ فرمائیے۔ گاڑی میں عین پڑے ہیں۔

چھٹن ۔ ایں۔ اہاہاہا بھئی نواب۔ ذرا یہاں دوڑ آؤ تمہیں قسم ہے واللہ ایک دل لگی دکھائیں۔

نواب ۔ خیر تو ہے یار۔

چھٹن ۔ خیریت پیچھے پوچھنا پہلے ذرا چلے آؤ بڑی دل لگی ہے۔

نواب ۔ یار بڑے وہ ہو۔ بتلاؤ تو۔

چھٹن ۔ تبلائیں کیا۔ ممن بے ہوش پڑے ہیں۔

نواب ۔ این یہ کیا ہوا کیا۔

سائیس ۔ حجور (حضور) اب کیا کہی۔

کوچبان ۔ خداوندکئی مقام پر اُترکے پی۔

نواب ۔ بالکل عین ہے۔

چھٹن ۔ ممن اے ممن۔

نواب ۔ افسوس یہ کیا ستم ہے۔

چھٹن ۔ اب کیا ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ مرجائے۔

نواب ۔ اب اس کو لے چلو کسی ترکیب سے۔

چھٹن ۔ میں حیران ہوں کہ یہ اس نے اس قدر پی کیوں۔ یہ کیا سوجھی کیا اُس کو۔

نواب ۔ شامتِ اعمال۔

چھٹن ۔ اللہ سچ ہے۔ مگر بُری شے ہے۔

نواب ۔ مگر عادت۔ خدا نہ کرے کسی کو اس کا چسکا پڑ جائے۔

چھٹن ۔ اس وقت اس کو دیکھ کے عبرت ہوتی ہے۔

اتنے میں ممن کو استفراغ ہوا اور سر پر پانی ڈالنے سے ذرا ذرا تسلی ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ممن کو ہوش آیا اور کوئی تین بجے نواب صاحب نے ممن کو حکم دیا کہ مہراج بلی کو جا کے بُلا لاؤ۔ حالانکہ ممن کا حال اچھا نہ تھا۔

اب سنیئے منشی مہراج بلی شب کو کدرا کے ہاں سے ہو کر سیدھے نواب صاحب کے مکان پر پہونچے۔ وہاں نواب صاحب ندارد۔ "کہاں گئے ہیں بھئی؟ حضور ہم سے کچھ نہیں کہہ گئے۔ گاڑی پر گئے ہیں۔ اور گاڑی ابھی لوٹی نہیں سوچے کہ غالباً اُس کوٹھی میں ہوں گے جہاں

قرن کو ٹرکایا تھا وہاں گئے وہاں بھی پتا نہیں۔ "یہاں نہیں ہیں کچھ معلوم ہے کہاں گئے ہیں"۔ "نہیں حضور یہ تو نہیں معلوم ہے۔" "اچھا حسین علی ہے۔" نہیں صاحب وہ بھی نہیں ہے۔"

اب یہ گھبرائے کہ یا الہٰی یہ کیا ماجرا ہے۔ نہ یہاں نہ وہاں۔ یہاں سے ممّن کے گھر پہونچے۔ "ممن نہیں ہیں۔" "کہاں گئے ہیں؟" "نواب صاحب کی ڈیوڑھی پر۔" "لاحول ولا قوۃ ارے یہ سب کے سب چل کہاں دیئے۔" اب چلے نواب چھٹّن صاحب کے مکان پر نواب صاحب ہیں۔ پہرے والے نے جواب دیا۔ جی نہیں۔ نہیں ہیں کہاں گئے ہیں۔ یہ نہیں معلوم خدا جانے کہاں گئے ہیں ہم سے کچھ کہہ کے نہیں گئے ہیں حضور۔

اب انہوں نے جھلّا کے قسم کھائی کہ کہیں ڈھونڈوں گا اور گھر میں آکے سو رہے چار بجے کسی شخص نے ان کو آواز دی۔ ان کی بیوی جاگ رہی تھیں۔ انہوں نے ان کو جگایا۔ کہا دروازے پر ایک گاڑی رُک گئی اور کوئی تم کو پکارتا ہے کمرے کا دروازہ کھولا کون ہے بھئی۔ حضور سرکار نے یاد کیا ہے۔ کون ممّن! جی حضور ارے میاں نواب صاحب کہاں ہیں۔ اب حضور تو بالاخانے پر ہیں بعضی بات زور سے کہنے کی نہیں ہوتی۔ مگر کپڑے پہن کے آیئے میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ کہا اچھا آتا ہوں۔ منہ دھو کر کپڑے پہنے اور گاڑی پر سوار ہو کر ممّن کے ساتھ چلے۔

کوچبان ۔ حضور ذرا سنبھالے رہئے گا ان کو۔

مہراج ۔ کیوں کیا پیے ہوئے ہیں اس وقت۔

کوچبان ۔ تین دفعہ بے ہوش ہو چکے ہیں۔

ممّن ۔ چپ رہو تم جھوٹ بولنے والا۔

کوچبان ۔ بے حیا ہو بس کہنے لگے چپ رہو۔

ممّن ۔ دیکھو ذرا سمجھ بوجھ کے تقریر کرو۔

کوچبان ۔ ارے صاحب ہم تمہارے ہی بھلے کے لئے کہتے ہیں۔ ہم کو کیا تم پی کے دریا میں پھاند پڑو ہمارا کچھ نقصان ہے بھلا۔

مہراج بلی نے کہا بھئی اب اس تقریر سے کیا مطلب ہاں جی ممّن یہ تو کہو۔ یہ ہڑبونگ کیسا ہو گیا۔ یہ تفرقہ کیوں کر پڑا۔ ممّن نے کل داستان کہہ سنائی۔ منشی مہراج بلی تو قمرن سے مل ہی چکے تھے۔ ممّن کی تقریر سن کر خاموش ہو رہے۔ مگر صرف اس قدر

بیان کیا کہ ممن بھئی اگر قمرن کو کوئی ڈھونڈ نکالے گا تو وہ مہراج بلی ہے (مونچھوں پر تاؤ دے کر) مگر یہ کہو کہ سب ہیں کہاں یہ راستہ تو باغ کو گیا ہے۔ ہم تو تمہارے ہاں گئے تھے اور نواب صاحب کے ہاں اور چھٹن صاحب کے ہاں کہیں پتا نہیں ملا۔ باغ کا ہم کو خیال نہیں رہا ورنہ وہاں بھی ہو لیتے اب وہاں ہے کون کون۔ کہا وہاں نواب صاحب ہیں اور چھٹن صاحب اور آغا صاحب اور کچھ ارباب نشاط، ارباب نشاط کی لفظ پر تو منشی مہراج بلی چکرائے۔ یہ ارباب نشاط کا کون موقع تھا۔ تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ قمرن چھن گئیں۔

ممن۔ غم غلط کرنے کے لئے بلوایا ذرا۔

مہراج۔ معقول! تو کیا ناچ بھی ہے۔

ممن۔ اے تو دل کیونکر بہلے ناچ کے بغیر۔

مہراج۔ خدا کرے بیگم صاحب بھی یوں ہی چلدیں تو غم غلط کرنے کے لئے برسوں دھاچوکڑی رہے۔

ممن۔ (منھ بنا کر) ہاں نواب صاحب بھی کسی مسخرے کو اپنے گھر بھیج دیں کہ تو ہمارا قائم مقام بن۔

راوی۔ بس اتنا سننا تھا کہ مہراج بلی آگ ہو گئے بہت ہی چراندھے ہوئے۔ روک لو گاڑی۔ بس روک لو۔ کوچبان نے کہا خداوندا اب جانے دیجئے حضور اپنی جانب دیکھیں کہا نہیں نہیں۔ کاہے واسطے یہ گول مال بات بولنے والا بلڈی فول، چھوٹا آدمی۔ دو کوڑی کا۔ کاہے واسطے ہم بڑے آدمی سے دل لگی کیا۔ ہم نواب صاحب کے برابر کاہے بلڈی فول ہمارا برابری کرنے نہیں سکتا۔

یوں ہی ای مرگ عدو باعث احسان ہو جائے
چھیڑنے پھر مجھے ہنگامۂ فریاد آیا

یا تم نہیں یا ہم نہیں۔ یو بلڈی فول۔

ممن نے مسکرا کر قدموں پر ٹوپی رکھدی کہا حضور سرکار سے نہ کہئے گا ورنہ وہ اپنے دل میں کہیں گے کہ ان لوگوں کو یہ بے فکریوں کی سوجھتی ہے حضور کو غلام کچھ سُرسنائیے کہ طبیعت خوش ہو جائے۔

مہراج: یوں ہی جی خوش کر دیا جو کھوا لعی م دین۔

ممتن - ہاتھ پر ہاتھ ماریے ہو گئی شرط ۔

مہراج - ہو گئی۔ لے مانگ اب کیا مانگتا ہے ۔

ممتن - ہم پر جھلایا نہ کرو ۔

مہراج - مسکرانے لگے ۔ (بہت مسکرائے)۔

ممتن - لے ہاتھ آئے۔ کہاں تو ابھی اس قدر چرا ند ہوئے تھے کہ کاہے واسطے۔ اور بلڈ ی فول۔ اور کاہے واسطے دل لگی کیا اور کہاں اب رلیتہ خطی ہو گئے آدمی ہو کر ۔

مہراج - بس بس زیادہ بے ادبی نہیں مانگتا - او۔ کالا۔ مین بس چپ ہونے مانگتا ۔

ممتن - خداوند ضرور کہوں گا ۔ ذہن کند ہو جاتا ہے آدمی ہو کر پنساری کی دُکان ررلیتہ خطی کی رعایت)

مہراج - (مسکرا کر) ارے بھئی یہ تمہارا مطلب تھا ۔

ممتن - اور آپ کیا سمجھتے تھے ۔

مہراج - بھئی ہم کچھ اور سمجھے تھے وہ یہ کہ تم کہو گے ۔ آدمی ہو کر چونگا یا پائجامہ ۔

ممتن - حضور اصل تو یہ ہے کہ واللہ میں بھی یہی کہنے کو تھا مگر ڈر گیا۔ خوف کے مارے نہ کہہ سکا ۔

مہراج - اجی ہم تو چٹکیوں میں تاڑ جاتے ہیں ۔

اتنے میں گاڑی باغ میں داخل ہوئی ۔ تو مالیوں نے روک لی۔ پوچھا کیوں خیر ہے۔ کہا خداوندہان تو خون خرابہ لہو لہان ہو گیا ہے دیکھئے یہ بلائی اور شراب خواری کیا کرتی ہے ۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہے۔ اب اس وقت سب کے سب وہ ہلڑ مچا رہے ہیں کہ توبہ ہی بھلی

مہراج بلی کو سخت افسوس ہوا کہ ادھر تو قرن ہاتھ سے گئیں۔ ادھر نواب صاحب بیٹے پڑے ہیں۔ یہ وقت دوڑ دھوپ کا ہے اور یہ اتنا غفیل پڑے ہوئے ہیں۔ اور صفتین اللہ کی عنایت سے کون اچھی تھیں کہ یہ کمبخت شراب خواری اور مستزاد ہوئی۔ افسوس صد افسوس اگر یہی باتیں رہیں تو ایک دن بڑا سامنا ہو گا ۔

ممتن - میں حیران ہوں کہ یہ ہوا کیا میرے سامنے تو سب اچھے بھلے تھے ۔

مہراج - بھائی جب پی تو پھر طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ۔ ہم نے تو ہزاروں بار تجربہ کیا ہے ۔

ممتن - پھر اس کا نتیجہ ایک نہ ایک دن بہت بُرا ہو گا پچھتائیں گے ۔

مہراج۔اب انجام بخیر نظر نہیں آتا ہے۔
یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک قہقہے کی آواز آئی۔ اور اُس کے ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا کہ دو تین آدمیوں میں ہاتھا پائی ہو رہی ہے۔ منشی مہراج بلی نے کہا بھئی جا کے دیکھو تو یہ ہو کیا رہا ہے۔ میں بڑا حیران ہوں کہ یہ ان لوگوں کو ہو کیا گیا ہے۔ اپنی عزت کا بھی خیال نہیں ارے جاؤ جلدی۔
مالیوں نے کہا سرکار ہو کیا رہا ہے۔ گالی گلوج مار پیٹ جوتی بیزار۔ دھول دھپّا اور کیا ہو رہا ہے۔
مہراج بلی گو بے وقوف اور سادہ مزاج آدمی تھے، مگر اس قدر ضرور سمجھ سکتے تھے کہ اب نواب صاحب کے دربار میں شراب خواری کی ایسی کثرت ہو گئی ہے کہ الاماں اگر کوئی معشوق ہو تو بھی بے شراب کے لطف صحبت نہیں۔ اگر سردی ہو تو شراب پینا فرض ہے اگر برسات ہو تو سبحان اللہ۔ ع۔
موسم برشگال آپہونچا
اگر غم ہو تو اُس کے غلط کرنے کی اس سے زیادہ اور کیا چیز ہو گی۔ اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر نہیں۔
اتنے میں آواز آئی۔ کھا جاؤں گا۔ مار ڈالوں گا۔ کچّا نگل جاؤں گا۔ تب تو مہراج بلی سے نہ رہا گیا۔ اُتر پڑے اور سیدھے اُس کمرے میں پہونچے جہاں یہ سب ہڑدنگا مچا رہے تھے۔
مہراج۔ تسلیمات عرض کرتا ہوں نواب صاحب بہادر۔
نواب۔ (زبان کو لکنت) یہ دونوں بیٹھی ہیں۔
مہراج۔ دو عورتیں ہیں۔ واللہ اعلم کون ہیں۔
نواب۔ ایک قمرن دوسری نازو (نشے میں چور)
مہراج۔ قمرن اور نازو ہیں یہ؟
فرمایا خاص الخاص قمرن اور نازو ہیں اس میں فرق ہو ہی نہیں سکتا۔
چھٹن۔ بول دو۔ یو بلڈی فول۔
مہراج۔ دونوں غین ہیں۔ دھت داروغہ۔ ع

داروغہ۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

چھٹن۔ چپ رہو یو سور بلڈی فول۔ چپ رہو۔

مہراج۔ داروغہ خاموش رہو۔ کیوں بکتے ہو۔۔ خواہ مخواہ جھگڑا مول لینا۔ اس روز ممتن کو سمجھاتے تھے آج خود ہی پاگل ہو گئے۔

داروغہ۔ ع۔ کھل گئی ہے قسمتِ مسٹر فریز رچاندنی۔

چھٹن۔ تیرا سر چاندنی یو سور کہیں کا۔

مہراج۔ بھئی چھٹن صاحب یار اب تم نہ پیو۔ اب تم بہکتے ہو یار۔ اور خاکسار کا مکان ہے۔ واللہ بڑی بدنامی ہو گی بے غضب ہے۔ یار و ذرا ہوشیار رہنا۔

چھٹن۔ ابے جا ڈرپوک۔ واہی کہیں کا پوری بوتل پی جائیں واللہ اور نشہ نہ ہو۔

نواب۔ کیوں ڈینگ کی لیتے ہو۔ پاگل کہیں کا۔ ع

پاگلوں میں بھی فرد ہے چھٹن

داروغہ۔ خداوند کیا خوب برجستہ فرمایا ہے۔

چھٹن۔ اپنی ایسی تیسی فرمایا ہے تم خوشامد کرنے والے سور لوگ ہمارا مزاج درہم برہم کر دیتے ہو یو سور۔

داروغہ۔ حضور اب زیادہ نہ بڑھیں بندہ بھی شریف زادہ ہے سمجھے۔ بس اب یارا اے ضبط نہیں ہے۔ اب کی بندہ جواب ترکی بترکی دے گا۔

چھٹن صاحب کو اس قدر چڑھ گئی کی پی کے غل مچاتے لگے یو مہراج بل۔ تم ادھر حاضر ہو۔ یو سور۔ مہراج بل خود دبے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی ڈانٹ بتائی۔

مہراج۔ کاہے واسطے یو سور بولنے مانگتا ہے۔ بس چپ رہ پاگل آدمی۔

چھٹن۔ تو چپ رہ۔ نہیں تو اب تو پٹنے لگے گا۔ مت بولو کالا سور۔

مہراج۔ پٹو گے تم میں اب تک جان بوجھ کے خاموش تھا۔ اب اگر ذرا تم بولے تو ہم پیٹ چلوں گا۔

سفلہ چو ماہ آمد و سیم و زر شش
سیلی خواہد بضرورت سرش
آں نشنیدی کہ فلاطوں چہ گفت

مور رہماں برکہ نباشد پرش

چھٹن۔ او کالا مین مت بکو۔ بس۔ نکال دو۔ آؤں یو سور کو نکال دو۔

مہراج۔ کاہے واسطے بک بک لگا نا مانگتا ہے۔

چھٹن۔ اب میں چانٹا رسید کرتا ہوں۔ تمہیں تو بس اب چپ رہ پاگل گدھا۔

داروغہ۔ حضور اب بات بڑھ جائے گی۔

مہراج۔ جی نہیں۔ میں ان کو راہ پر لے آؤں گا۔

نواب۔ بھئی اس وقت تو واللہ ہم بھی بگڑ گئے تھے۔

مہراج۔ یار خواہ مخواہ جو گالی دیتا ہے تو برا معلوم ہوتا ہے اور طبیعت جھلا اٹھتی ہے۔ کہ گفتہ اندے

چرا گوید کسے لفظے درشتی!
کہ خواہ مخواہ شود ناگوار طبعی

داروغہ۔ کیا موزوں طبیعت پائی ہے حضور نے۔

مہراج۔ ایں ہر ہمہ مہر بانیہاست کہ گفتہ اند۔ ع

گلچیں بہار تو ز دامان گلہ آید

ایں ہمہ امور از دانی موقوف برایدندانی و نشانی نمودہ می آید کیوں پی۔ آغا صاحب کو چار دست آئے۔ معدہ ازبس ضعیف پانی پیا تو بھی مارے گرمی کے پیٹ میں نہ رہ سکا فوراً دست آیا طبیعت انتہا سے زیادہ مضمحل۔ گرے پڑے تھے سخت تاسف کہ اس قدر کثرت سے کیوں پی۔ کہ اب پچھتانا پڑتا ہے۔ تو بہ کی کہ اب نہ پئیں گے۔ بلکہ اس قسم کی صحبت ہی میں نہ بیٹھیں گے۔ ممن ازبس خجل کہ یہ کیا بجوڑ اپن ہوا کہ نواب صاحب سے لڑ بیٹھے۔ اٹھتے ہیں تو اٹھا نہیں جاتا۔ کھڑے ہوئے اور لڑکھڑانے لگے۔ کسی سے چار آنکھیں نہیں کر سکتے۔ اور دل میں سوچتے ہیں کہ اب ہرگز ہرگز نہ پئیں گے اب پئیں تو سور کا پیشاب بس بہ آخر دن تھا جو کسی سے باتیں کرتے ہیں تو نیچی نظروں سے۔ چھٹن صاحب بڑے خوش کہ ہم سب سے اچھے رہے نہیں تو ہم بھی خرابی میں پڑتے۔

مہراج جی نے کہا اب ایک کام کیجئے کہ کوئی چھ آنے کے تو کاغذی نیبو دلیموں) منگوائیے اور چار سیر برف اور ایک شیشہ کیوڑے اور دو سیر سفید چینی اور کوئی سیر بھر کھٹے انار۔ اور افشردہ

پیجئے۔

چھٹن۔ بات تو معقول کہی مگر حماقت کے ساتھ۔

مہراج۔ آپ کا سر۔ افشردہ عمدہ شے ہے۔

چھٹن۔ ارے تو ظالم جب باغ میں انار ترش اور لیموں موجود ہی ہے تو خریدنے کی کیا ضرورت ہے آپ بھی واللہ نرے چوپٹ ہی ہیں۔

مہراج۔ اچھا اس سے کیا بحث ہے۔

آغا۔ ہم تو انار ترش کا افشردہ نہ پیئں گے۔

مہراج۔ تو کیوڑا اور برف اور شکر تو منگواؤ!

آغا۔ سب حاضر ہے۔ سفید چینی بھی ہے اور برف بھی اور کیوڑا بھی ہے۔ تو بھی کوئی رئیسوں میں رئیس ہے بے۔ چلا ہے وہاں سے منگوائیے۔

الغرض نواب صاحب اور چھٹن صاحب اور داروغہ صاحب نے تو افشردۂ لیموں پیا، اور باقی سب نے افشردہ انار ترش خوب کیوڑا پڑا ہوا تھا اور برف بھی کثرت سے تھی کہ دھواں نکلتا اور دانت بجتے تھے۔

افشردہ پینے سے سب کو ذرا تسلی ہوئی مگر ممن سب سے زیادہ بے کیف تھا کئی بار استفراغ ہوا اور کئی دست آئے اور مارے گرمی کے کوئی دس بارہ گلاس پانی پیا۔ مگر آگ کم نہ ہوئی۔

نواب صاحب کی صلاح ہوئی کہ ڈاکٹر کو بلوائیں اور اس سے صاف صاف کہدیں کہ ہم لوگوں نے شب کو بڑی کثرت سے شراب خواری کی تھی جس کا خمیازہ یہ ہوا۔ مگر لوگوں نے سمجھایا کہ بڑی بدنامی ہوگی اور ڈاکٹر پر کھل جائے گا۔ دو چار پہر میں یوں ہی سب کے سب اچھے ہو جائیں گے۔

ڈس گئی اس کی کھچوری چوٹی ناگن کی طرح\
ہے بلا سر پر اسی کم بخت کی لائی ہوئی

۔ دوسرے روز جو اُس حور وش، زیبا شمائل، گل اندام یاقوت لب، رنگین کلام سرو چمن رعنائی، تدرو چمن زار شیریں ادائی، نواب نادر جہاں بیگم نے خبر پائی کہ نواب محمد عسکری صاحب بہادر صولت جنگ ضاعف قدرہ زیب دہ کوٹھی ہوئے ہیں تو اُن کی باچھیں کھل گئیں مہری کو خوش خوش حکم دیا کہ جا کے نواب سے کہدو کہ بیگم صاحب حضور کو تھوڑی

دیر کے لئے بلاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ آج کھانا ہمارے ہی ساتھ کھائیے گا۔ رجب کی نوچندی کے دوسرے روز ہم کلکتے گئے تھے، کوئی چار مہینے تو ہوئے ہوں گے سید جلال کا کونڈا کر کے گئے تھے۔ مہری تھوڑی دیر میں واپس آئی کہا حضور نواب صاحب آرام میں ہیں۔ ان کو بڑی ہی مایوسی ہوئی کچھ دیر بعد پھر بھیجا۔ مہری نے آ کے عرض کیا حضور ابھی آرام ہی میں ہیں۔ بیگم اپنے دل میں سوچیں کہ آج خوب نکھر کے بن ٹھن کے بیٹھنا چاہیئے تاکہ نواب اپنی قمرن کو بھی بھول جائیں، اور ہمارے سوا اور کسی سے دل نہ لگائیں پہلے ٹھنڈے پانی سے خوب نہائیں۔ جب جاڑا معلوم ہونے لگا۔ تو عورتوں نے جسم سیمیں کو پوچھا اور لباس سادہ سے آراستہ ہوئیں۔ زلفِ مشاطہ نے مشکبار و مشکبو کھوری چوٹی کی گوندھاوٹ سے جوبن کو دوچند کر دیا۔ بیگم صاحب کی اس وقت بالکل سادی وضع تھی۔

ململ کا باریک دوپٹا اور پھولوں کا گہنا۔ آئینہ دیکھا تو دل میں سوچنے لگیں۔ یا میرے اللہ میں غرور سے نہیں کہتی ہوں تیری کریمی کے صدقے۔ ایک ایک یہاں گلی کوچوں میں ایسی پڑی ہوں گی کہ ان کے تلوے اور میرا منہ مگر کیا قمرن ایسی پدمنی ہے کہ مجھ پر بھی شرف ہے اُس کو۔ مانا کہ اُس کے گال بھی گورے گورے ہیں مگر یہ نشیلی آنکھیں کہاں سے لائی ہوگی، یہ سانچے کی ڈھلی کلائی اُس کے پاس کہاں، اُنگلیاں ایسی نرم نرم کہاں پائیں، چوڑی والی ہے تو ہے آخر موئی۔

مغلانی نے بلائیں لے کر کہا سرکار اتی اجازت دیں کہ لونڈی ذری صدقے ہو جائے کالا دانہ ضرور کر کے جلایا جائے۔ اللہ جانتا ہے ساٹھ اور پانچ پینسٹھ برس کی میری عمر ہونے کو آئی میں نے اُس شکل صورت کی پری آپ چھٹ جو اگر کوئی اور دیکھی ہو تو دیدے پٹم ہو جائیں۔

حضرات ناظرین! بھلا بتلائیے تو یہ مغلانی کون ہیں؟ یہ وہی ہیں۔ جو قمرن کے ہاں نوکر تھیں اور جنھوں نے گنڈیری کے تلازمے سے محمد عسکری کو ٹہھایا تھا۔ اور سب عورتیں تو نکال دی گئیں مگر بس ایک یہ رہ گئیں۔

یہ ٹوہ لگا کے نواب بشیر الدولہ بہادر کے پاس پہونچیں اور ان سے بات چیت جو کی تو وہ بھی ریجھ گئے۔ اُن سے یہ شرط ہو گئی تھی کہ اگر ہم کو اس سرکار میں نوکر رکھا دیجئے تو آپ کا مطلب ہمارے ذریعے سے حاصل ہو جائے۔

اتنے میں نواب بشیرالدولہ اوپر تشریف لائے بیگم صاحب کمرے میں چلی گئیں اور پردے کے پاس سے باتیں ہونے لگیں۔ اب دن کوئی دو گھڑی سے بھی کم ہوگا بیگم صاحب نے مہری کو پھر بھیجا تھا کہ نواب کو بُلا لاؤ۔ اُس نے آ کے عرض کیا کہ حضور وہ تو سوار ہو گئے اب نواب بشیرالدولہ نے یوں گفتگو شروع کی۔

''ایمان سے کہنا بیگم صاحب کیا چکمہ چلا ہوں۔ سچ کہنا کیا کام کیا ہے۔ دوسرے کو سوجھتی بھلا۔ کبھی حشر تک نہ سوجھی، جب سوجھے گی کمبوہ کو یا کشمیری کو۔

(حضرت ناظرین۔ یہ بشیرالدولہ کہہ رہے تھے۔ ہتھیلی پر سرسوں جمائی ہے۔ واللہ ہتھیلی پر سرسوں جمائی ہے۔ چٹ مری منگنی اور پٹ مرا بیاہ۔ لوگوں کو حیرت ہے واللہ کہ یہ بشیر کا کام ہے قمرن اور وہ چڑیل نازو اور اغلانی مغلانی سب غائب دنیا ہی دوسری ہو گئی۔ قمرن اپنی سسرال پہونچی۔ نازو اپنے میکے گئی۔ سب تتر بتر اور یہ ہمارے ہی سبب سے ہے کہ کوئی چوں تک نہیں کرتا ورنہ تو یہ اب تک تو محمد عسکری نے آسمان کاندھوں پر اُٹھا لیا ہوتا۔ خدا جانے کیا کچھ ہو گیا ہوتا۔ میرے چلے جانے کے بعد پھر کیا کرو گی۔''

بیگم صاحب نے ایک عمدہ گلوری بنا کر دی تو نواب بشیرالدولہ نے کہا صاحب ہم یوں گلوری نہ کھانے کے یا تو اپنے پیارے پیارے ہاتھ سے کھلائیے یا ایک بوسہ دیجئے۔
راوی۔ آمدم برسر مطلب۔ بوسہ کوئی ان کے نزدیک گلوری ہے یا لائچی ہے۔ حقے کا دم ہے۔ بات ہوئی اور بوسہ۔

بیگم۔ دیکھو پھر وہی اول جلول باتیں بکنے لگے نا تم بوسہ اور مچھی اور یہ اور وہ۔ واہ۔
راوی۔ بشیرالدولہ نے ہاتھ جوڑے اور کہا میں صدقے یہ پردہ تو ہٹا دو۔
بیگم۔ اچھا لو گلوری تو لو صاحب اوئی۔
بشیر۔ میں صدقے بیگم۔ اتنی ہماری خاطر بھی کرو۔
بیگم۔ (ہنس کر) اللہ جانتا ہے۔ ہنسی سی آ جاتی ہے۔
بشیر۔ جانی ہنستے ہی گھر بستے ہیں۔ سُنا نہیں۔
بیگم۔ بے ہودہ ہو۔
بشیر۔ ہائے یہ کھوری چوٹی اور ململ کے دوپٹے کا گوری گوری گردن سے سرک جانا کیا ستم ہے۔ میں تو اپنی جان دے دوں گا جانی روپیہ نہیں مانگتا جواہرات نہیں مانگتا

صرف ایک بوسہ لب کا اور ایک گال کا۔

بیگم۔ (مسکرا کر) اوئی۔ بس۔ اور آنکھوں کا نہیں۔

بشیر۔ ای تم سلامت رہو۔ بوسے دینے کی حاتم طائی۔ واللہ اس وقت دل خوش ہو گیا۔

بیگم۔ اب یہ بتاؤ کہ نواب کل کہاں تھے۔

بشیر۔ یہ ابھی ہم کو نہیں معلوم ہوا ہے۔ مگر۔

بیگم۔ اچھا دولہا بھائی اب کدھر ہیں۔ ادھر کہ اُدھر ان کو تو اُدھر پھوڑ لو۔

بشیر۔ رونق جنگ اُس جلسے میں شریک تو تھے مگر اب ہماری طرف ہیں۔ مجال ہے اُس طرف ہوں۔

یہ باتیں ختم نہ ہونے پائی تھیں کہ بی مغلانی آئیں۔ نواب بشیر الدولہ سے کہا۔ حضور۔

برگ سبز ست تحفۂ درویش

ابھی یہ ننھی ننھی نہین نہین۔ ککڑیاں خرید تی تھیں، کوئی قاش حضور بھی کھائیں، نواب صاحب نے کہا بیگم صاحب کو دو۔ مغلانی سے بیگم صاحب نے ککڑیاں اور نمکدانی لی اور کھانے لگیں تو نواب صاحب نے پوچھا بیگم صاحب سچ کہنا ہم نے جو یہ احسان تمہارے ساتھ کیا اُس کی شکر گزار ہو یا نہیں اگر ہم ساتھ نہ آتے تو یہ بات ممکن تھی۔

بیگم۔ ناگر بیل کی طرح رونگٹا رونگٹا دعا دیتا ہے۔

بشیر۔ یہ ہمارے ہی دباؤ کے سبب سے اتنا ہوا۔

بیگم۔ ای ان کی تو جیسے کایا پلٹ گئی ہے۔ آگے مجھ سے اس قدر کا ڈرتے تھے۔ کہ میں کیا کہوں نواب صاحب میرے گرم ہوتے ہی ٹھنڈے ہو جاتے تھے اب اللہ جانے کیا ہو گیا۔

بشیر۔ ہائے اس وقت کھجوری چوٹی کی گوندھاوٹ کیا مزہ دکھا رہی ہے۔ لے بیگم اب بوسہ دے ڈالو۔ بی مغلانی تم الگ ہٹو۔

بیگم۔ ایں یہ کیا باتیں کرتے ہو صاحب بندی درگزری ای واہ چہ خوش یہ گفتگو کیا۔

راوی۔ بیگم صاحب نے اپنی غرض کے لئے کہ انہیں کے سبب سے قرن نکالی گئی تھی۔ بہت ضبط کیا۔ تخلیے میں جب کبھی انہوں نے کچھ کہا تو خاموش ہو رہیں یا ملائمت کے ساتھ جھڑک دیا۔ یا مسکرا دیں یا کبھی جواب دیا۔ کہ دیکھا جائے گا۔ کبھی مسکرا کر کہا اوی بس ہونٹھ اور گالوں کے بوسے ہو گے۔ مگر یہ جو شیر ہو گئے تو مغلانی کے سامنے بھی وہی باتیں کرنے لگے، ان کو اُس کی تاب کہاں بگڑ گئیں۔

نہائت ہی ناگوار گزرا۔

بشیر الدولہ کو یقین کامل تھا کہ جب ان پر اس قدر سلوک ہوئے ہیں تو ممکن نہیں کہ پھندے میں نہ پھنس جائیں۔ بیگم صاحب کی طرف مخاطب ہو کر ہنس کر کہا کہو تو ایک دل لگی کروں۔ قرن کو میں خود ہی ٹاپ کے لے جاؤں، بڑی دل لگی ہو گی۔

بیگم صاحب نے تھوڑی دیر مارے غصے کے سکوت کیا۔ مگر پھر سوچیں کہ مار بیٹھ گئیاں نوری آس۔ کہا لیجئے گلوری تو کھائیے۔ بشیر الدولہ نے کہ گھڑکی کھا کر ڈرے ہوئے تھے گلوری لے لی۔ مگر گلوری لیتے وقت ذرا انگلی زور سے دابی۔ بیگم صاحب نے اپنے دل میں کہا خیر یہاں تک بھی مضائقہ نہیں، کوئی اور تو نہیں دیکھتا۔ غضب تو یہ ہے کہ مغلانی کے سامنے انہوں نے ذلیل کرنا شروع کیا تھا۔ بشیر الدولہ نے گلوری کھا کر کتھا مانگا۔

بشیر۔ کتھا ذری کم ہے، اس گلوری میں بیگم صاحب۔

بیگم۔ غلط ہے۔ کتھا وتھا کچھ کم نہیں ہے۔

بشیر۔ ای حضور کا اس میں کیا ہرج ہے۔

بیگم۔ ہم سمجھتے ہیں جو آپ کا مطلب ہے۔

بشیر۔ یہ بدگمانی بیگم صاحب۔ اوئی۔

بیگم۔ (ہنس کر) بڑے مسخرے ہو۔

راوی۔ بیگم صاحب سمجھ گئی تھیں، کہ اوئی کا محاورہ جو عورتوں کا محاورہ ہے، نواب صاحب نے استعمال کیا اور اپنے نزدیک بڑا لطیفہ بولے ان کے بشرے سے سمجھ گئیں کہ اس مقام پر اگر ان کی تعریف کی جائے تو ضرور خوش ہوں گے۔ لہذا بناوٹ کی ہنسی کے ساتھ کہا بڑے مسخرے ہو تو نواب بشیر الدولہ از بس مسرور ہوئے کہا واللہ بیگم تم تو اس قابل تھیں کہ ہم ایسے بامذاق طبیعت دار کے ساتھ تمہاری شادی ہوتی مگر کیا کہیں پھر اب سہی۔ ہم میاں تم بیوی۔

بیگم کو یہ باتیں بری معلوم ہوئیں کہا سنو صاحب دل لگی کی بھی کوئی حد ہے۔ بیبے جا اور بے موقع الفاظ اور ایسی بھونڈی دل لگی ہمیں پسند نہیں۔ یہ دل لگی جس کو پسند ہو گی اُس کو ہو گی کیا کوئی بازاری عورت مقرر کیا ہے۔

بشیر۔ یا میرے اللہ اب بگڑیں تو ایسا بگڑیں۔

بیگم۔ بگڑنے کی بات ہی ہے ہم کو یہ باتیں پسند نہیں۔

مغلانی اور خواصین اور گھر کی اور عورتیں تو بیٹھی ہوئی تھیں ہی سب ایک ایک دو دو کرکے اِدھر اُدھر چل دیں۔ صرف یہ موذی بشیر الدولہ اور ہماری بیگم صاحب رہ گئیں اور اللہ کی ذات۔ بیگم صاحب جو ذرا بگڑیں تو بشیر الدولہ نے طنز آمیز ہی کے ساتھ کہا تمہارے ہوش بھی ٹھکانے ہیں، کچھ یہاں بھنگا تو ہے نہیں اس وقت سولے میرے اور تمہارے۔ پھر۔

جب ملے دو دل مخل پھر کون ہے
بیٹھ جاؤ خود حیا اُٹھ جائے گی

ہائے اس کھوری چوٹی کی بلائیں نہ لوں بھلا کیا مجال بیگم صاحب جو پھر کے دیکھتی ہیں تو مغلانی کا سایہ تک نہیں پکارا مہری۔ مہری او مہری۔ جواب ندارد اور بھی گھبرائیں زلفن ای زلفن۔ ایں اب وحشت بڑھنے لگی۔ بشیر الدولہ ہنس کر بولے، اور جو جو یا دہوں سب کے نام لے لے کے پکارو میں نے وہ منتر پڑھ دیا ہے کہ اللہ چاہے تو ایک نہ بولے بیگم صاحب گھبرا کر اٹھیں اور چٹ دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی تو بشیر الدولہ دوسرے دروازے کی جانب جھپٹے لاکھ لاکھ بیگم صاحب نے کوشش کی کہ وہ دروازہ بھی بند ہو جائے۔ مگر نہ بند ہو سکا نہ بند ہو سکا۔ بشیر الدولہ تڑ سے گھس پڑے۔

بشیر۔ اب فرمائیے بیگم صاحب۔ ای حضور ادھر۔
بیگم۔ (ہکا بکا) ای مغلانی حاضر ہوں حکم۔؟
بشیر۔ دیکھو نواب دق نہ کرو۔ میں آدھی جاں
بیگم۔ دیکھو نواب دق نہ کرو۔ میں آدھی جان کی ہوں کیوں مجھے زہر کھلواؤ گے مجھے معاف کرو۔
بشیر۔ انگرکھا اتار کر۔ ارے یہاں کوئی نہیں ہے۔
بیگم۔ (ہاتھ جوڑ کر) خدا کا واسطہ۔ نواب دق نہ کرو۔
بشیر۔ (اور آگے بڑھ کر) تم یہ بکتی کیا ہو۔ ہائے یہ کھوری چوٹی ہائے اس نے مار ڈالا لپک کر بوسہ لے لیا اور ذرا الگ کھڑے ہو گئے۔
بیگم۔ (روتی ہوئی قدموں پر سر رکھ کر) نواب ارے خدا دیکھتا ہے۔ تجھے اُسی کے رسولِ پاک کی قسم باہر جا۔
بشیر۔ کیوں حجت کرنی ہو جانی ؂

بات کو تم بڑھا چکے ہو گھٹاؤ

طول بھی ہے یہ مختصر بھی ہے

بیگم ۔(غصّہ بھری ہوئی چتوں سے) میں اپنی جان دے دوں گی یہ سمجھے رہنا۔

بشیر ۔دیکھو میرے گال کیسے گورے گورے ہیں تمہارے میاں کیا حسن میں ہمارا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

بیگم ۔ہم کو وہی پسند ہیں۔ تمہارے گورے گورے جائیں بھاڑ میں اور چولہے میں جاؤ تم یہ سن لیا۔

بشیر۔ (ٹوپی بھی پھینک دی) اب تم بے وقوفی کرتی ہو۔

بیگم نے نہایت ہی منت وسماجت سے رو رو کر اور عجب بے کسی اور بے بسی کا منہ بنا کر کہا" مجھے چھوڑ دے اللہ تجھے اس کا اجر دے گا۔

بشیر الدولہ نے کہ شمر کا بھی چچا تھا، اس بے چاری عفیفہ پاکدامن کی منت وسماجت ایک کی پروا نہ کی جس بے کسی کے ساتھ اس بے بسی کی حالت میں اُنہوں نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر کہا تھا اگر سنگدل اور انتہا کے ظالم آدمی سے بھی کہتیں تو اُس کو رقت آجاتی۔ مگر اس بے چاری کے منہ سے اتنی آواز آئی۔ یا علی مشکل کشا میری مدد کو آیئے۔ معاً ایک چاقو تکیئے کے پاس دیکھا جو کھلا ہوا تھا۔ زور سے بھونکتی ہیں تو نواب کی ران کے پار ہو گیا۔

بشیر الدولہ لہولہان ہو کر بڑے غصّے میں بھاگے اور کہا بیگم یاد رکھنا اس کا بدلہ نہ لیا ہو تو کیوں نہیں۔ انہوں نے کہا کیا ہمارا خدا ہماری مدد نہ کرے گا۔ اب آج سے خبردار کسی عصمت دار کو نہ چھیڑنا۔ دیکھو ہم شریف زادیاں ایسی عفیفہ ہوتی ہیں ہمارا نواب چاہے ستر عورتیں گھر ڈال لے، کچھ پروا نہیں مگر نہیں ممکن ہے کہ ہم پر کوئی ڈورے ڈالے اور ہم خاموش ہو رہیں جا عمر بھر یاد رکھنا۔

بشیر۔ (اچھا بیگم دیکھو تو سہی۔

بیگم ۔لے بس اب جاؤ ہمارے گھر سے۔

بشیر۔ روؤ نہ عمر بھر تو سہی۔

بیگم۔ روئے ہمارا دُشمن ۔

بشیر۔ روتے نہ بن پڑے۔

بیگم۔ اُف۔ مار کے ہلکان ہو گئی۔

بشیر۔ بے اب ہوشیار رہنا

یہ کہہ کر بشیر الدولہ تو لنگڑاتے ہوئے نیچے آئے اور فوراً ڈاکٹر بلوایا۔ ٹانگ کو مضبوط کپڑے سے خوب کس کر باندھا اور تیل اور پانی سے خوب ترکیا۔

مغلانی ساری کیفیت دروازے کی دراز سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کے ہوش اُڑ گئے کہ اللہ اللہ ایسی ایسی پاکباز عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ دروازہ کھول کر اندر آئی تو کہا۔ بی بی یہ پلنگڑی پر لہو کیسا ہے، کہا نواب بشیر الدولہ گتا چھیل رہے تھے چاقو بھنک گیا۔ بلبلاتے ہیں بیچارے۔ ظاہر میں افسوس کیا مگر دل میں کہا خوب شد ایسے ملعونوں کی یہی سزا ہے۔ بلکہ اگر گلے پر چاقو چل جاتا تو اور بھی اچھا ہوتا لیکن پھر ڈری کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں باندھی جاؤں تو بھی آبرو خاک میں مل جائے۔ ادھر کی رہو نہ اُدھر کی۔ آبرو اور عصمت دار کی ہر طرح خرابی ہے۔

مغلانی نیچے گئی تو ڈاکٹر کو دیکھ کر الٹے پاؤں بھاگی۔ کہا وہاں تو بہت سے لوگ جمع ہیں اور سرکار بھی آ گئے ہیں اب بشیر الدولہ بھی سب سے یہی کہتے ہیں کہ پونڈ اچھیلتا تھا حالانکہ پونڈا کوئی ایک ہفتے سے گھر کے اندر نہیں آیا تھا۔ بھونکنے کو بیگم صاحب نے چاقو بھونک دیا اب پچھتاتی تھیں کہ یہ ہم نے کیا کیا۔ لیکن یہ بھی سوچتی تھیں کہ اُس کے سوا چارہ ہی نہ تھا۔

قمرن پھر غائب ہو گئی

محمد عسکری اپنے عزیز اور دوست بشیر الدولہ کی مرہم پٹی میں ایسے مصروف ہوئے کہ قمرن کو بھی بھول گئے۔ اور یہ خبر ہی نہیں کہ حضرت ہی کی زوجۂ مقدسہ پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے تھے۔ ان کو تو ان کی خبر ہی نہ تھی۔ جب ہر طرح سے ان کو تشفی ہو گئی کہ زخم جلد اچھا ہو جائے گا۔ اندیشے کا مقام نہیں ہے۔ تو منشی مہراج بلی کی طرف مخاطب ہوئے۔ یار اُس دن بڑی نالائق حرکتیں ہوئیں۔ اگر ایسی ہی پارٹی اور ہوئی تو ایک آدھ کی جان پر بن آئے گی۔ غضب خدا کا کس قدر پی ہے کہ سننے سے ہوش اُڑتے ہیں۔ یار بُری منہ لگی۔ بغیر جان لئے نہ چھوڑے گی۔ خبر یہ بتاؤ کہ اب کیا رائے ہے۔ یہ بشیر الدولہ مردود کو سوجھی کیا۔

مہراج بلی نے کہا کچھ کھلواؤ تو پتہ لگاتے ہیں۔ نواب نے قدموں پر ٹوپی رکھ دی۔ یار از

برائے خدا کچھ بندوبست کرو میں تم کو جو کہو گے کھلواؤں گا ۔
بشیر ۔ بھئی یہ کیا قدموں پر ٹوپیاں رکھی جاتی ہیں ۔منتیں ہوتی ہیں ۔ہم بھی تو کچھ سنیں صاحب آخر یہ کیا معاملہ ہے ۔
عسکری ۔آپ سے یہ باتیں کہنے کی نہیں ہیں ۔
مہراج ۔ ہاں! یہ سب حضور ہی کے تو کانٹے بوئے ہوئے ۔ہیں ۔اور آپ ہی پوچھتے ہیں ۔
ب ۔ ہم سے کہنے کی باتیں نہیں ہیں تو کیا کفر کی باتیں ہیں ۔
ع ۔ تم بڑے نالائق ہو ۔
ب ۔ مہراج جی ۔ امیٹھو تو کان اس کے ۔
مہراج ۔کیوں بھئی امیٹھوں ۔قمرن کو بلوایئے وہ اُمیٹھے ۔
ع ۔ہاں! ہاں! کیا کہی ہے ۔
ب ۔اُس مردار کا نام نہ لینا میرے سامنے ۔
ع ۔ خدا کرے ٹانگ سڑکے رہ جائے ۔آمین ۔
ب ۔ چمار کے کوسے بیل نہیں مرتے ۔
ع ۔ ارے ظالم یہ تو نے کیا کیا ۔واللہ غضب ہوگیا ۔
ب ۔ کیا کیا اُن دونوں چڑیلوں کو ڈولی پر سوار کر کے نکلوا دیا اور گھر کے جو نوکر چاکر تھے اُغلانی مغلانی ان کا حساب کر دیا ۔اور کہا کھڑے کھڑے نکل جاؤ ۔نہیں یہیں قبر بنا دوں گا
مہراج ۔اور تمہیں معلوم ہے کہ قمرن کہاں ہیں ۔
ب ۔ یار تمہیں لوگ صحبت کے بیٹھنے والے خراب کرتے ہو ۔ یہ سب تمہیں لوگوں کی خطا ہے
مہراج ۔ تم پاگل ہو ۔ہمیں انسان کون کہتا ہے ۔کیا خراب کیا کرتے ہیں ۔وہ رئیس کیا جس کے پاس معشوق نہ ہو ۔رئیسوں کی شان یہی ہے ۔
ع ۔ آخر اگر ہماری بھی ایک ہی جورو ہو تو پھر ہم میں اور غریب مفلس آدمیوں میں فرق کیا ہے ۔
ب ۔ عقل کے ناخن لو ۔ واہ بس ریاست اسی میں رہ گئی ہے کہ چوڑی والی کو گھر میں ڈال لے اور کبڑن کو عقد میں لائے اور ڈومنی کے نام جاگیر لکھ دے ۔ای سبحان اللہ کیا ریاست ہے ایسی ریاست پر تین حرف ۔

بشیرالدولہ کی طبیعت زخم لگنے اور خون نکلنے کے سبب سے بہت سست تھی کروٹ پھیر کر لیٹے تو آنکھ لگ گئی ۔

اب مہراج بلی اور نواب محمد عسکری کو مسکوٹ کرنے کا خوب موقع ملا۔مہراج بلی نے کہا بھائی صاحب یہ شراب کی اب کس قدر کثرت ہوتی جاتی ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ اُس دن واللہ دو ایک خون ہو گئے ہوتے اب نوابی تو ہے نہیں ۔کہ آج یہاں تلوار چل گئی کل وہاں خانہ جنگی ہو گئی۔کمپنی کا زمانہ گیا۔اب اور ہی ہوا چل رہی ہے ۔واردات کے احتمال پر حوالات ہو جاتی ہے خون اور قتل کا کیا ذکر ہے۔لاحول ولا قوۃ۔آپ نے حسین علی کو مار ہی ڈالا ہوتا اور ایک آپ پر کیا فرض ہے سب کے سب بے کیف تھے۔ ممّن ہیں کہ رات بھر میں چھ دفعہ بے ہوش ہو گئے آغا صاحب وحشت پڑے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔اب آپ دیکھئے کہ اگر آپ کی یہ کیفیت اُس روز نہ ہوئی ہوتی تو قمرن آپ کی بغل میں بیٹھی ہوتیں ۔

محمد عسکری متحیر ہو کر بولے اس کے کیا معنی۔قمرن کا حال کیونکر معلوم ہو سکتا تھا ۔

مہراج بلی مسکرائے۔اچھا تم کو اُس سے کیا مطلب ہے۔تم تو نشے میں بات بھول بھول جاتے ہو۔ قمرن کو ہم نے صرف ڈھونڈھ ہی نہیں نکالا۔بلکہ وہ بات کی ہے کہ تمام عمر احسان مند رہو گے۔ جی دل لگی نہیں ہے آپ ہیں کس فکر میں وہ خود اپنے منہ سے قبول دیں تو سہی ۔

محمد عسکری کی باچھیں کھل گئیں۔یار مہراج بلی میں تجھ پر سے صدقے ہو جاؤں۔بتا تو یہ کیا اسرار ہے۔ اور قمرن کہاں ہیں۔کہا قمرن تو یہاں سے دور نہیں ہیں۔مگر ان کی صندلی ساری پر ایک اور بھی لوٹ ہوئے اور آپ کے رقیب بنے ہیں ۔

پہلے تو محمد عسکری بہت خوش ہوئے تھے کہ بی قمرن جان کا پتا لگا۔اب رقیب کا لفظ سن کر چکرائے ۔یہ رقابت کی بُری سنائی اُستاد۔اور وہ ہیں کون صاحب جو رقیب بنے ہیں۔ ہیں بھی رقابت کے قابل۔

مہراج بلی نے کہا۔بھئی ہم نے صورت تو ان بزرگوار کی دیکھی نہیں ہے۔مگر اُڑتی سی خبر پائی تھی کہ صندلی ساری پہن کر قمرن کھڑی تھیں ،اور کوئی پڑوسی ان پر ڈورے ڈالتا تھا ۔

محمد عسکری جھلا اٹھے۔آپ کی بھی وہ لغو حرکتیں ہیں۔کہ بس۔ارے صاحب آخر بتاتے کیوں نہیں ہو کہ قمرن ہیں کہاں۔اور آپ کو کیونکر ملیں اور اب ہم جو ملنا چاہیں تو کس تدبیر اور کس صورت سے مل سکتے ہیں ۔

مہراج بلی نے کہا ہمارے ہمراہ چلیے چھٹے وقت یہ دونوں تنہا چلے۔ خدمت گار کو بھی ساتھ نہ لیا جب بی ہمسائی یعنی شہزادہ بیگم کے پھاٹک پر پہونچے تو نواب نے کہا ارے یار یہ تو پڑوسیں میں ہیں۔

عبداللہ خان نے سلام کیا اور کہا حضور کس کی تلاش میں ہیں۔ منشی مہراج بلی نے چپکے سے کہا میاں ذرا ادھر آؤ (آہستہ سے) وہ جو تمہارے ہاں آکے ٹھکی تھیں صندلی ساری پہنے ہوئے وہ کہاں ہیں اُن سے کہو کوئی آپ کے پاس آیا ہے۔ اُس نے کہا حضور یہاں تو ساری واری کوئی نہیں پہنتا میں کس سے عرض کروں ہماری سرکار ہیں اور دو چار عورتیں خدمت کے لئے ایک میں ہوں۔ ایک چوکیدار ایک بہشتی صندلی ساری اور دھانی دھوتی والی یہاں کہاں۔

منشی مہراج بلی نے کہا اچھا تو تم کو اس حجت سے کیا سروکار ہے۔ تم جاکے شہزادہ بیگم سے اتنا کہہ دو کہ نواب محمد عسکری صاحب آئے ہیں۔ اُس نے کہا بہت اچھا۔ کہنے کو کہئے میں عرض کروں مگر بے سود اور بے فائدہ بات ہے۔ کوٹھے پر آیا بیگم صاحب تو یہ سب تقریر سُن رہی تھیں۔ عبداللہ خاں کو جواب دے کر بھیجا اُس نے پھر سلام کیا خاص دان دیا کہ حضور گلوری نوش فرمائیں۔ اور مہراج بلی کو ڈلی الائچی دی، اور کہا حضور غلام جیسا بیگم صاحب کا نوکر ویسا سرکار کا۔ ایلچی تو ایلچی ہوتا ہے۔ سرکار نے فرمایا ہے کہ آپ کو جو کچھ دریافت کرنا ہو وہ کسی عورت کے ذریعے سے دریافت کیجئے۔ آپ کے یہاں آنے میں ہماری بدنامی ہے۔ کاہے سے کہ ہم بھی جوان اور حضور بھی ماشاء اللہ سے جوان ہیں۔ ہم بھی عزت آبرو دار ہیں آپ بھی اور وہ جن کو آپ پوچھتے ہیں اُن سے بیگم صاحب سے ملاقات نہیں ہے۔ فرمایا کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ صندلی ساری والی کون ہیں

مہراج۔ تم کچھ انعام ہم سے لو خاں صاحب۔

عبداللہ۔ تو حضور جب کچھ حال معلوم بھی ہو۔

مہراج۔ صریح ہم تو اپنی آنکھ سے دیکھ گئے تھے۔

عبداللہ۔ خداوند دھوکا ہوا ہوگا حضور کو شاید۔

مہراج۔ نہیں صاحب دھوکا کیسا۔ دھوکہ کسے کہتے ہیں۔

عبداللہ۔ صندلی ساری ہماری سمجھ میں نہیں آتی بات بالکل عقل کے خلاف ہے۔

مہراج۔ (مسکرا کر) تم سب سمجھتے ہو۔

عبداللہ۔ خیر پھر اس کا حال تو حضور اللہ جانتا ہے۔

مہراج۔ اچھا قسم کھاؤ گے۔ ہم سے اُڑتے ہو۔

عبداللہ۔ اب آپ کو یقین ہی نہیں آتا۔

جب یہاں سے مایوس ہوئے اور نواب کو لے کر ایک گلی میں گئے تو نواب صاحب نے کہا۔ یار یہ اس گلی میں منصوبہ کرنے آئے ہیں کیا۔ بندے کے پاس صرف گھڑی ہی گھڑی ہو۔ اور وہ بھی جرمن سلوا جھوٹی چاندی کی کسکٹ۔ خیر مہراج بلی نے گلی میں آواز دی تو ایک آدمی سر ننگا اندر سے نکلا۔ جھک کے سلام کیا۔ تو مہراج بلی نے ڈانٹ کر کہا۔ دل تم کا ہے واسطے دروغ بولنے مانگتا۔ وہ دروغ کا لفظ نہ سمجھا۔ یہ پھر جھلا کے کہا اس روز جس عورت کو کدرا کے گھر سے بھگایا تھا وہ کہاں گئی جلدی بتاؤ۔

سپاہی نے کہا ہجور (حضور) جون (جو) چھتے والا مکان ہے اس میں گئی تھی اور پھر وہاں سے دھوتی پہن کر ایک اور مکان کا پتا جو دیا تو بعینہ وہی جس میں شہزادہ بیگم رہتی تھیں۔

مہراج۔ اس مکان کے کسی نوکر کا نام یاد ہے۔

سپاہی۔ ہاں ہجور عبداللہ کھان نام ہے۔

مہراج۔ (نواب سے) یار اُس نے نام مخفی رکھا۔ نام کیا معنی کل حال پوشیدہ رکھا افسوس کا مقام ہے۔

نواب۔ یار پھر اب کیا تدبیر کی جائے قرن مل کے پھر غائب ہو گئیں۔ ہائے اب کیا کروں —

مہراج۔ مجھے اُسی شب کو بلوایا تھا کدرا کے ہاں تھی۔ اس طرح پر اسکو ڈپٹی تھی کہ میں کیا کہوں اور اُس مردود کدرا نے مجھ سے اتنا بھی نہ پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں خود ان کے لے گیا۔ میں نے چار سپاہی تعینات کیے وہ راتوں رات نکال لائے۔ تم کمبخت کو تلاش کیا کہیں پتا نہ ملا اب پھر ڈھونڈھنا پڑا۔

۔ یار تمہارے احسان اور عنایت اور محبت کا شکریہ ادا کرتا ہوں، مگر اپنی قسمت کو کیا کروں اور کہاں لے جا کے پھوڑوں۔ اب کس قدر مصیبت پڑ گئی ہے کسہائے ہائے۔

یہ باتیں کرتے ہوئے گھر پر آئے۔ منشی مہراج بلی صاحب رخصت ہوئے اور وعدہ

رہ گئے کہ ضرور ضرور پتا لگاؤں گا۔ مگر یار یہ اور بھی بُری ہوئی۔

نواب محمد عسکری کے دل کا عجب حال ہوا۔ ادھر تو سرور اور نشے کے سبب سے اس قدر ہوش نہ تھا۔ کہ قمرن یاد آتیں اور جب نشہ اُترا تو سستی اور کاہلی اور شدت صفرا اور شدت تشنگی اور اضمحلال طبع کے سبب سے قمرن کی جدائی کا چنداں خیال نہ تھا، اب جو ذرا طبیعت ٹھیک ہوئی تو قمرن یاد آئیں مصاحبوں میں اس وقت صرف ممن ہی ممن تھے کہا بھئی حسین علی تو بیمار ہے تم اتنا احسان کرو کہ قمرن کے میکے جاؤ اور اس کی ماں سے دریافت کرو۔ نازو اگر ہوں تو ان سے پوچھو اور تشفی دو کہ پھرو ہی کارخانہ جما جاتا ہے اور بیس مکان کوٹھیاں بنگلے موجود ہیں۔

ممن وہاں گئے تو چنو کی جورو نے کوٹھے پر بلوالیا۔ آو۔ آو بیٹا نواب کا مزاج کیسا ہے دیکھو کیسا بنا بنایا گھر غارت ہو گیا۔

ممن نے کہا سرکار نے بھیجا ہے کہ جا کے دریافت کرو کہ قمرن کا کچھ پتا لگا یا نہیں۔ چنو کی جورو نے نازو کو کہ غافل سو رہی تھی جگا دیا۔ اور شب کا وقت تو تھا ہی۔ ممن کے ساتھ شہزادہ بیگم کے ہاں بھیجا اور کہلا بھیجا کہ جہاں نواب صاحب تجویز یں وہاں چلی جانا کہ کوئی کانوں کان خبر نہ ہو۔ اور مطلب کا مطلب حاصل ہو جائے۔

نازو شہزادہ بیگم کے ہاں گئیں اور ممن کو دروازے پر بٹھایا اور اندر گئیں تو انہوں نے پوچھا واہ آج دو بجے دن کے آنے کا قمرن وعدہ کر گئی تھیں اب تک آتی ہیں۔

نازو۔ کیا قمرن! قمرن ہیں کہاں۔

شہزادہ۔ ہیں کہاں! وہ تو کل شام ہی کو چلدی تھیں کیا وہاں نہیں گئیں۔

نازو۔ ہنستی ہو بہن تم۔

شہزادہ۔ نہیں اللہ جانتا ہے ہنستے نہیں۔

نازو۔ تمہارے خون کی قسم بہن قمرن ہمارے یہاں نہیں ہے۔

شہزادہ۔ تو یہ گئی کہاں ہیں۔

نازو نے بے اختیار رونا شروع کیا۔ پوچھا یہ آخر بہن کچھ بتا سکتی ہو کہ کہاں گئیں۔

شہزادہ۔ اللہ جانتا ہے ہمیں ذری بھی نہیں معلوم۔

نازو بیقرار ہو کر نیچے اتری اور ممن سے یہ سرگزشت بیان کی ممن کو بھی افسوس ہوا اور

شہزادہ بیگم سخت ملول کہ نیکی برباد گنہ لازم۔ وہی مثل صادق آئی ہم نے تو ٹکایا۔ جگہ دی اور الٹی آنتیں گلے پڑیں۔

شہزادہ۔ لینے کے دینے پڑے۔

نازو۔ نہیں۔ بہن ہم تم کو تھوڑا ہی کہتے ہیں۔

شہزادہ۔ ہم تو بہن جیسے چور بن گئے۔

نازو۔ مگر یہ ہوا کیا۔ یا میکے جاتی یا نواب کے یہاں یا سسرال کدرا ابھی ابھی سر ٹپک کے گیا ہے۔ ممن ابھی آئے اور یہاں بھی ندارد۔ تمہارے ہاں سے جب گئی تھیں تو کس سواری پر

شہزادہ۔ ڈولی پر۔

نازو۔ اکیلی تھیں۔

شہزادہ۔ نہیں ایک عورت ساتھ تھی۔ اُسی نے آن کے کہا کہ امی جان نے تمہاری تمہیں ذری بلایا ہے اور اُسی سے کل سے سانٹھ گانٹھ بھی ہوتی تھی۔ میں اُس کی گفتگو اور آنکھیں مٹکانے ہی سے تاڑ گئی تھی کہ یہ بس کی گانٹھ ہے اور بھلا سا نام ہے۔ بھولی جاتی ہوں اس وقت کئی دفعہ وہ آئی اور قمرن کے حسن اور جوبن اور کم سنی کی تعریف کی۔ اور دیر تک بیٹھی رہی۔ ایک دفعہ ہم کو دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگ گئی تھی۔ جو اگر ہمیں یہ معلوم ہوتا تو ہم آنے کاہے کو دیتے کیا جانے کیا آپس میں گفتگو ہوئی اور شاید نواب محمد عسکری ہی کے پھیر میں گئی ہو۔

نازو۔ ای نہیں بہن وہاں ہوتی تو ہم کو نہ بلواتی اور ممن کاہے کو دوڑے ہوئے آتے وہاں جاتی تو پھر کیا تھا۔ گھی کے چراغ نہ جلتے۔ اللہ کرے نواب کے یہاں چلی جائیں یہ تو عین آرزو ہے۔ از ایں چہ بہتر مگر کیا جانیں ہمارا ستارہ کس گردش میں ہے۔ آج کل کہ ذرا چین نہیں لینے دیتا۔ ایک نہ ایک بات ایسی پیدا ہو جاتی ہے کہ بس توبہ ہی بھلی۔ امی جان الگ گھر میں بیتاب اور بے قرار ہو رہی ہیں۔ اور ہم الگ تڑپتے ہیں۔

راوی۔ اب کی یہ بیڈھب ہوئی نہ کدرا کے ہاں۔ نہ چنتو کی جورو کے گھر میں نہ شہزادہ بیگم کے پاس۔ ادھر نواب تڑپ رہے ہیں۔ اُدھر چنتو کی جورو بدحواس ہے۔ ماتم پڑا ہوا ہے کہ عمر بھر کی روٹیاں گئیں۔ شہزادہ بیگم کو یہ خفت ہے کہ میرے مکان سے گم ہو گئیں۔ نازو روتی ہے کہ اب وہ چین کہاں ممن کو یہ رنج کہ سرکار کی دو گھڑی کی دل

لگی گئی۔

نازو نے ممّن سے کہا کہ جا کے نواب کو بلا لاؤ، کہو سکوٹ کریں گے۔ شہزادہ بیگم نے ہاتھ جوڑے بہن ہمارے مکان پر جو بھیڑ ہوگی تو ہماری بدنامی ہوگی۔ گھر ہے تمہارا مگر ہم اپنی رسوائی کو ڈرتے ہیں۔ آبرو بڑی شے ہے۔ آبرو جا کے پھر ہاتھ نہیں آسکتی۔

نازو نے سمجھایا کہ بہن اندھیاری رات ہے کون دیکھتا ہے۔ دستی نہ روشن کریں گے چپکے سے چھپ کے چلے آئیں گے۔ اس میں کون حرج کی بات ہے۔

شہزادہ بیگم ایک باوضع اور ذی مروّت عورت تھیں کہا جو تمہاری یہی مرضی ہے تو خیر۔ کیا مضائقہ۔ مگر ہم ان کے سامنے ہرگز نہ ہوں گے۔

نازو مسکرانے لگی۔ اوئی تم اُن کے سامنے نہ ہوگی گڑ کھائے گلگلوں کا پرہیز، پچاس دفعہ تو وہ دیکھ چکے ہیں۔ اب پردہ کرنے چلی ہیں۔ ستر چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔

شکر ایزد کہ میاں من واد صلح فتاد

حوریاں رقص کناں ساغر و پیمانہ زدند

بی مغلانی کون ہے۔ ای بی کچھ منہ سے بولو سر سے کھیلو۔ اے لو مسکرا رہی ہیں، اور بات کا جواب نہیں دیتیں۔ مغلانی نے مسکرا کر جواب دیا۔ سرکار خود آپ کے ذری تکلیف کر کے دیکھ لیں میری سمجھ میں تو ایسا آتا ہے کہ جیسے رات کو آفتاب نکل آیا۔

نواب نادر جہاں بیگم چھم چھم کرتی ہوئی آگے بڑھیں اخاہ ای بی مغلانی یہ کون مردوا ہو بیٹیوں میں گھس آیا۔ صاحب ہم پردہ نشین عورتیں ہیں اتنے میں نواب محمد عسکری صاحب بہادر صولت جنگ کھٹ کھٹ کرتے ہوئے آن کے پلنگڑی پر بیٹھے فرمایا خدا گواہ ہے بیگم مجھے اس قدر کا ملال تھا تم سے کہ بیان سے باہر غضب خدا کا ایک ہینیا کہہ کے گئیں، اور اتنے دن جا کے کان میں تیل ڈال کے بیٹھ رہیں۔ بیٹیا بُرج ایسا بھایا کہ نکلنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔

بیگم صاحب بھری ہوئی تو تھیں ہی، بہت ہی بگڑ کر کہا بس بس میری زبان نہ کھلوانا بس کہہ دیا ہے ہاں میں بھری ہوئی بیٹھیں ہوں، اس وقت جلی بھنی مجھے چھیڑا اور بس میں آپے سے باہر ہو جاؤں گی۔ ایک تو جلاؤ اور اوپر سے غرّاؤ نہ شرماتے دو۔ میں سب

سن چکی ہوں، اور سننا کیا معنی اپنی آنکھوں دیکھ چکی ہوں۔ چار آنکھیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی ہے۔ تم کو بڑے غیرت دار ہو، واہ۔ اللہ کی قسم جتنی ہم کو تمہاری محبت ہے اُتنی تم کو ہماری محبت نہیں ہے۔ اور اُتنی کیا معنی اُس کی چوتھائی محبت بھی تو نہیں ہے۔ اور ہم کو جو محبت ہے اُس کا حال ہم جانتے ہیں۔ یا ہمارا دل یا ہمارا خدا خوب جانتا ہے۔ سہ

نہا دھو کے بڑی روئی اُٹھاوں　　مرا کہنا اگر باور نہیں ہے۔

نواب صاحب نے جو دیکھا کہ یہ اُس وقت بہت ہی تیز اور گرم ہو رہی ہیں تو اُن کو ٹھنڈا کرنا شروع کیا۔ سنو بیگم آتے ہی نہیں، برس پڑتے ہیں ٹھنڈی کر کے کھانا اچھا ہوتا ہے گرما گرم کھانے سے منھ جل جاتا ہے شکایت تو ہم کو کرنی چاہئے نہ کہ الٹی تم شکایت کرو۔ بڑی استاد ہو۔ واللہ اچھا خیر اب اس جھگڑے کے ڈربے ہی کو پھونک دو پیار کی باتیں کرو لڑائی جھگڑا اَلقط۔

بیگم تنک کر بولیں جھگڑے لڑائی سے ہم بہو بیٹیوں کو کیا مطلب۔ کھانے بھر کو دے جاؤ اپنے اللہ کے آسرے پر بیٹھے رہیں گے۔ یہ جھگڑا اور لڑائی اور لگائی بجھائی تو ان موئی مالزادیوں کا کام جو پیالی کے گتھے سے لپٹتے لپٹتے عرش پر پہونچ جاتی ہیں، جن کے لئے یہ عروج ہے کہ بیاہتا خصم نگوڑے کو دھتا بتائیں، اور پرائے مردوں کو تکتی پھریں جو ہمارے فرش کے پائیں بیٹھنے والی ہوں، وہ ہماری برابری کریں تو ہم جل بھن کے خاک ہوں یا نہ ہوں، اب تم خبردار، خبردار نہیں ہاتھ نہ لگانا اب منہاروں کی برابری میں جا کے بیٹھو (اُس جملے پر بیگم صاحب ہنسی ضبط نہ کرسکیں، ذرا یوں ہی سی ہنسی لب پر آگئی) نواب بہت ہی جھینپے، مغلانی گردن پھیر کر مسکرانے لگی۔

بیگم صاحب نے بڑی شوخی کے ساتھ کہا ہم نے سنا پانی کے عوض اب آپ بھی اب خاصہ کہتی تھیں۔ میں سنتی تو منھ جھلس دیتی موئی کا۔ چیونٹی چھوکری اور آپ خاصہ

چھچھوندر لگائے چمیلی کا تیل

یہ دونوں بہنیں جب آتی تھیں تو اُکڑوں بیٹھتی تھیں اب بی قمرالنسا بیگم اور بی نازو جان صاحب ہوئیں۔

نواب صاحب نے چھیڑنے کے لئے کہا۔ آخا وارے یہ نازو اور قمرن کا ذکر ہے وہ دو چھوکریاں کالی کالی سی۔

بیگم صاحب بہت ہی جھلائیں۔ کہا نواب اگر اس وقت تم نے دل لگی کی یا ہنسی کی کوئی بات کہی تو اللہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ میں کوٹھے پر سے پھاند پڑوں گی۔ نواب صاحب نے کہا ارے کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا بیگم۔ اچھا اب اس بات کو جانے ہی دو۔ مگر ہم نے تو اُن موئی چوڑی والیوں کی ہجو کی تھی کہ کالی کالی ہیں۔

بیگم صاحب بولیں چلو بس اب خاموش ہی رہو، اور جلاتے ہو، ہم کو وہ گوری چٹی ہوئیں تو کیا۔ موئی مالزادیاں تتر خصمی۔ ایسے گورے پنے پر بھی تین حرف۔ زوف ہے ایسے حسن پر خدا اُس چڑیل کو غارت کرے، جو میری سوت بنی ہے اڑھائی گھڑی کی موت آئے موئی کو مغلانی۔ ای حضور اب کچھ اور باتیں کیجئے۔

نواب۔ غصّے کو تھوک دو بیگم صاحب تمہیں قسم ہے۔

اب بیگم صاحب بھی ذرا دھیری ہوئیں کہا کیوں نواب افسوس تو بڑا ہوا ہوگا۔ دشمنوں کو تمہارے کہ یہ بلا کہاں سے نازل ہوگئی۔ مگر کیا کرو نواب بشیر الدولہ کی دوستی کا لحاظ آگیا نواب صاحب نے کہا بشیر الدولہ کی حماقت دیکھئے آپ ران پر پونڈا رکھ کر چھیلنے لگے بس چاقو پیر گیا۔

بیگم صاحب کے چہرے کا رنگ اس بیان سے کسی قدر متغیر ہوگیا اور اس کی وجہ سے ناظرین کتاب خود ہی واقف ہیں اس کا بیگم صاحب نے کچھ جواب نہ دیا اگر نواب صاحب ذرا بھی قیافہ شناس ہوتے یا انسان کی خلقت سے ان کو کچھ بھی واقفیت ہوتی تو معًا سمجھ جاتے کہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔ مگر وہاں سمجھ سے کیا سروکار۔

نواب۔ ہم تڑپتے تھے تمہارے بغیر بیگم واللہ۔

بیگم۔ ای ہے کیسا کچھ راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ میں نے سُنا دشمن بیمار ہوگئے تھے

نواب۔ تم سے یہ پتے کی بات کہی کس نے بیگم۔ ہائیں۔

بیگم۔ ہم سے، قمرن کی اماں اس بوڑھی چوڑی والی نے اور کس نے۔

نواب۔ اُس بوڑھی چوڑی والی کو صدقے کیا تم پر سے۔

بیگم۔ اور اُس کی دونوں چھوکریوں کو وہ جو کالی کالی ہیں۔ (مسکرا کر) خدا غارت کرے اُن کے کنبے کو۔ الہٰی قمرن جوان مرے۔

نواب۔ کیوں اپنی زبان سے کسی کو بُرا کہو بیگم۔

بیگم ۔ اللہ کرے مریں دونوں آج کے دسویں دن ۔

مغلانی ۔ (ہنس کر) اے بڑی مہلت دے دی سرکار ۔

بیگم ۔ نواب کی خاطر سے یہ اُن کو چاہتے ہیں ناحق سیدھی دوزخ کو جائیں گی وہ دونوں ۔ اور وہ موئی وقافہ ڈھونڈھو بھی ۔ نیک بیبیاں حضرت شبیرؑ کے روضے کی سیر کریں گی ۔ ان دونوں کا حشر کافرنیوں کے ساتھ ہوگا ۔

نواب ۔ (ہنس کر) اب بتاؤ تم نے چھیڑ کی کہ ہم نے سچ سچ کہنا ۔

بیگم ۔ تم نے کالی کالی کہہ کے اور آگ لگا دی ۔

نواب ۔ تو کیا کالی کالی ہیں یا نہیں ہیں ۔

بیگم ۔ پڑیں چولہے کی جڑ میں ۔

الغرض نواب اور بیگم میں دو دو چونچیں ہو گئیں ۔ مگر روک بیٹے گئے ، گتھنے کی نوبت نہیں آئی ۔ نواب کو یہ خوشی تھی کہ بیگم خفا نہیں ہوئیں ۔ اور بیگم کو یہ خوشی کہ نواب صاحب بن بلائے آئے ۔

بیگم صاحب چاہتی تھیں کہ تخلیہ ہو جائے تا کہ باتوں باتوں میں نواب کا دل ٹٹولیں ، کہ اب بھی قمرن کی چاہ باقی ہے یا نہیں ۔ مغلانی سے انہوں نے گھڑک کے کہا یہ کیا آنا جانا لگایا ہے ای واہ اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر ۔ آخر یہاں کیا کام ہے اس وقت خواہی نخواہی آنے جانے سے کیا مطلب بڑی بے ہودہ ہو ۔

مغلانی تو بقول شخصے گرگ باران دیدہ تھی ہی ۔ فوراً سمجھ گئی ، نیچے اُتر کر مہریوں اور خواصوں اور مبیش خدمتوں سب کو پٹی پڑھا دی کہ اب اوپر نہ جاؤ نواب صاحب بیٹھے ہیں اگر یاد کریں یا بیگم صاحب بلوائیں تو خیر مضائقہ نہیں ۔ اب نواب صاحب اور بیگم صاحب کی گفتگو سنیے ۔

نواب ۔ اب ایسی خطا نہ ہوگی ۔ بیگم اب توبہ کی جان من ہے ہے ۔ واللہ پھر اگر ایسا قصور ہو تو جو چور کی سزا وہ میری سزا ۔

بیگم ۔ یہ سب پھسلانے کی باتیں ہیں نواب ۔

نواب ۔ قرآن اٹھا لوں تب تو مانو گی بیگم ۔

بیگم ۔ تم تماشبینوں کی بات کا یقین کون مانے ۔

نواب۔ خدا گواہ ہے کہ اب سب باتیں چھوڑ دیں۔
بیگم۔ ہاں ہاں۔ کیوں نہیں تم نے کہا اور ہم نے مانا۔
نواب۔ اب بے اعتباری اور بدگمانی کو تو کوئی کیا کرے، مگر سچ کہتا ہوں بیگم کہ تم پر جان جاتی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم مٹیا برج میں اتنے دن کیوں بیٹھ رہیں، ہمیں رنج ہو یا نہ ہو، کتنے دن کا وعدہ کر کے گئی تھیں، اور اب کتنے دن ہو گئے جو تم کو ہماری الفت اور محبت ہوتی تو تم ایسا کرتیں بھلا۔ کبھی نہیں کرتیں۔
بیگم۔ ئے اب خدا کے لئے لڑائی کی باتیں نہ کرو۔ بس اب خاموش ہی رہو تو بہتر ہے۔ اس نگوڑی چوڑی والی پر ریجھے تھے، شرماؤ ذری، ابھی کیا ہے۔ ای تم تو مہترانی اور چمارن تک پر ریجھو گے جیسی روح ویسے فرشتے۔ بڑے افسوس کا مقام ہے۔
نواب۔ بیگم دیکھو برسوں کے بعد تمہیں پایا ہے اور بڑی بڑی منتوں کے بعد آج ہم نے یہ دن دیکھا کہ تم اور ہم اغل بغل بیٹھے ہیں۔ اور تم بے وجہ بے سبب لڑتی اور جھگڑا کرتی ہو خدا کے لئے ہم پر رحم کرو۔ اچھا ایک کام کرو آج رات کو تو پیار اور ہنسی خوشی کی باتیں کرو۔ کل شکایت کر لینا۔ مگر خدا نے چاہا تو یہ موقع ہی ہم نہ دیں گے کہ تم کو شکایت کرنی پڑے، کیا مجال شکایت کیسی ہم تم کو سمجھا دیں گے کہ یہ کیا معاملہ تھا۔
بیگم۔ اپنے مطلب کے کیا ہوشیار ہیں۔ چلو بس الگ ہٹو تم جا کے منہاروں میں بیٹھو۔ ای ذری تو شرماؤ، منہارن سے مل کے تم سب میں بد ہوئے۔ اور اب بھی باز نہیں آتے ہو، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ نواب۔ ہائے مجھ بختی کی قسمت پھوٹ گئی اور خاتون جنت کی قسم مٹیا برج میں جو میں رہی نا اتنے دن تو مجھے تمہاری جدائی اس قدر کھلی ہے کہ میرا اللہ ہی جانتا ہے۔
نواب کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ مگر ایک بات تو ضرور کہیں گے بیگم۔ تمہاری محبت میں شک نہیں بلکہ محبت ہی نہیں، تم کو ہم سے ایک قسم کا عشق ہے۔ مگر قرن بھی پری ہے پری عجب صورت پائی ہے

اٹھتی کونپل ہے جوانی کا بنا ہے انداز
چودھواں سال ابھی نام خدا ہے آغاز
گل سے گالوں پہ نہیں پھولا سماتا ہے ناز

چشم بد دور رہے نام خدا خوش آواز!
ایسی بو سونگھنے کا کیوں نہ میں ارمان کروں
سیب جنت کا بھی اس ٹھوڑی پہ قربان کروں

مگر تمہارے حسن کے مقابل میں کیا حقیقت ہے۔ اُس کی تم بدرجہا اُس سے اچھی ہو۔ بیگم صاحب سمجھ گئیں کہ اُس گلبدن مہوش چھوکری پر نواب کی جان جاتی ہے۔ مگر یہی ہزار غنیمت ہے کہ میرا اس قدر تو خیال ہے کہ بن بلائے چلے آئے اور اُس کی تعریف بھی کرتے ہیں تو دبی زبان سے۔ گو دل میں بہت ہی بُرا مانیں۔ مگر فہمیدہ، سمجھدار، عاقبت اندیش تھیں۔ شربت کے گھونٹ کی طرح پی گئیں۔ اُف تک نہ کی۔ ایسی نیک بیبیاں بھی کم ہیں۔ اللہ رے خیال عصمت اور نواب پر تو واقعی ان کی جان جاتی تھی۔ مگر ان کی یہ کیفیت تھی کہ اوروں پر ڈورے ڈالتے پھرتے تھے۔

نواب۔ بیگم تم اس وقت شاید خفا ہو گئیں۔

بیگم۔ اوئی خفگی کی کون بات ہے بھلا۔

نواب۔ نہیں تمہارے بشرے سے پایا جاتا ہے واللہ تم اس وقت خفا ہو گئیں۔

بیگم۔ ہم ایک پر عاشق ہوئے ہیں، نواب۔ ایسا خوبصورت جوان ہے کہ دیکھو تو عش عش کر جاؤ۔ ہائے میں تو اُس کی بانکی ادا پر عاشق ہو گئی۔

نواب۔ (ذرا سنبھل کر) کیا۔ (بہت بڑھا کر)

بیگم۔ ہم کو ایک شخص کا عشق ہوا ہے آج کل۔

نواب۔ عشق! تم کو؟ کس کا عشق؟

بیگم۔ کاہے کو بتائیں۔ واہ۔ ہونھ۔!!!

نواب۔ (گھبرا کر) آخر ہم بھی تو سنیں۔

بیگم۔ بتانے کی بات نہیں ہے۔ تم تو پیچھے پڑ گئے۔ میرے منہ سے ناحق نکل گیا۔

نواب۔ اچھا شن تو لیں سننے میں کیا حرج ہے۔ بتاؤ کس پر عاشق ہوئی ہو؟

بیگم۔ ہم ایک چوڑی والی کے چھوکرے پر عاشق ہوئے ہیں، ہائے کیا صورت پائی ہے۔

نواب۔ (شرما کر) بڑی ایک ہو تم۔

بیگم۔ تمہارا اجارہ ہے۔ تم کو ہمارا خوف نہیں تو ہم کو تمہارا خوف کیوں ہونے لگا۔ بھلا

نواب اور بیگم میں یہ نوک جھونک ہو رہی تھی، کہ نواب عفت آرا بیگم آئیں۔ اخاہ عسکری دولہا ہیں۔ یہ آج کدھر سے چاند نکلا۔ یہ کہاں بھول پڑے۔ آنکھیں ترس گئیں دیکھنے کو۔ تم نے سب کی محبت چھوڑ دی ہے۔ بھیّا نے کئی دفعہ تم کو یاد کیا، مگر تمہارا تو پتا ہی نہیں لگتا کہ رہتے کہاں ہو، ایسی بے مروّتی اور طوطے چشمی بھی نہ چاہئے۔ دروازے پر سے ہمارے جاتے تھے۔ مگر یہ توفیق کبھی نہ ہوئی کہ ذرا جھانک تو لیں۔ خیر صلاح تو دریافت کرلیں۔ ملنے کی تو قسم کھالی ہے "اہوں۔" ذرا ان کو ہماری محبت نہیں رہی ہے۔ افسوس۔

محمد عسکری کسی قدر شرمائے۔ کہا بہن خدا گواہ ہے طبیعت گرمی کے سبب سے بڑی پریشان تھی ورنہ ضرور آتا۔

عفت آرا بیگم نے کہا ای تو کبھی خیر صلاح کو آدمی ہی بھیجا ہوتا۔ کسی مہری سے کہا ہوتا کہ جیتے مرے کی خبر تو لا وے جا کے اور نہیں تو کسی چوڑی والی کو بھیجا ہوتا۔

اس پر بیگم صاحب اور مغلانی نے قہقہہ لگایا اور نواب صاحب سخت پشیمان ہوئے۔

اب سنئے کہ نواب صاحب نے بیگم کی بڑی خوشامد کی اور کئی بار شرعی قسمیں کھائیں کہ اب ہرگز ہرگز کسی سے دل نہ ملائیں گے۔ بیگم کو گو ان کے اس اقرار کا مطلق یقین نہ تھا مگر ہاں میں ہاں ملاتی جاتی تھیں، کہ چلو اب تک تو جو کچھ ہوا وہ ہوا۔ اب آئندہ سے توبہ کرلو۔ مگر جب اُس موئی قرن چڈو کی چاہت پیچھا چھوڑے نا۔ اس وقت تو یہاں بیٹھے باتیں بناتے ہو۔ جہاں وہ یاد آئی بس سب بھول جاؤ گے۔

نواب صاحب نے کہا کیا مجال بھول جانا کیا معنی ہم ایسے نہیں ہیں۔ وہ بھول جانے والے کوئی اور ہی ہوتے ہوں گے۔ اچھا مہریوں کو حکم دو کہ پلنگڑی اوپر مہتابی پر لے جائیں اُس کی دیواریں اونچی ہیں۔ بیگم صاحب نے مہریوں کو بُلا کر حکم دیا کہ اُس مہتابی پر خوب پانی چھڑکو اور فرش بچھاؤ۔ اور یہ پلنگڑی لے جاؤ اور دو جھجریاں رکھ دو۔ اور برف اور کیوڑا دونوں جھجریوں میں ڈال دو۔ اور پنکھے والی کو بلاؤ وہاں پنکھا لٹک رہا ہے۔ جب سب ساماں لیس ہو گیا تو نواب صاحب مہتابی پر جا کے بیٹھے اور تھوڑی دیر کے بعد بیگم صاحب بھی تشریف لے گئیں۔

دوسرے روز دوپہر کو بیگم صاحب کے گوئیندوں نے پھر ان سے آ کے کچھ کہا اور

نواب صاحب کی طلبی محل سرائے میں ہوئی گئے تو دیکھا کہ بیگم صاحب منھ بنائے ہوئے بہت ہی خفا بیٹھی ہوئی ہیں۔ پوچھا کیا خدانخواستہ کچھ طبیعت علیل ہے کہا بس اب ہم سے نہ بولو۔ اُسی سے جاکے بولو۔ مردار سے جس کے لئے ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے۔

نواب ۔ ارے ! بگڑ گئیں ؟

بیگم ۔ تم کو تو اُس کے بغیر چین ہی نہ آئے گا۔

نواب ۔ آخر یہ تم سے کہا کس نے ۔

بیگم ۔ میرے سامنے ٹھنڈی سانسیں پھریں تم نے ۔ اور اوپر سے باتیں بناتے ہو۔ ذرا تو شرماؤ ۔

نواب ۔ تم تو ہوا سے لڑتی ہو بیگم ۔

بیگم ۔ میرے کلیجے میں اُس وقت ٹھنڈک پڑے جب میں سنوں کہ اُس کی کھاٹ مچمچاتی ہوئی نکلی ۔

نواب ۔ کیوں کسی کو کوستی ہو بیگم۔ اس سے کیا فائدہ۔

بیگم ۔ میں کوس کوس کے کھا جاؤں گی ۔

نواب ۔ اچھا کوسو۔ مہری ذرا سا پانی لادو بیگم کو۔

بیگم ۔ ہمارے ساتھ مٹیا برج چلے چلو۔

نواب ۔ لکھنؤ کو چھوڑ کر تو بہشت جانے کی بھی گون نہیں ہے۔ لکھنؤ ہو اور دینا ہو ۔

بیگم ۔ لکھنؤ موئے میں رکھا کیا ہے

نواب ۔ اپنا شہر تو ہے ۔

بیگم ۔ پھر ایسے شہر کو لے کر کوئی چاٹے ـــــ

نواب ۔ اچھا چلو نینی تال چلیں ۔

بیگم ۔ چلو اللہ جانتا ہے چلو۔ واہ نیکی اور پوچھ پوچھ جہاں چاہو وہاں چلو۔ مگر اس شہر کو چھوڑو کچھ دن کے لئے۔ یہاں تمہاری آوارگی بڑھتی جائے گی اور تم خراب ہوتے جاؤ گے اور یہ موئے درگور ساتھ کے بیٹھنے والے اور بھی تم کو چکمہ دیتے ہیں۔ تم نے اپنے کو کیا سے کیا کر دیا کہیں موئی قمرن ہے، اور کہیں نگوڑی نازو۔ اگر تھوڑے دن اور اسی طرح رہے تو خدا ہی مالک ہے اور آج ہم نے یہ سُنا کہ تم کا نا پانی بھی پینے

لگے ہو۔ اللہ جانتا ہے یہ بڑی بُری بات ہے۔ سب میں بدنام ہو جاؤ گے اور کوئی تم کو اپنا حقہ تک پینے کو نہ دے گا۔ نواب بڑے شرم کی بات ہے۔

نواب۔ بالکل جھوٹ ہے۔ یہ کس نے کہا تم سے۔ ہمارا سامنا کراؤ، ورنہ ہم بگڑ جائیں گے۔

بیگم۔ اللہ قسم تم تو آنکھوں میں گھر کرتے ہو۔ ذرا تو شرماؤ نواب افسوس۔

نواب۔ یہ باتیں ہم کو پسند نہیں آتیں۔ جھوٹ سے میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔

بیگم۔ اللہ قسم ذرا سچ کہنا۔

نواب۔ آخر یہ تم سے کہا کس نے۔ وہ کون سا میرا دشمن یہاں ہے۔ جو ہر وقت میری طرف سے تم کو بھڑکایا کرتا ہے اور جھوٹ سچ باتیں کہتا ہے۔ میں ایسے آدمی کا اپنے یہاں رہنا پسند نہیں کرتا تم بتا تو دو کہ تم سے کس نے کہا۔

بیگم۔ لے ذرا سنبھلو سنبھلو بہت باتیں نہ بناؤ۔ پھر جو ہم کو غصہ آجائے گا۔ تو ساری شیخی کرکری ہو جائے گی ایک تو چوری دوسرے سینہ زوری۔

نواب۔ بیگم خدا کے لئے اب وہ باتیں کرو کہ ہمارا دل پہلے ایسی باتوں سے ملال ہوتا ہے۔

بیگم۔ یہ کیوں دشمنوں کو کیا سودا ہو گیا ہے جو دل بہلنے کی باتیں کروں۔ نواب تم کو اس کمبخت کا عشق نہ چھوڑے۔ خدا اسکو غارت کرے۔

نواب۔ (آہ سرد بھر کر) افسوس، ہائے کیا کروں۔

بیگم۔ لے میرے سامنے تو یہ ٹھنڈی سانسیں بھرو نہیں۔ سیدھی طرح بیٹھنا ہو تو بیٹھو۔ نہیں تو باہر جا کے اُن مونڈی کاٹوں میں دل بہلاؤ۔ جنہوں نے تم کو اُبھار اُبھار کے ان دہاڑوں کو پہونچایا۔

نواب۔ اچھا بیگم تم ہی باتیں سنالو جو جی میں آئے کہہ لو۔

محمد عسکری کی بیتابی

کچھ روز تو نواب ہلال رکاب بفحوائے دنیا بامید قائم چنداں پریشان نہیں رہے۔ مگر جب ان کو مایوسی ہو گئی۔ کہ اب بی قمرن نہ ملیں گی تو واقعی انتہا سے زیادہ قلق ہوا یہ کیفیت ہو گئی کہ کھانا پینا حرام، باہر باورچیخانے میں خاص پُرتر عمدہ عمدہ کھانے پکاتے ہیں اور اندر سے بھی کھانا آتا ہے۔ مگر اُن کو بھوک نہیں مصاحب اور رفقا مرنے سے جھکتے۔

ہیں۔ بیگم صاحب بار بار بلواتی ہیں اور سمجھاتی ہیں کہ نواب یہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ مگر بے سود۔ گو بیگم صاحب کے پاس بیٹھنے سے اک ذرا تشفی ہوتی تھی۔ لیکن قمرن کا غم ہجر مارے ڈالتا تھا۔

اب سینے کہ مصاحبوں کو لوٹنے کا اچھا موقع مل گیا۔ میاں ممن نے آن کے کہا حضور ایک عورت کلاں کوٹھی میں رہتی ہے واللہ اس شہر کا قطب ہے مجذوبہ ہے اور کوئی بتیس برس کا سن ہو گا۔ پہلے ہندنی تھی اب اس کا کوئی مذہب نہیں ہے مگر جو کہتی ہے وہی ہوتا ہے۔ اس کی بات ٹل نہیں سکتی۔ میں نے ہزاروں بار تجربہ کیا ہے اور اللہ کی عنایت سے کبھی میرا تجربہ ہیٹ نہیں پڑا۔ حضور ایک دفعہ میں اپنی نانی کو لے کر اس عورت کے پاس گیا پردہ کرا کے میں نے کہا کہ ان کو جالندھر ہو گیا ہے ان کے حق میں کچھ دعا کیجئے۔ کہا پرسوں اچھی ہو جائے گی اچھے اچھے کپڑے پہنے گی اس کی برات نکلے گی۔ جالس جا یہاں سے۔ میں کچھ سمجھا نہیں۔ اتفاق سے تیسرے روز میری نانی نے انتقال کیا اور جنازہ نکلا۔ اس وقت ایک دوست نے مجھے یاد دلایا کہ مجذوبہ کی بات کتنی صحیح نکلی کہ پرسوں یہ اچھی ہو جائے گی۔ اور اس کی برات نکلے گی برات اسی جنازہ سے مراد ہے۔

نواب صاحب بھرے میں آ گئے۔ اختر بھی ممن سے گٹھ گیا تھا۔ دونوں نے اُس مجذوبہ کی تعریف کی پل باندھے نوبت بایں جا رسید کہ نواب صاحب نے داروغہ کو اُس کے پاس بھیجا اور پانچ اشرفیاں نذر کے طریق پر بھیجیں اور کہا جہاں تک ممکن ہو اُس کو اپنے ساتھ لاؤ ورنہ آئیں تو ہم خود چلیں گے۔

داروغہ صاحب ممن اور اختر کو ہمراہ لے کر مجذوبہ کے یہاں پہنچے دیکھا تو ایک سُرخ و سفید عورت کلاں کوٹھی کے ایک برُج میں بیٹھی ہے۔ پاؤں دریا کی جانب لٹکے ہوئے ہیں۔ قریب گئے تو دیکھا کہ خوبصورت اور کم سِن عورت ہے۔ ان لوگوں نے تو بتیس برس کا سن بتایا تھا مگر داروغہ کے نزدیک کوئی بائیس برس کا ہے۔

ممن نے قریب جا کر جھک کے سلام کیا۔ بڑے غرور کے ساتھ ان سب پر انہوں نے نظر ڈالی تو ممن نے داروغہ کو اشارہ کیا کہ اشرفیوں کی نذر دکھاؤ داروغہ

نے اشرفیوں کی نذر دکھائی۔

مجذوبہ۔ ہٹ ہٹ ہٹ ہٹ۔ الگ ہٹ۔

داروغہ۔ اگر یہ نذر قبول نہ ہوئی تو غضب ہو جائے گا۔

مجذوبہ۔ قمرن کی چاہ ہے۔ ہاں! قمرن۔

داروغہ۔ (کانپتے ہوئے) حضور یہ نذر ہے۔

مجذوبہ۔ نازو کی بہن قمرن ہے۔ ہاں! یہ!

ممتن ۔ تو اب یہ نذر تو قبول فرمایئے۔

مجذوبہ۔ ہاں! قمرن کی بہن نازو ہے۔ نازو۔

ممتن۔ موج میں ہیں اِس وقت۔ — —

مجذوبہ۔ قمرن اور نازو۔ نازو اور قمرن۔

اختر ۔ مگر کیا مقام ہے واللہ، کیا بہار ہے۔

ممتن۔ مردہ آئے تو زندہ ہو کے جائے یہاں سے واللہ کیا مقام ہے۔ سبحان اللہ۔

مجذوبہ ۔ مردہ اور زندہ ہاں! یہ!

ممن اور اختر تو گٹھے ہوئے تھے مگر داروغہ راز دان نہ تھا۔ اس سے ان دونوں نے چھپایا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ نواب صاحب کو لوٹیں مگر داروغہ کے سبب سے دال نہیں گلتی ہے۔

مجذوبہ نے گردن ہلا ہلا کر کوئی دو سو دفعہ (ہاں! ہاں) کہا ہوگا یہ ان کا تکیہ کلام تھا۔ اور تکیہ کلام کیا معنی۔ مجذوب کی بڑ اسی کا نام ہے۔ مجذوب اسی طرح بڑ مارتا ہے۔

بیٹھے بیٹھے اُٹھ کھڑی ہوئیں، اور بُرج سے نیچے اُتر کر دریا کے اندر کود پڑیں۔ اور پیرنے لگیں۔ اور پیرتے پیرتے یہ بکتی جاتی تھیں۔ (قمرن کا عشق اور نازو بغل میں ہاں! نازو کی بہن قمرن اور قمرن کی بہن نازو۔ ہاں ہاں ہاں)۔

اختر نے داروغہ سے پانچ اشرفیاں لے کر خود نذر دکھائی تو ممتن نے کہا بھئی کیا وحشی جانگلو ہو۔ وہ تو پیر رہی ہیں۔ اور آپ زینوں سے کھڑے

اشرفیاں دکھاتے ہیں۔

اتنے میں مجذوبہ نے ایک غوطہ لگایا اور اُبھرتے ہی تھپکی مارکراشرفیاں لے لیں، اوران سب کے سامنے دریا کے اندر پھینک دیں اور کہا قمرن کی چاہ اور نازو کا بیاہ۔ ہاں! اوراشرفیاں ہاں! اور قمرن اور نازو اور نازو اور قمرن۔ ہاں۔ اللہ۔ اللہ۔ مولی۔ داتا اچھا نواب کو فنس پرلاؤ۔ بگھی پر مت لاؤ۔ لاؤ فنس پر مگر قمرن اور نازو۔ ہاں۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ سب نواب صاحب کے ہاں واپس آئے ان کو دیکھتے ہی نواب صاحب کھڑے ہو گئے اور بڑے اشتیاق سے پوچھا کہو بھئی کیسی گزری۔

داروغہ۔ سرکار وہ تو ایک عجیب دربار ہے۔

نواب۔ ہاں! رسیدہ ہیں۔ باکمال۔!

داروغہ۔ حضور غلام تو کانپنے لگا!

ممتن۔ خداوند غلام کیا عرض کرے۔

نواب۔ میاں اختر۔ اعتبار کے قابل ہے یہ بات؟ ——

اختر۔ اب حضور راستے میں باتیں ہوں گی۔ حضور کو یاد فرمایا ہے۔

ممتن۔ ہم لوگ جب وہاں پہونچے تو دیکھا کہ ایک برج میں جلوہ فگن ہیں سلام کیا۔ بس دیکھتے ہی ذرا برافروختہ ہوئیں کہ میں نے اشارہ کیا اور داروغہ صاحب نے معاً نذر دکھائی۔ بس نذر دکھاتے ہی اس نے رٹ لگائی۔ واللہ قمرن اور نازو۔ نازو اور قمرن۔——

نواب۔ (متحیر ہو کر) واللہ!

ممتن۔ حضور کے نمک کی قسم۔ خداوند جو ذرا تصنع ہو۔

اختر۔ خداوند اک دو سو دفعہ کہا ہو گا۔ قمرن اور نازو، نازو اور قمرن۔

داروغہ۔ ہاں حضور صحیح ہے۔ ایک دفعہ لہر جو آئی تو جھم سے دریا میں کود پڑیں۔ اور پیرنے لگیں۔

ممتن۔ پہلے تو نذر نہیں لی۔ مگر دریا میں غوطہ لگا کے جس طرح چھل جھپٹا نہیں

مارتی ہے اسی طرح جھپٹا مار کے پانچوں اشرفیاں ہاتھ سے چھین لے گئیں اور دریا میں پھینک دیں اور کہا نواب کو بلاؤ مگر بگھی پر نہ آئیں۔ فنس پر آئیں۔

نواب۔ تو کیا آپ لوگوں نے کہا تھا کہ نواب صاحب نے ہم کو بھیجا ہے۔

ممتن۔ بات کرنے تک کی نوبت تو آئی نہیں۔

داروغہ۔ آپ کا کوئی تذکرہ بھی نہیں آیا۔

نواب۔ بھئی ہم کو اب اشتیاق پیدا ہو گیا۔

داروغہ۔ اشتیاق۔ حضور فنس کو حکم دیجئے ایسے موقع ملتے کہاں ہیں۔

نواب۔ حسین علی کہاروں کو حکم دو کہ فنس نکالیں۔

حسین علی۔ بہت خوب خداوند۔ مہرا فنس نکالو سرکار سوار ہوں گے ابھی لاؤ۔

ممتن۔ حضور پھڑک جائیں گے۔

اختر۔ اس میں تو شک نہیں واللہ۔

داروغہ۔ اور مقام کتنا اچھا ہے کہ واہ ۔وا۔

اختر۔ جی خوش ہوتا ہے روح کو بالیدگی ہوتی ہے۔ عجب مقام ہے واللہ۔ اور میرے دل کو یقین ہے کہ اس سے مقصدِ دلی ضرور حاصل ہوگا۔

نواب صاحب نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور فنس میں سوار ہوئے اور کہا بھئی تم لوگ ٹمٹم پر آؤ۔ یہ تینوں ٹمٹم پر سوار ہوئے۔ جب کلاں کوٹھی پہونچے تو لب دریا فنس روک لی۔ اور نواب صاحب اُتر کر سیر کرنے لگے۔

اتنے میں ٹمٹم بھی آیا۔ ممتن اور داروغہ ہنستے ہوئے اُترے اور میاں اختر بھی نواب صاحب کے قریب آن کے کھڑے ہوئے حضور سچ کہئے گا۔ روح کی بالیدگی ہوتی ہے۔ یا نہیں۔ عجب فرح بخش مقام ہے واللہ ای سبحان اللہ میں تو عاشق ہوں اس پر۔ دریا کی موج زنی کیا مزہ دکھاتی ہے کہ بایدوشاید واللہ جی خوش ہوتا ہے۔

نواب صاحب نے وجد میں آن کر فرمایا بھئی ہم نے اس وقت برجستہ ایک شعر کہا ہے۔

ممتن۔ ہاں حضور فرمائیے واللہ مزہ آئے گا۔

داروغہ۔ ضرور کہئے خداوند

حضور کی طبیعت داری میں کیا شک ہے۔

اختر۔ بھئی سنانا۔

نواب جان لڑی ہوئی ہے سرکار۔

ممّن۔ عرض کیا ہے۔

نواب۔ جس طرف پیک نظر جاتا ہے

سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے

اختر۔ سبحان اللہ حضور سبحان اللہ!

ممّن۔ کیا کہا ہے واللہ؟

سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے

داروغہ۔ کس دبدبے کا مطلع ہوا ہے۔

ممّن۔ حضور کہتے نہیں۔ کہیں تو خوب کہیں۔

نواب۔ اور سنئے گا عرض کیا ہے۔

ہم کھڑے ہیں لب دریا صاحب

دل تری دید کو لہراتا ہے

اختر۔ اعجاز! اپنی جان کی قسم کیا خوب کہا ہے۔

دل تری دید کو لہراتا ہے

واہ واہ۔ ای سبحان اللہ

داروغہ۔ لہراتے کے لفظ نے جان ڈال دی۔

نواب۔ یہ آپ کی قدردانی ہے۔ سنئے گا۔

ٹھنڈے ٹھنڈے یہ ہوا کے جھونکے

دل مرا قابو سے اب جاتا ہے

راوی۔ املی کی جڑ سے نکلا پتنگ۔

ممّن۔ اور برجستہ فرماتے ہیں حضور۔ یہ دوسرا تکلف ہے واللہ

نواب۔ بھئی آورد میں لطف سخن کجا۔

اختر۔ حق ہے پیرومرشد۔ بجا ارشاد ہوا۔

نواب ۔ کہوں تو سب کچھ مگر فرصت کہاں ۔
راوی ۔ چنڈو سے فرصت بھی ملے جب ۔
تھوڑی دیر دریا کی سیر کر کے یہ چاروں آدمی کلاں کوٹھی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ زعفرانی ساری پہنے ہوئے ایک عورت بیٹھی توتے سے باتیں کر رہی ہے ۔
میاں مٹھو پڑھو حق اللہ پاک ذات اللہ ۔ پڑھو تو پڑھو نہیں تو پنجرا خالی کرو، بیٹے بیٹے ۔ اور اللہ کو کسی نے دیکھا تو ہے نہیں، مگر سب کے سب اللہ ہی اللہ پکارتے ہیں ۔ اور پانی جو دریا میں قحط آجاتا ہے تو حسب الحکم اعلیٰ اور نظم و نسق ممالک نشو و نما ازرتق فتق صحو و غنم وحل وعقد شگوفہ و ثمر، و انتظام داخل و مخارج، از امطار و از ہار و تعمیر مرز و بوم، ہر زمین و توفیر کشت و کار و ہائے آثار فراوان و آثارِ نمایاں بر روے عرصۂ روزگار بظہور رسائندہ ۔
نواب صاحب نے آگے بڑھ کر ڈرتے ہوئے جھک کر سلام کیا تو مجذوبہ نے تین چار بار رہاں کہہ کر اشارے سے کہا کہ بیٹھ جاؤ ۔
نواب ۔ نذر تو قبول ہو ۔!
مجذوبہ ۔ نہیں قبول ہوگی ۔
ممتن ۔ بس اب اصرار نہ کیجئے گا ۔
مجذوبہ ۔ کہاں بھگا دیا قمرن کو ۔
نواب ۔ کیا معلوم کہاں چلی گئی ۔
مجذوبہ ۔ قمرن اور نازو ہاں ! ۔
نواب ۔ (ہاتھ جوڑتا ہوں)
مجذوبہ ۔ اس مکان کو پکا بنادے، اور آج کے دسویں دن قمرن کو یہیں لے کر بیٹھ ۔ بنادے پکا بنادے پکا ۔ پکا بنادے نازو اور قمرن ہاں !
نواب صاحب کا کلیجہ گز بھر کا ہوگیا، چپڑی اور دو دو اب کیا پوچھنا ہے ۔ چین لکھتا ہے ۔ فوراً حکم دیا داروغہ صاحب بس کل ہی سے مرمت شروع ہو جائے اور ایسا بنوا دو کہ دوسرا مکان اس قطع کا شہر بھر میں نظر نہ آئے ۔

نواب صاحب نے ہاتھ جوڑ کر کہا حضور یہ نذر قبول ہو۔ اور یہ کہہ کر دس اشرفیاں قدموں پر رکھ دیں۔

مجذوبہ نے کہا قمرن اور نازو ہاں!...

نواب صاحب سمجھتے تھے کہ یہ کوئی بوڑھی یا ادھیڑ عورت ہوگی مگر آن کے دیکھا تو جوان بیس بائیس برس کا سن اور جوانی کے علاوہ خوبصورت پاکیزہ طلعت اور صباحت کے ساتھ نمکینی غضب ڈھاتی تھی۔ یہ اس مرتقا پر ریجھ گئے اور ممتن ان کی چتون سے تاڑ گیا کہ سرکار کا دل آگیا۔ مجذوبہ بک رہی تھی۔ قمرن اور نازو۔ ہاں! ہاں!!۔ اور نواب اُس کی ایک ایک ادا پر لوٹ ہوئے جاتے تھے۔ کہا اگر آپ کی رائے ہو اور آپ کے خلاف نہ گزرے تو میں ہر روز حاضر ہوا کروں روز پہر ڈیڑھ پہر آپ کی خدمت میں بیٹھا کروں۔

مجذوبہ۔ دنیا دار کا یہاں کیا کام ہے۔

نواب۔ محبّت کا فیض۔

مجذوبہ۔ ہوا و ہوس! ہاں! ریجھ گیا!

اختر۔ کیا بات ہے خدا گواہ ہے یہ قطب ہیں۔ ورنہ لکھنؤ اب تک کب کا تیانانس ہو گیا ہوتا۔

نواب صاحب نے داروغہ کو حکم دیا کہ جا کے میر شہزادہ علی اور سفیر کو بلا لاؤ۔ اور ممتن سے کہا تم ڈیوڑھی پر جاؤ اور خاص پُنر کو فوراً اپنے ساتھ لاؤ۔ کہو برتن اور جنس اور گوشت لیتا آئے کھانے کا کل سامان ساتھ لائے دس بارہ آدمیوں کا کھانا ہوگا۔ اور اختر کو حکم ہوا کہ چوک سے جا کر ہر قسم کے میوے اور مٹھائی لاؤ۔ سب کے سب رخصت ہو گئے تو اب باقی کون رہا۔ مجذوبہ اور نواب صاحب۔

اب نواب صاحب ڈورے ڈالنے لگے۔

نواب۔ غلام ہوں حضور کا۔

مجذوبہ۔ قمرن! قمرن! ہاں۔

نواب۔ اس تیری ہاں کے صدقے۔

مجذوبہ۔ ایمان ساتھ جائے گا۔ ہاں!

نواب۔ (قدموں پر ٹوپی رکھ کر) میں صدقے ذری دیکھو ہائے کیا آنکھیں ہیں۔

مجذوبہ۔ جا جا پانی بھر لا۔

نواب۔ پانی بھر لاؤں؟

مجذوبہ۔ جا جا پانی بھر لا۔

نواب۔ جو حکم دووہ بجالاؤں۔

مجذوبہ۔ پانی بھر لا۔ پانی بھر لا۔ جا جا۔ بھر لا پانی۔

اب سنئے کہ میدان خالی پا کر نواب صاحب نے جو اظہار عشق کیا تو مجذوبہ نے پہلے تو کچھ نہیں کہا صرف دو ایک باتیں کہہ کر خاموش رہی مگر جب اُس نے دیکھا کہ نواب صاحب کو عشق بہت ہی چرایا ہوا ہے تو ذرا للکار دیا اور مجذوبہ تو تھی ہی کہا ایمان ایمان۔ ٹھکانے رکھ او غافل، ہاں! اللہ نے ایمان دیا۔ مولیٰ نے ایمان دیا۔ خدا نے ایماں دیا۔ یہ ایماں دیا ہے۔ مگر ٹھکانے رکھ ایمان۔ ہاں!!! ساتھ کیا جائے گا۔ مکان پیوند زمین ہوگا املاک پیوند زمین ہوگی۔ جواہرات پتھر ہیں۔ روپیہ ہاتھ کا میل ہے۔

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہاں ایمان البتہ ساتھ جائے گا۔ مگر دیدنی ہے کہ باغ میں چاندنی اور اُس کی مالک چاندنی خانم اور زلفو اور زلفن دونوں بہنوں نے بل کی لی۔

لٹ گئے ہو کے مُسن زلف معنبر والے!
بل کے لیتے ہی رہے بال وہ گھونگھر والے

نواب صاحب نے اس شعر کی بڑی تعریف کی کہ واقعی خوب فرمایا ہے۔ مگر مجذوبہ نے ذرا شنوائی نہ کی اور نہ ان کی داد دینے کی داد دی، بلکہ بہت ہی بگڑ کر اپنے ایک کتے سے باتیں کرنے لگیں۔

سن رے شیرا چاہے تو چاہے تیری پھینی۔ سمجھا۔ پھٹکے پھٹکے۔ الگ الگ دور، دور یہ نہیں کہ پہونچا دیتے ہی ہاتھ پکڑ لیا۔ ہاں! ترکی کو اشارہ بس ہے کہے کسی سے سمجھے کوئی۔ ہاں! اور اللہ والے لوگ پہونچے ہوئے اللہ والے

لوگ۔ رسیدہ صاحب کمال صاحبِ دل اللہ میاں کے پہچاننے والے، لوگ بُری باتوں سے دور دور۔ اور اگر چاہوں تو ابھی جلا دوں۔ سوخت کردوں نیست نابود کردوں۔ بھسم کردوں۔

راوی۔ اس بھسم کے لفظ سے انسان اگر ذرا بھی ذکی الطبع ہوتا تو سمجھ جاتا کہ یہ عورت نومسلم ہے ورنہ بھسم کا لفظ زبان پر نہ لاتی۔ مگر نواب صاحب تو عشق کے مارے اندھے ہو رہے تھے۔ ان کو یہ خیال کہاں۔ لیکن ان کے دل میں ذرا خوف پیدا ہوا کہ اُس کی بددماغی سے ڈرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو دعائے بد دے دیں تو خدا جانے کیا کا کیا ہو جائے۔ ان کے نزدیک مجذوبہ کو یہ قوّت حاصل تھی کہ جو دعا دے دیں کہ تو مرجا تو وہ ضرور فوراً ہی مرجائے۔ اب ان کو قمرن کا چنداں خیال نہ تھا۔ مجذوبہ پر بہت ریجھے ہوئے تھے۔ گو قمرن اس سے کہیں زیادہ حسین تھی۔ مگر مجذوبہ کی نمکینی واقعی ستم ڈھاتی تھی اور نواب صاحب کی اس پر جان جاتی تھی یہ قریب بیٹھے ہوئے کنکھیوں سے گھور رہے تھے کہ دو عورتیں اور آئیں، دونوں بوڑھی ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئیں تو مجذوبہ نے ہنس کر کہا کیوں۔ دانے نکلے۔ دانے نکلے مرجھا کے مالن والن کیا کرتی باگ مڑ گئی باگ مڑ گئی۔ ہاں! اچھا بس جاؤ۔ بس جاؤ۔ بس جاؤ بھاگ جاؤ۔ ان دونوں عورتوں کو بھاگتے ہی بن پڑی۔ مگر ان میں سے ایک نے اس قدر البتہ بڑی جرأت کر کے کہا کہ اب آپ کی مہربانی سے لڑکا اچھا ہے

راوی۔ اس لڑکے کو دو دن بخار آیا تیسرے روز اس کی ماں مجذوبہ کے پاس لائی۔ مجذوبہ نے کہا دانے نکلیں گے۔ مرجھا جائیں گے باگ مڑ جائیں گے۔ اُسی روز لڑکے کو چیچک نکلی۔ مگر اچھا ہو گیا۔ تھوڑے دن کے بعد اُس کی ماں ایک عورت کو ساتھ لے کر شکریہ ادا کرنے آئی۔ اور دو روپے بھی بطور نذر لائی تھی۔ مگر چونکہ مجذوبہ کا رُخ بدلا ہوا تھا۔ اور اُنھوں نے باصرار متواتر کہا کہ بھاگ جاؤ، بھاگ جاؤ لہٰذا یہ دونوں چلی گئیں کہ مجذوبہ تو ہے ہی خدا جانے کیا اُس کی زبان سے نکل جائے۔

نواب۔ یہ دونوں کون تھیں۔ سرکار۔

مجذوبہ۔ عیسیٰ بہ دین خود موسیٰ بہ دین خود۔

نواب۔ مجھے اپنا غلام بلکہ غلامانِ غلام سمجھے۔

مجذوبہ۔ ایمان پاک، آدمی بیباک۔ ہاں۔!

نواب۔ کہیئے تو حضور کے پانوں دباؤں۔

مجذوبہ۔ اللہ کا جلال کیا۔ آفتاب۔ اللہ کا جمال کیا مہتاب۔ جلال جمال دونوں موجود۔ دن کو جلال رات کو جمال۔ چاندنی رحمت ہے تو اندھیری غضب۔ بہشت اور دوزخ سب اسی دنیا میں ہے۔

نواب۔ بجا ارشاد ہوا۔ تعجب ہے کہ اس سن میں اور یہ باتیں حاصل کریں۔

مجذوبہ۔ دشمن کو بھی دوست سمجھے واہ۔

اگر صد سال گبر آتش فروزد
چو یک دم اندران افتد بسوزد

آگ کا فعل جلانا ہے۔

نواب۔ لیجئے ہمارا باورچی تو آگیا۔ اب جو فرمائے وہ پکواؤں۔

مجذوبہ۔ دریا کی لہر اور اللہ کا قہر، دونوں کو دیگچی میں چڑھاؤ۔ تو واہ واہ۔ واہ۔

اتنے میں دو آدمی اور آئے۔ ایک ضعیف دوسرا ادھیڑ یہ دونوں بھی آن کے تھوڑے فاصلے پر ہاتھ جوڑ کر خاموش کھڑے ہوئے، ان کو دیکھتے ہی مجذوبہ نے کہا لایا لایاؤ دھوالایا۔ اتنا کہنا تھا کہ بوڑھے آدمی نے اپنے نوکر کو پکارا، اور اُس سے بوتل لے کر سامنے رکھ دی۔

مجذوبہ نے بوتل مُنہ سے لگائی تو نصف کے قریب پی گئی اور مرد پیر نے تعریف کرنی شروع کی۔

پیر (ادھیڑ سے) کچھ دیکھا حضور نے۔

ادھیڑ۔ حضرت عقل نہیں کام کرتی۔

پیر۔ غضب خدا کا آدمی چڑھا گئیں۔

ادھیڑ۔ جی۔ اور کس صفائی کے ساتھ۔

پیر۔ جو جس کو کہہ دیا وہی ہوا۔

ادھیڑ۔ مجذوب کی بڑ تو ہے ہی۔

نواب۔ کیا آپ لوگ عرصے سے جانتے ہیں۔

پیر۔ جانتے ہیں!۔ ای خداوند ہماری تو مالک ہیں۔ یہ ہم تو ان کے غلاموں سے بدتر ہیں۔

ادھیڑ۔ حضور کو ابھی ان کے حالات معلوم نہیں ہوئے ہیں شاید۔ یہ تو بڑی خدا رسیدہ ہیں۔

پیر۔ کیا کوئی بیان کر سکتا ہے۔ ہزاروں کراماتیں ہیں ان میں ایک ہو تو کوئی بیان کرے۔

ادھیڑ۔ صاحب کروڑوں وصف ہیں۔

پیر۔ مجسم اوصاف سمجھیے۔

نواب۔ میں خوب سمجھتا ہوں

۔ اتنے میں مجذوبہ نے باقی ماندہ شراب بھی پی لی اور بوتل الٹا دی۔ کہا ودھوا ہے ودھوا ہے۔ قرن اور نازو ہاں! نازو اور قرن، ہاں۔!!! ؎

ای کہ در شوخی نداری ہمسری

مے نمائی ہر دمے از منظری

یہ شعر سن کر نواب صاحب کا عقیدہ اور بھی جم گیا کہ واقع میں رسیدہ اور باکمال عورت ہے

نواب۔ میں تو ان کا معتقد ہو گیا ہوں حضرت جو بات ہے ان کی وہ کرامات سے خالی نہیں ہے۔

پیر۔ آپ خوش عقیدہ اور فہمیدہ اور برگزیدہ ہیں۔

نواب۔ میرا دل ہی کچھ مزے لوٹ رہا ہے۔ حضرت میں نواب ان کا غلام ہو گیا۔

پیر۔ حضور رئیس اور شہزادے ہیں۔ کیوں نہ باریکی کو پہونچیں گے آپ۔

مجذوبہ۔ جملو اور ممن اور اختر۔ ہاں۔!!!

نواب۔ واہ وا۔ اللہ رے کمال۔

مجذوبہ۔ اور بشیر الدولہ اور مہراج بلی۔

نواب۔ ان سب کو بلواتا ہوں۔

مجذوبہ۔ نہیں نہیں کسی کا کام نہیں نکل جاؤ یہاں کیا کام کسی کا۔ مگر ممن کو لے لے ہاں۔

نواب۔ (قدموں پر ٹوپی رکھ کر) اب تو حضور کی عنایت میرے حال پر ہے اس سے اچھے مل جائیں گے۔ میں نواب آپ کا غلام ہو چکا۔

مجذوبہ کچھ بڑبڑاتی ہوئی اُٹھی اور لب دریا جا کر کھڑی ہو گئی اور پیر مرد کو حکم دیا کہ دریا کے اُس پار جاؤ۔ ابھی جاؤ۔

پیر مرد نے کہا حضور غلام کو پیرنا نہیں آتا ہے۔

مجذوبہ۔ جا جا۔ دریا میں پھاند پڑ۔

پیر۔ (کپڑے اُتار کر) پیرنا نہیں آتا ہے حضور۔

مجذوبہ۔ آتا ہے۔ آتا ہے۔ یار جا۔ اللہ بیڑا پار کرتا ہے۔ اللہ بیڑا پار کرتا ہے۔

ان کے دوست نے کہا یہ بڑی مصیبت ہے۔ اگر دریا میں اُترتے ہو تو گہرے میں جا کر خواہ مخواہ ڈوب جاؤ گے۔ پیرنا جانتے نہیں اور نہیں جاتے ہو تو عمر بھر کا ریاض کیا کرایا مٹیا میل ہوا جاتا ہے۔

پیر مرد نے جی کڑا کر کے کپڑے اُتارے اور کانپتے ہوئے دریا کی طرف چلے پہلے تو جھجکے۔ مگر اللہ اللہ کہہ کر کود پڑے تو ایک سکنڈ تک غائب۔ اب نواب اور پیر مرد کے دوست کو یقین ہو گیا کہ یہ ڈوبے مگر تھوڑی دور پر جا کے اُبھرے اب ان دونوں کی جان میں جان آئی کہ ابھی تک زندہ ہے۔ مگر دونوں کی انتہا کی مایوسی تھی اور سمجھتے تھے تا بکے۔ اس وقت نہیں ڈوبا تو اور تھوڑی دیر میں ڈوبے گا۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے

پیر مرد اُس پار ہو گئے۔ اب ان لوگوں کو سخت حیرت تھی کہ یا خدا یہ کیا اسرار ہے۔ ایک شخص پیرنے سے محض ناواقف ہے۔ اور اس صفائی کے ساتھ اس پار چلا گیا نواب صاحب کو یقین نہیں آیا سمجھے کہ دریا پایاب ہے۔ کپڑے اُتار کر پیر مرد کے دوست کا ڈوپٹا باندھا اور دریا میں کود ے۔ بیچ دھارا میں گئے تو پانی ہاتھی ڈباؤ پایا۔ بس ان کے دل پر بات جم گئی کہ یہ سب مجذوبہ کے کمال کا سبب ہے ورنہ پیر مرد ضرور ڈوب گئے ہوتے۔

نواب صاحب دریا میں خوب پیرا کئے اور بڑی تفریح حاصل ہوئی جب خوب پیر چکے تو باہر آئے کہ اتنے میں داروغہ صاحب تشریف لائے اور متن بھی آگیا۔ اور خاص پُنز مع سامان کے موجود۔ تھوڑی دیر میں میاں اختر بھی آئے اور بہت سے آدمی جو کلاں کوٹھی کے گھاٹ پر پیرنے آتے تھے۔ جمع ہو گئے اور اُس دن جوان زعفرانی پوش کو دیکھ کر متحیر ہوئے اور باہم یوں گفتگو کرنے لگے۔

۱۔ بھئی یہ کیا نسخہ ہے۔

۲۔ کوئی جوگن معلوم ہوتی ہے۔

۳۔ ذری دریافت کرنا چاہیئے۔

پیر۔ جوگن نہیں مجذوب ہے۔ اور خدا رسیدہ نوعورت باکمال جو کہیئے وہی ہو۔

۱۔ ہاں! کیوں نہیں بھئی ایسے لوگ ہیں نہیں تو دنیا کیوں کر قائم ہے۔

۲۔ بھلا ہم کو بھی کچھ دعا دیں گی۔

پیر۔ یہ موج کی بات ہے۔ جیسی لہر آجائے۔ کچھ اجارہ ہے۔ کسی کا کبھی اچھی بات منہ سے نکل گئی۔ کبھی بُری بات مجذوب تو ہے ہی۔

اتنے میں میر مچھلی پیراک آئے۔ یہ آج دریا کے کنارے کہاں آن کے بیٹھ گئیں۔ کیا دم ہے۔ اور جو زبان سے ایک بار کہہ دیں ممکن نہیں کہ ٹل سکے۔ قیامت کا آنا جس طرح برحق ہے۔ اسی طرح یہ بھی برحق ہے کہ جوان کی

زبان سے نکل جائے وہی ہو۔ واللہ ایسے مجذوب کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ ممکن کیا کہ بات ٹل سکے میں چودہ برس سے ان کو جانتا ہوں۔ لڑکپن ہی سے انکا یہ رنگ تھا۔ کیا دم ہے۔ واللہ ہم تو روز ایک دفعہ دیکھ لیتے ہیں۔ گرمی بھر کیوں کر ہر روز پیر نے آنا ہوتا ہے۔

۱۔ مگر استاد صورت کتنی اچھی پائی ہے اور آنکھیں کیا غضب کی اللہ نے دی ہیں۔

۲۔ اور ابھی کم سن بھی ہیں۔

۳۔ ارے ماں جو باخدا لوگ ہیں ان کی نسبت ایسے بے ہودہ کلام نہ کرنے چاہیئے۔

۴۔ دبگڑے دل، جاؤ بھی۔ ایسی عورتیں باخدا ہوں تو جلدی ہی دنیا سے اُٹھ جائیں یہ بھی ثبوت ہے۔

فصلِ بہار آگئی موسم بدل گیا خارِ غم والم مرے دِل سے نکل گیا

نواب نادر جہاں بیگم صاحب کے بشرے اور باتوں سے پایا جاتا تھا کہ نواب صاحب نے کوئی ایسی بات ان سے کہہ دی ہے کہ ان کی روح تک وجد کر رہی ہے باچھیں کھلی جاتی ہیں۔ بات بات پر قہقہہ لگاتی ہیں اس کا کوئی سبب خاص ضرور ہے۔ بے وجہ بے سبب یہ نہیں ہو سکتا۔ اور لطف یہ کہ گھر میں بھی عورتیں خوش و خرم۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس خوشی نے نادر جہاں بیگم کی پژمردگی و افسردگی دور کر دی تھی اُس سے ان سب کو اطلاع تھی۔ خیر اس کا حال پیچھے کھلے گا اب سنئے کہ مغلانی اور بیگم صاحب میں کچھ کانا پھوسی ہوئی۔ پھر عفت آرا بیگم اور بیگم صاحب دونوں بہنوں میں آہستہ آہستہ کچھ بات چیت ہوئی۔ اس کے بعد سطوت بہو اور ان دونوں بہنوں نے بشیر الدولہ بہادر کو بلوایا اور پردے کے پاس سے آہستہ آہستہ گفتگو کرنے لگیں۔ بی مغلانی کے سوا اور سب کو ہٹا دیا تھا۔ یہ مغلانی وہی پرکالۂ آتش تھی، جو ضلع جگت میں شہرۂ آفاق تھی اور پونڈے کی گنڈیری کے لئے چاندی اور

چربانک اور پور پور چھلے تلازمہ بولی تھی۔

بشیرالدولہ نے کہا ذرا زخم اندمال پر آئے تو میں قمرن ومرن سب کو شہر بدر کرادوں مگر جو تدبیریں میں نے کی ہے اُس کا اگر ذرا سا بھی حال کھلا تو ستم ہوجائے گا۔ اور عسکری سے اور ہم سے پھر تیغ چل جائے گی۔ عمر بھر نہ بنے گی۔ گو وہ چوں نہیں کرسکتا ہمارے آگے۔ مگر نگی بُری ہوتی ہے۔ اتفاق ہے شاید بگڑ گیا تو کی کرائی بات بھی گئی گذری، اور جھگڑے کا جھگڑا مفت میں پیدا ہوگیا۔ میں اس خوبصورتی سے یہ کارروائی کروں گا کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے گی۔ اور لون لگے نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا برسوں پاپڑ بیلے ہیں۔ عسکری بے چارہ ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا وہ تین پانچ کیا جانے۔

سطوت بہو نے کہا بھائی اب تمہارا ہی سہارا ہے۔ چھٹن صاحب اور رونق جنگ تو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ ایسے گاڑھے وقت آڑے آنا ہنسی نہیں ہے۔ مگر تم نے وہ کام کیا ہے جو کسی سے نہ ہوسکتا۔ مجھے بڑا تعجب ہے کہ چٹکی بجاتے قمرن تو سسرال پہونچی۔ نازو میکے میں داخل ہوئی۔ نیاں خواصین مہریاں ہیش خدمتیں یہ، وہ سب تر بھر کسی کا پتا ہی نہیں۔ تعجب ہے کہ یہ ہو کیا گیا اور آج تلک اچھی طرح سے کسی پر حال نہیں کھلا۔ عفت آرا بیگم بولیں۔ وہ تو اب عسکری دولہا کا ساتھ نہ دیں گے قسم کھائی ہے اور بہت تلملائے ہوئے ہیں کہ ہم نے کیوں ان کا ساتھ دیا۔ مگر ہاں نواب چھٹن صاحب البتہ گئے گزرے۔

سطوت بہو نے کہا بہن ایک تمہارے رونق جنگ ہی تو بڑے اچھے ہیں اپنے کو یوں ہی کہا کرتے ہیں۔ چھٹن صاحب کیا اور کوئی کیا۔ ارے یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ کوئی کم اور کوئی زیادہ مگر ہاں ان کے (بشیرالدولہ) سب سے کوئی تدبیر اب ان لوگوں کی چلنے نہ پائے گی۔ لاکھ ہاتھ پاؤں ماریں کوئی اُن کے سامنے دال نہ گلے گی۔ اب بھی جو انہوں نے کر دکھایا وہ بڑی تعریف کے قابل ہے۔

بشیرہ۔ یہ ممتن اور اختر دختر سب پاجی ہیں۔

بیگم۔ نہیں اختر ایسا نہیں ہے اَحمق البتہ ہے

سطوت بہو۔ ہم تو جانتے ہیں کہ سب ہی ایسے ہیں۔

بشیر۔ مگر خدا کو اچھا ہی کرنا منظور تھا۔

بیگم۔ اِی ہے میرا تو تسمہ تک نہیں باقی رکھا تھا۔

بشیر۔ غضب ہو جاتا۔ خدا جانے کیا ہو جاتا۔

بیگم۔ ہو کیا جاتا۔ وہ گھر کی مالک بن جاتی۔ ہم اُس کی لونڈی بن کے رہتے یا زہر کھا کے سو رہتے۔ اللہ نے بڑی خیر کی کہ ہمیں اطلاع ہو گئی۔ مگر انہوں نے بھی اس قدر کا ضبط کیا ہے، کہ واہ۔ اس زمانے میں باپ کا لحاظ بیٹا نہیں کرتا، اور بڑے بھائی کو چھوٹا۔ بھونی مونگ کے برابر نہیں سمجھتا یہ وہ زمانہ آن پڑا ہے، ان کا اتنا لحاظ جو کیا کہ اُف تک نہ کی یہ بڑے ہی تعجب کی بات ہے۔

بشیر۔ پرسوں تک تم سب پر کھل جائے گا۔ جاؤ کہہ دیا۔ —

سطوت بہو۔ کیا کھل جائے گا۔ ای کھل کیا جائے گا۔

بشیر۔ ابھی سے کیوں بتائیں۔ اثر جاتا رہتا ہے۔

عفت آرا۔ ہم سمجھے اگر ایسا ہو تو پھر کیا پوچھنا ہے۔

بشیر۔ ابھی آج کے تیسرے دن تجربہ کر لو۔

عفت آرا۔ اللہ کرے تم دلی مراد پاؤ۔

بشیر۔ دلی مراد کو تم کیا جانو، یا خدا ہماری مراد دلی پوری ہو جائے۔

عفت آرا۔ مگر اپنے دل کو ذرا لئے ہوئے ایسا نہ ہو، کہ ذرا وہ کھٹک جائیں آدمی نازک مزاج اور عالی دماغ ہیں ان کو لئے رہیے گا۔ ذرا۔ للکارنا بھی — اور پھر ذرا ان کی سی بھی کہنے لگنا۔ دو ایک دل لگی کی باتیں کر ڈالیں۔ دل جس میں بہلتا رہے اور ہتھے پر سے لوٹ نہ جائے۔

بشیر الدولہ نے اِن سب کو تشفی دی کہ گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہے آپ لوگ ناحق گھبراتے ہیں میں اس خوبصورتی سے بندوبست کروں گا کہ پھڑک جائیے گا۔ چوڑی والی اور ہمارا مقابلہ۔ کیا مجال۔ ممتن جولاہن تانا بانا جانے اس

کو ان حکمتوں سے کیا سروکار ہے۔ اختر زٹل قافیہ چورن والوں کی پائی جاتے اور یہ حکیمانہ کارروائی ہے۔ عسکری بے چارے میں یہ چالا کی کہاں سیدھے سادے مسلمان کاٹ پھانس سے اُن کو کیا سروکار یہ تو ہم ایسے چھٹے ہوئے شہدوں کا کام ہے۔ کہ گھر بیٹھے بیٹھے چتے تٹے لڑایا کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ عین اس وقت نازک میں چاقو نے زخمی کر دیا ورنہ اب تک قمرن کب کی گنگا پار ہو گئی ہوتی۔ اس فقرے پر نواب نادر جہاں بیگم کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا، اور پیشانی پر عرق آ گیا۔

نواب بشیر الدولہ بہادر رخصت ہوئے تو یہ سب کے سب خوش کہ قمرن گھر سے نکالی گئی اب باہم ہنسی اور مذاق ہونے لگا۔

سطوت بہو۔ بشیر الدولہ کے کاٹے کا منتر نہیں ہے۔

عفت آرا۔ ان کا یہاں آ جانا بہت اچھا ہوا۔

سطوت بہو۔ اُس دن انہوں نے غضب ڈھایا کہ نازو کہیں اور قمرن کہیں اور رغلانی کہیں، اور مغلانی کہیں۔

بیگم۔ نواب کے مزاج میں تلوّن بہت ہے۔

اتنے میں مغلانی نے کہا، حضور آج تو رت جگا ہونا چاہیئے۔ نواب بشیر الدولہ وہ بات کہہ گئے۔ جس کی ہمیں اُمید نہ تھی۔ ہم سمجھتے تھے کہ اب قمرن نواب صاحب سے تمام عمر نہ چھوٹے گی۔ مگر انہوں نے کیا جانے کیا ٹوٹکا جادو سحر کر دیا کہ قمرن الگ وہ الگ۔ لٹو تھے نواب صاحب مگر بڑا کام کیا۔ ہمیں تو امید نہ تھی کہ حشر تک وہ موئی مہارن ان سے چھوٹے گی اللہ کی شان اُس کی کریمی کے صدقے۔

اتنے میں بیگم صاحب کسی ضرورت سے صحن میں آئیں تو دیکھا کہ دو تین عورتیں بے اختیار کھل کھلا کر ہنس رہی ہیں۔ انہوں نے اصرار کیا کہ ہم کو بتا دو یہ کیوں ہنس رہی ہیں کیا پڑا پایا۔ ایک مہری نے ہنستے ہنستے کل امور بیان کئے بیگم صاحب بھی ہنسنے لگیں۔

بیگم۔ ای بوا چاندنی خانم، اس موئی دائی دوانی کا دوان پن دیکھا۔ پنساری

کی دکان پر جا کے گاڑی کی چوں چوں مانگتی ہے موئی بے وقوف ۔
چاندنی۔ اوی اے کیا ایسی گنوارن ہے ۔
مہری۔ مجھ سے سُنو نا۔ میں تو ساتھ ساتھ گئی تھی پنساری سے جا کے کہا۔ بھیا ایک چھ دام کی گاڑی کی چون چون تو دے دے وہ مسخرا ٹھٹول آدمی۔ اُس نے کہا گاڑی کی چوں چوں رنگ ریز کی دکان پر بکتی ہے۔ آپ جوتیوں کو سٹ سٹاتی ہوئی رنگ ریز کی دکان پر پہونچیں۔ کہا ایک چھدام کی گاڑی کی چوں چوں دے دینا۔ اُس نے جو مجھے ہنستے ہوئے دیکھا تو کہا بڑی بی میرے یہاں تو کپڑا رنگا جاتا ہے گاڑی کی چوں چوں تنبولی کے یہاں ملے گی۔ اب آپ بہت بگڑیں بہت نیلی پیلی ہوئیں۔ کہ مار کے تھک گئی اور دوسرے ادھر سے اُدھر دوڑاتے ہیں تنبولی کی دکان پر جا کے پھر وہی ایک چھدام کی گاڑی کی چوں چوں تو دے دو۔ وہاں سطوت بہو کی دو مہربان بیٹھی تھیں۔ ایک سے ایک ہنسوڑ۔ اور تنبولن بھی ٹھٹول عورت۔ تنبولی بھی ہنسوڑ بڑی ہنسی ہوئی اور ایک شیدی ہے سبحان خان کے اکھاڑے کا۔ اس نے انہیں بڑا دق کیا کچھ نہ پوچھو۔ اس نے کہا گاڑی کی چوں چوں چرخا کاتنے والیوں کے پاس ملے گی جب ہر طرح سے ہاریں تو یہاں آ کے کہا۔ موئی گاڑی کی چوں چوں کی تو شہر بھر میں ہرتال ہے۔ کال پڑ گیا ہے۔ مار کے تھک گئی کوئی موا قبولتا ہی نہیں۔ کوئی پچھم کہتا ہے کوئی پورب
دائی۔ تم سب نے مل کے ہمیں دوانہ بنا دیا ہے۔
مہری۔ یہ چونڈا کیا دھوپ میں سفید کیا ہے۔
مغلانی۔ ای ہاں بوڑھی ہونے کو آئیں اور ابھی اتنی عقل نہیں کہ گاڑی کی چوں چوں کون جانور ہے۔
دائی۔ اب ہم کیا جانے کون جانور ہے۔
بیگم۔ اور ہم سے کہا کرتی ہے کہ میں بادشاہ کے یہاں محل میں نوکر تھی تین دفعہ جہاں پناہ سے اور مجھ سے بات چیت ہوئی کیا جانے کیا جھوٹ سچ اُڑایا کرتی ہے۔

مغلانی ۔ سرکار یہ اس کی بس ڈینگ ہی ڈینگ ہے ۔

مہری ۔ تنبولی کی دُکان پر ان کی بڑی ہنسی ہوئی اور یہ جو ذری بھی سمجھتی ہوں کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور وہ سب کے سب مل کے ان کو بناتے تھے ۔ گاڑی کی چون چون نہ ملی نہ ملی ۔

بوا ئی کچھ تو بے وقوف تھی، اور کچھ بنتی بھی تھی جیسا کہ اکثر عورتوں اور مردوں کا قاعدہ ہے ۔ کہ اپنے مالک کے خوش کرنے کے لئے خوشامد میں آن کے پاگل بن جاتے ہیں، مگر بوائی کی بناوٹ ظاہر نہ ہوتی تھی ۔ اس طرح پہ پاگل بن جاتی تھی کہ ممکن کیا کہ محسوس ہو سکے ۔

بیگم صاحب ایک تو یوں ہی محظوظ و مسرور تھیں، دوسرے اس کی بنوٹ اور گاڑی کی چوں چوں اور مہری کی فقرہ بازی اور بھی لے اُڑی ۔

بیگم ۔ بی مغلانی تو بی قمرالنسا کی مغلانی ہیں ۔

مغلانی قمرالنسا : موئی چوڑی والی کی چھوکری ۔

ب ۔ اور اُس کے منہ پر کیا کہتی ہوگی ۔

م ۔ حضور نواب صاحب سے دریافت کرلیں ۔

ب ۔ اُس کی خو بو تو کاہے کو گئی ہوگی ۔

م ۔ توبہ کیجئے ۔ وہ تو گھٹی میں پڑی ہے ۔

ب ۔ اور کھانے کی کیا فرمائش ہوتی ہے ۔

م ۔ گجئی کی روٹی اور چھچھنڈے ۔

ب ۔ واہ کیا بھاری پلاؤ بتایا ہے ۔

م ۔ اور لونڈی کیا عرض کرے، ایک دن گنڈیری والا جو پھیری دیتا آیا تو ڈیوڑھی میں جا کر بازار میں نکل گئی ۔ اور چلا کے آواز دینے لگی ۔ گنڈیری والے ۔ او گنڈیری والے ۔

بیگم صاحب کھل کھلا کر ہنس پڑیں کیا نواب کو خبر ہوئی تھی یا نہیں ہوئی ۔

مغلانی بولی اور ایک روزان کے سامنے دوڑتی ہوئی نیچے گئیں اور
دربان سے کہا جا کے گلاب پالودے والے کو بلالا۔ اُس نے کہا حضور
پہرے پر کوئی نہیں ہے کہا اچھا تو جا۔ ہم پہرا دے لیں گے۔
نواب کو خبر ہوئی تو افسوس کرنے لگے اور سمجھانے لگے مگر وہ کس
کی سنتی ہیں، ایک دفعہ دیوار پر ہاتھ رکھ کر تان لگانے لگیں۔

مورا دن دن بڑھت سہاگ سیاں نہیں آئے رے

بیگم صاحب اور بھی کھل کھلائیں۔ کہا اوئی ایسی دیدہ دلیل نواب کو
تو وہ بدنام کر دیتی۔
مغلانی نے کہا سرکار ایک برف والے پر جان دیتی تھی بڑی دقاقہ ہے
بیگم۔ نواب اُس پر بہت ریجھے ہوئے تھے۔ کیوں بی مغلانی دیکھو
پیچ پیچ کہنا۔
مغلانی۔ حضور ریجھے ہوئے تھے یا یہ کہیے کہ اس پر جان فدا کرتے
تھے۔
بیگم۔ خوش تو ہم بہت ہیں آج۔ مگر دل ہول کھاتا ہے اور خوف ہے
کہ مبادا پھر قمرن داخل نہ ہو جائے۔
م۔ ای نہیں سرکار اب اُس کا خیال نہ کیجئے۔
مہری۔ حضور اب وہ پہونچی جمنا پار۔
م۔ وہ کسی رئیس کے قابل تو تھی نہیں۔ وہ تو بس یہی ارف برف والے
تنبولی۔ تیلی۔ انہی پر مرتی تھی بسی تمباکو والے یا ڈوم ڈھاڑی کے ساتھ
چمپت ہوئی چھنڈے کی ترکاری تو کھلائے گا۔ اُس کو وہی بہت ہے
وہ تو کمبخت چھنڈے پر جان دیتی ہے۔ چلم پینے میں لطف آتا ہے۔
حقہ سے دم گھبراتا ہے انتہا ہو گئی۔
مہری۔ حضور ایک تنبولی پر بھی جان دیتی تھی، اور نواب صاحب سے
بڑا اصرار کیا کہ اُس کو ہماری ڈیوڑھی کا داروغہ مقرر کر دو ہم سے بی مغلانی
نے یہ سب باتیں کہیں، اور نواب صاحب کو اُسی وخت (وقت) کھٹکا تھا کہ

ایک مردوے کو داروغہ بنانے کو کہتی ہے۔ اور پھر اُس پر طرّہ یہ کہ تنبولی۔ موئی بے شرم اور اُس پر جان دیتی تھی۔ اور ہزار باتوں کی ایک بات تو یہ ہے کہ جس نے بیاہتے مردوے اور اپنے میاں کو چھوڑ دیا تو وہ بھلا کسی اور کی کیا ہو کے رہے گی موئی ہرجائی۔

مغلانی۔ توبہ کرو۔

عفت آرا۔ جب ان مردوں کو اتنی عقل ہوتا۔

سطوت بہو۔ تمہارے میاں نے تو موئی اُجلی کو گھر ڈال لیا ہے۔ وہ کہاں کے نیک ہیں۔

مغلانی۔ حضور وہ بھی پرائی استری تھی۔

راوی۔ بہت ہی خوب۔

مغلانی۔ قمرن کو ہم لوگوں نے سوکھے گھاٹ اُتارا۔

راوی۔ ماشاء اللہ۔

مغلانی۔ قمرن بھلا حضور کے دشمنوں کو کلپاتی۔

عفت آرا۔ بی مغلانی بڑی حاضر جواب ہیں۔

م۔ ہم غریب آدمی دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔

عفت آرا۔ خوب۔ چوکتی نہیں ہو کہیں پر۔

م۔ ای حضور بال آپ ہی شہزادیوں میں سفید کیے۔

اتنے میں ایک مچھلی والی آئی اور مسکراتی ہوئی اُس نے کہا، اے حضور ایک خوشخبری سناؤں، وہ موئی قمرن بھاگ کھڑی ہوئی وہاں سے۔

بیگم۔ اے لو اور سنو!

م۔ حضور کے نمک کی قسم۔

بیگم۔ کہاں سے بھاگ گئی وہ تھی کہاں۔؟

م۔ ای حضور کہیں انہوں نے چھپا رکھی تھی۔ سرکار نے سو اب وہ موئی وہاں سے بھاگ گئی۔

مغلانی۔ اللہ کرے جہاں سے اٹھ جائے۔

مہری ۔ آمین

مچھلی والی ۔ کسو بیج قوم کے ساتھ نکل گئی ۔

مہری ۔ ای ایسے ہی لوگوں کے ساتھ تو نکل جانے کے قابل ہی تھی ۔ بھلے مانسون کے ساتھ رہنے کے قابل نہ تھی، ہرگز ہرگز نہ تھی ۔

مغلانی ۔ نہیں ۔

اصل بد از خطا خطا نکند

بدی بد کے ساتھ نیکی نیک کے ساتھ ۔

مہری ۔ ایسا ہی ہے ۔ اس میں کیا فرق ہے ۔

مغلانی ۔ ای حضور جیسی بدی اُس نے کی تھی ویسا بھر پایا ۔ ہائے جہاں پناہ کے ہاں ایک خواجہ سرا کہا کرتا تھا ۔ ذکرد کہ نہ یافت)

الغرض بیگم صاحب کے گھر میں آج خوشی کے شادیانے بج رہے تھے ۔ کہ قمرن جمنا پار پہونچی اور نواب صاحب کا دل اُس سے پھر گیا ۔ اب اُس کو ہرگز ہرگز گھر نہ ڈالیں گے ۔ چلو خوب ہوا ۔ یہ تو مطلب ہی تھا ۔

سڑک کا چالان کردے

— دل کاہے واسطے تم ہم کو پکڑ لیا ۔ ہم تمہارا چالان بولے گا ۔ نہیں نہیں ہم تمہارا چالان بول دے گا ۔ یو بلڈی فول کاہے واسطے گاڑی لڑ گیا ۔ کون بولنے سکتے کہ گاڑی لڑ گیا ۔ گاڑی واڑی کچھ نہیں لڑا ۔ اور گاڑی کاہے واسطے لڑنے مانگتا ۔ چہ ائمظم میں گرفت رشدہ است کرمن چہ دالم ہمہ علت برسر سائیس چرا نباشد کہ گفتہ اند ۔ سے

ہمہ از دست دیگراں پر شود

سعدی از دست خویشتن فریاد

ناظرین فسانہ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ کن بزرگوار کی طبع مواج کا لہرا ہے اگر یہ سمجھ میں نہ آیا ہوگا کہ یہ کس پر خفا ہیں کیوں ۔ کاہے واسطے منشی مہراج بلی صاحب اس وقت کہتے تھے، جبکہ کسی پر بہت ہی خفا ہوتے تھے

اور یہ گاڑی والا فقرہ بھی سمجھ میں نہ آیا ہوگا۔ فارسی تو خیر ان کی مادری زبان ہے یا یوں کہیں کہ منشی مہراج بلی کے باپ کی زبان فارسی ہے۔اور کہ گفتہ اند تو تکیہ کلام ہے۔ اور شعر میں اصلاح دیئے بغیر تو حضرت رہیں ہی گے نہیں۔

اب سنئے کہ جناب مکرمی منشی مہراج بلی صاحب بہادر جو نواب صاحب کی ڈیوڑھی پر آئے تو سنا کہ نواب صاحب سوار ہو گئے ہیں، بڑی مایوسی ہوئی، اس روز بدلی تھی اور گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی، اور ان کو شوق چرایا تھا کہ شراب ناب لنڈھائیں۔ یہاں جو آئے تو سناٹا یہاں سے آغا صاحب کے ہاں گئے۔ ان سے جا کر کہا یار عسکری کا تو پتا ہی نہیں ہے۔ مگر اس وقت شوق میگساری چرایا ہے۔ کچھ پلواتے نہیں۔ آغا صاحب نے کہا۔ اچھا ابھی منگواتا ہوں مگر کس قسم کی ہو۔

منشی مہراج بلی کو جنجر وائن یعنی ادرک کی شراب بہت پسند اور مرغوب تھی۔ فرمایا ادرک کی شراب منگواؤ۔ آغا صاحب نے سوداگر کے نام چٹھی لکھی اور ادرک کی شراب منگوائی۔ اب منشی مہراج بلی کی کیفیت یہ ہے کہ انتہا کے بے قرار ہیں۔ اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے کہ بوتل کا کاگ کھولا جائے۔ کہا بھئی بوتل کا سر توڑ ڈالو۔ میری تو جان نکل رہی ہے۔ اس بے تابی کو ملاحظ فرمائیے۔ الغرض جب تک خدمت گار کھولے کھولے یہ چھ دفعہ کرسی پر سے اُٹھے اور چھ ہی دفعہ بیٹھے اور جب بوتل کھلی تو فرمایا کہ مٹی کا برتن منگوانا۔

آغا صاحب نے کہا آپ کی ایسی تیسی، اور منگوانے والے کی بھی ایسی تیسی۔ شیشے کے گلاس میں پیجئے جیسے کہ ایک دفعہ پیا ویسے ہزار دفعہ پیا۔ نخرے بگھارتے ہو۔ مگر منشی مہراج بلی نے اپنے کہار سے آبخورہ منگوایا اور ایک صراحی کوری مٹی کی منگوائی۔

اب سنئے کہ مہراج بلی صاحب سوچے کہ آج بدلی کا دن ہے۔ ذرا زیادہ پینی چاہیئے۔ آغا صاحب بھی شریک ہوئے اور نواب چھٹن صاحب بھی بلوائے گئے اب فکر یہ ہوئی کہ نواب محمد عسکری کو کسی طرح ڈھونڈھ نکالیں

یا الٰہی یہ چلے کہاں گئے۔ ڈیوڑھی پر آدمی بھیجا کہ جا کے دریافت کرو کہ نواب صاحب کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا خدا جانے کہاں ہیں کیا ہم سے کہہ کے جاتے ہیں۔ مگر شاید کہیں دریا کی طرف گئے ہیں۔ کیونکہ بیین اور لنگی منگوائی ہے

آدمی نے آن کے آغا صاحب سے کہا حضور وہاں تو کسی کو اچھی طرح نہیں معلوم ہے کہ کہاں گئے ہیں۔ مگر قیاس سے کہتے ہیں کہ شاید دریا گئے ہوں گے۔ کیونکہ بیین اور لنگی منگوائی ہے۔

آغا صاحب نے کہا لوہے کے پل جاؤ۔ وہی ہم لوگوں کا ٹھیک ہے۔ وہیں ہوں گے۔

آدمی کو لوہے کے پل روانہ کیا کہ اتنے میں چھٹن صاحب تشریف لائے گھوڑے سے اترتے ہی کہا بھئی آج تو بدلی ہے کیا اچھا دن ہے۔

آغا ۔ آؤ۔ آؤ۔ یہاں پہلے ہی سے اُڑ رہی ہے۔ تمہارا بڑی دیر سے انتظار تھا۔

چھٹن ۔ کیوں نہ ہو دوست۔ دم غنیمت ہے تمہارا۔

مہراج ۔ اجی نواب صاحب بندگی عرض ہے۔

چھٹن ۔ ہیلو۔ آپ بھی ہیں۔ پورا جلوس۔

مہراج ۔ وہ محفل بے رنگ جہاں اپن جانب نبا شُد۔

چھٹن ۔ بہت ہی خوب۔ بھانڈ ہو گئے۔

مہراج ۔ کیا بھانڈ کیسے۔ ارے بھئی کہتے نہیں ہیں کہ وہ محفل بے رنگ جہاں لاحول۔ بھول گیا۔

آغا ۔ وہ محفل بے رنگ جہاں بھانڈ نباشد۔

مہراج ۔ کل یار آندھی جو آئی تو ہم اور ہماری قبیلہ اُس وقت بہلی پر سوار باغ سے آتے تھے۔ اب جائیں تو کہاں جائیں وہ جو پردہ نہیں ملتا ہے۔ اُس میں گاڑی لے گئے۔ ہمارا نام سنکر ہتون آیا تو ایک مکان میں ہمیں اور ہماری قبیلہ کو ٹکایا۔ تو اب اُس مکان میں ایک تو بوڑھا آدمی تھا، ہتون کوئی ستر برس کا اور ایک اُس کا لڑکا کوئی پچاس برس

کا اور ایک اس کا داماد کوئی سترہ برس کا۔ مگر قبیلہ صاحبہ کی جب نظر پڑتی تھی اُسی گبھرو پر میں نے کان میں کہا۔ تو بہت ہی شرمائیں ہماری قبیلہ صاحب۔ کہا ای ہٹو۔ تم کو بدی ہی کی سوجھتی ہے۔ میرے لڑکے کے برابر ہے۔ تم بڑے بدگمان آدمی ہو۔

راوی۔ اس فقرے نے آغا صاحب اور نواب چھٹن صاحب کو لٹا لٹا دیا مارے ہنسی کے بُرا حال تھا۔ اور قبیلہ کا لفظ یاد کرکے اور بھی لوٹتے تھے کس صفائی کے ساتھ حضور اپنی زوجۂ مکرمہ کی تعریف کرتے ہیں کہ واہ واہ کہنے لگے جب نظر پڑتی تھی اُسی گبھرو پر پڑتی تھی۔ کیوں نہ ہو مہراج بلی ماشاء اللہ، ماشاء اللہ۔

آغا صاحب نے کہا بھئی اُس وقت ساقی نامہ کہنے کو جی چاہتا ہے۔ مگر شاعری کی جانب سے کئی مہینے سے ذہن کُند ہے۔ بالکل کہنے کا اتفاق ہی نہیں ہوا۔

چھٹن۔ فرمائیے۔ فرمائیے۔ واللہ اس وقت ساقی نامہ مزہ بھی خوب دے گا

آغا۔ اچھا لے سنئے۔ ؎

پلا ساقیا بادۂ خوشگوار
کہ ہے وقت عیش ونشاط و بہار
شراب فرحناک لا ساقیا
صراحی کی جھلکی دکھا ساقیا

چھٹن۔ شعر گفتن چہ ضرور۔ بھائی جان۔

آغا۔ تم کو کیا تمیز ہے۔ ہمیں نظر حقارت سے دیکھتا ہے۔ تم دل کالا بین ؎

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

چھٹن۔ اچھا بحر خفیف کرامی گوبند۔

آغا۔ ایں۔! آپ بھی مہراج بلی ہیں اپنے وقت کے۔

مہراج۔ (آگ ہوکر) نواب ہم بے وقوفی میں ضرب المثل ہیں؟ یہ کہئے

یو بلڈی فول۔

چھٹن۔ واللہ اس وقت یہ بڑی سخت بات کہہ گئے۔

آغا۔ اب آپ لڑوائیے۔

چھٹن۔ تم نے کہا ہے بھئی ہمارا کیا قصور ہے۔

مہراج۔ کاہے واسطے تم ہم کو بُرا سمجھ کر تشبیہ نامہ دیا۔ کاہے واسطے ہمارا نام لیا تم کہ گفتہ اند۔ ع

دشمن دانا بہ از دوست ناداں

آغا۔ (ہنستے ہوئے) اب یہ بھی کوئی مصرع ہے آپ کے نزدیک، ماشاءاللہ۔

مہراج۔ (جام انڈیل کر) او صاحب کچھ پروا نہیں۔

مامی خواہیم ننگ و نام را

ننگ و نام را مامی خواہیم!

آغا۔ ارے یار اور سب باتیں تم میں اچھی ہیں۔ بس ایک بات بڑی ہے۔ پوچھو وہ کیا۔ وہ یہ کہ تم پی کے بگڑ بہت جلد جاتے ہو۔ اور جہاں تم نے کاہے واسطے کہا بس بڑا ہی خوف معلوم ہوتا ہے۔ کاہے واسطے کے معنی یہ ہیں کہ منشی مہراج بل صاحب بگڑ کھڑے ہوئے۔ اب کسی کے منائے نہیں منتے کوئی لاکھ منتیں کرے۔ وہ ایک نہیں سنتے۔ لاحول ولاقوۃ۔ بس بگڑ گئے۔

چھٹن۔ اُن کی دوستی بھی بلڈانگ کتے کی دوستی ہے۔

آغا۔ خوش ہوئے اب کتا بنایا آپ کو۔

مہراج۔ نہیں نہیں گلڈانگ کہا ہے۔

آغا اور چھٹن دونوں نے قہقہہ لگایا کہ گلڈانگ کہنے پر کیا خوش ہوئے ہیں آپ۔ فرمایا کہ ایک دن ہماری قبیلہ نے ہم سے کہا کہ تم تو کتے کی دم ہو۔ بس ہم بگڑ گئے کہ کاہے واسطے یو بلڈی فول ایسے بولنے مانگتا۔ تو وہ ہنس کے کہنے لگیں، لینڈی کُتا نہیں ولائتی کتے کی دم تم کو بنایا ہے ہم نے، جی خوش ہو گیا۔

منشی مہراج بل صاحب کو نشے میں یہ سوجھی کہ گاڑی پر سوار ہو کر ہوا

کھانے جائیں، آغا صاحب اور چھٹن صاحب نے روکا مگر انہوں نے ذرا بھی سنوائی نہیں کی۔ کہا کاہے، واسطے تم لوگ ہم کو روکنے مانگتا ہے آغا صاحب نے کہا بھئی اس وقت تم نشے میں دھت ہو۔

چھٹن صاحب نے بھی سمجھایا مگر یہ کس کی سننے والے ہیں۔ کہا اگر تم اپنا گاڑی دینے نہیں سکتا تو دل ہم اپنا گاڑی اپنے آپ منگواتا ہے۔ دیکھو مہرا لوگ گاڑی کرایہ لاؤ۔ مہرا نے کہا بہت اچھا۔ مگر باہر جاکے بیٹھ رہا۔

آغا صاحب کے خدمت گار نے کہا کہیں جانا وانا نہیں۔ یہ اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہیں، بن ناہک کو گر پڑیں تو اور بھجینا (فضیحتا) ہو۔ مہرا نے کہا اب تک تو نہیں پیتے تھے اب ہی کچھ پینے لگے ہیں۔

خدمت گار۔ آوا ل کا آوال بگڑا ہوا ہے۔

مہرا۔ کیا آگا صاحب بھی پیتے ہیں۔

خدمت گار۔ ارے یہ سب پیکڑ ہیں۔

مہرا۔ ہمارے مہراج تو ابھی پینے لگے ہیں۔

خدمت گار۔ تم دیکھتے جاؤ چپ چاپ بس۔

مہرا۔ اور جو اس وقت کہیں یہ گھر چلیں تو بڑا برا ہو۔ کہیں راستے میں گر پڑیں۔

جب تھوڑی دیر میں آغا صاحب کو بھی چڑھی، اور چھٹن صاحب بھی غین ہوئے تو سب کی صلاح ٹھہری کہ چلو ہوا کھائیں۔ حکم دیا کہ چوپہیا ٹمٹم کسواؤ اور مشکی اس میں جوتو۔

خدمت گار تو دیکھ ہی رہا تھا کہ سب کے سب دھت ہیں اُس نے کوچبان سے کہا بھئی حکم تو چوپہیئے کا دیا ہے مگر تم فٹن لاؤ سرکار اس وقت عالم بالا کی ہوا کھا رہے ہیں اور جتنے ہیں سب مزے میں ہیں۔ کوچبان فٹن میں مشکی گھوڑا جوت لایا۔ کہا سرکار گاڑی تیار ہے۔

اب سنئے کہ سب کی یہ صلاح ہوئی کہ بوتل ساتھ رکھ لیں۔ بوتل کو جو اٹھاتے ہیں تو سناٹا ہے لاحول ولا قوۃ آغا صاحب نے جھلا کر بوتل کو ٹپک

دیا تو بہتّر ٹکڑے ہو گئے۔ گاڑی پر سوار ہونے گئے تو دیکھتے ہی فٹن آگ ہو گئے۔ اور جھلّا کے کہا۔

آغا۔ ہم نے تو ٹمٹم کا حکم دیا تھا۔

خدمت گار۔ حضور ٹمٹم کا موکا (موقع) نہیں ہے۔

آغا۔ (ایک پیتّر لگایا) ابھی بدل لاؤ۔

مہراج۔ ٹم ٹم لاؤ خود ہانکتے چلیں گے۔

تھوڑی دیر میں اونچی چوپہیا ٹم ٹم آئی۔ آغا صاحب نے (اس لی اور چلے تو بگ ٹٹ، چابک منشی مہراج بلی کے ہاتھ میں چابک پر چابک جماتے جاتے ہیں اور گھوڑا ہے کہ ہوا سے باتیں کرتا جاتا ہے۔ ایک پل کے پاس ایک اکّے سے ٹکرایا۔ اکّے کو صدمہ بھی پہونچا۔

گہری ندیا پرانی ناؤ۔ کھیون والا متوارا۔ لگاؤ مولیٰ بیڑا پار۔ اس کا مفہوم صادق آنا تھا۔ موڑ پر اس طرح ہانکی کہ گھوڑا ٹھوکر لیتے لیتے بچ گیا اور دل لگی یہ کہ تینوں صاحب خوش ہیں کہ بھئی کیا گھوڑا جا رہا ہے پھر ایک اکّے سے گاڑی لڑگئی اور اکّے والا دھم سے گرا تو آغا صاحب فرماتے ہیں وہ مارا۔ چھٹّن صاحب بولے رہ گھڑے ہیں۔ مہراج بلی نے کہا یہیں کی مٹّی، سائیس کا مارے ہنسی کے برا حال تھا مگر چوکس بیٹھا ہوا تھا کہ ذرا کوئی صدمہ ہو تو اُچک کے الگ ہو رہے۔

اتنے میں برف کی ایک گاڑی آرہی تھیں گاڑی کاہے کو گاڑیوں کی خالہ جان تھی، دور تک گڑگڑاہٹ کی آواز جاتی تھی۔ جیسے ہی قریب آئی آغا صاحب نے کہا (ہوں) ہون کے سنتے ہی مہراج بلی نے سٹراپ سے ایک چابک بیل پر رسید کیا تو آغا صاحب نے کہا دل ڈن (شاباش) چھٹّن صاحب بولے (بہ بات) مہراج بلی نے کہا لے بھئی ذرا ہمارے ڈنڈ تو مل دو۔

تھوڑی ہی دور اور چلے تھے کہ ایک اونٹ گاڑی ملی اونٹ اس وقت بگڑا ہوا اور بلبلاتا ہوا جاتا تھا اور ساربان اور ایک اور

آدمی دونوں طرف کی نکیلیں لئے ہوئے سنبھالتے لئے جاتے تھے ۔ گھوڑا جو اونٹ کے بلبلانے سے بھڑکا تو اب آغا صاحب کے بنائے کچھ نہیں بن پڑتا، قریب تھا کہ گاڑی واڑی کو توڑتاڑ کے رکھ دے مگر سائیس معاً کود پڑا۔ اور گھوڑے کو جوں توں کرکے روکا خدا خدا کرکے سوداگر کی دکان پر پہونچے اور دو بوتلیں بھر جنجر دائن یعنی ادرک کی شراب کی خریدیں اور کھلوائیں۔ تینوں نے بھر پی۔ تو دس منٹ میں ایک بوتل کا صفایا کر دیا اور دوسری بوتل کھلوائی اور دو شیشے کے گلاس اور ایک کوری صراحی میں پانی رکھ لیا اور برف دو سیر ساتھ لے لی، یہاں سے چلے تو عیش باغ میں دم لیا اور ایک درخت کے سایے میں کھڑے ہو کر ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کے ساتھ شراب مخروج کرکے پی، اب نشہ سب کو تیز ہوا اور اس مہاراج بلی کے ہاتھ میں ایک درخت کے تنے سے جو گاڑی ٹکرائی تو آغا صاحب دھم سے نیچے آرہے۔ ارے! سائیس نے اٹھایا کانکھتے ہوئے اٹھے کہا اُف یار مار ڈالا اس ظالم بجرنگ بلی زبان سے نکل گیا۔ اب چھٹن صاحب نے راس لی اور چابک شڑاپ سے رسید کیا گھوڑا اور ہوا ہو گیا اب ان کو یہ نہیں سوجھتا ہے کہ جانتے کدھر ہیں اتفاق سے ایک اور گاڑی سامنے سے آتی تھی دونوں ٹکرا گئیں دونوں کے پرخچے پرخچے اُڑ گئے انجر پنجر سب الگ اس پر ایک صاحب سوار تھے گاڑیوں کے ٹکراتے ہی ایک برق انداز دوڑا آیا صاحب نے اس سے کہا دیکھو دریافت کرو یہ کون لوگ ہیں۔ ان سے۔ کہو کر اپنا نام لکھ دیں۔ یہ نوٹ بک ہے اور یہ پنسل یہاں یہ لوگ ہوا کے گھوڑوں پر سوار تھے کیسی نوٹ بک اور کہاں کی پنسل۔

مہاراج۔ ول کاہے واسطے تم ہم کو پکڑ آیا ——— ہم تمہارا چالان بولے گا۔ یو بلڈی فول کاہے واسطے گاڑی روکنے مانگتا ہے ——— کون بولنے سکتا کہ گاڑی لڑ گیا۔ چرا گاڑی من گرفتار شدہ است

آغا۔ دیکھو سڑک کا چالان کردو۔
چھٹن۔ ول کانسٹیبل کا چالان بول دو۔
برق انداز۔ (صاحب سے) ہجور متوار ہیں سب۔
صاحب۔ ہاں ہم سمجھ گیا۔
آغا۔ سڑک کا چالان بول دیا۔
برق انداز۔ معلوم ہو جائے گا۔

اتنے میں ایک اور صاحب کی گاڑی آئی ان لوگوں کو بدمست پاکر برق انداز سے کہا ان کا چالان کر دو۔ دوسرے صاحب نے جن کی گاڑی سے گاڑی لڑ گئی تھی بہت سمجھایا مگر انہوں نے چالان کر ہی دیا۔
مہراج۔ کاہے واسطے ہم تمہارا چالان کردے گا۔

تھانے پر پہونچے تو انسپکٹر صاحب جگائے گئے۔ کہا کیوں رات کو جگاتے ہو۔ چالان میں لوگ آئے ہیں حوالات میں لے جاؤ۔ یا ضمانت پر رہا کردو۔ کہا ہجور اسراپ لوگ (اشراف لوگ) ہیں امیر لوگ۔

اچھا سامنے لاؤ۔

مجذوبہ کی بڑ

نواب ہلال رکاب نے دست بستہ مجذوبہ کی خدمت میں عرض کیا کہ مہربانی کر کے کلاں کوٹھی کے اندر چل کے بیٹھے مجذوبہ نے نواب صاحب کا ہاتھ پکڑا اور دوڑتی ہوئی چلی وہاں۔ بیٹھنے ہی کو تھی کہ ایک ٹھاکر آیا اس کو دیکھتے ہی مجذوبہ نے بڑ شروع کردی۔ سرسوں کے برابر دانے ہوں گے۔ ہاں! بخار آئے گا۔ ہاں تپ ہوگی چھ روز اور چھ دن سب خیر ہے۔

نواب صاحب نے اس ٹھاکر کو اپنے پاس بلایا اور کہا تم یہاں کس منشار سے آتے ہو۔ اس نے کہا میرے بھتیجے کو تین دن

سے بخار ہے اور نہایت تیز بخار ہے انہوں نے جو کہا کہ دانے اور سرسوں برابر دانے اور بخار اور چھ روز اس کا مطلب ہم سمجھ گئے۔ اس کا مطلب یہ کہ چیچک نکلے گی ۔

نواب صاحب نے کہا اچھا اگر چیچک نکلے تو ہمیں آن کے اطلاع دینا۔

مجذوبہ۔ بے اعتباری۔ ارے بے اعتباری برہما پر چڑھائی۔ تھیا کی لڑائی بے اعتباری، ہاں۔

ٹھاکر۔ آپ کے دل میں جو ذرا شک ہوا تو وہ سمجھ گئیں

نواب۔ لاحول ولاقوۃ ۔

مجذوبہ۔ لاحول بلا۔ لاحول بلا۔ ہاں ۔

ٹھاکر۔ تو میں لڑکے کو لے آؤں جا کے۔

مجذوبہ۔ کاہے کو۔ کیا کام ہے۔ اچھا ہے ۔

ٹھاکر۔ جو آپ کا حکم ہو وہی اچھا ہے۔

نواب۔ سچ ہے دریں چہ شک ۔ ؎

روئے مقصود کہ شاہان بدعا می طلبند　　　سببش بندگی حضرت درویشان ست

آپ لوگ قطب ہیں۔ قطب ہو دنیا کی۔ تم لوگ اگر نہ ہو تو دنیا قائم نہیں رہ سکتی ۔

اتنے میں ایک عورت آئی اور آتے ہی قدموں پر گر پڑی اور رونے لگی ۔

مجذوبہ بہت ہنسی۔ کہا بچہ تو پیدا ہو گیا۔ لڑکی ہوئی لڑکی دو دن جیے گی بس پھر وہ کہاں اور تم کہاں ۔

نواب صاحب نے جو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس عورت کی بہو کے لڑکا ہونے والا تھا۔ اُس کے گھر آدمی بھیجا تو وہ پیغام لایا کہ لڑکی پیدا ہوئی۔ نواب صاحب کو اور بھی عقیدہ ہو گیا۔ اور کیونکر نہ ہوتا۔ ان کے سامنے مجذوبہ کے کمال کا حال صاف ظاہر ہوتا تھا۔

جب سب لوگ چلے گئے اور تخلیہ ہوا تو نواب صاحب نے مجذوبہ سے کہا کہ اگر قمرن ہمیں مل جائے تو غلامی کا پٹہ لکھ دوں۔ ہنس کر جواب دیا لے لے قمرن نے نا زولے۔ جو ہو سو ہو۔ مگر قمرن کی باتیں کر۔ برف کا پانی پی۔ ہاں ۔

نواب۔ سونے کی دیواریں چڑھوا دوں مکان میں ۔

مجذوبہ۔ انیٹ چونا گارا۔

اختر۔ مجذوب کی بڑ تو ہے ہی ۔ ع

اثر رہتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑھکا

ممن۔ اس مرتبے کا کیا کہنا۔ میاں اختر۔

مجذوبہ۔ اختر اور انجم اور شمس اور قمر۔

ممن۔ اور قمرن۔

مجذوبہ۔ ہاں! ؎

یہ بڑھا درد آج ہیں کل میں　　کل تھا گردن میں آج کل کل ہیں

جیسے نواب ہم پہ عاشق ہوگئے۔

نواب۔ (ہنس کر) میں غلام ہوں آپ کا۔

مجذوبہ۔ دل آگیا۔ ہاں۔

نواب۔ میں تو حضور کے کمال کا عاشق ہوں۔

مجذوبہ۔ نہیں نہیں خدا کے بندے سب ہیں۔ تم عاشق ہوئے ہو ہاں! ؎

نہیں آنے کی میں دم میں تمہارے　　عبث کرتے ہو تدبیریں ہزاروں

نیکی نیک را بدی بدرا۔ نیک کار کرو۔ غفلت کے پردے میں پڑے ہیں۔ ارے غافلو جاگو۔

در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

جو نیک کام ہے وہ نیک بندوں کا ہے۔

نواب صاحب سے باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک بوڑھی عورت روتی ہوئی آئی اور مجذوبہ کے قدموں پر گر پڑی کہا ایک پڑوسی نے دس ہزار روپیہ ہمارے پاس رکھوایا تھا۔ کل رات کو چوری ہوگئی اب عزت پر آبنی ہے۔ کچھ کرتے دھرتے نہیں بن پڑتی۔ سب میں یہی مشہور ہوگا کر کھا گئی بے ایمانی کی۔ اب سوا اس کے اور کیا چارہ ہے کہ زہر کھا کے سو رہوں۔

مجذوبہ نے نواب صاحب کی جانب اشارہ کیا تو داروغہ صاحب نے تھوڑی دور آڑ میں جاکر نواب صاحب کو اشارے سے بلایا۔ اب ممن اور اختر اور داروغہ میں یوں باتیں ہونے لگیں۔

داروغہ۔ پیر و مرشد قطب ہیں یہ۔

ممن۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو روپیہ دے دو۔

نواب دس ہزار تو بڑی رقم ہے بھئی۔

ممن حضور دس کے ساٹھ لیجیے گا۔

اختر اس میں تو شک نہیں۔

ممّن۔ گڑھیا والے نواب نے ایک دن سو روپیہ دیا تھا جس روز سو روپیہ دیا اس کے دوسرے روز دو ہزار کا منی آرڈر آیا۔

راوی۔ بجا ارشاد ہوا۔ منی آرڈر اور دو ہزار کا درست ہے۔

ممّن۔ حضور واللہ میں کیا عرض کروں۔

اختر۔ کچھ تو اس بوڑھیا کو دینا چاہیے۔

داروغہ۔ سفارش کیسی زبردست ہے بھائی جان۔

اختر۔ کیسی کچھ۔ واللہ جس رئیس سے کہیں دس بیس ہزار روپیہ دے نکلے۔ ذرا اشارہ کرنے کی دیر ہے۔ جس سے کہیں فوراً دے دے۔

نواب۔ بھئی یہ سچ ہے۔ مگر رقم بھلی جنگی ہے۔

اختر۔ اے تو حضور جتنا ہی گڑ ڈالیے گا اتنا ہی میٹھا ہوگا۔

ممّن۔ اور مع سود واپس لیجیے۔

داروغہ۔ یہ آج آزمائش ہے آپ کی۔

نواب۔ تو ہم دیں گے تو مگر دس ہزار کچھ ٹھکانا ہے۔ بس دو سو دلوا دو۔

ممّن نے کہا خداوند بڑی بدنامی ہوگی اور اگر یہ خفا ہو جائیں گی تو غضب ہی ہو جائے گا۔ پھر کرتے دھرتے ایک نہ بن پڑے گی۔ یہ یاد رکھیے گا۔ غلام جتلائے دیتا ہے حضور اتنے بڑے فیاض ہو کر اور ایسی باتیں فرماتے ہیں۔

داروغہ نے بھی تائید کی۔ سرکار ذرا سے کیلئے اتنی بڑی بدنامی اٹھانا کون دانائی ہے اور پھر ایسے شخص کے ساتھ جو آج شہر کا قطب ہے۔

نواب صاحب نے غور کر کے کہا اچھا بھئی ایک ہزار روپیہ دے دو۔ اختر نے انکی تعریف کرنی شروع کی۔ کیوں نہ ہو حضور کیا بات ہے۔

داروغہ۔ بھئی کوئی نتے رئیس تو ہیں نہیں۔ پوترٹون کے رئیس ہیں جانتے ہو کہاں سے سلسلہ ملا ہے۔

نواب صاحب اور ممّن اور اختر جا کے مجذوب کے قریب بیٹھے۔ اور داروغہ صاحب اس کو گاڑی میں بٹھا کر کوٹھی میں لے گئے اور وہاں جا کے ایک ہزار روپیہ خزانچی سے مانگا۔ مگر سوچے کہ مبادا کوئی بات پیدا ہو پھر اس عورت کو گاڑی پر بٹھایا اور کلان کوٹھی میں لا کے

نواب صاحب کے سامنے روپے گن دے۔

مجذوبہ۔ دعا دے ان کو۔ ان کو دعا دے۔

ضعیفہ۔ اللہ ان کی عمر دراز کرے۔ دودھوں نہائیں پوتوں پھلیں۔ اللہ کرے ان کی مرادیں پوری ہوں۔ دلی آرزو بر آئے۔

ممتن۔ آمین۔ ثم آمین۔

مجذوبہ۔ اب لے قمرن کو۔ نازولے لے قمرن کو اب ہے۔

لیں گے نہ میرے مونس میرا اسلام کب تک
مجھسے نہ وہ کریں گے دیکھوں کلام کب تک

ممتن۔ دم غنیمت ہے۔

اختر۔ کیا بھولی باتیں ہیں۔

نواب۔ اور مضمون خیز۔ غت ربود نہیں۔

خاص پیز نے ان کے دریافت کیا حضور کیا شئی پکائی جائے نواب صاحب نے مجذوبہ سے دریافت کیا انھوں نے کہا۔ سیم۔ بھنڈی۔ مولی۔ چقندر۔ آلو بخارا۔ اناس۔ اور گوشت لو بکری کا۔

نواب صاحب اور کل حاضرین ہنس نے لگے کہ (گوشت لو بکری کا) یہ اچھا فقرہ چست کہا۔ جب نواب صاحب نے اصرار کیا تو کہا نواب۔ نواب۔ اے نواب اب یہ ہاں۔ ہاں۔ جی جی کرتے جاتے ہیں۔ مگر انھوں نے جو نواب کی رٹ لگائی تو تار باندہ دیا۔ آخر کار یہ فرمائش ہوئی۔ بھونی کھچڑی اُرد کی مگر اس میں یخنی دم کی جائے اور مرغ پلاؤ ہو۔ مگر بہت بھاری نہ ہو۔ اور قورمہ لعاب دار، اور دوپیازہ، اور عمدہ سرکے کا اچار۔ مگر روٹی سادی ہی ہو۔ صرف چپاتیاں۔ بس کچھ نہیں۔ بہت بھاری کوئی شئی نہ ہو۔

نواب صاحب نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ بھلا اگر کھانے کے ساتھ کوئی شئی پینے کی بھی ہو تو کیسا۔

مجذوبہ۔ سُن سُن ہے۔

ما مقیمان کوے دلداریم
رُخ بدنیاے دون نمی آریم

نواب ۔ (ہنس کر) کیا خوب یہ کیا خوب ۔

ممّن ۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان ۔

داروغہ ۔ سرکار دریافت کرتے ہیں کہ کوئی شئے پینے کی ہو تو حرج تو نہیں ہے ۔

مجذوبہ ۔ بڑے آصف الدولہ کا امام باڑہ ۔

داروغہ ۔ حضور یہ تو مجذوب ہیں ان کو اس سے کیا بحث ہے حکم ہو تو منگواؤں ۔

نواب ۔ ضرور بے اس کے لطف صحبت کجا ۔

داروغہ صاحب نے رقعہ لکھا کرم فرمائے مخلصان مسٹر فرنجی بانک جی ر۔ بوتل شری از قسم اوّل اور ایک بوتل کیوڑیسو کی ہمدست حامل بہت جلد بھیج دیجئے تاکید جانیے سرکار کو بڑی ضرورت ہے ۔ مگر شراب قسم اوّل کی ہو اور خوش مزا دردسر صبح کو نہ ہو ۔ اور ایک درجن لیمونیڈ بھی ضرور بھیجئے گا

مجذوبہ نے دل لگی دیکھنے کے لئے حکم دیا کہ نواب صاحب اور ممّن اور اختر اور داروغہ سب دریا میں پیریں ۔ دیکھیں کون اچھا پیرتا ہے ۔ ناچار لنگیاں باندھ باندھ کے دریا میں کودے اور پیرنے لگے ۔

داروغہ پیرنا کم جانتا تھا ۔ مگر نواب صاحب مشّاق تھے ۔ نواب کی پیرنے کی بڑی تعریف کی ۔ ممّن اور اختر اور داروغہ جھوٹ بات تک میں ہاں میں ہاں ملاتے تھے نہ کہ امر واقعی میں ۔

مجذوبہ ۔ کھڑی لگاؤ ۔ کھڑی لگاؤ ۔ ہاں !

نواب ۔ جو ناچ نچاؤ گی ناچیں گے ۔

ممّن ۔ مگر قمرن کا پتا لگاؤ ۔

مجذوبہ ۔ قمرن اور نازو ۔ نازو اور قمرن ۔

جب رمّنا بوتلیں لیکر آیا تو نواب صاحب کو یہ سوجھی کہ بھئی آؤ دریا ہی میں پی لیں ۔ بوتل کھولی گئی اور دریا ہی میں اڑنے لگی ۔ ممّن اور اختر اور داروغہ اور نواب سب نے چسکی لگائی اور ممّن نے دریا سے نکل کر ایک جام مجذوبہ کو بھی دیا اس نے بھی پی لیا ۔ اور بڑی مسرور ہوئی ۔ جب دریا میں پیر چکے اور کوئی پاؤ بوتل کے قریب خالی ہو گئی تو سب کے سب باہر آئے ۔

نواب۔ بھئی لطف مے کشی یہی ہے۔

ممّن ۔ حضور اب سیکھ گئے۔

اختر۔ واللہ کیا لطف حاصل ہوا ہے۔

ممّن ۔ خداوند یہ تو پی کر بڑی ہی خوشی ہوئیں۔ اور دیجئے۔ اور دیجئے۔ ان کا نام کیا ہے۔ کیا نام ہے بی تمہارا۔ خدا کے لئے بتا دو۔

مجذوبہ۔ نانون گانون ٹھانون ۔

ممّن ۔ ائیں! ہم نام پوچھتے ہیں۔ یہ ٹھانون گانوں بتاتی ہیں۔ واہ ری گھبراہٹ۔ اچھی دل لگی ہے۔ من چہ می سرایم وطنبورۂ من چہ می سراید۔

مجذوبہ۔ طنبورہ اور ستارہ اور سُر اور تال۔

نواب ۔ اسی کا نام تو بڑھ ہے۔

داروغہ دو بھئی ممّن کو پھر ذرا سی۔

ممّن نے مجذوبہ کو دی اور آپ بھی دو گلاس بھر کے پئے اور داروغہ کو بھی دی۔

اب سنیئے کہ ممّن تو تھوڑی دیر میں بٹن ہو گئے۔ اور داروغہ لڑکھرانے لگے۔ حسین علی نے ممّن کو فرش پر لٹا دیا لیٹتے ہی ان کی خبر آگئی۔ یہ تو غین ہو گئے۔ کہیں پتا ہی نہ تھا۔ داروغہ لڑکھڑاتے ہوئے فرش تک آئے۔ مجذوبہ مزے میں تھی۔ نواب صاحب خوش۔ ایک بوتل تو اڑ گئی تھی۔ حکم ہوا کہ دوسری کھولو۔ حسین علی نے کہا حضور پیئیں مگر داروغہ صاحب کو نہ دیجئے گا۔ یہ اب تھوڑی ہی دیر میں لوٹا چاہتے ہیں۔ میاں اختر البتہ مزے میں ہیں۔

دوسری بوتل میں سے اختر اور نواب صاحب اور مجذوبہ نے پی۔

اختر۔ حضور ان کو تو دیکھیے۔ ذرا نہیں معلوم ہوتا ہے کہ پی ہے۔ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے برسوں کی حضرت سلامت پینے والی ہیں۔

نواب ۔ کیوں کیسی شئے ہے۔

مجذوبہ۔ حسین آباد کا پھاٹک۔

نواب ۔ (ہنس کر) دل کشا کا پھاٹک۔

اختر۔ نہیں حضور رومی دروازہ۔
نواب۔ نہیں کلاں کوٹھی۔
مجذوبہ۔ یہ ٹھیک ہے
نواب۔ تو صاحب ایک بات تو ٹھیک ہوئی کہیں خدا خدا کر کے کلاں کوٹھی۔

خاص پز نے آن کر عرض کیا کہ حضور خاصہ چنا جائے کہا پہلے ان کے واسطے لاؤ۔ مجذوبہ نے صرف کھچڑی قورمے کے ساتھ کھائی۔ پلاؤ اٹھوا دیا۔ ان کے بعد نواب صاحب اور اختر اور داروغہ نے کھایا۔ جب کھانے سے فراغت پائی تو مجذوبہ نے حکم دیا کہ کسی قوال کو بلاؤ۔ حکم کی دیر تھی۔ قوال موجود۔ کہا معرفت کی کوئی شئے گاؤ۔ پھر حکم دیا۔ گاڑی تیار کراؤ گاڑی پر خود بھی سوار ہوئیں۔ اور نواب صاحب اور اختر کو بھی سوار کرایا اور قوال کو بھی ساتھ بٹھایا اور شاہ مینا صاحب کی درگاہ آئیں۔ یہاں گانا ہوا۔ اور مجذوبہ نے بڑا وجد کیا۔ اور کئی بار روئی اور اکثر حقانی غزلوں کی خود فرمایش کی۔ نواب صاحب بھی اس وقت بڑے مزے میں تھے۔ جب واپس ہوتے تو میاں اختر کہنے لگے۔ پیر و مرشد ذرا دیکھئے کیا انقلاب ہے۔ ایک وہ دن تھا کہ قمرن کے ساتھ حضور مزے اڑاتے تھے۔ اب ایک دن یہ ہے کہ بی مجذوبہ بغل میں بیٹھی ہیں۔

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

جناب منشی مہراج بلی صاحب المشہیر بہ (کا ہے واسطے) اور آغا محمد اطہر صاحب اور نواب چھٹن صاحب بہادر مچھلی والی بارہ دری میں دندنا رہے ہیں۔ یہ بارہ دری نواب علی نقی خاں بہادر دستور معظم وزیر اودھ نے بنوائی تھی اور کسی زمانے میں واقعی قابل دید تھی۔ اب شہر کے کل تھانوں کا صدر مقام یہی ہے پہلے مجرم چالان ہو کر یہیں بھیجے جاتے ہیں اب سنئے کہ انسپکٹر پولیس نے جو سنا کہ دو چار بھلے مانس چالان ہو کر آتے ہیں تو ان کو اپنے سامنے بلوایا۔ دیکھا تو تین بزرگوار اور تینوں شریف اور بھلے مانس۔ چونکہ خود بھی شریف زادہ اور پڑھا لکھا آدمی تھا۔ ان کی حالت پر سخت افسوس ہوا۔ ان کو یہاں آتے ہوئے چند ہی روز ہوتے تھے تینوں صاحبوں کو کرسی دی اور نام دریافت۔ آغا محمد اطہر اور چھٹن صاحب نے گردن نیچی کر لی۔ مگر منشی مہراج بلی صاحب روبکاری کے لئے

کھڑے ہوگئے۔ کہا ہمارا نام منشی مہاراج بلی صاحب بالقابہ ہے۔ اگر آپ ہم کو برق اندازوں سے دھمکائیے گا تو ہم اپنی فوج کو بلائے گا کدھر گیا مہتر لوگ ہمارا سب کو بلاؤ۔ ول سب کا سب جھاڑو پنجہ لے کے آو۔ کاہے واسطے تم ہم کو اپنا کرچ اور تلوار اور وردی دکھانے مانگتے۔ بلاؤ ہمارے مہتر لوگ کو ایک دم سے بلاؤ۔ اچھا اب کیا بات ہے۔ آپ نے منشی مہاراج بلی صاحب کا نام نہیں سُنا۔

انھوں نے جو بکنا شروع کیا تو آغا صاحب اور چھٹن صاحب کو سخت ناگوار گزرا کہ ایک تو اس مصیبت میں پڑے دوسرے انسپکٹر اجنبی آدمی کبھی کی جان پہچان نہیں۔ تیسرے اس پر طرہ یہ کہ منشی مہاراج بلی صاحب خواہ مخواہ کے لئے بلبلا رہے ہیں۔ انسپکٹر صاحب بھی دنگ تھے کہ یہ کون بے تکا آدمی آیا ہے۔ کہ بے وجہ بے سبب مجھے ڈپٹ رہا ہے ایک کانسٹبل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں اس نے کہا حضور خدا جانے کون ہیں مگر یہ تینوں متوالے تھے اور کہتے تھے کہ سڑک کا چالان کرو ایک نے تو یہ کہا۔ دوسرے صاحب بولے برق انداز کا چالان کرو۔ تیسرے بولے ایک دم سے چالان بول دو۔ دوسرے برق انداز گیان سنگھ سے دریافت کیا تو اس نے کہا ہجور تمام سڑک پر مار کے ہلا مچا رہے تھے سڑک کا چالان بول دے۔ اور سپاہی کا چالان کر دے۔ تون صاحب آول وہ کہیں کہ ان سب کا چالان کردو۔

منشی مہاراج بلی صاحب پھر بگڑے کہ ول تم کاہے واسطے جھوٹ بولنے مانگتا ہے۔ تم لوگ ہم کو نہیں پہچاننے مانگتا ہے ہم بڑا این۔ سُنو سُنو ۔

منم آں پیل دماں و منم آں شیر نترہ

نام بہرام مرا دید رم بو جیلہ

چاچی کماں از دست وزرہ ببرد، و چکمہ آہنی درپا، و خود فولادی میر فرقدان، مرا از چوکیداران پولیس لکھنؤ بہ چہ باک دارم کہ گفتہ اندے

شکلے نیست کہ آساں نشود

مرد باید کہ ہراساں نشود

انسپکٹر واقعی متحیر تھا کہ یہ کون ذات شریف ہیں۔ مگر آغا صاحب اور چھٹن صاحب کو سکوت میں دیکھ کر یقین ہوگیا کہ اسی کمبخت کے سبب سے یہ اس بلا میں مبتلا ہوئے

ہیں۔ حقہ پی رہے تھے۔ آغا صاحب کی طرف بڑھایا انھوں نے بندگی کا اشارہ کر کے حقہ لیا اور پینے لگے۔

انسپکٹر نے افسوس کے ساتھ کہا کہ آپ لوگ رئیس زادے شریف زادے اور بھلے مانس اور آپ کا چالان ہوا ہے افسوس کا مقام ہے۔ مگر یہ بزرگوار آپ کے کون ہیں۔ یہ یا تو دیوانے پاگل آدمی ہیں، یا اس وقت نشے میں ہیں بہر حال اپنے آپے میں تو نہیں ہیں۔ عجیب قطع کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ عجیب الخلقت۔ نمائش گاہ میں بھیجنے قابل ہیں۔ آغا صاحب نے کہا نمائش گاہ نہیں تو عجائب خانے میں رکھنے کے قابل تو ضرور ہیں۔

اس پر انسپکٹر اور کانسٹبل ہنس پڑے، اور منشی مہراج بلی صاحب بگڑے، کا ہے واسطے تم لوگ کھی کھی کرنے مانگتا ہے۔ ہم صفائی کی علت میں ایک دم سے چالان کر دے گا۔ بس چپ رہو۔

اتنے میں نواب رونق جنگ آئے، اور ایک تھانہ دار صاحب ان کے ہمراہ تھے آغا صاحب بہت ہی شرمائے۔ نواب صاحب نے انسپکٹر صاحب کی طرف مخاطب ہو کر نہایت گرمجوشی سے ان سے کہا حضرت گو نیاز نہیں حاصل مگر مصافحہ تو کیجئے۔

انسپکٹر صاحب نے بڑے تپاک سے مصافحہ کیا کہا اسم مبارک جناب کا انھوں نے کہا رونق جنگ تھانہ دار نے ان کی تعریف کی کہ آپ ہمارے ملک کے شہزادے ہیں۔ نواب رونق جنگ بہادر اور یہ صاحب جو تشریف رکھتے ہیں منشی مہراج بلی صاحب ہیں۔ بہت مشہور رئیس ہیں۔ یہاں کے تھوڑی دیر تک تواضع و تکریم اور چنین چنان کا تکلف رہا۔ آخر کار تھانہ دار نے کہا مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ انسپکٹر صاحب ایک کمرے میں تھانہ دار کو لے کر گئے اور نواب صاحب کو بھی بلوایا جب رونق جنگ وہاں پہونچے تو تھانہ دار نے کہا یہ تینوں صاحب بڑے عزت دار اور روسائے شہر ہیں۔ مگر اتفاق وقت ان کا چالان کر دیا گیا اب ان کی عزت آپ کے ہاتھ ہے۔ انسپکٹر نے شریف آدمی اور عالی خاندان تھا کہا بس اسی کے لئے آپ نے تکلیف گوارا کی لاحول ولا قوۃ۔ ایک رقعہ کافی تھا بلکہ رقعہ کی بھی ضرورت نہ تھی۔ اور میرے سمجھ میں نہیں آتا کہ ان صاحبوں نے قصور کیا کیا ہے۔ کسی کو مار ڈالا۔ کسی کو کچل ڈالا۔ کہیں بلوا کر دیا۔ آخر ستم کیا ڈھایا۔ خواہ مخواہ کے لئے کسی کو لے مرنا، اور شے ہے۔ آپ ذرا تردد نہ کیجئے ان صاحبوں سے کہئے کہ تشریف

لے جائیں ہم سمجھ لیں گے۔

نواب۔ حضرت واللہ آپ نہایت ہی معقول حاکم ہیں اے سبحان اللہ۔

انسپکٹر۔ میں تو خادم ہوں۔ حاکم کیا معنی ہے جناب۔

تھانہ دار۔ عجب منش کے آدمی ہیں واللہ۔

نواب۔ پیدا کہاں ہوتے ہیں ایسے آدمی۔

مہراج۔ (جھلاکر) کیوں نہیں پیدا ہوتے۔ پیدا نہیں ہوتے تو ہم کہاں سے آئے۔

انسپکٹر۔ (ہنس کر) یہ عجیب قطع کے بزرگ ہیں واللہ۔

رونق جنگ۔ بڑا سیدھا آدمی ہے اور گول آدمی ہے۔

انسپکٹر۔ مگر اس وقت چڑھی ہوئی ہے غالباً۔

رونق جنگ۔ یہی تو خرابی ہے اور خرابی کیا ہے۔

تھانہ دار۔ نواب چھٹن صاحب اور آغا محمد اطہر صاحب بے مثل لوگ، مگر اتفاق وقت

انسپکٹر۔ جناب نواب صاحب اور جناب آغا صاحب اے حضرت آپ یوں تشریف لائیے۔ بسم اللہ۔ اب اس امر کا تو ذرا خیال نہ کیجئے میں امر حق اور انصاف کے مقابلہ میں نوکری کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا۔ ہاں۔

ع خدا ترس را بر رعیت گمار

یہ میرا مقولہ ضرور ہے۔ اور اسی پر عمل۔

آغا۔ آپ بہت اچھے لوگ ہیں واللہ۔ زبان نہیں جو تعریف کی جائے۔

چھٹن۔ اے سبحان اللہ۔ مگر آپ سے ایسے وقت میں ملاقات ہوئی جب ہم مجرم بنے ہوئے ہیں۔

انسپکٹر۔ لاحول ولا قوۃ۔ مجرم کیسے۔ یہ آپ فرماتے کیا ہیں آپ اس کا تو ذرا بھی خیال نہ کریں۔ بندہ خادم ہے۔ آپ سب صاحبوں کا۔ میں سمجھ لوں گا۔ ذرا بھی خیال نہ فرمایئے یہ کیا بات ہے۔ آخر اپنے کیا کیا۔ کسی کا باپ مارا کسی کا مال مارا۔ خواہ مخواہ کا جھگڑا۔

چھٹن۔ گردش زمانہ اور اتفاق وقت۔

انسپکٹر۔ کچھ نہیں ہم سے آپ سے ملاقات ہی ہو گئی آپ کچھ رنج نہ کیجئے۔

رونق جنگ۔ انسپکٹر صاحب ہم آپ کی ملاقات سے محظوظ ہوتے اکثر ملا کریں گے۔

واللہ آپ بہت اچھے لوگ ہیں۔ تعریف نہیں ہو سکتی۔

مہراج ۔ وہ تو اچھے لوگ ہیں ہی ۔ اور ہم ۔ ہم کیسے لوگ ہیں حق اللہ پاک ذات اللہ۔

حاضرین ہنستے ہنستے لوٹنے لگے ۔ تو منشی مہراج بلی صاحب اور بھی بگڑے ۔ کاہے واسطے یو کالا لوگ کھل کھل ٹھٹھا کرنے مانگتا ہے۔

کانسٹبل ۔ ہجور اور وہ بھوج کہاں گئی ہجور کی۔

مہراج ۔ شہر بھر کے مہتر کو بلا لاؤ اسی دم۔

ک ۔ ہمارے بلائے نہیں آتے ہیں ہجور چلے چلیں۔

م ۔ دل تم اتنا بڑا قد کاہے واسطے بڑھایا ۔ املی کے درخت سے بڑا قد ہے۔

راوی ۔ حالانکہ یہ کانسٹبل پستہ قد آدمی تھا ۔ مگر یہ کچھ دیکھتے بھالتے تو تھے نہیں جو منھ میں آیا بک دیا۔

ک ۔ ہجور کی گھڑی میں کئے بجے ہیں اس وکھت۔

راوی ۔ گھڑی ندارد ۔ مگر جیب میں ہاتھ ڈال کر فرماتے ہیں پندرہ منٹ آیا ہے

تھانہ دار ۔ کے بج کے پندرہ منٹ آیا ہے۔

مہراج ۔ بس دوسری بار ہم نہیں بولنے مانگتا ۔ پندرہ منٹ آیا ہے اور بس ۔ دوسرا بات نہیں۔

ک ۔ اے تو ہجور کاہے پر پندرہ منٹ آیا ہے ۔ اگر یہ نہ بتایا تو پھر بے کار ہے ہجور۔

م ۔ دل کوئی ہے ۔ مہتر لوگ بولو ہمارا چالان کر دے اور بس۔

راوی ۔ کہنے کو تھے اس کا چالان کر دے ۔ مگر فرمایا ہمارا چالان کر دے ۔ اس پر بھی بڑا قہقہہ پڑا ۔ تو جھلا کر اپنا منھ پیٹ لیا کاہے واسطے تم کالا لوگ بکنے مانگتا ہے ہمارے سے ہم تم لوگ کو منھ لگانے نہیں مانگتا۔

رونق جنگ ۔ ارے بھئی تم اس وقت ہو کہاں۔

مہراج ۔ (آنکھوں کو مل کر) یہ کون محل سرا ہے بھئی۔

رونق جنگ ۔ بھلا پہچانو تو جانیں ۔ بولو ایک دو تین ۔ یہ چار۔

مہراج ۔ یہ کسی رئیس کا آبدار خانہ ہے۔

رونق جنگ ۔ اچھا آپ یہاں کیونکر آئے۔

مہراج۔ (آنکھوں کو پھر مل کر) دل سو تو ہم بھی نہیں سمجھایا۔ ہم یہاں کاہے واسطے آیا۔

رونق جنگ ۔ (کان میں) چالان ہوا ہے۔ اب ان کا نشہ بھی ہرن ہوا۔ ع

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ ڈانٹ ڈپٹ اور غل غپاڑا اور تیزی اور دھمکی اور کاہے واسطے کی صدا سب حضرت بھول گئے۔ اب یہ بھی نہیں پوچھ سکتے کہ بھئی کس علت میں چالان ہوا۔ قصور تو معلوم ہو کہ قصور ہم سے کیا سرزد ہوا ہے۔ سکوت کا عالم۔

انسپکٹر نے جوان کی یہ کیفیت دیکھی تو سمجھ گئے کہ اب نشہ ہرن ہوا۔ اور انتہائی پشیمانی ہے۔ کہا آپ متردد بس کیوں ہیں۔ ایسا بھی اتفاق ہو گیا۔ کچھ حرج کی بات نہیں ہے۔ اب آپ گھر جائیے۔

آغا محمد اطہر اور رونق جنگ اور منشی مہراج بلی انسپکٹر سے رخصت ہوئے اور راستے میں یوں باتیں ہونے لگیں۔

نواب رونق جنگ نے ہم سب کی عزت رکھ لی ورنہ ایک ہی کٹہرے میں آغا صاحب اور چھٹن صاحب اور منشی مہراج بلی مجسٹریٹ کے سامنے کھڑے ہوتے۔ دل لگی تو بڑی ہوتی۔ مگر رونق جنگ نے بچا دیا اور انسپکٹر صاحب نے بھی بڑی بھل منسی کی۔ پولیس مین ایسے بھلے مانس کم پائیے گا۔

اب سنئے کہ دوسرے روز جو نواب محمد عسکری کو خبر ہوئی تو بڑا ہی رنج ہوا۔ مجذوبہ کے ہاں سے آئے تو نواب رونق جنگ کے خدمت گار نے ان سے کہا کہ سرکار بڑا غضب ہوا تھا۔ مگر اللہ نے بہت بچایا اور عزت رکھ لی کہا کیا ہوا اس نے ساری سرگذشت کہہ سنائی۔

نواب ۔ لاحول ولاقوۃ! بڑا ستم ہو گیا تھا۔

خدمت گار حضور آغا صاحب اور منشی مہراج بلی اور نواب چھٹن صاحب تینوں صاحبوں کا چالان کر دیا گیا تھا۔

نواب ۔ لاحول ولاقوۃ۔ بڑی شرم کی بات ہے۔

خدمت گار ۔ حضور ہمارے سرکار نہ دوڑ جاتے تو کیا جانے کیا ہو جاتا۔ اللہ کو کچھ اچھا ہی کرنا منظور تھا۔ اور حضور کوتوال صاحب نے بڑی مہربانی کی۔

نواب ۔ بھلے مانس آدمی ہیں نا شریف زادے ۔

اتنے میں چھٹن صاحب کا آدمی آیا ۔ کہا حضور سرکار نے یاد کیا ہے ۔ اگر فرصت ہو تو ذری چلے چلیے ۔

نواب صاحب نے گاڑی تیار کرائی، اور چھٹن صاحب کے یہاں گئے وہاں میاں ممتن بھی بیٹھے ہوئے تھے اور باتیں کر رہے تھے ۔

ممتن ۔ آداب عرض کرتا ہوں خداوند ۔

نواب ۔ ارے یار ہم نے ایک بڑی بُری خبر سنی ہے ۔

ممتن ۔ اس کا ذکر نہ کیجیے خداوند ۔ ؎

ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

مگر اس کا تدارک ہونا چاہیئے ۔ بڑی بدنامی ہوئی واللہ اور صحبت کے سب لوگ بدنام ہوئے کہ یہ جتنے ہیں سب ایسے ہی ہیں ۔ ؎

چو از قومے یکے بیدانشی کرد
نہ کہہ را منزلت ماند نہ مہ را

چھٹن صاحب نے بہت شرماتے ہوئے کہا ۔ یار عسکری اس دن تو بھائی صاحب اللہ نے عزت رکھ لی ۔ مگر پچھلی والی بارہ دری تک جانا ہی کیا کم تھا اور وہاں جو دو ایک برق انداز ملے وہ ہمارے جان پہچان نکلے ۔ انھوں نے بہت متحیر ہو کر سلام کیا ۔ اور باہم کچھ باتیں کرنے لگے ۔ اس قدر شرمایا ہوں کہ کیا عرض کروں ۔ اور مہراج کمبخت کی یہ کیفیت کہ خواہ مخواہ غل مچا رہا ہے ۔ کاہے واسطے تم لوگ بولنے لگنے ۔ کاہے واسطے چالان کرنے مانگتا او کالا بین چپ رہو ۔

عسکری ۔ واللہ ۔ یعنی وہاں بھی کاہے واسطے حضرت کو یاد رہا ۔ بڑا بے وقوف ہے ۔

چھٹن ۔ سنیے تو فرمایا ہمارے سب مہتر لوگ کو بلاؤ ۔

عسکری ۔ ایں ! لاحول ولا قوۃ ۔ توبہ ۔ توبہ ۔

ممتن ۔ حضور پولیس والے بڑی نقل کرتے ہیں ان کی ۔

عسکری ۔ افسوس ہے واللہ ۔ اس صحبت کا یہی نتیجہ ہے دامہ مگر ۔ ؎

ع ہر کسے ناصح برائے دیگراں ناصح خود یافتم کم در جہاں

ہم کیا ہیں۔ ہم تم سے بد تر ہیں۔

ممّن۔ اے حضور سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں جہاں چسکی لگائی بس پھر چلا دور۔

چھٹن۔ بلاؤ ہمارے مہتر لوگوں کو۔

ممّن۔ یہ مہتر کیوں بلائے جاتے تھے۔

چھٹن۔ لڑائی کے لئے کہ پولیس والوں کو آکے ماریں۔

ممّن۔ مگر اب بالکل چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور رفتہ رفتہ چھوڑ دینی چاہئے۔

قاعدہ ہے کہ جب ایک روز شراب خواری انسان زیادہ کرتا ہے تو دوسرے روز طبیعت از بس کسل مند ہو جاتی ہے۔ اور قسم کھا لیتا ہے کہ بس اب سے آئے گھر سے آئے۔ اب عمر بھر نہ پییں گے۔ بس کان پکڑے۔ لیکن جہاں شام ہوئی پھر وہی جام اور صراحی۔ مگر اب یہ سب سوچتے ہیں کہ بھئی اب کم کم پینی چاہیے۔ اور نواب چھٹن صاحب نے تو صاف صاف علانیہ کہدیا کہ یار اگر اب ہم پییں تو پاجی سمجھنا۔

ممّن سے سرگوشی

ناظرین کو کس قدر الجھن ہوئی ہوگی۔ کہ یا الٰہی کجا قمرن اور ناز و کجا مجذوبہ اور کلان کوٹھی۔ یہ بی ہمسائی کے مکان سے قمرن کہاں چمپت ہوئیں اور ناز و نواب صاحب کے دربار میں کیوں کر داخل ہو گئیں۔ اور مجذوبہ کو اس قصے سے کیا سرکار ہے۔ اور یہ گتھیاں کیسی پڑتی جاتی ہیں۔

اصل حال یہ ہے کہ یہ سب نواب بشیر الدولہ کی کارستانی ہے یہ سب کانٹے انھیں ذات شریف کے بوئے ہوئے ہیں یہ بزرگوار اُس فشن کے لوگوں میں ہیں جو خواہ مخواہ جھگڑا مول لیتے ہیں، خدائی فوجدار۔ جن کی طبیعت میں داخل ہے، کہ دو دوستوں یا میاں بیوی یا باپ بیٹے میں جوتا چلوا دیں۔ اور سیر دیکھیں۔ تمام عمر یہی کیا کیے۔ اگر بیٹے کی طرف ہوے تو اس سے باپ پر دعوے کر وایا۔ اور بیوی کی طرف ہوئے تو میاں کی شامت آئی۔ ان کا اُلو کہیں نہیں گیا ہے۔ چوں کہ عمر کا ایک معتد بہ حصہ انھیں باتوں میں صرف کیا تھا للذا کاٹ پھانس میں برق ہو گئے تھے۔ اور بعض اوقات تو ایسی سوجھتی تھی کہ اچھے اچھوں کو نہ سوجھتی اور راب محمد عسکری کو تو یہ بالکل ہی لونڈا سمجھتے تھے ان کے رفقا میں سے دار وغہ ان کا جواب دینے والا تھا مگر دار وغہ کو اس امر کی اطلاع ہی نہ تھی کہ بشیر الدولہ اندر ہی

اندر کیا کارروائی کر رہے ہیں ورنہ داروغہ ضرور کچھ روک تھام کرتے وہ تو کہیے اتفاق سے ٹانگ زخمی تھی نہیں تو اب تک خدا جانے کیا انقلاب پیدا کر دیا ہوتا۔

اس جھگڑے میں نواب صاحب کا یہ منشا تھا کہ نواب نادر جہاں بیگم کے ساتھ ہمدردی کریں۔ لاحول ولا قوۃ اس سے انہیں کیا بحث تھی صرف یہ خواہش تھی کہ اس جھگڑے میں کوئی ایسی بات پیدا کریں، جو کسی نے نہ کی ہو، اور اس خوبصورتی کے ساتھ کارروائی کریں کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو اور محمد عسکری کو بھی چھپتے یار بنائے رہیں۔

یہ دن رات بیٹھے بیٹھے اسی منصوبے میں رہتے تھے۔ کہ کسی تدبیر سے قمرن کو مٹیا برج بھیج دیں۔ نواب صاحب کو بمبئی دوڑا دیں۔ بیگم کے دس بارہ ہزار بلٹا دیں۔ رونق جنگ اور محمد عسکری کو لڑوا دیں۔ منشی مہراج بلی اور آغا محمد اطہر میں جوتا چلوا دیں۔ قمرن کے میاں کو بہکا کر ممتن پر نالش کروا دیں۔ جملو اور اختر میں فوجداری ہو جائے۔ بس انہیں فکروں میں دن رات غلطاں پیچاں رہتے تھے۔ اور کوئی فکر نہ تھی۔

جب کلکتہ سے روانہ ہوئے تھے تو ان کو یقین کامل ہو گیا تھا کہ بیگم صاحب پر حاوی ہو جائیں گے، اور نواب صاحب محمد عسکری کی کارستانیوں کے مقابلے میں ایک نہ چلے گی ہم ہی ہم ہوں گے۔ مگر بیگم صاحب کو عفیفہ و پارسا پایا تو منہ کی کھائی۔ اب یہ دوسرے ڈھرے پر چلے۔ مجذوب کے یہاں نواب صاحب حضرت ہی کی وجہ سے پہونچے ہیں اس کے دوا اسباب ہیں۔ بشیر الدولہ کو تو یہ مایوسی ہو گئی کہ بیگم صاحب کے عشق سے خاک فائدہ نہ ہوگا۔ ان کی پاکدامنی کا نقش تو ان کے لوحِ دل پر ایسا منقوش ہو گیا کہ مٹانے سے نہیں مٹ سکتا۔ اب ان کو فکر ہوئی کہ نواب صاحب سے ان کو لڑوا دو۔ دونوں میں جوتا چلے۔ نوبت بعدالت آئے تو مزے ہوں خود خفیہ طور پر بیگم صاحب کو مدد دو۔ اور ظاہر میں نواب صاحب کے ہمدرد بنے رہو۔ میرے دونوں میٹھے۔ سوچے کہ اس سے بڑھ کر چکمہ نہیں چل سکتا کہ قمرن کچھ دن غائب ہو جائیں، اور کسی اور عورت پر نواب صاحب کا عشق چرّائے اور اس پر لٹو ہو جائیں نئے عشق کا سودا بے ڈھب ہوتا ہے۔ لہٰذا گھر بیٹھے بیٹھے یہ فکر کی کہ ایک کمسن اور حسین عورت کو مجذوب بنا یا اس کے کمال کی کمال تعریف کی۔ خود تو اس کا ذکر نہیں کیا۔ مگر ممتن کو پھانسا اور کچھ چٹایا بھی، اور کئی اور آدمیوں کو پھانسا۔ ایک تو اس پیر اک کو پھانسا اور پانچ چھ اور آدمیوں

کو۔اس روز نواب صاحب کے سامنے جتنے آدمی زن و مرد مجذوبہ کے پاس آتے تھے سب سکھاتے ہوئے۔ سب پھندیت۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ کسی نے کہا میرے لڑکے کو بخار آتا ہے اور مجذوبہ نے بڑہانکنی شروع کی کہ دانے نکلیں گے اور بخار آئے گا وغیرہ وغیرہ یہ سب بناوٹ کی باتیں تھیں۔ اور فقرہ بھی کیا چست کیا ہے کہ پیر نا نہیں جانتے اور مجذوبہ کے حکم سے پیرنے لگے مگر نواب صاحب کی اس سادگی کے صدقے کہ کیا جلد یقین آ گیا۔ فوراً باور کر لیا۔ اور بہت ہی متحیر ہوئے کہ یاالٰہی یہ کیا ماجرا ہے اسی سے ان کا عقیدہ اور بھی جم گیا۔ اور ادھر ممّن اور بھی چمکا رہا تھا گو بشیرالدولہ نے صرف ممّن کو پھندیت بنایا تھا۔ مگر ممّن خوب سمجھتا تھا کہ اگر پھپٹیل بنا رہے گا تو دال نہ گلے گی۔ لہذا اس نے اختر اور داروغہ کو بھی گانٹھ لیا۔ اب نواب صاحب کا بنا لینا کون بات تھی، مگر آپس میں یہ قسم ہوگئی تھی، کہ چھوتے تھے پر نہ ظاہر ہونے پائے۔ کیوں کہ چھٹّن صاحب گو خود آوارہ ہوگئے مگر وہ اس فشن کے آدمی نہ تھے کہ اپنے دوست کو پلٹنے دیتے۔ منشی مہراج بلی گول آدمی سہی لیکن محمد عسکری کو چکمہ دینا ان کی شان کے خلاف تھا۔ آغا محمد اطہر یار باش آدمی۔ ممّن کی نسبت اگر ان کو معلوم ہو جاتا کہ نواب صاحب کے خلاف ہے تو کھڑے کھڑے نکلوا دیتے۔ داروغہ اور اختر تو ممّن سے گنٹھ گئے مگر نواب صاحب کی اس صحبت میں وہ لوگ شریک نہیں ہو سکتے اور ان موالید ثلاثہ یعنی میاں ممّن اور اختر اور داروغہ نے یہ پٹّی پڑھا دی تھی کہ خبردار سرکار ان لوگوں پر یہ راز نہ آشکارا ہونے پائے۔

اب سنیے کہ نواب بشیرالدولہ ممّن کو کیا پٹّی پڑھاتے ہیں اور وہ کیا کہتا ہے۔

بشیر۔ آغا۔ آؤ میاں ممّن۔ یوں بیٹھو یار۔

ممّن۔ خداوند بہت اچھا بیٹھا ہوں۔ حضور۔

بشیر۔ پہلے یہ بتاؤ کہ بن گئے یا نہیں بنے۔

ممّن۔ سولہ آنے بن گئے۔ تسما نہیں باقی رہا۔

بشیر۔ کیوں کیا سوجھتی ہے۔ مگر سوائے پھندیتوں کے اور کوئی نہ جاننے پائے۔

ممّن۔ کیا مجال خداوند۔ ممکن نہیں۔

بشیر۔ اور ایک کام اور کرو۔ کبھی کبھی مجذوبہ مسکرایا بھی کرے اور قمرن کا ذکر ہر

دم کرتی رہے۔ کہے کہ وہ قمرن کمر کو لچکاتی۔ اکڑتی بررتی آتی ہے۔ وہ چھپ گئی وہ ہنس دی۔ اس وقت قمرن کے گال کیسے لال لال ہیں۔ اور نواب کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ سمجھے میاں ممن۔ ایسی ایسی باتیں کرے تو پھر دل لگی دیکھو۔

ممن۔ اور حضور اس کو روپیہ مل گیا۔

بشیر۔ واللہ۔ بھئی تو پھر چل گیا چکمہ اس نے آن کے کہا تھا کہ دس ہزار روپیہ ضمانت کا رکھا تھا۔

ممن۔ اے حضور ہزار روپیہ کا نوڑا گنوا دیا گیا ہارون کے چکے کہیں پٹ پڑتے ہیں۔ کیا مجال۔ دل لگی بازی ہے کچھ۔

بشیر۔ ممن عمر بھر کی روٹیاں ہیں بھائی جان۔

ممن۔ غلام خوب واقف ہے اس میں کیا شک ہے۔ عمر بھر کی روٹیاں تو ہیں ہی۔ مگر جو چال سے چلے۔

بشیر۔ بس بس، بس بس مرے دل کی کہی۔

ممن۔ حضور ہی کے ایسے لوگوں۔ رئیسوں۔ شریفوں میں غلام نے بھی بسر کی ہے خداوند۔

بشیر الدولہ نے بڑی دیر تک ممن کو خوب پٹی پڑھائی کہ یوں چکمہ دو اور یوں لوٹو۔ دو گھنٹے کامل تخلیے میں یہی چرچا رہا۔ ممن بھوکا بہت تھا شب کو شراب کثرت سے پی تھی صبح کو کھانا نہیں کھایا گیا تھا اب بھوک لگی۔ کہا حضور اس وقت مارے بھوک کے برا حال ہے کچھ کھلوایئے حکم دیا کہ کھانے کو اگر کچھ تیار ہو تو منگواؤ۔ کہو میاں ممن صاحب کو بھوک لگی ہے۔ باورچی نے آن کر عرض کی حضور کھانا پک رہا ہے۔ مگر پلاؤ اور بورانی اور تلی اردیان حاضر ہیں۔

ممن۔ کیا خوب۔ پھر اور کیا ہونا چاہیے۔

بشیر۔ پلاؤ اور بورانی اور تلی اردیان۔ بس بس کافی ہے۔ اور دیکھو برف کا پانی لاؤ۔ خوب سرد۔ اور ذرا اچار لاؤ۔

راوی۔ اب تو بڑی خاطریں ہونے لگیں۔

ممن۔ حضور بڑے خوش خور ہیں واللہ۔ کیا پلاؤ پکا ہے۔ خدا گواہ ہے اور تلی اردیوں نے تو وہ مزہ دیا ہے کہ زبان ہی جانتی ہے۔

بشیر ۔ بھئی اب کھانا بھی انسان اچھا نہ کھائے تو پھر لطف زندگی ہے کیا خاک مجھے تین شوق ہیں کھانا اچھا ہو۔ کپڑا اچھا ہو۔ اور مکان خوب سجا ہو۔ بس ۔

راوی ۔ اب باقی کیا رہ گیا ۔ مکان، لباس، غذا۔

ممتن ۔ حضور ایک روز غلام بھرے کریلے حضور کو کھلائے گا اپنے ہاتھ سے پکاؤں گا۔ بالکل نئی ترکیب سے۔

بشیر ۔ کل ہی سہی ۔ کل کسی وقت پکاؤ۔

ممتن ۔ مگر ایک شرط ہے حضور۔ ہاں یہ ضرور ہے ۔

بشیر ۔ وہ کیا بھئی ۔ نکاح کی سی شرطیں ہیں۔

ممتن ۔ ترکیب غلام کسی کو نہ بتائے گا خداوند ۔

بشیر ۔ بھئی ۔ اچھا پکاؤ تو تم ۔

ممتن ۔ تو کوئی تین سیر کریلے منگوا رکھیے۔

بشیر ۔ دیکھو جی ۔ رونے سے کہدو کہ کل تین سیر عمدہ عمدہ ہرے ہرے کریلے منڈی سے صبح کو لیتا آئے ۔

ممتن ۔ اور حضور کا ہی کے پرسند سے منگوایئے گا۔ ایک چیز ملا کر قیمہ کرلوں گا اور دو سیر دہی منگوایئے گا۔ چکا۔

بشیر ۔ میں نے سنا کلان کوٹھی میں بھی بڑے اہتمام سے کھانا پکا تھا ۔

ممتن ۔ حضور کو خوب خبر پہونچ جاتی ہے ۔

بشیر ۔ اور گھر سے باہر نکلتا نہیں خوبی یہ ہے ۔

ممتن ۔ حضور رات کو اس روز پھر گاڑی پر سوار ہو کر اور مجذوبہ کو بٹھا کر شاہ مینا کی درگاہ گئے ۔ وہاں قوالی ہوا کی بڑی دل لگیاں رہیں ۔ جو مجذوبہ نے حکم دیا وہ نواب بجالائے اور اب تک وہی حال ہے ۔ حکم دیا سب کے سب دریا میں پھر وہ سب لنگیاں باندھ باندھ کے کود پڑے ۔ اور بڑی دیر تک پیرا کیے ۔ جب سامان آیا تو پھر باہر آنا پڑا۔

بشیر ۔ سامان کاہے کا۔ کھانے پینے کا۔

ممتن ۔ حضور پر کوئی بات چھپی ہے سرکار ۔

بشیر ۔ میں واقعی ابھی تک نہیں سمجھا واللہ ۔

ممتن ۔ حضور کے فرمانے کی بات ہے بھلا۔

بشیر ۔ میں صحیح عرض کرتا ہوں میاں ممتن صاحب۔

ممتن ۔ اچھا پھر اب اس کو ڈھکا ہی رہنے دیجیے۔ اب یہ بات ڈھکی ہی رہے تو بہتر ہے ۔ کیا ضرورت ہے پردہ کسی کا فاش کرنا۔

بشیر ۔ کیا کچھ شغل ہوتا ہے ۔ ہاں یہ بھی ہے۔

ممتن ۔ حضور کو کیا نہیں معلوم تھا۔ تعجب ہے۔

بشیر ۔ کیا آپ بھی شریک صحبت ہیں سچ کہنا۔

ممتن ۔ نہیں حضور استغفر اللہ ! کیا مجال ۔

جب میاں ممتن کھانا کھا چکے تو نواب بشیر الدولہ نے کہا بھئی یہ پلیٹیں علیحدہ رکھو ہمارے دستر خوان پر اب یہ نہ آنے پائیں ۔ بلکہ صاحب لوگوں کے برتنوں میں رکھوا دو ۔ آپ برا نہ مانیے گا میاں ممتن صاحب مجھے اس کے نام سے نفرت ہے ۔ اور یہ بھی مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ خود شریک صحبت ہیں ۔ اس میں تو کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا ۔ افسوس کا مقام ہے واللہ اس کمبخت نے دین بھی ہاتھ سے دے دیا ۔ کب سے پینے لگا ۔ ہم جانتے ہیں رونق جنگ اور چھٹن صاحب اور آغا صاحب بھی شریک ہوتے ہوں گے ۔

ممتن ۔ حضور ایک دن سرکار کو چڑھ گئی ۔ ذرا زیادہ تو سب کو زبردستی پلا دی ۔ مہراج بلی تک کو اپنی صراحی کا پانی ملا کر زبردستی پلا دی ۔

نواب صاحب اپنے دل میں سوچنے لگے کہ بیگم نے ہمارے ساتھ بدی کی ہے ۔ تو سہی کہ گھر بھر نہ بلٹوا دوں ۔ ہم نے یہ نیکی کی کہ ان کے ساتھ کلکتہ سے یہاں آتے راستے میں زحمت اٹھائی اور ان کا ساتھ دیا ۔ اور اس احسان کا انھوں نے یہ معاوضہ کیا ۔ کیا زمانہ ہے ۔ مگر میں بھی وہ گہنی ماروں گا کہ عمر بھر یاد رہے مجھ سے آدمی کے منھ چڑھنا ، اور منھ لگنا کیا دل لگی ہے کچھ ۔ جتنا نیچے اتنا اوپر ۔ کسی شئے میں بند نہیں ۔

ممتن ۔ حضور وہ خود بھی پیرتی ہیں اور اچھا پیرتی ہیں ۔ اور بنتی تو ایسا ہیں کہ کوئی کیا بنے گا ۔

بشیر الدولہ کے رازداں اور مشیر اس امر خاص میں دو اور بزرگوار تھے ۔ ایک منشی وفا صاحب ۔ دوسرے ان کے لڑکپن کے دوست فقیر بخش حجام ۔ ان دونوں کو بھی آپ نے ممتن کے سامنے طلب کیا ۔

بشیر ۔ میاں ممّن ان دونوں صاحبوں سے بھی ملو۔

ممّن ۔ (نائی کی طرف اشارہ کرکے) ان صاحبوں کو تو میں پہچانتا ہوں مگر (وفا کی طرف اشارہ کرکے) ان صاحب سے ناواقف ہوں۔

بشیر ۔ آپ میرے دوست منشی وفا صاحب ہیں۔

وفا ۔ اب تو ہم اور آپ ایک ہی فرض ادا کرنے کے لئے مقرّر ہیں۔

ممّن ۔ خدا راس لائے۔

وفا ۔ آمین ۔ انشاء اللہ ۔ مار لیا ہے۔

ممّن ۔ چال تو خوب سوجھی ہے۔

وفا ۔ اجی پٹ ہی نہیں پڑ سکتی ہے۔

ممّن ۔ مگر نواب صاحب کو بھی کیا سوجھتی ہے ؎

ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

نائی ۔ حضور رئیس ہیں ۔ رئیسوں کے یہاں پیدا ہوئے ہیں ۔ کہ باتیں ہر کوئی مکالبہ نہیں کرسکتا ہے ۔ کوئی ہاتھیوں سے گنّے کھا سکتا ہے ۔ کوئی کیا کھائے گا شیروں کے شیر ہی ہوتے ہیں حضور ۔

ممّن ۔ اے کیوں نہیں ۔ ہمارے حضور کو جب سوجھتی ہے چھ مہینے آگے کی ۔

بشیر الدولہ نے ممّن کو یہ پٹّی پڑھائی کہ مجذوبہ کو سمجھا دو ۔ کہ اب دو ایک روز ذرا نواب صاحب سے کھنچی رہیں ۔ پھر ان کی بیقراری دیکھیے ۔ قدموں پر ٹوپی نہ رکھ دیں تو ہمارا ذمہ ہے ۔ وہ تو قمرن کی دھن لگی ہے ۔ اور مجذوبہ خود بھی بڑی خوبصورت عورت ہے سُرخ و سفید گوری چٹّی کم سن ، اور چالاکی و چستی اور کید و فریب میں برق ۔ اس کو کوئی جھانسا کیا دے سکتا ہے ۔

ممّن ۔ جہاں پر چوک جاتے تھے وہاں یہ سبق دیتی تھی ۔ ہاں داروغہ کی رائے اور فقروں اور کید کی باتوں کو البتہ مجذوبہ بھی مانتی تھی ۔

بشیر ۔ ایسا کرو مجذوبہ ان کے گھر پڑ جائے ۔

ممّن ۔ خداوند ایسا ہی ہوگا ۔ دیکھتے جائیے ۔

بشیر ۔ سونے کی اینٹوں کی دیوار چڑھوا لو مگر ہاتھ پاؤں بچاتے ہوئے ۔ آنٹھوں گانٹھ کمیت ۔

اتنے میں محمد عسکری کے ہاں سے آدمی آیا۔ ممن نے کہا نواب صاحب کا رونا آتا ہے میں چھپ رہتا ہوں یہ کہہ کر ممن کمرے میں چلا گیا۔ اور روتے نے سلام کر کے خط دیا۔
مائی ڈیر بشیر۔ یار عجیب آدمی ہو۔ بھائی جان آنکھیں دیکھنے کو ترس گئیں۔ از برائے خدا آؤ اور ہم پر احسان کرو۔ بھئی عجب طرح کے آدمی ہو، واللہ ارے ظالم کبھی تو یاروں کی صحبت میں بیٹھا کر آغا صاحب تم کو یاد کر رہے ہیں (تمہارا بھائی عسکری)۔
از جانب آغا محمد اطہر کورنش۔

چکمہ کارگر ہوا

آج نواب گردوں قباب محمد عسکری صاحب پھر مع میاں ممن و منشی اختر دارونہ صاحب مجذوبہ کی خدمت کثیر الرافت میں حاضر ہوئے تو اس روز کی نسبت ان کو زیادہ تر جلال میں پایا۔ اور اس جلال نے ان کے جمال کو بھی دوچند کر دیا تھا۔ چہرہ اس روز کی نسبت زیادہ چمکتا دمکتا تھا۔ اگر نواب صاحب پر رعب غالب نہ آیا ہوتا تو وہ معاً سمجھ جاتے کہ پوڈر لگا کر منہ دھویا ہے۔ بال آج کمر کے کہیں نیچے لٹکے ہوئے تھے اور مبصر کے سوا دوسرے شخص کو ہرگز محسوس نہیں ہو سکتا تھا کہ مصنوعی بال ہیں سرمے کے دنبالے نے بھی جو بن کی آگ کو بھڑکا دیا تھا۔ مصنوعی تل جو رخسار تاباں پر سرمے سے بنایا تھا وہ واقعی اس مصرعے کا مصداق تھا ؎

ع ملک فرنگ میں حبشی کوتوال ہے

کلان کوٹھی کے اندر یہ لوگ نہیں جانے پائے تھے کہ مجذوبہ کے زور زور چلانے کی آواز آئی۔ پائیں فرش یا لب فرش یا بالین پر۔ ہاں! ممن نے کہا حضور آج مزاج کی شوریدگی زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ اتنے میں آواز آئی۔ چوکی پہرا ہوتا۔ کالا پانی ہوتا۔ آغا پر پچاس جرمانہ ہوتے۔ ہندو پر بنیس۔ چھٹن دس دن کی چھٹی پاتا فضیحت ہوتے فضیحت۔ بڑا ہی فضیحتا ہوتا۔ مگر۔ ؎

ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

نواب صاحب نے ممن کو حکم دیا کہ پہلے تم جا کے اطلاع دو کہ نواب صاحب حاضر ہوتے ہیں۔ اور سلام کی اجازت چاہتے ہیں۔ ممن کو دیکھتے ہی مجذوبہ نے للکارا۔ کیا ہے

ارے کیا ہے۔یہاں کیا کام ہے۔یہاں کچھ کام نہیں ہے۔یہ راستہ عام نہیں۔دریا دریا جاؤ۔ پھوٹ کھاؤ۔قمرن کو پرسوں بلالیں گے مگر دور سے دکھائیں گے اور مینھ برسے جھما جھم ممتن نے عرض کیا۔حضور نواب صاحب حاضر ہوئے ہیں اگر حکم ہو سرکار کانو سلام کو حاضر ہوں۔بڑے زور سے قہقہہ لگایا اور کہا وہی نواب جو ہم کو حاجی عبدالرحمٰن کے مزار پر لے گیا تھا۔وہ نواب جس نے ہمیں پلاؤ کھلایا تھا۔اچھا نواب ہے۔مگر ہمارے جھونپڑے میں نواب بن کے نہ آئے۔ہمارے پاس جب آئے تو دوست بن کر آئے۔فقیروں کا دوست بن کر آئے تو ہمارے سر آنکھوں پر آئے آئے۔

ممتن نے دور سے نواب صاحب کو اشارہ کیا۔نواب صاحب آگے آگے اور داروغہ اور اختر پیچھے پیچھے آئے۔نواب صاحب نے جھک کر آداب عرض کیا۔کہا زندہ باش حاجی عبدالرحمٰن[1] کے مزار پر آج بھی چلے گا۔نواب نے کہا ضرور۔مگر اس دن تو شاہ مینا[2] صاحب کے مزار پر گئے تھے کہا نہیں نہیں حاجی عبدالرحمٰن کے مزار پر جو ٹکیٹ[3] رائے کے تالاب کے پاس ہے۔ ہاں!۔

ہاں! ان کا تکیہ کلام تھا۔مگر ہاں کا لفظ اس طرح بڑھا کر اور گردن ہلا کر ادا کرتی تھیں کہ اور بھی بھولے پن کی تصویر کھینچ جاتی تھی۔نواب صاحب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا، اور بکنے لگیں دیکھو نا۔پتوں کو دیکھو کہ ان کی جو بدلی ہوئی تو کیا ہوا۔ہرے بدل گئے زرد آئے۔زرد بدل گئے سبز آئے۔سبز بدلے کاہی آئے۔یہ کہکر مجذوبہ کوٹھری کے اندر چلی گئی، نواب صاحب نے ممتن سے پوچھا کہ یہ ہرے اور زرد اور کاہی سے کیا مراد ہے۔اور اس دن تو ہم کو یاد آتا ہے کہ شاہ مینا صاحب کی درگاہ گئے تھے۔یہ کہتی ہیں کہ حاجی عبدالرحمٰن کے مزار پر گئے تھے۔ممتن نے جواب دیا۔خداوند۔مجذوب کی بڑ کے یہی معنی ہیں۔خدا جانے اس وقت کس رنگ میں ہیں۔اور وہ کیا کہتی ہیں ہم لوگ کیا سمجھتے ہیں۔اختر بولا پیر و مرشد اس ہرے اور زرد اور سبز اور کاہی پتوں کی بدلی سے خزاں اور بہار مراد ہے۔فصل بہار میں پتے ہرے ہوجاتے ہیں۔خزاں میں زرد۔سوکھے درخت کے پتے کاہی ہوتے ہیں۔کسی کے سبز کسی کے زرد۔

[1] مولانا عبدالرحمٰن نقشبندی جن کا مزار لکھنؤ میں مرجع خاص و عام ہے۔[2] شاہ مینا متوفی ۸۸۴ھ ہوئی مشہور درویش تھے جن کا مزار لکھنؤ میڈیکل کالج سے ملحق ہیں سڑک پر واقع جو انہیں کے نام پر شاہ مینا روڈ کہلاتی ہے۔[3] ٹکیٹ رائے سلطنت اودھ میں عہدہ وزارت پر فائز تھے انکا بنوایا ہوا تالاب بہت مشہور ہے

نواب صاحب دل میں سوچے کہ واقعی یہ مجذوبہ باکمال عورت ہے اس کے کمال میں شک نہیں اس کی باتیں ان کو بہت پسند آئیں۔ اور اس بھولے پن سے مجذوبہ باتیں کرتی تھیں کہ واقعی ہر صافی مذاق وجد کرتا۔ اور لطف یہ کہ بھولے پن کے ساتھ شوخی بھی غضب کی تھی صباحت کے ساتھ ملاحت اور شوخی کے ساتھ نمکینی کیوں نہ ستم ڈھائے۔ اتنے میں مجذوبہ کوٹھری کے باہر آئیں تو ایک فہرست ہاتھ میں۔ نواب صاحب نے پوچھا یہ کاغذ کیسا ہے کہا یہ فہرست ہے۔ نواب صاحب نے ہاتھ بڑھا کر فہرست لی اور پڑھی۔

فہرست چندے کی جو واسطے کسی مخفی کام کے ان لوگوں کو دیا جائے گا کہ مختلف شہروں کے قطب ہیں۔ قطب شہر آگرہ ۲؎ قطب لکھیم پور۔ چار مجذوبہ لکھنؤ للعہ؎ ہند و فقیر بتت۔ ۲؎ مجذوب ریاض پور ال؎ مجذوبہ گرداس پور۔ چار۔

نواب صاحب اس کا مطلب نہیں سمجھے۔ اور حق یوں ہے۔ کہ ہماری سمجھ میں بھی اس کا مطلب اچھی طرح سے نہیں آیا۔

نواب۔ ممتن ذرا ادھر آؤ۔ یہ کیا شے ہے۔

ممتن۔ حضور غلام نہیں سمجھا اختر کو دکھایئے۔

نواب۔ منشی اختر صاحب ذرا یہ فہرست تو پڑھئے۔ اختر نے یہ کاغذ پڑھ کر اور پنسل سے ایک کاغذ پر اس کا جواب لکھکر نواب کو دے دیا۔

حضور عالم یہ فہرست چندے کی ہے۔ جب کبھی کوئی مجذوب کسی سے خوش ہوتا ہے تو اس کو یہ فہرست دکھاتا ہے آپ ضرور اس میں چندہ دیجئے۔ لاکھوں روپیہ خرچ کرنے سے جو بات حاصل نہ ہوتی وہ آپ کو گھر بیٹھے حاصل ہوتی جاتی ہے تھوڑے سے روپئے کا خرچ ہے اور مطلب حاصل۔ حضور قسمت کے دھنی ہیں۔ اللّٰھم زِدْ فَزِدْ۔

مجذوبہ پھر کوٹھری میں چلی گئی اور دروازے زور سے بند کر لیے۔ نواب صاحب نے جو موقع پایا تو تخلیے میں ممتن اور داروغہ اور اختر سے مشورہ کیا اختر نے جو پٹی پڑھائی تھی وہی داروغہ نے بھی پڑھائی کہی بدمی تو تھی ہی ملی بھگت ممتن جان بوجھ کر لاعلمی ظاہر کرتا تھا تاکہ اس ملی بھگت کی چھانٹ بھی نواب صاحب نہ پائیں ہم نے آج تک نہیں سنا کہ مجذوب اور بتت کے ہندو فقیروں کے لئے مخفی کاموں کے واسطے چندہ دیا جائے۔ ان لوگوں نے اچھی اُپج کی لی۔ نواب صاحب نے دریافت کیا کہ آخر اب کیا کیا جائے اور کیوں کر

چندہ دیا جائے تو اختر نے جواب دیا۔

ایک کام کیجیے۔ مجذوبہ لکھنؤ یعنی یہی مسماۃ ان کے نام پر تو دو ہزار لکھیے۔ اور پانچ اور ہیں ان میں لکھیم پور کے قطب یا گرداس پور کی مجذوبہ کے نام دو سو لکھ دیجیے۔ چھپی ہوئی نواب صاحب کو تو یہ پٹی پڑھائی ہی گئی تھی کہ جس سے مجذوب لوگ خوش ہوتے ہیں اور جس کا بھلا کرنا چاہتے ہیں اس کو یہ فہرست دکھاتے ہیں۔ بے سوچے سمجھے فوراً پنسل لی اور مجذوبہ کے نام پر دو ہزار لکھ دئے۔ مگر اب رقم تو یاد تھی نہیں دو ہزار لفظوں میں لکھے اور قطب لکھیم پور کے نام دو سو یوں لکھے۔

ممتن۔ کیا سبحان چشم رئیس ہیں تعریف محال ہے۔

اختر۔ بھائی جان۔ خدمت ہی سے عظمت بھی ہے۔

ممتن۔ کیا شک ہے خدمت کرو اور عظمت پاؤ۔

داروغہ۔ اب قمرن اسی ہفتے میں زیب آغوش ہو تو سہی۔ ہمارا دل گواہی دیتا ہے۔

نواب۔ مگر مجذوبہ کا دل لئے ہوئے بگڑنے نہ پائیں۔ کہ پھر کیا کرایا کھیل سب ملیامیٹ ہو جائے

ممتن۔ کیا مجال خداوند۔ دیکھتے تو جایے۔

اختر۔ حضور جانیں لڑی ہوئی ہیں پیر و مرشد۔

داروغہ۔ اچھا دیکھیے تو اس اٹھوارے میں کیا ہوتا ہے بس دیکھتے ہی جایئے انشاء اللہ تعالےٰ۔

نواب۔ اچھا ایک ہفتے تک ہم نہ بولیں گے۔

اختر۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے حضور۔

نواب۔ بس کہہ دیا نا۔ ایک اٹھوارے تک کی آزمائش ہے آٹھ دن کچھ بہت نہیں ہوتے اور پھر ایسے کام کے لئے معاذ اللہ۔ آٹھ دن کی تو کیا حقیقت ہے لوگ تو عمر اسی میں صرف کر دیتے ہیں۔

اختر۔ اور پھر بھی شاید مراد سے ہم آغوشی نہیں نصیب ہوتی۔ لیلیٰ اور مجنوں کو دیکھیے فرہاد اور شیریں کا حال عیاں ہے۔ عذرا اور وامق کی سرگذشت مشہور دیار و امصار ہے شمع و پروانے ہی کو دیکھیے۔ ؎

ع کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

داروغہ۔ کیا خوب مثالیں دی ہیں منشی اختر صاحب۔

اختر۔ یہ سب بزرگوں کی صحبت کا اثر ہے۔

ممّن۔ بڑے خوش بیان آدمی ہیں منشی اختر صاحب

داروغہ۔ ایسے ہیں کہ کسی اور دربار میں کم ہوں گے۔

نواب۔ کم ہوں گے۔ یوں کہیے کہ اب کسی رئیس کے ہاں ان کا جواب دینے والا نہیں ہے۔

مجذوبہ نے کوٹھری کا دروازہ کھولا تو ممّن نے لپک کر فہرست واپس دی اور باادب عرض کیا کہ دو ہزار حضور کے نام اور دو سو لکھیم پور کی مجذوبہ کے نام نواب صاحب نے لکھے ہیں کہا بلاؤ

نواب صاحب دوڑتے ہوئے خوش خوش گئے تو اپنے قریب بٹھایا۔ اور پیٹھ ٹھوکی اور کہا شاباش اس کے بعد ایک روٹی کو پانی سے تر کیا اور پیش کر کے کہا کھالے۔

نواب۔ واہ چپڑی اور دو دو (کھالی)

مجذوبہ۔ کیسی ہے کیسی ہے۔

نواب۔ نعمت عظمیٰ۔

ممّن۔ یہ کھانا ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔

اختر۔ حق ہے جس پر مہر ہو جائے۔

ممّن۔ جس پر مہر ہو جاتے اس کا ستارہ چمک جائے۔

اختر نے دور ہی سے کہا حضور یہ تنہا خوری اچھی نہیں۔ ہم لوگ بھی امیدوار ہیں۔ ایک ایک ٹکڑا ہم کو بھی ملجائے۔ نواب صاحب نے کہا بھئی میں تو کھا گیا۔ پہلے سے کیوں نہ کہا۔ انھوں نے کہا حضور کو خود ہمارا خیال چاہتے تھا۔ نہ کہ ہم عرض کریں۔ اور پھر ملے بھلا اس میں کیا خوبی ہے۔ خیر حضور کا بھلا تو ہم سب کا بھلا۔ ہم لوگ تو حضور کی ترقی دولت اور ازدیاد عمر کے دعا گو ہیں۔ خدا حضور کو مدارج اعلیٰ پر پہونچائے۔ ہمارے لئے یہی دولت ہے اس سے زیادہ اور کیا ہو گا۔

نواب صاحب اس قدر خوش تھے کہ گویا لاکھوں روپیہ ان کو مل گیا ہے۔ جامے میں پھولے نہیں سماتے تھے۔ کہ اب شاہد آرزو سے ہم آغوش ہوں گے۔ بی قمرن کی جدائی کے دن اب ختم ہو گئے۔ اب کی سات پردوں میں رکھوں تو سہی دم بھر پاس سے نہ ہٹنے دوں۔ ابلی اغلانی مغلانی چھوچھو ماما ایک کو نہ بھٹکنے دوں۔ بلکہ اگر مراد برآئی تو سیدھا نینی تال لے اڑوں گا۔ اور وہاں جا کے دندناؤں گا کہاں کا جھگڑا۔ اس جھنجھٹ سے تو چھٹکارا ملے گا۔ یہ کہا تھوڑا ہے۔ ہم اسی کو ہزار غنیمت سمجھتے ہیں۔ بشیر الدولہ کی کارستانی تو وہاں نہیں چلنے پائے گی۔ کدرا کا تو خوف

نہیں رہے گا۔ بیگم تو باتیں نہیں سنائیں گی۔ سالی تو ملنے نہیں وس گی رونق جنگ تو ادھر کی ادھر نہ لگائیں گے۔ ان سب باتوں سے تو بچوں گا۔ اور پھر پہاڑ کا قیام۔ آب و ہوا فرحناک تندرستی اور صحت کے لئے اکسیر اعظم۔ نیم جاں جا کے از سر نو زندگی پاتے ہیں۔ دو چار چیدہ چیدہ احباب ہوں گے اور ہم ہوں گے۔ لطف زندگی ہے اور یہ ہے یہاں دھوپ اور لون کے تھپیڑے اور گرمی اور احتباس سے جان پر بنی ہوئی ہے لاکھ خس کی ٹٹی اور برف کا پانی ہو وہ بات کہاں۔ وہ قدرتی بہار اور خنکی کجا۔

نواب۔ ممتن یار چلو نینی تال۔

ممتن۔ حضور غلام کا کیا عذر ہے۔

اختر۔ حضور اب کی عزم بالجزم فرمائیے۔

نواب صاحب نے مجذوبہ سے کہا اگر ہماری مربی اور مہربان ہو تو ہم سے یہ وعدہ کرو کہ کتنے روز قمرن کی اور ہماری ملاقات ہوگی۔ ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔ اگر صحیح بتادو تو ہم تمہاری دعوت کریں۔ گو ہم غریب آدمی ہیں۔ مگر خیر دال دلیا ہی سہی اور کچھ نہیں تمہاری خاطر ہی سہی۔ بادشاہ کیا فقیروں کے یہاں نہیں جاتے۔

مجذوبہ۔ تو فقیر کون ہے۔ جی۔ ہم کہ تم۔ بتاؤ صاحب۔

نواب۔ فقیر ہم۔ تم تو بادشاہوں کی بادشاہ ہو۔

مجذوبہ۔ چل جھوٹے۔ سب جھوٹ جھوٹ کہتا ہے۔

نواب۔ ہم تمہارے غرض مند ہیں کہ تم کو ہماری غرض ہے۔

مجذوبہ۔ ہم کو تمہاری غرض ہے (زور سے قہقہہ لگا کر)۔

نواب۔ تم کو غرض ہوتی تو تم دوڑی آتیں کہ ہم۔

مجذوبہ۔ تم ہمیں گھورنے آتے ہو۔ (زور سے ہنس کر)

نواب۔ (ہنس کر) ہنسوڑ بھی ہیں۔ پرلے سرے کی۔

داروغہ۔ حضور کو خدا نے ایسا ہی رئیس کیا ہے کہ ان ایسی پاکدامن عورت سے حضور ہنسیں بولیں۔

مجذوبہ۔ چل الگ ہٹ۔ اور سنیے گا۔ اے واہ ہے۔

نواب۔ بڑی دیر سے (ہاں نہیں کیا یہ کیا۔

مجذوبہ۔ نازو اور قمرن۔ کون کون۔ قمرن!۔

نواب۔ دلواؤ تو جانیں۔ ہاں دلواؤ تو بھلا۔

مجذوبہ۔ اچھا کل آ۔ کل دیکھ لے۔ مگر دور دور سے۔

نواب۔ کوس بھر سے سہی مگر دیکھ سکوں گا۔

مجذوبہ۔ ہاں ہاں۔ ہاں ہاں۔ کل حاضر ہونا۔

نواب۔ تو کل پھر حاضر ہوں۔ ضرور۔ بولیے۔

مجذوبہ۔ ضرور حاضر ہو۔ ضرور حاضر ہو۔

نواب۔ ہزار کام چھوڑ کے آؤں اور بیچ کھیت آؤں۔ مگر میرا کام تو نکلے کسی طرح۔ میں تو درم ناخریدہ غلام ہو جاؤں گا عمر بھر کو مول لے لو گی۔ چیلا تمہارا ہو جاؤں مگر شرط یہی ہے کہ تم قمرن کو مجھے دکھا دو۔ اور چاہے جو ہو وہ ہو قمرن کی ایک جھلکی دیکھ لوں اور بس اور جو اتنا بھی نہ ہو تو ہماری بدقسمتی۔

مجذوبہ۔ بہت ہی محظوظ ہوئے۔ بڑے خوش۔ جامے میں نہیں سماتے۔ اب کیا ہے قمرن کو دیکھ، نازو کو دیکھ۔ ہم کو دیکھ۔ مجھ کو دیکھ۔ مجذوبہ کو دیکھ۔ انہیں آنکھوں سے سب کچھ دیکھ۔ اور اچھل کود پھاند۔ ؎

پھولے پھولے پھرت ہیں کہ آج ہمار و بیاؤ
تلسی گائے بجائے کے دیت کاٹھ میں پاؤ

اس کو مجذوبہ نے کئی بار باآواز بلند اس دھن میں گایا کہ نواب صاحب کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ بے اختیار رو دیے۔ اس نے جو دیکھا کہ یہ وجد کر رہے ہیں تو اور بھی زور زور ٹھہرا ٹھہرا کر گانا شروع کیا ان کے دیکھا دیکھی میاں ممن بھی جھوٹ موٹ آنسو پونچھنے لگے۔ اور دو ایک بار رومال بھی آنکھوں کے پاس لے گئے۔

نواب۔ ہائے مار ڈالا۔ کیا پیاری آواز ہے۔

ممن۔ حضور آواز نہیں جادو ہے۔ واللہ۔

داروغہ۔ جادو کی کیا حقیقت ہے اس کے سامنے۔

اختر۔ حضور میں تو وجد کی حالت میں ہوں۔ ؎

ع وجد ہے روح کو نغمہ ہے کہ جادو ہے یہ

خدا جانے یہ کیا ہے سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ نغمہ ہے یا سحر یا جادو۔

نواب صاحب نے تین روز تک مجذوبہ ہی کے ہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ اور اس طرح کے معتقد ہوگئے کہ معاذاللہ ان کو یہاں تک یقین ہوگیا کہ مجذوبہ چاہے تو مینھ برسا دے۔ اور مجذوبہ چاہے تو دھوپ کی چاندنی کر دکھائے۔ اور چاندنی سے دھوپ مبدّل ہو جائے۔ مردے تک کو مجذوبہ زندہ کر دے وجہ یہ کہ ایک شخص نے مجذوبہ سے آنکر کہا کہ میرا باپ جاں بلب ہے ڈاکٹروں اور طبیبوں تک نے جواب دے دیا اور صاف صاف کہدیا کہ اب نہ بچیں گے۔ گو آدمی مسن ہیں مگر باپ ہیں۔ بزرگوں کا دم ہزار غنیمت ہے۔ ذرا آپ چلی چلیں تو بڑا احسان ہو۔ مجذوبہ نے بڑبڑ کہا۔ اچھا برا کیا۔ کیسا اچھا کیسا برا۔ سب یکساں ہے۔ اچھا ہو جائے گا تو سانپ کاٹے گا جب آنا۔ ابھی تو وہ اب اچھا ہے۔ جا سانپ کاٹے تو آ جب سانپ کاٹے تو آ۔ ہاں! بس اب جا۔

وہ چلا گیا اور دوسرے دن پھر دوڑا آیا۔ اور ایک چارپائی پر اپنے بوڑھے باپ کو بھی لاد کر لایا۔ اور روتے ہوئے کہا کہ حضور اب ہماری عزت آپ کے ہاتھ ہے۔ جو آپ نے کہا وہی ہوا۔ کل میں یہاں سے جو گیا تو کہاں تو ہلا نہیں جاتا۔ کہاں دیکھتا ہوں کہ ٹہل رہے ہیں

ع شان ہے اس ہی کبریائی کی

مگر آج کھانے بیٹھے تھے کہ ایک دفعہ ہی چلا کے کہا ارے! مجھے کسی نے کاٹا۔ بس اتنا کہنا تھا کہ گر پڑے اور میرے گھر کے لوگوں نے معاً دیکھا کہ ایک کالا سانپ لہراتا ہوا بل کی طرف جاتا ہے۔ اب حضور کا ہی سہارا ہے۔ میں (قدموں پر گر کر) غلام ہوں آپ کا۔

مجذوبہ نے پہلے تو شنوائی نہ کی۔ بعد اس کے چارپائی کے قریب گئی اور کہا۔ ارے اس کو بچھو کے بڑے بھائی نے کاٹا ہے۔ رسّی۔ رسّی۔ رسّی۔ ارے سانپ سونگھ گیا اچھا ایک غزل سُن۔ ایک غزل سناؤں۔ عمدہ غزل ہے۔ ہاں! ارے دل لگا کے سُن۔

مجذوبہ نے لہرا لہرا کر اشعار گانے شروع کیے مار گزیدہ جو چارپائی پر پڑا ہوا تھا ذرا ہلا، لوگوں نے جو یہ تماشا دیکھنے کے لیے جوق جوق جمع ہوگئے تھے غل مچانا شروع کیا وہ زندہ ہوگیا وہ زندہ ہوگیا۔

ایک دن مجذوبہ نے نواب صاحب کے زانو پر سر رکھدیا اور کہا نواب ہمارے سر کی جوئیں دیکھو۔ نواب صاحب اس درجہ مسرور و محظوظ ہوئے کہ گویا قارون کا خزانہ ان کو

مل گیا۔ ممنن نے مسکرا کر کہا (اور آپ کے سر میں جوئیں بھی ہیں) نواب صاحب نے جوئیں ڈھو نڈھنی شروع کیں۔ وہاں جوئیں کہاں۔ بالوں میں حنا کا سولہ روپے سیر والا تیل پڑا ہوا عطر میں بسی ہوئی۔ اختر نے حسب حال یہ شعر پڑھا۔ ؎

ع رات اس کی ہے دماغ اس کا زلفیں اس کی ہیں
زلف تیری جس کے شانے پر پریشاں ہوگئی

نواب۔ بھئی واللہ برجستہ کہا ہے۔ بڑے ذکی آدمی ہو اور حسب حال کہا ہے جی خوش ہوگیا۔

راوی۔ شعر تو یہ غالب دہلوی کا ہے۔ ان حضرت نے ایک لفظ بدل کے پڑھ دیا تو نواب صاحب سمجھے کہ اسی کا شعر ہے اور یہ بھی چپکے ہو رہے۔

نواب۔ واللہ اس وقت جی خوش ہوگیا۔ داروغہ۔

داروغہ۔ پیر و مرشد جو ارشاد ہو غلام بجالائے۔

نواب۔ دیکھو میاں اختر کو ہم نے خلعت دیا ایک رومال شالی سوزن کار اور ایک تھان گلبدن کا اور پچاس اشرفیاں یہ ابھی ابھی ان کو دو۔

اختر۔ (آداب بجالاکر) حق تعالےٰ سلامت رکھے۔

ممنن۔ یہ رئیس ہیں اور سب برائے نام رئیس ہیں۔ ریاست کا مقتضا یہی ہے اے سبحان اللہ خداوند جواب نہیں ہے۔ اب اس زمانے میں کون بجز حضور کے۔

داروغہ۔ بھائی جان بقول شخصے پوتڑوں کے رئیس ہیں اور بلند حوصلہ۔

نواب۔ میاں اب ہمارا زمانہ بکام نہیں ہے ؎

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

ہم ان کے لڑکے ہیں جن کی ڈیوڑھی پر اچھے اچھوں کا گذر محال تھا۔ یہ لوگ جواب وکڑیاں اور چھوکڑیاں پھڑکاتے پھرتے ہیں یہ سب ہمارے آبا و اجداد کے ساختہ و پرداختہ ہیں مگر اب ہمارا زمانہ بکام نہیں ہے۔ بھائی صاحب ایک کونے میں دبکے پڑے ہوئے ہیں۔ خدا عزت رکھ لے یہی بڑا غنیمت ہے۔ ورنہ اب ہم میں اور ایک ادنیٰ چمار میں کیا فرق ہے۔

ممنن۔ پیر و مرشد اب بھی حضور کے لئے وہی باتیں ہیں صاحب لوگوں میں ایسا کون

ہے جو حضور کو نہیں جانتا کبر و صاحب پولیس کا انسپکٹر حضور کا یار ہے۔ جارج صاحب ریل کے دفتر میں جو نوکر ہے وہ حضور کا دوست ہے وہ گھوڑوں کا ایک دلال بلوٹ صاحب حضور کا یار چہ ہے۔ حضور کو کون نہیں جانتا اس روز جو سرکار نیلام میں گئے تھے میں کیا عرض کروں۔ حضور کے نمک کی قسم دو میمیں بھی جو اس رخ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک نے دوسری سے پوچھا یہ گورا گورا نواب کون ہے۔ اس نے کہا۔ ول یہ بڑا مشہور آدمی ہے نواب عسکری صولت جنگ بہادر۔

نواب۔ میں نے خیال نہیں کیا تھا وہ تھیں کون۔

ممتن۔ اے حضور نواب یہ مجھے کیا معلوم ہے بھلا۔

نواب۔ اجی روپیہ دو پیہ تو ہے نہیں پاس خالی خولی صورت ہی صورت ہے حضرت سلامت من۔

اختر۔ سرکار سب ہی کچھ ہے حضور کے پاس۔

نواب۔ بھائی جان زر عجب شے ہے۔ اند کے زردار باش اگر زر نہیں ہے تو سناٹا ہے۔ قبلۂ حاجات۔ اند کے زر دار باش، جناب بے زر کے معاملہ نہیں چل سکتا۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ بے روپیے کے گھوڑی بھی چل نہیں سکتی۔

اب سنیے کہ نواب صاحب اور مجذوبہ ایک ڈونگی میں سوار ہو کر دریا کی سیر کرنے لگے اور ادھر ممتن اور اختر اور داروغہ تخلیے میں اپنی اپنی کارستانیوں اور کارگزاریوں اور نواب صاحب کی سادگی اور بشیر الدولہ کی چال، اور جعل، اور جوڑ توڑ کی نسبت یوں گفتگو کرتے تھے۔

ممتن۔ بھئی ماروں چاروں شانے چت۔

داروغہ۔ یار تم بھی گیے گلے ہو۔ واللہ۔

ممتن۔ اب تمہارے سے پیچ ہم کیا جانیں۔

اختر۔ کشمیری پیچ مشہور ہیں۔

ممتن۔ مگر ہاں ان کی مار کھائیں، تو البتہ کچھ ہو رہیں۔ داروغہ صاحب تو ہمارے استاد ہیں۔

اختر۔ ہم سب کے اُستاد ہیں۔

داروغہ۔ بھائی ہاتھ پاؤں بچا کے کام کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اور کے لئے کنواں کھودو اور خود اس میں گر پڑو۔

اختر۔ مگر بلا کا آدمی ہے بشیر الدولہ۔

داروغہ۔ عرض کروں۔ بشیرالدولہ کی خاصیت اور خلقت میں داخل ہے کہ لوگوں کو بھکا دے باپ کو بیٹے سے لڑوا دیا۔ ماں کو بیٹی سے۔ بہن کو بہن سے۔ میاں کو بیوی سے۔ اور اس سے ان کو یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ کچھ روپیہ ملے یا بیگم صاحب کو جھانسا دے۔ کے کچھ اینٹھیں اس کا ذکر ہی نہیں۔ مطلب تو یہ ہے کہ ان دونوں میں لڑائی ہو، یا اگر لڑائی نہ ہو تو صرف اتنا ہی ہو کہ ان کی کارگزاری سے قمرن رفوچکر ہو جائے اور لوگوں میں مشہور ہو کہ نواب بشیرالدولہ بہادر نے یہ کارگزاری کی۔ بس اور کوئی بات نہیں۔

اختر۔ حضور یہ تو دن رات اسی فکر میں رہتے ہیں۔ کوئی گل کھلے یا کوئی فساد ہو۔ ہو کچھ نہ کچھ ضرور ہے

ع خالی مت بیٹھ کچھ کیا کر

ممتن۔ اگر ان کی صحبت میں کچھ دن رہے تو ہم لوگ بھی برق ہو جائیں گے۔ آٹھوں گانٹھ کمیت کہیں پر چوکنے والے نہیں، ہر مقام پر چوکس۔ سب باتوں میں لیس۔

اختر۔ بھئی اس میں تو شک نہیں کہ ان کی صحبت میں درست ہو جائیں گے۔

ممتن۔ مگر بشیرالدولہ بھی بڑا چالاک ہے۔

اختر۔ اس کے چالاک ہونے میں کیا شک ہے۔

داروغہ۔ ان چالوں کو دیکھو۔ ادھر قمرن کو اس کے میکے بھیجا۔ ادھر ناز و کو سلوت بھو کے ہاں روانہ کیا مغلانی کو چالاک پا کر جھپ سے نوکر رکھ لیا۔ مہریوں کا پتہ نہیں سب کو تہہ و بالا کر دیا۔ اور آناً فاناً میں چٹکی بجاتے۔ اب ادھر مجذوبہ کو بھڑا دیا۔ وہ گردن ہلا کر اور غل مچا مچا کر۔ ہاں! ہاں کہتی ہیں کسی کی لڑکی کو چیچک کا حکم دے دیا۔ کسی کا بخار اچھا کر دیا۔ کبھی سانپ کے کاٹے کو اچھا کر دیا۔ ہر دم ایک نیا شعبدہ سب سے بڑھ کر دل لگی یہ ہوئی کہ ایک شخص جو پیرنا نہیں جانتا تھا وہ مجذوبہ کے حکم سے پیرنے لگا۔ اور سرکار کو یقین بھی کیا جلد آ گیا کہ مجذوبہ کے کمال کا یہ اثر ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔

ممتن۔ ارے یارو ذرا اور مال چیرا جائے تو لطف ہو۔ یہ کیا دو دو ہزار اور پانچ پانچ سو لیتے ہو

داروغہ۔ بھئی بے حلق کھائیں تو سہی مگر ٹھنڈی کر کے بہت جلدی نہ چاہیے۔

اختر۔ بس یہی بات ہے۔

ممتن۔ ہاں صحیح ہے اگر زیادہ طمع کی، اور دھر لئے گئے تو عمر بھر کی روٹیاں گئیں۔ نہ ادھر

کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

اختر۔ بھئی حصّہ رسدی سب کو برابر ملے۔

داروغہ۔ تین حصّے ہوں گے دو ہمارے اور ایک میں ممّن اور تم۔ ہم اپنے دو حصّوں میں سے اوپر والوں اور پھندیتوں کو دیں گے۔ مثلاً اکیس سو ملے۔ تو چودہ سو ہمارے اور سات سو اختر اور ممّن۔ ساڑھے تین تین سو۔ اور اس چودہ سو میں سے ہم پھندیتوں کو ان کی حیثیت کے مطابق دیں گے جو جس کے حصّے میں آئے۔

اختر۔ بھئی یہ تم زیادہ کیوں لو۔

ممّن۔ پھندیتوں کو بھی تو اسی میں سے دیں گے آخر۔ اور پھر کنجی تو سب کی انہیں کے ہاتھ ہے۔ داروغہ ہیں کہ نہیں۔ اگر نہ چاہیں تو ایک حبّہ تو ملے نہیں آپ ہیں کن خیالوں میں جناب!۔

میاں بیوی کی میٹھی میٹھی باتیں

نواب صاحب محل سرا کی چھت پر اوس میں پلنگ پر بیٹھے ہوئے حقّہ پی رہے ہیں۔ اور بیگم صاحب پلنگڑی پر بیٹھی اپنے ہاتھ سے گلوریاں بنا رہی ہیں۔ بیس مٹکوں سے چھت پر چھڑکاؤ ہوا تھا، اور ہوا بھی ٹھنڈی ٹھنڈی چل رہی تھی، جو جھونکا آتا تھا، روح کو تازگی بخشتا تھا۔ بڑی فرحت حاصل ہوتی تھی۔ بیگم صاحب تو از بس محظوظ تھیں۔ کہ قمرن غائب غلہ ہوگئی اب ہم ہی ہم ہیں۔ مگر نواب صاحب کو آج قمرن کی جدائی اس قدر شاق گذری کہ دو بار ٹھنڈی سانسیں بھریں۔ اور دل میں بصد ہزار حسرت سوچنے لگے کہ یاالٰہی یہ کیا اسرار ہے۔ قمرن کو ان ظالموں نے کہاں بھگا دیا۔ ہائے مجھے کسی مصرف کا نہ رکھا۔ اِدھر کا رہا نہ اُدھر کا۔ اِدھر ہیں نہ اُدھر ہیں یہ بلا کدھر ہیں۔ بیگم صاحب ان سے باتیں کرتی ہیں تو یہ اکھڑی اکھڑی باتیں کرتے ہیں۔ دل تو اور طرف مخاطب تھا۔ یہ طبیعت دار عورت تاڑ گئیں کہ۔ ؎

پاتی ہوں کچھ انتظار کے طور
رُخ میری طرف نظر کہیں اور

مگر چھیڑنا مناسب نہ سمجھیں۔ کہ مبادا دل کو ٹھیس لگے۔ یا یہ اس قدر جو لحاظ ہے وہ

بھی جاتا رہے تو پھر بری ٹھہرے گلوری بنا کر نواب صاحب کو دی اور کہا یہ آج تمہاری طبیعت کیسی ہے۔ کچھ سست سے معلوم ہوتے ہو۔ یہ کشتۂ عشق کیا کہیں کہ کیوں سست ہیں کہا تم کو محبت سے معلوم ہوتا ہے ہم تو سست نہیں ہیں۔ فضل الٰہی ہے یہ تم نے کاہے سے جانا کہ ہم سست ہیں۔

بیگم صاحب تو خوب سمجھی ہوئی تھیں کہ ثمن کا عشق چرایا ہے اس کی مفارقت حد سے زیادہ ناگوار ہے۔ مگر بات کو ٹال دیا۔ کہا اس وقت کچھ کھانے کو جی چاہتا ہے کوئی شئے منگواؤ۔ نواب صاحب کو غم کھانے سے فرصت کہاں تھی کہ کھانا کھاتے۔ کہا نہیں اب اس وقت بس حقّہ ہی پینے کو جی چاہتا ہے۔ تم نے جو گلوری اس وقت دی تھی کتنی عمدہ گلوری تھی واللہ۔ پسینے آگئے۔ دیکھو لونا۔ مارے پسینے آگئے۔

بیگم صاحب نے رومال سے پسینا پونچھا۔ اور ایک گلوری اور بنا کر دی۔

نواب۔ بشیرالدولہ کو ہم نے بلوایا تھا۔ مگر وہ نہ آیا۔ کمبخت کیا معلوم ہم سے کیوں خفا ہے۔

بیگم۔ وہ تو ماندے ہیں۔ اس دن زخمی ہوئے تھے نا۔ اب کیا حال ہے علاج کس کا ہوتا ہے

نواب۔ ایک جرّاح کا علاج ہوتا ہے۔ نامی آدمی ہے اور دور تک مشہور ہے۔ اچھا علاج کرتا ہے بہت جلد افاقہ ہوگا۔ اب کچھ خوف کی بات نہیں ہے۔

بشیرالدولہ کا نام سن کر بیگم صاحب کو وہ کل باتیں یاد آگئیں، تو چہرے کا رنگ کسی قدر متغیّر ہو گیا اور اس کا سبب ظاہر ہے۔ پہلے تو نواب صاحب سے میٹھی میٹھی باتیں ہو رہی تھیں۔ مگر اب اس تذکرے نے ان کو بد دماغ کر دیا۔ لیکن سنبھل گئیں۔ اور بڑا ضبط کیا۔

بیگم۔ اے اللہ جانتا ہے مٹیا برج چلو تو بڑا لطف حاصل ہو میں کیا تم سے بیان کروں کہ کلکتہ کیسا شہر ہے۔ روئے زمین پر ایسا شہر نہ ہوگا۔ چار پانچ روز میں برابر بند گاڑی میں چپ چھپکے گئی۔ بازار میں بھیڑ ہوتی ہے۔ اور آدمیوں کا تو جنگل ہے۔ مگر ایسی ایسی عمارتیں بنی ہیں کہ میں کیا کہوں۔ ایک سے ایک اعلیٰ اور ایک سے ایک نفیس۔ جو عمارت ہے آسمان سے باتیں کرتی ہے۔ اور روپیہ کا تو وہاں مینہ برستا ہے۔ مفلس تو کوئی ہے ہی نہیں سب روپیے والے۔ اور جوڑیوں اور گاڑیوں کی تو اس قدر افراط ہے کہ میں کیا کہوں بازار میں جو ہماری گاڑی نکلی تو کیا دیکھتی ہوں کہ گاڑیوں اور ٹربموی (ٹریمو ے) اور پالکیوں کا تانتا لگا ہے۔ پوچھا آج کیا ہے یہ۔ یہ اتنی گاڑیاں کہاں جا رہی ہیں۔ کچھا کھچ لدی ہوئی۔ تو بوا چاندنی نے

کہا یہ تو روز مرّہ حال رہتا ہے۔ یہاں یہ کچھ نئی بات تھوڑا ہی ہے۔ آپ نئی نئی آئی ہیں، اس سے تعجب ہوتا ہے اور مٹیا برج کی آب و ہوا تو ساری دنیا سے عمدہ ہے ایسی ہوا تمام دنیا میں نہ ہو گی۔ مٹیا برج کا ہے کو بہشت کہنا چاہیے۔ نمونہ تو بہشت ہی کا ہے۔

نواب۔ (ہنس کر) تم اس طرح کہتی ہو جیسے سچ سچ دیکھ ہی آئی ہو بہشت کو مگر انصاف سے درگذر نہ کرنا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ ہو بہشت کی پری ہی۔ بلکہ پری سے بڑھکر۔ پری کی کیا اصل و حقیقت ہے۔ پری سے بڑھکر ہو۔

بیگم ۔ اب بہت بناؤ نہیں۔

نواب۔ بنانے والے کو خدا غارت کرے۔

ب ۔ تو ہم حور ہیں اور تم کیا ہو۔

نواب۔ حور کے میاں ہیں اور کیا ہیں۔

ب ۔ آج بڑی عنایت ہے ہمارے حال پر۔

نواب۔ تم کو لوگ لڑواتے ہیں خواہی نخواہی۔

ب ۔ بس یہ تو تمہاری باتیں ہیں ہم کب ماننے لگے ہیں۔ یہ تو سب گپ ہی گپ ہے بس۔ موئی قمرن کو اب تک یاد کیے جاتے ہو۔ اور باتیں بناتے ہو، اوپر سے۔

نواب۔ میں تو بھئی اس کا نام بھی نہیں لیتا بیچاری کا۔

ب ۔ (تیکھی ہو کر) بیچاری یا موئی بدکارہ عورت پاجی ٹکے کی عورت۔ بیچاری! بیچاری! ہونھ۔

نواب۔ تم نے ان کو دو ہی چار بار تو دیکھا ہے۔

ب ۔ اخاہ ان کو۔ اس کو نہیں کہتے۔ ان کو بڑے بڑے خطاب ملنے لگے موئی منہارن کو۔

نواب۔ (مسکرا کر) خبردار موئی و وئی نہ کہا کرو ہمارے معشوق کو۔ یہ کون خراب بات ہے۔

ب ۔ اونھ۔ اونھ۔ ہمارے معشوق کو۔

نواب۔ ذرا زبان سنبھال کے بولا کرو (ہنستے ہوتے) خبردار کہدیا ہے۔ بس اب ہوشیار رہو ہاں

ب ۔ (شوخی کے ساتھ) بہت خوب سرکار۔ کان پکڑے اب ایسی خطا نہ ہونے کی۔ مجھے کیا غرض پڑی ہے کہ موئی قمرن کو موئی قمرن کہوں۔

نواب۔ (قہقہہ لگا کر) کیا باتیں ہیں تمہاری بھی۔

ب ۔ اوّل تو وہ اشراف۔ میں بچاری غریبنی۔

نواب ۔ (ہنس کر) دیکھو تو سہی۔ انصاف شرط ہے۔

ب ۔ وہ محلوں میں رہنے والی۔ میں بچاری جھونپڑوں میں اتنی بڑی ہوئی۔ تمہارے یہاں آکے البتہ محل سرائیں اور عظیم الشان عمارتیں دیکھنے میں آئیں۔

نواب ۔ ان میں اور تجھ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

گو ہنسی ہو رہی تھی اور نواب صاحب اور بیگم صاحب دونوں کو معلوم تھا کہ مذاق ہی مذاق ہے۔ مگر نواب صاحب نے جو قمرن کے لئے (اُن) اور بیگم صاحب کے لئے (تجھ) کا لفظ استعمال کیا تو یہ بگڑ گئیں۔ حالانکہ نواب صاحب نے صرف چھیڑنے کے لئے کہا تھا۔ کہا اللہ جانتا ہے۔ ہم اُٹھ کے چلے جائیں گے یہ کہہ کر کھڑی ہو گئیں تو نواب صاحب نے اُٹھ کر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے پلنگ پر بٹھایا۔

بیگم صاحب تو ان کے دیکھنے کو ترستی تھیں، بات کرنے کو ترستی تھیں، آج جو نواب صاحب نے اس قدر محبت ظاہر کی تو ان کی روح مسرور ہو گئی۔ نواب نادر جہاں بیگم کی پاکدامنی واقعی قابل تعریف ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کی پاکدامنی کی قسم کھانی چاہیے۔

نواب نادر جہاں بیگم کا ستارۂ اقبال آج بلند ہو گیا۔ کہ نواب نامدار نے ان سے اس قدر اظہار محبت کیا تو بہت ہی خوش تھیں کہ اب پالا مار لیا ہے۔ قمرن کا نواب صاحب نام بھی زبان پر نہیں لاتے۔ جب نواب صاحب کسی ضرورت سے باہر کوٹھی میں گئے تو بیگم صاحب اور مغلانی میں یوں گفتگو ہونے لگی۔

مغلانی۔ حضور اللہ کو اچھا کرنا ہوتا ہے تو یوں کرتا ہے۔

بیگم ۔ اے ہتے پر نہ لو کو مغلانی ۔

مغلانی۔ حضور میرا تو جی خوش ہو گیا ہے۔

ب ۔ کیوں نہیں۔ جی خوش ہونے کی بات ہی ہے۔

م ۔ اب موئی قمرن کا ذکر بھی نہیں کرتے۔

ب ۔ دیکھو جو اللہ کو اچھا کرنا ہو گا تو اچھا ہی ہو گا۔ نہیں تو کوئی اس سے لڑ سکتا ہے کیا مجال اس کی کریمی کے صدقے ۔

م ۔ سرکار اس کو کسی حالت میں نہ بھولنا چاہیے۔ جو اس کو بھولے گا وہ کہیں کا نہ رہے گا۔

ب ۔ جب انسان اس قدر سمجھے بھی تو۔ سمجھتا ہی تو نہیں ہے، جو یہ سمجھے تو دلی نہ ہو جائے۔

پھر انسان میں اور فرشتے میں کیا فرق رہے کچھ بھی نہیں۔ دونوں ایک ہو جائیں۔ یہ بہت مشکل بات ہے۔

عورتیں ضعیف الاعتقاد تو عموماً ہوتی ہی ہیں۔ نواب نادر جہاں بیگم نے اور کوششوں کے علاوہ گنڈے، تعویذ، جادو ٹونے سے بھی نواب صاحب کو مسخر کرنا چاہا۔ بڑی بڑی فکریں کیں، سینکڑوں منصوبے کیے۔ مگر گنڈہ تعویذ اور جادو ٹونا تو بخیر۔ نواب بشیر الدولہ بہادر کی مساعی جمیلہ نے البتہ وہ کام کیا کہ سحر سامری بھی اس کے مقابل میں مات ہے بیگم صاحب کو اکثر ان کی خادمہ عورتوں نے دونوں ہاتھوں سے لوٹا اور چونکہ دل سے لگی تھی کہ جس طرح ممکن ہو نواب صاحب کی تالیف قلوب کریں۔ لہٰذا جس نے جو مانگا اس کو دیا۔ ان دونوں میاں بیوی کی طبائع مختلف کا فرق پُر ظاہر ہے میاں تو آج نازو پر جان دینے لگے۔ کل قمرن پر لٹو ہو گئے پرسوں مجذوبہ پر ڈورے ڈالنے لگے۔ اور بیوی کی یہ پاکدامنی کہ اُف تک نہیں کرتی جب رات ذرا بھیگی تو یوں مکالمہ ہونے لگا۔

بیگم ۔ کیوں نواب کبھی ہمارا بھی خیال آتا تھا سچ کہنا تم کو ہمارے سر کی قسم۔

نواب۔ اچھا تم پہلے اپنی رائے دو پھر ہم بتائیں گے۔

ب ۔ یہ نہ ہونے کا پہلے تم بتاؤ۔ پھر ہم۔

نواب۔ ہمیں بڑا قلق تھا کہ تم جا کے کلکتے بیٹھ رہیں۔

ب ۔ ہاں اور دن بھر میں کے بار یاد کرتے تھے۔

نواب۔ کوئی خدا جھوٹ نہ بلوائے تو سو بار سے کم تو نہ یاد کرتا ہوں گا۔

ب ۔ اخاہ جبھی یہ ہم کو بار بار ہچکیاں آتی تھیں۔

نواب۔ ہاں ہاں۔ تم کو یقین آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

ب ۔ کیوں نہیں امی جان ہم سے کہتی تھیں کہ بیٹا جب کوئی چاہ سے کسی کو یاد کرتا ہے تو اس کو ہچکیاں ضرور آتی ہیں۔

نواب۔ تم تو بناتی ہو اور ہم دل سے کہتے ہیں۔

ب۔ کیوں جی تم ہم کو پاگل ہی سمجھتے ہو کیا۔

نواب۔ وہ تو ہم سمجھے ہی ہوے تھے کہ تم کو ہماری اس بات کا یقین نہ آئے گا بس وہی ہوا نا ہم سے چاہے جس کی قسم لو۔ ہم دن بھر میں سو سو بار تم کو یاد کرتے تھے۔ مگر ہمیں بڑا غصہ

تھا کہ تم جا کے ٹلیا برج میں بیٹھ رہیں۔ ہم نے بھی قسم کھالی تھی کہ ہم نہ بلوائیں گے۔

بیگم صاحب نے ہنس کر کہا۔ ان دونوں باتوں میں ایک بات تو بے شک صحیح ہے کہ تم نے عہد کر لیا تھا کہ بلانے کا نام بھی نہ لوں گا۔ اس میں تو شک نہیں ہے۔ اور تم کو ضرورت ہی کیا تھی قمرن کے عشق کے آگے مجھ بیچاری کی کیا پڑی تھی۔ یہ تو تم نے میرے دل کی بات کہی کہ قسم کھالی تھی کہ ہرگز ہرگز نہ بلواؤں گا۔ میں بے حیا از خود چلی آئی۔ اور یہ جو تم نے کہا کہ سو سو بار یاد کرتا تھا یہ سب غلط ہے۔ تم خدا سے دعا مانگتے ہو گے کہ بلا وہاں ہی رہے تو اچھا۔ اب دیکھو نہ میرے آنے سے کتنا نقصان ہوا۔ نہ قمرن ہے نہ ناز و ہے۔ کسی کا پتا نہیں۔ تمہارے عیش میں خلل واقع ہوا مزہ کرکرا ہو گیا۔ اور تم جو یہ ہم سے پوچھتے ہو کہ کس کی قسم کھاؤں جس کی قسم کہو کھاؤں۔ اچھا لے بھلا قمرن کی قسم تو کھاؤ۔ قمرن کی قسم کھاؤ تو جانیں۔

نواب صاحب کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ بیگم تم بڑی بدگمان ہو تمہاری بدگمانی نے مار ڈالا۔ کسی بات کو تو سچ مانو جانی تم تو ایک سرے سے ہر بات کو غلط ہی سمجھتی ہو۔ اچھا خیر پھر اب تو جو ہوا سو ہوا گذشتہ را صلواۃ۔ اور آئندہ را احتیاط۔ اب توبہ کی۔ بس اگر کوئی بات اس قسم کی سنو تو جبھی کہنا۔ بیگم صاحب نے مسکرا کر جواب دیا۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ آج تک نہ ہماری سمجھ میں آئی اور نہ آئے گی کہ اگر ایسا ہو تو جبھی کہنا۔ جب وہ ہو جائے گی تو پھر کہیں گے کیا اور کہنے سے ہوتا کیا ہے تمہاری یہ حرکتیں جائیں گی تھوڑی۔

نواب نے بڑے احتیاط اور تپاک کے ساتھ بیگم صاحب سے میٹھی میٹھی باتیں کیں اور کہا آج شب کو ہم تم کو سونے نہ دیں گے چاہے ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے۔ اتنے دنوں کی کسر آج نکالیں گے مہینوں ہو گئے کہ ہم سے بات چیت تک کی نوبت نہ آئی اتنے روز کی کسر آج نکالو اور باتیں کرتے کرتے ٹوکا کر دو۔

بیگم صاحب کو یقین کامل تھا کہ آج نواب دلی محبت سے ہم سے پیش آئے۔ اب قمرن کو بھولتے جاتے ہیں۔ یہ خود بھی لگاوٹ بازی کی باتیں کرنے لگیں۔ کہ کیا معلوم تم کو اس قمرن کی کیوں اس قدر محبت ہے اس میں کیا ہے۔ اللہ جانتا ہے ٹلیا برج میں پچاسوں عورتیں اس قسم کی ہیں کہ وہ ہم پر عاشق ہیں جان دیتی ہیں۔ مردوں کی کون اصل وحقیقت ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی سارے زمانے میں نہیں ہے۔ مگر سو پچاس نہیں ہزار دو ہزار میں ایک ہوں۔

نواب صاحب نے کہا کیوں نہیں ہم کیا برے ہیں ہم بھی تو لاکھ دو لاکھ میں ایک ہیں ہمارا سا خوبصورت اور حسین آدمی بھی کوئی تم نے دیکھا ہے۔ ہم میاں بیوی دونوں ایک سے ہیں۔ بیوی عورتوں میں بے مثل اور میاں مردوں میں بے نظیر۔

بیگم ۔ ہاں تمہارے حسین ہونے میں کیا شک ہے۔

نواب۔ ہم تم دونوں ایک سے ہیں۔

ب ۔ مگر تم تو ہم کو بدقطع بدقوارہ سمجھتے ہو۔

نواب۔ نہیں بیگم ایسی بات نہیں ہے جان من۔

ب ۔ اچھا اب سو رہو۔

نواب۔ واللہ سونے نہ دوں گا۔ یہ شرط آپ سے نہ تھی۔ باتیں کیسے جاؤ آج بہت دن کے بعد باتیں ہوئی ہیں۔ خدا جانے کس ظالم نے تفرقہ پردازی کی خدا اس کو غارت کرے (بوسۂ رخسار لے کر) بعد مدت آج یہ بوسہ نصیب ہوا۔ شکر خدا ہزار شکر خدا۔ اب خدا سے یہ دعا مانگو کہ ہم تم پھر اسی محبت اور لطف کے ساتھ بسر کریں جس طرح پیشتر بسر کرتے تھے۔ جو ہوا وہ ہوا اب اس کا ذکر کیا۔ ہماری آنکھوں پر جیسے کسی نے پٹی باندھ دی تھی لاحول ولا قوۃ۔ مگر شکر ہے کہ اب بھی خواب غفلت سے چونکے۔ نہیں تو تڑکا ہی ہو جاتا اور یہ ساتھ کے بیٹھنے والے اور غارت کرتے تھے۔

راوی۔ نواب صاحب کی اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اب عمر بھر کبھی بدی کی طرف مائل ہی نہ ہوں گے۔ مگر ۔

توبہ بر لب سبحہ بر کف دل پر از شوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

یہ گفتگو کرتے کرتے دو دفعہ خدا سے دعا مانگ چکے کہ یا خدا وہ دن دکھا کہ قمرن سے ملاقات ہو۔

ب ۔ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ تمہارے اس کلام سے میرا جی کس قدر خوش ہوا۔ میرا ہی دل جانتا ہے۔ مگر تمہارا اعتبار کیوں کر ہو، خرابی تو یہ ہے۔ آج کچھ کہتے ہو۔ کل کچھ کہوگے پرسوں کچھ اور ہی رائے ہوگی۔ اس گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کو کوئی کیا کرے۔ اور کسی کو کیوں کر تمہارا اعتبار ہو۔

نواب صاحب نے پھر رخسار تاباں کا بوسہ لے کر کہا جان من یہ سچ ہے کہ آزمودہ را آزمودن جہل ست۔ مگر یاد رکھنا کہ اب کی جو بات کہدی تو پتھر کی لکیر ہے۔ اور ے

ع ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

ایک ہفتے تک آزمائش کر کے دیکھ لینا کیا مجال ہے جو ابکی نکل جاؤں۔ دیکھ لینا۔ بس ایک ہفتے میں تم کو خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

بیگم صاحب نے پھولوں کے ہار جو شام سے منگوائے تھے اٹھائے اور مہری کو حکم دیا کہ پانی سے تر کر دو مہری پانی سے تر کر کے لے آئی۔ نواب صاحب کو یہ خوشبو بہت بھائی کہا بیگم تمہاری تو سانس سے خوشبو آتی ہے۔ زلف سے خوشبو آتی ہے، بدن سے خوشبو آتی ہے۔ تم کو بھلا اس کی کیا ضرورت ہے کہ پھولوں کے ہار، پھولوں کی بدھیاں، پھولوں کے طوق منگاؤ کہا پھولوں کے ہار اس واسطے منگوائے ہیں کہ تم ہماری قدر زیادہ کرو۔ پوچھا یہ کیا کہا سمجھ جاؤ۔ انھوں نے غور کر کے کہا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہا یہ پھول اس لئے منگوائے کہ دیکھو یہ تو دو ہی گھڑی میں کمھلا جاتے ہیں۔ اور ہمارے گال وہ گل ہیں جو سدا بہار ہیں سینچنے اور پانی سے تر کرنے کی اصلا ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے ہماری زلف عنبر بار کی قدرتی خوشبو ایسی ہے کہ پھولوں کی کیا اصل ہے۔ پھول بھی اس کے مقابل میں گرد ہیں۔

نواب صاحب نے بوسہ لے کر کہا خدا جانتا ہے کیا بات کی ہے۔ جی خوش ہو گیا۔ اس وقت واقعی کیا خوب بات پیدا کی ہے اور آپ کی زلف کی خوشبو کی تو ہم پہلے ہی تعریف کر چکے ہیں

یہ باتیں ہوتے ہوتے بیگم صاحب کی آنکھ لگ گئی تو نواب صاحب کی محبت اس کی مقتضی نہ ہوئی۔ کہ ان کو کچی نیند جگائیں دو بار چاہا کہ دوسرا تکیہ بھی سر کے نیچے رکھدیں۔ مگر اس خوف سے کہ مبادا آنکھ کھل جائے مبادرت نہ کی ے

بار آرام میں ہے وصل کی شب آخر ہے
متحیّر ہوں کہ بیدار کردن یا نہ کردن

گردن اٹھا کر جو بیگم صاحب کے چہرۂ زیبا پر نظر ڈالتے ہیں تو ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ اور بعد مدت بیگم صاحب کے حسن صبیح نے ان کے دل پر رنگ اثر جمایا۔ زلف مشک فام مشکبار کا چہرے پر سے ہو کر تکیے پر پریشان ہونا عجیب لطف اور مزہ دکھاتا ہے۔

اپنے دل میں نواب صاحب سوچنے لگے کہ واللہ ایسی حسین طرحدار گلبدن، باغ،

وہ بہار، غیرتِ مہر کے ساتھ اس بے اعتنائی سے پیش آؤں بڑے افسوس اور بڑے شرم کی بات ہے۔ میری آنکھوں پر غفلت کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ایسی پری کے ساتھ اور یہ بے اعتنائی۔ اس وقت جی چاہتا ہے۔ کہ بیگم کو جگا کے ان کے پانوں پڑیں۔ ہائے ستم۔ ارے اس پری کی میں نے قدر نہ کی برا کیا سوچتے سوچتے بیگم صاحب کا شانہ پکڑ کر ہلایا۔ انھوں نے پہلے تو ہاتھ غفلت میں جھٹک دیا۔ مگر نواب صاحب نے پھر جگایا اور کہا بیگم ذری ایک بات تو سنو ایک بات سن تو لو۔ سو رہنا۔

اس پر بیگم صاحب نے رسان سے کہا۔ اے تو کل سویرے کہہ لینا۔ مارے نیند کے برا حال ہے۔

نواب۔ ایک بات سُن لو۔ بس سو رہو بیگم۔ سمجھیں۔

بیگم ۔ اچھا کہو مگر طول نہ دینا کہ ختم ہی نہ ہو کہیں۔

نواب۔ تو یوں نہیں اٹھ بیٹھو۔ اور منھ دھو ڈالو۔

ب ۔ اوئی یہ بڑی قواعد ہے۔ اُٹھو اور مُنھ دھو۔

نواب۔ لے اب اُٹھ بیٹھو۔ جھٹ پٹ اور منھ دھو ڈالو۔

ب ۔ اچھا کہیے۔ کہو کیا بات ہے کہ پچھلے پہر سے جگا دیا۔ کون مصلحت ہے ۔

نواب۔ پہلے منھ دھو ڈالو۔ جو شرط ہے وہ بجالاؤ۔

راوی۔ بیگم صاحب نے منھ دھویا اور گلوری کھا کر پلنگ پر بیٹھیں اور کہا اب بتاؤ۔

نواب صاحب نے کہا اللہ جانتا ہے اس وقت جی چاہتا ہے کہ۔ ٹوکنا نہ تم۔ تم ضرور ٹوک دوگی۔ ٹوکو نہ تو کہیں ہمارا اس وقت جی چاہتا ہے کہ ہم۔ اب کہی ڈالوں۔ خدا جانتا ہے کہ ہمارا اس وقت جی چاہتا ہے کہ ہم تمہارے ہاتھ جوڑیں تم نے وہ بھل منسی ہمارے ساتھ کی ہے کہ واہ۔

بیگم صاحب بہت ہنسیں کہا میں سمجھ گئی۔ میں بھی کہتی تھی کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے پچھلے پہر سے کا ہے کی مصلحت ہے اب میں سمجھ گئی کہ تم نے خواب دیکھا ہوگا۔ خواب میں اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔ نواب صاحب نے قسمیں کھا کر کہا کہ پلک سے پلک نہیں لگی اگر ذرا جھپکی بھی آئی ہو تو جو چور کی سزا وہ میری سزا ہیں تو تمام رات تمہاری صورت اور تمہارے چہرے کو گھورا کیا۔ بیگم اب ہمارا قصور معاف کر دو۔ ہم نے تمہارے ساتھ بڑی بے اعتنائی

کی، اور بے اعتنائی کیا معنی پاجی پن کیا۔ ہم کو اس کا بڑا افسوس ہے۔ مگر اب تو جو ہوا وہ ہوا۔ اب آج سے قسم کھالی۔ سچ کہتے ہیں۔ گھر کی مرغی دال برابر۔ ہم نے تم ایسی پری کی قدر نہ کی۔ برا کیا مگر خیر اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔

بیگم صاحب کو ان کے طرز تقریر اور خوشامد کی باتوں سے یقین ہوگیا کہ اب ان کی رائے بدل گئی اور سیدھے دھرّے پر آگئے۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ادا کیا کہ کہاں وہ دن تھا کہ ہم بدحواس سخت پریشانی کے ساتھ مٹیا برج سے چلے تھے اور کہاں آج کا دن خدا نے دکھایا کہ نواب ہم سے معافی مانگ رہے ہیں۔ کہ ہماری خطا معاف کرو اس کی شان کے صدقے کیا رحم کیا ہے

بیگم اور نواب میں جو میٹھی میٹھی گفتگو مزے مزے سے ہونے لگی تو تڑکا ہوگیا اور دونوں کے دونوں آہستہ آہستہ چھت پر ہوا کھانے لگے اور ٹہلنے لگے۔ دونوں کے دل خوش تھے۔ اتنے میں پڑوس کے ایک مکان کی مہتابی پر ایک مور آن کے بیٹھا اور جھوم جھوم کے چلنے لگا چونکہ اس دن بدلی تھی اور ابر خوب گھرا ہوا تھا۔ مور ناچنے لگا۔ نواب صاحب نے کہا یہ آج نئی بات دیکھنے میں آئی۔ باغوں میں بنوں میں جنگلوں میں مور کو ناچتے دیکھا تھا مگر مکان کی چھت پر ناچتے آج ہی دیکھا۔

بیگم صاحب نے کہا دیکھو نواب آج جو ابر ہے اور یہ ابر کا عاشق زار ہے تو کیا مست ہے اور کیسا جھوم رہا ہے جبھی مکان کی چھت پر آج ناچا۔

اتنے میں کہیں سے آواز آئی۔

کن مارو مور ریلا بتا پاپی۔ کن مارو موریلا۔

تڑکے کا سہانا وقت اور ابر گوہر ریز و جواہر خیز کچھ لون ہی سا ترشح ہو رہا تھا۔ اور طاؤس زریں پر و بال سامنے مصروف رقص ہے اور ایک خوش گلو آدمی لہرا لہرا کر گا رہا ہے۔

کن مارو موریلا بتا پاپی کن مارو موریلا۔

اتنے میں مہری حقّہ بھر کر لائی۔ جھک کر آداب عرض کیا مور کو دیکھ کر کہا سرکار یہ مورنی ہے۔ اس سامنے والے باغ میں رہتی ہے۔ پالو ہے۔

ب ۔ کیا مورنی بھی ناچتی ہے یا مور ہے۔

نواب ۔ یہ ہمیں نہیں معلوم۔ اس کی تحقیقات ہمیں نہیں ہے۔ کسی واقف کار سے پوچھیں گے موروں کو ناچتے تو ہم نے اکثر دیکھا ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ مورنی بھی ناچتی ہے۔

مہری ۔ حضور جس جانور کا نر ناچتا ہے۔ اس کی مادہ بھی ناچتی ہے۔ یہ تو کھلی بات ہے۔

نواب۔ مور پیلا ابر کا عاشق ہے، اور بھونرا کنول کا۔ اور بلبل گل کی عاشق ہے۔ اور فاختہ شمشاد پر عاشق ہے۔ پروانہ شمع کا عاشق ہے اور (اپنی طرف اشارہ کرکے) نواب بیگم صاحب کا عاشق ہے۔

اس پر بیگم صاحب اور مہری دونوں مسکرائیں۔

مہری۔ حضور کیا اچھا سماں ہے اس وقت۔

بیگم ۔ اس وقت جی چاہتا ہے کہ باغ میں جھولا پڑا ہو اور پینگ چل رہے ہوں اور تانیں پڑتی ہوں۔

کیسے جھولوں میں راج ہنڈولہ

نواب۔ اہاہاہا کیا تان لگائی ہے بیگم صدقے اس آواز کے۔ واللہ کیا پیاری آواز ہے۔ ہاں بیگم ذرا پھر گاؤ۔

شیطان کی تھوتنی بہادر

ایک نوجوان اور خوبصورت پارسی بڑی لمبی چوڑی ٹوپی سر پر رکھے اور کوٹ پتلون پہنے بنارسی باغ کی ہوا کھا رہے ہیں کہ اتنے میں ایک بزرگوار جو ایک روش میں بیٹھے ہوا کھاتے تھے ان کو دیکھ کر اُٹھے اور قریب جا کر پوچھا آپ کا اسم شریف۔ پارسی نے کہا صاحب ہمارا نام نوشیرواں جی ہے پوچھا یہاں آپ کیا کرتے ہیں۔ کہا ہم ایک تھیٹر کے مالک ہیں۔ ہم اندر سبھا میں پکھراج پری بنتے ہیں۔ اور بلبل بیمار بنتے ہیں۔ لیلی بنتے ہیں گلزار نسیم کی بکاولی ہمیں ہیں۔ ہمارا ہی پھول چوری گیا تھا۔ یہ گرما گرم تقریر سن کر یہ بزرگوار دنگ ہو گئے۔ مگر ان کی سمجھ میں پارسی کی تقریر اچھی طرح نہیں آئی۔ پوچھا آپ کسی اندر سبھا کے ممبر ہیں اس نے کہا پارسیوں کی ایک کمپنی آئی ہے اس تھیٹر کے مالک ہمیں ہیں اور پکھراج پری ہم خود بنتے ہیں۔ پوچھا اس وقت صرف ہوا کھانے آئے ہوں گے کہا نہیں کرنل مٹلو صاحب نے ہم سے کہا تھا کہ آپ بنارسی باغ میں پانچ بجے آئے گا تو ہم وہاں آپ سے ملیں گے۔ انھیں کی تلاش میں ہم آئے ہیں۔ آپ ہمارے تھیٹر میں کیوں نہیں آتے۔ انھوں نے کہا ہم نے آج تک تھیٹر کا نام ہی نہیں سُنا تھا اب آج ہم آئیں گے آپ اپنا پتا دیجئے تو ہم آپ سے ملیں۔ تھیٹر میں تماشا ہوتا ہے۔ گانا بجانا ناچنا ہوتا ہے یا کچھ اور بھی۔ پارسی نے کہا جی ہاں ناچتے ہیں گاتے ہیں۔ بجاتے ہیں۔ نقلیں ہوتی ہیں۔ ہنسی دل لگی کی باتیں ہوتی ہیں۔ بڑا لطف رہتا ہے۔ آپ ضرور آئیے۔ ان بزرگوار نے حتمی وعدہ کر لیا کہ ضرور بالضرور

لہ مراد ہے مثنوی گلزار نسیم مصنفہ دیاشنکر نسیم لکھنوی جس میں گل بکاولی کا قصہ نظم کیا ہے۔

آئیں گے۔ پارسی نے اپنا کارڈ دیا اور کہا ہمارا تماشا لال باغ میں ہوتا ہے مگر ہم حضرت گنج میں نوروز جی کی کوٹھی کے سامنے ایک مکان میں ٹکے ہیں۔ یا آپ جہاں فرمائیں وہاں ہم آئیں۔ کہا ہم اس کا جواب آپ کو پیچھے دیں گے۔

پارسی رخصت ہوا تو آپ سوچنے لگے کہ بھئی یہ عقدہ آج کھلا کہ پکھراج پری بننا بڑی عزت کی بات ہے۔ صاحب لوگ آرزو ملاقات کی رکھتے ہیں۔ کرنیل جرنیل ملتے ہیں اور شکل صورت لباس سے بھی بھلے مانس معلوم ہوتے ہیں۔ گھڑی بھی قیمتی لگائے ہوئے ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہی نہ تھا۔

یہی باتیں دل میں سوچتے ہوئے آپ گھر پر آئے خط بنوایا۔ گھڑا کے نہائے۔ اور نہا کے کپڑے بدلے عطر ملا اور چلے اُسی پارسی کے ہاں۔

پارسی۔ آئیے۔ ہم آپ کی انتظار ہی کرتا تھا ابھی۔" ہم وعدے کے سچے ہیں" صاحب آپ کا نام ہم بھول گیا ذرا پھر ارشاد فرمائیے۔

پارسی۔ ہمارا نام نسروانجی اور آپ لوگ کہتے ہیں نوشیرواں جی ہم اس کمپنی کا مہتمم ہے اور پکھراج پری بنتا ہے آپ ضرور تشریف لائیے خوب تماشا ہوتا ہے۔

بزرگوار۔" بہت اچھا وہاں کون کپڑے پہن کے آنا ہوگا۔"

پارسی۔ جو آپ کا جی چاہے کپڑے سے مطلب ہے۔

بزرگوار۔" نہیں ہم نے کہا منڈا سا باندھ کے آئیں۔ یا مندیل ہو"۔

پارسی ۔ یہ آپ کی خوشی کا بات ہے جو مرضی ہو۔

بزرگوار۔ اچھا تو منڈاسا باندھ لیں گے اور چغہ پہن لیں گے۔ مگر کیا صاحب لوگوں کو سلام بھی کرنا ہوگا۔ اور ڈالی والی بھی کچھ لیتے ہی آئیں۔ دو چار روپیہ میں میرا کچھ بنتا بگڑتا نہیں ہے۔ اور صاحب لوگ خوش ہو جائیں گے۔ شاید رائے بہادر کا خطاب دے دیں، یا کوئی علاقہ دے نکلیں تو قبلہ عمر بھر کی روٹیاں ہو جائیں، اور مزے سے زندگی بسر ہو۔

یہ اُول جلول تقریر سن کر پارسی کو یقین کامل ہو گیا کہ یہ کوئی سادہ لوح گول آدمی ہیں۔ کجا تھیٹر اور کجا ڈالی۔ یہ مسخرہ بکتا کیا ہے۔

پارسی ۔ ڈالی اچھی لائیے گا۔ مربے کی اچاریاں ہوں اور عمدہ عمدہ اچار ہوں۔ لوزیات ہوں۔ میوے ہوں۔ اولے ہوں۔ اور تھوڑی چٹنی ہو۔

بزرگوار۔ آپ دیکھتے تو جائیے مجھے سکھاتے ہیں آپ۔

پارسی۔ اور نذر دکھانے کو بھی کچھ لیتے آیئے گا صاحب۔

بزرگوار۔" نذر دکھانے کو کیا لائیں دو چار روپے کی بات ہو تو کیا مضائقہ زیادہ تو نہیں دے سکتے۔"

پارسی۔ کم از کم پانچ روپے تو ہوں۔ بس بہت ہیں۔

بزرگوار۔" چار روپے لائیں گے اور ضرور نذر دکھائیں گے۔"

پارسی۔ اور جوتا یہ چمرودھانہ پہن کے آیئے گا۔

بزرگوار۔ اچھا بوٹ خرید لیں گے۔ وارنش کا عمدہ بوٹ۔

پارسی۔ جتنا گڑ ڈالو گے اتنا میٹھا ہوگا۔ بات تو یہ ہے۔ جو اچھا کپڑا پہن کے آؤ گے تو صاحب لوگ بھی قدر کریں گے۔ اور میلا کپڑا ہوگا تو سمجھ جائیں گے کہ ایسا ویسا آدمی ہے جو سو کی نوکری دیتے ہوں گے تو دس کی دیں گے۔

بزرگوار۔ اجی ہم خوب فوق البھڑک کپڑے پہن کے آئیں گے۔

پارسی۔ تو اب ذرا سویرے سے آیئے گا۔ نو بجے ہمارا تھیٹر کھلتا ہے آپ آٹھ بجے آیئے گا۔

یہ بزرگوار (یعنی مہاراج بلی) پارسی سے رخصت ہو کر گھر پر آئے اور یہاں سے روپے لیکر بازار گئے۔ اور یہ سودا خریدا کشمش۔ پستہ۔ بادام۔ خرما۔ اولے۔ مربہ آم۔

عہ عہ ۱۵/۲۵ عہ عہ عہ ۱۱/عہ

مربہ پیٹھا۔ چٹنی۔ کیوڑا۔ گلاب۔ عطر۔

عہ عہ ۲۱/عہ عہ عہ

یہ سودا لا کر گھر پر رکھا۔ اب بیوی سے سیدھی بات نہیں کرتے۔ گویا لکھنؤ کی گورنری مل گئی۔ یا قارون کا خزانہ پا گئے یا روس کی سلطنت کا سالانہ خراج ان کے باپ کا ہو گیا۔

ان کی بیوی نے پوچھا یہ سب کس کے لئے ہے۔ فرمایا ہتتے پرنا کو کو جی۔ کس کے لیے ہے چلیں وہاں سے ہے کس کے لیے۔ صاحب لوگوں کے واسطے ہے۔ رائے بہادر کا خطاب لیا ہیں نے۔ اب نہیں چھوڑنے کا۔ اب چھوڑنے والے کو کچھ کہتا ہوں، اپنے حساب اگر دس پانچ روپے خرچ کر کے اگر رائے بن جاؤں تو کیا حرج ہے۔ ان کی بیوی جانتی تو تھیں ہی کہ یہ بوکھل ہیں۔ اُلو کی دم فاختہ سمجھ گئی کہ منجملہ اور حماقتوں کے یہ بھی ایک حماقت ہوگی۔ بہت دن سے وحشت کی نہ لی تھی اور یہ وحشت کی نہ لیں تو کھانا کہاں سے ہضم ہو۔

آپ ہیں کہ اینٹھے جاتے ہیں، بررے جاتے ہیں۔ اکڑے جاتے ہیں زمین پر قدم ہی نہیں رکھتے۔

ہر بات میں کہتے تے کہ بس اب رائے بہادری لی۔ دو گھڑی دن رہے کپڑے پہن کر نواب محمد عسکری کے ہاں گئے اور خدمت گار کو حکم دیا سپیوں میں یہ سب سامان چمن کے ٹھیک اٹھ بجے کے وقت لال باغ میں لاؤ جہاں تماشا ہوتا ہے وہیں ہم ملیں گے۔ نواب صاحب کے دربار میں آئے تو پہلے تو لوگوں نے پہچانا نہیں۔ ارے! منشی مہراج بلی صاحب ہیں بھئی یہ آج مغبغ کیوں ہو۔ یہ چغہ اور پگڑی اور جبہ و دستار یہ کیا ماجرا ہے۔ کسی نے کہا حضور کیا خوب بنے ہیں۔ بہروپ بھرے تو ایسا۔ واللہ اس جائس والے بہروپیے کو بھی مات کر دیا ہے۔ دوسرے نے کہا بھئی رگھو گھوسی کی کتنی پھبتی ہوتی ہے۔ اس پر بڑا قہقہہ پڑا۔ رگھو گھوسی ایک بڑا اکال جواری تھا۔ اور جوے کی بدولت اس قدر امیر ہو گیا تھا کہ گاڑی گھوڑے، جوڑی، خدمت گار، نوکر چاکر، مکان عمارت، سب ہی کچھ پاس تھا۔ مگر یہ گھوسی جب باہر نکلتا تھا چغہ پہن کے اور منڈاسا باندھ کے۔ گھر پر بھی اسی قطع سے رہتا تھا۔ یہ پھبتی ان پر چھا گئی۔ اتنے میں مسخرالدولہ تشریف لائے آداب عرض ہے حضور۔ سب صاحبوں کی خدمت میں بندگی۔

نواب صاحب نے پوچھا ان کو پہچانتے ہو۔ اجی! واللہ غلام نے نہیں پہچانا تھا۔ مگر حضور خوب بنا ہے۔ پوچھا یہ کون ہیں۔ کہا حضور اب کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھتا ہوں یہ بھانڈ ہے جو دصند صوا کی نقل بنتا ہے۔ آج ماما دصوم دھام بنکے آیا ہے۔ اس لطیفے سے نواب صاحب مارے ہنسی کے لوٹنے لگے۔ اور کل حاضرین جلسہ پھڑک گئے کہا بھئی یہ بھی اچھی ہوئی۔ پہلے رگھو گھوسی کی پھبتی ہوئی تھی۔ مسخرے نے کہا رگھو گھوسی کی خوب ہوئی ہم بھی پھڑک گئے۔ یہ آج کیا ہے منشی مہراج بلی صاحب۔ یہ شملہ بمقدار علم کیسا۔ یہ چغہ کہاں سے نکالا ہے آج تو سررشتہ دار بن کے آئے ہو۔

منشی مہراج بلی نے ناک بھوں چڑھا کر فرمایا کہ آپ سب صاحب تو ہم کو پاگل سمجھتے ہیں، اور ہم آپ کو پاگل سمجھتے ہیں اور تم لوگوں کے پاگل ہونے میں کلام ہی کیا ہے۔

مسخرے نے کہا صحیح یہی ہے۔ جو حضور کی رائے ہے وہی صحیح ہے آپ کو جو پاگل سمجھے وہ خود پاگل۔ پاگل آپ کو کون کہتا ہے آپ تو پاگلوں کے قبلہ گاہ ہیں۔ آپ کو پاگل کہنا گویا مولوی کو منشی یا قصیدہ گو کو ریختی گو کہنا ہے۔

ممتن۔ واللہ اس میں ذرا فرق نہیں۔ آپ آدمی ہیں یا پاپا نجامہ۔

مہراج۔ آپ لوگ ہم کو ہنستے ہیں خیر ہنستے ہی گھر بستے ہیں مگر بندہ اب خطاب نہیں چھوڑتا

چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے۔ لون اور پھر لون۔
نواب۔ کیا بھئی کیا۔ یہ کوئی لطیفہ ہے۔ ذرا ہم بھی سنیں یہ خطاب کیسا۔
ممّن۔ کچھ اوپچ کی لی ہے اس میں شک نہیں۔ مگر یار واللہ بڑے بیوقوف ہو۔ بالکل حماقت ہیں گرفتار
اختر۔ کیا سرکار سے خطاب ملنے والا ہے۔ کیوں جناب منشی مہراج بلی صاحب بھئی ہم کو نہ بھول جانا۔
مہراج۔ سرکار سے نہ ملے گا تو کیا آپ دیں گے۔ اچھی کہی واللہ مانتا ہوں۔
اختر۔ تو بگڑتے کیوں ہو۔
مہراج۔ آپ بات ہی ایسی کہتے ہیں۔
اختر۔ یار بڑے بے وقوف ہو ہم نے تو دوستی کے خیال سے پوچھا۔ اور آپ بگڑ گئے۔
نواب۔ تو کیا سرکار سے آپ کو خطاب ملے گا۔
مہراج۔ ہاں ہاں۔ بھئی سرکار سے ملے گا۔
نواب۔ یہ بات کیوں نہیں کہتے۔ اور خطاب کیا تجویز ہوا ہے۔ نواب مہراج بلی خاں بہادر۔
اختر۔ جی نہیں۔ خان بہادر خان خانان بہادر۔
مسخرہ۔ خداوندان کے لیے کوئی خطاب ضرور تجویز ہونا چاہیے۔ منشین۔ دو منشی۔ المنشی۔ سنا نہیں یا آپ کوئی تجویز یے جیسا مناسب ہو۔
اختر۔ ہم جانتے ہیں کہ بلی کے لام کو مشدّد کر دیجیے۔
ممّن۔ کیا بات کہی ہے۔ واللہ بلی سے بڑی اور کون شئے ہے خطاب سے مطلب عظمت سے نا اور بلّی اونچی شئے ہوتی ہے۔ بس اس سے بڑھ کے اور خطاب کیا ہوگا۔
مسخرے نے کہا پھر اگر اونچے ہونے سے عظمت ہے تو میرے نزدیک بنکیش کا لگا کیوں نہ خطاب دیا جائے۔
اس پر بھی بڑی ہنسی ہوئی سب نے کہا بھئی بنکیش کالگا اس سے بڑھ کر خطاب اور نہیں ہو سکتا۔
مسخرے نے کہا یا یوں کہیے منشی مہراج بلی شیطان کے چھپر کی تھونی بہادر۔
منشی مہراج بلی اس پر بہت بگڑے۔ کاہے واسطے تم لوگ کالا سور بولنے مانگتا اس ہاپک کا ہے واسطے تم لوگ سمجھتا ہے کہ سرکار دولت مدار۔ رائے بہادر ہم کو خطاب نہیں دینے سکتا۔ یو بلڈی فول۔ ہم آج کے ایک اٹھوارے میں رائے بہادر ہو جانے مانگتا ہے۔ یہ کوئی بڑا بھاری کام

نہیں ہے۔

نواب صاحب نے تو تھمبو کر کے ان کو ذرا ٹھنڈا کیا بھائی تم تو پہلے ہی کہہ چکے ہو کہ ہنستے ہی گھر بستے ہیں پھر اب یہ چراندے کیوں ہوتے۔ خود ہی کہتے ہو اور خود ہی بگڑتے ہو یہ کیا بات ہے۔ یا تو ان سب کو ڈانٹ دو کہ تم سے ہرگز ہرگز نہ ہنسیں، اور اگر نہیں تو برا نہ مانو۔ اور میرے نزدیک تو ہنسی میں بگڑنا بڑے عیب کی بات ہے۔

منشی مہراج بلی صاحب کو نواب صاحب نے ٹھنڈا کیا۔ تو آپ آہستہ آہستہ سمجھانے لگے کہ یار تم جو چاہو سو کہو۔ مگر یہ بدمعاش لوگ جو کہتے ہیں تو میں بگڑ جاتا ہوں۔

نواب صاحب نے کہا بھئی یہاں اتنے آدمی بیٹھے ہیں مگر جو جوبن منشی مہراج بلی صاحب پر ہے وہ ایک پر نہیں ہے۔ بہت ہی خوش ہوئے۔ کہا بھئی اب کیا مجھ کمبخت پر جو جوبن ہے جوبن تو ہم پر تب تھا جب ہم پکھراج پری بنتے تھے۔ اور اب وہ سن کہاں۔

اس فقرے پر سب کے سب دنگ ہو گئے۔ جو لیٹے تھے وہ اُٹھ بیٹھے اور جو باتیں کرتے تھے وہ ہمہ تن گوش ہوئے کیا بھئی کیا بنتے تھے۔

مہراج۔ جب ہم پکھراج پری بنتے تھے پکھراج پری۔

نواب ۔ آپ پکھراج پری بنتے تھے۔ کیا اندر سبھا کے لونڈے بھی رہ چکے ہیں آپ۔

ممن ۔ حضور کیا سبزی کا ایک لوٹا زیادہ چڑھا لیا۔ بس چڑھ گئی کچے گھڑے کی۔

اختر ۔ ہاں رنگ ہیں ہیں معلوم ہوتا ہے۔ تب کیا بنے تھے منشی مہراج بلی صاحب پکھراج پری۔

داروغہ۔ پھر کیا اس میں تعجب کیا ہے۔ ارے بھئی فرشتے تو آسمان سے اترتے نہیں۔ آدمی ہی سبز پری بھی بنتے ہیں اور آدمی ہی کالے دیو بھی بنتے ہیں۔ ان کو آپ لوگ کیوں اس قدر احمق سمجھتے ہیں۔

مہراج۔ (شیر ہو گئے) انہوں میں ایک سمجھدار آدمی ہو۔ بس کشمیری ہے نا۔ یہ سمجھے بس۔

داروغہ۔ کیوں کیا تہہ کو پہونچا ہوں۔

مہراج۔ پوچھیے تعجب کیا ہے اس میں۔ فرشتے تو آتے نہیں بشر ہی راجہ اندر بھی بنتا ہے اور بشر ہی لال پری بھی بنتا ہے تم خوب سمجھے۔

داروغہ۔ اب تو نہ کہو گے (بدذات کشمیری)

مہراج۔ نہیں اب نہ کہیں گے۔ یہ ہندی، تم اہل خطہ کا کیا مقابلہ کریں گے کہ گفتہ اندسے

سبھا میں دوستو اندر کی آمد آمد ہے   پری جمالوں کے افسر کی آمد آمد ہے

اس پر بڑا قہقہہ پڑا اور بڑی دیر تک لوگ ہنسا کیے۔

ممتن ۔ اللہ کتنا برجستہ شعر پڑھا ہے۔

اختر ۔ واہ کیوں نہ ہو مہراج بلی۔

نواب ۔ ماشاءاللہ بھئی بڑی سمجھ کے آدمی ہو۔

مسخرہ ۔ ابے جا مہکو چکو سے منڈی میں تیری تلاش ہو رہی ۔بنی بخش پوچھتا پھرتا ہے کہ چودھری صاحب کدھر گئے ۔

اس پر بڑا فرمائشی قہقہہ پڑا۔ اور مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ گئے ۔

نواب ۔ بھئی واللہ بھئی خوب ہوئی ۔

اختر ۔ واللہ چودھری کی کتنی ہوئی ہے ۔

مہراج ۔ (کھسیانے ہو کر) اب ہم تمہارے یہاں کبھی نہ آئیں گے بڑی نالایق صحبت ہے ۔

اختر ۔ دیکھیے یہ باتیں اچھی نہیں ہیں مہراج صاحب ۔

مہراج ۔ اب کان پکڑے کہ تم ایسے پاجیوں کی صحبت میں عمر بھر نہ بیٹھیں گے ۔

ممتن ۔ پاجی تم خود ہو گے ۔

مہراج ۔ (بگڑ کر) تو کاہے واسطے یو بلڈی نول کالا سور ہمارے کو برا کہنا مانگتا۔

نواب ۔ (قہقہہ لگا کر) ارے یار خفا کیوں ہوتے ہو۔ ہم کو جو جی چاہے کہلو بس ۔

مہراج ۔ یہ آپ ہی کا سارا فساد ہے ۔

نواب ۔ لو اور سنو ۔ ارے ہاں میری کون خطا ہے میں نے تو کچھ کہا بھی نہیں ۔ بولا تک نہیں ۔

مہراج ۔ جی میں خوب سمجھتا ہوں آپ بیٹھی چھری ہیں آنکھ سے اشارہ کر دیا۔ اور زن سے الگ منشی مہراج بلی صاحب نے اندر سبھا کی دھن میں گانا شروع کیا۔ ؎

محفل راجہ میں پکھراج پری آتی ہے
سارے معشوقوں کی سرتاج پری آتی ہے

نواب ۔ واہ بھئی تھونی بہادر ۔ واہ ۔

اختر ۔ کوئی بارہ ماسا بھی یاد ہے ۔

مہراج ۔ جس زمانے میں ہم پکھراج پری بنتے تھے بارہ دونی چوبیس بارہ ماسے یاد تھے ۔

اتنے میں داروغہ صاحب نے آ کر کہا حضور منشی مہراج بلی صاحب کے ساتھ ایک باری

کا لونڈا ان کا خدمت گار بھی آیا ہے دیکھنے کے قابل ہے۔ حکم ہوا بلاؤ۔ ایک لٹھ گنوار، اجڈ، اکھڑ، وحشی، پندرہ برس کا سن۔

داروغہ صاحب نے دل لگی دیکھنے کے لیے جیب سے ایک روپیہ نکال کر پھینکا اور کہا اس کو بھنالاؤ۔ تھوڑی دیر تک تو آپ کھڑے رہے۔ پھر داروغہ نے کہا ارے کھڑا کیا ہے جاتا کیوں نہیں۔ پوچھا اس روپیا کا کا کری۔ کیا کہا بھنالاؤ جواب دیا کہ سمجھوں ناہیں۔ کہا ارے او کالونڈا لا۔ پوچھا توڑا سے کے پیسے لائی۔ کہا ہاں۔ اس قیل وقال کے بعد تشریف لے گئے۔ اور پھر دو منٹ میں بیرنگ واپس روپیہ ہاتھ میں۔ کہا ارے پیسے لایا۔ جواب دیا ارے ہم تو بھول گئیں اس پر بڑا قہقہہ پڑا اور مہراج بلی بہت ہی جھینپے۔

نواب۔ ارے او لونڈے اِدھر آ۔ سنو یہ روپیہ لو اور بازار میں جاکے اس کو بھناؤ۔ توڑاؤ۔ اور کہو اس کے پیسے نئے گِن کے دے دے۔

لونڈے نے روپیہ لیا اور پھاٹک تک جاکے لوٹ آیا اور زور سے روپیہ نواب صاحب کی طرف پٹک کر کہا ہم کا ناہیں سمجھائی دیت ہے صاحب۔

اس پر بڑا ہی قہقہہ پڑا۔

مہراج۔ اب تک تو ہمیں کو چھیڑتے تھے۔ اب خدمت گار کو بھی چھیڑنے لگے۔

ممتن۔ (ہنستے ہوئے) کس حسرت کے ساتھ کہا ہے اللہ۔

اختر۔ (بہت زور سے قہقہہ لگا کر) مزہ آگیا اس وقت۔

مہراج۔ ایک نشد و وشد۔

نواب۔ یہ اندر سبھا کا خبط کب سے دامن گیر ہوا ہے۔

مہراج۔ خبط اور دامن گیر۔ بجا ارشاد ہوا۔

ممتن۔ اب آپ لال دیو بنا کیجیے۔ چہرہ لگایا اور اُچکتے پھرے اور تھرکنے لگے۔ اور آپ موزوں بھی اس کام کے لئے ہیں۔ واللہ۔

آخر کار منشی مہراج بلی صاحب کھلے۔ فرمایا ہمارے شہر کے رئیس ہندو مسلمان دونوں کاہل اور سست اور قابل نفرین ہیں۔ سوداگری کو ذلیل پیشہ سمجھتے ہیں۔ جس کی بدولت ٹکے ٹکے کے آدمی کروڑپتی ہو ہو گئے۔ اور آگے زمینداری کو بھی لوگ عیب سمجھتے تھے۔ آج ہم نے ایک پادری کو دیکھا سُرخ و سفید آدمی عمدہ کپڑے پہنے ہوتے پوچھا آپ کون ہیں۔ کہا ہم ایک تماشے

والی کمپنی کے مہتمم ہیں۔ اور مہراج پری بنتے ہیں۔

نواب۔ اخاہ۔ یہ اسی نے آپ کی راہ کھلوائی ہے۔

اختر۔ عقدہ اب کھلا۔

مسخرہ۔ تو وہ آپ ہی کا بھائی بند نکلا۔

اتنے میں بی نازو برآمد ہوئیں اور ہنستے ہوئے کہا آج مجذوبہ نے ہم سے اقرار کرلیا ہے کہ چار دن کے عرصے میں قمرن کو نواب صاحب سے ملا دیں گے۔

نواب صاحب اُچھل پڑے تمہارے منہ میں گھی شکر بڑی دیر تک خوشی رہی۔

اس کے بعد مسخرے نے کہا آج اپنے میاں کی قطع شریف تو دیکھیے۔ ماشاء اللہ۔

نازو نے ذرا غور کرکے کہا ارے منشی مہراج بلی ہیں۔ اللہ جانتا ہے میں آتے ہوئے جھجکی تھی کہ یہ کون ہشو آج پھنسا ہے۔

نواب صاحب نے اشارہ کیا تو نازو نے قریب جا کر ایک چپت جمائی منڈا سا کھسک گیا تو نواب صاحب نے کہا۔ ؎

لگا نہ رہنے دے جھگڑے کو یار تو باقی

نازو نے دوسری جمائی تو منڈا سا دھا گرا اور ادھر قہقہہ پڑا۔ قریب تھا کہ منشی مہراج بلی صاحب بگڑ کر کاہے واسطے کی تمہید سے شروع کریں مگر نازو کے ہاتھ کی چپت کھائی تھی خفگی کیسی چپ ہو رہے۔

نازو۔ یہ آج ما ما دھوم دھام بن کے کہاں جاتے ہو۔

نواب۔ اور آج گھٹوائی بھی خوب ہے۔

ممتن۔ بن ٹھن کے آتے ہیں۔

نازو۔ لاؤ تو جوتا۔ حسین علی۔ نواب صاحب کا وہ لکڑ توڑ بوٹ تو لاؤ۔ اچھا بتا جاتا کہاں ہے یہ بن ٹھن کے کہیں ضرور جاتا ہے۔ خضاب بھی کیا ہے۔ اور گھٹوائی بھی خوب ہے سد کھو نٹیاں ٹٹول کر) ایک لپڑا آہستہ سے دیا تو آپ مسکراتے۔

مسخرہ۔ اگر ہم ابھی کنتاپ رسید کرتے تو آپ کیسا بگڑتے مگر معشوق کے ہاتھ کی کیا بات ہے۔

مہراج۔ (نازو کی طرف اشارہ کرکے) ؎

دل و جان سے مجھے بھاتی ہیں ادائیں تیری
پاس لا چاند سا منھ لے لوں بلائیں تیری

نازو ۔ لو مزے میں آگئے ۔ لے الگ ہٹ پرے ۔
مہراج ۔ ہائے ۔ ۔

دیکھ پچھتائے گی میرا جو برا دل ہوگا
وصل ہم ایسوں کا پھر تجھ کو نہ حاصل ہوگا

نواب ۔ آج تو اندر سبھا کی دھن میں ڈوبے ہوئے ہیں واہ مہراج بلی واہ ۔
اختر ۔ حضور یوں کہیے واہ پکھراج بھئی واہ ۔
نواب ۔ بھئی واللہ خوب سوچے ۔
نازو ۔ یہ آج اس گور کے مردے کو یہ ہو کیا گیا ہے ۔ کپڑے پہنے ہے یا کفن لپیٹے ہے ۔
نواب ۔ بھئی واللہ یہ کفن لپیٹنے کی بھی خوب ہوئی ۔
مسخرہ ۔ حضور یہ آدمی ہے یا اُلّو کرنے کا مٹکا ۔
مہراج ۔ سُنو سُنو ۔ ۔

کسی کی بدی تو نہ کر عیب ہے
کہ اُس کا خُدا عالم الغیب ہے

نواب ۔ اے سبحان اللہ کیا برجستہ شعر پڑھا ہے ۔
مہراج ۔ ہائے ۔ ۔

دل عاشق اس بات سے ہل گیا
تجھے ہائے کمبخت کیسا مل گیا

ہمارے اور نازو کے باتیں ہوتی تھیں تم لوگ بیچ میں کیوں کود پڑے ۔
نواب ۔ (قہقہہ لگا کر) تو یہ مطلب ہے حضور کا ۔ اچھا لے اب ہم نہ بولیں گے ۔ آپ باتیں کیجئے
نازو ۔ لے سچ بتاؤ آج کہاں جاتے ہو ۔
منشی مہراج بلی صاحب اب کھل پڑے ، اور کہا ہم آج تماشا دیکھنے جاتے ہیں ۔ اگر آپ لوگوں کو چلنا ہو تو آپ بھی چلیں ہمارے ساتھ ۔
نواب صاحب نے کہا بھئی آج نہیں کل چلو ۔ آج ہم نہ جانے دیں گے ۔ انھوں نے کہا

واہ۔ کل کی ایک ہی کہی ہم آج ضرور جائیں گے۔

نواب صاحب نے کہا ایک ہی کہی چاہے دو ہی کہی اس سے کچھ بحث نہیں۔ بندہ آج آپ کو جانے نہ دے گا۔ چاہے لپاڈگی ہو جائے۔ آپ بندے سے کرارے نہیں ہیں۔

منشی مہراج بلی صاحب لگے دون کی لینے کہ ہم بنوٹیے ہیں اور کشتی جانتے ہیں۔

مسخرے نے کہا کشتی نہیں ایک وہ جانتے ہیں گھر کی جورو اسے تو بس چلتا نہ ہوگا۔ ہاتھ پکڑ لیتی ہوگی تو چھڑانا مشکل ہو جاتا ہوگا۔ حضور عورت کیا ہے دیونی ہے۔

اتنا کہنا تھا کہ ادھر قہقہہ پڑا اور اُدھر منشی مہراج بلی صاحب بگڑ کھڑے ہوئے۔ یو بلڈی فول کا ہے واسطے ہم کو گالی دینے مانگتا۔ کھڑے ہو کر اور پینترے بدل کر سیکڑوں مغلظہ گالیاں انھوں نے دیں اور مارے غصے کے تھر تھر کانپنے لگے۔

نواب صاحب نے کھڑے ہو کر ان کا ہاتھ پکڑا اور کہا بھئی ہم اس کو اب نکال دیں گے۔

مہراج۔ اب آپ سب لوگوں کو یقین آجائے گا یا نہیں کہ ہماری بیوی فربہ اور بھد بھد اور تھل تھل ہوگی حالانکہ وہ واللہ ایسی نازنین ہے جیسے وہ گوری گوری ڈومنی پرسوں آئی تھی۔

نواب۔ ہم سُن چکے ہیں جی بہت نازک ہیں۔

مہراج۔ (ہنس کر) تم نے یہ خبر کہاں سے پائی۔

مسخرہ۔ پیغام آیا تھا۔

اتنا سُننا تھا کہ مہراج بلی مسخرے کے پیچھے دوڑے اور مسخرہ بھاگا تو زینے پر ہو رہا اور اندر سے دروازہ بند کر کے چھت پر آن کر سلام کیا تو مہراج بلی نے جھلا کے ڈھیلے مارنے شروع کیے

نواب صاحب نے مہراج بلی کو دعیرا کر کے لا کے بٹھایا اور آپ کسی ضرورت سے اندر تشریف لے گیے۔ تو بیگم نے ان کو چھیڑنا شروع کیا۔

بیگم ۔ میں سنتی ہوں آج قمرن کے لیے پھر ٹھنڈی ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے۔

نواب۔ ذرا سچ کہیے گا۔

ب ۔ پتے کی کہی تو لگے چندرانے ۔

نواب۔ پتے کی کہی گویا آپ سچ کہہ رہی ہیں۔

ب ۔ سچ نہیں کیا جھوٹ ہے ۔

نواب۔ لے اب نہ بنے گی بیگم ہم نے تو قسم کھالی ہے کہ اب قمرن کا نام تک نہ لیں گے۔

اور تم وہی باتیں کرتی ہو۔

ب ۔ اے میں ہنستی تھی تم سچ مچ سمجھے۔

نواب ۔ اس بارے میں ہم سے پھر نہ ہنسی کرنا۔

ب ۔ اب بے یقین ہوگیا کہ تم سچے دل سے کہتے ہو۔

نواب ۔ کہدیا تم سے قول مرداں جان دارد ۔

ب ۔ سچ کہوں یقین نہیں آتا ۔

نواب ۔ ہائے افسوس ۔

ب ۔ نہیں نہیں بُرا نہ مانو بات کہتی ہوں ۔

نواب ۔ ایسی بات کیوں کہو جس سے رنج ہو۔

ب ۔ خدا کرے اس بات پر تم قائم رہو ۔

نواب ۔ دیکھ ہی لینا ۔ ایک اٹھوارے تک تو آزماؤ ۔

ب ۔ میں تو عمر بھر کے لیے تمہاری ہوں۔

نواب ۔ ہائے کیا بات کہی ہے جی خوش ہوگیا۔

ب ہمارا جی تو جبھی خوش ہوگا جب تم جو کہتے ہو وہی کر واللہ ہے جو ایسا کرو ۔ ہم کو یقین نہیں آتا۔

نواب ۔ اب ہم اس کو کیا کریں ۔

بیگم ۔ بُرا کیوں مانتے ہو۔

نواب ۔ اب بُرا ماننے کی تو بات ہی کرتی ہو۔

ب ۔ اچھا اچھا ۔ اب نہ کہیں گے ۔ ہماری ایک بات سن لو سنو تو کہیں ۔ نہیں تو نہ کہیں ۔

نواب ۔ جان کے کانوں سے سُنیں یہ کیا بات ہے ۔

ب ۔ تم کو جو کرنا ہو وہ کرو ۔ یہ تو ہم کو حشر تک یقین نہ ہوگا کہ تم سے بے ان باتوں کے رہا جائے مگر اتنا کہنا مانو ۔ کہ رات کو گیارہ بجے سے گھر میں رہو ۔ بس اور کچھ مانو یا نہ مانو اور جو چاہو سو کرو۔

نواب ۔ تمہیں واقعی ہماری طرف سے بڑی بدگمانی ہے ۔ اللہ بیگم ہمارے کہنے کا تم کو یقین نہیں آتا ۔ واللہ بڑے افسوس کی بات ہے ۔

ب ۔ کیوں کر یقین آئے تمہاری حرکتیں ہی ایسی ہیں ۔

نواب ۔ (ہنس کر) کیا باتیں ہیں تمہاری ۔ ہزاروں قسمیں کھائیں کہ اب ایسا نہ کریں گے۔

اور تم کو یقین نہیں آتا۔

ب ۔ باتیں واتیں میں نہیں جانتی۔

نواب ۔ اچھا تو جانی ایک منٹے میں کیا ہوا جاتا ہے۔

ب ۔ اجی اس کا تو ہمیں یقین نہ آنے کا۔

نواب ۔ (ہنس کر) یا میرے اللہ۔

ب ۔ اچھا میں تو ہر طرح تمہارے بس میں ہوں۔

نواب ۔ اس کی کیا بحث تھی۔

ب ۔ بحث سب ہی کی ہے اور کسی کی نہیں۔

نواب ۔ ہم نے رات کو اپنے دل سے قسم کھائی ہے۔

ب ۔ تمہاری قسم کا یقین کسے ہے۔

نواب ۔ بیگم خدا کا واسطہ اب یہ باتیں دل سے نکال ڈالو ورنہ ہم کو زندگی حرام ہو جائے گی۔

ب ۔ خدانہ کرے۔ تمہارے دشمنوں کی زندگی حرام ہو۔ میں ہر طرح سے راضی ہوں۔

نواب ۔ بھئی آب خاصہ منگواؤ۔ منہ خشک ہوا جاتا ہے اور ایک گلوری اپنے دست نازک سے بنا کے دو۔

مہری آب خاصہ لائی۔ تو نواب صاحب نے پیا اور گلوری نوش کر کے کہا واللہ بیگم کیا مزے کی گلوری بنائی ہے اللہ کی قسم بیگم جب تم مٹیا برج میں تھیں تو کوئی ایسا دن نہ ہوتا تھا جو تم یاد نہ آتی ہو۔ اور خصوص جب میں پان کھاتا تھا تو تم ضرور یاد آتی تھیں۔ واللہ تمہارے بعد پان کھانے کا مزہ جاتا رہا تھا۔

ب ۔ سبحان اللہ تم نے مجھ کو کیا گلوری والی مقرر کیا ہے واہ کیا قدر دانی فرمائی ہے حضور نے۔

نواب ۔ (گالوں پر ہاتھ پھیر کر) خفا نہ ہو جانی تم تو بات بات پر بگڑتی ہو۔

ب ۔ بڑے وہ ہو اللہ قسم۔ ہنس میں چنگی ڈال جما لو الگ کھڑی۔ دل میں چٹکی لے لی اور پھر الگ۔

نواب ۔ صدقے ان باتوں کے کیا بھولی بھولی باتیں ہیں۔ اللہ جانتا ہے بیگم ہم تم کو دل سے چاہتے ہیں۔ مگر تم ہم سے ناحق رنجیدہ ہو۔

ب ۔ اس میں کیا شک ہے کہ تم ہم کو دل سے چاہتے ہو۔ میں سنتی ہوں کہ میرے بعد

تمہارے دشمن دلوانے ہوگئے تھے۔ اور تنکے چنتے تھے۔

نواب۔ اصل تو یوں ہی ہے۔ واللہ میرا حال دلوانوں سے بدتر ہوگیا تھا۔ خدا خوب جانتا ہے۔

ب ۔ ہوش کی دوا کر مردوے تم نے اڑائی ہیں تو ہم نے بھون بھون کھائی ہیں۔ اور یہ قمرن پر کون مرتا تھا اور نازو سے دلگیاں کون کرتا تھا۔

نواب۔ (ہاتھ جوڑ کر) بیگم خدا کا واسطہ قمرن کا نام نہ لو سفت کا صدمہ ہوتا ہے۔

ب ۔ ارے میں خوب سمجھتی ہوں نواب اس کی یاد تمہارے دل پر سے جائے گی تھوڑی ہی۔ آخر کو نہ رہا گیا منھ سے نکل ہی گیا کہ مفت کا صدمہ ہوتا ہے۔

نواب۔ نہیں بیگم میرا یہ مطلب ہے۔ کہ چھوڑے گانوں کا ناتا کیا۔ اس کا نام لینے سے کیا فائدہ۔

ب ۔ اخاہ۔ یہ بائی جی نے شراب کب سے چھوڑی اب قمرن سے بالکل بیزار ہوگئے۔

نواب۔ بیگم قسم کھالی ہے کہ اب بجز تمہارے کسی کو آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھیں گے۔

ب ۔ خدا ایسا ہی کرے کہ تمہارا دل ان بے ہودہ اور لچر باتوں کی طرف سے پھر جائے۔

نواب۔ بس اب دل پھر گیا۔ اس کو اب پتھر کی لکیر سمجھو۔ ہم جو بات کہہ دیں گے اس کو کر دکھائیں گے۔ ہمارا کچا راگ تھوڑا ہی ہے جو بات کہہ دی وہ کہہ دی۔

بیگم۔ نواب ان باتوں سے آدمی بدنام ہو جاتا ہے اور لوگ اس کو برا کہتے ہیں۔ اور ہم تو ہر طرح سے تمہارے ہیں چاہے اچھی باتیں کرو چاہے بری باتیں کرو۔

نواب۔ خیر اب تو جو کچھ ہوا وہ ہوا مگر اب ایسی حرکتیں عمر بھر نہ ہوں گی۔

بیگم۔ خدا تمہارے اس قول کو پورا کرے آمین اللہ۔

ایسے تو کبھی نہیں بنے تھے

منشی مہراج بلی صاحب رسیاں توڑا کے بھاگے۔ تو سیدھے لال باغ پہونچے آدمی کی تلاش سب کے پہلے کی ادھر دیکھا ادھر دیکھا کہیں پتا نہیں۔ ارے کلوا۔ او کلوا۔ ارے کلوا ارے مر گیا کمبخت۔ ارے کلوا۔ اب لوگ ان کی قطع شریف دیکھتے ہیں۔ نیچا گھیر دار چغہ شملہ بمقدار علم۔ تو ندا تو کرنے کا مٹکا۔ اور گنواروں کی طرح ایسے مجمع میں غل مچا رہے ہیں۔ ارے کلوا۔ بڑی دیر کے بعد میاں کلو آئے تو آپ بہت بگڑے۔ کاہے واسطے بولبڈی خول نہیں بولنے مانگتا۔ روشنی کے قریب کشتیاں لے گئے۔ دیکھتے ہیں پینے ندار دائیں والے

یہ پستے کیا ہوے۔ ابے پستے کہاں ہیں۔ اس نے کہا۔ ابے صاحب ہم کا کا معلوم۔ جون دیلو رہے تون لے آئوں۔ منشی مہراج بلی نے جھلا کے ایک لپڑ دیا نامعقول ارے پستے کیا ہوے کہا ہجور ممہت ممہت ماں مار دہو ہم کاؤ جانی پستہ ستر کہکا کہت ہیں۔ ہم کا لیل گئیں۔ پھر جو غور کرتے ہیں تو اہاہا ہاہا۔ ایک نشد و وشد مربے کی اچاری کا بھی پتا نہیں۔ اور مربے کی اچاری کیا ہوئی بے۔ کہا ہم کا جانے جون دیلو تون دھرا ہے۔ منشی مہراج بلی صاحب آگ بھبوکا ہو گئے۔ اور جھلا کے تین چار لپڑ یکے بعد دیگرے رسید کیے۔

الغرض تھوڑی دیر کے بعد اس پارسی سے ملے اس نے بڑے تپاک سے ملاقات کی، اور کہا جس وقت ٹھیٹر شروع ہوگا ہم آپ کو ایک بہت بڑے صاحب سے ملا دیں گے۔ جب ٹھیٹر شروع ہوا تو ایک پارسی نے انگریز کی نقل کی اور اسٹیج پر منشی مہراج بلی صاحب کو بلایا۔ یہ گول آدمی تو تھے ہی سیدھے اسٹیج پر موجود۔ جاتے ہی پہلے نذر دکھائی پانچ روپیے تو پارسی نے پاکٹ میں رکھے بعد ازاں کشتیاں پیش کیں وہ بھی اس نے لیں اور ہاتھ باندھ کر آپ کھڑے ہوئے اور منتظر تھے کہ اب رائے بہادر کا خطاب ملا ہی چاہتا ہے۔ اس دن تماشے میں ٹھٹا ٹھٹ لوگ بھرے ہوئے تھے۔

نواب محمد عسکری اور داروغہ اور ممتن اور نازو یہ بھی سب کے سب آئے تھے۔ جو لوگ ان کو نہیں جانتے تھے وہ سمجھے کہ یہ بھی تماشے کا کوئی جزو ہوگا کہ ایک پارسی ہندوستانی کپڑے پہن کے آیا اور صاحب کو نذر دکھائی۔ اور جو لوگ منشی مہراج بلی کو جانتے تھے ان میں سے بعض نے بُعد کے سبب سے نہ پہچانا۔ اور جن لوگوں نے پہچانا ان کے پیٹ میں مارے ہنسی کے بل پڑ پڑ گئے۔

اب لوگ دنگ ہیں کہ ائیں! یہ منشی مہراج بلی صاحب ہیں پارسیوں نے ان کو سکھا دیا کہ صاحب جو تم سے کہیں وہی کرنا اور وہی کہنا۔ بات کو ڈلکنا نہیں۔

پارسی۔ (جو انگریز بنا تھا) تمہارا کیا نام۔

مہراج۔ خداوند غلام کا نام منشی مہراج بلی۔

پارسی۔ نہیں نہیں تمہارا نام تیل کی بلی۔

مہراج۔ جو حکم ہو ہم تو حکم کے بھوکے ہیں۔

پارسی۔ اچھا ایک ٹانگ سے کھڑے ہو نے مانگتا۔

مہراج ۔(ایک ٹانگ سے کھڑے ہو کر) جو حکم ہو ۔

صاحب ۔(جو پارسی انگریز بنا تھا) جلدی پیٹ موڑو ۔

مہراج ۔ (پیٹ موڑ کر) میں تابعدار ہوں ۔

صاحب ۔ منہ موڑو ۔

مہراج ۔ (منہ موڑ کر) حضور تو قواعد کرواتے ہیں ۔

صاحب ۔ حکم مت ٹالو ۔

مہراج ۔ کیا مجال جو ارشاد ہو ۔

صاحب ۔ تم نالائق آدمی پیٹ دکھاؤ ۔

مہراج ۔ حضور اب تو تنگ گیا ۔

صاحب ۔ اچھا (سٹ دون) تمہارا مزاج کیسا ہے ۔

مہراج ۔ بہت اچھا ہوں ۔

صاحب ۔ وَل تم بہت اچھا رہا منشی مہراج بلی ۔

مہراج ۔ خداوند حضور کے بال بچّوں کو دعا دیتا ہوں ۔ جو پیدا ہوئے ہیں وہ اور جو اب پیدا ہونگے اللّٰھم زد فزد کہ گفتہ اند ۔ ؎

رعایت دریغ از رعیت مدار

مرادِ دل شہر یاراں بر آر

صاحب ۔ طہران میں ایک ایرانی ہے وہ ہم سے آپ کی فارسی کی تعریف کرتا تھا کہ بالکل ایرانیوں کی طرح آپ گفتگو کرتے ہیں بلکہ وہ آپ سے سیکھنا چاہتے ہیں ۔

مہراج ۔ (اکڑ کر) بندہ فارسی دانست و دانستن کرد ۔

صاحب ۔ وَل ہم فارسی نہیں سمجھ سکتا ۔ مگر ہمارا دوست آپ کا بہت تعریف کرتا تھا ۔

مہراج ۔ حضور غلام کی زبان تو فارسی الاصل ہے ۔

صاحب ۔ ہاں ہاں ۔ وَل ۔ ایران کا لوک تعریف ۔

مہراج ۔ حضور ہم نے بہت سے صاحب لوگوں سے ملاقات کی آپ لوگ بڑے عالم ہوتے ہیں ۔

صاحب ۔ وَل ہمارے ہاں تعلیم اچھا دیا جاتا ہے ۔

مہراج ۔ بھلا آپ کسی تماشے کی کمپنی میں پکھراج پری بھی بنے تھے ولایت میں ۔

صاحب ۔ (ہنسی کو ضبط کرکے) اوبیشک ۔

مہراج ۔ ہمارے ملک کے بعض گدھے اس کو معیوب اور بُرا سمجھتے ہیں ۔

صاحب ۔ بڑا غلطی ہے ۔ جتنا اچھا لوگ ہے سب پکھراج پری بنتا ہے ۔

مہراج ۔ وہ مارا بس اب کوئی کیا ہم سے آنکھ ملائے گا ۔ لاحول ولا توہ ۔

صاحب ۔ آپ کیوں نہیں کسی تھیٹر میں شریک ہو جاتا ۔

مہراج ۔ حضور میں پکھراج پری بنتا تھا ۔

صاحب ۔ اینڈ یڈ INDEED او ۔ اوبس ۔

مہراج ۔ حضور سب یو بلڈی فول لوگ کا ہے واسطے ہم کو برے کہنا مانگتا ۔ سو ہم جاننے نہیں سکتا

صاحب ۔ برے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں ۔

مہراج ۔ حضور میں گاتا خوب تھا ۔ ؎

سبھا میں آمدِ نیلم پری ہے

سراپا وہ نزاکت سے بھری ہے

سبھا میں آمد نیلم پری ہے ۔ سبھا میں آمد نیلم پری ہے ۔

صاحب ۔ گوآں ! GO ON چلو ۔ چلو ۔

مہراج ۔ حضور یہ سب یو بلڈی فول لوگ ہم کو ہنسے گا ۔ اور برا کہے گا ۔

سجن مکھڑا دکھلا جا رے

صاحب ۔ ہم ٹھمری پٹا بھجن اُستاتی کچھ نہیں مانگتا ہے بس وہی اندر سبھا کا دھن بولے جاؤ صاحب ۔

مہراج ۔ حضور ہماری خواہش اب یہ ہے کہ سرکار ہم کو اب کچھ دے اور ہم خیر خواہ سرکار کے ہیں سمجھے حضور تو یہ غرض ہے اور بس ۔

منشی مہراج بلی صاحب کو اس وقت دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی ۔ نہ یہ معلوم تھا کہ صاحب کون ہیں ۔ نہ یہ معلوم تھا کہ بیٹھے کہاں ہیں ۔ صاحب نے کہا دل منشی مہراج بلی صاحب آپ ناچنے سکتا ہے ۔ کہا حضور ہاں ناچوں یہ کہہ کر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ ناچ شروع کریں کہ ممّن نے اسٹیج پر چڑھ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا ۔

" گا ہے واسطے یو بلڈی فول بولنے مانگتا کسی کے بیچ میں اور کسی کے درمیان میں "

ممن - میں ایک گدّا دوں گا آپ کو۔ نوں ووں سب رکھا رہے گا۔ تم کو یہ ہو کیا گیا ہے۔ لاحول ولاقوۃ کچھ ہوش ہے یا نہیں سرکار بلاتے ہیں۔

اب ذرا منشی مہراج بلی کو ہوش آیا۔ یہ نشے میں نہیں تھے۔ شراب تو تھوڑی ہی سی پی تھی۔ مگر ہاں حماقت کا نشہ البتہ بہت ہوگیا تھا۔ یہ سمجھتے تھے کہ صاحب جو چاہیں گے۔ کر گذریں گے ہم کو کہیں کا جج مقرر کر دیں گے کسی ریاست کا منیجر مقرر کر دیں گے ہم کو کمی کا ہے کی صاحب مہربان ہوں تو وہ عہدہ مل جائے کہ آج تک کسی ہندوستانی کو نہیں ملا ہو۔

اب سنیئے کہ ممن سے اور ان سے ہاتھا پائی ہونے لگی تو نواب صاحب نے داروغہ کو اشارہ کیا۔ داروغہ بھی اسٹیج پر چڑھ گیا اور منشی مہراج بلی کو گود میں اٹھا کر دوڑ کے بھاگا تو ادھر تھیٹر میں بڑا قہقہہ پڑا۔ اور لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ منشی مہراج بلی گود میں تڑپتے ہوئے اور کاہے واسطے اور کاہے واسطے' برابر کہتے ہوئے گاڑی کے قریب پہونچے۔ داروغہ اور ممن نے ان کو گاڑی میں لادا اور کہا ہم لوگوں کو حکم ہے کہ تم کو پکڑے رہیں بس ہلنا نہیں۔ خبردار کہہ دیا ہے بیٹھے رہو چپ چاپ۔

مہراج - دیکھو اب میں بنوٹ کا پیچ کرتا ہوں۔

داروغہ - بسم اللہ آپ بنوٹ کا پیچ کیجیے۔

مہراج - میں رومال میں پیسا باندھ چکا ہوں۔

ممن - اخاہ! بڑے بنوئیے ہیں آپ۔

مہراج - دیکھو اب شہرگ پر پڑا چاہتا ہے۔

داروغہ - آپ شوق سے داؤں پیچ کیجیے۔

مہراج - ول ہم مار ڈالے گا۔

داروغہ - پھر اگر قسمت میں آپ ہی کے ہاتھ سے موت لکھی ہے تو کیا۔

مہراج - اچھا اب شکایت نہ کرنا۔

اتنے میں چھم چھم کی آواز آئی۔ ممن اور داروغہ ان کو نواب محمد عسکری کی فٹن پر پکڑے ہوئے بیٹھے تھے۔ اور فٹن درختوں کے ایک جھنڈ میں تھی۔ سب سے الگ تھلگ چھم چھم کی آواز آئی تو داروغہ نے ممن سے کہا۔ یار ذرا دیکھو تو کون ہے کہ اتنے میں ایک عورت فٹن پر آئی۔

عورت - کیوں رے یہ آج تو نے کیا حرکت کی۔

ممن - کون! ناز و خوب آئیں اللہ جانتا ہے۔

داروغہ ۔ اب تمہارے سپرد ہیں یہ ۔

نازو ۔ ہاں ہاں ۔ تم لوگ جا کے تماشا دیکھو ۔

داروغہ ۔ سستے چھوٹے ۔ لطف تماشا جاتا تھا ۔

نازو ۔ مجھے نواب نے اشارہ کیا تو خواہ مخواہ مجبور ہو کر آنا پڑا ۔

منشی مہراج بلی صاحب کی سٹی بٹی بھولی مگر انتہا سے زیادہ افسوس تھا کہ صاحب لوگوں سے نہ مل سکے ۔ مطلب ہی خبط ہو گیا ۔

نازو ۔ یہ آج تیری گت کیا ہے ۔ کچھ یاد ہے ۔ ؟

مہراج ۔ جان من ہے ہے (ٹھنڈی سانس بھر کر) کیا کہوں جان جان ہے ہے بڑا نقصان ہوا ۔

نازو ۔ کیا کچھ گر پڑا ۔ پھینک دیا ہو گا نشے میں ۔

مہراج ۔ بس اب ہم کو اور رنج ہوا ۔ نشہ کیسا ۔

نازو ۔ اب میں جوتے سے خبر لوں گی ۔ ہاں ۔

مہراج ۔ کاہے ۔۔۔ دل ۔۔۔ دیکھو ۔

راوی ۔ کاہے واسطے کہہ کے غل مچانے کو تھے ۔ مگر یاد آ گیا کہ نازو جان ہیں ۔ بھیگی بلی بن گئے ۔

مہراج ۔ اب ایک بات سنو ۔ ہم جو کہیں ۔

نازو ۔ ایک دن تم جوتے ضرور کھاؤ گے ارے یہ آج تو نے کیا کیا ۔ پھر راج پری بننے کا شوق ہے ارے ذوف ہے تیرے اوپر کمبخت ۔

مہراج ۔ ہم تو صاحب لوگ سے ملنے کو مانگتا تھا ۔

نازو ۔ الگ ہٹ پھٹے سے منہ ۔ پرے دور ہو ۔

مہراج ۔ بہت سخت کلامی کرتی ہو تم ۔

نازو ۔ اے میں تجھ بیچارے سے سخت کلامی کروں گی ۔ اپنے ابا نواب سے تو مل دیکھ تو کیسا ٹھیک بناتا ہے تجھ کو ۔

مہراج ۔ ہم تو صاحب لوگ سے ملنے گیا تھا ۔

نازو ۔ (ٹیپ لگا کر) موںڈی کاٹا ۔ صاحب لوگ کی ملاقات کو گیا تھا کہ ناچنے گیا تھا نیلم پری بنا تھا

ے

سبھا میں آمدِ نیلم پری ہے

سراپا حسن و شوخی میں بھری ہے

مہراج۔ مزہ آگیا ہاتے۔ ؎

سبھا میں آمدِ نیلم پری ہے
سراپا حسن و شوخی میں بھری ہے

سبھا میں آمدِ نیلم پری ہے۔آ۔

نازو ۔ (چپت زناٹے سے لگا کر) آ۔

نازو نے کہا تمہارے سبب سے آج کا تماشا میرے ہاتھ سے گیا تم خود تماشا بن گئے تھے۔ توبہ توبہ سب میں بدنامی ہوئی۔ جتنے آدمی بیٹھے تھے سب ہنستے تھے۔ نواب کو بڑا بُرا معلوم ہوا۔ تمہارے دوست ہیں نا۔

اور لوگ تو سب ہنستے تھے مگر نواب جھلا جھلا کے رہ جاتے تھے۔ آخر کار ممن کو بھیجا۔ اور منہ کو بھیجا۔ اور کہا گود میں اٹھا کر فوراً باہر لے جاؤ۔ اور اِدھر اُدھر دیکھ کر مجھ کو ڈھونڈ نکالا۔ اور مجھ سے اشارہ کیا کہ جا کے سنبھالو۔ بڑے ذلیل ہوئے آج۔ تماشے والے بھی ہنستے تھے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ایسے ذلیل تو کبھی نہیں ہوئے ہوگے۔ پہلے تو میں سمجھی نہیں کہ کون ہے۔ پھر دیکھتی ہوں تو آپ بھلے مانسوں کے یہ شیوے نہیں ہیں کہ نچنیوں میں جا کے شامل ہوں۔ صاحب لوگ میمین نواب زادے دفتر والے، نغمے والے، سب ہنستے تھے۔ اور تمہیں کچھ نہیں سوجھتا تھا کیا ہو گیا ہے۔ بالکل اپنے آپے ہی سے گذر گئے۔ بڑے بے ہودہ ہو۔

مہراج بلی کو نازو کی تقریر بڑی بُری معلوم ہوئی۔ مگر چپ چاپ بیٹھے سنتے رہے۔ کچھ جواب نہیں دیا۔ اگر کوئی اور اس طرح کی تقریر کرتا تو کاہے واسطے کی تمہید سے اس کی جان عذاب میں کر دیتے۔ ان کو اب تک یہی سوجھی تھی کہ رائے بہادر کا خطاب اب لیا اور اب لیا کیونکہ بکھراج پری بننے گئے تھے اس سے بڑھ کر اور استحقاق کیا ہو سکتا ہے۔ مگر ساری محنت برباد ہو گئی۔

نازو ۔ تم بڑے پاجی ہو مہراج بلی۔

مہراج ۔ اچھا کوئی اور ذکر چھیڑو نازو۔

نازو ۔ ذکر اب کیا تیرا سر چھیڑوں مونڈی کاٹے۔

مہراج ۔ دیکھو جانی یہ لفظ نہ کہو کیوں زبان خراب کرتی ہو۔ ہم کو چاہے بُرا بھلا کہہ لو۔ کچھ پروا کا بات نہیں۔ مگر جان من ۔ ؎

دہن خویش بدشنام میالا صاحب
کاین زر قلب بہر کس کہ دہی باز دہد

نازو - (چپت لگا کر) جوتی خورہ۔
مہراج۔ ایک اور لگا لو چاہے مگر۔
نازو - اگر مگر کرے گا تو اور پٹے گا۔
مہراج۔ اس کا ڈر کس کو ہے۔ مگر افسوس ہے کہ تم نے ہماری قدر نہ کی کہ آج ہم نے کیا کام کیا ہے
نازو - ارے خدا تجھ کو غارت کرے مونڈی کاٹے اسی اٹھوارے میں مرتو۔ تیرا جنازہ نکلے۔
مہراج۔ اور کوس لو۔
نازو - دور ہو یہاں سے مونڈی کاٹے۔
مہراج۔ بہت خوب۔ ؎

آپ کہتے ہیں کہ جاتا ہوں
پھر اکیلے بھی تو گھبرایئے گا

دیکھو جانی ہم سا عاشق نہ پاؤ گی۔
نازو - تیرے منہ کو جھلسا ایسا ذلیل عاشق ہوا تو کیا۔ اور نہ ہوا تو کیا۔
مہراج۔ کہہ دیا ہے۔ پچھتاؤ گی۔ واللہ نازو سر پر ہاتھ دھر کر روؤ گی۔ اتنا سمجھ لو۔
نازو - میرے دشمن سر پر ہاتھ دھر کر روئیں لو اور سُنو مجھے کوستا ہے کمبخت۔
مہراج۔ اگر میں نے کوسا ہو تو میرا دم نکل جائے۔

الغرض گاڑی پر سوار ہوئے۔ اور راستے میں منشی مہراج بلی کو ہوا جو لگی تو اور بھی دماغ پر چڑھ گئی۔ اب پھر اندر سبھا کے شعر گانے شروع کیے۔ ؎

گاتی ہوں میں اور ناچ سدا کام ہے میرا   آفاق میں پکھراج پری نام ہے میرا
پھندے سے مرے کوئی نکلنے نہیں پاتا   اس گلشن عالم میں بچھا دام ہے میرا
میں لاکھ کی دو لاکھ کی پروا نہیں کرتی   قارون کا خزانہ اجی انعام ہے میرا

نواب۔ ارے ظالم سڑک پر گاتا جاتا ہے۔
نازو - جیسے بازار کے آدمی ہوتے ہیں۔
ممتن - مجھے رہ رہ کے ہنسی آتی ہے۔ ایک ٹانگ سے کھڑے ہیں آپ بھی واہ لاحول ولا قوۃ۔

مہراج ۔اے جی ہاں ۔

رخصت لینا شاہزادے کا واسطے شکار کے اپنے باپ سے۔

دوہرہ شاہزادے کا کہنا باپ سے ۔ ؎

رکھتا ہوں میں کچھ عرض گر اب مرضی پاؤں
حال میں اپنے درد کا سارا کہہ سناؤں

جواب دینا باپ کا شاہزادے سے ۔

بیٹا میں ابھی تجھ پر سے صدقے ہو جاؤں
پیارے جو کچھ خوشی ہو تیرے لیے منگاؤں

نواب ۔ اے سبحان اللہ گھنگھرو کی کسر ہے۔

مہراج ۔ ذرا بلند آواز سے ۔

آئی ہوں سبھا میں میں جھانڈ کے گھر
کاہو کی نہیں مو ہے آج کھبر

نواب ۔ ارے ظالم اب تو بازار آگیا ۔

ممتن ۔ حضور اب فہمایش اور نصیحت بے کار ہے۔

نازو ۔ ڈھکیل دو مونڈی کاٹے کو۔

مہراج ۔نواب صاحب کے بغل میں بیٹھی ہو نا جبھی غرا رہی ہو اچھا خیر فہمیدہ خواہد شد۔

نازو ۔ہوش آئے تو پھر تجھکو ذلیل کروں ۔ابھی تو تو اپنے آپے میں نہیں ہے ۔

مہراج ۔ (ہاتھ مٹکا کر)۔

میں چیری سرکار کی تم راجوں کے راج
گانا مجھ معشوق کا سنو غور سے آج

نواب صاحب گاڑی پر سے اتر پڑے اور کہا اب ہم چلے جائیں گے۔ تم پہلے نازو کو پہونچادو۔ پھر مہراج بلی کو۔ خدمت گار اور ممتن ان کے ہمراہ چلے۔ اور گاڑی ہوا ہو گئی۔ اب راستے میں نازو اور مہراج بلی تنہا چلتے چلتے نازو نے کہا روک لے گاڑی رکی تو نازو اتری۔ اور خواہد دولت بھی اتر پڑے اور نازو کے ساتھ چلے نازو نے ڈانٹ بتائی۔ اور کہا وہاں موقع نہیں ہے۔ میرا میاں آیا ہوا ہے۔ میاں کا نام سنا تو ہوش اڑ گئے اور سیدھے گھر پر آئے۔

بیوی نے پوچھا آج اتنی دیر کہاں لگائی۔ آپ جواب میں فرماتے ہیں۔ ؎

مرے ساتھ چل جلد اے بے شعور
بلایا ہے راجہ نے اپنے حضور

بیوی۔ آج پھر منوالے ہو۔

مہراج۔ (کانپ کر)۔ ؎

رے دیو تو ہے یہ کیسا بک رہا
مرے باغ میں کام انساں کا کیا
ہو کس طرح یاں بشر کا گذر
پرندوں کے دہشت سے جلتے ہیں پر

بیوی۔ یہ آج کیا کہہ رہے ہو۔ یہ تمہیں ہوا کیا ہے۔

مہراج۔ اون۔ اون۔

خاک بدن پر سب ملو چھوڑ دو یہ سنجوگ
روئیں اب اس حال پہ اپنے پرائے لوگ

جواب دینا وزیر زادے کا۔

بیوی۔ یہ کیا اول جلول بک رہے ہو۔ سو رہو۔ پڑ کے۔

مہراج۔ ہائے۔

راجہ جی تو سو رہے دیا نہ کچھ انعام

مہری نے ہنس کر کہا آج گائے بجائے پر اتار و بھئے ہیں تو اس کے جواب میں مہری کے قریب جا کر آپ فرماتے ہیں۔ ؎

معمور ہوں شوخی سے شرارت سے بھری ہوں
دھانی مری پوشاک ہے میں سبز پری ہوں

اس روز تو خیر خدا خدا کرے سو گئے مگر صبح کو جو اٹھے تو بالکل شل یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چھ مہینے کے بیمار ہیں اٹھ کے بیٹھے اور پھر گر پڑے پھر ذرا اٹھے اور گر پڑے لیٹے ہوئے کروٹیں بدل رہے تھے ان کی بیوی نے کہا۔ یہ کل تم کو کیا ہو گیا تھا۔ اس سوال کا جواب مہراج جی نے نہ دیا۔ مگر ان کو یہ معلوم ہوا کہ گویا سیکڑوں گھڑے عرق انفعال کے ان پر پڑ گئے۔

چپ آنکھیں بند کر لیں، اور دل میں سوچنے لگے کہ یا خدا یہ کیا غضب ہو گیا۔ اور با ایں ہمہ رات کی سب باتیں یاد نہیں تھیں۔ اُٹھ کر پانی پیا۔ مگر پیاس نہیں بجھی۔ خدمت گار کو بازار بھیجا اور کہا دوڑ کے برف لاؤ۔ وہ تھوڑی دیر میں برف لایا تو ایک لوٹا بھر کے ٹھنڈا پانی انھوں نے پیا۔ اب ذرا جان میں جان آئی اُٹھ کر بیٹھے۔

لالہ پکوڑی مل

ایک روز جھٹ پٹے وقت نواب نامدار کا دربار گرم تھا کہ جناب منشی مہراج بلی صاحب المتخلص بہ لالہ روغن زرد تشریف لائے، اور فرمایا کہ پرسوں آپ سب صاحب غلام کے کفش خانہ پر جو کچھ ماحضر ہو تناول فرمائیں۔

نواب صاحب اور آغا صاحب نے بڑی خوشی سے دعوت قبول کی۔ مگر میاں اختر نے دو اعتراض جمائے۔ ایک یہ کہ جب کفش خانہ کہا تو غلام کے لفظ کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرے ماحضر کے ساتھ جو کچھ کا لفظ غلط ہے۔ ماحضر کے معنی تو خود ہیں (جو کچھ حاضر ہے)۔

منشی مہراج بلی بہت جھلائے کہا تمہاری دعوت کون مردود کرتا ہے۔ تم بس اسی کتر بیونت میں رہو کہ کفش خانے کے بعد غلام نہیں آتا۔ اور غلام کے بعد کفش خانہ۔ پاگل نامعقول تم کیوں ہمارے بیچ میں بولتا ہے۔ چرا شما در گفتگو سے دخل در معقولات کردن توانی۔ کاہے واسطے ٹوکنے مانگتا ہے۔ اگر دعوائے فارسی دانی می دارید کدامی روز امتحان ما با شما در بروے علمایان درفرنگی محل شود۔ کہ گفتہ اند بقول شخصے یسوُلُ عَلیَ الکلبِ[1]۔

اس پر حاضرین جلسہ بے اختیار ہنس پڑے کہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ وہی مثل صادق آئی ہے۔ یہ کتنے بلی کا یہاں کیا ذکر تھا۔ واہ مہراج بلی کیوں نہ ہو۔

میاں اختر نے ان کے بتانے کے لیے کہا راست میگوئی۔

مہراج۔ خیلے راست میگوئی کہ در زبان فرس عدیل و نظیر نداری کہ گفتہ اند الشاۃ نظیفۃ و الفیل جیفۃ[2]۔ سب نے مکرر قہقہہ لگایا۔ تو منشی مہراج بلی اور بھی شرمائے اور جھلائے۔

آغا صاحب نے سب کو روکا اور کہا بھئی ایک شخص تو دعوت کو کہتا ہے مدعو کرتا ہے۔

---

[1] یہ ایک عربی ضرب المثل کا ایک جز ہے جس کا مطلب ہے کہ مغلوب بلی کتّے پر حملہ کرتی ہے۔

[2] معنی۔ بکری پاک ہے اور ہاتھی ناپاک (مردار)

اور تم اس کو ہنستے ہو۔

نواب صاحب نے مہراج بلی کے ٹھنڈا کرنے کو کہا تو بھئی کوئی غیر آدمی تو نہیں ہیں۔ دوست ہیں یا نہیں۔ ہاں صاحب یہ تو فرمائیے کہ کھلائیے گا کیا۔

منشی مہراج نے انکساری کے ساتھ جواب دیا کھلائیں گے کیا جو توفیق ہو گی۔ دال دلیا۔ گھانس پھونس۔

اس پر نواب صاحب ہنس دیے حضرت دال دلیا تک تو خیریت تھی مگر گھانس پھونس تو حضور خود ہی نوش فرمائیں۔ منشی مہراج بلی نے بڑی متانت سے جواب دیا کہ اور سب چیزیں تو خیر اچھی ہوئیں گی۔ مگر ایک شئے ایسی کھلاؤں گا کہ عمر بھر نہ بھولو گے لوگوں نے پوچھا وہ کیا شئے ہے۔ فرمایا۔ لچئی آٹے کی لچئی۔ موین ڈال کے اور اس کے اندر بیسن اور پیٹھی بھرتے ہیں۔

آغا ۔ پلاؤ کی کیا حقیقت ہے اس کے سامنے بھلا۔

نواب ۔ پلاؤ بھی کوئی کھانے میں کھانا ہے بھلا۔

ممتن ۔ لچئی کے مقابل میں مرغ پلاؤ بھی گرد ہے۔

مہراج ۔ ہے تو ایسا ہی۔ وہ سوندھاہٹ کہاں سے آئے گی۔ وہ سوندھی سوندھی خوشبو کہاں پائیے۔

ممتن ۔ سرکار اپنے خاص پز کو سکھا دیجئے۔

نواب ۔ ہمارا خاص پزدہ ہتوٹی کہاں سے لائے گا۔

ممتن ۔ ہاں حضور یہ صحیح ہے۔ وہ گنوار آدمی پلاؤ، شیرمال، باقر خانی، قورمہ، دوپیازہ پکانا جانے لچئی پکانا کیا جانے اگر مر کے بھی جیے گا تو بھی نہ پکا سکے گا۔

مہراج ۔ ہم سکھا دیں گے جی۔ آپ لوگ کیا جانیں۔

راوی ۔ یہ سب تو منشی مہراج بلی کو بناتے تھے اور وہ گول آدمی تو تھے ہی اکڑ رہے تھے کہ نواب صاحب نے ہمارے کھانے کی تعریف کی اور لچئی کو پسند کیا۔

نواب صاحب نے دریافت کیا کہ لچئی ثقیل تو نہیں ہوتی فرمایا کہ اب اس کا حال نہ پوچھیے۔ پرسوں کچھ دور نہیں ہے کل ہی کا دن تو بیچ میں ہے۔ نئے دانت آ جائیں تو سہی ہم لوگوں میں یوں تو ہر قسم کا کھانا عمدہ پکتا ہے۔ مگر لچئی سے بہتر نہ تو آپ کا پلاؤ ہے۔ نہ کباب تو کہیے ہم کو کہاں سے معلوم ہوا ایک مسلمان دوست کی ہم نے دعوت کی۔ انگلیاں چاٹتے

تے واللہ انگلیاں چاٹتے تھے۔اور لچی کی تو اس قدر تعریف کی کہ ہم کو مجبور ہو کر مہینے میں دو چار بار ان کی دعوت کرنی پڑتی تھی۔اب تک خطوں میں لچی کی تعریف لکھ کر آتی ہے۔

آغا صاحب نے ممن کے کان میں کہا کسی نے اچھا آلو بنایا ان کو مہینے میں دو چار بار دعوت نے مرتا تھا۔اور یہ اچھی پٹی پڑھائی کہ پلاؤ بھی اس کے سامنے گرد ہے۔لاحول ولا قوۃ پوچھا کیوں حضرت کوئی اور شئے بھی عمدہ پکتی ہے۔کہا ہاں۔بیرتّیاں۔لچی اور بیڑی میں فرق ہے۔لچی میدے کی ہوتی ہے۔اور بیڑی آٹے یا میدے کی۔لچی بڑی ہوتی ہے۔لچی کا ذائقہ اچھا ہوتا ہے۔اور اس قدر ملائم ہوتی ہے کہ بے دانت والا بھی آسانی سے چبا لے کھائیے گا تو معلوم ہوگی کیفیت اور ترکاریوں میں ہم آپ کو پرلی کھلائیں گے۔اور جھول دار رسا۔

یہ جھول دار رسا کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔متحیر ہو کر دریافت کیا کہ جھول دار رسا کس کو کہتے ہیں۔تو آپ بہت ہی ہنسے کہا یار تم لوگ گنوار ہی رہے۔جھول دار اس ترکاری کو کہتے ہیں جس میں پانی رہتا ہے۔آلو ہو یا رت آلو۔توری۔پوچھا توری کیا شئے ہے۔فرمایا توری بھی توری۔اجی یہی توری توری۔اور بیسن کے زمیں قند۔بیسن کے قتلے بناتے ہیں اور ان کو گھی میں تلتے ہیں اور پھر چھونک لگاتے ہیں۔آملے کا چھونک لگاتے ہیں۔

اختر نے بات کاٹی۔حضور دیکھیے یہ نیا محاورہ سننے میں آیا (چھونک لگانا) اور توری آپ لوگ نہ سمجھے ہوں گے تری سے مراد ہے۔

پوچھا اور کیا کیا ہوتا ہے۔کہا کڑھی ہوتی ہے۔بیسن اور دہی کو ملا کر چھونکتے اور روٹی کے ساتھ کھاتے ہیں اور چاول کے ساتھ بھی کھائی جاتی ہے۔مگر سب کھانوں سے زیادہ چٹ پٹا پن پکوڑی میں ہوتا ہے۔

اب تو آغا صاحب سے نہ رہا گیا کہا واہ بھئی لالہ پکوڑی مل واہ لالہ کچوری مل کیا کیا کھانے بتائے ہیں۔کہ ہم گنوار لوگوں کے فرشتے خاں نے بھی نہیں سنے تھے۔جھول دار اور توری اور بیسن کے زمیں قند۔مگر بھائی صاحب خدا کے لیے جھول دار ترکاری نہ کھلائیے گا۔جس میں پانی ہوتا ہے۔اتنی مہربانی کیجیے گا۔مگر لچی ضرور کھائیں گے۔

منشی مہراج بلی صاحب نے اینڈتے ہوئے کہا اور کھیر کھلائیں گے۔دودھ میں چاول ڈال کے کھیر بنتا ہے۔

اختر ۔ خوب ہوا کہ بنتی ہے نہیں کہا۔ کھیر بنتا ہے ۔ سچ ہے یہ بڑی ٹیڑھی کھیر نہیں محاورہ ہے۔ بلکہ بڑا ٹیڑھا کھیر ہے ۔

مہراج ۔ (کچھ نہیں سمجھے) اور ایک قسم کے میٹھے چاول کھلائیں گے۔ جس میں ہر قسم کی میوہ ڈالی جاتی ہے۔

نواب ۔ (لوٹنے لگے) ارے یار مار ڈالا ظالم۔

اختر ۔ حضور بہت بڑھی ہوئی ہے تحقیقات، کھیر بنتا ہے۔ اور میوہ ڈالی جاتی ہے۔ اور توری اور جھولدار رسا۔ ماشاء اللہ کیوں نہ ہو۔ اللّھم زِد فَزِد ۔

نواب ۔ بھئی اب بہت نہ ہنساؤ۔ اُف ۔!!!۔

مہراج ۔ اور ساگو دانے کا کھیر کھلائیں گے۔ گری اور چرونجی ڈال کے اور شوقین لوگ زیرہ بھی گبڑ دیتے ہیں اور منگوچی پکتی ہے ۔

اختر ۔ ایں ارے ظالم۔ کھیر میں زیرہ، ہٹ تجھے خدا غارت کرے۔ اور ہری مرچیں کیوں نہ چھوڑیں ۔

ممتن ۔ اور کچھ اور بھی سُنا۔ زیرہ ایسے ویسے آدمی نہیں ڈالتے۔ شوقین لوگ ڈالتے ہیں۔ بلکہ گبڑ دیتے ہیں۔ ارے لعنت خدا ۔

داروغہ ۔ اور یہ کھانا مریضوں کے لیے ہوتا ہے یا صحیح و تندرست آدمیوں کے لیے ہوتا ہے ۔ اوّل تو رسا جھول دار بالکل پانی۔ دوسرے منگوچی مریضوں کا کھانا تیسرے ساگو دانے کی کھیر، چوتھے تری۔ یا انہیں کی زبان میں کہیں توری یہ سب تو مریضوں کے کھانے ہیں۔

مہراج ۔ کیا پاگل پنے کی باتیں کرتے ہو۔ ہونھ ۔!۔

داروغہ ۔ اے تو جناب عمدہ عمدہ کھانے پکوائیے تو خیر ہم بھی آئیں۔ یہ جھول دار رسا اور زیرہ کی کھیر تو حضور ہی کو مبارک رہے بریانی پکواؤ۔ مرغ کا قورمہ پکواؤ۔ مزعفر پکواؤ۔ کباب پکواؤ تو بات ہے۔ کہتے ہیں جھول دار رسا اور زیرے کی کھیر اور توری ۔

مہراج ۔ آپ لوگ کیا جانیں کھانا کھانا۔ چرے ہوں گے ۔

راوی ۔ آپ کی باتوں پر بھی واللہ انسان تو کیا گدھوں تک کو ہنسی آئے ۔ جھول دار رسا اور پکوڑی پر یہ زعم ۔ ماشاء اللہ ۔

آغا ۔ نواب کل ہم کم کھائیں گے۔ کیوں صاحب ہو نہ ۔

مہراج ۔ یہ آپکو اختیار ہے قبلہ میں تو دریغ نہ کروں گا ۔ کچی پکی دونوں قسم کی رسوئی ہوگی اور شیرینی اور نواکہات اور اچار اور چٹنی اور کھیر اور میوہ ہوگی ۔

اختر ۔ اور تو سب کچھ ہوگی یہ فرمائیے کہ ٹھنڈا پانی بھی ہوگی بولیے ۔

منشی مہراج بلی نے کچھ سوچ کر کہا ۔ یار اچار تم لوگوں کو کس قسم کا پسند ہے ۔ ہم کو تو بھائی صاحب تیل کا اچار پسند ہے ۔ خوب مصالح پڑا ہو ۔ یہ عرق پر ق اور سرکہ ورکہ سب ہیچ ہے ۔ مگر اپنی اپنی پسند ہے ۔ کسی کا اجارہ نہیں ہے ۔ کسی کو کچھ پسند ہے کسی کو کچھ پسند ہے ۔ بعض آدمی کریلے کے نام سے چڑھ جاتے ہیں ۔ اور بعض آدمی کریلے پر جان دیتے ہیں ۔ اور بھرے کریلے کو نعمت سمجھتے ہیں ۔

نواب صاحب نے کہا از برائے خدا تیل کی چیزوں سے تو ہم کو معاف رکھیے گا ۔ ایک تو یونہی آگ برس رہی ہے دوسرے ہم گنوار لوگ تیل کے عادی نہیں ۔ اچار ہم اپنے ساتھ لیتے آئیں گے

مہراج ۔ نہیں اچار نہیں ۔ جو ہم کہیں وہ ساتھ لیتے آئیو اچار وچار نہ لانا ۔

نواب ۔ تو یہ ہماری رائے پر رکھو ۔ ہم مچھلی یا کباب یا قورمہ اسی قسم کی کوئی شئے لیتے آئینگے ۔

مہراج ۔ کیا مجال ہے ۔ یہ ہمارے یہاں نہیں ۔ ہاں شراب لیتے آؤ تو کیا مضائقہ ہے ۔

نواب ۔ ایسی تیسی آپ کی شراب کی آدھی درجن بوتلیں منگوا رکھنا ۔ اور جھجھن صاحب اور رونق جنگ بھی ضرور ضرور رہوں ۔

مہراج ۔ بھلا ایک بات تو سنو ۔ پانی میں اگر کیوڑا ہو تو حرج تو نہیں ہے ۔

آغا ۔ ارے کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا کیوڑا ہرگز نہ ہو ۔

اختر ۔ حرام مطلق ہے ۔ کیوڑے کے نام سے نفرت ہے اور بڑے نقصان کی شئے ہے ۔

مہراج ۔ جبھی تو میں نے سوچا کہ دریافت تو کر لے مہراج بلی کو آخر وہی ہوا ۔

ممّن ۔ سب کیا کرایا مٹی ہو جاتا کیوڑا بھلا ہم لوگ چھوتے ہیں ہاتھ سے ارے توبہ ۔

راوی ۔ منشی مہراج بلی کو پورا پورا یقین ہو گیا کہ کیوڑا ان لوگوں میں حرام ہے ۔ واہ رے عقل ۔

منشی مہراج بلی بڑے جبز رس آدمی تھے ۔ چمڑی جائے اور دمڑی نہ جائے ۔ سوچے کہ آدھی درجن شراب منگوانا ذرا ٹیڑھی کھیر ہے ۔ اگر ہوسکی منگواتے ہیں تو پندرہ روپیہ سے کم کو نہ آئے گی اور اگر اولڈ ٹام ہو تو بھی ساڑھے دس روپیہ کے ماتھے جائے گی ۔ اور اگر اکشا نمبر ون ہو تو بھی کم سے کم اکیس روپیے خرچ ہوں گے ۔ اور رم پلا نہیں سکتے ۔ شامپین میں تو ادھر جاتیں گے ۔

اس کا تو کوئی ذکر ہی نہیں ہے کھانا الگ اور شراب کی قیمت الگ۔ یہ بہت بڑھ جائے گا۔ اور بڑا روپیہ صرف ہوگا۔

اتنے میں نواب صاحب نے ایسا سخت سوال کیا کہ مہراج بلی کے ہوش اڑ گئے پوچھا (اور طائفہ کون کون ہوگا)۔

مہراج۔ (سر کھجلا کر) طائفہ! دیکھئے۔

آغا۔ مشتری جان سے بڑھ کر خوش گلو اور کون ہے۔ اگر گانا سننے کا شوق ہے تو انہیں کو بلائیے۔ ورنہ فضول ہے۔

منشی مہراج بلی سوچے کہ اگر ان کو بلایا تو بیس بائیس کی ٹھک جائے گی کچھ دیر غور کر کے کہا منّے خاں کو بلوائیں گے۔ نواب صاحب نے قہقہہ لگایا اور کہا پھر شیدی سلیمان کو بلوائیے وہ بھی بڑا خوش گلو اور نازک آواز آدمی ہے۔ میاں مرد کے گانے میں تو ہم کو مزہ نہیں آتا اس سے شاہ مینا کی درگاہ کیوں نہ چلے جائیں۔

اب یہ چکرائے انھوں نے چاہا تھا کہ چار پانچ روپیہ میں ٹال دیں مگر وہ لوگ کب مانتے ہیں۔ کہا صاحب سنیئے ہم بتائیں یہ دعوت کرنیوالے کی رائے پر موقوف ہے آپ لوگوں کو اس سے کیا بحث ہے۔

منشی مہراج بلی صاحب نے کہا ہاں خوب یاد آیا ایک بات تو بھول ہی گیا تھا۔ مربّا کس کس قسم کا پسند ہے۔ بھائی ابھی سے بتا رکھو۔ ورنہ پھر شکایت نہ کرنا۔ دریافت کیا گیا کہ آپ کے گھر میں کس قسم کا مربّا تیار ہے۔ فرمایا۔ حرفا ربوڑی کا اور آم کا حرفا ربوڑی کا مربّا مہراج بلی کو بہت پسند تھا۔

ممّن نے کہا حضور کروندے کا مربّا تو کھایا ہے۔ مگر حرفا ربوڑی کا مربّا نہیں سنا تھا۔ اتنے میں حسین علی خدمت گار نے آن کر عرض کیا حضور ایک صاحب آئے ہیں۔ ابھی گاڑی سے اترے نہیں ہیں۔ ممّن کو حکم ہوا جا کے دیکھو۔ میاں ممّن گاڑی کے پاس گئے جھک کر سلام کیا۔ اخاہ مسٹر محمد جان صاحب ہیں۔ حضور تو سنا کہیں باہر گئے تھے۔ آئیے تشریف لائیے۔ مسٹر محمد جان اترے اور رپ رپ کرتے چلے۔ کوٹ پتلون کالر۔ انگریزی ٹوپی۔ آتے ہی نواب صاحب سے بڑے تپاک سے مصافحہ ہوا۔

نواب۔ ول مسٹر۔ کہاں گئے تھے اور کب واپس آئے۔

مسٹر۔ ارے یار کچھ نہ پوچھو۔ ایک ریاست ہے نور پور۔ نور پور تو گیا اصل میں اندھیر پور ہے۔ رئیس خواب خرگوش میں کار پرداز عموماً ان پڑھ۔ راشی۔ وہاں ایک شخص جاکے گھسا قوم کا خدا جانے مہاشے کہ ہندوستانی ہے کہ بنگالی۔ مگر اردو صاف نہیں ہے۔ بڑا چالاک آدمی سب کو دبا دیا اور رئیس پر حاوی ہوگیا۔ ذرا رئیس کا رخ بگڑا پایا اور کہدیا کہ آپ کی کل بے ضابطگیاں جاکے جبڑوں گا حکام سے تو قدر و عافیت معلوم ہوگی۔ وہ بیچارہ سیدھا رئیس اس کے بس میں آگیا اس نے ان کو بھولا بالا جو پایا تو اور بھی شیر ہوگیا۔ آخر کار کئی لاکھ کا غبن نکلا دھرے گئے ریاست کی طرف سے ہم منتخب کیے گیے۔ اب میں ایک ہفتے کی رخصت لیکر آیا ہوں واللہ ایک ہی ذات شریف ہے اور پرلے سرے کا نمک حرام۔

نواب صاحب نے کہا آپ اس وقت خوب آگئے۔ ہمارے ایک ہندو دوست ہیں منشی مہراج بلی صاحب ان کے ہاں ہم مدعو ہیں۔ بہت خوب آدمی ہیں اور آپ کی بھی دعوت کرنا چاہتے ہیں۔

ہاں یار کیا کھلواؤ گے۔

منشی مہراج بلی صاحب کب چوکنے والے تھے کہا ایک تو لچی کھلائیں گے۔ اور جھول دار ترکاری کھلائیں گے۔

مسٹر محمد جان بیرسٹرایٹ لا لچی اور رسا کا نام سن کر مسکرائے مگر ان سے کبھی پہلے کی بے تکلفی نہ تھی۔ ہنسی کو ضبط کیا۔

نواب۔ ہاں بھئی اور کیا کھلاؤ گے بتاتے جاؤ یار تم تو چپ ہو رہے۔

مہراج۔ اور کیا کھلائیں گے! ۔ اور سب۔

نواب۔ یہ اور۔ اور کیا۔

بیرسٹر۔ بہت خوش خور معلوم ہوتے ہیں آپ اور شوقین آدمی ہیں۔

نواب۔ جی اُستاد ہیں خاص چیز کی کیا حقیقت ہے۔

لچئی کی دعوت

تیسرے روز حسب اقرار منشی مہراج بلی صاحب کے ہاں نواب محمد عسکری صاحب اور داروغہ، اور آغا محمد اطہر صاحب اور نواب چھٹن صاحب اور مٹن اور نواب رونق جنگ دوگاڑیوں پر سوار

ہو کر داخل ہوئے۔ گاڑیاں دروازے پر ٹھہریں۔

یاری پھاٹک پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا کوئی چوالیس پینتالیس برس کا سن حسین علی خدمت گار نے پوچھا ارے منشی مہراج بلی صاحب ہیں۔ کہا کاؤ جانی۔ حسین علی نے اس پر بڑا غصہ کیا کاؤ جانی اپے دریافت کرکے بتائیو توں اپے تبے کاہے کرت ہو۔ تمہارے ہیں کچھ" نواب صاحب کو بھی غصہ آگیا۔ حکم دیا کہ دے پٹر۔ حسین علی جھپٹا تو آغا صاحب نے غل مچا کر کہا جانے دو جی جانے دو۔ کیوں دُنگا کرتے ہو۔ گنوار کے منھ لگنا کیا معنی کوئی تمیز دار آدمی ہو تو اس سے گنجایش شکایت ہو۔ گنوار آدمی سے کیا شکایت۔ صریح مردود دیکھتا ہے کہ دو چار رئیس زادے کھڑے ہیں" اور خود ڈٹا بیٹھا ہوا ہے۔ ایسے نوکر کی ایسی تیسی مردود کی۔

یہ آواز سن کر منشی مہراج بلی صاحب نے برآمدے سے سر نکالا اور کہا آداب عرض ہے یہ آج آپ لوگوں نے کہاں کا دھاوا کر دیا۔ نواب صاحب نے کہا ایں! کہاں کا دھاوا کر دیا۔ کچھ واہی تو نہیں ہوا ہے بے۔ کہاں کے دھاوے کی ایک ہی کہی ہے نیچے آؤ یار دروازہ کھلواؤ۔ کہا بھائی صاحب بندے کو تو آج فرصت نہیں ہے۔ اب کسی اور دن کمترین کو سرفراز فرمایئے گا۔

آغا ۔ کچھ آپ واہی تو نہیں ہو گئے ہیں۔

مہراج ۔ واہی اس محلّے میں رہتے نہیں۔

نواب ۔ اب آپ کے پٹنے کے لچھن ہیں۔

مہراج ۔ زیادہ بولو گے تو یہاں سے ڈھیلے برساوں گا اسی لیے گلی والے مکان میں نہیں بیٹھا آج ۔ تم بولے اور ہیں نے کلوخ اندازی شروع کر دی۔

آغا ۔ کلوخ اندازی! ڈھیلے ماروں گا نہ کہیں گے لالہ روغن زادہیں نا۔ کلوخ اندازی کرو گے تو دندان شکنگی ہم بھی کریں گے۔ دل لگی نہیں ہے کلوخ اندازی میں فرقدان پر آ بل آئے گی۔

الغرض منشی مہراج بلی صاحب کے ہاں یہ سب داخل ہوئے۔ اور جاتے ہی ایک کمرے میں اڑنے لگی۔

مہراج بلی نے دو بوتلیں دیسی شراب کی منگوا رکھی تھیں۔ اور دو بوتلیں اولڈ ٹام کی۔

نواب ۔ ابے یہ دیسی شراب کیوں منگوائی اکشا نمبرون یا ہوسکی منگوائی ہوتی۔

مہراج ۔ بھئی اب تو یہی حاضر ہے۔

ممتن ۔ ابے کیا کسی کو فقیر مقرر کیا ہے۔ حاضر ہے۔

الغرض سبھوں نے خوب اڑائی اور چاروں بوتلیں خالی کر دیں۔ اور سب کو اچھا سرور ہو گیا۔

ممتن ۔ بھئی اس میں تو کچھ بھلا بھی نہ ہوا۔ خاک جو نشہ ہوا ہو، اور منگواؤ۔

داروغہ ۔ بس یہی تو خرابی کی نشانی ہے۔

ممتن ۔ آپ ہمارے بارے میں دخل نہ دیں۔

داروغہ ۔ اچھا بھئی تم کو اپنے فعل کا اختیار ہے۔ ہم اب کبھی نہ سمجھائیں گے۔

ممتن ۔ (بہکتے ہوئے) ابے جا۔ نہ سمجھائے گا تو یہاں کیا بگڑے گا۔

رونق جنگ ۔ اچھا بھئی تو اب جانے دو۔ اب زیادہ گفتگو میں بات بڑھے گی۔

نواب ۔ آخر یہ کیوں کر معلوم ہو کہ ہم بھی پیتے ہیں۔

رونق جنگ ۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔

الغرض نواب صاحب نے جب یہ بدمزگی دیکھی تو رونق جنگ اور آپ ایک دوسرے کمرے میں جا کے بیٹھے۔

الغرض جب نشہ خوب جما تو آغا صاحب اور داروغہ نے منشی مہراج بلی صاحب سے تقاضائے شدید کرنا شروع کیا۔ کہ حضرت کھانا منگوائیے۔ فرمایا۔ اور ذرا سی پی لو۔ یار وجلدی کیا ہے۔ انھوں نے کہا پئیں، کیا برے کا سر۔ کہنے لگے ذرا سی اور پی لو۔ بھئی واللہ بڑے ممسک ہو۔ ارے یار عزیز دعوت کرنا فرض ہی کیا تھا کون تمہارے گلے پر چھری پھیرتا تھا کہ ضرور دعوت کرو۔

تھوڑی دیر میں مہراج بلی نے ایک بوتل اور پیش کی۔ کہا بھائی صاحب یہ بھی ایک نایاب شئے ہے۔ چھٹن صاحب نے بوتل ان سے لے کر گلاس میں شراب انڈیلی، تو ناک بھوں چڑھا کر بولے۔ ارے یہ تو دیسی ہے۔

کل حاضر بن جلسہ نے تھڑی تھڑی کی۔ خدا تجھ سے سمجھے، ارے کمبخت تجھ سے ڈھائی روپیہ کی ولایتی شراب نہیں منگوائی جاتی۔

مہراج بلی نے کہا، یار و دیسی شراب سے ولایتی شراب تیز ہوتی ہے اور ولایتی ہم لوگوں کو مار ڈالتی ہے۔ زہر کی خاصیت رکھتی ہے۔ اس کو ہاتھ سے نہ چھونا چاہیے۔

نواب صاحب نے ان کو للکارا۔ آپ کی ایسی تیسی۔ کوئی گنوار مقرر کیا ہے۔ مہوے

ئی شراب بھلا کہیں سیب اور انگور کی شراب ناب کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ جان نکلی جاتی ہے مردود کی کوئی بھوکا تھا تیری دعوت کا۔ اگر احباب کی دعوت کی ہے۔ تو جی کھول کے کھلاؤ پلاؤ۔ ورنہ بھائی صاحب نان خشک ہم سب کو اللہ کی عنایت سے میسر ہے۔

مہراج بلی نے خدمت گار کو آواز دی اور کہا ہمارے روزمرہ کے پینے کی چیز جا کے بازار سے لے آؤ۔ ایک بوتل جلدی سے لاؤ۔

خدمت گار روانہ ہوا۔ اب منشی مہراج بلی نے نواب صاحب کی طرف مخاطب ہو کر کہا لے حضرت اب آئیے ہم سے آپ سے شرط ہو جائے۔ اگر انگریزی شراب دیسی سے زیادہ مضر نکلے تو ہم جیتے۔ نہیں آپ جیتے۔ پوچھا کیا بدتے ہو۔ کہا جو بدو۔ کہا ایک ایک اشرفی۔ کہا منظور۔ میں بھروں گا۔ کہا میں بھی بھروں گا۔ لے مارو ہاتھ پر ہاتھ۔

نواب صاحب نے کہا کسی حکیم سے دریافت کر لو۔ کہا حکیم کیا جانے کسی ڈاکٹر سے پوچھو۔

الغرض مسٹر محمد جان بیرسٹر سے انگریزی میں ڈاکٹر پرونا تھ بوس کے نام خط لکھوایا گیا۔ تھوڑی دیر میں جواب آیا۔ مسٹر محمد جان نے پڑھ کر کہا نواب صاحب آپ ایک اشرفی ہار گئے ان کو بڑا تعجب ہوا۔ ایں! کیا لکھا ہے پڑھیے تو سہی کیا لکھتے ہیں کہ کثرت دونوں کی بری۔ دیسی ہو یا ولایتی مگر ولایتی شراب دیسی کی نسبت زیادہ مضر ہے۔ دیسی شراب اس قدر ضرر رساں نہیں۔ جس قدر ولایتی شراب ضرر رساں ہے اور اگر عمدہ عمدہ نسخوں کے مطابق کشید کرائی جائے اور بھبکے اچھے ہوں اور خوب اڑنہ گئی ہو تو ولایتی شراب کی کوئی اصل اور حقیقت نہیں ہے۔ مگر مجھے تعجب ہے کہ نواب صاحب اور یہ سوال۔ کچھ دال میں کالا کالا معلوم ہوتا ہے۔ خدا خیر کرے شراب کا نام برا دیسی ہو یا ولایتی۔ اب تو مہراج بلی شیر ہو گئے کیوں بچہ کیا کہتے تھے ہم۔ ہم سے اور بحث شہید مردوں سے دل لگی لے اب ایک جے پور کی اشرفی منگوائیے کھری۔

آغا صاحب نے کہا یار اینچا نب بہت ہی سستے چھٹے۔ واللہ میں خود بدنے کو تھا مگر خدا نے بڑا رحم کیا ایک اشرفی کی کوئی بات نہ تھی۔ مگر جھیپ کتنی ہوتی ہے۔ مہراج بلی مزے میں ہے دو روپے سے زیادہ ایسے جزرس آدمی نہیں خرچتے۔ دو کے عوض بائیس پائے کتنا بڑا منافع ہوا ہے۔

نواب صاحب نے کہا۔ جی منافع کے بھروسے بھی نہ بھولیے گا۔ یہ اشرفی کیا ان کو دے ڈالی جائے گی ضرور منھ دھو رکھیں۔ اس اشرفی میں ایک دن خوش روزہ ہو گا اور آپ کیا سمجھے تھے کہ ان کے حوالے کر دی جائے گی بجا ہے انکی ایسی تیسی ٹکے کی لپی اور۔ لاحول ولا قوۃ وہ دلنذیری نام کس

بھکوے کو یاد ہیں۔ کیا کہا تھا۔ ارے میاں وہ کس قسم کی ترکاری کہی تھی ذرا نام لینا۔

ممّن نے کہا حضور جھول دار۔ اس پر قہقہہ پڑا بھئی یہ نیا نام سُنا۔ مگر وہ لچئی اور جھول دار رسا ہے کہاں۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ منشی مہراج بلی کی بارن آئی کہا گھر ماں پوچھت ہیں کہ میدہ اور گھیوا ور ترکاری کب تلک منگھویبو۔ ائیں! اب تو سب چکراتے۔ ارے ظالم ہم تو سمجھے تھے کہ کھانا پک گیا ہوگا۔ ابھی گھی اور میدہ اور ترکاری ہی کی پکار ہے۔ واللہ مار ڈالا۔

مہراج بلی سخت جھینپے۔ بارن کو ایک ڈانٹ بتائی اور زنان خانے میں گئے۔ تو ان لوگوں کے کان میں دور کی آواز آئی کہ کاہے واسطے تم بارن کو بھیجا ہے۔ تم بیوکوف عورت۔ یو بلڈی فول۔ اس کے جواب میں ایک عورت نے کہا۔ جو ہم سے اول پھُول بکیو نا تو بھائی کر یا ہم سے بینے نا۔ کو وَ تمہار لونڈی ہے کہ تمہار دیا کھات ہے۔ آئے وہاں سے بڑے اوتی بن کے نہ گھی منگویبو نہ میدہ لچئی کاوَ تھا۔ مونٹر پکیہے۔ اس کے جواب میں کوئی آواز نہ آئی۔ اور یہاں لوگوں کی یہ کیفیت کہ مارے ہنسی کے بُرا حال تھا۔

آغا۔ بیوی نے تو خوب ڈانٹ بتائی واللہ۔

نواب۔ جو ہم سے اول پھُول بکیو نہ تو بنیے نا۔

ممّن۔ (قہقہہ لگا کر) پہلے تو بہت شیر بنے ہوئے تھے۔

آغا۔ (ہنس کر) اور بلڈی فول جورو کو بھی کہتے ہیں آپ۔ مگر واللہ اس نے بھی کیا ڈانٹ بتائی ہے۔ ہم سے اول بھُول بکیو تو بنیے نا بھائی کر یا۔

چھٹن۔ (قہقہہ لگا کر) آئے وہاں سے بڑے دوتی بن کے۔

آغا۔ یہ لطیفہ سب سے بڑھ گیا کہ نہ گھیو نہ میدہ لچئی کاوَ تمہار مونٹر پکیہے۔ مگر کھابدا۔ زن مرید ہے یار

نواب۔ شاید بیوی نہ ہوں ان کی کوئی اور ہوں۔

مسخرہ۔ کیا بات پیدا کی ہے حضور نے۔ بیوی نہیں والدہ شریف ہوں گی۔ مہراج بلی کی بھئی کیا سوجھ بوجھ ہے واللہ حضور خوب سمجھتے ہیں۔

اس پر سب کے سب نے پھر قہقہہ لگایا۔

داروغہ نے کہا حضور ضرور ان کی بیوی ہے۔ بیوی کے سوا اور اس قسم کی گفتگو کون کر سکتا ہے اس پر پھر قہقہہ پڑا۔ اور ممّن نے کہا واہ بھئی کانشو بھائی واہ سچ کہتے ہو۔ بیوی کے

سوا اور کون کہہ سکتا ہے بھلا کہ کیا تمہار دیا کھات ہے۔

ممّن ۔ یہ بھی خوب ہوئی کھانا کیا تمہارا سر پکے۔ بیشک بیوی کی ایسی ہی تقریبہ ہوا کرتی ہے۔

دارو غہ۔ کسی قدر جھینپے۔ کہا حضرت آپ لوگ لاکھ کہیے طرز گفتگو سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی بیوی ہیں اور آگے خدا جانے۔

نواب ۔ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے۔ بیوی تو ضرور ہے مگر بیوی کا ہے کو ہے میاں ہے۔

ممّن ۔ کیا کیا اد کھیاں آئی ہے۔ واللہ کیوں نہ ہو۔

آغا ۔ اچھی بیوی ملی ہے بھئی سرکوب۔

تھوڑی دیر میں منشی مہراج صاحب تشریف لائے۔ سب نے ہنسی ضبط کی کہ اس وقت جھیپا اور جھلآیا ہوا ہے۔ زیادہ نہ چھیڑنا چاہیے ورنہ بگڑ جائے گا۔

اتنے میں آدمی بوتل لے کر آیا۔ یہ بھی اولڈ ٹام کی بوتل تھی۔ ممّن نے بوتل لے کر کھولی اور ایک گلاس میں تین پگ کے قریب انڈیل کر برف ملائی۔ اور منشی مہراج بلی کی خدمت میں پیش کی۔

مہراج ۔ آپ سب نوش فرمائیں آغا صاحب کو دیجیے میں ابھی نہ پیوں گا۔

آغا ۔ نہیں پہلے تم ہی پیو۔ ہمارے سر کی قسم جو نہ پیے۔

مہراج ۔ بہت اچھا۔ الامر فوق ادب ست۔

راوی ۔ ماشاء اللہ نثر کی بولنا کیا فرض ہے اُردو تو اچھی طرح بول نہیں سکتے۔ عربی کی ٹانگ ضرور توڑیں گے۔ صحبت میں بیٹھتے بیٹھتے اُردو فصاحت کے ساتھ بولنے لگے تھے۔ مگر ہٹ کہاں جائے الامر فوق الادب کے عوض الامر فوق ادبست اس است نے کیا لطف دیا ہے۔

جب نواب صاحب نے اصرار کیا تو مہراج بلی نے کہا یار ممّن نے کیوں چھو لیا ہم دوسرے گلاس میں پئیں گے۔

نواب صاحب نے کہا واہی ہے۔ اُڑا جا۔

مہراج بلی نے دو دفعہ کر کے پی اور گلاس فرش پر رکھ دیا اور بہت خوش ہوئے۔

ممّن نے کہا حضور میرے ایک دوست ہیں۔ مخمور تخلص کرتے ہیں ان کے ایک دوست منشی قربان حسین صاحب قربان نے ان کی دعوت کی اور اصرار بلیغ کیا کہ پرسوں سوا نو بجے ضرور قدم رنجہ فرمائیے گا، ورنہ ہمیں ملال ہوگا۔ یہ بیچارے اپنے آقا سے رخصت لے کر ٹھیک

وقت پر اپنے میزبان کے گھر چلے تو مکان سے تھوڑے فاصلے پر ان کے میزبان منشی قربان حسین صاحب ملے۔ دو صاحب ہمراہ تھے۔ دونوں شاعر، ایک مولوی بھبوکا۔ دوسرے میاں مکمل۔ ان کو دیکھتے ہی منشی قربان حسین صاحب نے بڑی حیرت کے ساتھ پوچھا حضرت آپ اس وقت کہاں۔ ادھر کہاں بھول پڑے آپ۔ اب تو یہ چکر اے۔ کہا آپ کہاں تشریف لیے جاتے ہیں۔ فرمایا میں تو ایک مجلس میں جاتا ہوں، پوچھا آئیے گا کب تک کہا یہ نہیں عرض کر سکتا۔ اور بھی کئی کام ہیں۔ شام تک شاید آنا ہو۔ تب تو یہ بگڑے کہا کچھ آپ پاگل ہو گئے ہیں۔ ابھی کھانے کا بندوبست کرو۔ بھوکے شریف سے زیادہ خطرناک کوئی نہیں ہونا چارون صاحب چلے تو یوں سکوٹ ہونے لگی۔

قربان۔ بھئی اب ان کو کہاں کھانا کھلوائیں۔

مکمل۔ بس حلوائی کی دکان اور داداجی کا فاتحہ۔

بھبوکا۔ اس وقت پکنا تو محال ہے، اور نہاری کا اب وقت نہیں رہا۔ پھر ان کے واسطے کچھ اور بندوبست کرنا چاہیے بھائی صاحب۔

قربان۔ اب سردست کیا بندوبست ہو سکتا ہے۔

مکمل۔ اچھا گھر تک تو چلیے۔ سامنے تو ہے۔

منشی قربان صاحب اپنے مکان پر داخل ہوئے ماما کو بلا کر دریافت کیا کچھ بچا بچایا ہے۔ ماما نے کہا میاں ہمارے ہاں باسی بچتا ہی نہیں اب منشی مخمور صاحب گھبرائے اور بہت ہی جھلائے کہ ایک تو مارے بھوک کے آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔ پیٹ میں چوہے چھوٹے ہوئے ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ کہ پھبتیاں ہوتی ہیں۔ نہ باسی بچے نہ کتا کھائے۔

منشی قربان صاحب نے پوچھا ارے کوئی شئے بچی بچائی ہے۔

ماما جوان عورت اور نمکین تھی اور منشی قربان صاحب کی منظور نظر اور مطبوع طبع۔ کہنے کیا ہے کہ شیرا کے کھانے کے چیچھڑے بچے ہیں کہیے بھجوا دوں۔ یک نشد دو شد۔ اور اب کی کھلی کھلی۔ مخمور دل میں اور جلے۔ منشی قربان صاحب نے فرمایا کہ جا کے گھر میں دریافت کرو۔

ماما پھر واپس آئی کہا حضور تلی اردیاں تھوڑی سی ہیں کہا لے آ۔ اس نے کہا اوئی یہ کون موا پیٹو کھائے گا خالی خولی اردیاں۔ ایک اور ہوئی۔ تھوڑی دیر میں ماما اردیاں لائی چار قتلے مگر عمدہ پکے ہوتے۔ حکم ہوا کہ ذری سامنے سے جمن گنڈیری والے کو بلا لاؤ۔ جمن آیا۔ پوچھا گنڈیریاں ہیں کہا اس بکھت کہاں۔ نہ پونڈا نہ گنڈیری۔ کہا بھئی گر ہیں ہیں وہی لاؤ۔ وہ جا کے کوئی بیس

بائیس گرہیں لے آیا۔ پھر ماما کو حکم ہوا۔ دیکھو پڑوس میں کوئی شے پکی ہو تو لاؤ۔ تھوڑی دیر میں وہ دہی کا مٹھا ہمسائی سے لائی۔ مگر آٹھ دس چمچے سے زیادہ نہیں۔ پھر حکم ہوا محمود موچی کے ہاں دیکھو کچھ ہو تو لاؤ۔ اب یار اپنے دل میں جل رہے ہیں۔ کہ کیا اچھی دعوت ہے اور کس اعزاز کے ساتھ میزبان پیش آئے۔ خیر محمود موچی کے ہاں سے دو چپاتیاں آئیں۔ مگر باسی بلکہ تباسی اور سخت ایسی جیسے پرانے جوتے کا چمڑا۔ اور کانڈل کے ساگ کی بھجیا تیں میں پکی ہوئی وہ بھی سڑی ہوئی۔

الغرض تلی اردبوں کے چار قتلے اور بیس بائیس گرہیں اور دہی کا مٹھا اور چپاتیاں اور کانڈل کے ساگ کی بھجیا یہ سب چیزیں میاں مخمور کے سامنے رکھی گئیں۔

انھوں نے تلی ارویاں تو چکھیں اور چپاتیاں میزبان کے منھ پر ماریں اور گرہیں میاں کمل کے سر پر لگائیں۔ اور کانڈل کا ساگ مولوی بھوکا کے سر پر پٹکا۔ اور مٹھے سے اس ماما مردار کو سر سے پاؤں تک نہلا دیا۔

نواب۔ کیوں بھئی مہراج بلی یہ کس پر ہوئی۔

مسخرہ۔ اب ان سے کیا پوچھتے ہیں حضور مگر ماما والی پھبتی تو اس بارن پر ضرور ہوئی واللہ۔ اور خوب ہوئی کیوں خداوند کیسی کہی۔ ؎

ہاتھ لا نواب کیوں کیسی کہی
پھبتی ہے نایاب کیوں کیسی کہی
منشی مہراج بلی کے حضور
جمع ہیں احباب کیوں کیسی کہی

بلّی نہیں لاحول ولاقوۃ بُلی بُلّی بفتح لام/ بے نقطہ وکسرے نقطتین یعنی دو نقطہ و تشدید لام۔

نواب۔ اچھے لوگوں کی دعوت کی تم نے۔ کھائیں اور غرائیں۔ یہ ناشکری کیا زمانہ ہے بھئی۔

نواب صاحب نے منشی مہراج بلی سے کہا بھائی صاحب اگر آپ کے ہاں کھانے میں عرصہ ہو تو بندہ گھر سے منگوائے۔ باہر تو آج معمولی کھانا مولوی صاحب اور موذن اور پڑوس کی بوڑھی سیدانی اور علاقے کے منیجر وغیرہ کے لیے پکا ہوگا۔ دو ایک طرح کا سالن۔ اور پلاؤ۔ اور میٹھے چانول چپاتی دال وغیرہ۔

بہر کیف کھانا تو وقت پر ملے گا۔ اور یہاں اس وقت کھرچن سی ہو رہی ہے کچھ تو کھلوا ظالم۔ کہا اچھا ٹھہرو لاتے ہیں زنانے میں گئے اور بیوی سے پوچھا کہو کوئی شے کھانے کی ہے۔

بیوی۔ اب بھوت اترا سر پر سے۔؟

مہراج۔ بھوت تم پر سوار تھا کہ ہم پر۔

راوی۔ بجا ارشاد ہوا۔

بیوی۔ ذرا ذرا سی بات پر جامے سے باہر ہوئے جاتے تھے۔

مہراج۔ تم تو بیوقوف ہو۔ ہم کو اپنے ماتحتوں کے ڈانٹنے ڈپٹنے کی عادت ہے نا۔ بس اسی سبب سے تم کو بھی کبھی کبھی ڈپٹ دیتے ہیں۔ اس میں کون بری بات ہے۔

بیوی۔ میں ایسے ڈپٹنے میں نہیں آتی۔

راوی۔ اصل زبان تو ان دونوں کی گنواری ہے مگر اہل اسلام کی صحبت میں مہراج بلی کی زبان شستہ ہو گئی۔ اور ان کی صحبت میں ان کی بیوی کی زبان درست ہو گئی۔ ؎

مے ہے گلزار ہے ساقی ہے گھٹا چھائی ہے

کہدو توبہ شکنوں سے کہ بہار آئی ہے

منشی مہراج بلی صاحب الشہیر بہ لالہ روغن زرد کے دولت خانہ حماقت کاشانہ میں ایک رقاصہ جادو جمال، رشک لعبتان چین، مشتری خصال، نوعمر، خوش گلو نازک آواز، عنبر مو جانستان تانیں لے رہی ہے۔ اور حاضرین جلسہ جن میں غیر کا گذر نہ تھا۔ ہر تان پر وجد کرتے سر ہلاتے اور تعریفیں کرتے تھے۔

اب سنیے کہ منشی مہراج بلی صاحب نے دعوت تو کر دی مگر روپیہ صرف کرتے ہوئے جان نکلتی تھی۔ لیکن شراب جو پی تو یہ سوجھی کہ حاتم کی قبر پر لات ماریں فوراً حکم دیا کہ جس قدر خوش گلو عورتیں ملیں سب کو لاؤ۔ حکم کی دیر تھی شہر بھر کو معلوم تھا کہ منشی مہراج بلی امیر آدمی ہیں جس کے ہاں آدمی گیا فوراً حاضر۔ اب جلسے میں جو ہے مسرور سرخوش تر دماغ۔ ؎

ع شرابی جمع ہیں میخانہ میں ٹوپی اچھلتی ہے

مہراج۔ بھئی شراب کے شعر ہوں۔ اس وقت۔ ؎

کفِ سیمین میں اُس پری وش کے

پھول ہے ساغر شراب نہیں

نواب۔ یار ذرا سننے تو دو۔ تم تو بک بک کرتے ہو۔

آغا۔ یہ بڑی بُری بخ ہے واللہ۔

نواب۔ لطفِ صحبت ہی سے نہیں واقف ہو تم۔
ممتن ۔ حضور لطفِ صحبت تو یہ ہے کہ احباب بذلہ سنج جمع ہوں اور دل لگی ہو رہی ہو۔
مہراج ۔ بات نہیں کرنے دیتا ظالم۔
نواب ۔ بھئی یا تو گانا سنو یا باتیں کرو۔
مہراج ۔ ہم خرما ہم ثواب ۔

کہدو تو بہ شکنوں سے کہ بہار آئی ہے

نواب ۔ بھئی کیا شعر ہوا ہے واللہ۔ مگر توبہ شکن اور کوئی ہوتے ہوں گے یہاں توبہ سے کیا سرو کار ہے۔ یہاں تو ہر وقت بوتل ہاتھ میں ہو بقول شاعر۔

بغل میں ہوں توبہ دباتے ہوئے
کلیجے سے بوتل لگائے ہوئے

نواب صاحب نے ایک مرتبہ اُس بت خوش گلو کے گانے کی تعریف کر کے کہا واللہ گاتی تو کیا ہو موتی پروتی ہو۔ وہ حاضر جواب فوراً بولی۔ جی موتی پرونے کی کیا حقیقت ہے میں انسان کے دلوں کو چھیدتی ہوں۔ ایک ایک تان لہراتی ہوئی جاتی ہے۔

یہ بھی پئے ہوئے تھی۔ خوب دھت۔ سرشار طبلیا کہیں جاتا ہے، سارنگیا اور ہی ڈھرے پر چلتا ہے۔ یہ اور ہی دھن میں ہیں۔ ایک ایک شعر کو دس دس بیس بیس مرتبہ گاتی ہیں اور محفل میں قہقہے پر قہقہہ پڑ رہا ہے۔ یہ ہوش کس کو کہ لوگ کیا سمجھتے ہیں اور یہ قہقہے کس پر پڑ رہے ہیں۔

اب سنیئے کہ یا تو آغا صاحب وغیرہ کا مارے بھوک کے دم نکلا جاتا تھا۔ یا اب جو بگون پر رنگ اڑائے تو بھوک پیاس قریب ہی نہیں پھٹکتی ہے۔ کس کی بھوک اور کہاں کی پیاس خیر منشی مہراج بلی صاحب زنانے میں گئے کہ دیکھیں کھانا پک گیا یا نہیں پکا۔ بڑی دیر ہو گئی۔
مہراج ۔ (اپنی بیوی سے پوچھا) اب کیا کسر ہے۔
بیوی ۔ بہو منھ کا لکھا ہے۔
مہراج ۔ ارے آخر کتنی کسر ہے۔
بیوی ۔ تم جاؤ یہاں سے جب پک چکی تو بلا لیب۔
مہراج ۔ دیکھو ہنسی نہ ہونے پائے۔ ہنسی ہمار نہوے پائی ہاں جو ہمار ہنسی ہوئیے تو تمہار و ہنسی ہوئیے اور جو تمہار ہنسی ہوئیے تو ہمار ہنسی ہوئیے۔ ہے کہ ناہیں ہنسی ہوئیے سمجھیو۔

بیوی ۔اب تم کا تو ننک سی پی کے چڑھ جات ہے تم جاؤ یہاں سے ۔ہم نہ پکاب ۔
مہراج ۔ (ہاتھ جوڑ کر) بنتی کرت ہوں (گا کر) بنتی کرت ہوں میں چیری تہاری آں ۔
بیوی ۔ (مسکرا کر) کاہے کا پی جات ہو۔
مہراج ۔ نہیں نہیں اس وقت بدلی ہے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے مسکھری کا جی چاہتا ہے
بیوی ۔ (ہنس کر) ارے اب جاؤ یہاں سے ۔

منشی مہراج بلی کو کچھ گھڑے کی چڑھی تھی۔ رسوئیں میں بیٹھ کر آپ نے گھانا شروع کر دیا۔ بنتی کرت ہوں بار بار میں چیری تہار۔

بارن ۔ اب دِنوں کا پتے لاگے ہیں ۔ ؟
بیوی ۔ بُرا کرت ہیں ۔
بارن ۔ تم تو سمجھا تو ناہیں ہو ۔
بیوی ۔ کو و بچہ ہو تو سمجھائی ۔
مہراج ۔ (نشے میں) اچھا ہم تمہارے بچے ۔
بیوی ۔ (بگڑ کر) اے ہٹو واہ۔ ایسا بیٹا کو نو کام کا ہیے آدمی تو اپنے ہوش میں رہے ۔
مہراج ۔ چیری تہار میں چیری تہار آں ۔
بیوی ۔ (ہنس کر) میں کہت ہوں تم کا ہوے کا گوا ہے۔ بڑے وہ ہو ۔
مہراج ۔ میں چیری تہار ۔ کہ گفتہ اند ۔ ے

سنجیاں را بدست اندر درم نیست
خداوندانِ نعمت را کرم نیست

سمجھیں ۔ یعنی مرد مانے کہ سخاوت پیشہ ہستند ۔ آں مردم را در کفِ خویشتن روپیہ واٹھنی وچونی نہ باشد ۔ کہ درم عبارت از زر و نیم زر (یعنی اٹھنی) دو و نیم زر (یعنی چونی) باشد ۔

جو گن آئی ہے پری بن کے پرستان کے بیچ
بھیرویں مجھ کو سنا دے تو پرستان کے بیچ

گھر میں جتنی عورتیں تھیں سب قہقہے لگاتی تھیں ۔ مگر ان کو اس سے کیا بحث تھی۔ ان کو گانے اور تھرکنے اور مٹکنے سے سروکار تھا۔ دگر ہیچ ۔

بارن ۔ اب تم کھانا نہ پکیے دیہو ۔

بیوی ۔ سب کھراب ہو جائے گا۔

مہراج ۔ اچھا بتاؤ اوپر کون کون بیٹھا ہے ۔ اس وقت کی بدلی نے تو ستم ڈھا دیا ۔ کیا مزے کی بدلی ہے ۔ گھنگھور گھٹا چھائی ہے اور بادل کا گرجنا کیا مزہ دیتا ہے ؎

ع کہہ دو تو بہ شکنوں سے کہ بہار آئی ہے

منشی مہراج بلی صاحب نے اپنی بیوی سے اصرار بلیغ کیا کہ تم اچھے اچھے کپڑے پہنکے خوب نکھر کے بیٹھو، ہم اپنے دو ایک دوستوں کو دکھائیں گے کہ ہماری بیوی کیسی ہیں۔

ان کی بیوی آگ بھبوکا ہو گئیں ۔ کہا کچھ سٹری ہو گئے ہو تم کو تو ہوش نہیں ہے کہ بک کیا رہے ہو ۔ جو رو اکو اور ون کو دکھاؤ گے ۔

مہراج ۔ (ہاتھ جوڑ کر) منتی کرت ہوں میں جیبری نہار ۔

بیوی ۔ ان کو ہو کیا گیا ہے ۔ آج کیا بکتے کیا ہو ۔

مہراج ۔ منتی کرت ہوں میں جیبری نہار ۔

بیوی ۔ دیّا ۔ یہ بکت کا دَ ہیں ۔

بارن ۔ اے کو وَ گھر کی مہرارو کا دکھات پھرت ہے ۔

مہراج ۔ میں جیبری بن جاؤں نہار ۔

بارن ۔ اب ہمرے پیچھے پڑ گئے ۔

مہراج ۔ ایک نظر ہم لوگوں کو دکھا دیں بس ؎

سخیان ز امول برے خورند

بخیلان غم سیم و زرے خورند

اس وقت اس بدلی نے ہمیں اپنے او پر عاشق کر لیا کہ گفتہ اند ؎

برق ست وژالہ میچکد از ابر بہمنی

ساقی بیا بیا و بدہ جام یکمنی

میدانی جام یکمنی کرا گفتند ؎

بارن ۔ اب پھارسی بولے لاگے ۔ اب آپ ۔

مہراج ۔ ہاتھ جوڑتا ہوں ذرا نکھر کے بیٹھو ۔

بیوی ۔ اب میں ڈولی منگوا کے بھاگ جاؤں گی تم نے بہت دق کر رکھا ہے ۔

مہراج ۔ بزمرہ مفروریان فراری نوشتہ روزنامچہ باشد اور پولیس ۔

اتنے میں ان کے خدمت گار نے آواز دی کہ نواب صاحب بلا رہے ہیں جلدی آئیے ۔

بیوی ۔ اچھا ہوا۔کہیں یہاں سے جاؤ ۔

مہراج ۔ دفان ہو جاؤ ۔ منتی کرت ہوں ۔

بیوی ۔ (ہنس کر) ہنسی نکل جاتی ہے ۔

بارن ۔ اور مٹکت کیسے ہیں ۔

مہراج ۔ ذرا خوب نکھر کے بیٹھو ۔ منتی کرت ہوں میں چیری تہار ۔

بیوی ۔ اب زیادہ بک بک کرو گے تو میں سب کھانا اٹھا کے پھینک دوں گی ۔

الغرض مہراج جی باہر تشریف لائے تو نواب صاحب نے ان سے کہا اتنی دیر کس بات میں لگائی ۔ ہم لوگوں کا بھی خیال نہ رہا ایسے مزے میں آئے ۔کہا یار ہم تو ایک خرابی میں پھنسے ہوئے تھے ۔ پوچھا کیا خرابی تھی ۔ کہا بیوی ہماری کہنے میں نہیں ہیں لاکھ لاکھ کہا کہ ذرا بن سنور کے بیٹھو ۔ بھاری کپڑے پہنو، ماتھے پر افشاں چنو ۔ وہ نکھار کر و کہ دُلھن بھی دیکھے تو شرما جائے ۔ہم ذرا اپنے دو ایک دوستوں کو دکھائیں گے کہ تم کیسی ہو وہ ایک نہیں سنتی ۔اب میں اس فکر میں ہوں کہ اگر تم لوگوں کو نہ دکھاؤں تو تم اپنے دل میں ناراض ہو گے اور اگر دکھاتا ہوں تو وہ کہتی ہیں کہ میں ڈولی منگا کے اپنے میکے بھاگ جاؤں گی ۔ واللہ میں نے کوئی درجہ منت سماجت کا اٹھا نہیں رکھا کم سے کم کوئی ہزار مرتبہ کہا ہوگا (منتی کرت بار بار میں چیری تہار) راضی ہو جاؤ مگر نہیں مانتیں بھئی ہماری تو جان عذاب میں ہے کہ گفتہ اند ۔ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

اس پر فرمایشی قہقہہ پڑا ۔ اور حاضرین جلسہ ان کی بے وقوفی پر مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گئے ۔

نواب ۔ اُف ارے یار مار ڈالا ۔ یہ دل لگی بھی یاد رہے گی مگر تم سا بیوقوف زمانہ بھر میں نہ ہوگا ۔

آغا ۔ (قہقہہ لگا کر) منتی کرت بار بار میں چیری تہار اور اس کہنے پر بھی راضی نہ ہوئیں ۔

مہراج ۔ واللہ یہ ناز نخرے تو ماں باپ کے بھی نہیں اٹھائے جاتے ۔بڑے حیف کی بات ہے ۔

مسخرہ ۔ تو آپ کی بیوی آپ کی والدہ شریف سے بھی بڑھ کے ہیں تو آپ کی نانی ہوئیں ۔

اس پر پھر بڑے زور سے قہقہہ پڑا ۔

نواب۔ یہ اس پر مزہ ہوا ہے۔
اختر ۔ بھئی یہ اس سے بھی بڑھ کے ہوئی۔
مہراج ۔(بگڑ کر) آپ نے کیا ہم کو مسخرہ یا بیوقوف مقرر کیا ہے۔کیا خوب۔کاہے واسطے تم لوگ ہم پر قہقہہ زنی و خندہ زنی کرنے مانگتا۔ یو بلڈی فول۔
آغا ۔ارے یار تو تم بات ہی وہ کرتے ہو کہ لاکھ ضبط کرو مگر پھر بھی ہنسی آجاتی ہے۔
ممتن ۔ بیوقوفی تو خود کرتے ہو۔اور دوسروں کو بُرا بھلا کہتے ہو بڑے گدھے ہو۔
مہراج ۔ تم خود گدھے ہوگے۔ پاگل۔
ممتن ۔ لے بس اب آگے نہ بڑھنا۔ ذرا زبان سنبھالے رہیے نہیں تو بات بڑھ جائے گی۔
اختر ۔ یار تم لوگ بڑے وہ ہو۔ اچھا خاصہ سمان بندھا ہوا تھا لیکے بگاڑ دیا۔
نواب ۔ بس اب جی چاہتا ہے کہ ایک دم سے ان دونوں کو پیٹ چلوں مزے میں فرق آگیا۔ کیا مزے سے گانا سن رہے تھے واللہ۔
آغا ۔ یہ لوگ بڑے بدمزہ ہیں۔ خصوص بیوقوفوں کے قبلہ گاہ منشی مہراج بلی صاحب۔ ایسا بے توف اور بوکھل آدمی کم دیکھنے میں آیا ہوگا۔ الّو کی دم فاختہ۔
نواب صاحب نے کہا بھئی اب چپ رہو ذرا گانا اب سننے دو (رقاصہ کی طرف اشارہ کرکے) ہاں بیوی خدا کا واسطہ ذرا وہ ساون پھر گاؤ۔ کیا عمدہ ساون ہے۔
اس جادو جمال نے حسب فرمایش نواب صاحب پھر وہ ساون گانا شروع کیا۔ جھولا کن ڈالو امریان۔ جھولا کن ڈالو۔
بدرا کارے مُرلا جھنکارے۔ بوندیان پڑیں پھُہاں پھُہاں جھولا کن ڈالو امریان۔
دو سکھی جھولیں دو ہی جھلاویں۔ دو سکھی ٹھاری ڈالے گلے بہیاں۔ جھولا کن ڈالو۔
نواب ۔ واللہ کتنی پیاری آواز ہے۔ خوب گاتی ہو ہم تو عاشق ہو گئے۔
رقاصہ ۔ آداب عرض ہے۔ حضور قدر دانی فرماتے ہیں۔ لونڈی کس لائق ہے۔
مہراج ۔ واللہ اس وقت بادل کا گرجنا اور بجلی کا چمکنا اور جھما جھم مینھ کا برسنا کیا مزہ دے رہا ہے۔
نواب ۔ پھر وحشت کی لی آپ نے۔
مہراج ۔ وحشت کی لی آپ نے۔ آپ چاہتے ہیں کہ ہمارا رنگ جمے۔ آپ تو ڈورے ڈالتے ہیں اور دوسرے کو منع کرتے ہیں۔ بڑے استاد ہو یار۔

اب سنیے کہ ادھر تو نواب صاحب اور مہراج بلی اور آغا محمد اطہر وغیرہ ناچ دیکھنے میں مصروف رہے۔ اور اختر اور ممتن اور داروغہ علیحدہ جا کے بیٹھے اور یوں گفتگو کرنے لگے۔

اختر ۔ دیکھئے ہمارے نواب صاحب بھی عجیب چیز ہیں۔ جس کو ذرا اچھا دیکھا عاشق ہو گئے۔

ممتن ۔ یہ تو بھئی سچ کہتے ہو۔

داروغہ ۔ یہ طوائف بھی کوئی چیز ہے۔ ذرا ناک نقشہ درست ہے، اور باقی سناٹا۔ لیکن ہمارے حضور اس پر بھی ریجھ گئے۔

اختر ۔ اجی اور تو اور مجذوب پر ریجھ گئے۔ بس حد ہو گئی واللہ مانتا ہوں۔

ممتن ۔ اور قمرن کی الگ لو لگی ہوئی ہے۔

اختر ۔ تو اس پر تو دل سے فدا ہیں۔

داروغہ ۔ کیا یہ عورتوں کا طویلہ باندھیں گے۔

اختر ۔ بھئی تماش بینوں کا یہی دستور ہوتا ہے۔ تم کاٹھو بھائی کیا جانو۔

داروغہ ۔ ارے ہاں یہ سب دولت کے چونچلے ہیں بے زر عشق ٹین ٹین۔

اختر ۔ تم کیا کہتے ہو یہ ہے ہی۔

ممتن ۔ اور مجھ کو رہ رہ کے مہراج بلی پر ہنسی آتی ہے۔ کہ اس کو کیا ہو گیا ہے۔

اختر ۔ ہو کیا گیا ہے پاگل ہے۔ ایک تو کڑوا کریلا، دوسرے چڑھا نیم۔ ایک تو حضرت بیوقوف دوسرے ان لوگوں کی صحبت۔ بس اور بھی خراب گئے۔

داروغہ ۔ جس نے اپنی جورو کی مذمّت کی اور چار غیروں میں ذلیل کیا۔ میرے نزدیک تو اس سے بڑھ کے دنیا کے پردے پر بے وقوف نہ ہوگا۔

اختر ۔ واللہ سچ کہتے ہو۔

ممتن ۔ اور پھر اس پر طرّہ یہ کہ اپنے تئیں بڑا عقلمند اور بڑا ہوشیار سمجھتے ہیں۔

داروغہ ۔ بھئی یہ سب جھگڑے تو پڑیں اپنی ایسی تیسی میں اب یہ بتاؤ کہ کھانا کب ملے گا۔ یہاں مارے بھوک کے دم نکلا جاتا ہے۔

اختر ۔ اب کہے تو کون کہے نواب صاحب تو گانا سننے میں مصروف ہیں۔

ممتن ۔ اجی ہم خود چل کے کہتے ہیں۔ ہمارا تو مارے بھوک کے بُرا حال ہے۔

یہاں تو ان لوگوں کی آنتیں مارے بھوک کے قل ہو اللہ پڑھ رہی تھیں۔ اور منشی مہراج بلی

کے ہاں میدا گوندھا جاتا ہے جھولدار رسا پکانے کے لیے ترکاری چھیلی جاتی ہے زمین قند مصنوعی بنانے کے لیے بیسن بھگویا گیا ہے۔ مگر منشی مہراج بلی ان کو دلاسا دیتے جاتے ہیں کہ بھائی صاحب لچی نکل رہی ہے اور جھولدار رسا تیاری پر ہے۔ اور اچار نکالا رکھا ہے اور چٹنی پس رہی۔ آخرکار جب بڑی دیر ہوگئی تو نواب صاحب نے داروغہ کو حکم دیا کہ گھر سے کوئی چیز لاؤ۔ جو کچھ پکا ہو سب اٹھالاؤ انتظار نہ کرنا اٹھا ہی لاؤ۔ داروغہ نے حسب الحکم ڈیوڑھی پر آکے بکاول سے پوچھا کوئی شئے تیار ہے۔ اس نے کہا ابھی تو کوئی چیز تیار نہیں ہے۔ مولوی صاحب کے لیے گوشت پکا ہے میتھی کا ساگ گوشت میں پکا ہے کوئی ڈیڑھ پاؤ کے قریب کہا اٹھالاؤ۔ اور تین چار نان پاؤ۔ بکاول نے ایک پیالے میں گوشت رکھا اور چار نان پاؤ تولیے میں باندھ کر نفاست کے ساتھ گاڑی میں رکھ دیے۔

راستے میں نواب چھٹن صاحب کا مکان ملا ان کے ہاں پرور کا دولما پکا تھا اور پلاؤ تیار تھا کوئی آدھ سیر پلاؤ اور ڈیڑھ پاؤ دولما ان کے ہاں سے لیا، اور سیدھے منشی مہراج بلی صاحب کے ہاں پہونچے۔

حسین علی۔ داروغہ صاحب آن پہونچے۔

ممن۔ جان میں جان آئی واللہ۔

اختر۔ ارے بھئی کچھ لائے بھی ہو۔

داروغہ۔ (زینے پر سے) بھائی کچھ نہیں ملا۔

ممن۔ ارے مار ڈالا ظالم۔

نواب۔ لاحول ولاقوۃ۔

مسٹر محمد جان۔ بازار سے کباب منگوائیے۔

اتنے میں داروغہ صاحب اوپر آئے تو سائیس کے ہاتھ میں یہ سب سامان لوگوں نے دیکھا۔ سب کے سب خوش ہوگئے۔ مہراج بلی نے کہا بھئی یہ کھانا الگ رکھو ابھی ایک ایک پگ اُڑے۔

کھانا علیحدہ رکھوا دیا گیا تو مہراج بلی زنانے میں تشریف لائے اور بیوی سے یوں ہمکلام ہوئے۔

مہراج۔ جنابہ آج ہمارا کہنا کرو۔

بیوی۔ اے کچھ تم کو سودا ہوگیا ہے۔

مہراج ۔ میں منتی کرت ہوں تہار ۔
بارن ۔ دیّا بیہ ان کا ہوئے گا گواہے ۔
مہراج ۔ ارے ہوئے گوا ہے جنون کے اب نکھرت ہوکہ نا ہیں دوئی چار احبابن کا دکھائب ۔
بارن ۔ اچھا تم باہر جاؤ تو ہم ان کا سمجھائے کے سنگار کرائے کے بٹھائی ۔ مُدا کوٹھے سے دیکھیں ۔
مہراج ۔ اور سینے گا ۔ اور نہیں تو کیا اندر کوئی گھس آئے گا کہ گفتہ اند ۔

ع ناوک نے تیرے صید نچھوڑا زمانے میں

بارن ۔ اچھا جاؤ ۔ ہم ان کا ٹھیک کر راکھب ۔
مہراج ۔ اچھا جاتا ہوں ۔ مگر ٹھیک کر رکھنا ۔

یہ کہہ کر منشی مہراج بلی صاحب باہر تشریف لائے اور کمرے میں گئے وہاں ہو حق مچ رہی تھی اور اختر گفتگو کر رہے تھے کہ خداوند شیخ علی حزیں اور مرزا رفیع السودا ہمعصر تھے ۔ ایک روز مرزا رفیع السودا شیخ علی حزیں کی ملاقات کو گئے ۔ علی حزیں کے دربان نے کہا اجازت نہیں ہے تو انھوں نے یہ مصرع لکھ کر بھیجا ۔

ع در درویش را دربان نباید

جواب آیا کہ ۔

ع بباید تا سگ دنیا نیاید

آخر کو بلا لیا ۔ انھوں نے عرض کیا حضور کے کلام سننے کا کمال مشتاق ہوں ۔ اگر حضور کچھ ارشاد فرمائیں تو بڑی مہربانی ہو ۔

شیخ علی حزیں نے پڑھا ۔

ظالم بیا ببین تو دریں انتظار ما
نرگس شگفتہ است بلوح مزار ما

مرزا رفیع السودا نے کہا یہ تو خاکسار دس برس ہوئے عرض کر چکا ہے کہا برخوان ۔ سودا نے پڑھا ۔

ظالم تو آکے دیکھ مرے انتظار کو
نرگس نے چھالیا ہے ہمارے مزار کو

علی حزیں چکرائے ۔ دوسرا شعر پڑھا ۔

آلودۂ قطرات عرق دیدہ جبیں را
اختر زفلک مے نگرد روے زمیں را

رفیع السودا نے کہا حضور خاکسار یہ مضمون بھی بہت بہت عرصہ ہوا عرض کر چکا ہے۔ ؎

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبیں کو
اختر پڑے جھانکے ہیں فلک پر سے زمیں کو

اب علی حزیں اور بھی چکرائے تیسرا شعر پڑھا۔ ؎

تیر تو چوزہ کرد کمانے بہ کمینے
یک صید نیا سود زمانے بہ زمینے

انھوں نے کہا یہ بھی بندہ عرض کر چکا ہے جھلا کر فرمایا برخوان کہا۔ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

بہت خوش ہوئے فرمایا کہ در پوچ گویان ہند جواب نداری۔

نواب۔ کیا خوب تعریف بھی کی تو ہجو کے ساتھ۔

ممّن۔ حضور اس شعر شاعری میں بدلی کا لطف جاتا ہے۔

آغا۔ ہم تو حضرت چکھی لگائے جاتے ہیں اور گانا بھی سنتے جاتے ہیں۔

ممّن۔ یہاں بھی یہی حال ہے۔

داروغہ۔ ارے یار عزیز اب کچھ کھانا لائے گا یا نہیں۔

ممّن۔ بھئی آنتیں قل ہو اللہ پڑھتی ہیں۔

مہراج۔ ارے یار گئے تھے تو اسی لیے مگر استاد باتوں میں پھنس گیے۔

ممّن۔ تو یہ کھانا تو کھانے دو۔

نواب صاحب نے ممّن کو حکم دیا کہ یہ تو ہو گئے ہیں پاگل تم کھانا لاؤ۔ سب کے سب ٹوٹ پڑے پر ول کا دلما خوب پکا تھا۔ دو ہی تین منٹ میں کھانے کا صفایا کر دیا۔

نواب۔ بھئی کیا اچھا دلما پکا ہے۔ مہراج بلی یار کچھ تو کھاؤ۔

ممّن۔ حضور ان کے کھلانے کی بس وہی ترکیب ہے۔

اختر۔ ان کو لٹاؤ اور زبردستی کھلاؤ۔

ممن ۔ یہ تو بے ادبی ہم سے نہ ہو سکے گی۔ ہاں سرکار حکم دیں تو کیا مضائقہ ہے۔
نواب ۔ نہیں جی۔ جانے بھی دو۔ لیکن اگر گھر سے نہ منگواتے تو بھوکوں مرتے۔ معلوم ہوتا ہے انھوں نے کچھ پکوایا نہ تھا کہ مبادا لوگ نہ آئیں اور دام خراب جائیں ۔ آدمی کنجوس تو ہے ہی۔ اب جب ہم لوگ آگئے تو میدا اور گھی اور ترکاری منگوائی۔ بڑا استاد ہے واللہ۔
مہراج ۔ بھائی صاحب اصلیت تو یہی ہے بندہ جھوٹ کیوں بولے، یاران چوری نہ یاران دغا بازی، بندہ سوچا کہ میں تو یہاں تیاری کر دن، چالیس پچاس کے ماتھے جاتے اور آپ لوگ نہ آئیں تو چکھا کا چکھا ہوا اور سوختی کی سوختی۔
ممن ۔ چالیس پچاس! کھانا تو اپنے گھر سے منگوایا یہ چالیس پچاس کاہے میں خرچ ہوئے۔
مہراج ۔ کچھ تمیز بھی ہے تمہیں چھ روپیے کا تو فقط گھی آیا ہے اور ایک روپیے کا دودھ اور دو روپیے کا قند سفید جی۔
اختر ۔ کیوں جھوٹ بولتے ہو۔
مہراج ۔ اب آپ کو یقین نہیں آتا۔ اے لیجیے یہ فہرست موجود ہے۔

قند سفید	شیر	برنج	گھی	روغن سیاہ	مصالح گرما گرم
ع/	عہ/	عہ/	سے/	۸/	۸/
مرچ سرخ	ہلدی	دہی	اروی	آلو	رتالو
عہ/	عہ/	۸/	۳/	۳/	۳/
بھنڈی	توری	شلجم	پرول	کندرو	کدو
۳/	۳/	۳/	۳/	۳/	۳/
لوکی	میدہ	روا	آرد گندم	نمک	آبخورہ گلی
۳/	عـــ/	عـ/	عـــ/	عہ/	۴/
پیالہ گلی	برف	برگ تنبول	کیوڑا	الائچی خورد	چکنی ڈلی
۸/	۸/	۸/	۱۲/	۸/	۸/

میزان کل
عـــ
۱۴/

بائیس روپیہ چودہ آنہ کا یہ ٹھیک حساب ہے۔

نواب۔ اور گھی تو تین ہی روپیہ کا لکھا ہے۔ تم تو چھ روپیہ کا بتاتے تھے۔
مہراج۔ اب بائیس روپیے میں اگر تین روپیہ جھوٹ بولے تو کیا گناہ کیا۔
نواب۔ اہاہاہا۔ معالج گرما گرم۔
ممتن۔ واللہ۔ لاحول ولاقوۃ۔ حضور یہ زمانے بھر کا دروغ گو اور جھوٹا ہے۔
اختر۔ خداوند یہ جھوٹی فہرست ہے۔
چھٹن۔ اور خیر سے جو ایک شئ بھی منگوائی ہو۔
راوی۔ دیکھیئے تھوڑی دیر میں معلوم ہی ہو جائے گا۔

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

اختر۔ اور کیوں جناب منشی مہراج بلی صاحب پکا کون رہا ہے زوجہ شریفہ۔
مہراج۔ نہیں بابو پلورنچند کے اہتمام میں کھانا پک رہا ہے۔ رسوئیا پکاتا ہے، اور وہ بتاتے جاتے ہیں۔ بڑے خوش خور آدمی ہیں۔ اور کھانے کا بڑا شوق ہے۔
صبح کو دو دو طرح کی دال پکتی ہے۔ ارہر کی بھی اور چنے کی بھی۔ اور شام کو چار چار صراحیاں پانی کی بھری رہتی ہیں۔ بس شوق کی انتہا ہے۔
نواب۔ اخاہ چار صراحیاں پانی کی۔ بھئی بڑے ہی خوش خور آدمی ہیں۔
مہراج۔ ایک ڈھولی پان کی منگواتے ہیں اور ایک مہینے بھر میں۔ اور گھر میں فقط ایک میاں اور ایک بیوی۔
چھٹن۔ میاں بیوی مہینے ہی بھر میں ایک ڈھولی چکھ جاتے ہیں۔ تو صرف خوش خور ہی نہیں بلکہ پان خور بھی ہیں۔
مہراج۔ اگر بدلی ہوئی اور کھچڑی کھانے کو جی چاہا تو دو طرح کی کھچڑیاں پکواتے ہیں۔
بابو بورن چند صاحب جھول دار رسا اپنے ہاتھ سے خوب پکاتے ہیں۔
آغا محمد المہر صاحب نے پوچھا یہ جھول دار رسا کیا بلا ہے بھئی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔
مہراج بلی نے کہا بھئی گھبراتے کیوں ہو جو کچھ پکا ہے سامنے آئے گا۔ ایک بہت ہی بڑے شوقین آدمی کو جو رئیس اعظم ہیں اور خوش خور آپ کے لیے مقرر کیا ہے پھر اب بھی کھانا نہ پسند آئے تو ہم کیا کریں اور بھائی صاحب لچی اور جھول دار رسا اور توری تو واللہ ایسی پکی ہے گی کہ واہ۔
نواب۔ پکی ہے گی۔ واہ بھئی لالہ روغن زرد۔

ممّن ۔ اے تو حضور کوئی شئے تولا ئیے ۔ یا صرف دلا سا دینے کے لیے یہ باتیں ہیں۔

مہراج بلی زنانے سے جاکے آلو اور تیل کا اچار آم کا لائے ۔

نواب ۔ خدا سمجھے تجھے ارے یہ کیا لایا ہے ۔

مہراج ۔ پاگل ہو خامے کھاؤ تو ۔

چھٹن ۔ کھائیں کیا تمہارا سر ۔

آغا ۔ آپ کی ایسی تیسی کھائیں ۔

مہراج ۔ اچھا ذرا چکھو تو ۔

نواب ۔ اب تو نامعقول کیا کھائیں تیل کی چیز ۔ بڑے بیوقوف ہو ۔

منشی مہراج بلی نے جو تیل کے اچار کی تعریف کرنی شروع کی تو نواب صاحب نے جھلا کر اچار کا پیالہ پھینکا تو نیچے جاکے گرا ۔ کہا تم لوگوں کو عمر بھر کھانے کا سلیقہ نہ آئے گا ۔ تیل کا اچار بھی بھلے مانسوں کا کھانا ہے کوئی ۔ اور یہ آلو کی ترکاری ۔ ارے گوشت نہیں کھاتے ہو نہ کھاؤ جو کھاتے ہو وہ تو عمدہ کھاؤ ۔ کھانا اور مسلمان یہ طاقت تم لوگ کہاں سے لاؤ گے ۔

منشی مہراج بلی نے کہا بھائی صاحب آپ لاکھ کہیے جھول دار رسا اور لچی سے بڑھکر کھانا آپ کے ہاں بھی نہ پکتا ہو گا ۔

آغا صاحب اور ممّن نے کہا حضور واللہ اس وقت بڑا ہی جی چاہتا ہے کہ جھول دار رسا اور لچی کھائیں دیکھیں تو کیسا پکتا ہے ہم نے تو نام بھی نہیں سُنا تھا ۔ یار عزیز دو ایک لچی تو لاؤ اس وقت ۔

مہراج بلی نے بارن کو آواز دی اور کہا لچی لے آ ۔ تھوڑی سی لانا ۔

بارن دس لچیاں لے کر آئی ۔

آغا ۔ ارے بارن لچی تو لائی ذرا سا جھول دار رسا بھی تو لاؤ جا کے ۔

بارن ۔ بنت ہے ۔ جھول دار رسا ابھی ناہیں بنا ہے اور سب بنی ہے گی ۔

آغا ۔ اور سُنو تو تمہار مالکن کا فرماوت ہیں ۔

مہراج ۔ ارے یار کیوں مذاق کرت ہو ۔

لچی جوان لوگوں نے کھائی تو پسند کی اور کہا بھئی انصاف شرط ہے اچھی پکی ہیں اور واقعی خوش ذائقہ ہیں اور سوندھی ۔ بھئی یہ کیوں کر پکتی ہیں ۔

مہراج بلی نے کہا پہلے میدا گوندھا اس کے بعد نمک اور زیرہ ملایا اور خوب گبھراتے لیا۔ اور بگبرے کے گھی اور خمیر ملایا اور موہن ملایا اور تل لین مگر تلنے والا ذرا ہوشیار ہونا چاہیے۔ آپ کے خاص پُز اور آپ ایسے گنواروں کا کام نہیں ہے۔

منشی مہراج بلی ان لوگوں کی ذرا ہی تعریف سے اس درجہ خوش ہوئے کہ اکڑنے لگے۔ نواب صاحب کے خاص پُز کو کہ استاد آدمی تھا گنوار قرار دیا۔

آغا ۔ یار ہمارے باورچی کو اپنی بارن کے سپرد کر دو کہ اس کو بھی پکانا آجائے ۔

مہراج ۔ اس کے کیا معنی (بگڑ کر) میں سمجھا نہیں ۔

مسخرہ ۔ مطلب یہ کہ اپنی بارن کو ان کے باورچی کے سپرد کر دو۔

مہراج ۔ (سُرخ ہو کر) تشریح کیجیے اس کی ۔

مسخرہ ۔ حضور شاگردی کریں گے۔ ان کے باورچی کو حضور کی بارن پکانا بتا دے گی ۔

مہراج ۔ بجا ارشاد ہوا۔ مگر وہ ہتوئی کہاں سے لائے گا وہ ۔

مسخرہ ۔ آپ کی بیوی تو خوب سیکھی ہوں گی ۔

مہراج ۔ یہ اس پر طرّہ ہوا ۔

مسخرہ ۔ تو جناب اس میں میں نے کیا بھس ملا دیا آپ بھی بڑے عقلمند ہیں ۔

مہراج ۔ میں سب سمجھتا ہوں ۔

مسخرہ ۔ آپ تو ناحق ناحق خفا ہوتے ہیں ۔

آخر کار خدا خدا کر کے لالہ روغن زرد رام حماقتہ سے بارن نے آں کے کہا کہ سب بن گوا تو ملاوت رہن گی (سب پک گیا اس ئے بلاتی ہیں) کہن ہیں جاتے کے بلائے لاؤ۔ کھو کہ ٹھنڈا ہوا جات ہے۔ لوگوں نے خدا کا شکر یہ ادا کیا کہ کہیں آواز تو کان میں آئی۔

منشی مہراج بلی صاحب افتاں وخیزاں اندر تشریف لے گئے۔ اور کل چیزوں کو گرما گرم اور تیار پا کر بہت ہی خوش ہوئے۔ بیوی سے کہا جنابہ اس وقت جی چاہتا ہے کہ تم کو کچھ انعام دوں۔ روپیہ پیسا تو تم کیا کرو گی۔ اس کی تم کو نہ خواہش ہے نہ ضرورت۔ اب رہا زیور وہ تمہارے پاس کثرت سے ہے کسی کی قبیلہ اس طرح کا گہنا پہن کے نکلتی ہے بھلا۔ تو تو میری گوندنی ہے جان من۔ گوندنی کی طرح زیور سے لدی ہوئی۔ مگر سچ کہتا ہوں اس وقت اس کھانے میں وہ خوشبو آرہی ہے کہ معلوم ہوتا ہے گڑھل کا پھول ہے واللہ کیا خوشبو ہے ۔

راوی۔ اس تعریف کے صدقے۔ کھانے کی خوشبو کو گڑھل کے پھول سے کیا مناسبت ہے۔ کشت زعفران کہتے تو کیا مضائقہ تھا۔

خیر۔ فرمایا کہ رنگت ایسی دی ہے کہ اگر زرد ہی تو بالکل جیسے پت جھاڑ کی پتیاں اور سفید ہے تو جیسے مبروص اور بھورا ہے تو بالکل جیسے پورانی دیوار کو ئلہ۔ اور لال ہے تو بالکل جیسے تمہارے گالوں کا رنگ اور سیاہ ہے تو بعینہ جیسے ہمارے سر کے بال۔

منشی مہراج بلی صاحب کے آخری لطیفے پر ان کی بیوی مسکرائیں کہا تمہارے سر کے بال تو بہت ہی کالے ہیں۔ اس میں کیا جھوٹ ہے جو ایک دن کھجاب نہ لگاؤ تو ڈھونڈھے کریا کریا بال اکّو نہ ملے۔ کھجاب کے بھروسے کوؤ (کوئی) جوان بن سکت ہے۔ بھلا اچھا دوئی دن نہ لگاؤ تب جانی۔

منشی مہراج بلی بہت ہی جھینپے اور بیوی سے از بس ناراض ہوئے۔ کا ہے واسطے تم ہم کو بوڑھا بھاہے۔ بو بلڈی نول نوگ تم دو کوڑی کا سب کھانا کر دیا۔

ان کی بیوی تنک مزاج عورت بگڑ گئیں بہت ہی خفا کہا تم تو ہو گئے سٹری تم پر تو بھوت سوار ہوا ہے۔ ہم سے بہت باتیں کر لو تو ہم منگاے کے ڈولی اپنے میکے چلی جاب۔ کہے لاگے دو کوڑی کا کھانا کر دیا۔ دو کوڑی کا کھانا کر دیا ر سو ہبّا نو کر اکھونا پھر۔ جان کا ہے کا کھنکی جات ہے۔ ہیبسر بن کی۔

اتنے میں منشی مہراج بلی نے دیکھا کہ بڑا غضب ہوا بیوی بگڑی جاتی ہیں تو۔

ع   بگڑی ہوئی بات یوں بنائی

جنابہ تم ناحق ہمارے خلاف ہو تم نے وہ کھانا پکایا ہے کہ خوشبو سے گڑھل کا پھول کھل گیا۔ اور جتنے دوست اس وقت ہمارے پاس آئے ہیں وہ یہ خوشبو سونگھ کے کہتے ہیں کہ یار مہراج بلی جس شخص کے ہاتھ کے کھانے میں اتنی خوشبو آتی ہو اس کی زلفوں میں کہاں تک خوشبو نہ آتی ہو گی۔

ان کی بیوی کو یہ کلمہ سن کر کسی قدر غرور رہا اور یہ قاعدے کی بات ہے۔ اس عیب سے بہت ہی کم آدمی بری ہیں۔ ان کو یقین ہو گیا کہ ہم نے جو کھانا پکایا ہے اس کی خوشبو ضرور دور تک گئی اور جس جس نے سونگھی وہ پھڑک گیا۔ بہت خوش ہو کر بولیں کہ ایسا کبھی کھایا نہ ہو گا۔

مہراج بلی نے کہا جھولدار رسا میں ذرا پانی اور ڈال دو اور جو میٹھی چیزیں پکی ہیں ان میں مٹھاس زیادہ کر دو۔ ان کی بیوی نے کہا اب تم سٹری ہو ہم کا اکل نہ بتاؤ بہت اکل نہ سہو رچلے ہیں وہاں سے جھول دار رسا میں پانی ڈالو اور گڑ ماسکر گبڑ دو۔ تم جا کے کھلاؤ تو۔ سب خوش ہو جائیں اور تصدانت

آجائیں تو سہی۔

اللہ رے نرے غرور۔ الغرض منشی مہراج بلی اور بارن اور مہری لٹو کیوں میں کھانا رکھ کے لے گئے۔ ٹوکیوں کو دیکھکر پھبتیاں ہونے لگیں۔

ممّن ۔ ایں! ٹوکیوں میں لائے۔ بھئی مانتا ہوں۔

اختر ۔ ارے یار جھنتے پر نہ ٹو کو از برائے خدا کے لیے۔

مسخرہ ۔ از برائے خدا کے لیے۔ از برائے خدا کے لیے کے واسطے واہ واہ واہ۔

اختر ۔ لائیے حضور اس طرف لائیے ہم تقسیم کریں گے۔

نواب ۔ اور یہ کھانچیاں کس قدر صاف شفاف ہیں واللہ یہ عمدہ بات ہے۔

چھٹن ۔ پھر ٹوکا۔ اب کی آپ بولے تو، مگر یار مہری تو نکیلی عورت ہے۔ واللہ۔ بارن تو ادھیڑ ہے۔

بارن ۔ ادھیڑ اور جوان کا وہم کا ٹھہرے ساتھ بیاہ کرے کا ہے۔ جوان ہیں تو ہمرے میاں کے کرم اور ادھیڑ ہیں تو اُن کے کرم۔

ممّن ۔ جی دل لگی نہیں ہے منشی مہراج بلی صاحب کی بارن ہے تیز کیوں نہ ہو صحبت کس کی ہے۔

مہراج ۔ (اکڑ کر) اجی یہ تو یہ وہ جو کھڑی ہیں بھیگی بلّی بنی ہوئی۔ ایسی طرار عورت تو ہم نے اتنا سن آیا آج تک دیکھی ہی نہیں۔ واللہ آفت کی پرکالہ ہے۔

یوں تو طرار ہماری قبیلہ بھی ہیں مگر اس کی طراری بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ شوخ ہے، وہ ذری نستعلیق ہیں۔ اس کی چال جیسے کڑی کمان کا تیر اور ان کی چال جیسے اونٹنی چلتی ہے۔ نزاکت کے ساتھ آہستہ آہستہ۔

اس پر بڑا قہقہہ پڑا۔

چھٹن ۔ اجی یہ بھی گئی اپنی ایسی تیسی میں اور وہ بھی۔ اب میں کچھ کہہ بیٹھوں گا۔ ہاں اب کھانا کھانے دوگے یا بارن کے سراپا کا حال کہوگے۔ یہ ایسی ہے۔ اور وہ ویسی ہیں۔

مہراج ۔ آپ پاگل ہیں دیکھو تو بھوک پیاس بند ہو جائے۔

نواب ۔ تو بھئی دکھا دو پھر۔ دکھا دو استاد تمہیں واللہ۔

مہراج ۔ (بارن سے) بارن جا سے کے کہدے کہ بن ٹھن کے صحن میں بیٹھیں۔ کوٹھے کا دروازہ کھول کے دور سے دکھا دیں گے۔

چھٹن ۔ یہ کیا خبط ہے۔ کچھ سٹری ہو گیا ہے بے۔

اتنے میں ممّن اور داروغہ نے کہ بہت بھوکے تھے ٹوکروں میں سے لپچیاں نکالنا شروع کیں
اور سب کے سب دیکھنے لگے کہ کیا کیا پکوایا ہے۔
نواب۔ بھئی جھول دار رسا کہاں ہے اُستاد۔
مہراج۔ یہ۔ یہ جھول دار رسا ہے۔
نواب۔ (چکھکر) یار پکا تو خوب ہے بھئی مہراج بلی۔
مہراج۔ ارے یار انگلیاں چاٹو گے تم سب کے سب پلاؤ اور شئے ہے اور یہ شے دیگر ہے۔
پلاؤ تو سبھی لوگ پکا لیتے ہیں مگر جھول دار رسا۔

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

لچئی تو سب کو پسند آئی۔ اور سب نے تعریف کی مگر جھول دار رسا چکھ کر سب دم بخود ہو جاتے تھے۔ کہ یہ ہے کیا بلا لیکن منشی مہراج بلی کے بنانے کی غرض سے سب تعریف کرتے تھے اگر ان کو خدا نے ذرا بھی عقل دی ہوتی تو سمجھ جاتے کہ یہ ہجو ملیح ہے۔ مگر عقل سے وہاں کیا سروکار کوسوں دور۔

نواب۔ یار یہ جھول دار رسا کی ترکیب تو ہم کو بتا دو۔
اختر۔ حضور کیا آب و نمک ہے کہ واہ واہ واہ۔
ممّن۔ اور پانی کس قدر موزوں اور مناسب ہے۔
مہراج۔ توری کا مزہ کیسا ہے گا۔
اختر۔ توری سب سے بڑھ گیا ہے گا۔
داروغہ۔ جی ہاں توری بہت اچھا ہے گا۔
چھٹّن۔ توری پلاؤ کا گرد کرنے والا ہے گا۔
مہراج۔ بڑی بات کہ پسند تو کیا سب صاحبوں نے۔
نواب۔ بھئی اک جھلک دکھا تو دو۔ ارے یار جیسے بدنیت تم ہو ویسا ہی سب کو سمجھتے ہو۔
مہراج۔ پاگل ہو خاصے ہم تو اس کو عیب ہی نہیں سمجھتے مگر یہ چھٹنوا ہم کا مانع آوت ہے ارے یار آخر اس میں کیا حرج کیا ہے۔ ان کی بھی خوشی ہو جانے دو۔
چھٹّن۔ آپ تو مطلب کی بات چبا جاتے ہیں ہم جھول دار رسا کی ترکیب دریافت کرتے ہیں آپ کچھ اور ہی فرماتے ہیں۔ ترکیب بتاؤ گے یا بخل کرو گے۔ سکھا دو بھائی تمہارا احسان ہو گا۔

بھائی بڑے مزے کی شے ہے ۔

مہاراج۔ تم تو بھئی چھٹن صاحب بخل سمجھتے ہو اور ہم بخیل کو دو حرف سنا تے ہیں رسکھانے کو تو ہماری بارن یار سو تیا بلکہ خود ہمارے گھر میں مستعد ہیں۔ ایسی بات ہے مگر وہ رستوئی ٹ ہر گز نہ آنے کی یار عزیز۔

چھٹن ۔ اجی آپ کی بلا سے ۔

مہراج ۔ بھائی صاحب اصلیت یہ ہے کہ ادھر توری کو چھیلا اور اُبال لیا اور پانی ملا دیا۔ پاؤ بھر توری ہے تو دو سیر پانی جھونک دیا اور نمک اور مرچ کی بگھار دی ۔ اور جناب والا ہلدی اوپر سے چھڑک دی ۔

مسخرہ ۔ نمک اور مرچ کی بگھار دی ۔ واہ بھئی لالہ روغن زرد ۔ واہ ۔

نواب ۔ یار ترکیب تو خوب ہے ۔

چھٹن ۔ اس میں کیا شک ہے ہم تو بھائی صاحب ضرور پکوایا کریں گے ۔ اور یہ کیا شے ہے ۔

مہراج ۔ اجی بس کھاتے بھی جاؤ ۔ یہ کیا شے ہے اور وہ کیا شے ہے ۔ ایک شے عمدہ ہو تو بتاؤں دو چیزیں عمدہ ہوں تو بتاؤں ۔ جو شے ہے اعلیٰ درجے کی ہے ۔ جو چیز ہے نایاب ہے لوگ کہتے ہیں صاحب ۔

ع خداوندان نعمت را درم نیست

جھک مارتے ہیں ۔

ع خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

کیا سب ایک سے ہوتے ہیں ۔ ہم ان خداوندان نعمت میں نہیں ہیں ۔ جی جناب ۔

نواب ۔ تم تو فیاض آدمی ہو ۔ مگر فضول خرچ ۔

مہاراج ۔ (اکڑکر) اور نباہ میں کاہے میں ہوں یار عزیز ۔

چھٹن ۔ یہ کیا شے ہے بھائی بتاؤ ۔ یہ ہے کیا ۔

مہراج ۔ یہ بیسن کے زمین قند ہیں ۔ گھی میں جھونک لگایا ہے ۔ اور اکثر ترکاریاں تیل میں پکتی ہیں وہ بھی خوب پکتی ہیں ۔

نواب ۔ ہم کو تو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ آپ بڑے خوش خور ہیں ۔ یہ آج معلوم ہوا ۔

مہراج ۔ اب کی کھلائیں گے تو اور بھی خوش ہو جاؤ گے ۔

اختر۔ حضور اب کی کسی روز نواب صاحب کے باورچی کو بلوائیں اور بارن سے کہیں کہ اس کو سکھا دے۔

مہراج۔ جب خوشی ہو۔ عرض کیا نا کہ گھر میں خود سکھا دیں گی ان سے کوئی پردہ ہے۔

نواب۔ تو وہ بیچاری باورچی کو کیوں سکھائیں۔ وہ سکھائیں تو ہم کو سکھائیں۔ ہم حاضر ہیں۔

مہراج۔ (منہ بناکر) اس کے کیا معنی؟

نواب۔ بھئی آڑ میں سے وہ بتا دیا کریں۔

مہراج۔ اچھا خیر اس کا مضائقہ نہیں۔ میں کچھ اور سمجھا تھا بھئی معاف کرنا۔

چھٹن۔ آپ ہمیشہ الٹی ہی سمجھتے ہیں۔ کیا سمجھے تھے آپ؟

مہراج۔ ہم سمجھے تھے کہ آپ زانو سے زانو بھڑا کر بیٹھنا چاہتے ہیں۔ بس بندہ بد دماغ ہو گیا تھا

اس پر سب کھل کھلا کر ہنس پڑے۔ اور نواب صاحب اور میاں اختر لوٹنے لگے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ جو سوجھتی ہے نرالی۔ ساری خدائی سے انوکھی۔ کہنے لگے میں سمجھا تھا کہ آپ زانو سے زانو بھڑا کے بیٹھیے گا۔ ماشاء اللہ۔ بگڑ بگڑتے بھی بہت جلد ہیں، اور قائل بھی بہت جلد ہو جاتے ہیں۔ واہ لالہ روغن زرد واہ۔

منشی مہراج بلی صاحب پھر زنانے میں طلب کیے گیے۔ ان کی بیوی نے کہا یہ مہری اور بارن کو کیوں لوگ چھیڑتے ہیں واہ اچھے اچھے بھلے مانس اکٹھا ہوئے ہیں۔ مہری کا چھیڑ ب کا بات ہے۔ اور ہم کہہ بارا ہے کہ مہری کا نہ بھبھو۔ انھوں نے کہا ارے آپس کے لوگ ہیں۔ جوان جوان اور ہنسوڑ اور مہری ہماری ہے ذرا ٹھیلی اور جوان۔ لوگوں نے ذرا چھیڑنا شروع کیا۔ بارن نے بھی تو خوب خوب سنایا۔ اب تم اس کا خیال نہ کرو۔ آپس میں یاروں میں ہنسی ہوا ہی کرتی ہے۔ یہ کون بُری بات ہے۔ جوان آدمی پر سب ہی کی آنکھ پڑتی ہے۔ اب ہم ہی ہیں چوک میں نکلے اور سب کی آنکھیں ہم پر پڑنے لگیں کہ کیا خوبصورت جوان آدمی جاتا ہے۔

بیوی نے ہنس کے کہا۔ بوڑھے مُنہ مُہاسے لوگ دیکھیں تماشے جوان آدمی بنے ہیں۔ گھر کی ٹیکی اور باسی ساگ شرم نہیں آوت ہے تم کا۔

منشی مہراج بلی صاحب بات بات پر بیوی کے سامنے جوان بنتے تھے۔ مگر وہ صاف صاف جواب دندان شکن دے دیا کرتی تھیں، اور ان کو ناگوار گذرتا تھا۔ کہا اچھا گلوری بنا رکھو

یہ کہہ کر پھر جلسۂ احباب میں پہونچے۔

نواب۔ کہیے حضرت کیوں یاد کیا تھا آپ کی مخدومہ مکرمہ نے؟

مہراج۔ پوچھتی تھیں کھانا پسند آیا یا ناپسند۔ ہم نے کہا پسند آیا۔ لوگ چاہتے ہیں کہ تم اُن کو بھی پکانا سکھا دو کہا واہ ہم تو نہ سکھانے کے بس یہی دل لگی ہو رہی تھی۔ بڑی ہنسوڑ عورت ہے بیوی ہماری۔

جب کھانے سے فراغت پائی تو پانی مانگا۔ آپ نے باری اور خدمت گار کو حکم دیا کہ پانی لاؤ۔ وہ لوٹے لے کر آئے انھوں نے کہا بھئی بیسن دانی۔ صابن (صابون) کچھ ہے یا یوں ہی ہاتھ دھوئیں۔ تسلا و سلا کچھ ہے یا نہیں۔ ارے یہ تو بالکل گنوار ہی معلوم ہوتا ہے واللہ۔ لاحول ولا قوۃ بڑا بے وقوف ہے۔

مہراج بلی بولے بھائی صاحب اب یہ نخرے تو چھپر پر رکھیے/ اور ہاتھ دھوئیے۔ ہاتھ دھونے کے بعد گلوریاں آئیں۔

نواب۔ ماشاءاللہ جیسی روح ویسے فرشتے ارے یہ بنگلے پان۔

مہراج۔ اچھا اب کھاؤ تو۔

اختر۔ بنگلے! لاحول ولا۔ دساوری منگواؤ صاحب بڑے کنجوس ہو۔

مہراج۔ اجی حاضر میں حجت نہیں غائب کی تلاش نہیں۔

چھٹن۔ حسین علی ہمارا خاصدان منگواؤ۔

نواب محمد عسکری اور چھٹن صاحب کے خاصدان کے پان نہایت عمدہ بنے ہوتے۔ بسا ہوا کتھا، خوشبو، دساوری قیمتی پان، موٹی موٹی گلوریاں/ لیاقت اور نفاست کے ساتھ بنی ہوئیں۔ ایک ایک دو دو سب میں تقسیم ہوئیں۔

نواب۔ ذرا یہ گلوریاں جاکے اپنی بیوی کو دکھاؤ تو کہ دیکھو یہ گلوریاں ہیں۔

مہراج۔ بھائی صاحب یہ گلوریاں کیا مال ہیں۔ وہ اگر اپنے ہاتھ سے بنائیں تو دیکھئے آپ وہ نادر بناتی ہے کہ میں کیا کہوں۔

منشی مہراج بلی صاحب کے ہاں اور تو سب ہیں مگر نواب رونق جنگ بہادر کیوں نہیں ہیں۔ وجہ یہ کہ نواب صاحب موصوف بھی آتے تھے۔ لیکن ایک ضروری کام کے سبب سے ان کو گھر واپس جانا پڑا۔

منشی مہراج بلی صاحب نے کل احباب سے وعدہ کرلیا کہ نواب رونق جنگ بہادر کی علیحدہ دعوت کریں گے کھانا وانا کھا کر بیٹھے تو پھر گانا شروع ہوا۔

اب سنیئے کہ منشی مہراج بلی صاحب نے ایک رقاصہ سے فرمایش کی کہ زنانے میں چل کر گاؤ۔ اس نے فوراً منظور کرلیا اور کہا بسم اللہ۔ کوئی آدھ گھنٹہ زنانے میں گانا ہوا جب وہ باہر آئی تو نواب صاحب اور آغا صاحب نے کہا کہو منشی مہراج بلی کی بیوی کو دیکھا کیسی ہیں۔ اُس نے کہا جی ہم لوگوں کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ کسی کی بیوی کا حال بیان کریں۔

الغرض تھوڑی دیر تک گانا سن کر نواب محمد عسکری صاحب نے منشی مہراج بلی کی بارن کو بلایا اور کہا دیکھو بارن گھر میں جاکے بھابی صاحب کو ہماری طرف سے بندگی کہو اور کہو ہم آپ کے بڑے شکر گذار ہوے کہ آپ نے ہمارے لیے ایسا عمدہ کھانا پکوایا۔ آپ کی قوم میں گوشت کوئی کھاتا نہیں اس سے آپ بھی مجبور ہیں۔ مگر جو کچھ آپ کی قوم میں کھاتے ہیں وہ آپ نے ہم کو بکشادہ پیشانی کھلایا۔ خدا کرے آپ کے لڑکا ہو اور منشی مہراج بلی عقل سیکھ جائیں۔

بارن بھی ہنسی اور حاضرین جلسہ بھی ہنسے۔

بارن نے جاکے بیوی سے کہا کہ کہن ہیں کہ بھوجی سے جائے کے کہو ہمار بندگی، اور ہم کا جون کھلائن تون ہم سکر گجار ہیں کلیا تو آپ کی کوم مان کوؤ کھاوت ناہیں ہے اور کہن ہیں کہ۔ دیکھو۔ دَیا۔ ہم کا تو بھائی یاد ناہیں ہے۔

منشی مہراج بلی کی بیوی نے کہا اری ہم سنت راہین تین جاکے کہہ کہ ـــــ اتنے میں مہری بولی بلی ہم کیا جاکے کہیں۔ اچھا جاکے کہہ کہ تم اور منشی بھائی بھائی ہو وہ تم کا کھلائیں۔ تم ان کا۔ اس میں کون بات ہے۔ اور اچھی دعا مانگی کہ ان کا کھدا ے (خدا) اکل دے۔

مہری نے جو باہر یہ آں کر پیغام کہا تو سب کے سب کھل کھلا کر ہنس پڑے مگر منشی مہراج بلی صاحب جھینپنے کے عوض اور مسرور ہوے، کہا وہ تو آپ کی اس دعا سے خوش ہو گئی ہوں گی پوچھیے کیوں اس وجہ سے کہ وہ خود ہمیں پاگل سمجھتی ہیں بس وہ تو ان کی راے کے مطابق ہوئی نا بس پھڑک گئیں۔ بوٹی بوٹی پھڑک گئی ان کی۔

مسخرے نے کہا حضور یہ فقرہ سنا بوٹی بوٹی پھڑک گئی۔ نواب صاحب نے کہا مہری کو تو تم پسند ہو وہ ایک حاضر جواب بولی اور آپ ہم کو پسند ہیں۔

سب ہنس دیے منشی مہراج بلی صاحب اس قدر خوش ہوے کہ مہری کو حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ۔

زری بیٹھ جاؤ۔ دو دو چونچیں تو ذری ان لوگوں سے لڑ لو۔ اس نے کہا کا بہتر ہوں کہ دو دو چونچیں لڑوں۔ اب جات ہوں ناہیں دیر ہوئے جائے تو کھپا ہو جائیں گی کہ تو کہاں تھی۔

نواب تمہیں قسم ہے انھیں مہراج بلی کی۔

چھٹن ہاتھ پکڑ لو جی کیا زور کر سکتی ہے ہم سے۔

مہری۔ زور نوکروں دلو سے مگر کا ہے کے واسطے ہاتھ تو نہ پکڑو جب حکم نہ مانوں۔ بیٹھی تو ہوں اب اور کس کس بیٹھوں۔

نواب۔ تمہاری بیوی گوری ہیں کہ کالی۔

مہری۔ (ہنس کر) ہم کا ناہیں معلوم گوری ہیں کہ کاری۔ تم کا کاؤ ہے گوری ہیں کہ کاری۔

نواب۔ تیری اس ہنسی کے صدقے ہو جاؤں۔ مہری جان۔ واللہ کیا پیاری ہنسی ہے۔

مہری۔ (کھل کھلا کر) اے ہے بڑے مزے میں ہیں اس وقت اے واہ نواب۔

مسخرہ۔ مہری اپنے ہاتھ سے ایک گلوری تو بنا کے لاؤ۔

مہری۔ اپنے ہاتھ سے بنا لاؤں کہ کوئی اور بنائے۔

مسخرہ۔ نہیں۔ یہ شرط نہیں ہے۔ اپنے ہی ان گورے گورے پیارے پیارے ہاتھوں بنا لاؤ اک ذرا ہاتھ تو چوم لوں۔

مہری۔ (ہاتھ بڑھا کر) لو چوم لو۔ چومونا۔

مسخرہ۔ ہم ایسے خوش قسمت کہاں پاؤ گی۔

مہری۔ اور ساٹھ برس کی تو تمہاری عمر ہوئی ہو گی بڑھوا اور ہاتھ چومتے ہو۔

مسخرہ۔ سنا نہیں ساٹھا اور پاٹھا۔ بوڑھا اور بالا۔

نواب محمد عسکری صاحب نے کہا یار دو اب کیا قبالہ ان کے مکان کا لکھواؤ گے۔ کھانا کھایا، گلوریاں چکھیں، شراب پی، گانا سنا، ہنسے بولے، اتنی دیر بیٹھے، پھر اب کیا قبالہ لکھوانا منظور ہے۔ بس یہی ایک بات باقی رہ گئی ہے۔ منشی مہراج بلی صاحب نے اصرار کیا کہ بیٹھیے ابھی جلدی کیا ہے۔ اور لوگ تو راضی ہو گئے۔ مگر نواب صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ کہا آپ لوگ پاگل ہو گئے ہیں۔ بندہ پاگل نہیں ہے۔ اتنی رات آئی اب ذرا چل کے لیٹیں، پوٹیں۔

نواب صاحب اور ممتن اور مسخر الدولہ فٹن پر سوار ہوئے۔ صدر میں نواب صاحب بیٹھے، اور سامنے ممتن اور مسخرہ۔ فٹن ہوا ہوئی۔ ممتن نے اس دعوت کا ذکر چھیڑا حضور دو چیزیں تو واقعی

بے مثل تھیں۔ ایک لچھی اور دوسرے نیبو رکا اچار۔ اچار کا اچار اور چورن کا چورن نہایت ہی عمدہ بدرقہ ہے۔ اور لچھی بھی خستہ اور خوش ذائقہ تھی۔ مگر ہندو لاکھ تدبیریں کرے مسلمانوں کا سا کھانا کیا کھائے گا بھلا۔ جانتے ہی نہیں۔ منشی مہراج بلی تو خیر گوشت نہیں کھاتے۔ مگر وہ جو گوشت کھاتے ہیں وہ کیا خاک کھاتے ہیں۔ بدتمیز کہاروں یا گنوار برہمنوں کے ہاتھ کا پکا ہوا ہلدی اور لسن اور پیاز اور پانی قلیہ بالکل پانی اور نمک بدمزہ۔ بدذائقہ۔ آب و نمک ٹھیک نہیں، ہم آپ کھائیں تو واللہ نہ کھایا جائے۔ پھینک دینے کو جی چاہے۔ اور سنیے وہ جو بڑے مشہور ہندو ہیں وہ کیا خاک کھانا پکاتے ہیں۔ پیتل کے برتنوں میں بھلا گوشت کیا پکے گا۔ کھانا خدا نے مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ بعض بعض ہندوؤں کی قوموں نے ہمارا چربا اتارا ہے۔ مگر وہ بات کہاں اور نفاست اور سلیقہ یہ بھی ہندوؤں کو کھانے کا نہ آئے گا۔ ہندو چاہے لاکھ بڑھ جائیں مگر وہی چوکا۔ سامنے چولھے کی آنچ۔ رسوئی میں دھواں بھرا ہوا۔ کہیں پانی کہیں یہ کہیں وہ پڑی پر اکڑوں بیٹھے کھا رہے ہیں۔ ہم لوگوں کی سی نفاست اور سلیقہ کہاں۔

مسخرہ ۔ حضور میں نے ان لوگوں کے ہاں کبھی کبھی کھانا کھایا ہے۔ دو کوڑی کا پکتا ہے۔ مگر زعم اور دعویٰ بڑا کہ ہم ایسے اور ہم ایسے۔ مہراج بلی کو دیکھ لیا نا۔ یہ تو ان لوگوں کا کھانا ہے، اور پھر وہ بھی روزمرہ نہیں نصیب ہوتا چھٹے چھ ماہے اور گلگلوں پر جان دیتے ہیں۔ پیٹھی کی پوری کا بڑا شوق ہے اور کچالو کو تو اس قدر عزیز رکھتے ہیں جیسے جان جس طرح ہم شامی کباب پر جان دیتے ہیں یہ لوگ کچالو اور دہی بڑے کھاتے ہیں۔ اور تیل کا پکوان بھی ان کے ہاں ہوتا ہے۔

نواب صاحب نے کہا پُرانے فیشن کے ہندوؤں سے تو خیر اب یہ امید نہیں ہو سکتی کہ وہ کھانے پینے میں ترقی کریں مگر ہاں نوجوان تربیت یافتہ ہندوؤں کو ضرور چاہیے کہ اس میں اصلاح کریں۔ چوکے میں پڑے پر بیٹھ کر کھانے کا رواج لاہور کی طرف نہیں ہے۔ لاہور پر کیا فرض ہے کل پنجاب میں نہیں ہے۔ دلی میں اکثر ہندو سقوں کے ہاتھ کا پانی پیتے ہیں۔ مشک کے پانی کا برابر رواج ہے۔ اس طرف تعصب کرتے ہیں اور را جپوتانہ کے اکثر مقاموں میں بڑے بڑے ہندو برابر مسلمانوں کے ہاتھ کا چھوا پانی پیتے ہیں۔ نوجوانوں کو اور نہیں تو اس قدر تو ضرور اصلاح کرنی چاہیے کہ کھانا نفاست اور سلیقے کے ساتھ کھائیں۔

ممتن ۔ حضور ان لوگوں کے ہاں جب کوئی تقریب ہو تو پھر دل لگی دیکھیے۔ وہ ہڑبونگ مچتا ہے کہ الامان۔

مسخرہ۔ جی ہاں سلیقہ اور نفاست کہاں سے لائیں۔

نواب۔ مگر اب کچھ دن سے بعض بعض تربیت یافتہ ہندو بھی ہمارا تتبع کرنے لگے ہیں لیکن ان کی کہاریاں اور بازیین بھی کس درجہ بدتمیز ہوتی ہیں۔

ممتن ۔ اے ہے حضور نے دیکھا نہیں کہ وہ باری بات سید صا جواب نہیں دیتا ۔ جیسے خود باتمیز ہوتے ہیں ویسے خیر سے آدمی بھی ہوتے ہیں۔ مگر کچھ دن میں دیکھیے گا یہ لوگ بھی ترقی کریں گے۔

مسخرے نے منشی مہراج بلی کے ہاں کی دعوت کا ذکر پھر چھیڑا۔ حضور جس وقت عقل بٹتی تھی یہ خدا جانے کہاں چپت ہو گئے تھے اس قدر بھی نہیں سمجھتا ہے کہ ہم تو ساگ اور بھجیا کی ہجو ملیح کرتے ہیں۔ اور آپ اکڑے جاتے ہیں۔ بڑے خوش کہ یہ سب کے سب اس بھجیا پہ لٹو ہیں۔ پلاؤ کی تو بار بار ہجو کرتے تھے کہ اس کے مقابل ہیں بالکل گرد ہے ۔ کیا اصل حقیقت ہے پلاؤ کی اور ہم لوگوں نے جو بنانا شروع کر دیا تو اور بھی خوش ہو گئے۔ کہ یہ لوگ خود بھی پلاؤ کو بھجیا کے سامنے برا سمجھتے ہیں

نواب ۔ بھئی وہ کیا جانے۔ اپنے ہاں کے کھانے کے سوا اور کوئی کھانا کبھی کھایا نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ لچی اور کچوری سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے دنیا میں۔

ممتن ۔ مگر حضور نیبو کا اچار بیشک اچھا تھا۔

مسخرہ ۔ ہاں اور سب چیزوں سے تو اچھا ہی تھا۔

ممتن ۔ بھئی یہ ہٹ دھرمی ہے واللہ کیوں حضور ۔

نواب ۔ نیبو کے اچار کی تو ہم خود تعریف کرتے ہیں ۔

مسخرہ ۔ ہاں اچھا ہے ۔ خوش ذائقہ اور ہاضم مگر اچار پن کم ہے ۔ ہاں چورن البتہ ہے ۔ مگر برا نہیں اچھا ہے۔

نواب ۔ لچی سے بڑھ کر اور کوئی شے نہ تھی ۔

ممتن ۔ بات یہ حضور نے ہزار بات کی کہدی بس۔

مسخرہ ۔ حضور اس پر دولمے کے مقابل میں یہ سب بقولات گرد ہے ۔ چاہے جو کچھ ہو ۔ وہ اشرفی لقمہ ہو ۔

نواب ۔ بھئی پھر اب ایک شے ان کے ہاں جائز نہیں ہے اس کو وہ کیا کرے ۔ اب خوک ہمارے ہاں حرام ہے ۔ ہم اپنے مہمان کو ہرگز نہیں کھلا سکتے ۔ چاہے اس کے مذہب میں جائز ہو ۔

خیر اب سنیے کہ اس کے تین دن بعد منشی مہراج بلی صاحب کے چچا کے ہاں سے حصہ آیا۔ پوری کچوری لچئی بیڑی آلو اور کدو اور ترئی اور لوکی اور بھنڈی کی بھُجیا۔ اور نیبو اور زمین قند اور آم کا اچار۔ اور لڈو اور برفی اور پیڑے اور ربڑی اور نمک پارے اور شکر پارے اور گلگلے وغیرہ وغیرہ ان کی بیوی نے ان کو جگایا اور کہا تمہارے چچا کے ہاں سے بہنا آیا ہے۔ کل باسوڑا تھا۔ انھوں نے جو حصہ دیکھا تو بہت خوش ہوئے کہا اس میں سے کچھ خرچ نہ کرنا ہم اپنے دوستوں کو کھلائیں گے۔ انھوں نے کہا اچھا۔ مگر یہ رات کا پکا ہوا ہے جس کو بلانا ہو اسی وقت بلاؤ۔ ورنہ خراب ہو جائے گا۔ تین چار گھنٹے تک آپ پڑے سویا کیے جب کپڑے پہن کر باہر جانے لگے تو ان کی بیوی نے کہا اگر کسی کی دعوت کرنا منظور ہے تو تازتازہ کھانا پکواؤ باسی کھانا کہیں بھیجنے سے کیا مطلب اگر کوئی ہندو ہے تو خیر کیونکہ بسوڑا سب کے ہاں ہوتا ہے۔ اور اگر مسلمانوں کی دعوت ہے تو ہرگز ہرگز یہ کھانا ان کو نہ کھلاؤ۔ وہ بسوڑا کیا جانیں، وہ شکایت کریں گے کہ ہم کو باسی کھانا کھلایا۔ اور باسی کھانا کاہے کو کھلاؤ۔ تازہ کیوں نہ پکوا کے کھلاؤ۔

ان کی بیوی نے معقول بات کہی تھی مگر یہ سنتے کس کی ہیں ان کو تو چڑھی ہوئی تھی۔ اور آدمی جزرس تھے سوچے کہ یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ کپڑے پہن کر نواب رونق جنگ بہادر کے ہاں گئے۔ اور ان سے کہا آج آپ کی دعوت ہے ضرور چلیے۔

رونق جنگ۔ یہ تو فرمائیے کہ آپ کا مزاج کیسا ہے۔

مہراج۔ حضرت اب باتیں پیچھے کیجئے گا۔ پہلے میرے ہمراہ چلیے۔

رونق۔ خیر تو ہے۔ کہاں چلوں۔ کیا کوئی معاملہ ہے۔ جلسہ ہے کہیں کیا۔

منشی مہراج بلی نے کہا بھائی صاحب غریب خانے میں دعوت ہے آپ کی۔ ذرا تکلیف فرمائیے۔ اور سب کو گاڑیوں پر بٹھا کر لے گئے۔

جب منشی مہراج بلی صاحب مکان پر پہونچے ان کی بیوی نے کہ فہمیدہ عورت تھیں آلو اور بھنڈی کی ترکاری گرما گرم پکا رکھی تھی، اور بالائی، اور قند منگوا رکھا تھا۔ اور بازار سے عمدہ عمدہ میوے منگوا رکھے تھے۔ مہراج بلی نے بیوی کی بڑی تعریف کی اور اس کارگزاری سے از بس محظوظ ہوئے۔ ے

دال ارہر کی بے نمک پھیکی
جس میں خوشبو نہ تھی ذرا گھی کی

الغرض منشی مہراج بلی صاحب وہ کل سامان باہر لائے۔ اور رونق جنگ کے آگے رکھا اور کہا لے بھائی صاحب بسم اللہ کیجیے اور کوئی تو ہے نہیں۔

رونق جنگ۔ واللہ یہ آپ کی خاطر ہے، ورنہ میں اکیلا ہرگز آپ کی دعوت قبول نہ کرتا۔ بندہ تنہا خور نہیں ہے۔ اگر مسخر الدولہ راستے میں نہ مل جاتے تو بڑی خرابی ہوتی۔ وجہ یہ کہ مجھکو اکیلے کھانا کھانے کی عادت نہیں ہے۔

مہراج۔ اچھا لے اب خفا نہ ہوجیے کھانا نوش فرمایئے۔ اب کبھی ایسی خطا نہ ہوگی۔

رونق جنگ۔ تو تسلا وسلا ہاتھ دھونے کے واسطے منگواؤ گے یا باتیں بناؤ گے۔

مہراج۔ اب آپ نخرے تو کیجیئے نہیں کھانا کھایئے۔ آپ دلیلیں نکالتے ہیں اور میرا ذہن اس وقت کند ہو رہا ہے، جواب دینے کو جی نہیں چاہتا۔

رونق جنگ۔ یہ اس پر طرّہ ہے۔ بہت بہتر جو آپ فرمائیں گے وہ ہم کریں گے بگر آئندہ کے واسطے توبہ کی۔ اب کبھی ایسی خطا نہ ہوگی۔ اب تو آ پہنچے۔

اب سنیے کہ رونق جنگ اور مسخر الدولہ نے ہاتھ دھو کے کھانا شروع کیا۔ ایک تو باسی کھانا دوسرے مہراج بلی نے دیر کی، پڑے سویا کیے۔ اور کچھ رونق جنگ نے آنے میں عرصہ لگایا۔ خلاصہ یہ کہ علاوہ دو تین چیزوں کے سب کھانا سڑ گیا اور بو کرنے لگا۔

منشی مہراج بلی صاحب کسی ضرورت سے اندر تشریف لے گیے تو ان کی بیوی سے اور اُن سے یوں گفتگو ہوئی۔

بیوی۔ اے کیا تم سب چیزیں باہر لے گئے۔

مہراج۔ اور نہیں تو تمہارے چکھنے کے واسطے چھوڑ جاتا۔ ہم سب لے گئے یا اُدھا لیگئے تم سے کیا۔

بیوی۔ تمہاری عقل پر پتھر پڑیں۔ ارے باسی کھانا ہے۔ ذرا دیکھ تو لیا ہوتا کہ کون شے اچھی ہے اور کون خراب ہوگئی۔ جو جو چیزیں خراب ہوتیں ان کو چھوڑ جاتے، اور باقی لے جاتے اب دیکھو کیسے بنائے جاتے ہو۔

مہراج۔ جنابہ یہ سب کھانا نفیس اور عمدہ پکا ہوا ہے۔ اگر بو بھی کرنے لگا ہے تو بھی عمدہ ہے۔ ہاتھ چاٹ چاٹ کے نہ کھائیں تو سہی اب دیکھ ہی لوگی۔

یہ کہہ کے حضور باہر تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نواب چھچھن صاحب تشریف رکھتے ہیں اور مسخر الدولہ اور نواب رونق جنگ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔

مہراج۔ اُئی۔ آپ اس وقت کہاں بھول پڑے۔

چھٹن۔ میں بھائی محمد عسکری کے ہاں جاتا تھا دل میں آیا کہ تم کو بھی لیتا چلوں۔ یہاں آکے کیا دیکھتا ہوں کہ رونق جنگ بیٹھے ہیں، اور میاں مسخرالدولہ۔

مہراج۔ (رونق جنگ سے) آپ کھانا کیوں نہیں کھاتے یہ کیا ماجرا کیا ہے۔

رونق۔ جب تک چھٹن صاحب نہ کھائیں گے ہم بھی نہ کھائیں گے۔

مہراج بلی نے کہا بھائی چھٹن صاحب از برائے خدا تم بھی کھاؤ۔ انھوں نے کہا میں کھا کے آیا ہوں۔ میرا پیٹ بھرا ہے۔ ہاں چسکی پلاؤ تو پئیں، اور رونق جنگ کی خاطر سے کچھ کھا بھی لیں گے کہا میں ابھی منگواتا ہوں جب تک آتے رونق جنگ صاحب بھی ذرا توقف فرمائیں۔

مہراج بلی نے آدمی کو بلایا اور کہا نور وزجی کی دکان سے ایک بوتل ہوسکی کی لاؤ۔ مگر جلدی آنا اور اُدھر ہی سے چار سیر برف بھی لیتے آنا۔

ادھر رونق جنگ اور نواب چھٹن صاحب میں یوں باتیں ہونے لگیں۔

رونق جنگ۔ بھئی رمضان شریف میں بھی تم نہیں چھوڑتے بڑے افسوس کی بات ہے۔

چھٹن۔ آپ بڑے مُلّا کی دم بن کے بیٹھے ہیں۔

اتنے میں خدمت گار ہوسکی کی بوتل لایا اور چھٹن صاحب مہراج بلی کے اصرار بلیغ سے شریک ہوئے چاروں نے مل کے خوب پی، جب پی چکے تو کھانے کی سوجھی لچئی اٹھاتے ہیں تو سخت باسی تو تھی ہی۔ لاحول ولا قوۃ۔ ایک نے کہا ارے یار یہ تو پتھر ہے پتھر۔ دوسرا بولا بھائی صاحب لوہے کے چنے چبانا اسی کو کہتے ہیں۔ تیسرے نے کہا اس روز تو فرماتے تھے کہ جو گھانس پھونس میرے ہاں موجود ہے وہ حاضر ہے۔ اس سے تو آپ نے گھانس ہی کھلائی ہوتی یہ تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے یہ آپ نے دعوت کیا کی ہے۔

رونق۔ اور مکان پر دوڑے آئے تھے۔

مسخرہ۔ لے واللہ پتھر میں اور اس میں کیا فرق ہے۔

رونق۔ بس کچھ یوں ہی سا فرق ہے۔

چھٹن۔ ائیں! ذرا اس آلو کی ترکاری کو دیکھیے گا واللہ بالکل سڑی ہوئی۔ ارے یہ تجھے سوجھی کیا۔

رونق۔ یار عزیز اب تم سے کیا کہیں۔

چھٹن۔ ایسے کھانا کھلانے سے فائدہ۔ جس کو کھلاؤ وہ بھی پریشان۔ اور جو کھلاتے اس کی بھی

ہو ہو۔ اگر دعوت نہ کرتے تو اس سے اچھا تھا۔
مسخرہ۔ مٹھائی تک سڑی ہوئی ہے۔
چھٹن۔ بھئی یہ ترکاری اچھی پکی ہوئی ہے گرما گرم ہے اور آب و نمک بھی درست ہے۔
رونق۔ ہاں شکر ہے۔ وہ خراب ہی پکی سہی مگر گرم تو ہے۔ مگر یار اب تمہارے ہاں کھانا کھا رہے ہیں ورنہ ہزاروں سناتا۔ مردود تیرا اگلا کون رہتا تھا کہ خواہ مخواہ دعوت کر۔ کون فرض ہی کون تھا۔
چھٹن۔ ارے یار دال پکی ہے۔ یا دال بھی نہیں ہے۔ دال اور چپاتیاں ہی جا کے لاؤ۔
منشی مہراج بلی صاحب زنانے میں گئے۔ بیوی سے کہا دو باتیں ہیں ایک یہ کہ یہ گرما گرم بھجیا کھانے میں کہاں سے آگئی۔ دوسرے دال گھر میں ہے یا نہیں۔
بیوی۔ بھجیا تو ہم نے جلدی جلدی پکالی تھی۔ اور دوسری بات کیا پوچھی۔
مہراج۔ دال ہو تو ذرا سی دو۔
بیوی۔ ہاں دال ہے (دال ایک کٹورے میں دے دی)۔
مہراج۔ روٹی ہے۔ ہو تو ایک آدھ ٹکڑا دے دو۔
بیوی۔ ہاں ہے (دو موٹی موٹی روٹیاں دی دیں) یہ سامان لے کر آپ باہر تشریف لائے۔ موٹی موٹی روٹیاں اور اُبالی دال سامنے رکھ دی۔
چھٹن صاحب نے دو نوالے کھائے اور کہا بس حضرت درگذرے۔ گھی کا بگھار تک نہیں ہے۔ بالکل اُبالی اور روٹیاں تو دیکھیے۔ ہاتھی کے کھانے کا روٹ کہنا چاہیے۔ واہ لالہ روغن زرد واہ
مہراج۔ بھائی صاحب جلدی بھی کرتے ہو اور پھر اوپر سے خفا بھی ہوتے ہو۔
رونق۔ لے بس اب بندہ بگڑ جائے گا۔
مہراج۔ یار ایک تو کھاؤ دوسرے غرّاؤ۔
رونق۔ ایسے کھانے سے درگذرے۔ دال دلیا تو گھر میں موجود ہے۔
مسخرہ۔ مگر کیا گرما گرم کھانا کھلایا ہے کہ واہ۔ حضور چھالے پڑ گئے منہ میں۔
چھٹن۔ جی میرا تالو جل رہا ہے۔
مسخرہ۔ اور خداوند برف کے پانی کے عوض آشِ جو لائے ہیں یعنی واہ۔
اس آشِ جو کے لفظ پر سب ہنس پڑے۔

مسخرہ۔ دال کو تو دیکھیے وہ گھی کو بھی جانے دیجیے تھر ہے پتھر۔ ہم لوگوں سے تو بہت براتے ہو جو رد سے دال نہیں گلتی حضور کی۔

اتنے میں مہری چمکتی ہوئی آئی۔ کہا سرکار گھر مان کہتی ہیں کہ یہ کھانا کل رات کا پکا ہوا ہے ان سے کہا تھا کہ جو کسی کو ہلاؤ اور نہیو تو۔ تو اچھا کھانا کھلواؤ۔ ان کے چچا کے گھر میں کل بسوڑا تھا وہاں سے بنا آیا ہے نون اسی کو دیکھ کے تمہارے یہاں رد ڑے گئے۔

چھٹن۔ ارے۔ چوری پکڑ لی گئی۔

مسخرہ۔ یہ کہیے حلوائی کی دکان۔

رونق۔ مگر یار ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ اُبالی دال کیونکر کھاتا ہے ہم سے تو ایک نوالہ نہ کھایا جائے۔

مہراج۔ ابالی دال۔ ہونہہ۔ آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہیں اُبالی دال کے بھر دسے بھی نہ رہیے گا۔ بندے کے ہاں بارہ آنے چودہ آنے مہینے کا گھی صرف ہوتا ہے۔ قبلہ آپ اُبالی دال لیے پھرتے ہیں۔

مسخرہ۔ حضور کہنے سے تو برا مانیے گا کسی مردود ہی کو یقین آتا ہو واللہ۔

مہراج۔ بھائی چھٹن صاحب کے سر کی قسم۔

چھٹن۔ بندے کا سر کیا کدو مقرر کیا ہے آپ نے۔

مہراج جی کی ذرا سمجھ میں نہ آیا کہ یہ لوگ ہنسے کس بات پر تھے۔ کہا بھائی صاحب ایک بندہ زادی اور ایک بندہ اور ایک مہری ایک بارن اور ایک بوڑھا برہمن بس اللہ اللہ خیر صلاح۔

مسخرہ۔ اتنے ہی سے آدمیوں میں بارہ آنے مہینے کا گھی۔ دس بیس بھی نہیں۔

مہراج۔ اب آپ غور فرمائیے۔

مسخرہ۔ آپ تو خود گھی ہیں لالہ روغن زرد۔

رونق۔ بھئی کیا لطیفہ کہا ہے واللہ مانتا ہوں استاد کیوں نہ ہو تم بڑے دل لگی کے آدمی ہو۔

چھٹن۔ واہ بھئی لالہ روغن زرد واہ۔

مہراج۔ یہ اس گھی ہی کے کھانے سے تو ہمارا نام لالہ روغن زرد ہو گیا اور والد جناب بھی گھی کھاتے تھے اور بڑے خوش خور تھے۔

مسخرہ۔ آپ کے والد جناب گھی کھاتے تھے ہم نے تو سنا انکو ہضم نہیں ہوتا تھا۔

راوی۔ اس لطیفے کو مہراج بلی ذرا نہ سمجھے۔

مسخرے نے کہا حضور بُرا مانیں چاہے بھلا بندہ تو کسی اخبار میں ضرور ہجو کرے گا کہ دعوت کی اور اصرار کیا کہ ضرور آیئے گا اور گھر پر لیجا کر سڑی ہوئی ترکاری اور پتھر کی سی سخت پوریاں اور باسی گلگلے اور الم غلم رکھدیا۔ اور گھر سے موٹی روٹیاں اور اُبالی دال لاکے سامنے رکھدی

مہراج۔ اب آج سے کان پکڑے کہ تم ایسوں کو کون مردود کھانا کھلوائے۔ یا دعوت کرے بس کان اُمیٹھے واللہ کان اینٹھے۔ اس کے کیا معنی صاحب کھاؤ کا کھاؤ اور پرسے غرّاؤ۔ خیر اب تو جو کچھ ہوا سو ہوا مگر اب ایسی حرکت نہ ہوگی۔ اتنے میں منشی مہراج بلی کی بیوی نے مہری کے ہاتھ تلے ہوئے پستے بھیجے۔ تو رونق جنگ اور چھٹن صاحب پھڑک گئے کہا بھئی واللہ کس قدر شائستہ عورت ہے اس وقت پستوں نے مزہ دے دیا۔

مہراج۔ ارے یار وہ بڑی سلیقہ شعار ہیں۔

چھٹن۔ کیا شک ہے۔

مہراج۔ مگر قبلہ اگر یہی فیاضی رہی پستے تل کے بھیج دیے اور انار بھیج دیے تو گھر بلٹا گھر کا خدا حافظ ہے۔

مسخرہ۔ کیا سوجھی ہے واللہ۔

بچھڑوں کی ملاقات

نواب رونق جنگ بہادر مہراج بلی اور حاضرین جلسہ کو ہمراہ لے کر نواب محمد عسکری کے ہاں گئے کہا یار عزیز ہم آج مہراج بلی صاحب کے ہاں مدعو تھے۔ بھائی صاحب وہ کھانا کھایا کہ عمر بھر نہ بھولیں گے۔ واہی واہ۔ اور پھر واہی واہ۔ ترکاریاں سب سڑی ہوئی۔ پوریاں سخت جیسے پتھر۔ ارے توبہ اور مٹھائی باسی۔ مگر ان کی بیوی واقعی بڑی صاحب تمیز ہیں۔ انھوں نے پستے تل کے بھیجے نمک اور سیاہ مرچ چھڑک کر۔ میں کیا کہوں۔ واللہ بڑی با تمیز عورت ہیں۔ یہ تو گو کہے ہی ہیں۔ مگر ان کے سلیقے میں شک نہیں۔ اور انھوں نے مہری کی زبانی کہلا بھیجا کہ ہمارا قصور نہیں ہے ہم لوگوں میں رسم ہے کہ چھٹے چھ ماہے ایک روز باسوڑا کرتے ہیں۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ رات کو پوریاں پکیں، پکوان پکا، ترکاریاں پکاتیں۔ گلگلے پکے رات کو نہیں کھاتے صبح کو یہ سب پکوان لے کر کسی مندر میں بھیجتے ہیں اور جب وہاں سے واپس آتا ہے تو کھاتے اور تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصہ کہیں

سے آیا تھا۔ مثل مشہور ہے موئی بچھیا باہمن کے نام۔ اسی حصّہ کو دیکھکر حضور نے ہماری دعوت کردی۔

نواب صاحب نے کہا میں ہوتا تو باسی کھانا پھینک کر ان کو مجبور کرتا کہ ابھی پکواؤ یا نقدی لاؤ تو ہم خود پکوالیں یہ دعوت کر کے باسی کھلانا کیا معنی۔ اچھی دل لگی ہے۔ اور یہ آخر تمہاری حرکتیں کیا ہیں بھئی۔

مہراج۔ لاحول ولاقوۃ یہ سب جھوٹ ہے۔

نواب۔ ارے کمبخت یا تو کھلا نہیں اور اگر دعوت کر کسی بھلے مانس کی تو کھانا تو اچھی طرح کھلا۔ باسی پوریوں کی دعوت کے کیا معنی۔ اور تکلفات نہ ہوں تو تازہ کھانا تو ہو۔ بڑے نالائق ہو یار۔

منشی مہراج بلی صاحب کب شرمانے والے تھے۔ شرمانے کے عوض آپ بگڑ کھڑے ہوئے۔ آپ لوگوں کو کھانا کھلانا اپنے تئیں ہنسوانا ہے۔ ایک تو رد دوسیر فی اسم چکھ جائیے اور اوپر سے غز تیے۔ اب آج سے توبہ کی واللہ وہ نامعقول لوگ ہو۔ نواب رونق جنگ نے بگڑ کر کہا ابے تو نامعقول اُبالی دال کھلاتا ہے کوئی دعوت ہیں۔

نواب محمد عسکری نے کہا یہ تو آپ کا شاعرانہ مبالغہ ہے اُبالی دال تو غریب سے غریب بھی نہ کھلائے گا۔

رونق جنگ نے کہا بھائی کے سر کی قسم واللہ اُبالی دال، خدا کی قسم اُبالی دال۔

نواب۔ کیوں بھئی مہراج بلی اُبالی دال تھی۔

مہراج۔ اجی یہ تو پاگل ہیں ان کو بکنے دو۔

مسخرہ۔ سرکار کے نمک کی قسم اُبالی دال تھی۔

چھٹن۔ تمہارے سر کی قسم نواب اُبالی دال تھی۔

نواب۔ لاحول ولاقوۃ۔ عجیب خفیف الحرکات آدمی ہے۔

مسخرہ۔ حضور کُل چیز بس سڑی ہوئی باسی تنپاسی پوری اور ترکاری۔ اور گرمی کے دن سڑے کیوں نہ۔

نواب۔ اس شخص کو بھی خدا نے عقل سے بالکل کورا کر دیا ہے۔ خالی از عقل۔ تہی زخرد۔

مہراج۔ آپ ایسے سو کو راستہ بتاؤں۔ کہنے لگے تہی زخرد تم خود ہو۔ تم سب گدھے ہو۔ ہم کو خدا نے عقل کُل مجسم عقل بنایا ہے۔ جی آپ کیا جانیں ان باتوں کو ان کا سمجھنا ذرا دل لگی نہیں ہے۔

نواب۔ بجا ارشاد ہوا۔

چھٹن ۔ اب تم کو عقل کبھی نہ آئے گی بس معلوم ہوا اُلّو کی دم فاختہ ہی رہو گے۔

مہراج ۔ بس چپ رہو اب کوئی لفظ مت زبان سے نکالنا۔

نواب ۔ کیوں پاگل پنے کی باتیں کرتے ہو۔

الغرض نواب محمد عسکری ان سب سے رخصت ہو کر ممّن اور اختر کو ساتھ لے کر مجذوبہ کے یہاں گئے۔ جس وقت اُس کے ہاں پہونچے وہ غل مچا مچا کر کہہ رہی تھی قمرن قمرن، نازو اور قمرن ۔ نواب لٹو ہاں آتی ہے۔ ہاں! اتنے میں نواب صاحب نے جھک کے سلام کیا۔

مجذوبہ ۔ ارے قمرن کہاں ہے تیری بول نواب ۔ ؟

نواب ۔ حضور کے حکم کی دیر ہے۔ اب حکم ہو جائے ۔

مجذوبہ ۔ سُنّی شیعہ، ہندو مسلمان، سب ایک اللہ کے بندے ہیں۔ کوئی فرق نہ کرنا۔ ہاں! سمجھا۔ بس۔ ہاں!!!۔

نواب ۔ تو اب ایسی کوشش کیجیے کہ قمرن مل جائے ہمیں۔

مجذوبہ ۔ اچھا قمرن کے واسطے کچھ مٹھائی لا چاٹ رکھا۔

نواب ۔ (ممّن سے) بھئی وہ دے دو فوراً دے دو۔

راوی ۔ داروغہ صاحب چونکہ بہت پی گئے تھے ۔ اس سبب سے نواب صاحب کے ہمراہ رکاب نہ آئے تھے ۔ ممّن کے پاس انھوں نے پانچ اشرفیاں رکھوا دی تھیں ممّن کہ از بس چالاک آدمی تھا۔ چار اشرفیاں مجذوبہ کو دیں اور ایک اشرفی نلّوہ اُڑا دی۔

مجذوبہ ۔ قمرن مل جائے گی۔ اب قمرن مل جائے گی ۔

نواب ۔ میں صدقے ذری جھلک دیکھ لوں۔

مجذوبہ ۔ دو پیسے میں بادشاہی! یہ کیا دیا ہے ۔

نواب ۔ حضور جو فرمائیے گا حاضر کروں گا۔ مگر۔

ممّن ۔ اچھا اگر قمرن اس وقت آجائیں تو دس ہزار لیجیے ابھی ابھی۔ بس۔

نواب ۔ منظور دس نہیں بلکہ اور بارہ ۔

مجذوبہ ۔ قول مردان جان دارد ۔ ہاں! ۔

نواب ۔ اگر اس وقت قمرن مل جائے تو واہ ۔

مجذوبہ ۔ درختوں کے ہرے ہرے پتوں کا سایہ رہے بھری چاندی۔ اور مینھ اور جھڑی

ساون بھادوں کی جھڑی۔ ہاں ہاں۔

مجذوبہ نے نواب صاحب کو حکم دیا کہ ذرا آنکھ بند کرلو۔ یہ تو پابند حکم تھے ہی فوراً آنکھیں بند کرلیں۔ کہا کھول دے انھوں نے کھول دیں۔ کہا قمرن کہ نازو۔ کیا دیکھا۔

نواب صاحب نے فرمایا دونوں کو دیکھا اور یہ کہہ کر مجذوبہ کی بڑی خوشامد کی۔

ممتن۔ حضور جو حکم دیجیے وہ بجالایا جائے۔

مجذوبہ۔ توڑے لا قمرن کو لے۔

نواب۔ ابھی حاضر کرتا ہوں۔

مجذوبہ۔ (بہت خفا ہو کر) توڑے لا قمرن لے توڑے لا قمرن۔ لا توڑے لے قمرن۔

نواب۔ (ممتن کے کان میں) لالہ ہردیو داس کو بلا لاؤ۔

ممتن۔ بہت خوب خداوند ابھی لے کے حاضر ہوتا ہوں۔

ممتن تو نواب صاحب کی گاڑی پر سوار ہو کر لالہ ہردیو داس مہاجن کو لانے گئے۔ اور مجذوبہ نے نواب صاحب کا ہاتھ پکڑلیا' اور کہا ادھر آ۔ مجذوبہ ان کو کلان کوٹھی کے کوٹھے پر لے گئی اور ہاتھ چوم لیا۔ ان کو کسی قدر ہیبت کہ مجذوبہ ہے۔ خدا جانے اس کی زبان سے کیا نکل جائے اور کسی قدر خوشی کہ ایسی رسیدہ عورت اس لطف سے پیش آئے جرأت کرکے انھوں نے بھی ہاتھ کو ذرا دبایا۔ تو مجذوبہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ جوان عورت اور حسین۔ اور سرخ و سفید اور کم سن اس شوخی کے ساتھ اس کا ہنسنا تھا کہ نواب صاحب لوٹ ہو گئے۔

مجذوبہ نے کہا قمرن کو دیکھیے گا۔ کہا ہاں۔ ایک چھوٹے سے کمرے کا دروازہ کھولا تو نور کا بکا نظر آیا۔ بی قمرن بنی ٹھنی بیٹھی ہیں۔ مجذوبہ دوڑ کے بھاگ گئی۔

نواب۔ بی قمرن جان صاحب سلام عرض ہے۔

قمرن۔ ہم تم سے نہیں بولتے۔

نواب۔ قمرن جان ذری ادھر دیکھو۔

قمرن۔ (آنسو بہا کر) بس نواب دیکھ چکے۔

نواب۔ جان من ہمارا کیا قصور ہے۔

قمرن۔ تم کو ہمارا ذری خیال نہیں رہا۔ بڑے بے مروت اور بے وفا ہو نواب۔

نواب۔ جانی۔ جان تڑپتی تھی۔ ہائے ہم پر تمہارے صدمہ ہجر میں خدا جانے کیا گیا گذری۔

ہمارا ہی دل جانتا ہے۔

راوی ۔ یہ کہہ کر نواب صاحب زار زار رونے لگے۔

قمرن ۔ ارے یہ سب ظاہرداریاں ہیں۔

نواب ۔ ہائے افسوس قمرن جان ہے۔

قمرن ۔ نواب مجھ پر جو ستم اس بشیرالدولہ نے ڈھایا اس کا حال میں کیا کہوں۔ خدا اس کمبخت سے سمجھے اللہ اس کو غارت کرے۔ اس کا جنازہ نکلے۔ موے نے میرے ساتھ کیا جانے کب کا غبار نکالا۔

نواب ۔ میں کھڑے کھڑے نکال دوں گا وہ ہے کیا۔

قمرن ۔ اب ایسا ہے کہ جو رونک پر تمہاری دخل ہے اس کو۔

نواب (بد دماغ ہو کر) اس کی ایسی تیسی۔

قمرن ۔ ہمارے ساتھ اس کمبخت نے وہ بدی کی کہ ہمارا دل ہی جانتا ہے۔ تم کس سے کہیں اللہ اس موے سے سمجھے۔ خدا اس کو غارت کرے۔

نواب ۔ افوہ کن دقتوں سے ملی ہو جانی۔

قمرن ۔ ایک دن ہم نے خواب میں دیکھا کہ عورت ہمارے پاس آئی ہے۔ اور ہم سے کہتی ہے کہ عسکری کے پاس چلے گی۔ یہ کہہ کر کوئی چار پانچ دفعہ اس نے (ہاں! ہاں! ہاں!) کہا اور میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ بس آنکھ کھل گئی اب جو دیکھتی ہوں تو بھی مہزوب (مجذوب) عورت تھی۔

نواب ۔ یہ بہت خدا رسیدہ ہیں ان کا کیا کہنا۔

قمرن ۔ اب کی تو کچھ ایسا بندوبست کرو نواب کہ اب ساتھ نہ چھوٹے۔ ہائے ان لوگوں کو خدا غارت کرے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے۔

نواب ۔ (قریب جا کر) ایک بوسہ بعد مدت دے دو۔

قمرن ۔ تو گھبراتے کیوں ہو۔ اب باغ چلو۔ مگر کسی پر کچھ ظاہر نہ ہونے پائے۔

نواب ۔ ہماری رائے تو یہ ہے کہ ہم تم نینی تال چلے چلیں۔

قمرن ۔ میں خوش میرا خدا خوش چلو بس۔

نواب ۔ (زار زار رو کر) میری جان قمرن۔

قمرن ۔ (رو کر) کیا کہوں نواب۔ اس بشیرالدولہ سے خدا سمجھے۔ اللہ اس مونڈی کاٹے کو غارت کرے۔

نواب ۔ ابھی کھڑے کھڑے نکلوا دوں گا۔ ابھی ابھی۔

قمرن ۔ اللہ کرے اس کا جنازہ نکلے۔ خدا اس سے سمجھے جیسا میرا دل دکھایا۔

نواب ۔ اچھا تو اب اک ذری ٹھہر جاؤ اور ہر دلو اس کو بلایا ہے ان سے روپیہ لے کر مجذوبہ کو دے دیں تو پھر ہم تم کہیں بھاگ چلیں۔

قمرن ۔ اب کی بیس تمہارا ساتھ ایک دم بھر کر کے لیے بھی نہیں چھوڑوں گی جہاں تم وہاں ہم۔

نواب ۔ عقد ہو جائے تو بہتر ہے۔ کیا رائے ہے۔

قمرن ۔ بیشک ضرور ہونا چاہیے۔

نواب ۔ تمہاری ماں کیسی کیسی تڑپتی تھیں کہ کیا کہوں۔

قمرن ۔ سارا بنا بنایا کھیل اس موے بشیر الدولہ نے بگاڑ دیا۔ اللہ کرے اس پر بجلی گرے۔ خدا اس سے سمجھے۔ اور کیا کہوں۔

نواب ۔ قمرن کے سر کی قسم آج ہی نکلوا دوں گا۔

قمرن ۔ میری تسلی تو جب ہوگی جب اس موے کی کھٹیا مُچ مُچاتی ہوئی نکلے گی۔ بس۔ اللہ کرے اس کو مار ڈالے تو کیا اچھا ہو۔

نواب ۔ تم صاف صاف حال تو بتاؤ۔

قمرن ۔ بڑی کہانی ہے کوئی کہاں تک کہے۔

نواب ۔ اچھا سن لیں گے جلدی کیا ہے۔ مگر یہ بشیر الدولہ بڑا پاجی نکلا۔ نامعقول۔

نواب محمد عسکری صاحب نے جو بعد مدّت معشوقۂ نسترن بنا گوش بی قمرن کو دیکھا تو پھڑک گئے، اور پرانا عشق پھر از سر نو چرایا اور قمرن کی بغل میں بیٹھ کر یہ اشعار بلحن داؤدی پڑھنے لگے۔

آمد ز جدائیت بجان دل
گہ نالہ کند گہے فغان دل

چوں باسمہ صدق عشقبازی
گاہے نشد از تو کامران دل

اللہ اللہ۔ ہم اور قمرن ایک جگہ بیٹھے ہیں۔ شان خدا تیری کریمی کے صدقے۔ قمرن اب ہم اور تم اس طرح پر رہیں جانی جیسے ایک روح دو قالب۔

قمرن ۔ باجی جان کہاں ہیں۔؟

نواب ۔ ہیں ۔رو یا کرتی ہے بیچاری ۔
قمرن ۔(روکر) اس بشیرالدولہ سے خدا سمجھے ۔
نواب ۔ آمین ۔دیکھو تو جانی میں اس کو کیسا نیچا دکھاتا ہوں جاتا کہاں ہے ۔
قمرن ۔ مجھ پر تو جو آفت اس نے ڈھائی اس کا بدلہ خدا ہی لے گا ۔اور کون لے سکتا ہے ۔

اتنے میں ممّن نے زینے پر سے آواز دی حضور لالہ حاضر ہیں ۔کہا چلے آؤ وہ کوٹھے پر آیا تو دیکھتا ہے کہ بی قمرن صاحب نواب صاحب کی بغل میں بیٹھی ہیں آئیں! حضور خدا مبارک کرے آج تو واللہ جلسہ ہونا چاہیے ۔بی قمرن صاحب بندگی قمرن نے کہا بس جائیے بھی آپ لوگ کسی مصرف کے نہیں ہیں ایک بشیرالدولہ اور اتنے تم اور کچھ نہ کر سکے ۔اور اس نے جو چاہا وہ کر گذرا ۔ ہے ہے وہ موا اندھیر تھا کہ بلا کا سامنا تھا ۔ڈولی سے اترتی ہوں تو اس مونڈی کاٹے کدرا کی شکل دیکھی جان نکل گئی ۔دھک سے رہ گئی بس کہ یا اللہ یہ ہوا کیا ۔

ممّن ۔ اب ہم لوگوں کو یہ حال کیا معلوم تھا ۔
نواب ۔ مہراج بلی نے تو ہم سے کہا تھا کہ پڑوس میں اُن کے رہی ہیں کدرا کے ہاں سے بھاگ آئیں
قمرن ۔ اللہ جانتا ہے نواب مہراج بلی نے دوستی کا حق ادا کر دیا ۔رات کو چار آدمی بھیجے اور وہ ہم کو نکال لے گئے ۔مگر انھوں نے کہا ہم نے تم کو تمہارے میاں کے پنجے سے تو نکالا ہے اب تم جانو تمہارا کام جانے ایسا نہ ہو کہ ہم دھر لیے جائیں ۔ تو اور لینے کے دینے پڑیں ۔
ممّن ۔ پھر تم غائب کہاں ہو گئیں ۔
قمرن ۔ میرے تو ہوش ابھی تک ٹھکانے نہیں ہیں رفتہ رفتہ کل قصہ بیان کروں گی کہ مجھ پر کیا کیا گذری اللہ کرے دشمن پر بھی نہ گذرے ۔دشمن سے دشمن کو بھی نصیب نہ ہو ۔

الغرض لالہ ہر دیلو داس سے نواب صاحب نے دس ہزار روپیہ مانگے اور کہا کہ اسٹامپ لے آؤ ۔ہم تمسک لکھ دیں گے ۔پرسوں بنک کھلے گا تمہارا روپیہ تم کو مل جائے گا ۔اس نے کہا حضور کیسا تمسک حضور کا کام نہ اٹکے بس بڑا تمسک تو یہ ہے کہ کھاتا لیتا آیا ہوں سب ٹھیک ہے بس اس پر ٹانک دیجیے ۔نواب صاحب نے لالہ ہر دیلو داس کی بڑی تعریف کی اور جس طرح پر لالہ موصوف نے بتایا فوراً لکھ دیا اور روپیہ لے کر مجذوبہ کی نذر کیے قمرن اپنے دل میں بہت خوش ہوئی کہ ان کو ہمارا اس قدر خیال ہے کہ دس ہزار روپیہ بات کرتے دے دیا ۔جب مجذوبہ کے پاس سے نواب صاحب کوٹھے پر گئے تو قمرن نے ان کے رخسار تاباں کا بوسہ لیا نواب صاحب

کی مارے خوشی کے باچھیں کھل گئیں۔

نواب صاحب اپنے دل میں سوچنے لگے کہ یا الٰہی قمرن کو اب کی دفعہ کہاں چھپاؤں کہ اس مردود بشیر کو نہ معلوم ہو۔ سوچتے سوچتے ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کسی ہوٹل میں اتار دیں اور پردہ نشین عورت مشہور کریں۔ ممّن سے مشورہ کیا۔ ممّن نے کہا حضور ہوٹل ووٹل ٹھیک نہیں ہے۔ غلام جو عرض کرے اس پر غور فرمائیے۔ جھنجھٹ یہاں سے کوئی تین کوس ہے وہاں غلام کا ایک باغ ہے اور اس میں مکان بھی ہیں۔ بس سیدھے وہیں چلے چلیے بخط راست کسی کو کانوں کان تو خبر ہوگی نہیں۔ نواب صاحب کو یہ صلاح بہت پسند آئی۔ فوراً قمرن کو گاڑی پر بٹھایا اور ممّن کو ساتھ لیا۔ اور جھنجھٹ کی طرف چلے راستہ میں باتیں ہوتی جاتی تھیں۔

قمرن۔ کل کیا بتائیں کس مصیبت میں تھے آج اللہ نے یہ دن دکھایا کہ ہم تم پاس بیٹھے ہوئے گاڑی پر مزے سے ہوا کھا رہے ہیں۔

نواب۔ ہم کل اتنے وقت مہراج بلی کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔

ممّن۔ سرکار صبح شام دوپہر اُٹھتے بیٹھتے آپ ہی کو یاد کرتے تھے۔ بارے خدا نے آرزو پوری کردی سچ تو یہ ہے کہ ان مجذوبہ کی بدولت یہ دن دیکھا۔

قمرن۔ میں نے خواب دیکھا تھا کہ جیسے یہ آن کر مجھ سے کہتی ہیں کہ اب چلو اب چلی چلو۔ چل تجھکو تیرے نواب سے ملا دوں۔ ہاں!۔

نواب۔ اللہ اللہ یہ قدرت حاصل ہے ان کو۔ واہ۔

ممّن۔ حضور عرض تو کردیا کہ اس شہر کی قطب ہیں۔

اختر۔ عقل دنگ ہوجاتی ہے بعض اوقات وہ وہ باتیں سننے میں آتی ہیں۔ اور عقل کیوں کر نہ دنگ ہو۔ سمجھ سکتا ہے کوئی رموز کو۔ اے لاحول۔ کیا مجال ہے۔

نواب۔ لے اب آپ ملاحظہ تو فرمائیے خواب میں جاکے اطلاع کی۔ اب اس سے بڑھ کر اور کیا کمال ہوگا۔

ممّن۔ حضور مجھ سے کہدیا تھا مگر میں اس اشارے کو سمجھا نہیں تھا۔ مجھ سے کہدیا تھا کہ ہم خواب میں گئے وہاں گوری گوری صورت دیکھی۔ قمرن تھی اس کی بہن نہ تھی۔

نواب۔ اور آپ نے ہم سے نہ کہا۔ بھئی واہ معقول۔

ممّن۔ اے تو حضور جب غلام سمجھے بھی کچھ میری تو سمجھ ہی میں نہیں آیا تھا وہ تو اب عقدہ کھُلا۔

اختر ۔ بس دیکھیے اسی طرح بڑمیں کیا جانے کیا کیا بک جاتی ہیں اس کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔
نواب ۔ بعض بعض باتیں تو بالکل سمجھ میں آتی ہی نہیں۔
قمرن ۔ ایک کام کرو۔ باجی جان کو بھی ساتھ لیتے چلو۔ اور امی جان کو اطلاع کر دو۔ انھوں نے رُو رو کے کیا جانے کیا حال کیا ہوگا۔
نواب ۔ تو ایک کام کرو۔ ذرا اختر سے کہو حسین علی کو بلا لیں اور گاڑی ذرا روک ۔
نواب صاحب نے گاڑی روک لی اور اختر کو حکم دیا کہ حسین علی کو بلا لاؤ۔ حسین علی دوڑتا ہوا آیا۔ کان میں کہا کہ نازو کو ایک گاڑی پر سوار کرا کے چنہٹ میں لاؤ اور پتا میاں ممّن سے دریافت کرلو۔
اختر گاڑی پر بیٹھے اور گاڑی چنہٹ کی جانب روانہ ہوئی۔
قمرن ۔ میرے اچھے نواب ساب نینی تال چلے چلو۔
نواب ۔ کل روانہ ہو جاؤں گا۔
قمرن ۔ ہمیں تو یقین نہیں آتا ہے۔
نواب ۔ کل ریل پر بیٹھی ہوگی ۔
ممّن ۔ حضور ہاں اب تو چلیے۔
اختر ۔ اب یہاں فضیحتا ہے خداوند۔
ممّن ۔ فضیحتا بلکہ فضیحتی کا باپ۔

ع چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

قمرن ۔ اور کون مشکل بات ہے۔ قدم بھر پر تو نینی تال ہے۔ نینی تال کیا کچھ دور ہے۔
نواب ۔ وہ کالے کوسوں سہی۔ ہم ضرور چلیں گے ۔
ممّن ۔ تو خداوند پھر ایک کام کیجیے شب باش تو یہاں ہو جیے اور سویرے کوئی آٹھ بجے گھر چلیے وہاں سامان کیجیے اور بندہ قمرن جان کو لے کر اسٹیشن پر آجاتے ۔
نواب ۔ بہتر اب باغ تو چلو پہلے۔
قمرن ۔ یہ جائیں وائیں گے نہیں ۔
نواب ۔ نہ جائیں کیا معنی ۔
اختر ۔ حضور برا نہ مانیں تو غلام عرض کرے حضور کے مزاج میں اور بڑے لوگوں کی طرح تلوّن ضرور ہے۔

نواب۔ لاحول ولاقوہ کیا کہتے ہو۔ ممّن۔

اختر۔ حضور کے خوف کے مارے چاہے نہ کہیں۔

ممّن۔ حضور کہتے تو سچ ہیں یہ۔

نواب۔ لو صاحب ایک نشد وشد۔ میاں ہم تلون مزاج ہیں۔

ممّن۔ چاہے توپ دم کر ڈالیے۔

قمرن۔ کیا بات کہی ہے ہم نہیں سمجھتے۔

ممّن۔ ہم لوگوں کی رائے یہ ہے کہ نواب صاحب کے قصد اور تہیہ کا کوئی یقین نہیں۔ ابھی کچھ رائے ہے اور ابھی کچھ جلد بدل جاتے ہیں۔

جس وقت گاڑی باغ میں داخل ہوئی قمرن نے کہا۔ نواب وہ دن ہم کو کبھی نہ بھولے گا جب ہم تم پہلے پہل اس باغ میں آئے تھے۔ اللہ کرے باجی گھر پر ہوں ان کے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ نواب صاحب نے باغ کی کوٹھی کھلوائی اور عرصے سے بند تھی ذرا کمرے کے سب دروازے کھلوادو۔ کوئی آدھ گھنٹے تک باغ میں سر گشت کیا کیے۔ اس کے بعد گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی۔

نواب۔ نازو بھی آگئیں۔

قمرن۔ اور جو حسین علی ہی اکیلا آیا ہو۔

ممن۔ حسین علی اوّل تو پیدل آتا۔ اور اگر پیدل نہ آتا تو اکہ پر آتا۔

اختر۔ نازو وہ کیا بیٹھی ہیں۔

قمرن یا وحشت! بند گاڑی اور نازو کو دیکھ لیا۔

اختر۔ بند ہونے کے سبب سے تو سمجھ گئے کہ نازو ہیں۔

نواب وہ گاڑی آن پہونچی۔

ممّن۔ حضور نازو ضرور آئی ہیں۔

اتنے میں گاڑی باغ میں آئی اور رک گئی۔ حسین علی کوچ بکس سے اترا۔ گاڑی بان اور سائیس سے کہا تم لوگ ہٹ جاؤ۔ بی نازو چھم چھم کرتی ہوتی اتریں۔ قمرن اور نازو بغل گیر ہوئیں۔

نواب۔ اور ہم سے (ہنس کر)

نازو۔ اللہ نے بڑا رحم کیا۔

قمرن ۔ یہ دوسرا مرتبہ ہے اس باغ میں آنے کا۔
نازو ۔ یہ وہ باغ نہیں ہے ۔
قمرن ۔ اے ہاں سچ کہا مجھے یہ اس وقت ہو کیا گیا یہ تو چنہٹ ہے ۔
نواب ۔ تم نے پہلے بھی کہا تھا کہ جب ہم پہلے پہل اس باغ میں آئے تھے۔ میں خاموش ہو رہا۔
نازو ۔ بہن اب ہم سے سارا حال تو کہہ چلو تم تمہیں کہاں روتے روتے آنسو خشک ہو گئے
(رو کر) امی جان کا دور از حال بُرا حال تھا۔
قمرن ۔ (رو کر) بہن یہ نہ پوچھو بس ۔
نازو ۔ اللہ کو جو منظور رہوتا ہے وہی ہوتا ہے ۔
قمرن ۔ ہمارے ساتھ تو اس مونڈی کاٹے بشیر الدولہ نے بدی کی۔ اللہ اس سے سمجھے کہ ہم پر قہر ڈھایا اس مونڈی کاٹے نے ۔
نازو ۔ جیسا کیا ویسا پائے گا ۔

نواب صاحب نے نازو سے مشورہ کیا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو ہم قمرن کو لے کے چپکے سے نینی تال چل دیں اور تم بھی چلی چلو۔ نازو نے کہا تم کہتے بہت ہو اور کرتے کم ہو یہ کریں گے ۔ مگر سب زبانی داخلہ۔ اب اس سے بڑھ کے فضیحتا اور کیا ہوگا ۔

نواب ۔ ممتن بھئی لے تیاری کر دو ۔
ممتن ۔ بہت خوب حکم کی دیر تھی ۔
نواب ۔ اب ہم سے کچھ نہ پوچھو ۔
ممتن ۔ بہت خوب کل ہی لیجیے ۔
نواب ۔ تو ہم سے کچھ نہ پوچھیے ۔؟
ممتن ۔ بس سمجھ گیا۔ کل سامان لیس لیجیے ۔
قمرن ۔ تو ہم امی جان کو کل دیکھ آئیں ۔
نازو ۔ اے ہے۔ کہیں ایسا غضب بھی نہ کرنا۔
نواب ۔ کیا عقل ہے تمہاری بھی واہ ۔
اختر ۔ اور جو تم گئیں ادر کدر آگیا ۔
نواب ۔ ہاں بس یہی تو خرابی ہے ۔

نازو ۔ امی جان کو کل نفس پر یہیں بلوالیں گے ۔

راوی ۔ شان خدا ۔ منہارن اور نفس ۔

نواب ۔ بس بس ہزار باتوں کی ایک بات یہ تم نے کہی ۔ جی خوش ہو گیا ۔

اختر ۔ کل کوئی دس بجے بلوا لیجیے گا ۔

قمرن ۔ دس نہیں بارہ بجے ۔ اور سنو تڑکے گجردم کیوں نہ بلوالیں ۔ اتنی دیر کیوں ہو ۔

اختر ۔ تڑکا تو یہاں ہو گا نو بجے ۔ ذرا سمجھیے تو ۔

قمرن ۔ ہاں اچھا تو اڑے گی ۔ نواب لاؤ کچھ پلاؤ تو بعد مدت ۔

نواب ۔ یہاں کچھ ساتھ ہے ۔ ممن ۔

ممن ۔ حضور جان کے ساتھ ۔ بقول نثار ۔

بغل میں ہوں تو پر دباتے ہوئے
کلیجے سے بوتل لگائے ہوئے

نواب ۔ تم لوگ اس شعر پر بڑے لٹو ہو ۔

اختر ۔ حضور خوب کہا ہے ۔

نواب ۔ اس میں کیا فرق ہے ۔ بہت خوب کہا ہے ۔

اختر ۔ کلیجے سے بوتل لگائے ہوئے ۔ جان ڈال دی ۔ اس نے ۔ سبحان اللہ ۔ کیا مستانہ مضمون ہے ۔

نواب صاحب نے ممن کو حکم دیا کہ لاؤ ۔ ممن نے پانچ گلاس سامنے رکھ دیے ۔ اور حسین علی برف اور سوڈا کی بوتلیں لایا ۔

نواب ۔ ائیں ! ارے میاں برف اور سوڈا ۔ !! ۔

ممن حضور پھر آخر تین روپیے کے پیادے میں اور ہم میں کچھ فرق ہو یا نہ ہو بیاہم اور وہ برابر ہی ہیں ۔

اختر ۔ بھئی کمال کیا واللہ ۔

ممن ۔ حضور کا اقبال ہے یہ سب ۔

نواب ۔ ممن تم کو انعام دیں گے ہم ۔

ممن ۔ (آداب عرض کر کے) خداوند اس سے زیادہ انعام اور کیا ہو گا ۔

نازو ۔ خوب آدمی ہیں ممن ۔

قمرن ۔ اور وہ کہاں ہے، جس کو آپ لوگ سب بناتے ہیں ۔
نواب ۔ وہ کون مسخرہ ۔
ممتن ۔ مہراج بلی کو کہتی ہیں ۔
قمرن ۔ نہیں نہیں ۔ کیا مہراج بلی کو میں جانتی نہیں ۔
اختر ۔ میں سمجھ گیا ۔ میاں جملو کو کہتی ہیں ۔
قمرن ۔ ہاں ہاں ۔ وہ جو گاتے خوب ہیں ۔
نواب ۔ کئی روز سے آیا نہیں ۔ کیا جانے کیا سبب ہے ۔
قمرن ۔ پہلے تم لوگ پیو پھر ہم پئیں گے ۔
نواب ۔ یہ نہ ہونے کا ۔
قمرن ۔ ہمارے سر کی قسم ۔
نواب ۔ تم کو ہمارے لہو کی قسم ۔
راوی ۔ قمرن نے پی ۔ کہا یہ بڑی سخت ہے ۔
نواب ۔ ارے یاران کو شری پلاؤ ۔
ممتن ۔ حضور شری ہی ہے ۔ حضور چکھیں تو ۔
نواب ۔ (چکھ کر) ہاں ہے تو شری ہی ۔
قمرن ۔ ارے تو ظالم برف تو ملا ۔
نواب ۔ کیا برف نہیں ملائی ۔
ممتن ۔ نہ برف تھی ۔ نہ پانی ۔ یہ اُٹھا کے پی گئیں ۔
نواب صاحب نے کہا اب تھوڑی پی کر سو رہو ۔
قمرن ۔ اب آج تو ہم کو نیند نہیں آتی ۔
نازو ۔ اے لو ابھی سو تیں کہاں ہو تم ۔
قمرن ۔ اے لو اب ہم کو اتنا بھی نہیں آتا ۔
اختر ۔ خداوند آج تو دو نی چوگنی پیجیے ۔
نواب ۔ کتنی بوتلیں ہیں ممتن ۔
ممتن ۔ خداوند تین بوتلیں تو شری کی ہیں ۔ اور چھ بوتلیں ہوسکی کی ہیں ۔ اور ایک بوتل اکشا

نمبر وَن برانڈی کی اور دو اَدّھے شامپین کے۔

نواب۔ اُئیں! نوروزجی کی کوٹھی بھر اٹھالائے۔

ممتن۔ حضور اتفاق ہے کوئی دوست آجائے صاحب لوگوں میں سے کوئی آجائے۔

قمرن۔ لے ہمارے گلاس میں اور انڈیل دو۔

نواب۔ لو جان تک حاضر ہے تمہارے لیے۔

قمرن۔ جان تمہاری تم کو مبارک رہے۔

نازو۔ اور ہم کو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔

قمرن۔ لو اپنے بہنوئی سے کہو۔ جھولا کن ڈالو امریاں ہائے کیا بہار ہے۔ بجلی جب چمکتی ہے تو منہ آجاتا ہے اچھا بتاؤ برسے گا یا نہیں برسے گا۔

نواب۔ برسے گا۔ ضرور برسے بارہ بجے تک۔

نازو۔ نہیں برسے گا۔ ہرگز نہیں برسے گا۔

نواب۔ آؤ بدتی ہو کچھ۔

قمرن۔ بد کے پاس ہم نہیں کھڑے ہوتے۔

نواب۔ نازو جان آؤ بدتی ہو۔

نازو۔ مارو ہاتھ پر ہاتھ۔

نواب۔ آؤ بارہ بارہ بوسے بدتے ہیں۔

نازو۔ بڑے اُستاد ہو۔ ہر سٹے اپنے ہی مطلب کی سوجھتی ہے کیوں نہ ہو۔

نواب۔ ہاں ایسے گئے گذرے ہوتے ہم۔ کیا ہمارے گال مفت کے ہیں۔ ہم تو بارہ بارہ بوسے ہی بدیں گے۔ تم چاہے جو کچھ کہو۔

نازو۔ ایک بہن تو تمہارے سپرد کردی اسی کے بوسے لو، ایک سو چاہے ہزار۔

تھوڑی تھوڑی پی کر یہ سب علیحدہ سو رہے تو قمرن اور نواب صاحب میں میٹھی میٹھی باتیں ہونے لگیں۔

قمرن۔ نواب ایک بوسہ دو۔ اللہ جانتا ہے ترس گئی۔

نواب۔ ایک بوسہ؟ ہزار بوسے گن کے لو۔

قمرن۔ تو بھی سیری نہ ہوگی۔

نواب ۔ بوسہ ہی تو وہ شے ہے۔ جس سے سیری نہیں ہوتی۔
قمرن ۔ اللہ اللہ تم کہاں اور ہم کہاں ۔ مگر تمہیں قسم ہے ۔ بس کل ہی پرسوں نینی تال چلے چلو۔
نواب ۔ اب کیا ٹل بھی سکتا ہے کل پرسوں میں داخل نینی تال ہوں گے ۔
قمرن ۔ سنتے ہیں کہ وہاں بارہوں مہینے سردی رہتی ہے ۔
نواب ۔ اور سردی کے دنوں میں تو آدمی وہاں ٹھٹھر جاتا ہے۔
قمرن ۔ اچھا میرے سر پر ہاتھ رکھو کہ ضرور چلو گے ۔
نواب ۔ (سر پر ہاتھ رکھ کر) اس سر کی قسم ضرور چلیں گے اور تم کو اور نازو کو بھی لیتے چلیں گے مزے اڑیں گے وہاں ۔ ؎

ع نے غمِ دوزخ نے غم کالا

بہشت آنجا کہ ازارے نباشد کسے را با کسے کارے نباشد

نینی تال کو لوگ دنیا کی بہشت بتاتے ہیں ۔ اور جو لوگ ہو آئے ہیں وہ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

نینی تال کا سفر

شتابی لائیے گلنار ساقی دمِ رخصت نہ کر تکرار ساقی
ترے صدقے ترے قربان ساقی خدارا پھر وہی احسان ساقی
وہی پھر صحبت دیوانگی ہو وہی پھر رخصت فرزانگی ہو
بہار وصل ہو پیدا رقم سے گلِ شادی کھلیں شاخ قلم سے
رہا ہوں دام سے مانند بلبل پھروں بے قید مثلِ نکہتِ گل

نواب محمد عسکری صاحب نے اس عجلت میں سفر کیا کہ الامان مجذوبہ سے وعدہ کر لیا کہ ہفتے میں دو خط ضرور بھیجا کروں گا اور انھوں نے بھی وعدہ کر لیا کہ جواب فوراً بھیجیں گے۔ ایک خدمت گار اس لیے تعینات کر دیا گیا کہ مجذوبہ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ اور باز خاں اوور سیر کے نام حکم بھیجا گیا کہ کلاں کوٹھی کے متصل جو زمین واقع ہے اس میں ایک اوسط درجے کا ہندوستانی مکان کوٹھی نما بنایا جائے گا۔ اس کا تخمینہ پیش کرو۔

اب بشیر الدولہ کا حال سنیے۔ محمد عسکری ان سے کھٹکے ہوئے تو تھے ہی۔ ایک رقعہ بشیر الدولہ کے نام لکھوایا اور اس پر اپنے دستخط کر دیے۔

نواب بشیر الدولہ بہادر میں نے سنا ہے کہ آپ میرے درپے آزار ہیں۔اور یہ سب کانٹے آپ ہی کے بوئے ہوئے ہیں۔میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ آپ آج سے میرے گھر پر نہ جائیے گا ورنہ بے مروتی اور کج خلقی کرنی پڑے گی میں نے اپنے آدمیوں اور پھاٹک کے پہرے والوں اور دربانوں کے نام حکم بھیج دیا ہے وہ آپ کو اندر نہ جانے دیں گے۔اور آپ مفت میں ذلیل اور خوار ہوں گے۔

جس کے آپ دوست بنیں اس کو دشمن ڈھونڈھنے کی کیا ضرورت ہے۔دوست بن کے آپ دشمنی کا اظہار کرتے ہیں۔بڑے افسوس کی بات ہے۔

راقم محمد عسکری

یہ رقعہ بشیر الدولہ نے پڑھا تو دل میں بہت ہی ناراض ہوئے۔آدمی سے کہا جاؤ اس کے جواب کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔اتفاق سے دو ہی چار منٹ کے بعد ان کے نام ایک تار اس مضمون کا آیا۔

" تار کے دیکھتے ہی روانہ ہو جیے۔منیر الدولہ سخت علیل ہو گئے۔بہت جلد روانہ ہو جیے۔ان کی طبیعت بہت بگڑی ہوئی ہے۔"

ایک انگریزی خواں نے اس کا ترجمہ سنایا تو بشیر الدولہ کا رنگ فق ہو گیا۔آدمیوں کو بلایا کہا ابھی اسباب باندھو بھائی کی طبیعت بہت علیل ہو گئی ہے۔

خدمت گار۔حضور منیر الدولہ بہادر کی طبیعت علیل ہو گئی؟

بشیر ۔ہاں وہ بیمار تو عرصے سے ہیں۔بیڈ صب ہوئی۔

خدمت گار۔تو حضور کس وقت کی گاڑی پر چلیے گا خداوند۔

بشیر۔(گھڑی دیکھکر) بس اب کوئی چار گھنٹے اور ہیں۔

خدمت گار۔تو حضور اب جلدی کرنی چاہیئے ہے۔اب رہا کیا ہے۔

نواب بشیر الدولہ چھٹن صاحب کے ہاں چلے گئے' اور آدمیوں کو ضروری اُمور کی نسبت حکم مناسب دے گئے اور کہہ گیئے کہ کھانا بھی چھٹن صاحب ہی کے یہاں بھیج دینا۔ چھٹن صاحب کو تار کا مضمون سُنایا تو ان کو بھی تشویش ہوئی خیر وقت سے پون گھنٹہ قبل نواب بشیر الدولہ بہادر ریل کے اسٹیشن پہونچے۔اور نواب نادر جہاں بیگم کو ایک عورت کی زبانی کہلا بھیجا کہ نواب خدا حافظ ہے۔

تہمتیں چند اپنے ذمے دھر چلے
کس لیے آئے تھے کیا ہم کر چلے

ہم نے تمہارے ساتھ کوئی بدی نہیں کی مگر تم نے ہماری جان تک لینے میں کوئی دقیقہ نہیں باقی رکھا تھا نیز اب آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا جب قمرن گھر بار لوٹ کر بیگم بن کے رہے گی۔ اور تم لونڈی اس کی بنو گی ہم تو اب رخصت ہوتے ہیں۔

نواب محمد عسکری صاحب کے ہمراہ رکاب کئی دوست اور مصاحب تھے۔ نواب چھٹن صاحب آغا محمد اطہر صاحب، منشی مہراج بلی صاحب، ممتن، اختر، مسخرہ، جملو، دو خدمت گار، دو روٹے، ایک چپراسی، دو پہرے والے دو خاص پیڑ، ایک آبدار خانے والا، اور داروغہ صاحب کل عملے کی خیر، اور بی قمرن تو جان کے ساتھ تھیں ان کا ساتھ بھلا کیوں کر چھوٹ سکتا۔

بی قمرن اور نازو کے ہمراہ رکاب ایک مغلانی دو مہریاں۔ دو بار برداریاں، ایک محلدار۔

۲۸۔ آدمیوں کا غول ان کے ساتھ تھا۔ ممتن کو ایک مہینے کی تنخواہ پیشگی دی گئی اور سفر خرچ کے لیے دس روپیے اختر کو ایک مہینا پیشگی اور بانات کی ایک نئی اچکن۔ اور ایک نیا گھٹنا۔ اور ایک نیا گرم چغہ۔ مسخرے کو ایک پرانا سرخ رنگ کا بھدّے کام کا دوشالہ عطا ہوا۔ کوئی پچیس چھبیس روپیے سے زیادہ قیمت کا نہ ہوگا پانچ روپیے ان کو بھی پیشگی ملے۔ جملو کو ایک مہینے کی تنخواہ پیشگی۔ خدمت گاروں وغیرہ کو بھی پیشگی تنخواہ دی گئی۔

نواب صاحب کے ساتھ بہت بڑا سامان گیا تھا جو نتیس سیر تمباکو دوسیرا، اور تیسرا اور چوسیرا۔ پانچ روپیے کے سیچے کو بلیے ڈھاک کے۔ سُو عظیم اللہ خانی حقے۔ مختلف اقسام کے۔ خس کے نیچے۔ پیچوان۔ ۲۷۔ پٹارے اور بکس اور صندوق۔ چار بند وقیں چار سروہیاں۔ دو طمنچے۔ ایک کٹار۔ فرش فروش۔ دری۔ جاجم۔ قالیچے۔ ہوائی تکیے۔ کل اسباب عشرت اور سامان ریاست ساتھ تھا ان سواری کے چار گھوڑے اور سب بیش بہا۔

نواب صاحب کئی دن کے بعد محل سرا میں تشریف لے گئے تو نواب نادر جہاں بیگم نے کہا آج یہ کہاں بھول پڑے تم جاؤ ہم نہیں بولتے اُس روز کیا وعدہ ہوا تھا۔

نواب صاحب نے کہا تو ہم اس وعدے کے خلاف کب ہوئے آج فریزر صاحب کا خط نینی تال سے آیا ہے کہ یہاں آج کل موسم اچھا ہے ضرور آؤ۔ اگر آؤ گے تو صاحب لوگوں سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ میں تو رسیاں توڑا کے جاتا ہوں مگر تم کو کیوں کر لے چلوں یہ بڑی وقت ہے۔

ہاں ایک بات البتہ ہو سکتی ہے کہ میں وہاں جاکے بندوبست کروں اور جب کوئی عمدہ کوٹھی ملے تو تم کو بُلالوں۔

بیگم صاحب نے پوچھا کہ اچھا اس سے فائدہ کیا جو لوگ وہاں نہیں جاتے وہ تندرست نہیں رہتے۔ جھوٹ موٹ کے حوصلے ہیں۔ بس اور کچھ نہیں کیا وہاں کوئی اور خدا ہے۔

نواب۔ اچھا اب کی چل کے دیکھ ہی لوگی۔

بیگم۔ تم ہم کو کاہے کو لے چلوگے بھلا۔

نواب۔ خدا کی قسم اگر عمدہ مکان مل گیا تو ضرور بلوائیں گے۔ فوراً بلوائیں گے۔ ہمارا دل نہیں بہلے گا۔ تمہارے بغیر۔

بیگم۔ ایسے ہی تو ہو۔ اس جھوٹ میں کیا پیچ ہے۔

نواب۔ سنتے ہیں عجیب مقام ہے نینی تال۔

بیگم۔ تعریف تو ہم نے بھی سنی ہے۔ ساتھ کیوں نہیں لے چلتے۔ ساتھ ساتھ چلنا اور اچھا ہے۔ پہاڑ کا پہلے ہم نے کبھی نام تک نہیں سنا تھا کہ نینی تال ہے کہاں۔ ایک نیا نام سننے میں آیا وہاں تو برف گرتی ہے۔ اور جو کہیں راہ چلتے چلتے کوئی برف میں دھنس جائے تو کیا ہو۔ اے ہے سنتے ہو بیکار ہے۔ جانا۔ ہماری صلاح تو نہیں ہے مفت میں بیٹھے بٹھائے آفت میں پڑنا کیا معنی۔ کون ایسا ضروری کام ہے کہ اس کے بغیر کچھ ہو ہی نہیں سکتا مزے میں یہاں رہتے اور اب کی تو تُوں بھی نہیں چلی۔ اب کی کیا ضرورت ہے۔ جہاں ذری بھی خطرہ ہو اس کے پاس نہ پھٹکنا چاہیے۔

نواب صاحب نے بیگم صاحب سے وعدہ کر لیا کہ جو خطرے کے مقام ہیں وہاں ہم نہ جائیں گے تم اطمینان رکھو اور ایک اٹھوارے کے اندر ہی اندر ہم تم کو بلوالیں گے یہ کہہ کر انھوں نے کہا کہ ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں ذرا جاکے اسباب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ سب معاملہ لیس ہے یا نہیں۔ باہر آئے تو ایک نئے مکان میں قمرن کی ماں کو بلوایا اور سارا چٹھا کہہ سنایا۔

نواب۔ اب ہم قمرن اور نازو کو پہاڑ پر لیے جاتے ہیں۔

ضعیفہ۔ خط وط بھیجا کرنا مگر پتا تو بتا جاؤ۔

نواب۔ ہمارا منشی تمہارے پاس چوتھے پانچویں آیا کرے گا اور جو پیغام ہو گا وہ تم کو سُنا دیا کرے گا خاطر جمع رکھو۔

ممن ۔ اچھا تو میں ایک دفعہ صورت تو دیکھ لوں اس کی۔

نواب۔ کوئی سات بجے میں ان کو یہاں بلوالوں گا۔

ممن ۔ تو کیا نازو کو بھی لے جاؤ گے اس کا جانا ٹھیک نہیں ہے اگر اس کا میاں آگیا تو کیسی ٹھہرے گی۔

اتنے میں ممن نے آواز دی حضور غلام حاضر ہو کہا آؤ۔ ممن نے ایک سرخ لفافہ پیش کیا۔ کہا یہ تار آیا ہے۔ نواب صاحب نے دستخط کر دیے اور کہا بابو کو ذرا بلا لاؤ۔ بابو کو فرصت نہ تھی ممن نے اُس سے ترجمہ لکھ لیا۔

مرسلۂ فریزر صاحب از نینی تال بنام نواب محمد عسکری لکھنؤ۔ آپ کا تار آیا۔ کوٹھی سجی سجائی آراستہ ہے فی روم پچاس روپیہ کرایہ پر لے لی۔ آدمی اسٹیشن تک روانہ کیا جائے گا۔ ٹھیک تاریخ روانگی سے اطلاع کیجیے۔

نواب صاحب نے حکم دیا کہ ابھی جواب بھیجو کہ ہم لوگ آج شب کو ۹ بجے گاڑی پر روانہ ہوتے ہیں اسٹیشن پر یہ سامان بھیجیے اور دو معتبر آدمی۔

ممن ۔ بس حضور کافی ہے اس قدر۔

نواب ۔ ہم تو گھوڑے پر سوار ہوں گے۔

ممن ۔ حضور غلام بھی انشاءاللہ۔

نواب۔ تم تو ڈولیوں کے ساتھ آؤ گے۔

ممن ۔ حضور یہ خدمت دارو غہ یا جملو یا مسخرے کے سپرد کیجیے۔

نواب ۔ میاں تم ایک ہوادار میں سوار ہونا۔

ممن ۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے خداوند۔ بے شک ہو سکتا ہے۔ حضور یہ تو ممکن ہے۔ مگر ان عورتوں کے ساتھ جانا اور اپنے اپنے گھروں پر ان کو پہونچانا محض فضول ہے۔ ویسا ہی ان کے ساتھ چلنا معیوب ہے۔

اب سنیے کہ ضعیفہ آخرکار اس تجویز پر راضی ہو گئی کہ نازو اور قمرن دونوں نواب صاحب کے ساتھ جائیں۔ اور ضعیفہ اسی مکان میں رہے اور اگر کوئی نازو کا حال دریافت کرے تو کہہ دے کہ اس کا میاں آکے لے گیا بس اور اگر میاں آئے تو اس سے خوب لڑے کہ تو ہی تو لے گیا تھا اور اب بڑھ بڑھ کے باتیں بناتا ہے۔

خیر دوستوں سے یہ صلاح قرار پائی کہ نو بجے گاڑی جاتی ہے۔ یا تو اپنے اپنے گھروں سے سیدھے

بخط راست سب کے سب اسٹیشن پر جائیں، یا کسی دوست کے ہاں سب کے سب ٹھیک پونے آٹھ بجے جمع ہو جائیں۔ اِس آخری رائے سے سب نے اتفاق کر لیا۔ کہ نواب چھٹن صاحب کے مکان پر سب کے سب ٹھیک پونے آٹھ بجے جمع ہو جائیں۔

نواب محمد عسکری بیگم صاحب سے رخصت ہونے لگے۔ اُنھوں نے امام ضامن کی اشرفی باندھی، اور بہزار دقت رخصت کیا۔ یہ سیدھے آغا صاحب کے مکان پر پہونچے۔ ان کو ساتھ لیا اور چھٹن صاحب کے ہاں آئے۔ ممّن ان کے ہمراہ رکاب تھا۔ اختر اور جملو بھی یکے بعد دیگرے جمع ہوئے۔ داروغہ کو پہلے ہی سے رخصت کر دیا تھا۔ صرف منشی مہراج بلی کے آنے کی کسر تھی یہ سب لوگ چھٹن صاحب کے ہاں آٹھ بجے پہونچے۔ جب سوا آٹھ بجے تک مہراج بلی نہ آئے، تو نواب صاحب نے ممّن کو گاڑی پر بھیجا۔ وہ وہاں سے آ کے کہنے لگا کہ خداوند وہاں تو کوئی بولتا ہی نہیں۔ دربان پہرے پر بیٹھا ہے۔ اور چوکیدار ہے، اور باری اگر گھر کے دروازے بند ہیں۔ لاکھ لاکھ پکارا کوئی نہ بولا۔ دربان نے غل مچایا۔ میں نے خود پکارا۔ پہرے والا چلایا۔ باری پکارتے پکارتے تھک گیا۔ کہا ہم لوگ خود چلتے ہیں۔ مگر تم چھٹن صاحب کی گاڑی پر اسٹیشن چلو۔ وہاں زنانی سواریوں کا بندوبست بھی کرنا ہے۔

جب یہ سب صاحب لدپھند کے منشی مہراج بلی کے ہاں گئے، تو دربان اور چوکیدار اور باری نے کہا، حضور ابھی وہ میاں بھی آئے تھے۔ آپ کے ہاں کے ممّن۔ پکارتے پکارتے مر گئے کوئی بولتا ہی نہیں۔

نواب۔ (دروازے کے پاس جا کر) منشی مہراج بلی صاحب، اجی منشی مہراج بلی صاحب ہوت!

آغا ۔ (کنڈی کھٹکھٹا کر) منشی صاحب۔ منشی مہراج بلی صاحب ارے مکان میں کوئی ہے؟۔

چھٹن ۔ کھولو نہیں تو دروازہ توڑ ڈالا جائے گا۔

نواب۔ ارے میاں ریل کا وقت جاتا ہے۔

چھٹن ۔ منشی مہراج بلی صاحب (دروازے کو زور سے لات لگا کر) ارے کھولو۔ کوئی ہے۔ یا سب مر گئے۔

نواب ۔ سانپ سونگھ گیا ہے سب کو۔ کوئی جواب نہیں دیتا۔ سب مر گئے۔

منشی مہراج بلی کی بیوی کو یہ بد دعا بُری معلوم ہوئی۔ دل میں کہا سانپ سونگھے تیرے کنبے کو، تیرے ہوتوں سوتوں کو۔ مگر منشی مہراج بلی مسٹ مارے پڑے رہے۔ چپ چاپ۔

اتنے میں ان لوگوں نے زینہ لگاکر قصد مکان پھاندنے کا کیا۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے زینہ لگایا۔ اور برآمدے کی چھت پر پہونچ ہی گئے۔ تو کہا کون ہے کون ہم آتے ہیں۔

منشی مہراج بلی کو مجبور ہو کر بولنا پڑا۔ ارے بھئی کاہے واسطے دروازہ توڑے ڈالتا اور مکان پھاندنے مانگتا تم لوگ۔

نواب صاحب نے غل مچا کر کہا۔ بولا کاہے واسطے بولا، لے اب باہر آئیے۔ باہر آن کر منشی مہراج بلی نے کہا بھائی جان ہم تو اب کل چلیں گے ہماری جورو ہم کو جانے نہیں دیتی مجبوری ہے۔ آج پنچک ہے۔ کل ضرور ضرور چلیں گے بھائی صاحب۔

نواب۔ ہمارے ہاں مونچھوں کا کونڈا تھا اور یہاں پنچک ہے۔ کیا کیا پخچین لگی ہوئی ہیں واللہ۔ واہ رے ہندوستانی۔

چھٹن۔ اچھا اب کیا صلاح ہے پھر وقت تنگ ہے، جو کچھ کرنا ہے جلدی کرنا چاہیے۔

آغا۔ بھئی ملتوی کر دو۔ چلو تو سب کے سب سانتھ ہی چلو ورنہ کوئی نہ چلو۔

چھٹن نے کہا بہتر ہے۔ مگر گھر نہ چلیں گے اسٹیشن کے پاس۔ ہمارا باغ ہے رات بھر وہیں رہیں اور طبلہ کھٹکے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ شب کو جلسہ دیکھا۔ دن کو سوئے۔ دوسرے روز شب کے وقت ریل پر سوار ہوئے۔ نینی تال کی محبت نے آخر کار کھینچا ہی۔

ہماری مطبوعات

جدید سیاسی فکر	سید انوار الحق حقی / ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی	14/25
جدید ہندوستان کے معمار	آئی، سی، ایچ، آر / ڈاکٹر قیام الدین احمد	14/-
جغرافیہ کی ماہیت اور اس کا مقصد	ایس۔ ڈبلیو وولرج / انیس احمد صدیقی	19/-
جدید ہندوستان کے سماجی و سیاسی افکار	ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی	47/-
اورنگ زیب کے عہد میں مغل امراء	محمد اطہر علی / امین الدین	28/-
بادشاہ	میکاولی / ڈاکٹر محمود حسین	14/-
برطانیہ کا دستور اور نظام حکومت	محمد محمود فیض آبادی	36/-
تاریخ آصفی	مرزا ابو طالب / ڈاکٹر ثروت علی	10/-
تاریخ اور سماجیات	عائشہ بیگم	10/50
اسلامی تہذیب و تمدن	عماد الحسن آزاد فاروقی	14/-
اسلامی سماج	ریوبن لیوی / ڈاکٹر مشیر الحق	60/-
اکبر سے اورنگ زیب تک	ڈبلو ایچ مورلینڈ / جمال محمد صدیقی	21/50
البیرونی کے جغرافیائی نظریات	ڈاکٹر حسن عسکری کاظمی	11/-
تاریخ فلسفہ سیاسیات	پروفیسر محمد مجیب	18/-
تاریخ ہندی فلسفہ	ایس۔ این داس گپتا	12/50
تحریک آزادی ہند	ظہور محمد خاں	2/25
تحریک خلافت	قاضی محمد عدیل عباسی	65/-
قدیم ہندوستان میں شودر	ڈاکٹر رام سرن شرما / جمال الدین محمد صدیقی	14/50
مہاتما گاندھی	بی۔ آر۔ نندا / علی جواد زیدی	60/-
مغلیہ سلطنت کا عروج و زوال	ڈاکٹر ریاض احمد خاں شیروانی	37/-
مغل دربار کی گروہ بندیاں اور ان کی سیاست	ڈاکٹر ستیش چندر /	22/-
(دوسری طباعت)	ڈاکٹر قاسم صدیقی	

فسانۂ آزاد (جلد سوم، حصہ اوّل)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	67/50
فسانۂ آزاد (جلد سوم، حصہ دوم)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	67/50
فسانۂ آزاد (جلد چہارم، حصہ اوّل)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	50/-
فسانۂ آزاد (جلد چہارم، حصہ دوم)	رتن ناتھ سرشار / امیر حسن نورانی	50/-
فکر و تحقیق (۱) جنوری تا جون 1989	قومی اردو کونسل	15/-
فکر و تحقیق (۲) جولائی تا دسمبر 1989	قومی اردو کونسل	15/-
فکر و تحقیق (۳) جنوری تا جون 1990	قومی اردو کونسل	15/-
فکر و تحقیق (۴) جولائی تا دسمبر 1990	قومی اردو کونسل	15/-
فکر و تحقیق (۵) جنوری تا جون 1992	قومی اردو کونسل	20/-
فکر و تحقیق (۶) جولائی تا دسمبر 1992	قومی اردو کونسل	20/-
فکر و تحقیق (۷) جنوری تا جون 1997	قومی اردو کونسل	30/-
فکر و تحقیق (۸) جولائی تا دسمبر 1997	قومی اردو کونسل	30/-
آہنگ و عروض	ڈاکٹر کمال احمد صدیقی	18/-
املا نامہ	مرتب: پروفیسر گوپی چند نارنگ	9/-
اردو تصویری لغت	شیاملا کماری / ڈاکٹر علی رفاد فتیحی	30/-
اردو صرف و نحو	ڈاکٹر اقتدار حسین خاں	16/-
اردو افعال	سونیا چرنیکوا	24/-
اردو املا (دوسری طباعت)	رشید حسن خاں	زیر طبع
اردو انسائیکلوپیڈیا (حصہ اوّل)	پروفیسر فضل الرحمٰن	300/-
اردو انسائیکلوپیڈیا (حصہ دوم)	پروفیسر فضل الرحمٰن	450/-
اردو انسائیکلوپیڈیا (حصہ سوم)	پروفیسر فضل الرحمٰن	450/-
اسکول لائبریری	سید حسین رضا رضوی	20/-

ایلیس آئینہ گھر میں	لیولیس کیرل / ڈاکٹر عبدالحیٔ	12/-
بابر نامہ	ڈاکٹر محمد قاسم صدیقی	12/-
باتیں کرنے والا غار	دولت ڈونگاجی / راے کے لونگیا	3/50
باپو اور بچے	پی۔ ڈی۔ ٹنڈن / تاجور سامری	2/25
بچوں کے حالی	صالحہ عابد حسین	3/75
بچوں کے ڈرامے	اظہر افسر	10/50
بچوں کی مسکان	سیّدہ فرحت	3/75
بچوں کی نظمیں	جگن ناتھ آزاد	5/-
بچوں کے نہرو	ایم چیلاپتی راؤ / پریم نارائن	7/50
بکری دو گاؤں کھا گئی	م۔ ندیم	9/-
بگلا اور کیکڑا	الکا شنکر	7/-
بوڑھیا اور کوا	شنکر	7/50
بے زبان ساتھی	وکیل نجیب	10/-
بیربل کی شوخیاں	ثریا جبیں	8/-
بے زبانوں کی دنیا	حیدر بیابانی	18/-
جینک کی کہانی	غلام حیدر	4/50
چراغ کا سفر	سید محمد ٹونکی	1/50
چڑیا اور راجہ	مدھو ٹنڈن / راتل ویاس	7/-
چڑیاں	سلطان آصف	3/-
چلو چاند پر چلیں	جے پرکاش بھارتی / ڈاکٹر محمد یعقوب عامر	5/-
چندا ماما کے گاؤں میں	قاضی مشتاق احمد	5/-